تخریج شدہ مع اضافات جدیدہ

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

شیخ الحدیث علامہ قاضی

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم گھریال راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا

تخریج شدہ مع اضافات جدیدہ

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

شیخ الحدیث علامہ قاضی

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ جامعہ حقانیہ بہار العلوم شکریال راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

نام کتاب	تذکرۃ الانبیاء
مصنف	شیخ الحدیث علامہ قاضی عبد الرزاق بھترالوی حطاروی مہتمم جامعہ [illegible] راولپنڈی
کمپیوٹر گرافکس	حافظ محمد اسحاق ہزاروی
ناشر	مکتبہ امام احمد رضا Mehrul.uloom@yahoo.com 0321-5098812

اہم گزارش

ادارہ نے حتی المقدور کتاب میں تصحیح کی کوشش کی ہے تاہم پھر بھی قارئین کرام کو کہیں بھی کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو ادارے کو ضرور مطلع فرمائیں۔ ادارہ آپ کا بہت مشکور ہوگا۔

یا اللہ جل جلالہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیاد حضرت پیر سید مہر علی شاہ و حضرت پیر سید جماعت علی شاہ

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم (رجسٹرڈ)

[illegible] راولپنڈی

Ph: 051-4480039
Cell:0321-5098812

حوالہ نمبر ________

تاریخ ________

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے اپنی تمام تصنیفات کی طباعت کا اختیار اپنے داماد مولانا محمد اسحاق ہزاروی ابن محمد بنارس کو دے دیا ہے۔ وہ چاہیں تو کسی کو طباعت کی اجازت دیں' چاہیں تو روک دیں۔ میں نے اپنی کسی کتاب' کسی رسالے' کسی عربی حاشیہ' کسی اردو حاشیہ کے حقوق کسی پر نہیں فروخت کیے۔

بعض کتب کی کسی ادارے کو چھاپنے کی اجازت دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہوں بلکہ تمام تصنیفات کے حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

(دستخط)

عبدالرزاق بھترالوی

ابن قاضی عبدالعزیز رحمہ اللہ

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید وفرقان حمید وبرہان رشید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں وعدٗ وعیداور احکام کا ذکر فرمایا ہے وہاں انبیائے کرام کے واقعات کو بھی جا بجابیان فرمایا ہے۔ان برگزیدہ ہستیوں کے تذکرے میں کفار کے بیہودہ اور باطل اعتراضات کے جوابات دینا' انبیائے کرام پر نازل ہونے والے نعمتوں کا ذکر کرنا' مصائب وآلام پر صبر کرنا اور اہلِ ایمان کے لئے پختگی ایمان جیسی حکمتیں وغیرہ مضمر ہیں۔

اس سے قبل بھی اس عنوان پر مختلف زبانوں میں کتابیں لکھی گئیں مگر روایات واحوال کے بیان میں اتنی کوتاہ بینی کا مظاہرہ کیا گیا کہ کئی ضعیف واقعات کو انبیائے کرام کی طرف منسوب کر دیا گیا جو کہ ان ہستیوں کی شان میں باعث تنقیص وتوہین ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک ایسی جامع مانع اور مستند کتاب ہو جس میں تقدیسِ الوہیت' شان رسالت ونبوت کا ملحوظ خاطر رکھا گیا ہو اور ان من گھڑت روایات کا رد بھی سنجیدہ انداز میں ہو۔

محقق العصر شیخ التفسیر والحدیث استاذی المکرّم علامہ عبدالرزاق بھترالوی حطاروی دامت برکاتہم القدسیہ...... اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے .... نے اس کمی کو پورا فرما دیا۔ قبلہ استاذ المکرّم اہلسنت کی وہ معروف ومشہور شخصیت ہیں جو محتاجِ تعارف نہیں۔ متعدد درسی پر حواشی اور غیر درسی کتب وقرآن مجید کی مشہور زمانہ تفسیر ''نجوم الفرقان'' عوام وخواص میں آپ کی بے پناہ مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کا طرز اسلوب' سادہ' دلنشین' عام فہم' اور انتہائی آسان ہے۔ قاری پر برس پڑنے کے بجائے پیارے انداز میں دلائل .کے ذریعے بات سمجھاتے ہیں۔ افراط وتفریط کے مابین دھیمے انداز میں اپنے مذہب ومسلک کا بھرپور دفاع بھی فرماتے ہیں۔

''تذکرۃ الانبیاء'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں آپ نے قرآن مجید میں جا بجا بکھرے ہوئے انبیائے

کرام کے احوال کو احادیث اور مستند تفاسیر کی روشنی میں قلم بند فرمایا ہے نیز انبیائے کرام کی طرف منسوب غیر معتبر قصے اور اسرائیلی واقعات میں بھی احقاق حق اور ابطال باطل کے ساتھ ساتھ ادیانِ باطلہ اور گمراہ فرقوں کے رد میں دلائل قاہرہ پیش فرمائے ہیں۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کنز الایمان کی فوقیت کو بھی واضح فرمایا۔

کراچی کے کچھ معترضین نے اس بات پر اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں فرشتوں کے تھک جانے کی نفی ہے تو اسلئے حدیث کا معنی .... جبریل علیہ السلام تھک گئے .... کرنا درست نہیں۔ قبلہ استاذ المکرم نے دلائل کے ذریعے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدۂ معراجیہ سے شعر نقل کر کے نیز مقتدر علمائے اہل سنت کے تراجم کی تائید پیش کر کے ان کے اس اعتراض کا مسکت جواب ارشاد فرمایا جو کہ ص700 میں بصورت اعتراض و جواب موجود ہے۔

اس کتاب کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کتاب کے درجن سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں مگر اس کتاب کی مانگ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس جدید ایڈیشن کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

① : عربی عبارات اور اس کے ترجمہ کو اوپر نیچے لکھنے کے بجائے آمنے سامنے لکھا گیا ہے تا کہ پڑھنے میں آسانی رہے۔
② : عربی عبارات کو اعراب سے مزین کیا گیا ہے تا کہ عوام بھی بھرپور مستفیض ہو سکیں۔
③ : قرآنی آیات کے اختتام پر گول دائرہ کے بجائے آیت کا نشان اور نمبر دیا گیا ہے۔
④ : سورت، پارے اور رکوع کی مکمل نشان دہی کی گئی ہے۔
⑤ : اس کتاب کی حتی المقدور تخریج بھی کی گئی ہے یعنی کتاب کا نام، مصنف، جلد نمبر اور صفحہ نمبر دائیں طرف کے بجائے ہر صفحے کے نچلے حصے میں لائن لگا کر سیاہ نشان کے ساتھ اس کی نمبرنگ بھی کی گئی ہے۔ بار بار مطبوعہ لکھنے کے بجائے کتاب کے آخر میں فہرست ماخذ و مصادر دے دی گئی ہے۔
⑥ : کتاب کے حجم کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
⑦ : تفسیر نجوم الفرقان غیر مطبوعہ سے کئی ایک مقامات پر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔
⑧ : کتاب کے اندر بہت زیادہ لائن سپیس رکھنے کے بجائے مناسب سپیس رکھا گیا ہے۔
⑨ : جدید تقاضوں کے مطابق کتاب کا بارڈر ختم کیا گیا تا کہ کم صفحات بن سکیں۔
⑩ : مناسب کاغذ کے ساتھ ساتھ قیمت بھی کم کر کے انتہائی مناسب رکھی گئی، تا کہ اس مہنگائی کے دور میں کتاب ہر شخص کی قیمت خرید سے باہر نہ ہو۔

کتاب کی تیاری میں جن حضرات کا تعاون ہمارے ساتھ رہا، ان کا تذکرہ نہ کرنا احسان فراموشی ہے۔ اس کتاب کی

کمپوزنگ میں مولانا تیمور حسین ستی رضوی صاحب اور مولانا مدثر ظہیر ستی رضوی صاحب نے دن رات محنت سے کام کیا۔ ہمارے جامعہ کے مدرس مولانا حافظ طارق حسین صاحب نے حوالہ جات کی تخریج میں بھرپور تعاون کیا۔

قبلہ استاذی المکرم نے اپنا انتہائی قیمت وقت صرف کر کے بڑی محنت کے ساتھ پروف ریڈنگ کے ساتھ ساتھ نظرِ ثانی بھی فرمائی۔ ہر لمحہ ہر قدم پر مفید مشوروں سے بھی نوازا' اور ہر قسم کا تعاون بھی فرمایا۔

لجپال باپ کی لجپال اولاد جناب محترم حافظ نثار احمد قادری ابن بقیہ السلف یادگار اسلاف علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ .... اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے .... جنہوں نے مکتبہ کے قیام سے لیکر اب تک ہماری ہر عرض پر لبیک کہا' ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہر قسم کا تعاون بھی فرماتے ہیں اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے ہیں اور بڑی محبت اور شوق سے کام کرتے ہیں .... نے کتاب کی تیاری اور سرورق میں مدد فرمائی۔

محترم عزیزم محمد مقرب ستی .... جو مکتبہ امام احمد رضا کے سیلز منیجر ہیں .... نے کتب خانہ کے معاملات میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور کتب خانہ کو وقت دینے سے مجھے فارغ رکھا اور مولانا محمد عرفان سجاد نے بھی بڑی محنت سے میرے ساتھ کام کیا۔ مذکورہ بالا حضرات کو اللہ تعالیٰ بالخصوص اور باقی حضرات ...... جنہوں نے جس طرح سے تعاون کیا' مفید مشوروں سے نوازا .... کو بالعموم اللہ تعالیٰ اجر جمیل عطا فرمائے اور تمام کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم کا شعبہ نشر واشاعت **مکتبہ امام احمد رضا** ...... جو قلیل عرصے میں کثیر معیاری کام کر چکا ہے ...... اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔ استاذ المکرم کی تمام کتب کا عظیم مرکز ہے۔ ادارہ کی ہر ممکنہ کوشش ہوتی ہے کہ معیاری کتاب چھاپ کر سستے داموں عوام وخواص تک پہنچائی جائے تاہم بتقاضائے بشریت کے کوئی کوتاہی نظر آئے تو ادارے کو .... SMS ...... E.Mail ...... یا تحریری طور پر خط کے ذریعے سے ضرور مطلع فرمائیں۔ ادارہ آپ کے مفید مشوروں اور آپ کی پاکیزہ آراء کا منتظر رہے گا۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

حافظ محمد اسحاق ہزاروی

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم و مکتبہ امام احمد رضا

شکریال راولپنڈی

﴿اجمالی فہرست﴾

﴿تفصیلی فہرست﴾

بسم الله الرحمن الرحیم

پیش لفظ

"الحمدللہ یارب العالمین والصلوۃ والسلام علیك یارحمۃ للعالمین!

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے پیغام کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا، اور بے شمار درود و سلام ہوں حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی ذات اقدس پر کہ:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے قلب اطہر پر اپنا مقدس کلام نازل فرمایا: جو...... قرآنِ عظیم ہے...... کتابِ مجید...... فرقانِ حمید ہے...... برہانِ رشید...... نورِ مبین ہے...... محورِ دین ہے...... ذکرِ حکیم ہے...... صراطِ مستقیم ہے...... منبعِ ایمان ہے...... سرچشمۂ ایمان ہے...... مرکزِ جود و سخا ہے...... بحرِ لطف وعطاء ہے...... منبعِ رشد وہدایت ہے...... بحرِ علوم وحکمت ہے...... ہر شے کا روشن بیان ہے...... خزانہ علم وعرفان ہے...... وعظ ونصیحت کی کتاب ہے...... معرفت کا آفتاب جہاں تاب ہے...... اس کے عجائب کا شمار نہیں...... اس کے فضائل کی انتہاء نہیں...... یہ رب العالمین کا کلام ہے...... فلاحِ حقیقی کا پیغام ہے...... اس میں ہر مرض کی شفا ہے...... یہ ہر فرد کا راہنما ہے...... یہ سامان نجات ہے...... دلوں کے زنگ کا علاج...... کامل ترین فلسفۂ حیات ہے...... اور اس کی تلاوت باعث اجر وثواب ہے۔

قرآن حکیم کے علوم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

اول...... علوم العقائد دوم...... علوم الاحکام سوم...... علوم التذکیر

گویا قرآن حکیم...... انسانوں کے عقائد کی اصلاح کرتا ہے...... اور انہیں صحیح عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کے احکام دیتا ہے نیز اصلاح فکر وعمل کی طرف راغب کرنے کے لئے...... پچھلی امتوں کے احوال بیان فرماتا ہے: جیسا کہ...... کئی

سورتوں میں متعدد انبیائے کرام کی حالات......سورۃ المومن میں آلِ فرعون سے ایک مسلمان کا واقعہ......سورۃ یٰسین میں ایک مردمومن کا ذکر......سورۃ القلم میں باغ والوں کا واقعہ......سورۃ البروج میں کھائی والوں کا تذکرہ اور......سورۃ الکہف میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

ان احوال وواقعات کے بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں۔اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے چند نکات عرض کرتا ہوں:

﴿۱﴾: اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کا ذکر محبوب ہے اس لئے اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جابجا اپنے پیارے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے ان پر اپنی نعمتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی۔ہم جسے چاہیں (علم وحکمت ونبوت کے ساتھ) درجوں بلند کریں' بیشک تمہارا رب علم وحکمت والا ہے۔اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیۓ'ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو'اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو'یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو'اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو (بھی فضیلت دی) اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی''۔ [1]

﴿۲﴾: اللہ عزوجل نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمانے کا حکم دیا تاکہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر حضور ﷺ کی سنت ہو جائے اور یہ ذکر سن کر لوگ ان نفوس قدسیہ کی پاک خصلتوں سے نیکیوں کا ذوق وشوق حاصل کریں۔حدیث شریف میں ہے کہ صالحین کے ذکر سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے حوالے سے صدرالافاضل شیخ التفسیر مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یہ بہت سے عجائب وغرائب اور حکمتوں اور عبرتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دین ودنیا کے بہت فوائد اور سلاطین ورعایا اور علماء کے احوال اور عورتوں کے خصائص اور دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر اور ان پر قابو پانے کے بعد ان سے تجاوز کرنے کا نفیس بیان ہے جس سے سننے والے میں نیک سیرتی اور پاکیزہ خصائل پیدا ہوتے ہیں''۔ [2]

---

[1] الانعام:87-83 ترجمہ کنزالایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

[2] تفسیر خزائن العرفان بر ترجمہ کنزالایمان' سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ

انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے متعلق چند آیات کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ'' (یونس:71' کنزالایمان)

''اور ان پر پڑھو خبر ابراہیم کی''۔ (الشعراء:69' کنزالایمان)

''اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو''۔ (ص:17' کنزالایمان)

''اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو''۔ (ص:41، کنزالایمان)

''اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب، قدرت اور علم والوں کو''۔ (ص:45' کنزالایمان)

''اور یاد کرو اسماعیل اور یسع اور ذالکفل کو''۔ (ص:48' کنزالایمان)

''اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس رسول آئے''۔ (یٰسین:13' کنزالایمان)

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں''۔ (البقرۃ:30)

۳: انبیائے سابقین علیہم السلام کے احوال بیان کرنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کافروں کی طرف سے ڈالے گئے مصائب و تکالیف پر صبر کرنا آسان ہو جائے۔ ارشاد ہوا:

''اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں''۔ (ہود:120' کنزالایمان)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

''اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذائیں پانے پر، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں''۔ (الانعام:34' کنزالایمان)

مزید فرمایا گیا:

- ''اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا (یعنی مذاق) کیا گیا (کافر) ان سے ہنستے تھے۔ ان کی ہنسی ان کو لے بیٹھی' تم فرما دو! زمین میں سیر کرو' پھر دیکھو! کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟'' (الانعام:11-10' کنزالایمان)

۴: اہل کتاب نے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے مختلف سوالات کئے جن کے جواب میں رب تعالیٰ نے بعض واقعات وحی فرمائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تم سے ذوالقرنین کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر سناتا ہوں، بیشک ہم نے اسے

زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطاء فرمایا"۔ (الکہف:84-83 کنزالایمان)

﴿۵﴾: گذشتہ امتوں کے حالات و واقعات بیان کرنے میں کافروں کے اعتراضات کا جواب دینا اور انہیں لاجواب کرنا بھی مقصود تھا۔ارشاد ہوا:

"اور مشرک بولے، اللہ چاہتا تو اس کے سوا کچھ نہ پوجتے، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس سے جدا ہو کر ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے، ایسا ہی ان سے اگلوں نے کیا"۔ (النحل:35)

دوسری جگہ فرمایا:

"اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے، تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے نہیں تو دیکھتے ہیں ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا اور بے شک آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں"۔ (یوسف:39)

مزید ارشاد فرمایا:

"جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان کے مال اور اولاد تم سے زیادہ تو وہ اپنا حصہ برت گئے جیسے اگلے برت گئے اور تم بے ہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔کیا انہیں اپنے اگلوں کی خبر نہ آئی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور وہ بستیاں کہ الٹ دی گئیں ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس لائے تھے، تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظالم تھے"۔ (التوبہ:70-69)

سورۃ الاعراف میں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم شعیب کے انجام کا ذکر کر کے فرمایا:

"اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کئے پر عذاب میں گرفتار کیا"۔ (آیت:69)

یہ بھی ارشاد ہوا:

"یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے جسے پہلے جھٹلا چکے تھے"۔ (آیت:31)

﴿۶﴾: ان واقعات و احوال میں رب تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں جو باعث عبرت بھی ہیں اور نصیحت کا ذریعہ بھی۔اور ارشاد رب کریم ہے:

"یہ بستیوں کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں سناتے ہیں ان میں کوئی کھڑی ہے (کہ اس کے کھنڈرات باقی

ہیں) اور کوئی کٹ گئی (کہ اس کا نشان بھی باقی نہیں)۔ (ہود:30)

پھر فرمایا:

"بیشک اس میں نشانی ہے اس کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں"۔ (ہود:33)

مزید ارشاد ہوا:

"اور عاد اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کی کوتک (یعنی برے کام) ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہِ حق سے روکا، اور انہیں سوجھتا تھا (یعنی وہ عقل والے تھے)۔" (العنکبوت:38)

بنی اسرائیل کے نافرمانوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کرنے کا حال بیان کر کے ارشاد فرمایا:

"تو ہم نے یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت"۔ (البقرۃ:66 کنز الایمان)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا ذکر کر کے فرمایا:

"بیشک ہم نے اس سے روشن نشانی باقی رکھی عقل والوں کے لئے"۔ (العنکبوت:53)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"وہ روشن نشانی لوط علیہ السلام کی قوم کے ویران مکان ہیں۔ جن کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں"۔ (خزائن العرفان)

اسی طرح ایک گمراہ پر عذاب نازل کئے جانے کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

"یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں، تو تم نصیحت سناؤ کہ وہ دھیان کریں"۔ (الاعراف:176)

سورۃ الشعراء میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات بیان فرما کر متعدد بار اس آیت کریمہ کی تکرار کی گئی: "اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً" "بیشک اس میں ضرور نشانی ہے"۔ سورۃ یوسف آیت 111 میں ارشاد ہوا:

"بیشک ان کی خبروں سے عقل مندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں، یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنوں سے اگلے قوموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت"۔ (کنز الایمان)

﴿۵﴾: قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے صالحین کو پیش آنے والے مصائب اور تکالیف کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان ایمان افروز واقعات کو پڑھ کر مومن اپنے ایمان کو مزید مضبوط کر لیں اور راہِ حق میں ہر طرح کی آزمائشوں کے لئے تیار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں' انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے' کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے''۔ (البقرۃ:314)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

''کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ اور بیشک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا''۔ (العنکبوت:3-2 کنزالایمان)

﴿۸﴾ قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے تصرف واختیار اور معجزات وکمالات کا بھی بیان ہے جس سے کفار کے باطل نظریات کا رد ہوتا ہے نیز ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بے مثل بشر ہیں' ان کی طاقت وقدرت اور شان وعظمت عام انسانوں سے کہیں بلند وبالا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف' یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مورت بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے' اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو' اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے' اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو''۔ (آل عمران:49)

انبیائے کرام علیہم السلام کے تبرکات کی فضیلت کے بارے میں ارشاد ہوا:

''اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس ایک تابوت' جس میں تمہارے رب کی طرف سے چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھا لائیں گے اسے فرشتے' بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو''۔ (البقرۃ:228)

سورۃ النمل آیت ۱۹ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی گفتگو سننا' سورۃ یوسف آیت ۹۴ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا میلوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پا لینا اور سورۃ طٰہٰ آیت ۹۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا پورا ہونا' اور سورۃ الکہف آیت ۶۵ میں حضرت خضر علیہ السلام کو علمِ لدنی عطا کیا جانا' مذکور ہے۔ جبکہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شان یوں بیان ہوئی ہے:

''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے' وہ گفتگو نہیں کرتے مگر وحی جو انہیں جاتی ہے''۔ (النجم:4-3 کنزالایمان)

﴿۹﴾ قرآن عظیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات ومعجزات کے علاوہ بعض محبوبانِ خدا کی کرامات اور تصرفات بھی بیان

ہوئے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعات اس کی واضح مثال ہیں' جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے:

''جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس نیا رزق پاتے' کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں: وہ اللہ کے پاس سے ہے' بیشک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے' یہاں پکارا زکریا (علیہ السلام) اپنے رب کو' بولا: اے میرے رب! مجھے دے اپنے پاس سے ستھری اولاد' بیشک تو ہی دعا سننے والا''۔

(آل عمران 38-37)

پس ان کی دعا قبول ہوئی۔ سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کی کرامت بیان ہوئی ہے جنہوں نے وادیٔ سبا (یمن) سے تخت بلقیس پلک جھپکنے سے قبل بیت المقدس میں حاضر کر دیا تھا۔ سورۃ البروج میں کھائی والوں کے واقعہ سے بھی ولی کی کرامت ثابت ہوتی ہے جسے صحیح مسلم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

⑩: انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال و واقعات کا بیان نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر واضح دلیل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''اور (کافر) بولے: اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے (یعنی حضور علیہ السلام نے) لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ تم فرماؤ! اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے''۔

(الفرقان: 6-5)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

''یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں انہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے''۔ (ہود: 49)

مزید ارشاد فرمایا:

''یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں''۔ (یوسف: 32)

حضرت مریم علیہا السلام کے تذکرے میں ارشاد فرمایا:

''یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے''۔

(آل عمران: 44)

یعنی باوجود ان کے پاس نہ ہونے کے ان تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کر دینا آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا روشن ثبوت ہے۔ ''تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ''

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین عرصہ دراز سے ایسی کتاب کی شدید کمی محسوس کر رہے تھے جو انبیائے کرام علیہم السلام

کے احوال پر مشتمل ہو اور جامع و مستند ہو۔ موجودہ دور کے عوام وخواص کو استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالرزاق بھترالوی دامت برکاتہم العالیہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنی گرانقدر تدریسی مصروفیات میں سے وقت نکال کر انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے پر مبنی کتاب تحریر فرمائی۔

حضرت مصنف مدظلہ العالی کی شخصیت اہلِ علم طبقے میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں 26 سال تک فیضِ علم تقسیم فرماتے رہے اور اب اپنے ادارہ ''**جامعہ جماعتیہ مہر العلوم** شکریال راولپنڈی'' میں بصورت تدریس اور جامع مسجد غوثیہ ایف سکس ون اسلام آباد میں بصورت وعظ و تقریر تشنگانِ علم کو سیراب فرماتے ہیں۔ نیز متعدد درسی کتب پر حواشی کے علاوہ آپ نے کئی معرکۃ الاراء کتب تصنیف فرمائی ہیں، جن میں تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان، شمع ہدایت اور موت کا منظر مع احوال حشر و نشر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے معتبر تفاسیر اور کتب احادیث کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔ امام رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ محمود آلوسی کی تفسیر روح المعانی کو اس کتاب کا اہم ماخذ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ حضرت مصنف مدظلہ نے باطل ادیان اور گمراہ فرقوں کے رد میں جا بجا دلائل قائم کیے ہیں اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف منسوب غیر معتبر و غلط قصے کہانیاں کا بھی خوب رد کیا ہے۔

یہ کتاب حضرت علامہ مدظلہ کی تدریسی مہارت کی بھی آئینہ دار ہے امید ہے کہ اس سے عوام، دینی مدارس کے طلباء اور علماء حضرات بھی یکساں استفادہ کریں گے۔ اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مصنف مدظلہ نے اکثر مقامات پر دیگر اردو تراجم کے مقابلے میں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن، کنز الایمان کی فوقیت بھی احسن انداز میں ثابت کی ہے۔

مختصر یہ کہ استاذی المکرم مفکر قرآن وحدیث حضرت علامہ عبدالرزاق صاحب بھترالوی مدظلہ نے تفاسیر واحادیث میں بکھرے ہوئے موتیوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و محبت کے خوبصورت ہار میں پرو کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ استاذی المکرم مدظلہ العالی کو صحت و تندرستی عطا فرمائے، آپ کا سایہ اہل سنت کے سروں پر دراز فرمائے، آپ کی اولاد کو بھی آپ کے نقش قدم پر چلائے اور اس کتاب کو نافع خلائق و توشہ آخرت بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم الامین

خاک پائے علمائے حق

محمد آصف قادری غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمَاءَ وَفَضَّلَ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ الْاَنْبِیَاءَ وَرَفَعَ دَرَجَاتِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی صَحَابَتِہٖ وَاٰلِہٖ وَعَلَی الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ الْاَتْقِیَاءِ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ ﴿۷۸﴾

(سورۃ المومن 14:24)

''بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے کہ جن میں کسی کے احوال تم سے بیان فرمائے اور کسی کے احوال بیان نہیں فرمائے''۔

قرآن پاک میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہیں اور ان کے حالات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے نام ہیں لیکن ان کے حالات ذکر نہیں کئے گئے جیسے حضرت یسع اور حضرت ذوالکفل علیہما السلام۔ اور بعض کے واقعات ذکر ہیں لیکن نام نہیں، جیسے حزقیل اور حضرت شموئیل علیہما السلام۔ اور بعض کے نام بھی نہیں اور حالات بھی نہیں، جیسے حضرت دانیال علیہ السلام۔

قرآن پاک میں انبیائے کرام کے اسماء گرامی:

حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت شعیب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد:

اگرچہ مشہور روایت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے ایک روایت میں آٹھ ہزار کا بھی ذکر ہے۔ اسلئے بہتر یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں سب برحق تھے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے معین تعداد ذکر نہ کی جائے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ کم تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں زائد ہوں یا ایسا نہ ہو کہ یہ زائد تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں کم ہوں۔ پہلی صورت میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں جو نبی نہیں ہوں گے ان کو نبی ماننا لازم آئے گا۔ اس لئے دونوں صورتوں میں خرابی آتی ہے لہٰذا یہی بہتر صورت ہے کہ یہ ایمان رکھے: "اے اللہ! تیری طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر میرا ایمان ہے اور وہ برحق ہیں"۔ (از شرح عقائد)

تنبیہ: انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کا ہمیں یقین نہیں کیونکہ روایات مختلف ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم نہیں تھا۔ اسی طرح تفصیلاً انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو نہ ذکر کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ پر بذریعہ وحی کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات ظاہر نہیں کئے گئے اگر بذریعہ وحی آپ کو خبر دی جاتی تو ہمیں بھی علم حاصل ہوتا۔ یہ درست نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے علم کا یہ عالم ہے:

"اَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی عَلَّمَهُ اللّٰهُ بِجَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلٰکِنْ اُمِرَ بِکَتْمِ اَشْیَاءٍ مِنْهَا"

(تفسیر صاوی، شیخ احمد صاوی، ج 6 ص 2312)

"بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبی علوم عطا فرما دیئے البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔"

رسولوں اور آسمانی کتابوں کی تعداد:

تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض زیادہ مرتبہ والے نبی ہوئے ہیں جن کو رسول کہا جاتا ہے ان رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ (313) ہے اور آسمانی کتابوں کی تعداد کل ایک سو چار (104) ہے۔ چار کے مستقل نام ہیں: تورایت، انجیل، زبور، قرآن پاک اور ایک سو کے مستقل نام نہیں، بلکہ ان کو "صحیفے" کہا جاتا ہے۔

نبی کسے کہا جاتا ہے؟

نبی کا لفظ یا تو "نَبَاوَةٌ" سے بنا ہے جس کا معنی ہوتا ہے بلندی مرتبہ اور یا لفظ بنا ہے "نَبَأٌ" (با ساکن) سے جس کا معنی

ہوتا ہے خبر دینا ظاہر کرنا۔اور یا یہ لفظ بنا ہے "نَبَاوَۃٌ" (باساکن اور تاء زائد) سے جس کا معنی ہوتا ہے مخفی آواز۔

پہلے معنی کے لحاظ پر نبی کو "نبی" اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مخلوق سے بلند مرتبہ رکھتا ہے۔دوسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ حق بات کو ظاہر کرتا ہے اور غیبی خبریں دیتا ہے اور تیسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ وحی کو سنتا ہے جو آواز دوسروں پر مخفی ہوتی ہے۔اسی طرح ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اصل میں "نَبِیْءٌ" (مہموز اللام بروزن فعیل) ہو تو اس وقت معنی ہوتا ہے راستہ۔ اس صورت میں "نبی" کو "نبی" کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے جس طرح راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور منزل مراد کو پانے کا ذریعہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔ (نبراس بر شرح عقائد نسفی، ص)

یہ تو لفظ "نبی" کے لغوی معنی تھے جو سب کے سب نبی میں بیک وقت جمع ہوتے ہیں۔اصطلاحی طور پر نبی کی تعریف یہ ہے کہ:

"بنی آدم سے ہو یعنی انسان ہو، مذکر ہو، آزاد ہو، اس کی طرف وحی آئے اور لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچائے، نیک لوگوں کو جنت کی بشارت دے اور کفار کو جہنم سے ڈرائے اور معجزات کے ذریعے اس کی نبوت کو تائید حاصل ہوتی ہے۔"

"رسول" کا معنی پیغام پہنچانے والا، بھیجا ہوا لیکن اصطلاح میں "رسول" اسے کہتے ہیں جسے کتاب بھی عطا ہو یا پہلی شریعت پر عمل کرنا ختم ہو چکا ہو تو از سرنو اسے پہلی شریعت کی تجدید کا حکم دیا جائے۔ہر رسول نبی ضرور ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔تمام رسولوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات سے تقویت پہنچائی جاتی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزہ کسے کہتے ہیں؟

معجزہ: عادت کے خلاف آلات کے واسطہ کے بغیر مدعی نبوت سے بعد از اعلانِ نبوت کسی کام کا خلافِ عادت سرزد ہونا "معجزہ" کہلاتا ہے۔عادت کے مطابق کام کرنے کا نام معجزہ نہیں، جیسے تیز دوڑ کر دوسروں سے آگے نکل جانا، تیز نظر والے شخص کا کسی چیز کو اتنے دور سے دیکھ لینا کہ عام آدمی کو نظر نہ آسکے۔اس قسم کے کام معجزہ نہیں کہلاتے۔

آلات کے واسطہ سے عادت کے خلاف کام کرنے کا نام بھی معجزہ نہیں۔ٹیلیفون کے ذریعے دور و دراز بات کر لینا، ٹیلی ویژن کے ذریعے کسی کی شکل دیکھ لینا وغیرہ اس قسم کے کام معجزات نہیں۔

معجزہ صرف نبی سے عادت کے خلاف ہونے والے کام کا نام ہے۔غیر نبی نے کوئی کام حیرت انگیز کر دیا ہو تو اسے معجزہ کہنا جہالت و دیوانگی ہے جیسے آج کے دور میں عام کاموں کو معجزہ کہنا اکثر پڑھے لکھے بے وقوفوں میں رواج پا چکا ہے جو سراسر باطل ہے۔

ارہاص: اعلانِ نبوت سے پہلے نبی سے عادت کے خلاف کوئی کام سرزد ہو تو اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ''ارہاص'' کہا جائے گا جیسے حضور نبی کریم ﷺ کو اعلانِ نبوت سے پہلے ہی پتھر سلام کیا کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کلام فرمایا۔

کرامت: اللہ کے ولی سے کوئی کام عادت کے خلاف واقع ہو تو اسے ''کرامت'' کہا جائے گا۔

معونت: عام مومن جو ولی نہیں اور فاسق بھی نہیں تو اس سے کوئی کام عادت کے خلاف ہو تو اسے 'معونت'' کہا جائے گا۔

استدراج: کافر یا فاسق کے ہاتھوں شعبدہ بازی کا مظاہرہ' عادت کے خلاف کام کرنے کو' استدراج'' کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی وجہ سے جہنم کی آگ میں پہنچ جاتا ہے۔ استدراج کا مطلب ہوگا'' آگ کی طرف پہنچانا'' یہ اس وقت ہے جب یہ کلام اس کی غرض کے مطابق واقع ہوں۔

اہانت: کافر سے کوئی کام عادت کے خلاف سرزد ہو لیکن اس کی غرض کے خلاف ہو تو اسے ''اہانت'' کہتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب نے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہا تو کلی کر کے پانی کنوئیں میں ڈالا تو وہ نمکین اور کڑوا ہو گیا۔ ایک شخص کی ایک آنکھ ضائع تھی اس پر ہاتھ پھیر کر درست کرنا چاہا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

سحر (جادوگری): شریر لوگ اپنے خاص اعمال کے ذریعے شیاطین کی امداد سے کئی کام عادت کے خلاف واقع کرتے ہیں یہ ''سحر'' یعنی جادوگری ہے۔

تنبیہ: مخالفین کے چیلنج اور مطالبہ پر اور نبی کے دعویٰ پر معجزہ کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے لیکن کرامت کا وقوع ضروری نہیں۔

کون نبی نہیں ہو سکتے؟

''مؤنث'' کو نبی نہیں بنایا گیا کیونکہ تبلیغ دین ان سے ممکن نہیں۔ نبی کو گھر سے باہر مردوں کے ہجوم اور مجالس میں احکام الٰہیہ پہنچانے ہوتے ہیں' یہ کام مؤنث سے نہیں ہو سکتے۔

''غلام'' نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام دوسرے لوگوں کی نظر میں حقیر ہوتا ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اسلئے اس سے تبلیغ احکام دین ممکن نہیں۔

جن اور فرشتے نبی نہیں بنائے گئے۔ جنس کا جنس سے فائدہ حاصل کرنا تو ممکن ہوتا ہے لیکن دوسری جنس سے فائدہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے اسلئے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نبی کا انسان ہونا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا ﴿۹﴾ (الانعام 7:7) ''اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے''

یہ ان کفار کو بتایا گیا ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ایمان سے محروم ہوتے تھے کہ ہم اس پر ایمان کیوں لائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نبی کی تعلیم سے فیض حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کو انسانی شکل میں بھیجا جائے تا کہ وہ لوگ فائدہ حاصل کر سکیں۔ اگر فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے اصلی شکل میں دیکھنے کی انسانوں میں طاقت ہی نہ ہوتی اگر فرشتہ کو نبی بنایا بھی ہوتا تو انسانی شکل میں ہی آتا تا کہ لوگ اس سے فیض حاصل کر سکتے۔

نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں:

"ذَهَبَ طَائِفَةٌ مِنْ مُحَقِّقِي الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ إِلَى الْعِصْمَةِ مِنَ الصَّغَائِرِ كَالْعِصْمَةِ مِنَ الْكَبَائِرِ"

(نبراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ ص 453)

''فقہائے کرام اور متکلمین میں سے محققین کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جس طرح قبل از نبوت اور بعد از نبوت کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہیں''

انبیائے کرام اخلاق عظیمہ کے مالک ہوتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اعلان نبوت سے پہلے بھی ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق عطا کئے ہوتے ہیں تا کہ لوگ ان کے ماضی حال مستقبل پر کوئی اعتراض نہ کر سکیں یعنی یہ پاکیزہ اخلاق ان کو تمام اوقات میں حاصل رہتے ہیں۔ شجاعت' بردباری' کریمانہ گفتگو وغیرہ' ہر قسم کے اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور رذیل وگھٹیا کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

نفس نبوت میں تمام انبیاء علیہم السلام برابر ہیں:

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نفس نبوت میں یعنی بحیثیت نبی ہونے کے برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ کسی نبی کی نبوت اصلی ہو اور کسی نبی کی نبوت عارضی ہو' بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت اصلی ہے۔ کسی نبی کی نبوت عارضی نہیں' ہاں! البتہ درجات کے لحاظ سے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دنیا میں تشریف لانے کے لحاظ سے سب سے پہلے آنے والے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں تشریف لانے والے سیدنا و نبینا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
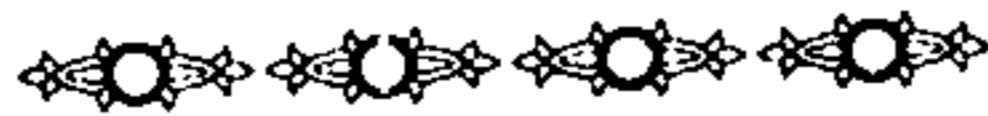
حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں سے مشورہ کیا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (سورۃ البقرۃ 4:1)

''اور یاد کیجئے! جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب۔''

مشورہ کرنے کی حکمت:

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے فرمانا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں معاذ اللہ ان سے اجازت طلب کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف مشورہ طلب کرنا تھا اور وہ بھی احتیاجی یا لاعلمی کی وجہ سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں بلکہ مشورہ طلب کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس میں فرشتوں اور خلیفہ کا اکرام پایا جائے کیونکہ رب تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ طلب کرنے میں فرشتوں کی عظمت شان واضح ہوتی ہے اور خلیفہ کے متعلق مشورہ کرنے میں خلیفہ کی عظمت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کی تخلیق سے پہلے ہی اس کا نورانی مخلوق میں ذکر ہو رہا ہے۔

حدیث مرفوع:

''اِنَّ رَبِّیْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اِسْتَشَارَنِیْ فِیْ اُمَّتِیْ'' (مسند احمد ج 5 ص 393)

''بیشک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا''

یہ مشورہ طلب کرنا بھی اسی حکمت کے پیش نظر تھا کہ اس میں حضور ﷺ اور آپ کی امت کی عزت افزائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاعلمی یا احتیاجی کے طور پر معاذ اللہ نبی کریم ﷺ سے مشورہ نہیں کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ...... (سورۃ النساء 8:5)

''آپ ان سے امور میں مشورہ کریں''

یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ آپ صحابہ کرام کے مشورہ کے محتاج تھے بلکہ صحابہ کرام کی عزت افزائی کے لئے مشورہ کا حکم دیا گیا۔ (1)

اور اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلیا کریں۔

اعتراض: خلیفہ کا مطلب ہے پیچھے آنے والا اور نائب' خلیفہ کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب اصل خود اپنے کام کرنے سے عاجز ہو' اصل کا عاجز ہونا یا اس کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس کے غیب ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا مرض تھکان وغیرہ کی وجہ سے۔ ان تمام معانی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنانا درست نہیں۔ وہ حی لا یموت ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اس پر موت کے وقوع کا تصور کرنا بھی محال ہے' وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' وہ کہیں دور چلا جائے' غیب ہو جائے' یہ ہونا بھی ممکن نہیں کہ وہ مریض ہو جائے' تھک جائے' عاجز ہو جائے' یہ بھی ناممکن ہے' تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: یہاں خلیفہ کا معنی پیچھے آنے والا نہیں بلکہ نائب ہے، یعنی اللہ کا نائب ہو کر زمین و آسمان کی اشیاء میں تصرف کرنے والا ہو۔ نائب بنانے کی ضرورت بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں تھی' وہ محتاج نہیں بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنانا تھا انہیں محتاجی تھی' اسلئے کہ انسان بہت زیادہ کدورتیں اور ظلمات جسمانیہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت متقدس ہے۔ فیض لینے والے اور فیض دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے جب مخلوق میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مخلوق کو وجود میں لانا بھی رب تعالیٰ کی مشیت تھی تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام کیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو واسطہ بنایا جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فیض لے کر اپنی بشریت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچا دیں۔

جس طرح انسانوں اور حیوانوں کے جسموں میں ہڈیاں اور گوشت ہے۔ ہڈیاں سخت ہیں گوشت نرم ہے' ہڈی اپنی سختی کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل نہیں کر سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ہڈیوں اور گوشت کے درمیان پٹھے بطور واسطہ رکھے پٹھے اپنے نرم حصہ سے گوشت سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے سخت حصہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔ (2)

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے متعلق جو مشورہ کیا اس سے مراد صرف آدم علیہ السلام نہیں اور آپ کی تمام اولاد بھی مراد نہیں بلکہ آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد سے بعض حضرات جو اس خلافت کے منصب کے اہل ہوں گے یہ سب مراد ہیں اور وہ افراد آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد ﷺ تک پیدا ہونے والے تمام انبیاء و رسل کرام ہیں۔

---

(1) التبیان' علامہ کاظمی رحمہ اللہ ص 98

(2) بیضاوی و شیخ زادہ' ج 1 ص 242 دار احیاء التراث بیروت

انبیاء کرام علیہم السلام تمام کے تمام فرداً فرداً معصوم ہیں لیکن صدیقین' اولیاء' صالحین فرداً فرداً تو معصوم نہیں' البتہ اجتماعی طور پر معصوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اجتماعی فیصلہ امت کو قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

جب یہ ثابت ہوا کہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس میں یہ استعداد پائی جائے تو خود واضح ہوا کہ عورت کی فطرت سلیمہ اور طبیعت مستقیمہ اس قابل نہیں کہ جمعہ یا باقی نمازوں کی امامت یا خلافت یعنی حاکمیت اس کے سپرد کی جائے۔ ''عورت'' اپنی فطرتی اور طبعی کمزوری کی وجہ سے یہ کام سرانجام نہیں دے سکتی۔

خلیفہ بنانے کا مقصد: خلیفہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کے احکام مخلوق تک پہنچائے اور رب تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا نظام جاری کرے۔ مسلمانوں کی اکثریت جب اس نظام کو چاہنے والی ہو تو امت مسلمہ کو کفار پر غلبہ رہتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب مسلمان اپنے ایمان اور اعمال میں کامل ہوں۔ کامل ایمان کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو اور اللہ کی راہ میں موت کی تمنا کامل اور غالب ہو۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ:

خلافت راشدہ عادلہ کے بعد مسلمانوں پر دنیا کی محبت غالب آ گئی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں راسخ نہ رہی، دنیا کی محبت کی وجہ سے موت سے ان کے دلوں میں کراہت پیدا ہو گئی اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا جزبہ کامل نہ رہا۔ جس کی وجہ سے امت مسلمہ بدحالی کا شکار ہو گئی' غیروں پر اس کو غالب رہنے کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔

سنن ابی داؤد اور بیہقی کی حدیث میں امتِ مسلمہ کی اس بدحالی کا ذکر نہایت ہی المناک صورت میں وارد ہے۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے مسلمانو! قریب ہے کہ کافروں کی جماعتیں تم پر حملہ آور ہونے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کسی پیالے میں کھانا رکھا ہوا ور اسے کھانے کے لئے ہر طرف سے لوگوں کو بلایا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کہ حضور! کیا اس وقت ہم قلیل ہوں گے۔ فرمایا: نہیں، تم اس وقت بہت کثیر تعداد میں ہو گے لیکن تم اس وقت سیلاب کے جھاگ اور اس کے خس و خاشاک کی طرح ہو گے (یعنی ایمانی قوت وشجاعت تم میں باقی نہ رہے گی) اللہ تعالیٰ تمہاری ہیبت اور تمہارا رعب دشمن کے دل سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی اور کمزوری پیدا کر دے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور بزدلی اور کمزوری کا سبب کیا ہوگا؟ فرمایا: {حُبُّ الدُّنْیَا وَ کَرَاھَۃُ الْمَوْتِ} ''دنیا کی محبت اور موت کی کراہت'' ظاہر ہے کہ

جو شخص دنیا سے محبت کرے گا موت اسے ناپسند ہوگی۔ عرصہ دراز سے مسلمان اسی بدحالی میں مبتلا ہیں اور موجودہ دور میں یہ بدحالی ایسی خوفناک صورت اختیار کر گئی ہے کہ اس کے نتائج کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔"

خیال رہے کہ ہر دور میں نیک لوگ' اصحابِ علم وتقویٰ رہے ہیں۔ انہی کے دم قدم سے نظام دنیا چل رہا ہے اور دنیا کی بقا ہے۔ لیکن اکثریت جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو کم تعداد میں نیک لوگ بھی ہلاکت کی زد میں آ جاتے ہیں' اگرچہ وہ ہلاکت ان کے لئے عذاب نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

"اِذَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ عَذَابًا اَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ کَانَ فِیْھِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰی اَعْمَالِھِمْ " ❶ "یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو نیک و بد بھی اس میں ہلاک ہو جاتے ہیں پھر جب وہ اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک کا اٹھایا جانا اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق ہوگا۔"

مسلمان اگر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی تمنا یہ ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ جائیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ تمام مسلمان مجموعی طور پر کامل ایمان رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر کسی اور چیز کو ترجیح نہ دیں۔ اسی محبت اور کامل ایمان کی وجہ سے جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنی اس عظمت دور رفتہ کو حاصل نہ کر لیں جو صحابہ کرام کے دور میں کفار پر مسلمانوں کو حاصل تھی کہ مسلمانوں کی ہیبت سے کفار کے اعضاء پر کپکپی طاری ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے مشورہ طلب کرنے پر فرشتوں کا تعجب سے سوال:

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خلیفہ بنانے کا مشورہ طلب کیا تو فرشتوں نے تعجب کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے سوال کیا:

"اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ ....(۳۰) (سورۃ بقرہ 4:1)" "کیا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کرے؟ اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں۔"

فرشتوں نے رب تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کوئی مخالفت کی بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی علم دے رکھا تھا کہ جو خلیفہ میں بنانے والا ہوں اس میں اور اس کی اولاد میں عناصرِ اربعہ کی آمیزش ہوگی' جو ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے یعنی آگ مٹی پانی ہوا کا مجموعہ ہوگا یہ علم فرشتوں کو رب تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوا تھا یا ان پر لوحِ محفوظ کو منکشف کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ مخالف اور ضد کی چیزیں ملنے سے تو فساد ہی ہوگا خلیفہ تو اس لیے بنایا جاتا ہے کہ زمین میں بھلائی قائم ہو اور لوگوں کو بھلائی کی راہ پر قائم کیا جائے اور ان کے نفسوں کی تکمیل کی جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام جاری

❶ بخاری شریف' ج 2' ص 1053 بحوالہ التبیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ' ص 102

کئے جائیں تو جس کی بناء ہی فساد پر ہوگی اس سے یہ کام کیسے ہوسکیں؟

"اِسْتِكْشَافٌ عَنِ الْحِكْمَةِ الْخَفِيَّةِ اَوْ تَعَجُّبٌ مِنْ اَنْ يُّسْتَخْلَفَ لِعِمَارَةِ الْاَرْضِ وَاِصْلَاحِهَا مَنْ يُّفْسِدُهَا؟" ❶ "یہ سوال ان کا مخفی حکمت کے پتہ چلانے کے لیے یا اس سوال پر تعجب کرتے ہوئے تھا کہ جو فساد پھیلانے والے ہوں گے ان سے زمین کو آباد کرنا اور اس میں صلاحیت پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔"

خیال رہے کہ یہ فرشتوں کی اجتہادی خطاء تھی کہ انہوں نے سمجھا شاید تمام انسان ایسے ہوں گے حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہونے کی وجہ سے اور نیک و پارسا، صالح و متقی لوگ اللہ کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے فساد برپا کرنے سے پاک ہیں۔ فرشتوں کے خیال کے مطابق ان کی تسبیح وتقدیس اور عصمت کے پیشِ نظر وہ خلافتِ الٰہیہ کے زیادہ مستحق تھے، ان کے اس قسم کے قصورِ علم کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ "یعنی اے میرے فرشتو! میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" (سورۃ البقرۃ 4:1)

محض تسبیح وتقدیس معیارِ خلافت نہیں اور نہ ہی مختلف اور ایک دوسرے کی ضد عناصر سے مرکب ہونا منصب خلافت کے منافی ہے، بلکہ خلافت کا معیار یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ جن چیزوں کا غیروں کو حکم دے ان پر خود بھی عمل کرے، اسلئے سارے انسان فساد اور ناحق خونریزی کرنے کے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ ان میں معصوم بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کے حقدار ہوں گے۔

آدم علیہ السلام کے علوم:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ "اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔"

حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، مجاہد اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے:

"عَلَّمَهُ اَسْمَاءَ جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ حَتّٰى الْقَصْعَةِ وَالْقُصَيْعَةِ" ❷ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم عطا کیا یہاں تک کہ بڑے اور چھوٹے پیالے کے نام بھی بتائے۔"

"وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهَا اَسْمَاءُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَعُزِيَ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا" "اور بعض حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف قول منسوب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام

---

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1، ص 221

❷ تفسیر ابی السعود، علامہ ابو السعود والعمادی رحمہ اللہ ج 2 ص 84

(روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 224) کو اللہ تعالیٰ نے ''ماکان وما یکون'' (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونا ہے) کا علم عطا فرمایا۔''

پہلے معنی اور اس معنی کے لحاظ سے مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں اور ان کے ناموں کا علم عطا کر دیا خواہ وہ پہلے پائی جا چکی ہیں یا بعد میں پایا جاتا ہے۔

"وَقَالَ الْإِمَامُ الْمُرَادُ بِالْاَسْمَاءِ صِفَاتُ الْاَشْيَاءِ وَنُعُوْتُهَا وَخَوَاصُّهَا" ❶ ''امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کو تمام چیزوں کی صفات اور نعتیں اور خواص تک کا علم عطا فرما دیا گیا تھا۔''

"وَعَلَّمَهُ اَحْوَالَهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدِّيْنِيَّةِ وَالدُّنْيَوِيَّةِ" ❷ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے احوال اور ان سے دینی یا دینوی منافع جو متعلق ہیں ان تمام کا علم عطا فرما دیا تھا۔''

ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھا دی گئیں' اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ملائکہ کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا' اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ستاروں کے ناموں پر مطلع فرما دیا گیا تھا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد حکیم ترمذی کا قول نقل کیا:

''اَسْمَاءُ هُ تَعَالٰى'' کہ اس آیت کریمہ میں اسماء سے مراد اسماءِ الٰہیہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:
میرے نزدیک حق یہ ہے اور تمام اللہ والے بھی اسے ہی حق مانتے ہیں اور منصب خلافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا کیا گیا ہے۔''

"وَهُوَ اَنَّهَا اَسْمَاءُ الْاَشْيَاءِ عَلْوِيَّةً اَوْ سِفْلِيَّةً جَوْهَرِيَّةً اَوْ عَرْضِيَّةً وَيُقَالُ لَهَا اَسْمَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى عِنْدَهُمْ بِاعْتِبَارِ دِلَالَتِهَا عَلَيْهِ وَظُهُوْرِهِ فِيْهَا غَيْرَ مُتَقَيِّدٍ بِهَا" ❸ ''وہ اشیاء خواہ علوی ہوں یا سفلی جوہری ہوں یا عرضی ان تمام کے اسماء کو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی کہا جاتا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذات پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے تمام اشیاء سے ظاہر ہوتے ہیں' اگرچہ اللہ تعالیٰ ان میں مقید نہیں ہوتا۔''

آدم علیہ السلام کو نام سکھائے' فرشتوں کو نہیں' کیا وجہ؟

الفاظ کے ذریعے معانی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس کے پڑھانے والے کو معلّم کہتے ہیں اور پڑھنے والے کو متعلّم صرف معلّم کے پڑھانے سے متعلّم کو علم حاصل ہونا ضروری نہیں بلکہ متعلّم میں استعداد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی متعلّم میں سمجھنے کی صلاحیت ہو تو معلّم کی تعلیم کا اس پر اثر ہوگا۔ یہ روزمرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک ہی کلاس کے لڑکوں کو استاد پڑھاتا ہے سب کو

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 224
❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 224
❸ البحر المحیط' ابوحیان اندلسی' ج 1' ص 145

یکساں پڑھا رہا ہوتا ہے لیکن پھر کوئی لائق ہوتا ہے اور کوئی نالائق۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جب آدم علیہ السلام کو منصب خلافت عطا کرنا تھا تو آپ کو پہلے تمام اشیاء اور ان کی کیفیات اور ان کے ناموں کو سمجھنے کی استعداد بھی عطا فرمائی لیکن فرشتوں کو ہر ہر چیز کے حالات کی تفاصیل کو سمجھنے کی استعداد عطا نہیں ہوئی تھی کیونکہ ان کو منصب خلافت پر فائز کرنا مقصود ہی نہیں تھا۔ (1)

آدم علیہ السلام کو علم کیسے عطا کیا گیا تھا؟

"وَمَعْنٰی تَعْلِیْمِهٖ اَسْمَآءَ الْمُسَمَّیَاتِ اَنَّهٗ تَعَالٰی اَرَاهُ الْاَجْنَاسَ الَّتِیْ خَلَقَهَا وَعَلَّمَهٗ اَنَّ هٰذَا اِسْمُهٗ فَرَسٌ وَبَعِیْرٌ وَهٰذَا اِسْمُهٗ کَذَا"

"آپ کو تمام چیزوں کا علم دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے ایک ایک جنس آپ کو دکھا دی اور اس کا نام بتا دیا مثلاً گھوڑا دکھا کر بتایا گیا کہ اسے گھوڑا کہتے ہیں اور اونٹ دکھا کر بتایا گیا کہ اسے اونٹ کہتے ہیں، اسی طرح ایک ایک چیز دکھا کر اس کے نام بتا دیئے گئے۔"

"وَاخْتَصَّ اٰدَمُ بِمَعْرِفَةِ الْاَسْمَآءِ بِجَمِیْعِ اللُّغَاتِ وَتِلْکَ اللُّغَاتُ تَفَرَّقَتْ فِیْ اَوْلَادِهٖ" (2)

"آدم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو تمام چیزوں کے نام ہر زبان میں بتا دیے گئے تھے اور وہی زبانیں آپ کی اولاد میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔"

یعنی ایک چیز کا نام آپ نے ہر ہر زبان میں بتایا جو زبانیں بھی ایجاد ہوئی تھیں آپ کو ان کا علم پہلے ہی عطا کر دیا گیا۔

فائدہ: جب آدم علیہ السلام کو "ما کان وما یکون" کا علم دیا گیا۔ ہر چیز کے نام ہر ہر زبان میں سکھائے گئے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا مقام کیا ہوگا؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾﴾ کا ترجمہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

{رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا}

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی جان کہا:

حضرت علامہ آلوسی نے ..... ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ کی تفسیر میں تحریر فرمایا.....

"اَلْعَالَمُ جَسَدٌ وَّرُوْحُهُ النُّبُوَّةُ وَلَا قِیَامَ لِلْجَسَدِ بِدُوْنِ رُوْحِهٖ" (3)

"تمام جہان ایک جسم ہے اور نبی کریم اس کی روح ہیں، جسم کا قیام بغیر روح کے ممکن نہیں۔"

اس سے پتہ چلا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی جان ہیں اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے یہ واضح ہوا کہ

(1) تفسیر ابوالسعود، محمد بن محمد العمادی، ج 1، ص 84
(2) تفسیر صاوی علی الجلالین ج 1 ص 49
(3) تفسیر مدارک التنزیل للنسفی ص 25
(4) تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، ج 9 ص 105

......علمہ البیان...... کا مطلب یہ ہے کہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو "ما کان وما یکون" کا علم عطا کیا گیا۔ اس پر علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام البیان کی تفسیر ملاحظہ ہو:

"عَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَاَيْضًا عَنْ اِبْنِ كَيْسَانَ اَلْاِنْسَانُ هٰهُنَا يُرَادُ بِهٖ مُحَمَّدٌ ﷺ"

"یعنی علمہ البیان میں ضمیر منصوب کا مرجع الانسان ہے اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔"

"وَالْبَيَانُ بَيَانُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْهُدٰى مِنَ الضَّلَالِ وَقِيْلَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ لِاَنَّهٗ بَيَّنَ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَيَوْمَ الدِّيْنِ" ❶

"اور علمہ البیان میں بیان سے مراد یا تو حلال وحرام، علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یا جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بیان سے مراد ما کان یکون کا علم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اولین وآخرین اور قیامت کا ذکر فرمادیا ہے یعنی جب آپ نے جمیع گزرے ہوئے اور آنے والے واقعاتِ قیامت سے مطلع فرما دیا تو آپ کو ما کان وما یکون کا علم حاصل ہے۔"

میں نے اردو تراجم قرآنی کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب "تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان" میں بہت سی تفاسیر کی عبارات نقل کر کے واضح کیا کہ سارے تراجم میں سے یہاں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہی باکمال ہے۔

علم کے فضائل عقلیہ ونقلیہ:

تفسیر کبیر اور عزیزی کے حوالہ سے علم کے فضائل پر مختصر بحث پیش خدمت ہے:

فقیہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ عالم کی صحبت میں حاضر ہونے میں سات فائدے ہیں خواہ اس سے علم حاصل کرے یا نہ کرے۔

①: وہ شخص طالب علموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا ثواب پاتا ہے۔

②: جب تک اس مجلس میں بیٹھا رہے گا گناہوں سے بچا رہے گا۔

③: جس وقت یہ اپنے گھر سے طلب علم کی نیت سے نکلتا ہے ہر قدم پر نیکی پاتا ہے۔

④: علم کے حلقے میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے جس میں یہ بھی شریک ہو جاتا ہے۔

⑤: علم کا ذکر سنتا ہے جو کہ عبادت ہے۔

⑥: وہاں جب کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے جو اسکی سمجھ میں نہیں آتا اور اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے نزدیک منکسر القلوب (دل ٹوٹا ہو جو رحمت کا مستحق ہوتا ہے) میں شمار کیا جاتا ہے۔

❶ تفسیر قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ احمد انصاری رحمہ اللہ، ج ۹، ص 152، مطبوعہ بیروت

⑦: اس کے دل میں علم کی عزت اور جہالت سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم دین مال پر سات وجہ سے افضل ہے:

①: ''علم'' پیغمبروں کی میراث اور ''مال'' فرعون، ہامان شداد اور نمرود کی۔

②: مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مگر علم بڑھتا ہے۔

③: مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے لیکن علم خود انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

④: مرنے کے بعد مال تو دنیا میں رہ جاتا ہے اور علم دین قبر میں ساتھ ہوتا ہے۔

⑤ مال مومن اور کافر سب کو مل جاتا ہے لیکن دین کا نفع (یعنی قبر و حشر میں کامیابی) صرف ایماندار کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

⑥: کوئی شخص بھی عالم سے بے پرواہ نہیں لیکن بہت سے لوگوں کو مالداروں کی ضرورت نہیں۔

⑦: علم سے پل صراط پر گذرنے کی قوت حاصل ہوگی اور مال سے کمزوری۔

سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوئے:

①: حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے فرشتوں پر بزرگی دی گئی اور فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

②: حضرت خضر علیہ السلام ......ان کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ نبی ہیں یا ولی...... کے علم کی وجہ سے ان کی اور موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور کچھ اشیاء کے ظاہر و باطن کا فرق واضح ہوا۔

③: یوسف علیہ السلام علم کی وجہ سے خواب کی تعبیر بیان کرنے پر قید خانہ سے نکل کر شاہی دربار میں پہنچ کر وزیر خزانہ اور تمام بادشاہی کاموں کے مدبر مقرر ہو گئے۔

④: حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم کی وجہ سے بلقیس جیسی ملکہ بحیثیت زوجہ ملی اور اسے بھی آپ کے علم کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا۔

⑤: حضرت داؤد علیہ السلام کو علم کی وجہ سے منصب نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہی بھی حاصل رہی۔

⑥: عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ حضرت مریم کی تہمت کو علم کی وجہ سے ہی دور فرمایا۔

⑦: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات عالم سے زیادہ علوم عطا فرما کر خلافتِ الٰہیہ اور شفاعتِ کبریٰ کے درجۂ رفیعہ پر متمکن فرمایا۔

قرآن پاک میں سات چیزوں کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے کے برابر نہیں:

①: عالم اور جاہل برابر نہیں۔ ②: خبیث اور طیب یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں۔

﴿۳﴾: دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ ﴿۴﴾: اندھا اور آنکھ والا یعنی علم اور ایمان والا اور ان سے خالی برابر نہیں۔

﴿۵﴾: ظلمت اور نور یعنی علم اور ایمان کی نورانیت اور ان سے خالی ہونے کی وجہ سے حاصل ہونے والی تاریکی برابر نہیں۔

﴿۶﴾: سردی اور گرمی برابر نہیں ﴿۷﴾: زندے اور مردے برابر نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں سے قائم ہے:

﴿۱﴾: عالم باعمل سے۔ یعنی علم دین کے حاصل کرنے کے بعد اس کے اعمال بھی احکام دینیہ کے مطابق ہوں۔

﴿۲﴾: ایسے جاہل لوگوں سے جو علماء سے محبت رکھتے ہوں۔ یقیناً علماء کی صحبت کی وجہ سے انہیں نیکی کے کاموں کی رغبت حاصل ہوگی اور علوم دینیہ کے مسائل سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوں گے۔

﴿۳﴾: سخاوت کرنے والے مالداروں سے یعنی مالدار جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے وہ بھی بلند مرتبہ رکھتا ہے جو نظام دنیا کے قائم رہنے کا سبب ہے۔

﴿۴﴾: اور غریب لوگ جن کے پاس مال تو نہیں لیکن وہ تھوڑے مال اور محنت ومشقت پر صبر کرنے والے ہوں یعنی صابر فقیر کے دم سے بھی دنیا قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ....﴿۲۸﴾
(سورۃ فاطر 16:22)

''بیشک اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔''

اس آیت میں جب ''اللہ'' پر پیش ہو اور لفظ ''علماء'' پر زبر ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے علماء کو عزت و وقار عطا فرماتا ہے ''اِنَّمَا یُبَجِّلُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءَ''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب علم دین پڑھانے والا شخص فوت ہوتا ہے تو اس پر فضا سے پرندے زمین کے تمام جانور، دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں روتی ہیں۔ حضرت عامر جہنی رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان فرماتے ہیں: کہ قیامت کے دن علم دین پڑھنے والے طالب علم کی سیاہی اور شہید کے خون کو لایا جائے گا۔ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا: اے بیٹے! علم حاصل کرو اگر تمہارے پاس مال بھی ہوا تو علم تمہارا جمال ہوگا اور اگر تمہارے پاس کوئی مال نہ ہوا تو علم ہی تمہارا مال ہوگا۔ [1]

نوٹ: علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فضیلت علم میں اس مقام پر بہت طویل بحث کی ہے، مختصر طور پر کچھ ذکر کیا گیا ہے۔

[1] تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 2، ص 185-180

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش:

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ ...... اَیْ اَصْلَكُمْ آدَمَ ...... مِنْ تُرَابٍ ❶

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے تمہارے اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔''

مزید ارشاد فرمایا:

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ هُوَ آدَمُ ❷

''یاد کرو! اس وقت کو جب آپ کے رب نے فرشتوں کو کہا کہ بے شک میں ایک بشر کیچڑ سے بنانے والا ہوں' اس سے مراد آدم ہیں۔''

اس مقام پر ''بشر'' سے مراد ایسا انسان جو ظاہر چمڑے والا ہوگا' اس پر بھیڑوں کی طرح اون نہیں ہوگی' بکریوں کی طرح بال نہیں ہوں گے' اونٹوں کی ملسی (اون) کی طرح بھی اون نہیں ہوگی' پرندوں کی پروں کی طرح پر نہیں ہوں گے' اور پھلوں کی طرح اس پر کوئی چھلکا نہیں ہوگا۔

"اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ" (صافات 4:23)

''بیشک ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔''

"اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ اَیْ اَصْلَهُمْ آدَمَ" ❸

''یہاں بھی مراد انسان سے ان کے اصل آدم علیہ السلام ہی ہیں۔''

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ آدَمَ مِنْ صَلْصَالٍ طِیْنٍ یَابِسٍ تُسْمَعُ لَهٗ صَلْصَلَةٌ اَیْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ مِنْ حَمَاٍ طِیْنٍ اَسْوَدَ مَّسْنُوْنٍ مُتَغَیِّرٍ" ❹

''بیشک ہم نے انسان یعنی آدم کو سیاہ خشک متغیر کیچڑ سے پیدا کیا صلصال اس کیچڑ کو کہتے ہیں جو خشک ہو جائے کھٹکانے پر اس سے آواز آئے' سیاہ کیچڑ کو ''حما'' کہتے ہیں' جسکی بو میں تغیر آ جائے اس کو ''مسنون'' کہتے ہیں۔''

"خَلَقَ الْاِنْسَانَ آدَمَ مِنْ صَلْصَالٍ طِیْنٍ یَابِسٍ یُسْمَعُ لَهٗ صَلْصَلَةٌ اَیْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ كَالْفَخَّارِ وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنْ طِیْنٍ" ❺

''انسان یعنی آدم کو خشک بجنے والی ٹھیکری کی طرح کے کیچڑ سے پیدا کیا۔''

ان آیات سے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے لئے پہلے خشک مٹی کو لایا گیا' پھر اسے گوندھ کر کیچڑ بنایا گیا پھر چپکنے والی مٹی بنایا گیا پھر اسے اسی طرح رہنے دیا گیا یہاں تک کہ وہ خشک ہو گئی اور بجنے لگی اور اس کی بو میں بھی تغیر آ گیا پھر اور زیادہ رکھنے پر ٹھیکری کی طرح ہو گئی۔

---

❶ تفسیر جلالین پ 21 ص 342 قدیمی کتب خانہ کراچی
❷ تفسیر جلالین پ 23 ص 384 قدیمی کتب خانہ
❸ تفسیر جلالین' پ 23 ص 373 قدیمی کتب خانہ کراچی
❹ تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی ص 212
❺ تفسیر جلالین' پ 23 ص 444 قدیمی کتب خانہ کراچی

جسم آدم علیہ السلام کے لئے مٹی لی گئی:

آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کی تخلیق کے لئے مٹی لانے کیلئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا گیا آپ جب تشریف لائے تو زمین سے مٹی لینے کا ارادہ کیا تو زمین نے بڑی عاجزی وانکساری اور گریہ وزاری سے عرض کیا: میری مٹی سے بننے والے شخصوں نے اگر خونریزیاں کیں یا وہ جرائم کی وجہ سے جہنم میں گئے تو مجھے تکلیف ہوگی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام زمین کی عاجزی کو دیکھ کر واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تمام ماجرا بیان کر دیا۔ اسی طرح اسرافیل بھی آکر واپس چلے گئے اور میکائیل بھی آکر واپس چلے گئے۔ ان تمام کے بعد عزرائیل علیہ السلام آئے ان کی خدمت میں بھی زمین نے وہی عاجزانہ گفتگو کی لیکن آپ نے کہا کہ میں تیری بات تسلیم کروں یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کروں؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسلئے میں نے تو مٹی ضرور ہی لے کر جانا ہے۔ آپ نے زمین کی انکساری کے طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق زمین سے مٹی لے کر رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنا بھی ان کے سپرد کیا کہ ایسا نہ ہو کہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل میں سے کسی کے ذمہ لگایا تو روح قبض کرنے کے لئے جائیں تو اس کے اقربا کو روتے ہوئے پا کر اسی طرح چھوڑ کر نہ آجائیں۔ ❶

کیسی مٹی لی گئی؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْهُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ" ❷

"بے شک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام زمین سے ایک مٹھی لے آؤ بھر مٹی لے آؤ۔ اس مٹی میں ہر قسم کے ذرات شامل کئے گئے سرخ رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور ان کے درمیان رنگ والی مٹی لی گئی۔ اسی طرح کچھ مٹی نرم زمین سے لی گئی اور کچھ سخت سے ایسے ہی طیب وخبیث مٹی کو شامل کیا گیا۔ جتنے قسم کے رنگوں والی مٹی آپ کے جسم میں لگائی گئی آپ کی اولاد میں اتنے ہی رنگ پائے جاتے ہیں اسی طرح کوئی نرم دل اور کوئی سخت دل کوئی نیک اور کوئی برے۔" بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں ساٹھ قسم کے رنگ شامل تھے وہ تمام آپ کی اولاد میں پائے جاتے ہیں۔

زمین میں چشمے کیوں جاری ہوئے: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو بتایا کہ میں تجھ سے اپنی ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو میرے مطیع ہوں گے ان کو میں جنت میں داخل کروں گا اور جو میرے نافرمان ہوں گے ان کو میں جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا۔ یہ سن کر زمین نے پھر پوچھا:

❶ تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ص 207

❷ حاشیہ جلالین ج 1 ص 8

اے اللہ! مجھ سے پیدا ہونے والی مخلوق جہنم کی آگ میں جائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! تو زمین اتنا روئی کہ اس کے رونے سے چشمے جاری ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ ❶

انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی کو لائے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے صفا و مروہ پہاڑیوں کے پاس رکھ دو یعنی وہاں رکھ دو جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے مختلف پانیوں سے گارا بنائیں پھر اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا اس لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم۔ پھر اسے مختلف ہواؤں سے خشک کر کے کھنکنے والی مٹی بنا کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے قالب کو تیار کیا۔ ❷

آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران ہو گئے:

فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی وہ حیران ہو کر اس کے ارد گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے۔ ابلیس کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی' ابھی تک وہ مردود نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا: تم اس پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے' جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے۔ اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا' پھر کہنے لگا: ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے' یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے؟ شاید یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا ہو۔ ❸

آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کا دخول:

اللہ تعالیٰ نے روح کو حکم دیا کہ اس قالب میں داخل ہو جا اور تمام حصوں میں پھیل جا۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے سے رک گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا یعنی وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آپ کو چھینک آئی اور زبان میں پہنچی تو آپ نے ''الحمد للہ'' پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابو محمد! (یہ اور ابوالبشر آپ علیہ السلام کی کنیت ہے) میں نے تمہیں اپنی حمد کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی تو آپ

---

❶ تفسیر صاوی الجلالین ج 1' ص 49

❷ تفسیر عزیزی' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ 207

❸ تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 1' ص 250

نے اٹھنا چاہا لیکن آپ گر پڑے کیونکہ روح ابھی نیچے والے حصہ میں نہیں پہنچی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ} ''انسان جلد باز پیدا کیا گیا۔'' پھر روح تمام جس میں پھیل گئی تو آپ کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو سلام کرو! آپ نے کہا: ''السلام علیکم'' فرشتوں نے جواب دیا ''وعلیکم السلام''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہی آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے سلام کا طریقہ ہوگا۔ آپ نے عرض کیا: میری اولاد کون سی ہوگی؟ تو آپ کی تمام اولاد کو آپ کے سامنے کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کے پیٹھ پر اپنا دستِ قدرت پھیرا اور آپ کی اولاد کو نکال ظاہر کیا، پھر فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں کا عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپ کی پیٹھ پر پھیرا اور آپ کی باقی اولاد کو ظاہر فرمایا اور رب نے کہا کہ ان لوگوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے، یہ جہنمیوں والے عمل کریں گے۔'' [1]

آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی:

''عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِیْ فَقَالَ خَلَقَ اللّٰهُ التُّرْبَةَ یَوْمَ السَّبْتِ وَخَلَقَ فِیْهَا الْجِبَالَ یَوْمَ الْاَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوْهَ یَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَخَلَقَ النُّوْرَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ وَبَثَّ فِیْهَا الدَّوَآبَّ یَوْمَ الْخَمِیْسِ وَخَلَقَ اٰدَمَ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فِیْ اٰخِرِ الْخَلْقِ وَاٰخِرِ سَاعَةٍ مِّنَ النَّهَارِ فِیْمَا بَیْنَ الْعَصْرِ اِلَی اللَّیْلِ'' [2]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے دن پیدا فرمایا۔ (مٹی سے مراد زمین ہے) اور اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا فرمایا اور درختوں کو پیر کے دن پیدا فرمایا اور مکروہات (مصائب وغیرہ) کو منگل کے دن پیدا فرمایا اور چوپاؤں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلایا اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد تمام مخلوق کے آخر میں دن کی آخری گھڑی عصر سے شام تک کے درمیان پیدا کیا۔''

فائدہ: احادیث میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دنوں میں جمعہ کا دن ہے کیونکہ جمعہ ہی کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور جمعہ کے دن ہی آپ کو جنت میں داخل کیا گیا اور جمعہ کے دن ہی آپ جنت سے باہر تشریف لائے اور جمعہ کے دن ہی آپ کی وفات ہوئی اور جمعہ کے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔

سید الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا کلام: سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت الشیخ نے فتوحات کے متعدد مقامات میں اشعار تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک (کھجور کو مخاطب کر کے)

---

[1] تفسیر خازن، علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم، ج 1، ص 46 ..... ترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، بحوالہ مشکوۃ، باب الایمان بالقدر، ص 21

[2] تفسیر نجوم الفرقان، ج 2، ص 563 مطبوعہ ضیاء العلوم پبلی کیشنز

مصرعہ یہ ہے: "یَا اُخْتَ عَمَّتِیْ الْمَعْقُوْلَۃ" اس مصرع کا لفظی معنی یہ ہے کہ: "اے میری بہن! بلکہ میری پھوپھی کہ تو معقولہ ہے"۔ یہ اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف جس میں ہے:

"کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے کچھ مٹی باقی رہ گئی جس سے کھجور کا درخت بنایا گیا۔ لہٰذا کھجور کا درخت آدم علیہ السلام کی بہن اور ہماری پھوپھی ٹھہرا۔ جب اس کی خلقت کے بعد کچھ مٹی بمقدار ایک دانہ تل باقی بچی تو اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک زمین نہایت وسیع پیدا فرمائی کہ ساتوں آسمان اور زمینیں اس کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے صحرا میں ایک حلقہ اس کو ارض حقیقی بولتے ہیں۔ "اس جہاں را آں جہانے دیگر است"۔ اس جہاں کے مقابلے میں وہ جہان ہی اور ہے۔ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہی داخل ہوتے ہیں اور اس کا علم بھی ان کو ہی حاصل ہے۔" ❶

آدم علیہ السلام کا قد:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كَانَ طُوْلُ اٰدَمَ سِتِّیْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِ اَذْرُعٍ عَرْضًا" ❷

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی لمبائی ساٹھ ذراع تھی یعنی نوے فٹ اور آپ کی چوڑائی سات ذراع تھی۔"

فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم:

آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تم نے میرے خلیفہ کے سامنے سجدہ کرنا ہے، آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں پر تمام چیزوں کو پیش کر کے ان کے نام پوچھے۔ جب فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا تو پھر آدم علیہ السلام سے پوچھا آپ نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے تو پھر حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۳۴)

(سورہ بقرہ 4:1)

"اور یاد کرو! جب ہم نے فرشتوں کو کہا: آدم کو سجدہ کرو! سب نے سجدہ کیا سوائے شیطان کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں سے ہو گیا۔"

فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا گیا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آپ کے بھائیوں نے تعظیماً سجدہ کیا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی حرام قرار دیا گیا۔ عبادت کی غرض سے سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی

---

❶ ملفوظات مہریہ، ص 17، مطبوعہ دربار عالیہ گولڑہ شریف ❷ مشکوٰۃ، باب بدء الخلق..... تفسیر نجوم الفرقان، ج 2، ص 563

شریعت میں جائز نہیں رہا۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلْفَاءُ لِاِفَادَةِ مُسَارِعَتِهِمْ فِی الْاِمْتِثَالِ وَعَدَمِ تَثَبُّطِهِمْ فِيْهِ" ❶ "فسجدوا میں لفظ فاء سے یہ ثابت ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے میں جلدی کی' کسی قسم کی تاخیر نہیں کی۔"

تاہم پھر بھی سب سے پہلے سجدہ حضرت جبرائیل نے کیا پھر میکائیل' پھر اسرافیل' پھر عزرائیل علیہم السلام نے پھر تمام فرشتوں نے اس لئے حضرت جبرائیل کو سب سے بڑا درجہ عطا کیا گیا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت' ان کے پاس وحی لانے کا عظیم کام ان کے سپرد ہوا۔ ❷

بعض حضرات نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سجدہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کیا اسی لئے اس کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔ ❸

آدم علیہ السلام کو خلیفۂ حقیقی کا مظہر بنایا گیا:

اگرچہ ظاہر طور پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت سب سے پہلے خلیفہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کیونکہ آپ کا اپنا ارشاد گرامی یہ ہے:

"كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" ❹ "میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔"

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی جگہ سے مٹی لے گئے۔آبِ تسنیم سے اسے گوندھا گیا۔جنت کی نہروں میں غوطے دیئے گئے زمینوں آسمانوں میں پھرایا گیا۔اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی فرشتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تھا۔پھر اس مٹی کو آدم علیہ السلام کے جسم سے ملا دیا گیا اور نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے آدم علیہ السلام کی پیشانی کو چمکایا گیا۔ ❺ وہی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دراصل فرشتوں سے سجدہ کرانے کا سبب بنا تھا۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

"اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ لِاَجْلِ اَنَّ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ فِیْ جَبْهَةِ اٰدَمَ" ❻ "بیشک فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کی پیشانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور رکھا گیا تھا۔"

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 229
❷ تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی' زیر آیۃ مذکورہ
❸ روح البیان' علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ' ج 1' ص 141
❹ ابو نعیم' طبقات ابن سعد' طبرانی' جامع الصغیر ج 2 ص 96
❺ ملخص تفسیر ثعالبی از خلاصۃ التفاسیر ج 1' ص 25
❻ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 2' ص 455

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَھُوَ ﷺ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ الْخَلِیْفَۃُ الْاَعْظَمُ فِی الْخَلِیْقَۃِ وَالْاِمَامُ الْمُقَدَّمُ فِی الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی وَلَوْلَاہُ لَمَا خُلِقَ آدَمُ وَلَا وَلَا" (1)

"یعنی در حقیقت حضور ﷺ ہی اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور بلند آسمانوں میں سب سے مقدم امام حضور ہی ہیں اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ آدم علیہ السلام پیدا ہوتے نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز۔"

علامہ رازی اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہما کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ خلیفہ اعظم حضور ﷺ ہی ہیں۔ آدم علیہ السلام کی خلافت آپ کی خلافت کا ظہور ہے۔ (2)

فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟

فرشتوں کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا نبی کریم ﷺ کو تمام زمینوں آسمانوں کا علم دیا گیا تو آپ جانتے ہیں لیکن آپ نے بھی تعداد کو ذکر نہیں فرمایا البتہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ذکر فرمایا کہ فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آسمان میں چرچراہٹ پیدا ہوئی اور حق بھی یہی ہے کہ ان میں چرچراہٹ پائی جائے کیونکہ آسمانوں میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں کہ وہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع نہ کر رہا ہو۔ تمام انسان، جن، حیوانات، پرندے، آبی جانور صرف روئے زمین کے مکین فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں، پھر یہ بھی ان تمام کے ساتھ ملا کر پہلے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں، پھر یہی سلسلہ سات آسمانوں تک پھر عرش کے پردوں کے ساتھ اور حاملین عرش فرشتوں کی تعداد کے مقابلے میں یہ ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابل ایک قطرہ ہو۔ (3)

ابلیس کی اصل کیا ہے؟

کچھ حضرات اس طرف ہیں کہ ابلیس فرشتوں سے علیحدہ ہے کیونکہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ نار (آگ) سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ﴾

"ابلیس جنوں سے تھا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔"

سوال یہ ہوتا ہے کہ اسے سجدہ کا حکم کیسے تھا؟ حالانکہ ظاہر طور پر تو حکم صرف فرشتوں کو ہے۔ تو اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں ہی میں داخل تھا اور ان والے احکام ہی اس پر جاری ہوتے تھے یعنی تغلیباً اس پر حکم جاری ہوا جیسے سرداروں کو حکم دیا جائے تو ان کے ماتحت بھی اس حکم میں داخل ہوتے ہیں لیکن کچھ محققین یعنی علامہ بغوی، واحدی، قاضی بیضاوی، علامہ آلوسی اور علامہ رازی رحمہم اللہ اس طرف ہیں کہ یہ فرشتوں سے ہی تھا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(1) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 1 ص 218

(2) التبیان، علامہ کاظمی رحمہ اللہ، ص 131-130

(3) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 2، ص 161

"لَامُنَافَاةَ كَوْنُهُ جِنًّا وَكَوْنُهُ مَلَكًا فَإِنَّ الْجِنَّ كَمَا يُطْلَقُ عَلٰى مَا يُقَابِلُ الْمَلَكَ يُقَالُ عَلٰى نَوْعٍ مِّنْهَا" ❶

ابلیس کو اگرچہ رب تعالیٰ نے جن کہا...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی اسے جن کہا گیا...... لیکن جن کہنے سے اس کے فرشتے ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان میں کوئی منافاۃ نہیں اسلئے کہ "جن" کبھی تو فرشتوں کے مدِ مقابل علیحدہ مخلوق کو بھی کہتے ہیں اور کبھی فرشتوں کی ایک قسم کو بھی "جن" کہا جاتا ہے۔

فرشتوں کو "جن" کیوں کہا گیا ہے؟

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لِاجْتِنَانِهِمْ وَاسْتِتَارِهِمْ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ" اسلئے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ چھپی ہوئی چیز کو "جن" کہا جاتا ہے اسلئے فرشتوں کو بھی جن کہہ دیا۔

وَكَوْنُهُ مَخْلُوْقًا مِنْ نَّارٍ وَهُمْ مَخْلُوْقُوْنَ مِنْ نُوْرٍ غَيْرُ ضَارٍّ اَيْضًا وَلَا قَادِحٍ مَلَكِيَّةً لِاَنَّ النَّارَ وَالنُّوْرَ مُتَّحِدُ الْمَادَّةِ بِالْجِنْسِ وَاخْتِلَافُهُمَا بِالْعَوَارِضِ" ❷

"ابلیس کے آگ سے پیدا ہونے اور فرشتوں کے نور سے پیدا ہونے میں بھی کوئی ضرر نہیں اور اس کے فرشتہ ہونے میں اس سے کوئی عیب ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ آگ اور نور کا مادہ ایک ہی ہے ایک ہی جنس سے ہیں البتہ عوارض کے لحاظ پر مختلف ہیں یعنی جس کے ساتھ دھوئیں کی آمیزش ہے وہ آگ ہے اور جو صاف وشفاف ہے وہ نور ہے۔ جس طرح مٹی ریت پتھر سرمہ وغیرہ کا مادہ اور جنس ایک ہے عوارضات کے لحاظ سے مختلف ہیں۔"

ابلیس تکبر کی وجہ سے مردود ہوگیا:

اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ ابلیس کا تکبر تھا۔ جب رب تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا حالانکہ میرا حکم تھا؟ تو اس نے جواب دیتے ہوئے یہ کہا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۱۲)
(سورۃ اعراف 9:8)

"میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔"

یعنی جو شان کے لحاظ سے بڑا ہو وہ گھٹیا کے سامنے (معاذ اللہ) سجدہ نہیں کرتا۔ ابلیس حقیقت میں آدم علیہ السلام کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اسے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اللہ کے نبی کی شان فرشتوں سے بلند ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (۷۷) وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ "تو جنت سے نکل جا! تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 229
❷ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 230

الدِّیْنِ﴿۳۵﴾ (سورہ حجر 3:14) پر لعنت ہے۔''

سالہا سال تک عبادت کرنے والا' رب کا مقرب' نبی کی شان میں گستاخی کرنے سے ایک پل بھر میں مردود ہو گیا۔ جنت سے نکال دیا گیا۔ قیامت تک لعنت کا مستحق ٹھہرادیا گیا۔

شیطان کی درخواست کی منظوری:

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ﴿۱۷﴾

(سورہ اعراف 9:8)

''بولا: مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں' فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ بولا: تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا' پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا' ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

شیطان یہ مہلت لوگوں کے اٹھائے جانے تک طلب کرنا چاہتا تھا کہ موت کی سختی سے بچ جائے لیکن شیطان کی یہ بات تو نہ مانی گئی۔ البتہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے تک اس کو مہلت دے دی گئی۔ سورہ حجر میں فرمایا:

فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴿۳۷﴾ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴿۳۸﴾

(سورہ حجر 3:14)

''بیشک تجھے ایک مقررہ وقت تک یعنی پہلے نفخہ تک مہلت ہے۔''

یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے پر شیطان بھی مرجائے گا' البتہ اس وقت تک اسے مہلت ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہے اور انہیں باطل راہ کی طرف مائل کرتا رہے' اور کچھ لوگوں کو اطاعت سے روک نے اور گمراہی میں ڈال سکے۔ اگرچہ شیطان انسانوں کو شبہات اور برائیوں میں واقع کرنے کا پکا ارادہ کر چکا تھا اور اسے امید بھی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا لیکن پھر بھی اس نے کہا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ دوسرے مقام پر شیطان نے نیک لوگوں پر اپنا داؤ چلانے سے عاجز ہونے کا یوں ذکر کیا:

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴿۴۰﴾

(سورہ حجر 3:14)

''بولا: اے رب میرے! قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں انہیں زمین میں بھلاوے دوں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں''۔

شیطان نے کہا کہ میں لوگوں پر برے اعمال اچھے اور مزین کر کے پیش کروں گا اس طرح وہ میرے بہکانے سے سیدھی

راہ ہٹ جائیں گے'البتہ اے اللہ! تیرے نیک' مخلص اور برگزیدہ بندوں پر میرے ورغلانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی شیطان کو بتادیا تھا: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ ''بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔''

شیطانی وسوسہ کے اثر ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے پانچ قسمیں:

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ ''روح'' عالمِ قدس کی ایک لطیف مخلوق ہے جس میں عالمِ بالا کے حقائق و مالات اور تمام منافع پائے جاتے ہیں اور ''جسم'' کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسلئے اس میں مادی اثرات اور خصوصیات اور زمین کی مخلوقات والے کمالات پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کی استعداد ہر انسان کو جسم اور روح کے ضمن میں عطاء ہوئی لیکن شیطان نے انسان کو جو اس نعمت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے اس کے نتیجہ میں انسانوں کے پانچ گروہ بن گئے۔

پہلا گروہ: وہ ہے جو پوری طرح شیطان کے قبضہ میں آ کر خلافتِ الٰہیہ سے بغاوت کر بیٹھا اس نے خلافت کی استعداد بالکل ضائع کر دی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی معرفت سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا دونوں جہانوں کی نیک بختی اور ہمیشہ کی نجات کی راہوں سے دور جا پڑا۔ کوئی روحانی کمال حاصل کرنے کی اس میں طاقت نہ رہی یہاں تک کہ مادی فوائد جاننے اور انہیں حاصل کرنے سے بھی وہ محروم رہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عقل و خرد سے خالی ہیں' جاہل' کافر اور مشرک ہیں۔

دوسرا گروہ: وہ ہے جس میں جسمانی استعداد تو باقی رہی مگر شیطان کے بھٹکانے سے بھٹک گیا اور روحانی استعداد کو ضائع کر دیا۔ اس لئے روحانی تقاضوں کو بروئے کار لانے سے وہ محروم ہوگیا۔ معرفتِ الٰہیہ تو درکنار اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہوگیا۔ اس نے صرف جسم اور مادہ کو اپنا مقصد سمجھ لیا اور اپنی بقیہ استعداد کا رخ مادیات ہی کی طرف موڑ دیا۔ وہ عقلی پیچیدگیوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ بعض نے جدید انکشافات اور مادی ایجادات میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی' بیشمار مفید چیزیں ایجاد کیں' فضا میں اڑنے والے طیارے' خلانورد سیارے کے ذریعے زمین و آسمان تک رابطے قائم کر لئے۔ حیرت انگیز آلات ایجاد کر لئے۔ اب ان کی ترقی کا آخری مرحلہ ہے کہ انہوں نے بنی نوع انسان کی ہلاکت کے لئے ہزاروں میل تک مار کرنے والے میزائل تیار کر لئے۔ ایٹم بم' نیپام بم بنائے۔ آواز سے زیادہ تیز رفتار ہوائی جہاز تیار کئے جن کے ذریعے چند سیکنڈ میں روئے زمین کو ہلاکت خیز منظر میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور ایٹم بموں کے ذریعے کرۂ ارض (زمینی کرہ) کو آنکھ جھپکنے کی مقدار میں اڑا کر تباہ برباد کر دینا آسان ہے۔ خلافتِ الٰہیہ کی وہ استعداد جو بنی نوع انسان کی جسمانی' روحانی' دنیوی اخروی فوائد کے لئے تھی اسے انسانوں کے ہلاک کر دینے والے آلات کے لئے وقف کر دیا گیا۔

اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ان ہتھیاروں کو ایجاد کرنے والے خود اپنے آپ کو ان کی زد میں محسوس کر رہے ہیں انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق ہے کہ ہمارے ہی ایجاد کئے ہوئے آلات نہ معلوم کس وقت ہم پر پھٹ پڑیں اور کرۂ ارض کے ساتھ

ہم بھی لقمۂ اجل بن کر نہ رہ جائیں۔

تیسرا گروہ: وہ ہے جن میں خلافتِ الٰہیہ استعداد تو موجود تھی مگر شیطان کے ورغلانے کا اتنا اثر ان پر ضرور ہوا کہ وہ غفلت اور سستی کا شکار ہو گئے کہ اپنی استعداد کو پوری طرح بروئے کار نہ لائے۔ یہ وہ عام مسلمان لوگ ہیں جنہوں نے قدرے قلیل جسمانی اور روحانی منافع حاصل کئے مگر اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں نہ لانے کی وجہ سے روحانیات یا مادیات پر کامل تصرف حاصل نہ کر سکے۔ بیشک وہ منصب خلافت پر فائز نہیں ہوئے مگر انہوں نے خلافتِ الٰہیہ سے بغاوت بھی نہیں کی یعنی ایمان سے ہاتھ نہیں دھوئے۔

لیکن یہ خیال رہے کہ اس گروہ میں پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جن پر شیطان کا اثر کم ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن پر شیطان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اگرچہ ایمان سے دور تو نہیں ہوتے لیکن بہت ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چوتھا گروہ: اللہ کے ان خاص بندوں کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی عطاء فرمائی ہوئی جسمانی، روحانی، علمی، عملی پوری استعداد موجود تھی اور شیطان کے بھٹکانے کا ان کی استعداد کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب فرما کر پہلے ہی فرما دیا تھا: {اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ} "بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہ ہوگا۔" یہ مقدس گروہ انبیائے کرام اور ان کے متبعین کاملین پر مشتمل ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی استعداد کو پوری طرح کام میں لا کر خلافتِ الٰہیہ کے منصب کو پایا۔ حکمت و مصلحت کے مطابق روحانیت و مادیت پر متصرف ہونے اور خلافتِ الٰہیہ کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح معنوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

پانچواں گروہ: وہ ہے جس نے اپنے خیال میں صرف روح اور اس کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھا اور جسمانیات اور مادیات کو نظر انداز کر دیا۔ یہ وہ تارک الدنیا لوگ ہیں جو اپنے اپنے خیال کے مطابق ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ ان میں کچھ وہ ہوتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہوتا ہے وہ شیطان کے بھٹکانے سے محفوظ رہتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کو شیطان نجات کی راہ سے مکمل طور پر ہٹا دیتا ہے۔ اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے کسی نے فائدہ اٹھا کر روحانیت کو حاصل کر لیا۔ البتہ دنیاوی اور مادی منافع سے محروم رہے اور کسی کو اپنے خیال کے مطابق اپنی کی ہوئی ریاضت و مجاہدہ روحانیت ملی اور نہ ہی دنیاوی اور مادی منافع حاصل ہوئے۔ [1]

شیطان نے اپنی بخشش کا موقع گنوا دیا:

شیطان نے ابتدائی طور پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ فرشتوں نے ایک سجدہ

[1] التبیان، علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ، ص 115-118

پہلے کیا اور پھر اسے کھڑے دیکھ کر دوسرا سجدہ بطورِ شکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے وقت میری سفارش بھی کر دینا۔ آپ نے جب رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے کہا: ابلیس کو جا کر کہہ دو کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو جا کر سجدہ کر دو تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔ یہ کہنے لگا: زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا تو اب مردہ آدم کو سجدہ کیسے کروں؟ اس طرح اس نے انکار کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک لاکھ سال کے بعد ابلیس کو جہنم سے نکال کر اور آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر پھر اسے کہا جائے گا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیکن یہ پھر انکار کر دے گا اسے پھر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (1)

فائدہ: نبی کو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبر کی زندگی میں سب سے پہلے مردہ کہنے والا شیطان لعین ہے۔ اب بھی اس کے چیلے، چپچے انبیائے کرام کو مردہ کہہ رہے ہیں اور جو کام باپ کرے اس کی اولاد وہی کام کرے تو کوئی خاص تعجب کی بات نہیں، خواہ حقیقی اولاد ہو یا معنوی اولاد ہو۔

ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں؟ ابلیس کا مردود ہونے سے پہلے سریانی زبان میں نام ''عزازیل'' اور عربی زبان میں ''حارث'' تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تو ''ابلیس'' نام ہوا جس کا معنی ہے ''خیر سے دور ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا'' اسے شیطان بھی کہا گیا ہے اگر اس کا مادہ ''شطن'' ہو تو معنی ہوگا، حق سے دور ہونے والا گروہ۔ ''شیطہ'' سے ماخوذ ہو تو معنی ہوگا۔ ''ہلاک ہونے والا، اور جل جانے والا۔'' (2)

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش: جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس انکار و تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا تو آدم علیہ السلام جو خاک سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا جنت میں کوئی ہم جنس نہ تھا کیونکہ فرشتے علیحدہ جنس تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند کو مسلط کیا، پھر آپ کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور اس کی جگہ گوشت رکھ دیا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے سر کے پاس حضرت حوا کو بیٹھے ہوئے پایا۔ پوچھا کہ کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں عورت ہوں۔ پھر آپ نے کہا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا؟ تو انہوں نے عرض کیا تاکہ مجھ سے سکون حاصل کرو۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا امتحان لینے کے لئے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ عورت ہے، پھر انہوں نے پوچھا: اسے امراۃ (عورت) کیوں کہا گیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: چونکہ یہ مرأ (مرد) سے بنی ہے، پھر انہوں نے سوال کیا اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حوا۔ پھر انہوں نے کہا: اس کا نام حوا کیوں رکھا گیا؟ {قَالَ لِاَنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ شَیْءٍ حَیٍّ} ''آپ نے فرمایا کہ زندہ چیز کو 'حی' کہا جاتا ہے یہ بھی زندہ سے پیدا ہوئی اسلئے اس کا نام حوا رکھا گیا۔''

---

(1) روح البیان، علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ، ج 1، ص 142

(2) روح المعانی، ج 1 ص 229 ...... تبیان، ج 1 ص 125

ایک روایت کے مطابق حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش فرشتوں کے سجدہ کے بعد جنت میں ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین میں تیار کیا گیا اور اس میں روح کو داخل بھی زمین میں ہی کیا گیا اور حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بھی زمین پر ہی ہوئی پھر دونوں کو جنت میں لے جایا گیا۔ ❶

حضرت آدم علیہ السلام کی شادی اور مہر:

جب حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف میلان کرنا چاہا اور ارادہ فرمایا کہ دستِ محبت بڑھائیں، تو فرشتوں نے کہا: اے آدم! ٹھہر جاؤ پہلے مہر ادا کر دو۔ آپ نے فرمایا: {فَمَا مَهْرُهَا قَالُوْا حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم} "وہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا: مہر یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔"

ایک روایت میں تین دفعہ اور ایک میں سترہ مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا یعنی اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ آدم علیہ السلام کا مہر یہی تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ پاک پڑھیں آپ نے درود پڑھا اور فرشتوں کی گواہی سے نکاح ہوا۔

"وَفِيْ ذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْوَاسِطَةُ لِكُلِّ مَوْجُوْدٍ حَتّٰى اَبِيْهِ اٰدَمَ" ❷ "اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موجود چیز کے لئے وسیلہ ہیں یہاں تک کہ آپ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔"

دوسری روایت کے مطابق آپ کو اور حضرت حوا علیہا السلام کو شادی کے بعد فرشتے سونے کے تخت پر بٹھا کر اس طرح جنت میں لے گئے جس طرح بادشاہوں کو عزت کی خاطر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ گویا کہ بارات کی واپسی پر فرشتے سنہری ڈولی میں دونوں میاں بیوی کو اٹھا کر لا رہے ہیں۔ ❸

قانونِ قدرت اور قانونِ عادت میں فرق:

اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ عام طور پر کاموں کے اسباب بنا دیئے ہیں اسی طرح انسانوں کی پیدائش میں بھی قانونِ عادت اسباب کے ماتحت کر دیا گیا کہ ماں اور باپ سے اولاد کی پیدائش ہوتی ہے۔ لیکن یہ قانون قدرت نہیں۔

"قانونِ قدرت" کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ میں اس طرح بھی کر سکتا ہوں اسباب کی مجھے کوئی محتاجی نہیں مرد اور عورت کے بغیر اپنے دست قدرت سے مٹی کا قالب بنا کر اس میں روح پھونک کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 1، ص 233-234

❷ حاشیہ جلالین، ص 8، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ

❸ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 1، ص 234

فرمایا اور عورت کے بغیر مرد کی پسلی چاک کر کے عام عادت کے خلاف حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرما کر یہ واضح کر دیا کہ میں بغیر عورتوں کے مردوں سے اولاد پیدا کرنے پر بھی قادر ہوں اور عورت سے بغیر اس کے خاوند کے بیٹا پیدا کر کے بھی واضح کر دیا کہ میری قدرت سے یہ بھی ہے' کوئی بعید بات نہیں یعنی حضرت مریم علیہا السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو ایک عام طریقہ کے مطابق ہی ہوئی لیکن اس میں مرد کا کوئی واسطہ نہیں صرف جبریل امین کے پھونک کا اثر ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں۔

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو درخت سے منع کرنے میں حکمت:

اگر حضرت آدم علیہ السلام جنت میں نہ ہوتے بلکہ پہلے ہی زمین پر ہوتے تو...... وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ...... ''اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ آجاؤ'' کہنے کی نہ ضرورت در پیش آتی اور نہ ہی آپ سے بھول واقع ہوتی لیکن آپ تو جنت میں تھے اور آپ کا زمین میں رہنا اور زمین میں ہی اللہ کا خلیفہ بننا خود رب تعالیٰ کی مراد تھی آپ کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا: {اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً} ''بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں''

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنے محبوب اور محبوب کی مراد نہیں بھولے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی مراد جو تھی کہ آپ زمین میں میرے خلیفہ ہوں گے اس سے حضرت آدم علیہ السلام سے بھول نہیں واقع ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام ہوا' البتہ بھول ان کے ماسوا چیز میں ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ ایک درخت کے قریب جانے سے روکا اس میں بھول واقع ہوئی جو زمین میں آنے کا سبب بنی۔

اس مقام پر یہ شبہ صحیح نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اس نسیان کے بغیر زمین پر لانے پر قادر تھا۔ بے شک اس کی قدرت حق ہے لیکن اس نے اظہارِ قدرت کو خود ہی حکیمانہ اسباب کے ساتھ مربوط فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام کا نسیان انہی اسباب میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کیساتھ ساتھ اس کا حکیم ہونا بھی برحق ہے اور حکیم کی شان نہیں کہ حکمت کے خلاف کوئی کام کرے۔ حکمت کی رعایت سے قدرت کی نفی نہیں ہوتی آدم علیہ السلام کی اس ظاہری لغزش کو حقیقتاً معصیت نہ سمجھا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا کر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع فرما دیا۔ شیطان کو اختیار دے دیا کہ وہ اس ممانعت کی خلاف ورزی میں آدم علیہ السلام کی لغزش کا سبب بن جائے اور لغزش کے صادر ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کا زمین میں خلیفۃ اللہ ہونا جو منشاءِ ایزدی تھا' حکیمانہ طور پر پورا ہو جائے۔ ادنیٰ تأمل سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء اور مراد کو محقق فرمانے کے لئے یہ سب حکیمانہ اسباب پیدا فرمائے۔ [1]

---

[1] التبیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ' ص 106-107

آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ بقرہ 4:1)

''اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

آدم و حوا علیہما السلام دونوں اس درخت کے قریب گئے اور اللہ تعالیٰ کے ممانعت کے باوجود انہوں نے اسے کھا لیا ایسی صورت میں آیت کریمہ کا بظاہر مفاد یہی ہوگا کہ آدم و حوا علیہما السلام (معاذ اللہ) دونوں ظالم ہو گئے' مگر یاد رہے کہ آدم علیہ السلام اللہ کی زمین پر اللہ کے پہلے خلیفہ اور اس کے نبی ہوئے۔ اللہ کا نبی اور اللہ کا خلیفہ کبھی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی بندہ حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہے گا تو وہ خود ظالم و کافر قرار پائے گا۔

ظلم کے معنی: ''وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ''[1] ''یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔''

قرآن کریم میں شرک کے لئے بھی لفظ ظلم وارد ہے حق تلفی اور حاکم کے فرمان حق کی نافرمانی کو بھی ظلم کہتے ہیں' بلکہ ہر معصیت و گناہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو جس کام کا حکم دے اس کی خلاف ورزی یقیناً گناہ ہے لیکن اس کا قانون یہ ہے کہ وہ بندے کو اسی کام کا حکم دیتا ہے جو بندے کے اختیار میں ہو' دیکھئے قرآن کریم نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا...... (سورہ بقرہ 8:3) ''یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت و اختیار سے باہر اسے کوئی حکم نہیں دیتا۔''

ظاہر ہے کہ بھول کر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں۔ ایسی صورت وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی نہی کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تم بھول کر بھی اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اب اس بات کا فیصلہ کہ حضرت آدم علیہ السلام قصداً اس درخت کے قریب گئے یا بھول کر بلا قصد؟ خود قرآن مجید سے ہی سن لیجئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (سورہ طٰہٰ 15:16)

''اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے درخت کے قریب نہ جانے کا عہد لیا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی قصد نہ پایا۔''

ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے کسی قسم کا کوئی ظلم سرزد نہیں ہوا نہ انہوں نے کوئی شرک کیا، نہ ان سے کوئی حق تلفی ہوئی' نہ ان سے کسی معصیت اور گناہ کا صدور ہوا۔ جیسے روزے دار کا روزے کی حالت میں بھول کر کھانا پینا گناہ نہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کا اس درخت سے بھول کر کھانا پینا گناہ نہیں۔ یقیناً وہ گناہوں سے پاک اور نبی ہونے کی وجہ سے معصوم ہیں۔ شیطان ان

[1] تفسیر قرطبی' امام ابو عبداللہ بن احمد انصاری' ج 1' ص 309 دار احیاء التراث

سے جس ظاہری لغزش کے صادر ہونے کا سبب بنا وہ حقیقتاً معصیت نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں متعلق ہیں۔اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الایۃ ...... کہنا بھی ان کے ظالم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے کمال عبدیت اور رب کریم کی بارگاہ میں انتہائی تواضع اور انکساری پر مبنی ہے۔ ❶

شیطان کے پھسلانے کا کیا مطلب؟

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ (سورہ بقرہ 4:1)

''شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے پھسلایا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔''

آدم وحوا علیہما السلام کے لئے فرمان تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا، شیطان نے ان سے اس فرمانِ الٰہی کی نافرمانی کرانا چاہی۔اس لئے وسوسے کی زبان میں دونوں سے کہا کہ میں تمہیں ایسا درخت نہ دکھاؤں جس کے کھانے سے تم ہمیشہ جنت میں رہو اور تمہیں ایسی بادشاہی نصیب ہو جائے جس میں کبھی کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہو۔شیطان نے ان کے دلوں میں بار بار وسوسہ پیدا کیا اور وسوسہ کی زبان میں قسم کھا کر ان کو کہا کہ میں تمارا خیر خواہ ہوں اس درخت کے کھانے سے تمہارے رب نے صرف اسلئے تمہیں روکا ہے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ تمہیں جنت میں رہنا نصیب نہ ہو جائے۔آخر کار دھوکہ سے انہیں اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر لیا اور آدم وحوا علیہما السلام نے درخت سے کھا لیا اور کھاتے ہی ان کا جنتی لباس ان سے اتر گیا اور جنتی درختوں کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپا اور وہ جنت سے زمین کی طرف اتار دیئے گئے یہاں تک تو شیطان کی خواہش پوری ہو گئی لیکن اصل مقصد میں وہ کامیاب نہ ہوا۔

اس کی اصل خواہش یہ تھی کہ آدم علیہ السلام اللہ کی نہی کو یاد رکھتے ہوئے قصداً اس درخت سے کھائیں اور اسطرح عاصی اور نافرمان ہو کر جنت سے نکالے جائیں' اس لئے اس نے وسوسہ کی زبان میں ''مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ'' کہہ کر اللہ کی نہی بھی انہیں یاد دلا دی لیکن عصمتِ الٰہیہ نے انہیں معصیت سے بچا لیا اور اس درخت کے کھانے سے پہلے نہی الٰہ کا انہیں نسیان ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (سورہ طٰہٰ 15:16) ''آدم علیہ السلام بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔''

اور آدم علیہ السلام قصداً فرمانِ الٰہی کی خلاف ورزی سے بچ گئے اور شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''ازل'' کے بجائے ''اضل'' نہیں فرمایا یعنی یہ فرمایا کہ شیطان نے ان کو پھسلا دیا یہ نہیں فرمایا کہ انہیں گمراہ کر دیا۔ ❷

---

❶ التبیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ' ص 137 ❷ التبیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ' ص 142

شیطان نے وسوسہ کیوں ڈالا؟ آدم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے سجدہ کرلیا تو آپ کو اور آپ کی زوجہ کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا اور ارشاد ہوا کہ آپ یہاں جو چاہیں با فراغت کھائیں لیکن اس درخت کے قریب نہ جائیں تو اس منع کئے ہوئے درخت کی وجہ سے شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور انہیں خوشحالی' بے فکری اور عیش وعشرت کے ماحول یعنی جنت سے دور کردیا۔ وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے شیطان نے انکار کردیا اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ (الحجر3:14) ''تو مردود ہے' یہاں سے نکل جا!۔''

تو شیطان کے دل میں بغض وحسد کی آگ بھڑکنے لگی اور کہنے لگا کہ جس طرح میں ذلیل وخوار کر کے نکالا گیا ہوں' آدم وحوا اور ان کی نسل کو اسی طرح جنت سے نکالوں گا اور انہیں اسی طرح گمراہ کروں گا جس طرح مجھے گمراہ کیا گیا یعنی میں ان سے اپنا پورا بدلہ لوں گا۔

شیطان پھسلانے پر کیسے قادر ہوا؟ شیطان نے جب سجدہ سے انکار کیا اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا اسی وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت لے لی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ تیرا داؤ میرے مخلص بندوں پر نہیں چلے گا اسلئے شیطان آپ سے قصداً گناہ نہ کرا سکا بلکہ صرف اس مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے دل میں وسوسہ ڈال کر آپ کو بھلا دیا۔

شیطان انسانوں کو کیسے وسوسے ڈالتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط .... ﴿۲۷﴾ (الاعراف10:8) ''بیشک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔''

یعنی شیطان اور اس کے زیر اثر دوسرے چھوٹے چھوٹے شیطان جہاں کہیں بھی ہوں انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں اور انہیں وسوسہ میں ڈال سکتے ہیں حالانکہ انسان انہیں نہیں دیکھ رہے ہوتے۔

''إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ'' [1] ''بے شک شیطان انسان کے اندر اپنے اثرات اس طرح جاری وساری کرسکتا ہے جیسے آدمی کی رگوں میں خون جاری ہوتا ہے۔''

---

[1] بخاری' ابوداؤد' ابن ماجہ' مسند احمد' بحوالہ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1' ص 235 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

شیطان نے کہاں سے وسوسہ والی گفتگو کی؟

شیطان نے آدم حوا ؑ سے جو گفتگو کی وہ قوی وسوسوں کے ذریعے کی۔

"وَقِيْلَ خَاطَبَهُ مِنَ الْأَرْضِ وَلَمْ يَصْعَدْ إِلَى السَّمَاءِ بَعْدَ الطَّرْدِ وَاللَّعْنِ وَكَانَ خِطَابُهُ وَسْوَسَةً" [1] ''اس نے زمین سے ہی وسوسے کی زبان میں وہ کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہتا تھا جب سے اسے جنت سے نکال دیا گیا پھر اسے آسمانوں پر چڑھنے کی نہ اجازت تھی اور نہ ہی وہ چڑھ سکا۔''

قرآن مجید یا کسی حدیث صحیح میں وارد نہیں ہوا کہ شیطان آدم و حوا کے پاس جنت میں پہنچا ہو قرآن پاک میں تو صرف یہی الفاظ وارد ہیں:۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (الاعراف 22:8) ''ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈال دیا۔''

اور سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۰ میں ہے: فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ ''شیطان نے ان (آدم) کو وسوسے میں ڈال دیا۔''

شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے لئے جسمانی طور پر کسی کے پاس جانا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ جسے وسوسے میں ڈالے وہ اسے دیکھے بھی۔ [2]

تنبیہ: جن اقوال میں شیطان کا سانپ کے ذریعے یا مور کے ذریعے جنت میں جانا ثابت ہے یا شیطان کا جنت کے دروازے پر بیٹھ کر وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کے من گھڑت اقوال ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"قَدْ ذَكَرَ الْمُفَسِّرُوْنَ هٰهُنَا أَخْبَارَ إِسْرَائِيْلِيَّةً" [3] ''یہاں مفسرین نے کئی اسرائیلی خبریں نقل کر دی ہیں''

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ أَنَّ هٰذَا وَأَمْثَالَهُ مِمَّا يَجِبُ أَنْ لَّا يُلْتَفَتَ إِلَيْهِ" [4] ''ضروری ہے کہ ایسی روایات کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے۔''

فائدہ: شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنے تصرفات کی طاقت دے دی کہ وہ کہیں بھی ہو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال لیتا ہے اور حضرت عزرائیل ملک الموت فرشتے کو اتنی طاقت حاصل ہے کہ وہ ایک لمحے میں تمام روئے زمین کے کونے کونے میں روح قبض کر سکتا ہے اور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ تصرفات کی طاقت دی ہے تو اس میں دوسرے کسی کا کیا نقصان ہے؟ آپ اپنے امتی کی حالت زار کو دیکھیں اس کی حاجت کو پورا کریں وہ کہیں بھی ہو؟ اس میں نہ تو

---

[1] تفسیر البحر المحیط، علامہ ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ، ج 1 ص 16
[2] التبیان، علامہ کاظمی رحمہ اللہ، ج 1، ص 142
[3] تفسیر ابن کثیر، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، ج 1، ص 80
[4] کبیر، علامہ رازی، ج 1، ص 466

کوئی شرک ہے اور نہ ہی عقلاً محال ہے۔

اعتراض: {وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى} یہاں پر کئی مترجمین نے عَصٰى کا معنی "حکم ٹالا' نافرمانی کی' آپ سے قصور ہوا" کیا ہے اور غَوٰى کا معنی "راہ سے بہکا' گمراہ ہوئے' غلطی میں پڑ گئے' راہِ راست سے بھٹک گیا" کیا ہے۔ تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے صرف بھول واقع ہوئی آپ نے کوئی جرم اور گناہ نہیں کیا؟

جواب: عام مترجمین نے یہاں ترجمہ صحیح نہیں کیا دیکھئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ کیا ہے: "آدم علیہ السلام سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی" اس ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ لغزش بھول کر تھی اس میں کوئی گناہ بھٹکنے والی بات نہیں تھی۔ اس مقام پر علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمایا:

"اِنَّ ظَاهِرَ الْقُرْاٰنِ وَاِنْ دَلَّ عَلٰى اَنَّ اٰدَمَ عَصٰى وَغَوٰى لٰكِنْ لَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اِنَّ اٰدَمَ كَانَ عَاصِيًا غَاوِيًا" [1] "یعنی بے شک ظاہر قرآن پاک اگرچہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عصیان وغوایت واقع ہوئے لیکن کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم ٹالا وہ گمراہ ہوئے بھٹک گئے۔"

یعنی مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائے' اس کو حق پہنچتا ہے وہ اپنے بندے کے حق میں جو الفاظ چاہے استعمال کرے لیکن وہی حقیقتاً ان کے معانی سے بھی آگاہ ہے۔ اس مقام پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

"وَقَدْ صَرَّحَ الْقَاضِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنِ الْعَرَبِيِّ بِعَدَمِ جَوَازِ نِسْبَةِ الْعِصْيَانِ لِلْاٰبَاءِ الْاَدْنَيْنَ اِلَيْنَا الْمُمَاثِلِيْنَ لَنَا فَكَيْفَ يَجُوْزُ نِسْبَةٌ لِلْاَنْبِيَاءِ الْاَقْدَامِ وَالنَّبِيُّ الْمُعَدَّمُ الْمُكَرَّمُ وَارْتَضٰى ذٰلِكَ الْقُرْطُبِيُّ" [2] "قاضی ابو بکر بن عربی نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ عصیان یعنی نافرمانی بھٹک جانا' بہک جانا' گمراہ ہو جانا۔ اس قسم کے الفاظ کی نسبت جب ہم اپنے والدین' آباء واجداد کی طرف نہیں کر سکتے جو انسانیت میں ہمارے مماثل ہیں اور انبیائے کرام سے گھٹیا ہیں تو ایسے الفاظ کی نسبت انبیائے کرام اور خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کیسے ہو سکتی ہے؟ جو برگزیدہ مکرم اور ہر طرح تعظیم وتکریم کے لحاظ سے مقدم ہیں۔"

معالم التنزیل میں ہے:

"وَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ اِطْلَاقُ الْعَاصِيْ وَغَيْرِهٖ عَلٰى اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" [3] "یہ یقینی بات ہے کہ آدم علیہ السلام پر عاصی وغیرہ (نافرمان ہوا' بہک گیا' گمراہ ہوا) کے الفاظ کا اطلاق جائز نہیں۔"

---

[1] تفسیر کبیر' علامہ رازی' ج 1' ص 466 مطبوعہ بیروت

[2] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 9' حصہ اول ص 275

[3] معالم التنزیل' علامہ بیضاوی رحمہ اللہ مطبوعہ مکتبہ محمدی بمبئی

انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہیں:

انبیائے کرام تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں معاذ اللہ انبیائے کرام سے گناہ سرزد ہوں، یہ ہو نہیں سکتا۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں آپ فرماتے ہیں:۔

۞ اگر انبیائے کرام سے گناہ سرزد ہوں تو ان کا مرتبہ اپنی امتوں کے نافرمان، گناہگار لوگوں سے بھی کم ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کے مراتب بہت بلند ہوتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور شرافت حاصل ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں ان سے گناہ سرزد ہوں تو وہ بہت زیادہ برے سمجھے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۔۔۔۔ (احزاب 21:22) ''اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا۔''

اس سے مراد شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا ہے کیونکہ بدکاری سے اللہ تعالیٰ انبیاء کی بیبیوں کو پاک رکھتا ہے۔ بہرحال جس شخص کی خصوصیت اور فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس سے اگر قصور واقع ہو تو وہ قصور بھی دوسروں کے قصور سے زیادہ سخت قرار دیا جاتا ہے۔ [1]

اسی طرح محصن سے بدکاری سرزد ہونے میں رجم کیا جاتا ہے اور غیر محصن کو ایک سو کوڑے لگائے جاتے ہیں: کیونکہ محصن کی شان غیر محصن سے اسلئے زائد ہے کہ وہ شادی شدہ ہے اس سے بدکاری سرزد ہونا عظیم جرم سمجھا جائے گا۔ جب اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی کا مقام امت کے کسی فرد سے بھی کم نہیں ہو سکتا تو گناہگاروں سے کم درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۞ گناہگار فاسق ہوتا ہے اور اگر نبی سے گناہ سرزد ہوں تو وہ معاذ اللہ فاسق ہوں گے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا ۔۔۔۔ (حجرات 26: 13) ''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو۔''

اس طرح انبیائے کرام کا مرتبہ اپنی امت کے عادل لوگوں سے کم ہو جائے گا حالانکہ انبیائے کرام کے تشریف لانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی شہادت دیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور خصوصاً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کو شاہد ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔۔۔۔ (بقرہ 1:2) ''اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں گے۔''

---

[1] تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ پ 21 رکوع 22 آیت 30

۞ انبیائے کرام سے اگر گناہ کبیرہ سرزد ہونا جائز ہو سکے تو ان کو زجر کرنا اور سختی سے روکنا ضروری ہو جائے گا اس طرح انبیائے کرام کو ایذاء پہنچانا حرام نہیں ہوگا' حالانکہ انبیائے کرام کو ایذا پہنچانا حرام ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (احزاب 5:22) ''بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔''

۞ ہر نبی کی امت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی تابعداری کریں جیسے ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ''فَاتَّبِعُوْنِيْ'' اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا ''میری تابعداری کرو'' اگر معاذ اللہ آپ سے گناہ سرزد ہونے جائز ہو سکیں تو آپ کی امت کو آپ کے گناہوں کی تابعداری کرنا واجب ہوگا اس طرح گناہ کرنے حرام بھی ہوں اور گناہوں میں نبی کی تابعداری واجب بھی ہو' ایک ہی وقت میں ایک کام حرام بھی ہو اور واجب بھی ہو' یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

۞ ہماری عقل واضح طور پر یہ کام کرتی ہے کہ نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے نبی اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہوتا ہے اور نبی اللہ کے بندوں اور اس کی زمین میں اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کو سنتے ہوئے کہ وہ اللہ کے فرمان کو سنتے ہوئے کہ ''یہ کام نہ کرو'' پھر وہ اپنی لذات کو ترجیح دے کر وہ کام کرے؟ اللہ کے روکنے اور اس کے عذاب کے خوف کی طرف توجہ نہ دے۔ یہ بہت برا اور ناممکن ہے۔

۞ جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (جن 12:29) ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں تو بے شک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اسی طرح گناہوں کے مرتکب لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (ہود 2:12) ''خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے''

اگر انبیائے کرام گناہ کریں تو وہ عذاب اور لعنت کے مستحق ہوں گے حالانکہ اجماع امت ہے کہ انبیائے کرام عذاب یا لعنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

۞ انبیائے کرام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اگر خود اس پر عمل نہ کریں تو ان پر صادق آئے گا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (بقرہ 5:1) لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

جب ایک عام نصیحت کرنے والے کی اس سے مذمت کی جا سکتی ہے تو انبیائے کرام جو عظیم مراتب کے مالک ہوتے

ہیں ان سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اور لوگوں کو نصیحت کریں اور خود عمل نہ کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا:

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ...... (ہود 8:12)

''اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں' میں تو جہاں تک ہو سکے سنوارنا ہی چاہتا ہوں۔''

۞ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں ذکر فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ...... (انبیاء 6:17) بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

خیرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر اچھا کام کرنا اور ہر برے کام سے بچنا، اس سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام کرتے ہی اچھے کام ہیں اور برے کاموں سے بچتے ہیں لہٰذا ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔

۞ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں ذکر فرمایا:

وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (ص 14:23) اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔

جب اس کو مطلق ذکر کیا ان کی کسی خصلت اور عادت کو علیحدہ نہیں کیا تو پتہ چلا کہ ان کے تمام کام ہی اچھے ہیں کوئی برا کام نہیں اگر کسی شخص میں کوئی برا کام پایا جائے تو اس طرح کہا جاتا ہے۔

فُلَانٌ مِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ إِلَّا فِي الْفِعْلَةِ الْفُلَانِيَةِ ''فلاں شخص ہے تو برگزیدہ اور چنے ہوئے لوگوں میں سے لیکن البتہ سوائے فلاں کام کے کہ وہ اس کام میں اچھا نہیں۔''

جب انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق ایسا کوئی کوئی جملہ ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے واضح ہوتا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سب کام اچھے ہی اچھے ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور بھی کئی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قول کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ (ص 14:23) تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے مخلص بندے ہیں۔

شیطان نے اپنی عاجزی کا ذکر کر دیا کہ اے اللہ! تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو اپنے مخلص بندے کہا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ (ص 13:23)

''بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا اس گھر کی یاد ہے۔ یعنی ہم نے انہیں اپنا مخلص بنایا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (یوسف 13:12) ''بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں۔''

جب بعض انبیائے کرام کا مخلص ہونا واضح ہو گیا اور شیطان کے اپنے قول کے مطابق وہ مخلص بندوں کو گمراہ کرنے سے عاجز ہے تو تمام انبیائے کرام کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ بعض انبیائے کرام معاذ اللہ گناہگار ہیں اور بعض نہیں۔

۞ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (سبا 8:22) اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہوئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ ایمان والے لوگوں کے ایک گروہ نے شیطان کی تابعداری نہیں کی جنہوں نے شیطان کی تابعداری نہیں کی وہ گناہگار بھی نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ گروہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے یا دوسرے لوگ ہیں؟ اگر انبیائے کرام علیہم السلام ہیں تو یقیناً تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا حکم ایک ہی ہے اور اگر یہ لوگ انبیاء نہیں تو پھر بھی واضح ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہگار نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر انبیائے کرام علیہم السلام گناہگار ہوں اور دوسرے لوگ گناہگار نہ ہوں تو جو نبی نہیں وہ نبی سے شان کے لحاظ سے بڑھ جائے گا، یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ نبی کے درجے کو کوئی دوسرا نہیں پا سکتا۔

۞ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک کے متعلق فرمایا:

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (مجادلہ 3:28) ''وہ شیطان کے گروہ ہیں، خبردار! بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارے میں ہے۔''

دوسری قسم کے متعلق ارشاد فرمایا:

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (مجادلہ 3:28) ''وہ اللہ کا گروہ ہے، خبردار! بے شک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔''

اس میں تو کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ شیطانی گروہ تو وہی ہوگا جو ایسے عمل کرے گا جن کو شیطان پسند کرتا ہوگا، اور شیطان کے پسندیدہ عمل ''گناہ'' ہیں ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا، گناہگار ہوگا وہی شیطانی گروہ میں ہوگا۔ اگر معاذ اللہ انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی گناہ سرزد ہوں تو وہ شیطانی گروہ میں داخل ہوں گے اور خسارے میں ہوں گے۔ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ امت کے نیک و پرہیزگار لوگ تو اللہ کا گروہ ہوں اور کامیاب ہونے والے ہوں اور انبیائے کرام شیطانی گروہ

میں داخل ہو کر خسارے میں ہوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کسی مسلمان کا ایسا سوچنا بھی اپنے دنیا اور دین کو برباد کرنا ہے۔

۞ انبیائے کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکے کیونکہ فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (انبیا 2:17) ''اور اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔''

اسی طرح فرشتوں کے متعلق اور یہ فرمایا:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (تحریم 19:28) ''اور وہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔''

جب فرشتے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیائے کرام جو ان سے افضل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل نہ کریں؟ اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کریں؟ گناہگار تو نیکوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص 12:23) ''کیا ہم انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان جیسا کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو شریر بے حکموں کے برابر ٹھہرا دیں۔''

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور آپ نے اسے قیمت ادا کر دی اس نے پھر آپ سے قیمت کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا کہ قیمت تو میں نے ادا کر دی اس نے آپ سے گواہ طلب کیا آپ نے خیال کیا میری گواہی کون دے گا اس وقت تو کوئی موجود ہی نہیں تھا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اعرابی کو گھوڑے کی قیمت ادا کر دی ہے۔ آپ نے جب ان سے پوچھا: تم نے کیسے ہمیں آسمانوں کی خبریں بتاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں، تو کیا اس گھوڑے کی قیمت ادا کرنے پر آپ کی تصدیق نہ کریں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آئندہ خزیمہ جہاں اکیلے ہی گواہی دیں گے ان کی گواہی دو شخصوں کے برابر سمجھی جائے گی۔ [1]

اگر معاذ اللہ انبیائے کرام علیہم السلام سے گناہ ہونے ممکن ہوتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کبھی گواہی نہ دیتے بلکہ یہ خیال کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی (معاذ اللہ) ہماری طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ (خیال رہے کہ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار میں اونٹنی خریدنے کا ذکر ہے)

۞ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ...... (بقرہ 15:1) ''بیشک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔''

[1] سنن ابی داؤد کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق ...... ج 2 ص 152 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

یہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا: امام وہ ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور تابعداری کریں اگر نبی سے گناہ واقع ہوں تو ان گناہوں کی اقتداء اور تابعداری بھی لازم ہوگی یہ ممکن نہیں کہ نبی گناہوں سے منع بھی کریں اور گناہ کر کے لوگوں کو اپنے گناہوں کی اقتداء کا بھی حکم دیں۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (بقرہ 1:15) "وہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

یعنی نبوت اور امامت کا وعدہ نیک اور اللہ کے قرب کے مستحق لوگوں کے لئے ہے ظالموں کے لئے نہیں گناہگار کبھی نبی نہیں بن سکیں گے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیائے کرام گناہ نہیں کرتے کیونکہ گناہ گاروں کو منصب نبوت ملتا ہی نہیں۔ [1]

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا زمین پر تشریف لانا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ "اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔"

یعنی جنت میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں کو رہنے کی اجازت دی گئی اور ہر قسم کے جنت کے پھل اور نعمتیں کھانے کی اجازت دی گئی البتہ ایک درخت سے منع کیا گیا جب شیطان خیر خواہ بن کر قسمیں اٹھا کر نصیحت دینے والے کی شکل میں آپ کو وسوسہ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو آپ کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے الگ ہونا پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ "اور ہم نے کہا تم تمام اتر جاؤ بعض تمارے بعض کے دشمن ہیں۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَقَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا "اور رب نے فرمایا تم دونوں مل کر جنت سے اترو۔"

دونوں آیتوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام بمع ان کی اولاد کے جو تا قیامت معرض وجود میں آنی تھی زمین پر اترنے کا حکم دیا اور فرمایا تمہاری اولاد بعض دوسرے بعض کی دشمن ہوگی۔

خیال رہے کہ شیطان کو ان دونوں کے اتارنے سے پہلے ہی مردود کر کے روئے زمین پر بھیج دیا گیا تھا یہاں سے اس کے اترنے کا ذکر نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام "سراندیپ" میں اتارے گئے اور حضرت حوا کو "جدہ" میں اور شیطان کو پہلے ہی "ایلہ" میں اتار دیا گیا تھا۔ [2]

حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کا جنتی لباس اتار لیا گیا تھا اور جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر ڈھانپ کر تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی زمین اسلئے عمدہ اور ہری بھری ہے اور عود قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اسلئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب اس زمین پر آئے تو ان کے جسم پر جنتی درخت کے پتے تھے وہ پتے

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 11-8
[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 236

ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لئے خوشبودار ہو گیا۔ ❶

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیا لائے؟

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجرِ اسود (سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ میں لگا ہوا ہے) اور وہ عصا جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ آیا جس کی لمبائی دس گز تھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور کچھ سونا' چاندی اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے۔ آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول ہوئے کہ ان تخموں سے بے خبر ہو گئے شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس تخم پر اس کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اور جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے: ایک وہ جو پورے کھالئے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے جیسے کھجور آم وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت ہے کہ ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے ایک ''سڑاسی'' جس سے لوہا پکڑتے' دوسرا ہتھوڑا۔ تیسرا ''ارن'' نیز حجرِ اسود۔ صحیح روایات میں آتا ہے کہ حجرِ اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی جہاں اس کی شعاعیں پہنچی تھیں اس حد تک حرم کی حدیں قائم ہوئیں۔ ❷

نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو تسلی:

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آکر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکمِ الٰہی زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور کا نام سنا تب ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔ یہ تمام واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں جن کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر جمع فرمایا ہے۔ ❸

حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش:

اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ سب سے اول کپڑا بننے کا کام آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں آپ کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے، نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا کام تھا، ادریس علیہ السلام درزی گری' حضرت ہود اور صالح علیہما السلام تجارت' حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں' حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے'

❶ تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 1' ص 284 ❷ ایضاً ❸ ایضاً

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر بھی درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے صبح کا کھانا دیا ہے وہ شام کا کھانا بھی دے گا۔ ❶

فائدہ: تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کنوئیں کا پانی کبھی نہیں پیا بلکہ آپ ہمیشہ بارش کا پانی پیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے چاندی سے روپے اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

آدم علیہ السلام کی توبہ:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

"پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر رجوع برحمت ہوا بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔"

(البقرہ 4:1)

"تلقی" کا معنی ہے آگے بڑھ کر ملاقات کرنا یعنی استقبال کرنا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ آدم علیہ السلام نے آنے والے باوقار مہمانوں معظم احباب کی طرح محبت واکرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات کا استقبال کیا۔ وہ کلمات کیا تھے علامہ ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وَلَمْ يُخْبِرْنَا اللّٰهُ بِهَا اِلَّا مُبْهَمَةً" "یعنی اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر وہ کلمات نہیں بتائے۔"

بلکہ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فرما کر ہمیں صرف کلمات مبہمہ کی خبر دی اسلئے ان کی تعیین میں اہل علم سے چند اقوال منقول ہیں:

① ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر علماء نے کہا کہ وہ کلمات یہ ہیں:

{رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ}

② عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ

③ وہب اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ یہ کلمات ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ

یہ قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی منسوب ہے۔

④ ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسی اسم مبارک کو اپنی

❶ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 1، ص 284

شفاعت کا ذریعہ بنایا یہ آخری قول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت طبرانی بیہقی حاکم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تفسیر عزیزی میں نقل کیا۔ یہاں تفسیر عزیزی میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"نَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم" "اے اللہ! میں تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر معافی چاہتا ہوں۔"

اسی تفسیر عزیزی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی بروایت ابن المنذر منقول ہے:

"اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ خَطِيْئَتِیْ"

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وَقِيْلَ رَاٰى مَكْتُوْبًا عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَتَشَفَّعَ بِهٖ وَاِذَا اُطْلِقَتِ الْكَلِمَةُ عَلٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلْتُطْلَقُ الْكَلِمَاتُ عَلَى الرُّوْحِ الْاَعْظَمِ وَالْحَبِيْبِ الْاَكْرَمِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا عِيْسٰى بَلْ وَمَا مُوْسٰى بَلْ وَمَا وَمَا اِلَّا بَعْضَ مِنْ ظُهُوْرِ اَنْوَارِهٖ زَهْرَةٌ مِّنْ رِيَاضِ اَنْوَارِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم" [1]

"یعنی ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرش پر "محمد رسول اللہ" لکھا دیکھا تو حضور کو انہوں نے اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یعنی وہ کلمات "محمد رسول اللہ" ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو روح اعظم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر "کلمات اللہ کا بولا جانا تو ضرور ہی ثابت ہو جائے گا" نہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ" بلکہ عالم امکان میں کوئی نہیں اور واقعی کوئی نہیں لیکن سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور انوار کے جلوے اور آپ ہی کے گلزار حسن کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔"

اگر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر آدم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بطور وسیلہ نہ پیش کرتے اور اسی طرح نوح علیہ السلام آپ کے اسم گرامی کا وسیلہ نہ لاتے تو نہ آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام غرق ہونے سے نجات حاصل کرتے۔

آدم علیہ السلام کی توبہ کب قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کلمات کے ذریعے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کی طرف رحمت کی توجہ کرتے ہوئے توبہ کو قبول فرمالیا۔

بعض علماء کے نزدیک آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلمات لینا اور ان کے ذریعے توجہ کرنا اور ان کا قبول کرنا ہونا جنت سے اترنے کے بعد اور توبہ بھی کئی سو سال بعد قبول ہوئی دو سو بلکہ تین سو سال آہ و بکاء گریہ زاری اور ندامت کے حال میں ان پر گذرے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی ج اص ۱۸۴ میں یہی فرمایا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ جنت سے باہر آنے سے پہلے

---

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' ص 237

ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وہ کلمات عطا فرما دیئے تھے اور اسی وقت انہوں نے توبہ کی جو قبول ہوگئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے انکی خطا معاف فرما دی البتہ یہ ممکن ہے کہ معافی کے باوجود آدم علیہ السلام اپنی لغزش کو یاد کر کے ندامت کے طور پر سالہا سال تک گریہ وزاری میں مشغول رہے ہوں جو خوف وخشیت الٰہیہ کا تقاضا اور کمال عبدیت کی دلیل ہے۔ (1)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے {فَتَابَ عَلَيْهِمَا} نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ کو قبول کر لیا اسلئے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں۔ مرد کے ذکر سے عورت کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے۔ (2)

تنبیہ: علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے روح البیان کے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں زمین پر آنے سے پہلے آپ کی توبہ قبول ہو چکی تھی زمین پر رونا عاجزی کے لئے تھا تاہم مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی ص ۲۸۹ پر بیان کیا "یہ قول ضعیف ہے جب توبہ قبول ہو چکنے کے بعد زمین پر تشریف لائے تو پھر بیوی سے علیحدگی کیسی؟ اور پریشانیاں کہاں؟ یعنی رب تعالیٰ کسی کو معافی دے کر بلاوجہ پریشانی میں نہیں ڈالتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کس دن قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کو قبول ہوئی۔ آپ کی پیدائش اور جنت سے باہر تشریف لانا بھی جمعہ کے دن ہی تھا اور وہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

خیال رہے کہ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے: آدم علیہ السلام کی توبہ، نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، ایوب علیہ السلام کی شفاء، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا، یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے ملنا، حضرت امام حسین علیہ السلام کا کربلا میں شہید ہونا، سب دسویں محرم کو واقع ہوئے۔ ان بزرگوں نے گیارھویں شب راحت کی گزاری۔

اہل سنت گیارھویں رات کو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں وہ درحقیقت ان تمام بزرگوں کو حاصل ہونے والے انعامات پر اظہار خوشی بھی ہوتا ہے۔ (1)

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی ملاقات:

جب زمین پر تشریف لائے تو حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کے علاقہ سراندیپ کے پہاڑ پر اترے اور حضرت حوا علیہا السلام جدہ میں توبہ قبول ہونے کے بعد دونوں کی ملاقات عرفات کے مقام پر ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی لئے اس

---

(1) التبیان، علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ ج 1، ص 149-147
(2) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 1، ص 237
(3) تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 1، ص 290

میدان کو عرفات کہتے ہیں یعنی پہچاننے کی جگہ۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی لے لی گئی تھی یعنی بھلادی گئی تھی اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا توبہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی کہ اے جانورو! حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو دریائی جانوروں نے سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ کے آس پاس جمع ہو گئے آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جس پر آپ کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی بن گئے جیسے گھوڑا' اونٹ' بکری' کتا' بلی وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا جیسے ہرن وغیرہ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی حق میں دعا:

اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولا! میری اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کا فریب بہت سخت۔ اگر تو انکی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیسے بچ سکیں گے۔ حکم الٰہی آیا: اے آدم! تمہارے اور احکام تھے آپ کی اولاد کے لئے اور احکام ہوں گے ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے تب آپ نے خوش ہو کر شکر کیا۔ (1)

آدم علیہ السلام کی اولاد:

حضرت حوا علیہا السلام بیس یا چالیس مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں ہر حمل میں دو دو بچے پیدا ہوئے ایک مذکر اور ایک مؤنث ایک حمل کے بچوں کا دوسرے حمل کے بچوں کا ایسا حکم تھا جیسا کہ مختلف ماں باپ کے بچوں کا ہوتا ہے یعنی پہلے حمل کے بچے کا دوسرے حمل کی بچی سے نکاح ہوتا اسی طرح دوسرے حمل کے لڑکے کا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح ہوتا۔ (2)

تنبیہ: حضرت آدم علیہ السلام کے دو دو بچے ہر حمل سے ہوئے سوائے حضرت شیث علیہ السلام کے:

"وَضَعَتْ شِيْثًا وَحْدَهٗ كَرَامَةً سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنَّ نُوْرَهٗ اِنْتَقَلَ مِنْ آدَمَ اِلٰى شِيْثَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" (3) ''حضرت حوا نے حضرت شیث علیہ السلام کو صرف اکیلا ہی جنا ہے ان کے ساتھ جڑواں کوئی بچی نہیں تھی۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتکریم کے لئے مالک الملک نے ایک بچے سے ہی حاملہ کیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر حضرت شیث علیہ السلام کے پاس آ گیا۔''

---

(1) تفسیر عزیزی و تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 1' ص 291 (2) تفسیر صاوی' ج 1 ص 356

(3) مواہب لدنیہ' انوار محمدیہ ص: 15' دار الکتب العلمیہ بیروت

حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں وصیت کی کہ یہ نور مبارک' پاک عورت کی طرف منتقل کرنا ہے۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہی وصیت کی یہ سلسلہ حضرت عبدالمطلب تک چلتا رہا کہ ہر شخص نے اپنے بیٹے کو اس نور کے پاک بطن کی طرف منتقل کرنیکی وصیت کی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد وغیرہ چالیس ہزار سے زائد ہو گئی تھی۔ تفسیر صاوی اور جمل وغیرہ میں ایک لاکھ تک پہنچ جانے کا ذکر ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا جھگڑا:

حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد سے قابیل اور ہابیل تھے۔ قابیل بڑا تھا' ہابیل چھوٹا تھا۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل بکریاں چراتا تھا۔ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام ''اقلیما'' تھا جو بہت زیادہ حسین و جمیل تھی اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی ''لیودا'' خوبصورتی میں کچھ کم تھی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے قانون کے مطابق قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہابیل سے اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح قابیل سے ہونا تھا لیکن قابیل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہی میرے ساتھ ہوگا۔ [2]

حضرت آدم علیہ السلام کا دونوں کو نیاز کا مشورہ:

جب قابیل نے ضد اور ہٹ دھرمی شروع کر دی تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم دونوں اللہ کی راہ میں کوئی نہ کوئی چیز پیش کرو، جو سچا ہوگا اس کی نیاز وصدقہ قبول ہو جائے گا اور جو جھوٹا ہوگا اس کی طرف سے پیش کیا گیا صدقہ قبول نہیں ہوگا۔ اس وقت قبولیت کی یہ علامت تھی کہ جس کا صدقہ قبول ہو جاتا اسے قدرتی طور پر آنے والی آگ کھا جاتی اور جو قبول نہیں ہوتا تھا اسے آگ نہیں کھاتی تھی۔ قابیل نے ایک انبار گندم اور ہابیل نے ایک بکری یا ایک دنبہ رب تعالیٰ کی راہ میں پیش کیا دونوں نے یہ کہہ کر نیاز پیش کی کہ ''اے اللہ! جو اقلیما کا زیادہ حقدار ہے اسکی قربانی قبول فرما''

آسمانی آگ نے ہابیل کے صدقہ کو کھا کر قبولیت بخش دی اور قابیل کے صدقہ کو آگ نے نہ کھا کر رد کر دیا۔ قابیل کے دل میں حسد بغض وعناد بھڑک اٹھا اس نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ ''اور انہیں پڑھ کر سناؤ! آدم کے بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں

---

[1] تفسیر صاوی علی الجلالین' ج1' ص 356 [2] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج4' ص 111

اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

(مائدہ 9:6)

نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی' بولا: قسم ہے' میں تجھے قتل کردوں گا۔ ہابیل نے کہا: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں 'میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا میں' تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑیں تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کا یہ مطلب تھا کہ حسد کی برائی معلوم ہو اور نبی کریم ﷺ سے حسد کرنے والوں کو سبق حاصل ہو اور قیامت تک لوگ حسد کو برا سمجھیں۔ ہابیل حق پر تھے' ان کے تقویٰ کے پیش نظر ان کا صدقہ قبول ہو گیا۔ انہوں نے کہا: میں چاہتا ہوں میرا اور تمہارا گناہ تمہارے ہی پلہ پڑے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے باپ کی نافرمانی کی وہ گناہ بھی تمہارے ذمہ ہے اور اگر مجھے قتل کرنا چاہو تو کر لو' میرے قتل کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہی ہوگا۔ ❶

آخرکار قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

(مائدہ 9:6)

''تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔''

آدم علیہ السلام مکہ گئے ہوئے تھے اس نے ان کے پیچھے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا اسلئے قابیل جانتا نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے تو شیطان لعین نے اس کے سامنے ایک پرندے کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے پھوڑ دیا۔ قابیل کو پتہ چل گیا کہ اس طرح قتل کرنا ہے ہابیل چونکہ بکریاں چراتے تھے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے قابیل نے ان کے سر پر پتھر مار کر انہیں قتل کر دیا اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔ ❷

قتل کے بعد قابیل کی دنیا میں ذلت:

عبدالرحمٰن بن فضالہ سے مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی عقل زائل ہو گئی' دل میں سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی' اسی طرح پاگل ہی رہا یہاں تک کہ مر گیا۔ قتل کرنے سے پہلے رنگ اس کا سفید تھا اور قتل کے بعد اس کا تمام جسم

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4 ص 112-111 ❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4 ص 114

کالا ہو گیا' حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کی سرزمین سے واپس ہونے پر قابیل سے پوچھا: تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں کوئی اس کا ذمہ دار تو نہیں تھا آپ نے فرمایا: تو نے اسے قتل کر دیا ہے اسی لئے تیرا جسم سیاہ ہو چکا ہے۔ [1]

قابیل کا اخروی عذاب:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی ظلماً قتل ہو گا اس کے قتل کا عذاب آدم علیہ السلام کے پہلے ''قاتل بیٹے'' پر بھی ہو گا کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل کی ابتداء کی۔ یعنی جس طرح قتل کرنے والے کو قتل کا عذاب ہو گا اسی طرح قتل کی ابتداء کرنے والے کو بھی عذاب ہوتا رہے گا۔ [2]

بیٹے کے قتل پر حضرت آدم علیہ السلام کا غم:

حضرت آدم علیہ السلام بیٹے کے قتل پر اتنے زیادہ غمزدہ ہوئے کہ ایک سو سال تک آپ مسکرائے نہیں ایک سو سال کے بعد آپ کو ایک اور بیٹے کی بشارت دی گئی یعنی آپ کو کہا گیا: ''اللہ آپ کو زندہ رکھے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک اور بیٹا عطا فرمانے والا ہے تو آپ مسکرائے'' البتہ حضرت علامہ محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہابیل کے قتل ہونے کے پچاس سال بعد حضرت شیث علیہ السلام عطا ہوئے اور آدم علیہ السلام کے ولی عہد بنے۔

خیال رہے تفسیر کشاف میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے قتل ہونے کے بعد بطور مرثیہ اشعار کہے لیکن تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا کہ یہ غلط اور جھوٹ ہے' تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اشعار نہیں کہے۔ [3]

قتل کے بعد قابیل کی پریشانی:

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کر دیا تو اب یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرے؟ اسی طرح چھوڑ دینے پر اسے یہ خطرہ تھا کہ درندے کھا جائیں گے تو وہ اپنے بھائی کی لاش کو بوری میں ڈال کر پھرتا رہا' یہاں تک کہ لاش بدبودار ہو گئی۔ اسے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ بہت ہی پریشان تھا خیال رہے قرآن پاک میں اس مقام پر لاش کے لئے لفظ ''سوءۃ'' استعمال ہوا جس کا اصلی معنی نکیر ہے یعنی جسم کا وہ حصہ جو ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ وہ بھی قتل کے بعد لاش چھپائے پھرتا تھا

---

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 4' ص 115
[2] روح المعانی' ج 4' ص 115 ... کبیر' ج 11' ص 208
[3] روح المعانی' ج 4' ص 115 کبیر' ج 11' ص 208

اس لئے اسے "سوءۃ" کہا گیا ہے۔

لاش چھپانے میں کوے کی معاونت:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ؀ (مائدہ 9:6)

"تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کرید نے لگا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا: ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا، تو پچھتاتا رہ گیا۔"

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ قابیل مجرم ہونے کے باوجود جب اس پریشانی میں پھنسا ہوا تھا کہ اپنے بھائی کی لاش سے کیا کرے؟ دنیا میں پہلی موت تھی قبر کھودنے دفن کرنے سے وہ بے خبر تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل حل کرنے کے لئے اس کا معاون کوے کو بنا کر بھیجا۔

کوے نے کیسے معاونت کی؟

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر تین وجہ بیان کی ہیں اگر چہ مشہور پہلی بات ہی ہے:

① : اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے وہ دونوں لڑے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کریدا اور مردہ کوے کی لاش کو اس گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی' اس سے قابیل کو بھی پتہ چل گیا کہ میں نے بھی ایسا ہی کرنا ہے اور بہت پشیمان ہوا کہ میں اس کوے سے بھی زیادہ عاجز ہو گیا اتنا کام بھی نہ کر سکا۔

② : قابیل نے تنگ آ کر ہابیل کی لاش کو اسی طرح پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے کوے بھیجے جنہوں نے مٹی کھود کھود کر اس لاش پر ڈالی اور اسے چھپا دیا یہ دیکھ کر قابیل کو بہت افسوس ہوا کہ ہابیل کو اللہ نے کتنی عزت بخشی ہے اور میں کتنا ذلیل ہو گیا۔

③ : کوے کی عام عادت یہ ہے کہ کوئی کھانے کی چیز اس کے پاس ہو تو وہ اسے دوسرے وقت کے لئے زمین میں دبا دیتا ہے اس نے جب کسی چیز کو زمین میں چھپایا تو قابیل کو پتہ چل گیا کہ میں نے اپنے بھائی کی لاش کو ایسے چھپانا ہے اور ساتھ ساتھ کوے سے کم علم رکھنے کی وجہ سے بہت پشیمان بھی ہوا کہ مجھ سے تو کوا ہی اچھا ہے جسے چیزوں کو چھپانا آتا ہے۔

تنبیہ: قابیل کو ندامت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نہیں تھی اور نہ ہی وہ تائب ہو رہا تھا بلکہ اسے ندامت اس پر ہوئی کہ وہ بھائی کی لاش کو اٹھائے پھرتا رہا اور کوے سے بھی کم عقل رہا کہ اسے دفن نہ کر سکا اور اس وجہ سے نادم ہو رہا تھا کہ وہ بھائی کو قتل کرنے کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ اس سے ماں باپ بہن بھائی سب ناراض ہو گئے تھے

......اور وجہ یہ بھی تھی کہ جب اس نے دیکھا کہ ایک کوے نے بڑی مہربانی سے دوسرے کی لاش کو دفن کیا تو یہ اس پر نادم ہوا تھا کہ مجھے تو اپنے بھائی پر اتنا رحم بھی نہیں آسکا جتنا کوے کو ہے واضح ہوا کہ اس نے کوئی توبہ نہیں کی' اور ندامت اسے صرف اپنی حماقت پر تھی۔ (1)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات:

جب آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو آپ کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی اپنے فرزندوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالی میری یہ تمنا پوری کرے آدم علیہ السلام کے فرزند یہ حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے ملے جن سے انہوں نے آدم علیہ السلام کی فرمائش کا ذکر کیا' فرشتوں نے کہا: ہمارے ساتھ آؤ! جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔

چنانچہ یہ سب آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے' حضرت حوا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔ انہوں نے فرمایا: کہ حوا علیہا السلام! اب تم مجھ سے الگ رہو میرے اور رب کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو۔ اس طرح فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین فرشتوں نے کی:

فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو کہا جس طرح ہم تمہارے باپ کا کفن و دفن کریں گے اسی طرح تم فوت ہونے والے لوگوں کا کفن و دفن کرنا۔

جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی جوڑے کا کفن اور جنتی بیری کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے' ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو لگائی اور ملائکہ ان کا جسم مبارک کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں' پھر مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کی قربانی کی' وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھود کر ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح ڈھلوان بنایا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی قبر "جدہ" میں ہے بعض روایات کے مطابق دونوں کی قبر حرم میں طواف کی جگہ میں ہیں۔ (2)

(واللہ اعلم بالصواب)

---

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 11' ص 210-209

(2) تفسیر عزیزی' بحوالہ تفسیر نعیمی' ج 1

حضرت شیث علیہ السلام

حضرت شیث علیہ السلام ' آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہیں' درمیان میں اور کوئی واسطہ نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بچے دو دو (جڑواں) پیدا ہوئے' لیکن حضرت شیث علیہ السلام اکیلے ہی پیدا ہوئے۔ آپ کو نبی کریم ﷺ کی کرامت کی وجہ سے اکیلے پیدا کیا گیا۔ آپ کے ساتھ دوسرے کسی بچے کو پیدا نہیں کیا گیا۔

ابن جوزی اپنی کتاب ''وفا'' میں کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّخْلُقَ مُحَمَّدًا ﷺ اَمَرَ جِبْرِيْلَ فَاَتَاهُ بِالْقَبْضَةِ الْبَيْضَاءِ الَّتِيْ هِيَ مَوْضِعُ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَعُجِنَتْ بِمَاءِ التَّسْنِيْمِ فَغُمِسَتْ فِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ وَطِيْفَهَا فِي السَّمٰوٰتِ فَعَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ مُحَمَّدًا ﷺ قَبْلَ اَنْ يُّعْرَفَ آدَمُ ثُمَّ كَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ ﷺ يُرٰى فِيْ غُرَّةِ جَبْهَةِ آدَمَ وَقِيْلَ لَهٗ يَاآدَمُ علیہ السلام هٰذَا سَيِّدُ وَلَدِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ فَلَمَّا حَمَلَتْ حَوَّاءُ بِشِيْثٍ اِنْتَقَلَ النُّوْرُ مِنْ آدَمَ اِلٰى حَوَّاءَ وَكَانَتْ تَلِدُ فِيْ كُلِّ بَطْنٍ وَلَدَيْنِ وَلَدَيْنِ اِلَّا شِيْثًا فَاِنَّهٗ وَلَدَتْهُ وَحْدَهٗ كَرَامَةً لِمُحَمَّدٍ ﷺ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَنْتَقِلُ مِنْ طَاهِرٍ اِلٰى طَاهِرٍ اِلٰى اَنْ وَلَدَتْهُ آمِنَةُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ" [1]

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا وہ ایک مٹھی سفید مٹی کی رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی جگہ سے لے گئے تو اسے ماءِ تسنیم (تسنیم نہر کے پانی) سے گوندھا گیا۔ (پھر اسے جنت کی نہروں میں سے نہر تسنیم کے پانی سے گوندھا گیا۔) پھر آسمانوں میں پھیرا گیا تو فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کو آدم سے بھی پہلے پہچان لیا۔ پھر نور محمد ﷺ آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نظر آتا تھا۔ آدم علیہ السلام کو بتایا گیا کہ یہ آپ کا بیٹا سید المرسلین ہے۔ جب حضرت حواء شیث سے حاملہ ہوئیں تو وہ نور آدم سے حضرت حواء علیہا السلام کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت حواء علیہا السلام دو دو بچے جنتی تھیں سوائے شیث علیہ السلام کے۔ ان کو حضرت حواء نے اکیلے ہی جنا۔ یہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء علیہا السلام کے پیٹ میں ایک ہی بچہ رکھا کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی تکریم پائی گئی۔ پھر وہ نور پاک سے پاک کی طرف منتقل ہوتا رہا' یہاں تک کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے آپ کو حضرت عبداللہ کی طرف سے جنا۔''

---

[1] مرقاۃ المفاتیح' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 44

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب:

اخنوخ بن یرد بن مہلا ئیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجادات:

سب سے پہلے ستاروں میں نظر کرنا اور حساب کرنا آپ سے ہی ثابت ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آپ کا ستاروں میں نظر کرنا اللہ کی مرضی کے مطابق آپ کے حساب میں تخمینے کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں جو القاء کرتا آپ وہی بیان کرتے یعنی ستاروں کا حساب آپ کو بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا آج کے دور میں ستاروں کا حساب اور آنے والے واقعات کی خبر دینا حرام ہے ان پر یقینی اعتبار کرنے کا کفر ہے قلم کے ذریعے لکھنے کو سب سے پہلے آپ نے رواج دیا، سب سے پہلے کپڑے آپ نے ہی پہنے اس سے پہلے لوگ چمڑے کا لباس استعمال کرتے تھے۔ سب سے پہلے چیزوں کے وزن کرنے اور کپڑے وغیرہ کو ناپنے کو آپ نے ہی رواج دیا۔ سب سے پہلے اسلحہ کی ایجاد بھی آپ نے ہی فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول آپ ہی ہیں اور آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ [1]

---

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 9' ص 105............ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 233

ادریس علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (مریم 16:7)

''اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مقام کی طرف اٹھایا۔''

اس آیت کریمہ میں بلند مقام کی طرف اٹھانے کا ایک مطلب یہ ہے۔

"هُوَ شَرَفُ النُّبُوَّةِ وَالزُّلْفٰى عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى" ❶

''آپ کو نبوت کے منصب سے مشرف فرما کر اور اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص قرب عطا فرما کر آپ کو رفعت و بلندی عطا فرمائی۔''

دوسرا معنی:

"اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الرِّفْعَةُ فِي الْمَكَانِ اِلٰى مَوْضِعٍ عَالٍ وَهٰذَا اَوْلٰى لِاَنَّ الرِّفْعَةَ الْمَقْرُوْنَةَ بِالْمَكَانِ تَكُوْنُ رِفْعَةً فِي الْمَكَانِ لَا فِي الدَّرَجَةِ" ❷

''یعنی دوسرا معنی بلندی کا یہ ہے کہ آپ کو بلند مکان کی طرف اٹھایا گیا یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''ورفعناہ مکان علیا'' ذکر فرمایا جہاں مکان کا ذکر ہو اس سے مراد مکان کی بلندی ہی ہوتی ہے درجات کی بلندی مراد نہیں ہوتی۔''

بلندی مکان کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا اور یہی صحیح تر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان چہارم پر دیکھا۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے دکھاؤ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی روح قبض کر کے پھر اسی وقت لوٹا دی آپ زندہ ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: اب مجھے جہنم دکھا دو تا کہ خوف الٰہی زیادہ ہو آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کو جہنم کے دروازے پر لے جایا گیا۔ آپ نے مالک نامی فرشتہ ...... جو جہنم کا داروغہ ہے ...... سے فرمایا کہ دروازہ کھولو میں اس سے گذرنا چاہتا ہوں' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گذرے۔ پھر آپ نے ملک الموت سے فرمایا: کہ مجھے جنت دکھاؤ! وہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کو جنت کے پاس لے گئے۔ آپ نے جنت کے دروازے کھولنے کا ارشاد فرمایا: تو آپ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ آپ جنت میں تشریف لے گئے۔

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 9' ص 105

❷ تفسیر کبیر' امام رازی' ج 21' ص 233

ملک الموت نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ چلیں زمین میں اپنے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے فرمایا کہ میں تو یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی یہ شرط لگائی ہے۔ ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ کہ ہر شخص کو جہنم پر گذرنا ہے میں جہنم پر سے بھی گذر کر آ چکا ہوں۔ اب میں جنت میں داخل ہو چکا ہوں جو لوگ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں انہیں وہاں سے نکالا نہیں جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے ﴿وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ O﴾ جنت والوں کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق میں نے یہیں رہنا ہے یہاں سے مجھے نہیں نکالا جا سکتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے اس کلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو فرمایا: اے عزرائیل! میرے بندے ادریس نے سب کام میری مرضی سے کئے انہیں یہاں ہی رہنے دو! آپ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں میں زندہ ہیں۔ [1]

تنبیہ:

حضرت ادریس علیہ السلام کے دلائل میں قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ ذکر ہیں اس وقت نازل اگرچہ نہیں ہوا تھا لیکن اللہ کا کلام قدیم ہے، لوحِ محفوظ پر اس وقت بھی تحریر تھا۔ نبی چونکہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے رکھتے ہیں اس لئے حضرت ادریس علیہ السلام کی نظر لوحِ محفوظ پر تھی قرآن پاک سے آپ کا استدلال درست ہے۔

[1] تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ پ 16 سورۃ مریم رکوع 7 آیت نمبر 56

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کا نام لمک بن متوشلخ بن اخنوخ (یہ ادریس علیہ السلام کا نام) بن یرد بن مہلا ئیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

فائدہ: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس آباء ہیں اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان بھی دس آباء ہیں:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشْرَةُ قُرُوْنٍ كُلُّهُمْ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ" ❶

''حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرون ہیں یعنی دس آباء ہیں سب ہی دین حق پر قائم تھے۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر:

آپ علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد اعلان نبوت کا حکم دیا گیا اور ساڑھے نوسو (۹۵۰) سال آپ اپنی قوم میں ٹھہرے اور اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (عنکبوت 14:20) ''تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہے۔''

طوفان کے بعد آپ دو سو پچاس سال زندہ رہے آپ کی کل عمر ایک ہزار دو سو چالیس سال ہے اگرچہ اس میں اور قول بھی ہیں لیکن زیادہ طور پر اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے۔ ❷

نوح علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ کی؟

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت' گناہوں سے باز رہنے کی تبلیغ فرمائی اور ساتھ

---

❶ درمنثور امام سیوطی ج 3:435 'بحوالہ نجوم الفرقان غیر مطبوعہ

❷ تفسیر صاوی علی الجلالین' ج 1' ص 682

ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۙ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ ۙ﴿۳﴾ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ (نوح 29:9)

''آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہارے لئے ظاہر طور پر ڈر سنانے والا ہوں اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور ایک مقرر میعاد تک تمہیں مہلت دے گا' بے شک اللہ کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا' کاش تم جانتے!''

آپ نے اپنی قوم کو اور یہ فرمایا:

اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَهٗ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ❶

''اگر تم نے اللہ کے بغیر کسی اور کی عبادت کی تو میں قیامت کے دن کے بہت بڑے عذاب کا تمہیں خوف دلاتا ہوں۔''

آپ نے تبلیغ فرماتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَهٗ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ مُّؤْلِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ❷

''اگر تم نے اللہ کے بغیر اور کسی کی عبادت کی تو میں تمہیں دنیا اور آخرت کے دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں۔''

اس آیہ کریمہ میں اپنی قوم کو اخروی عذاب کے ساتھ ساتھ دنیا میں تباہی و بربادی سے بھی واضح طور پر ڈرا دیا گیا کہ شائد قوم پر کچھ اثر ہو جائے۔ اور آپ نے فرمایا:

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ (شعراء 19:9)

''اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

یعنی میں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت کرنے اور اور صرف اسی سے ڈرنے اور اسکے بغیر اور کسی کی عبادت کرنے پر دین و دنیا کی تباہی سے ڈرانے پر کوئی اجرت مال و دولت مطالبہ تو نہیں کر رہا۔ اگر تم نے اس راہ کا تعین کر لیا جو میں بتا رہا ہوں تو تمہاری کامیابی ہے ورنہ تم ذلیل ہو جاؤ گے' تباہ و برباد ہو جاؤ گے' دین و دنیا میں خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچانے میں مجھے تم سے کوئی غرض نہیں' کسی منصب مال و دولت کے حصول کا کوئی لالچ نہیں' صرف اللہ کے حکم سے اللہ کی رضامندی کے لئے تمہیں تبلیغ کر رہا ہوں۔ میرے اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اجر و ثواب عطا کرنا ہے اس کی بے حساب رحمت کے ہوتے ہوئے مجھے تم سے کچھ غرض نہیں۔

---

❶ تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 134 ❷ تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 182-181

نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا قوم پر کیا اثر ہوا؟

آپ علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال دن رات تبلیغ کی لیکن قوم قریب آنے کے بجائے دور ہوتی گئی آپ کی تقریر کو نہ سننے کی غرض سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونستے۔ (معاذ اللہ) آپ سے نفرت کرتے ہوئے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝

(نوح 9:29)

”عرض کی: اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے ان کا بھاگنا بڑھا ہی ہے اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ہٹ دھرمی کی اور بڑا غرور کیا۔“

یعنی نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ! میں نے تیرے احکام پہنچاتے میں کوئی کوتاہی سستی نہیں کی، لیکن میری قوم ماننے اور قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی گئی۔

جیسے جیسے آپ تبلیغ فرماتے رہے قوم کے دور ہونے میں کمی آنے کے بجائے زیادتی ہوتی رہی۔ اللہ کے نبی کی قوم پر شفقت کا یہ عالم ہے کہ آپ ان کو اس راہ پر چلانا چاہتے جس پر چلنے سے ان کو نجات حاصل ہو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور اللہ ان سے راضی ہو جائے اور وہ اللہ کے قریب ہو جائیں لیکن قوم کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ سے اتنی زیادہ نفرت کرتی ہے کہ آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں اور آپ کو دیکھنا انہیں گوارا نہیں۔ وہ کانوں میں اسلئے انگلیاں ٹھونس رکھتے تا کہ آپ کا کلام اور آپ کے پیش کردہ دلائل کو نہ سن سکیں۔ اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رکھتے کہ معاذ اللہ ہمیں نوح (علیہ السلام) کی شکل بھی نظر نہ آئے۔ اللہ کا جن پر فضل ہو وہ اللہ والوں کی باتیں سن کر ایمان لاتے ہیں، گناہوں سے باز رہتے ہیں، نیکی وتقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ جو شیطان کی گرفت میں ہوتے ہیں وہ ہدایت دینے والوں کو ملائیت، فسطائیت، قدامت پسندی کے نام دے کر دین کے باغی ہو جاتے ہیں۔ [1]

نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا ہر طریقہ آزمایا:

آپ علیہ السلام نے ہر وقت تبلیغ کی یعنی دن رات تبلیغ کی پھر آپ نے ہر شخص کو آہستہ آہستہ نرم لہجہ میں سمجھایا کہ اللہ کی

[1] تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 30، ص 136-135

عبادت کرو رب سے ڈرو لیکن قوم نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر سننے سے انکار کیا۔ اپنے چہروں پر کپڑا ڈال کر آپ کو دیکھنے سے بیزاری ظاہر کی' اپنے کفریہ اعتقادات پر ہٹ دھرمی سے قائم رہے۔ تکبر کی وجہ سے احکامِ باری تعالیٰ سے انکار کیا۔ پھر آپ نے ظاہر اُعام مجالس میں ان کو خطابات کئے اور راہ حق کا سبق دیا لیکن ان پر کچھ اثر ہوئے' پھر آپ نے اعلانیہ طور پر اور آہستہ آہستہ دونوں طرح سے تبلیغ کی لیکن یہ طریقہ بھی قوم کو راہ راست پر نہ لا سکا۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یوں پیش فرمایا:

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ (نوح 9:29) ''نوح علیہ السلام نے کہا: پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا' پھر میں نے ان سے باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا۔''

قوم کے کتنے لوگ ایمان لائے؟

اتنا عرصہ تبلیغ کرنے کے باوجود ایمان لانے والوں کا مختصر گروہ نظر آتا ہے تین آپ کے بیٹے سام' حام' یافث اور تین ان کی بیویاں اور ایک نوح علیہ السلام کی زوجہ اور ستر مرد عورتیں۔ یہی ایماندار لوگ کشتی پر بھی سوار تھے یعنی بمع نوح علیہ السلام کے کل اٹھہتر آدمی کشتی میں سوار تھے' جن میں مرد اور عورتیں برابر برابر تعداد میں تھے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجوہ:

①: فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ...... ﴿۲۷﴾ (ہود 3:12) ''تو آپ کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں۔''

یعنی ایک وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ وہ نوح علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے لگے کہ ہمارے ہی جیسا بشر بھی نبی نہیں بن سکتا وہ اس سے بے خبر تھے کہ نبی کو دو حالتیں حاصل ہوتی ہیں: ایک بشری اور دوسری نورانی۔ وہ کہنے لگے: نبی فرشتہ ہونا چاہئے!

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ (مومنون 2:18) ''تو آپ کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے: یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی' چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا ہم نے تو یہ اگلے باپ داداؤں میں نہ سنا۔''

یعنی انہوں نے یہ کہا کہ ہم نوح (علیہ السلام) پر کیوں ایمان لائیں یہ تو ہمارے جیسا ہے یہ نبوت کا دعوی کر کے ہم سے بڑا بنا چاہتا ہے ہم نے تو اپنے کسی باپ دادا سے یہ نہیں سنا کہ بشر بھی نبی ہوتا ہے اگر رب نے نبی بنانا ہی ہوتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔

۲: دوسری وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ ہم اعلیٰ لوگ اور گھٹیا لوگ ایک ہی مذہب پر نہیں ہو سکتے' قوم نے کہا:

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ ...... ''اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے۔''
(ہود 3:12)

یعنی قوم کے وڈیرے' سردار کہنے لگے کہ تم پر ایمان غریب' گھٹیا شان والے لائے ہیں اور انہوں نے بھی بغیر سوچ سمجھ کے سرسری نظر سے ایمان قبول کیا ہے وہ بھی سوچتے تو ایمان نہ لاتے' یا یہ کہ ان میں سوچنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ایسے گھٹیا لوگوں کے ساتھ ہم بھی ایمان لا کر جیسے ہو جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گویا تکبر کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ''بولے: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ (ایمان لانے والے) کمینے لوگ ہیں؟''
(شعراء 9:19)

۳: تیسری وجہ ان کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے ہم پر کوئی زیادہ فضیلت تو نہیں رکھتے' یعنی نبی کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نبی کی عظمت کو نہ سمجھ سکے اور یہ بات انہیں نہ سمجھ آئی کہ رب تعالیٰ کے نزدیک کسی کے مال و دولت کی زیادتی افضل ہونے کا سبب نہیں ایمان اور تقویٰ افضلیت کا سبب ہے۔ یہی رب تعالیٰ کی قربت کا سبب ہے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی اس وجہ کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ (ہود 3:12) ''اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے۔''

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب:

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ''کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم سے ہے تا کہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''
(اعراف 15:8)

یعنی آپ نے ان کے شبہ کا ازالہ فرمایا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کوئی انسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے اور ذات ربانی سے براہ راست فیض حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہاری حیرت و پریشانی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمتِ نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ [1]

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 2' ص 44' ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے ایمان سے انکار کی اس وجہ کا دوٹوک الفاظ میں جواب دیا:

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (۲۹) (ہود 3:12)

''اور میں ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقتاً) ناواقف ہے۔''

یعنی انہوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ ہر وقت آپ کے اردگرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہمارا تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں، جہاں اس قسم کے گندے غلیظ اور کمینے لوگوں کا جمگھٹا ہو۔ آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہوگا کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صاف جواب دیا یہ ناممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمہاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دوں۔ تم اپنی جگہ بڑے لوگ ہو لیکن میری نظر میں جو قدرومنزلت شمع نور کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ گدھوں کی نہیں ہو سکتی جو دنیا کی متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ یہاں قدرومنزلت کا معیار اخلاص وتقوی ہے، دولت وثروت نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں یہ بھی کہا کہ تمہیں تو اپنی عقل ودانش پر بڑا ناز ہوگا لیکن میرے نزدیک تو تم انجان اور ناواقف لوگ ہو جنہیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرف انسانیت کا راز کثرت مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی، کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔ [1]

نوح علیہ السلام کی قوم پر ابتدائی وبال:

نوح علیہ السلام نے اپنے قوم کو بار بار تبلیغ کی لیکن قوم سے سوائے تکذیب کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تو ابتدائی طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جھنجھوڑا دینے کے لئے اس طرح گرفت میں لیا۔ ان پر بارشیں برسنی ختم ہو گئیں اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں، ان کی اولاد پیدا ہونی ختم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی شفقت:

قوم بار بار انکار کر رہی تھی لیکن نوح علیہ السلام صبروتحمل سے انہیں جہنم کی آگ سے نکالنے اور دنیاوی مشکلات سے نکالنے کی تدبیر فرماتے ہوئے انہیں وہ طریقے بتا رہے تھے جن سے وہ آپ کو مصائب وآلام سے نکال سکیں۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو مشکلات سے نکلنے کا جو طریقہ بتایا اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے حضور کرتے ہیں:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا (۱۰) یُّرْسِلِ السَّمَآءَ

''تو میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 2، ص 356-355، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾

(نوح 29:9)

فرمانے والا ہے تم پر شرائے کا (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا تمہیں کیا ہوا' اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے؟''

یعنی آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ تمہاری مشکلات کا حل صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اس کی یاد کرنے اس سے ڈرنے اور اس سے معافی طلب کرنے میں ہے لیکن قوم اپنی ہٹ دھرمی پر اسی طرح قائم تھی تکبر اتنا حد سے بڑھ چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو یہی کہہ رہے تھے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ

(نوح 29:10)

''اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (یہ سب ان کے بتوں کے نام ہیں) اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بھٹکایا۔''

فائدہ: حضرت ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے انہوں نے قحط سالی کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: اللہ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے آپ سے اپنی غربت کا ذکر کیا آپ نے اسے بھی فرمایا: کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے عرض کیا: آپ اپنے رب سے میرے لئے دعا کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ بیٹا دے۔ آپ نے اسے بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے باغات کے خشک ہونے' پھل کم دینے' زمین کی پیداوار کم ہونے کا ذکر کیا اور دعاء کی درخواست کی' آپ نے اسے بھی فرمایا: کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شکایات لوگوں کی مختلف تھیں لیکن آپ نے سب کو عمل ایک ہی بتایا تو آپ نے جواب دیا کہ ''حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب مشکلات کے حل کے لئے استغفار کا ہی حکم دیا تھا'' یعنی یہ عمل قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ❶

قوم نے نوح علیہ السلام کو کیا القاب دیئے؟

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ نبی ہیں جنہوں نے دن رات قوم کو دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچانے کے لئے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ایک کر رکھے تھے لیکن قوم نے آپ کو گمراہ جھوٹا اور مجنون (دیوانہ) وغیرہ القاب دے رکھتے تھے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦٠﴾

(اعراف 8:15)

''سردار بولے کہ ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔''

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 30' ص 137

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ (اعراف 15:8)

''اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب تعالیٰ کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔''

بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ (ہود 3:12)

''بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔''

یعنی تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے سب جھوٹے ہو کیونکہ تم سب ایک ہی دعویٰ رکھتے ہو یا یہ کہ تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو اور وہ تمہاری تصدیق کرنے میں جھوٹے ہیں۔ [1]

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ (مومنون 2:18)

''وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ زمانہ تک اس کا انتظار کیے رہو۔''

یعنی انتظار کرو ہوسکتا ہے کہ اپنی دیوانگی سے کچھ افاقہ ہو جائے اور اپنا دعویٰ نبوت چھوڑ دے یا اس پر موت آجائے تو ہماری جان ہی اس سے چھوٹ جائے۔ کچھ سنجیدہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ انتظار کرو اگر یہ سچا نبی ہے تو اللہ اس کی امداد کرے گا اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اسے رسوا کرے گا اور ہماری جان اس سے چھوٹ جائے گی لیکن ایسا سوچنے والے بھی ایمان نہ لا سکے جب اللہ تعالیٰ کی امداد نوح علیہ السلام کے لئے آگئی تو یہ بھی غرق ہو گئے۔ [2]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ (قمر 8:27)

''ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جھٹلایا تو ہمارے بندے کو جھوٹا کہا اور بولے: وہ مجنون ہے اور اسے جھڑکا گیا۔''

نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: کہ ان قریش سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی تکذیب کی' آپ علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور آپ کو مجنون کہا اور دھمکیاں دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ نبوت سے باز نہیں آئے تو ہم تمہیں گالیاں دیں گے اور ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔

نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکیاں اور سختیاں:

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ (شعراء 10:19)

''بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کیے جاؤ گے۔''

---

[1] تفسیر ابی السعود' علامہ محمد بن محمد عمادی رحمہ اللہ' ج 4

[2] حاشیہ جلالین' امام جلال الدین محلی رحمہ اللہ ص 288

تفسیر جلالین میں "مرجومین" کے دو معنی بیان کے گئے ہیں: ایک یہ کہ تمہیں گالیاں دی جائیں گی اور دوسرا یہ کہ تمہیں سنگسار کیا جائے گا۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو مار مار کر شدید زخمی کر دیا آپ کو اونی کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر پھینک دیا اور یہ خیال کیا کہ آپ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں لیکن آپ اسی حالت میں نکل کر پھر انہیں دعوت حق دینے لگے۔

ایک دفعہ ایک بوڑھا شخص جو لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا' اس نے اپنے بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے بیٹے کو کہنے لگا: کہ اے میرے بیٹے! دیکھنا! اس بوڑھے شخص کے جال میں نہ پھنسنا' یہ تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈالے' باپ کی بات سن کر بیٹے نے کہا: اے میرے ابا! مجھے اتار دو اور اپنا ڈنڈا مجھے دے دو۔ باپ نے بیٹے کو اتار کر ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس چھوٹے لڑکے نے نوح علیہ السلام کے قریب آ کر آپ کو ڈنڈا دے مارا' جو آپ کے سر پر لگا۔ آپ زخمی ہو گئے' خون جاری ہو گیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر نوح علیہ السلام نے رب کے حضور التجا کی:

> "اے اللہ تیرے بندے جو میرے ساتھ سلوک کر رہے ہیں اسے تو دیکھ رہا ہے: اے اللہ اگر تو اپنے بندوں کو زندہ رکھنا ہی چاہتا ہے تو انہیں ہدایت دے یا اپنا کوئی فیصلہ کرنے تک مجھے صبر دے تو بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (ہود 12:4) [1]

"اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے' تو غم نہ کھا اس پر جو وہ کرتے ہیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (مؤمنون 18:2)

"نوح (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! میری امداد فرما! اس پر کہ انہوں نے میری تکذیب کی۔"

اس دعا میں بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تباہ و برباد کرنے کی درخواست رب کے حضور پیش کر دی:

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء 19:10)

"عرض کی اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلایا تو مجھ میں اور ان میں پورا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے۔"

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 48

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ
(قمر 8:27)

''تو آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے۔''

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا
(نوح 29:10)

''اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور انکی اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی مگر بدکار، بڑی ناشکر۔''

قوم کی ہلاکت کی دعا آپ نے کیوں کی؟

نوح علیہ السلام نے قوم کو برباد کرنے کے لئے دعا اس لئے نہیں کی کہ آپ کو گالیاں دینے کی دھمکی دی گئی تھی یا آپ کو سنگسار کرنے کے لئے انہوں نے کہا تھا بلکہ صرف وجہ یہ تھی کہ اے اللہ! جیسے تو نے خود بتا دیا ہے کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے بغیر اور کوئی ایمان لانے والے نہیں تو ان سے ایمان کی توقع جب نہیں اور ان کی اولاد سے بھی سوائے بدکاری اور ناشکری کی امید نہیں تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ؟ ان کو تباہ و برباد کر دے۔

"فَانْتَصِرْ لَكَ وَلِدِیْنِكَ فَاِنِّیْ غُلِبْتُ وَعُجِزْتُ عَنْ اِنْتِصَارِ لِدِیْنِكَ" (1)

''اے اللہ! میں تو عاجز و مغلوب ہو چکا ہوں تو اپنے دین اور اپنے ایمان لانے والے بندوں کی خاطر میری امداد فرما۔''

رب تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا:

نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہاری قوم کو غرق کر دیا جائے گا تم اپنے اور ایمان والے لوگوں کے بچاؤ کے لئے کشتی تیار کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ
(ہود 12:4)

''اور کشتی بناؤ ہمارے اور ہمارے حکم سے ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈبوئے جائیں گے۔''

یعنی کافروں کے عذاب کی تاخیر کی کہیں دعا نہ کر دینا کیونکہ ان کے غرق ہونے کا یقینی فیصلہ ہو چکا ہے ان کے غرق ہونے کا وقت بھی معین ہو چکا ہے اسلئے جلدی کا مطالبہ بھی نہ کرنا کیونکہ وقت مقرر سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ آپ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا بھی کافر ہیں وہ بھی غرق ہو جائیں گے۔ ان کے بچانے کی دعا بھی نہ کرنا کیونکہ تمام کافروں کے ڈبونے

(1) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 29، ص 36

کے فیصلہ میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی۔ ❶

کشتی کا ڈیزائن اللہ تعالیٰ کی وحی اور جبرائیل علیہ السلام کی معاونت سے تیار ہوا:

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نوح علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ کیسے کشتی بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کشتی کا اگلا حصہ مرغ کے سر کی طرح بنانا اور اس کا درمیان کا حصہ پرندوں کے پوٹے کی طرح بنائیں اور پچھلا حصہ مرغ کی دم کی طرح بنائیں اور اس کے اطراف میں دروازے بنائیں۔ میخوں سے مضبوط کریں اور سوائے نیچے والی طرف کے ہر طرف میں تارکول کی لپائی کردو۔ کشتی بنانے میں جبرائیل علیہ السلام اور کچھ دوسرے فرشتوں نے بھی معاونت کی۔ ❷

کشتی کیسی تھی؟

کشتی کی لمبائی تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) چوڑائی پچاس ذراع (پچھتر فٹ) اور اونچائی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) تھی۔ ساگوان کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی جس کے تیار کرنے میں دو سال صرف ہوئے۔ کشتی تین منزلہ تھی، پہلی منزل میں وحشی جانور درندے اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) تھے اور درمیانی حصہ میں پالتو جانور چوپائے وغیرہ تھے اور سب سے اوپر والی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے حضرات تھے اور اپنا زادِ راہ یعنی کھانے پینے کی اشیاء رکھی گئی تھیں۔ ❸

کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد:

کشتی میں وہی لوگ سوار تھے جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ آپ کے تین بیٹے اور ہر ایک کی زوجہ اور نوح علیہ السلام خود اور آپ کی ایک زوجہ گھر کے یہ آٹھ افراد تھے اور ستر افراد اور تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا۔ اس طرح کشتی میں سوار ہونے والوں کی کل تعداد اٹھہتر تھی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بغیر اناسی آدمی یعنی بہتر اور سات آپ کے قبیلے کے اور ایک آپ خود اس طرح کل اسی آدمی تھے' اس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا۔ ❹

خیال رہے کہ نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ اور ایک بیٹا کنعان کافر تھے جو غرق ہو گئے تھے ان کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 227
❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 223
❸ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 ص 49
❹ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 ص 55

کشتی کو دیکھ کر قوم کا مزاح کرنا:

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالی کے حکم سے کشتی بنا رہے تھے تو قوم آپ سے پوچھتی تھی اسے کیا کرو گے تو آپ فرماتے: یہ سیلاب میں کام آئے گی۔ یہ سن کر قوم مزاح اڑاتی کہ اس علاقے میں پانی کا کوئی دریا نہیں تو اتنی بڑی کشتی بنانا کہ یہ پانی میں کام آئے گی؟ (معاذ اللہ) یہ تو سراسر حماقت ہے۔

کبھی کہتے پہلے تو تم نبوت کا دعوی کر رہے تھے اب بڑھئی بن گئے ہو اس طرح وہ تمسخر اڑا رہے تھے کہ اللہ تعالی نے ان کے اس طریقے کو ذکر فرمایا:

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ (ہود 4:12)

''اور نوح کشتی بناتے ہیں اور جب اس قوم کے سردار اس پر گذرتے ہیں اس پر ہنستے' بولے: اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنستے ہو۔''

یعنی آج اگر تم ہمارے کشتی بنانے پر اعتراض کرتے ہو مزاح کرتے ہو تو تم جب ہلاک ہو جاؤ گے تو ہم بھی اللہ کے دشمنوں کے ہلاک ہونے پر خوش ہوں گے۔

طوفان کا آغاز تنور سے ہوا:

اللہ تعالی نے حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہو جائے تو سمجھو کہ اب طوفان آرہا ہے اس وقت تم کشتی پر سوار ہو جانا۔ تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور ایمان لانے والوں کو بھی ساتھ کشتی میں سوار کر لینا۔ یہ تنور کوفہ میں تھا۔ صحیح یہی ہے کہ عام تنور تھا جس میں آپ کی زوجہ روٹیاں پکاتی تھی' اسی سے طوفان کی ابتداء ہوئی۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ...... (ہود 4:12) ''اور یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا تو تنور نے جوش مارا۔''

یعنی جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے اس طرح تنور ابلنا شروع ہوا تو آپ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اب طوفان آنے ہی والا ہے۔ [1]

کشتی پر سوار ہونے اور دعا پڑھنے کا حکم:

جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے تمام ایمان والوں کو حکم دے دیا کہ اب کشتی پر سوار ہو جاؤ اور سوار ہوتے وقت اللہ کے نام سے ابتدا کرو۔

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 225

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭاِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ہود 4:12)

''اور آپ نے کہا: اس میں سوار ہو اللہ کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔ بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کشتی پر سوار ہو کر اللہ کا نام لینے کا حکم دے کر یہ واضح کیا کہ کشتی حقیقت میں اتنے بڑے طوفان سے نجات کا ذریعہ نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی اسے چلنا ہے اور اسی کے فضل سے اس نے لنگر انداز ہونا ہے۔ آپ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کشتی پر اعتماد نہ کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو' یہ کشتی تو صرف ایک سبب ہے۔

کتنا عظیم طوفان تھا؟

جب طوفان کی ابتداء تنور سے ہو چکی تو آسمانوں کو پانی برسانے اور زمین کو چشموں سے پانی نکالنے کا حکم دے دیا گیا' آسمانوں اور زمین کے پانی نے مل کر ایک عظیم ہولناک منظر پیش کیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَاۗءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ (قمر 8:27)

''ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے زور کے بہتے پانی سے اور زمین چشمے کر کے بہا دی (یعنی زمین سے چشمے جاری کر کے زور سے پانی بہا دیا) تو دونوں پانی مل گئے اس مقدار پر جو مقدر تھی۔''

زمین و آسمان کے پانیوں نے مل کر اتنی شدید طغیانی برپا کر دی کہ موجیں جب اٹھتیں تو بہت بڑے بلند پہاڑوں کی طرح نظر آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَهِىَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ .... ۝ (ہود 4:12)

''اور وہ (کشتی) انہیں لئے جا رہی تھی ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موجوں کی بلندی اس وقت ہوتی ہے جب ہوا بھی تیز اور شدید ہو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شدید بارشوں اور زمین کے پانی چھوڑنے کے ساتھ شدید آندھیاں بھی چل رہی تھیں جن سے اٹھنے والی موجیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ [1]

کشتی کا چلنا اور منزل پر پہنچنا:

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی دس رجب کو چلی اور دس محرم کو جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہو گئی کشتی چھ ماہ مسلسل طوفان میں رہی۔ دس محرم کو طوفان سے نجات ملنے پر حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم نے روزہ رکھا۔

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 230

"فَصَامَ نُوْحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَمَرَ جَمِيْعَ مَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْوَحْشِ وَالدَّوَابِ فَصَامُوْا شُكْرًا لِلّٰهِ"

"نوح علیہ السلام نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے ساتھ تمام لوگوں اور وحشی جانوروں اور دوسرے جانوروں کو بھی حکم دیا سب نے اللہ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔"

سبحان اللہ! نبی علیہ السلام کی عظمت کو جانور جانتے ہیں۔ بے وقوف لوگ نہ جانیں تو اپنی بدبختی کا ماتم کریں۔

فائدہ: مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ یہودی لوگوں سے گذر ہوا جنہوں نے عاشورا کے دن روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ روزہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور اسی دن نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حق رکھتا ہوں کہ اس دن روزہ رکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیا۔ خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی عاشورا کے دن ہی ہوئی۔ [1]

نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا غرق ہوگیا:

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے: ان میں سے تین مومن تھے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے' جن کے نام سام' حام اور یافث تھے اور ایک آپ کا بیٹا منافق تھا جس کا نام ''کنعان'' تھا۔ وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا' جو غرق ہو گیا چونکہ یہ منافق تھا یعنی ظاہر طور پر مؤمن تھا اور در حقیقت کافر تھا' کافروں سے ملا ہوا تھا۔ اس کے غرق ہونے کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

(ہود 12: 4)

''اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے پر تھا اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچائے گا (نوح علیہ السلام نے کہا) آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور ان کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ ڈوبنے والوں میں رہ گیا۔''

نوح علیہ السلام کا یہ بیٹا گھوڑے پر سوار تھا' اترا رہا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر اپنے آپ کو بچا لوں گا۔ نوح علیہ السلام اسے کہہ

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 ص 62

رہے تھے کہ آج اللہ کے عذاب سے اس کے رحم کرنے کے بغیر کوئی بچ نہیں سکے گا۔ یہی مکالمہ ان دونوں کے درمیان چل رہا تھا کہ طوفان کی اٹھنے والی موجیں ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئیں اور ''کنعان'' غرق ہو گیا۔ ❶

نوح علیہ السلام کی بیٹے کے حق میں التجاء:

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ(۴۵) قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ(۴۶) قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ(۴۷)

(ہود 12:4)

''نوح نے اپنے رب کو پکارا' عرض کی: اے میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں۔ بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ عرض کی: اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں گا۔''

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان منافق تھا آپ کے سامنے اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتا تھا۔ اگر وہ اپنا کفر ظاہر کر دیتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کی نجات کی التجا نہ کرتے۔ ❷

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے گھر والوں کو نجات حاصل ہو گی تو اسی لئے آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق عرض کیا اور وہ بھی اس کی منافقت کی وجہ سے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اس کے عمل اچھے نہیں یعنی وہ کافر ہے۔ پہلے مرتبہ قربتِ دینی کا ہے اگر یہ حاصل ہو تو رشتہ کی قربت کا بھی فائدہ ہو گا ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

تنبیہ: حضرت محمد بن علی باقر اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کنعان نوح کی زوجہ کا بیٹا کسی اور خاوند سے تھا آپ کا اپنا بیٹا نہیں تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ پڑھتے تھے [وَنَادٰی نُوْحُ ۨ ابْنَهَا] نوح علیہ السلام نے اپنی زوجہ کے بیٹے کو آواز دی کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ آپ کا بیٹا نہیں تھا۔ تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا یہ کیسے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا [اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ] بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو میرے قول کی تائید ہے کہ

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ' ج 7 ص 61

❷ مدارک التنزیل' ص 254 مطبوعہ مکتبہ محمدی بمبئی

نوح علیہ السلام نے کہا: میرا بیٹا میری اہل سے ہے آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ {اِنَّ ابْنِیْ مِنِّیْ} یعنی میرا بیٹا جو میرا ہی ہے۔ ❶

نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ بھی غرق ہوگئی:

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ جس کا نام ''والہہ'' تھا یہ کافرہ تھی اور لوگوں کو بھی کہا کرتی تھی (معاذ اللہ) نوح مجنون (دیوانہ) ہے اسکی بات نہ مانا کرو وہ بھی غرق ہوگئی۔

تفسیر جلالین میں {اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ} کے قول کے ماتحت آپ کے بیٹے کنعان اور آپ کی زوجہ دونوں کا ذکر ہے یعنی یہ دونوں کافر تھے اور غرق ہو گئے۔ ❷

تنبیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی حضرات نے روایت بیان کی:

''مَازَنَتْ اِمْرَأَةُ نَبِیٍّ قَطُّ''

''کسی نبی کی کوئی عورت کبھی زانیہ نہیں تھی۔''

اشرس نے اسی حدیث کی سند کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کر مرفوع قرار دیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ انبیائے کرام کی عورتیں زانیہ تو نہیں تھیں۔ البتہ کسی سے کفر سرزد ہونے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ بدکاری کو ہر زمانے میں برا سمجھا جاتا رہا اور لوگوں کی طبائع اس سے متنفر ہیں، اسلئے نبی کی بیوی میں ایسا فعل پایا جائے تو نبی میں نقص اور عیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عیوب اور نقائص سے پاک فرمایا لیکن کفر کو کافر لوگ اپنا حق مذہب سمجھتے تھے اسلئے کفر ان کے نزدیک عیب کی بجائے کمال سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا کفر انبیاء کرام کی بیویوں میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ ❸

طوفان کی انتہا:

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (ہود 4:12)

''اور حکم فرمایا گیا اے زمین! اپنا پانی نگل دے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔''

یعنی جب کافروں کے غرق ہونے کا کام مکمل ہوگیا تو طوفان کو ختم کر دیا گیا بارش روک دی زمین کو حکم دیا گیا کہ اب جو پانی تیرے اوپر ہے اسے اپنے اندر جذب کر لے۔ صرف وہی لوگ یا جانور بچے جو کشتی میں سوار تھے، باقی تمام انسان چوپائے پرندے اور دوسرے وحشی جانور غرق ہو گئے اور غرق ہونا عاقل، بالغ کافروں کے لئے تو عذاب تھا اور ان کے علاوہ دوسرے

❶ تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ، ج 17، ص 231
❷ تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 183
❸ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 14 ص 192

غرق ہونے والوں کے لئے عذاب نہیں تھا۔ (1)

حدیث شریف میں آیا ہے:

"اِذَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ عَذَابًا اَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ کَانَ فِیْهِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰی اَعْمَالِهِمْ" (2) ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو سب اچھے اور برے اس عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر جب اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔''

یعنی نیک لوگوں کو دنیا میں عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوگا' اسی لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے مطابق ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

کشتی جودی پہاڑ پر کیوں رکی؟

تمام پہاڑ اپنی اپنی بلندیوں پر تکبر کر رہے تھے اور اترا رہے تھا لیکن جودی پہاڑ اللہ کے حضور اپنی عاجزی ہی کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ تکریم عطا فرمائی کہ نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر آ کر ٹھہری۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ سُبْحَانَهٗ رَفَعَهٗ (3) ''جس نے عاجزی کی اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت عطا کی۔''

خیال رہے جودی پہاڑ موصل یا شام کے علاقہ میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ پانی حرم شریف میں داخل نہیں ہوا تھا۔

---

(1) حاشیہ صاوی علی الجلالین' ص 183 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

(2) صحیح بخاری' امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 1053 مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی

(3) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 ص 62

حضرت ابراہیم و اسماعیل و اسحاق علیہم السلام

حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ کا نام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل کی والدہ کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب:

آپ تارخ ابن ناخور کے فرزند ہیں آپ کا نام ابراہیم اور آپ کا لقب ابوالضیفان (بہت بڑے مہمان نواز) ہے۔
آپ کا نسب یہ ہے {ابراھیم ابن تارخ ابن ناخور ابن ساروغ ابن رعو ابن تانع ابن عابر ابن شالح ابن ارفحشذ ابن سام بن نوح } ❶

آپ کی پیدائش طوفان کی سترہ سو نو سال بعد اور عیسی علیہ السلام سے تقریبا دو ہزار تین سو سال پہلے شہر بابل کے قریب قصبہ ''کونی'' میں ہوئی۔❷

تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ آپ کی پیدائش ''اہواز'' کے علاقہ میں ''سوس'' کے مقام پر ہوئی۔❸

تنبیہ: ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔آپ کے باپ کا نام ''تارخ'' ہے۔علامہ محمود احمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَالَّذِیْ عَوَّلَ عَلَیْهِ الْجَمُّ الْغَفِیْرُ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّ آزَرَ لَمْ یَکُنْ وَالِدَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَادَّعَوْا اَنَّهٗ لَیْسَ فِیْ آبَاءِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم کَافِرٌ اَصْلًا لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ''لَمْ اَزَلْ

''اہل سنت کے کثیر اہل علم کا اسی پر اعتماد ہے کہ بے شک آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔اہل سنت کے جم غفیر کی دلیل یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں کوئی بھی کافر نہیں تھا۔

❶ تفسیر حقانی' علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ
❷ تفسیر عزیزی' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ص 543
❸ تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 630

اَنْقُلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ" ❶ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔"

اور یہ بھی واضح ہے کہ کفار ومشرکین تو پاک کبھی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ...... (توبہ 10:10) "بے شک مشرک تو ناپاک لوگ ہیں۔"

بعض لوگوں نے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں "طاہر" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباء واجداد بدکاری سے پاک تھے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَتَخْصِيْصُ الطَّهَارَةِ بِالطَّهَارَةِ مِنَ السِّفَاحِ لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَالْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ" ❷ "طہارت کو زنا سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کرنا دعوی بغیر دلیل کے ہے، اس پر کوئی ایسی دلیل نہیں جو قابل اعتماد ہو، لحاظ عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ اسباب کی خصوصیات کا۔"

الفاظ کی عمومیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مراد مطلقاً ہر طرح کی پاکیزگی ہے۔ کفر اور بدکاری ہر طرح سے پاک پشتوں اور پاک رحموں میں ہی حضور ﷺ منتقل ہوتے رہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں نبی کریم ﷺ کے والدین کے ایمان کے قول کو شیعہ کی طرف منسوب کیا تھا اس کا بھی رد پیش کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَالْقَوْلُ بِاَنَّ ذٰلِكَ قَوْلُ الشِّيْعَةِ كَمَا ادَّعَاهُ الْاِمَامُ الرَّازِيُّ نَاشِئٌ مِنْ قِلَّةِ التَّتَبُّعِ" ❸ "اس قول کو شیعہ کی طرف منسوب کرنا جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منسوب کر دیا ہے یہ حقیقت میں غور وفکر کم کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اگر توجہ کی جاتی تو ایسا نہ ہوتا۔"

خیال رہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف الحاوی للفتاوی میں ایک رسالہ "مسالك الحنفاء فی ایمان والدی مصطفی" میں اسرار التنزیل کے حوالہ سے علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی جمہور کے ساتھ ایمان کے متعلق ہی مذکور ہے۔ استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: کہ تفسیر کبیر کے بعد کی تصنیف علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اسرار التنزیل ہے علامہ کا پہلے قول سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔

وَاَكْثَرُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى اَنَّ آزَرَ اِسْمٌ لِعَمِّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❹ "اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔"

---

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج4 ص195-194
❷ روح المعانی، علامہ آلوسی ج4 ص195
❸ روح المعانی، علامہ آلوسی ج4 ص195
❹ ایضا

قرآن پاک میں دادا چچا اور باپ سب پر لفظ ''اب'' (باپ) بولا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ......(۱۳۳)
(سورۃ بقرہ 16:1)

''کیا تم موجود تھے جب یعقوب پر موت کا وقت حاضر ہوا اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ بولے: ہم عبادت کریں گے تمہارے معبود اور تمہارے آباء ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی۔''

اس آیت کریمہ میں یعقوب علیہ السلام کے والد اسحاق علیہ السلام اور چچا (تایا) اسماعیل علیہ السلام اور دادا ابراہیم علیہ السلام سب پر آباء کا اطلاق ہے جو ''اَبْ'' کی جمع ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو بطورِ دلیل پیش کیا اور کہا:

"اَلْخَالُ وَالِدٌ وَالْعَمُّ وَالِدٌ" ''ماموں باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے۔''

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک موجود ہے جس میں آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ''ابی'' میرا باپ کہا ہے۔ ''رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِي الْعَبَّاسِ'' میرے باپ عباس کو مجھ پر پیش کرو!

جن محققین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد کافر نہیں تھا بلکہ آپ کا چچا آزر کافر تھا۔ انہوں نے بطور دلیل ابن منذر کا قول بھی پیش کیا ہے جو اس نے اپنی تفسیر میں سند صحیح سے سلیمان بن صرد کا قول پیش کیا ہے کہ جب نمرود اور اس کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں تو ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کر رہی تھی ابراہیم علیہ السلام نے جب ساری قوم کو مخالف پایا تو کہا:

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ''مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

جب آپ کو ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ (۶۹)
(انبیاء 5:17)

''اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا، جب آپ پر آگ گلزار بن گئی۔''

"فَقَالَ عَمُّهٗ مِنْ اَجْلِيْ دُفِعَ عَنْهُ" تو آپ کا چچا کہنے لگا کہ یہ آگ میری وجہ سے ہی ابراہیم سے مندفع ہوئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگ کے ایک چنگارے کو اس کی طرف بھیجا جو اس کے قدموں پر گرا اور اسے جلا کر رکھ دیا۔

اس روایت میں واضح طور پر "عمہ" کے الفاظ موجود ہیں، جن سے واضح ہو رہا ہے کہ ''آزر'' آپ کا چچا تھا۔ [1]

---

[1] روح المعانی، علامہ آلوسی ج 4، حصہ دوم، ص 195 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

ابراہیم علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور آزر کے چچا ہونے پر شاندار دلیل:

محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اپنے چچا آزر کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ اس کے مرجانے کے بعد آپ پر واضح ہوگیا کہ وہ تو حالتِ کفر میں مرگیا ہے کافر تو اللہ کا دشمن ہے اس کے لئے تو دعا کرنے کا کوئی مقصد نہیں تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت چھوڑ دی اور اس سے بیزاری اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ .... (توبہ 3:11)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ (چچا آزر) کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدہ کے سبب جو اس سے کر چکا تھا پھر جب ابراہیم پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے تعلق توڑ دیا۔''

اس آیت میں ''ابیہ'' سے مراد آزر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک وعدہ کے پیشِ نظر اس لئے دعائے مغفرت کی کیونکہ آپ نے ایک مرتبہ آزر کو کہا تھا کہ میں اپنے رب سے تیری مغفرت کی دعا کروں گا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ آزر نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی {سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ} میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا: تو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے؟ تو اس نے کہا: کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کیلئے دعا نہ کی تھی وہ بھی تو مشرک تھا۔ یہ واقعہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار کرنا اس کے اسلام لانے کی امید پر تھا جس کا آزر نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ نے آزر سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ امید ختم ہوگئی تو آپ نے اس سے تعلق توڑ لیا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا بھی چھوڑ دیا۔

''آزر'' آگ کے چنگارے سے مرگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے بعد اس کے لئے کوئی دعا نہیں کی آگ کے واقعہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی پھر مصر میں داخل ہوئے اور ایک جابر بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت ہاجرہ آپ کو ملیں پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے اسماعیل کو کعبہ کے پاس چھوڑ دو آپ نے جب اپنے بیٹے اور زوجہ کو وہاں چھوڑا جہاں آج مکہ مکرمہ آباد ہے تو وہاں آپ نے کچھ دعائیں فرمائیں جن میں سے ایک دعا میں یہ الفاظ مبارکہ بھی ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ .... (سورۃ ابراہیم 18:13) ''اے ہمارے رب! میرے والدین کی مغفرت فرما۔''

اب اس سے بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ آپ نے اللہ کے جس دشمن کے لئے دعا کرنا چھوڑ دیا تھا وہ آپ کا چچا آزر ہے جسے باپ سے تعبیر کیا گیا اور اس دعا کے چھوڑنے کے کتنے عرصہ بعد بھی آپ اپنے باپ اور ماں کے لئے مغفرت کی دعا کر رہے ہیں وہ آپ کا حقیقی باپ ہے۔ اگر آزر جو کافر اور اللہ کا دشمن ہے وہی آپ کا حقیقی باپ ہے تو اس سے بیزاری کے بعد پھر اس کے لئے دعا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ [1]

ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ‎(٧٥)‏

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہو جائے۔'' (انعام 15:7)

ملکوت کا معنی عظیم بادشاہی اور سلطنت قاہرہ یعنی آپ کو زمین و آسمان کی تمام اشیاء کا مشاہدہ کرا دیا گیا یہاں تک کہ چاند، سورج، پہاڑ، درخت اور دریا تمام چیزوں کے حقائق کو آپ نے دیکھا اور تمام روئے زمین اور آسمانوں کا مشاہدہ کیا۔

''فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فُرِّجَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ اِلٰى مَا فِيْهِنَّ حَتّٰى انْتَهٰى بَصَرُهٗ اِلَى الْعَرْشِ وَفُرِّجَتْ لَهُ الْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ فَنَظَرَ اِلٰى مَا فِيْهِنَّ'' [2]

''یعنی آپ علیہ السلام کو تمام نشانیاں اور تمام عجائبات دکھائے گئے بے شک آپ پر سات آسمان منکشف کر دیئے گئے، تو آپ علیہ السلام نے آسمانوں کی جمیع اشیاء کو دیکھا یہاں تک کہ آپ کی نظر عرش الٰہی تک پہنچی، اس طرح آپ پر سات زمینیں منکشف کر دی گئیں تو آپ نے زمینوں کی ہر چیز کو دیکھا۔''

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین و آسمان کی بادشاہیوں کا مشاہدہ کر لیا تو آپ نے ایک شخص کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی جو کہیں دور دراز چھپ کر معصیت میں مبتلا تھا لیکن آپ نے اس کا مشاہدہ کر لیا تو آپ نے اس کے خلاف دعا فرمائی، رب تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ پھر آپ دوسرے آدمی کی معصیت پر مطلع ہوئے تو اس کے خلاف بھی دعا کر دی اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ پھر آپ ایک اور شخص کے گناہ پر مطلع ہوئے تو آپ نے اس کے خلاف دعا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرما دیا کہ اے ابراہیم! آپ مستجاب الدعوات ہیں، میرے بندوں کی ہلاکت کی دعا نہ کریں کیونکہ میرے بندے تین قسم کے ہیں یا تو گناہگار ہوں گے لیکن توبہ کر لیں گے اور میں ان کی توبہ قبول کروں گا یا وہ خود تو گناہگار ہی رہیں گے لیکن ان کی اولاد میں ایسے

---

[1] روح المعانی، علامہ آلوسی ج 4، حصہ دوم ص 195

[2] روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4، حصہ دوم ص 197

نیک لوگ ہوں گے جو زمین کو تسبیحات سے بھر دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء تسبیح وتہلیل اتنی زیادہ کریں گے کہ ان کے فیضان سے اور لوگ بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جائیں گے یا وہ لوگ گناہوں کے حال میں ہی مرجائیں گے اور میرے قبضۂ قدرت میں ہوں گے۔ اس کے بعد میری مرضی کی بات ہے کہ میں ان کو معاف کردوں یا سزا دوں۔ [1]

سبحان اللہ! جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم کا یہ مقام ہے تو سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا عالم ہوگا' جبکہ جمیع انبیائے کرام کا مجموعی علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابل ایک قطرہ کی مثال ہے اور آپ کا علم سمندر کی مثال۔

ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کا رد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(سورۃ الانعام 15:5)

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔''

اس آیت کریمہ سے عرب کے مشرکین پر حجت قائم کی گئی کیونکہ ان میں سے کئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معظم جانتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے انہیں بتایا جارہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور بت پرستی کو بہت بڑا عیب اور گمراہی سمجھتے تھے اگر تم انکی عظمت کو مانتے ہو تو بت پرستی چھوڑ دو۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

(مریم 6:16)

''ابراہیم نے جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور کچھ تیرے کام نہ آئے۔ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ علم آیا جو تیرے پاس نہیں آیا تو میری تابعداری کر' میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کا بندہ نہ بن' بے شک شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔''

ان تمام آیت میں باپ سے مراد آپ کا چچا'' آزر'' ہی ہے آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جن بتوں کی تو پوجا کر رہا ہے وہ تیری عبادت کو نہیں دیکھ سکتے تیری ثناء کو نہیں سن سکتے اور بھی کسی چیز کو دیکھنا اور کسی قسم کا کلام سننا ان کی طاقت میں نہیں اور تمہاری یا کسی اور کی امداد کرنا اور کسی قسم کی مصیبت سے نجات دینا اور تمہیں بے پرواہ کرنا جب انہیں حاصل نہیں تو وہ عبادت کے لائق کبھی نہیں ہو سکتے بلکہ ان کی عبادت کرنا درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4' حصہ دوم ص 197

بتوں کی عبادت کرنا اسی کے دھوکے اور فریب کا نتیجہ ہے اس لئے تم شیطان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے وہ خود تو مردود ہو چکا ہے اور دوسروں کو بھی بھٹکانے میں ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے وہ تو چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی میرے دامِ فریب میں پھنس کر رب تعالیٰ سے دور ہو جائے اور اس کے عذاب کا مستحق بن سکے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۞ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۞ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۞ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۞ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۞ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۞ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۞ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۞ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۞ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۞ (شعراء 9:19)

"اور ان پر ابراہیم کی خبر پڑھو جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا: تم کیا پوجتے ہو؟ بولے: ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کی پوجا میں منہمک رہتے ہیں' پھر فرمایا: کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا برا کرتے ہیں' بولے: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا' فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگارِ عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دے گا اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے اور وہی مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔"

ان آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا جارہا ہے کیونکہ آپ قریش کے جدِ اعلیٰ اور کعبہ کے بانی تھے۔ قریش کو ان کی نسل ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اسلئے ان کے سامنے آپ کے عقائد بیان فرمائے جارہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جدِ اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ربِ اکبر پر بھی ایمان لائیں جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے داغوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: "لابیہ" سے مراد "آزر" ہے جو آپ کا چچا تھا کیونکہ اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لئے باپ کہا گیا: "اَیْ آزَرَ سَمَّاهُ اللّٰهُ اَبًا لِكَوْنِهٖ عَمًّا وَّمُرَبِّيًا لَّهٗ"[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے کا کتنا پیارا انداز ہے؟ ان سے ہی ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جارہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے کیونکہ ان کے بت سننے نفع و نقصان پہنچانے سے قاصر تھے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے اس لئے ہم تو ان کے طریقے سے ہٹنے کے لئے کسی وقت بھی تیار نہیں۔

آپ علیہ السلام محبت بھرے طریقہ سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو بے جا ضد اچھی نہیں' اندھی تقلید کے نتائج بڑے

[1] تفسیر مظہری' قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ' ج 7' ص 70 مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

خطرناک ہوتے ہیں۔تم دنیاوی معاملات میں جب عقل وفہم کو استعمال کرتے رہتے ہو تو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آئے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گم کردو یہ تو اچھی بات نہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو میں انہیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ رہا ہوں۔میری بندگی کا تعلق صرف اس معبود برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے اس کی ساری ضروریات بھی مہیا کرتا ہے ان کی نشوونما کے لئے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو بہم پہنچاتا ہے۔ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں رب العالمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کتنا معنی خیز ہے؟ آیت میں مکرر غور فرمائیے۔آپ نے یہ نہیں فرمایا: کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا یہ میرے دشمن ہیں۔ناصح کریم کا انداز نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔وہ براہِ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے۔اسی طرح اشارۃً کلام کرنا ظاہر کلام کرنے سے بدرجہا مؤثر ہے۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کا توڑنا:

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم کو کہا تم کس کی پوجا کرتے ہو۔کیا بہتان سے اللہ کے بغیر اور خدا چاہتے ہو۔تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین پر یعنی جب تم اس کے سوا دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ دے گا۔باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحق عبادت ہے۔

اس قوم کا سالانہ ایک میلہ لگتا تھا۔جنگل میں جاتے تھے اور شام تک وہاں لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے واپسی کے وقت بت خانہ میں آتے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے بعد اپنے مکانوں کو واپس جاتے تھے۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کی مذمت بیان کی تو انہوں نے کہا کل ہماری عید ہے۔جنگل میں میلہ لگے گا۔ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تبرک کے طور پر کھائیں گے۔آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں دیکھیں کہ ہمارے دین اور طریقے میں کیا بہار ہے اور کیسے لطف اٹھاتے ہیں جب وہ میلے کا دن آیا تو آپ کو چلنے کے لئے کہا گیا تو آپ کے جواب کو قرآن مجید میں بایں الفاظ فرمایا گیا:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ (صافات 7:23)

''اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا' پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔''

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 398 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

آپ نے ستاروں کو ایسے دیکھا جیسے ستاروں کا حساب لگانے والے دیکھتے ہیں۔قوم چونکہ ستاروں کے حساب کی بہت معتقد تھی انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ نے ستاروں سے حساب لگا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ بیمار ہونے والے ہیں۔اس طرح قوم آپ کو چھوڑ کر اپنے میلہ پر چلی گئی۔آپ علیہ السلام نے کئی لوگوں کے سامنے یہ واضح طور پر کہہ دیا تھا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ (سورۃ الانبیاء 5:17)

''اور مجھے اللہ کی قسم ہے! میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا اس کے بعد جب تم پیٹھ پھیر جاؤ گے۔''

جب قوم اپنے میلہ پر چلی گئی تو آپ نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ اب اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا سنہری وقت آ گیا ہے آپ نے چپکے سے بت خانہ کا رخ کیا۔وہاں جا کر دیکھا کہ قوم ان کے پاس طرح طرح کے کھانے رکھ کر گئی ہے کہ واپس آ کر کھائیں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے۔تو آپ نے بتوں کے قریب جا کر کہا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ O تم کھاتے کیوں نہیں؟ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد پر جب بتوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر آپ نے انہیں کہا: (مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ) تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں؟ وہ بے جان پتھر کی مورتیاں تھیں ان کی طرف سے کیا جواب آنا تھا۔جب آپ نے دیکھا کہ یہ بت کھانے کے قابل نہیں بولنے کی ان میں طاقت نہیں اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں سے بے جان بت ہیں۔تو آپ نے ان کو مارنا شروع کر دیا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ (سورۃ الانبیاء 5:17)

''آپ نے انکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چورا کر دیا۔سوائے ایک کے جوان سب سے بڑا تھا کہ شائد وہ اس سے کچھ پوچھیں۔''

قوم کو وہاں ہی پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے بتوں کو توڑ دیا گیا ہے۔﴿فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ﴾ تو وہ جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ

''انہوں نے کہا: کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے ان میں سے کچھ بولے: ہم نے ایک جوان کو انہیں برا کہتے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں وہ کہنے لگے: تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شائد وہ گواہی دیں انہوں نے کہا: کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم؟ آپ نے فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہیں؟ تو انہوں نے اپنے نفسوں کی

﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء 5:17)

طرف رجوع کیا اور بولے: بے شک تم ہی ظالم ہو پھر اپنے سروں کے بل اوندھے گرے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر دیا سوائے بڑے بت کے آپ نے بسولا اس کے کندھے پر رکھ دیا جب قوم کے لوگ واپس آئے تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کو کسی نے توڑ دیا ہے کیسے بے عقل لوگ تھے جن کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جو بت اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ ہماری کیا امداد کریں گے؟

ان کے اس سوال پر کہ ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کس نے کیا ان لوگوں نے بتایا جن کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں تمہارے خداؤں سے کچھ نہ کچھ برا سلوک ضرور کروں گا" کہ یہ کام ابراہیم نے ہی کیا ہوگا کیونکہ وہ ہمارے خداؤں کی برائیاں بیان کرتا تھا۔ اب وہ کہنے لگے کہ ابراہیم کو سامنے لاؤ تاکہ اس پر گواہیاں قائم کر کے مقدمہ قائم کیا جا سکے جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کام تم نے کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بسولا تمہارے بڑے بت کے کندھے پر ہے اسی نے یہ کیا ہوگا۔ اپنے ان خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں تو بتائیں گے۔

آپ کے اس حکیمانہ جواب پر کچھ دیر کے لئے تو وہ سوچنے لگے کہ ابراہیم حق پر ہیں اور ہم ہی بے وقوف ہیں کہ ایسے خداؤں کی پوجا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم اس معاملہ میں اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں لیکن کچھ دیر بعد ان پر پھر بدبختی سوار ہوگئی کہنے لگے: ہم ان سے کیسے پوچھیں یہ تو بولتے ہی نہیں اس طرح وہ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

اعتراض: قوم جب میلہ پر جانے لگی تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی تو آپ نے فرمایا {اِنِّیْ سَقِیْمٌ} میں بیمار ہوں، حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے، یہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑ دیئے، قوم نے پوچھا تو آپ نے فرمایا {بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ} یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے حالانکہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا؟ یہ بھی معاذ اللہ جھوٹ نظر آتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی آپ کے تین جھوٹوں کا ذکر ملتا ہے ان تین میں سے دو یہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔

جواب: جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہو سکتا، جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انبیائے کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔

وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے اس کی وضاحت کی جاتی ہے تا کہ یہ سمجھ آسکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے اگر حدیث پاک کا ترجمہ ہی صحیح کر دیا جائے تو سمجھ آسکتا ہے کہ مطلب کیا ہے وہ حدیث پاک یہ ہے:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ یَكْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ (علیہ السلام) اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ ثِنْتَیْنِ مِنْهُنَّ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَوْلُهٗ (اِنِّیْ سَقِیْمٌ) وَقَوْلُهٗ (بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا) وَقَالَ بَیْنَا هُوَ ذَاتَ یَوْمٍ وَسَارَةُ اِذَا اَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ اِمْرَاَةٌ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهَا مَنْ هٰذِهٖ؟ قَالَ اُخْتِیْ فَاَتٰى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا اِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ یَعْلَمْ اَنَّكِ اِمْرَاَتِیْ یَغْلِبُنِیْ عَلَیْكِ فَاِنْ سَاَلَكِ فَاَخْبِرِیْهِ اَنَّكِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ لَیْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَیْرِیْ وَغَیْرُكِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا فَاَتٰى بِهَا قَامَ اِبْرَاهِیْمُ یُصَلِّیْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَیْهِ ذَهَبَ یَتَنَاوَلُهَا بِیَدِهٖ فَاُخِذَ وَیُرْوٰى فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اُدْعِی اللّٰهَ لِیْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِیَةَ فَاُخِذَ مِثْلَهَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ اُدْعِی اللّٰهَ لِیْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهٖ فَقَالَ اِنَّكَ لَمْ تَاْتِنِیْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَیْتَنِیْ بِشَیْطَانٍ فَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَاَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاَوْمَاَ بِیَدِهٖ مَهْیَمْ قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَیْدَ الْكَافِرِ فِیْ نَحْرِهٖ وَاَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ تِلْكَ اُمُّكُمْ یَا بَنِیْ مَاءِ السَّمَاءِ" [1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ ایک آپ کا قول { اِنِّیْ سَقِیْمٌ } میں بیمار ہونے والا ہوں۔ دوسرا آپ کا قول { بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ } ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ اور ان میں تیسرا قول (جب آپ فلسطین کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے تو اس دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ کا ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں ایک جابر ظالم شخص مسلط تھا اس کو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے ان کو کہا۔ اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ اگر وہ تم سے سوال کرے تم اس کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو اسلئے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو کیونکہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مؤمن نہیں۔ اس ظالم نے حضرت سارہ کے پاس قاصد بھیج کر ان کو اپنے پاس بلا لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع فرما دی حضرت سارہ علیہا السلام جب اس ظالم کے پاس پہنچیں اس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ کی گرفت میں آ گیا۔ پاگلوں کی طرح ہو گیا اس کا گلا گھونٹ گیا' منہ سے جھاگ بہنے لگی' ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس نے حضرت سارہ علیہا السلام کو کہا: تم میرے لئے دعا کرو میں تمہیں تکلیف نہیں پہنچاؤں

[1] بخاری' مسلم بحوالہ مشکوۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء' ص 506 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

گا۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ٹھیک ہوگیا۔اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح رب تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔اس نے پھر حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی' آپ نے پھر دعا کی جب وہ ٹھیک ہوگیا پھر اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ کسی جن کو لے آئے ہو، اس ظالم نے آپ کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام بطور خادمہ دے کر واپس لوٹا دیا۔''

{مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں تحریر کیا ہے حضرت ہاجرہ علیہا السلام روم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں، ان سے بھی اس ظالم کا انجام ایسا ہی ہوا تھا اس نے کہا ان دونوں کو یہاں سے نکال دو یہ دونوں انسان نہیں بلکہ جن ہیں۔}

حضرت سارہ علیہا السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟ آپ علیہا السلام نے کہا، اللہ نے کافر کے مکر کو اسی کے سینہ پر لوٹا یا یعنی وہ ذلیل ہوا اس نے مجھے ہاجرہ بطور خادمہ دی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہلِ عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہے۔

تشریح حدیث:

"قَالَ عِيَاضٌ رحمۃ اللہ علیہ اَلصَّحِيْحُ اَنَّ الْكِذْبَ لَا يَقَعُ مِنْهُمْ مُطْلَقًا وَاَمَّا الْكِذْبَاتُ الْمَذْكُوْرَةُ فَاِنَّمَا هِيَ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى فَهْمِ السَّامِعِ لِكَوْنِهَا فِيْ صُوْرَةِ الْكِذْبِ وَاَمَّا فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ فَلَيْسَتْ كِذْبَاتٌ" (1)

''قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انبیائے کرام سے مطلقاً جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا لیکن یہ جھوٹ جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سننے والے کی طرف منسوب ہیں جن کو سننے والے نے جھوٹ سمجھا اس لئے کہ بظاہر جھوٹ نظر آتے ہیں' حالانکہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے۔لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ اس طرح کلام فرمایا کہ لوگوں نے اسے جھوٹ سمجھا' ان تین مرتبہ کے علاوہ آپ نے کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس کو لوگوں نے بھی جھوٹ سمجھا ہو۔''

پہلا ارشاد گرامی {اِنِّيْ سَقِيْمٌ}

آپ علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کا مطلب پہلے تفصیلاً بیان ہوگیا کہ قوم نے آپ کو میلہ میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا {اِنِّيْ سَقِيْمٌ} یعنی میں بیمار ہونے والا ہوں۔آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں کل ہی بیمار ہونے والا ہوں بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں' انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی تو ضرور بیمار ہوتا ہے' آپ نے معنی دور والا لیا اور لوگوں نے قریب والا سمجھا یہ ''توریہ'' کہلاتا ہے' جو جائز ہے۔

(1) مرقاۃ المفاتیح' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

دوسری وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

"فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ اَلْقَلْبِ لِمَا فِیْهِ مِنَ الْغَیْظِ بِاِتِّخَاذِكُمُ النُّجُوْمَ اٰلِهَةً وَبِعِبَادَتِكُمُ الْاَصْنَامَ"

آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا دل بیمار ہے اس لئے کہ مجھے بہت غصہ ہے کہ تم نے ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے یا اس لئے مجھے غصہ ہے کہ تم نے بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے اس غصہ کی وجہ سے ذہنی پریشانی میرے دل کے بیمار ہونے کا سبب ہے۔ یعنی آپ کی بات صداقت پر مبنی تھی کہ میں قلبی طور پر بیمار ہوں لیکن لوگ اس کو نہ سمجھ سکے۔

دوسرا ارشاد: {بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ}

قوم جب میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑا یا بسولا ان کے بڑے بت...... یعنی جس کو وہ بڑا خدا سمجھتے تھے اس...... کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب وہ قوم واپس آئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے ہمارے خداؤں سے یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ جب بعض لوگوں نے کہا یہ ابراہیم نے کیا ہوگا۔ آپ کو بلا کر پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ" جس کا عام معنی ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ آپ نے کہا یہ اس بڑے بت نے کیا ہے یعنی اس نے توڑا ہے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا حالانکہ اس کا مطلب ہی یہ نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مختلف مطالب بیان کئے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے؟

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس بت نے کیا ہے بلکہ آپ نے اس سے مراد اپنی ذات لی آپ کا یہ کلام تعریض پر مبنی تھا یعنی کلام کرنے والا اور مراد لے رہا ہو سننے والا اور سمجھے۔ یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ایک شخص لکھنے کا ماہر ہو وہ ایک نفیس خط لکھے دوسرا شخص جو لکھنا نہیں جانتا وہ ماہر خط سے پوچھے کیا یہ تم نے لکھا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے {بَلْ كَتَبْتَهٗ اَنْتَ} بلکہ تم نے لکھا ہے یہ الزاماً اس کو خاموش کراتا ہے۔ یعنی اس جملہ سے اس شخص کی نفی کی جا رہی ہے جو قادر نہیں اور جو شخص قادر ہے اس کے لئے ثابت کرتا ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کی طرف منسوب کر کے یہ واضح کیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہے، وہ کیسے کر سکتا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہی نہیں؟

دوسری وجہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں کو مزین کیا ہوا ہے اور ان کو قوم نے بڑا برگزیدہ سمجھا ہوا ہے تو آپ کو غصہ آیا اور یہ دیکھ کر غصہ اور زیادہ شدید ہو گیا کہ لوگوں نے بڑے بت کو زیادہ مزین کیا ہوا ہے اور اس کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں جب اس بڑے بت کو دیکھ کر غصہ زیادہ ہوا تو سب بتوں کو توڑ دیا:

"فَاَسْنَدَ الْفِعْلَ اِلَيْهِ لِاَنَّهٗ هُوَ السَّبَبُ فِیْ اِسْتِهَانَتِهٖ بِهَا وَحَطْمِهٖ لَهَا وَالْفِعْلُ كَمَا يُسْنَدُ اِلٰى مُبَاشَرَةٍ يُسْنَدُ اِلٰى حَامِلِهٖ"

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کو بت کی طرف اسلئے منسوب کیا کہ وہ ان کو توڑنے اور ذلت کا سبب بنا کیونکہ اس کو

دیکھ کر آپ کو زیادہ غصہ آیا تھا جس طرح کام کرنے والے کی طرف فعل منسوب ہوتا ہے اسی طرح کام پر ابھارنے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا۔"

تیسری وجہ: آپ نے ان کے مذہب کے مطابق کلام کیا کہ تم جب اس کو خدا سمجھتے ہو تو پھر یہ کام اس نے کیا ہوگا:

"فَاِنَّ مَنْ حَقَّ مَنْ يُّعْبَدُ وَيُدْعٰى اِلٰهًا اَنْ يَّقْدِرَ عَلٰى هٰذَا اَوْ اَشَدَّ مِنْهُ" "یعنی جس کو تم عبادت کا مستحق سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا معبود ہے وہ یہ کام کرنے پر قادر ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قدرت اسے ہونی چاہئے۔"

مقصد ان کو سمجھانا تھا کہ جب تم یہ نہیں مانتے کہ اس نے بتوں کو توڑا ہے کیونکہ یہ توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ معبود کیسے بن سکتا ہے۔

چوتھی وجہ: یہاں کچھ عبارت غیر مذکور ہے اصل عبارت اس طرح ہے:

"فَعَلَهٗ مَنْ فَعَلَهٗ وَكَبِيْرُهُمْ هٰذَا" "جس نے کرنا تھا اس نے کر دیا یہ ان کا بڑا ہے اس سے پوچھ لو۔"

گویا اس بیان کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے اپنے بڑے خدا سے پوچھو اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتا ہے اس میں بھی ان کو تبلیغ تھی کہ یہ تمہارا خدا تو یہ بھی نہیں بتا سکتا یہ کام کس نے کیا ہے۔

پانچویں وجہ: "كَبِيْرُهُمْ" پر وقف ہے اور "هٰذَا" سے پھر کلام کی ابتدا ہے۔ معنی یہ ہے کہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے یہ تمہارا خدا ہے اس سے پوچھ لو اگر بولتا ہے۔

"اِدَّعٰى نَفْسَهٗ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ صَنَمٍ" "اس سے مراد آپ نے اپنی ذات لی ہے کیونکہ انسان تمام بتوں سے بڑا ہے۔"

مقصد یہ تھا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے وہ بڑا میں ہی ہوں کیونکہ میں انسان ہوں اور تمہارے خداؤں سے بڑا ہوں انسان کے مقابل ان بتوں کی کیا حیثیت ہے۔

چھٹی وجہ: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے گویا کہ اصل معنوی لحاظ پر اس طرح ہے:

"قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ فَسْئَلُوْهُمْ" "آپ نے فرمایا ان کے اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔"

"فَتَكُوْنُ اِضَافَةُ الْفِعْلِ اِلٰى كَبِيْرِهِمْ مَشْرُوْطًا بِكَوْنِهِمْ نَاطِقِيْنَ فَلَمَّا لَمْ يَكُوْنُوْا نَاطِقِيْنَ اِمْتَنَعَ اَنْ يَّكُوْنُوْا فَاعِلِيْنَ" "فعل کی اضافت ان کے بڑے بت کی طرف مشروط طور پر ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان کے بڑے نے کیا ہے جب وہ

بولتے ہی نہیں تو یہ کام ان کے بڑے بت نے نہیں کیا۔“

ساتویں وجہ: ایک قرات میں ہے ”فَعَلَّہٗ کَبِیْرُھُمْ“ آیا ہے اس کے مطابق معنی یہ ہوگا ”فَلَعَلَّ الْفَاعِلَ کَبِیْرُھُمْ“ شائد یہ کام کرنے والا ان کا بڑا ہوگا۔

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صداقت پر مبنی تھا اگرچہ سننے والے نہ سمجھ سکے اور انہوں نے اپنے باطل گمان میں جھوٹ سمجھا۔

انبیاء کرام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”اِضَافَۃُ الْکِذْبِ اِلٰی رُوَاتِہٖ اَوْلٰی مِنْ اَنْ یُّضَافَ اِلَی الْاَنْبِیَاءِ الْکِرَامِ“ ”اگر ایسی کوئی روایت ہو جس سے انبیائے کرام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے۔ جس سے انبیائے کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے لیکن انبیائے کرام کو جھوٹا کہنا محال ہوگا۔“ ایسی صورت میں روایت کو رد کر دیا جائے گا لیکن انبیائے کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ [1]

آپ کا تیسرا ارشاد: حضرت سارہ علیہا السلام کے متعلق آپ نے فرمایا: {ھٰذِہٖ اُخْتِیْ} یہ میری بہن ہے۔ اس کی وجہ حدیث پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے بلکہ آپ نے حضرت سارہ علیہا السلام کو کہا ”اَنْتِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ“ ”تم اسلام میں میری بہن ہو اس لئے کہ اخوت اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں۔ ماں، بیٹا، بھائی، بہن ہیں: اسی طرح خاوند، بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

بتوں کو توڑنے پر ابراہیم علیہ السلام کو سزا:

ابراہیم علیہ السلام نے جب کفار کے بناوٹی خداؤں کو تباہ کر دیا اور دلائل میں بھی ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے آپ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا اور سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی یعنی یہ کہ آپ کو آگ میں جلا دیا جائے حالانکہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے، بندے کے لئے جائز نہیں کہ کسی کو آگ کا عذاب دے لیکن نمرود اور اس کی قوم نے آپ کو جلانے کی سزا دی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:

قَالُوا ابْنُوْا لَہٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْہُ فِی الْجَحِیْمِ (۹۷) ”وہ کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اسے بھڑکتی

---

[1] تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 22، ص 185 مطبوعہ دار الفکر بیروت

(صافات 7:23) آگ میں ڈال دو۔"

یعنی اردگرد بہت بڑی دیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ "بولے: اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔"

(انبیاء 5:17)

ذرا غور کریں! کتنے بے وقوف لوگ تھے کہ یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی ہم امداد کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی امداد کچھ نہ کر سکے وہ خدا بننے کے قابل کیسے؟

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ:

آپ علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لئے جو چار دیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ اس کی بلندی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) اور چوڑائی بیس ذراع (تیس فٹ) اور طول تیس ذراع (پینتالیس فٹ)۔ [1]

آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا:

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مجاہد! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا سب سے پہلے مشورہ دینے والا کون تھا؟ میں نے کہا: مجھے تو علم نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام "اکراد" تھا۔ بعض جگہ اس کا نام اکراد بن عطیہ مکمل طور پر ذکر ہے۔ نام کے متعلق دو قول اور بھی ہیں ایک قول کے مطابق نام "ہیون" ہے اور دوسرے کے مطابق "ہدیر" ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا ہے اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

آپ کو جلانے سے پہلے قید کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر آگ جلانے کے لئے چار دیواری باڑہ کی طرح بنانی شروع کر دی۔ جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں۔ ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ بھی کہتی اگر مجھے اس بیماری سے شفا حاصل ہو گئی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں لاؤں گی۔

---

[1] تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 26، ص 150 مطبوعہ دار الفکر بیروت

وہ کیسی آگ تھی؟

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلادی گئی آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اس کے اوپر فضا میں بھی کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا تھا۔

آگ میں ڈالنے کے لئے شیطان کی راہنمائی:

جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہوگئی اس کی حرارت اتنے دور دور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی انسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران و پریشان ہو گئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہے کیونکہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے تو شیطان نے آکر ان کی راہنمائی کی کہ ایک منجنیق تیار کی جائے اور ابراہیم کو رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے۔ خیال رہے سب سے پہلے دنیا میں یہی منجنیق تیار ہوئی بعد میں اسی کو جنگوں میں استعمال کیا جاتا رہا اور منجنیق کے ذریعے پتھروں کو گولوں کی طرح پھینکا جاتا تھا۔

زمین آسمان کی مخلوق کی فریاد:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان کی ساری مخلوق چلا اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی اے مولائے کائنات زمین میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے۔ اے اللہ! آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔ زمین و آسمان کے فرشتے، جانور، وحوش وطیور سبھی یہ ماجرا دیکھ کر حیران و پریشان ہیں۔ رب تعالیٰ کے حکمت سے بے خبر تھے۔ سوچ رہے تھے اب کیا ہوگا؟ اللہ کا نام لینے والا تو آج جل جائے گا' اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

فرشتوں نے آپ کی امداد کرنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی:

زمین و آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ! ہمیں اجازت فرما کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرمادی کہ اگر وہ تم سے امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم ان کی امداد کرو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے امداد نہیں حاصل کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی ان کا ولی ہوں، ان کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو، بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔ اس وقت تمام روئے زمین پر ان کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ہی ان کا معبود ہوں میرے بغیر ان کا کوئی معبود نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل:

اور ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ آیا اور وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا جو پانیوں پر مقرر تھا۔ان دونوں نے عرض کیا آپ ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آگ کو ختم کردیں۔آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں: {حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ} ''میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے۔'' آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ کو میری امداد کی ضرورت ہو تو میں آپ کی امداد کروں۔آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔جبرئیل نے کہا: اچھا! تو پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کرلو تو آپ نے فرمایا: {حَسْبِیْ مِنْ سَوَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ} ''وہ میرے حال کو جانتا ہے سوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے۔''

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کتنا بھروسہ ہے؟ یہ تو کہہ دیا جاتا ہے کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے امداد طلب کرتے۔کاش! ان لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ انبیائے کرام کا مقام ملائکہ سے بلند ہے انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے سے کم مراتب والوں سے امداد طلب کریں۔پھر ابراہیم علیہ السلام کی طرح عام انسان توکل کیسے کرسکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کرتے کہ وہ خود ہی جانتا ہے مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

چھپکلی کا آگ کو پھونکیں دینا:

"وَیُرْوٰی اَنَّ الْوَزْغَ کَانَ یَنْفُخُ فِی النَّارِ وَقَدْ جَآءَ ذَالِکَ فِیْ رِوَایَۃِ الْبُخَارِیْ" ''بخاری شریف کی روایت میں آیا ہوا ہے کہ چھپکلی آگ میں پھونکیں دیتی تھی۔''

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فُوَیْسِق (بری چیز) کے نام سے تعبیر فرمایا۔ایک اور روایت میں ہے کہ چھپکلی کو پہلی ہی ضرب سے قتل کرنے میں زیادہ ثواب ہے اور دوسری ضرب سے قتل کرنے میں اس سے کم ثواب ہے اور تیسری ضرب سے قتل کرنا کا اس سے کم ثواب ہے۔ [1]

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر:

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے امداد لینے سے انکار کردیا اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے گا بس صرف ایک بات مدنظر تھی کہ رب تعالیٰ جس پر راضی ہے میں بھی اسی پر راضی ہوں۔کافروں نے جب آپ کو

[1] نووی شرح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 244 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے یہ الفاظ مبارکہ پڑھے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ" "تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے سب تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں سب چیزیں تیری ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔"

کافروں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا' اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا:

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿الانبیاء 5:17﴾ "اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا۔"

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ ساتھ سلامتی کا حکم بھی دیا تا کہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ ہو۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو "سَلٰمًا" کا حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ کا سردی سے وصال ہو جاتا۔

روایات میں آتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن اس کی حرارت ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔ یعنی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آپ کو پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور اردگرد گلاب' نرگس اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین وجمیل منظر پیش کر رہے تھے۔ آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے آپ کو باندھا گیا اور ان کے جلنے سے بھی آپ کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔

خیال رہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا گیا اس وقت دنیا میں کوئی ایسی آگ نہیں تھی جو بجھ نہ گئی ہو یعنی دنیا کی تمام آگیں ایک مرتبہ بجھ گئی تھیں۔

ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے؟

منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس پچاس دن رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں: آگ میں رہنے کے دنوں میں جتنا خوش رہا اور میں نے عیش وعشرت کی اتنی پوری زندگی میں مجھے عیش حاصل نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے سایہ پر مقرر فرشتے کو ابراہیم علیہ السلام کی ہی شکل میں ان پر بھیجا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھے تا کہ وہ اس سے انس حاصل کریں اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو آپ کے پاس جبرائیل جنت میں سے ایک ریشمی قمیص لائے اور کہا: اے ابراہیم علیہ السلام! بے شک آپ کو رب کہتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے محبوبوں کو

آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا:

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک شخص (فرشتے) کو بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے اردگرد لکڑیوں کو جلتے ہوئے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پکارنے لگا، اے ابراہیم! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں۔ اس نے کہا: اٹھو اور نکل آؤ (ممکن ہے اس نے یہ سمجھا ہو کہ جب نکلیں گے تو باہر جلتی ہوئی آگ سے گذریں گے تو جل جائیں گے) ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ آپ علیہ السلام سے نمرود نے پوچھا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ پر مقرر فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ مجھے اکیلے ہونے سے کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ ہو بلکہ میں اس سے انس حاصل کرسکوں۔

نمرود رب کی قدرت کا اقرار کرنے کے باوجود گمراہ رہا:

نمرود نے کہا: جب میں نے تمہارے رب کی عزت وقدرت کو دیکھا تو میں نے نذر مانی کہ میں تمہارے رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کروں گا۔ اسلئے میں تمہارے رب کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کررہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول نہیں کرے گا۔ اس نے کہا: میں اپنی بادشاہی کو تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا اس سے اپنی نذر کے مطابق چار ہزار گائے ذبح کردیں اور آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا ارادہ کرلیا البتہ وہ اپنے کفر پر ہی قائم رہا ایمان اس کو نصیب نہ ہوسکا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب کفار نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو انہوں نے کہا: کہ ابراہیم نے آگ پر جادو کردیا ہے انہوں نے تجربہ کرنے کے لئے ایک بوڑھے کو آگ میں ڈالا تو آگ نے اسے جھلس کر رکھ دیا۔ [1]

ابراہیم علیہ السلام نے تمام باطل معبودوں کا رد کیا:

ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں تشریف لائے اس میں کچھ لوگ بت پرست تھے' کچھ ستارہ پرست' کچھ چاند پرست اور کچھ سورج پرست بلکہ نمرود کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ آپ نے بتوں کے معبود ہونے کو دلائل سے باطل کیا۔ قوم نے جب دلائل

---

[1] تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج ۲۶' ص ۱۵۰ مطبوعہ بیروت

سے کوئی فائدہ نہ حاصل کیا تو آپ نے بتوں کو توڑ کر اپنی پریشانی کو دور کر کے اپنے دل کو تسلی دی۔ ستارہ پرست آپ کو بھی ستاروں کو پوجا کی دعوت دینے لگے آپ نے ان کا بھی رد فرمایا کہ ستارے معبود بننے کے قابل نہیں:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝

(سورۃ الانعام 15:7)

''پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا، بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے۔''

یعنی یہ تو خود کسی نظام قدرت کے پابند ہیں ان میں معبود بننے کی صلاحیت نہیں میری توجہ اور محبت کا مرکز تو صرف مالک الملک خالق کائنات وحدہ لاشریک لہ ہے میں تو ان ستاروں سے نہ ہی محبت کرتا اور نہ ہی ان کو کسی معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتا ہوں جب ان سے محبت ہی نہیں تو ان کی عبادت کو کیسے اچھا سمجھ سکتا ہوں۔

چاند پرستوں نے آپ کو چاند کی عبادت کی دعوت دی آپ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ تم تو گمراہ ہو حق تو یہ ہے کہ تم خود سیدھی راہ پر آ جاؤ کیا تم مجھے راہ راست سے بھٹکانا چاہتے ہو یہ ناممکن ہے:

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝

(الانعام 15:7)

''پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے: اسے میرا رب بتاتے ہو؟ جب وہ بھی ڈوب گیا کہا اگر میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں انہی گمراہوں میں ہوتا۔''

یعنی یہ چاند بھی کسی کے حکم کا تابع ہے اس کی چمک دمک بھی کبھی ایک علاقہ پر کبھی دوسرے پر یعنی ایک وقت میں ایک علاقہ کو چمکا رہا ہے تو دوسرا اس کی روشنی سے محروم ہے تو ایسی چیز جو خود ہی ایک حال پر نہ رہ سکے وہ کیسے معبود بن سکتی ہے۔ یہ تو مجھ پر اللہ کا فیضان ہے جس نے مجھے سیدھی راہ پر چلا کر اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما دی ورنہ جس قوم میں ہر طرف باطل راہ پر چلنے والے ہی نظر آتے ہوں وہاں ایک فرد کا حق پر قائم رہنا کیسے ممکن تھا؟

سورج پرستوں نے آپ کو سورج کی عبادت کی دعوت دی کہ یہ تو بہت ہی روشن ہے۔ یہ تو یقیناً بڑا خدا بننے کے قابل ہے آپ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ میں شرک پر قائم رہنے کی کسی کو جب اجازت نہیں دیتا تو مجھ سے شرک کی امید رکھنا تمہاری حماقت ہے۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

(الانعام 15:7)

''پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔''

آپ نے جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو قوم کو کہا: اسے میرا رب کہتے ہو سب سے بڑا سمجھ کر اسے بڑا خدا مانتے ہو۔ یہ بھی تو کبھی ایک علاقہ کو جگمگا رہا ہے اور دوسرے کو اندھیرے میں رکھتا ہے۔ جب دوسرے علاقہ کو روشن کرتا ہے تو پہلے علاقہ کو تاریکی میں ڈبا دیتا ہے۔ بھلا وہ چیز جو خود اپنے محور میں گھومنے کے لئے کسی کے حکم کی پابند ہو خدا بن سکتی ہے؟ نہیں! نہیں! یہ خدا کبھی بھی نہیں بن سکتی۔ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے شریک ٹھہرانا چھوڑ دو میں تو پہلے ہی بیزار ہوں مجھ سے تمہاری یہ توقع کہ ''میں تمہارے ساتھ معبودانِ باطلہ کو ماننے میں شریک ہو جاؤں گا'' بے سود ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میری توجہ کا مرکز تو صرف زمین و آسمان کا خالق ہے میں اس کے ساتھ اور کوئی شریک ٹھہراؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں کوئی مشرک تو نہیں۔ قوم نے آپ کو باطل معبودوں کی مخالفت سے ڈرانے کی کوشش کی کہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ ان کی مخالفت سے باز آ جاؤ۔ آپ نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا:

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ...... (الانعام 15:7) ''جن کو تم (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہو، مجھے ان سے کوئی ڈر نہیں۔''

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ م (البقرہ 3:3)

''اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی۔''

اس سے مراد اس وقت کا بادشاہ ہے جس کا نام ''نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب'' ہے۔ یہ ہی پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا اور رعایا پر ظلم و ستم کیا۔ خدائی کا دعوی کیا سارے جہان کی بادشاہت اس کو ملی۔ اس کی کل عمر آٹھ سو برس تھی۔ چار سو سال اپنی بادشاہی کے رعب و دبدبہ میں گذارے اور چار سو برس مچھر نے اسے کاٹا جو ناک کے راستے اس کے دماغ میں گھس گیا تھا وہ اپنے سر پر جوتے لگواتا رہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو مقابلہ کرنے کے لئے بلند قلعہ بنوایا تھا اس کا دار الخلافہ بابل میں تھا۔ [1]

تمام روئے زمین کے چار بادشاہ:

جن کو کل دنیا کی بادشاہت حاصل رہی ہو وہ صرف چار شخص ہیں: دو مسلمان اور دو کافر:

1. سلیمان علیہ السلام
2. حضرت سکندر ذو القرنین علیہ السلام
3. نمرود
4. شداد بن عاد جس کا نام بخت نصر تھا۔

---

[1] روح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ ج 1 ص 503

''شداد'' نے ہی رب تعالیٰ کے مقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے عدن کے جنگلات میں اپنی جنت بنوائی تھی۔ جنت جب تیار ہوئی تو دیکھنے کے لئے گیا' ابھی اس کے گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اس کی مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کرلو۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟

کبیر اور روح المعانی میں دو قول نقل کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ بتوں کو توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالنے سے پہلے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ جب آگ سے باہر تشریف لائے تو اس وقت یہ مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارا رب کون سا ہے جس کی میں عبادت کروں؟

ابراہیم علیہ السلام کی رب کے متعلق دلیل:

اِذْقَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ (البقرہ3:3) ''جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔''

یعنی اجسام میں موت وحیات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک خدا کو نہ پہچاننے والے کے لئے یہ بہترین ہدایت تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ خود تیری زندگی رب کے وجود کی شہادت دے رہی ہے کہ تو ایک بے جان نطفہ تھا جس نے اس نطفہ کو انسانی صورت دی اور حیات عطا فرمائی وہ رب ہے اور زندگی کے بعد پھر اجسام کو جو موت دیتا ہے وہ پروردگار ہے اس کی قدرت کی شہادت خود تیری اپنی موت وحیات میں موجود ہے اس کے وجود سے بے خبر رہنا کمال جہالت وسفاہت اور انتہائی بدنصیبی ہے۔

یہ دلیل ایسی زبردست تھی کہ اس کا جواب نمرود سے نہ بن پڑا اور اس خیال سے کہ مجمع کے سامنے اس کو لاجواب اور شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے تو اس نے کج بحثی (ٹیڑھی بحث) اختیار کی۔

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ط (سورۃ البقرہ3:3) ''بولا: میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔''

نمرود کی بے وقوفی:

نمرود نے دو شخصوں کو بلایا۔ ان میں سے ایک کو قتل کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں اسے زندہ کرتا ہوں اور کسی کو قتل کر کے مار دیتا ہوں۔ یہ اس کی نہایت احمقانہ بات تھی ۔کہاں قتل کرنا اور چھوڑنا؟ اور کہاں موت وحیات پیدا کرنا؟ قتل کئے ہوئے شخص کو زندہ کرنے سے عاجز رہنا اور بجائے اس کے

---

❶ تفسیر عزیزی وروح البیان' علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ' ج1' ص503

زندہ کے چھوڑنے کو یہ کہنا کہ میں زندہ کرتا ہوں اس کی ذلت کے لئے کافی تھا۔ عقلمندوں پر تو ظاہر ہو گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل قوی اور قطعی ہے۔ اس کا جواب ممکن نہیں۔

نمرود نے جو دلیل قائم کی تھی اس میں دعویٰ بھی پایا گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ اے جھوٹے مدعی الوہیت! موت وحیات پیدا کرنا تیری قدرت میں کہاں بلکہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس سے آسان کام کر کے دکھا:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ 3:3)

''ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔''

وہ کافر رب کی طرف سے حیران کر دیا گیا ورنہ اس میں بھی وہ کج بحثی (ٹیڑھی بحث) اس طرح کر سکتا تھا کہ سورج کو مشرق سے تو میں لاتا ہوں تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ مغرب سے لائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مبہوت کر کے لاجواب کر دیا' وہ اس طرح ذلیل ہوا۔ جب اس سے کوئی جواب نہ بن سکا تو کہنے لگا میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں تم اپنے رب سے مانگو وہی تمہیں غلہ دے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

اعتراض: نمرود جب روئے زمین کا بادشاہ تھا تو وہ مبہوت کیوں ہو گیا؟ اس کے ہوش کیوں اڑے؟ اور وہ خدائی کا دعویدار بھی تھا تو اس نے یوں کیوں نہیں کہا: "فَلْيَاْتِ رَبُّكَ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" کہ مشرق سے تو سورج میں نکالتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ سورج کو مغرب سے نکالے۔

پہلا جواب: اگر آگ میں ڈالے جانے اور آپ کے صحیح سلامت باہر آنے کے بعد یہ مناظرہ تھا تو یہ جواب دیا جائے گا:

"فَعَلِمَ اَنَّ مَنْ قَدَرَ عَلٰى حِفْظِ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ تِلْكَ النَّارِ الْعَظِيْمَةِ مِنَ الْاِحْتِرَاقِ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يَّاْتِيَ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ" [1]

''کہ نمرود کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کو جب یہ طاقت حاصل ہے کہ ابراہیم کو بہت بڑی آگ سے بچا لیا ہے تو اگر میں نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ سورج کو مغرب سے لے آئے تو ابراہیم کے کہنے پر وہ سورج کو مغرب سے لے آئے گا۔''

اس میں میری ذلت و رسوائی زیادہ ہے۔ میری خدائی کا بھرم کھل جائے گا۔ جو بے وقوف مجھے خدا مان رہے ہیں وہ بھی مجھے چھوڑ جائیں گے۔

---

[1] تفسیر نجوم الفرقان' علامہ عبد الرزاق بھترالوی مدظلہ العالی' ج 6' ص 239 مطبوعہ جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی

دوسرا جواب: "اِنَّ اللّٰهَ خَذَلَهُ وَاَنْسَاهُ اِيْرَادَ هٰذِهِ الشُّبْهَةِ نُصْرَةً لِنَبِيِّهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ" [1] "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم کی امداد فرمائی کہ نمرود کو ذلیل کر دیا گیا اور اسکے ذہن سے یہ نکال دیا گیا کہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے۔اس قسم کے اعتراضات اس کی عقل میں ہی نہ آسکے۔"

یہ دوسرا جواب ہی زیادہ قوی ہے' جو دونوں قولوں کو شامل ہے' خواہ مناظرہ آگ کے واقعہ کے بعد ہو یا پہلے۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نبی سے جھوٹے خدا کا مقابلہ کرنا اور غالب آنا ممکن ہی نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی امداد کر رہا تھا اور جھوٹے خدا کو ذلیل کر رہا تھا نبی کا مقام بہت ہی بلند تھا۔ پھر نبی بھی جلیل القدر اور بلند شان والا اللہ کا خلیل' اس کے مقابلے میں کافر نے ذلیل ہونا ہی تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی یعنی سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں آنے سے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو جرأت نہ کر سکنے کی ذلت میں مبتلا کیا۔ [2]

ریت غلہ بن گئی: ابراہیم علیہ السلام اس سے واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں ریت کے ٹیلے پر گذرے' وہاں سے ایک تھیلے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے' تھیلا رکھ کر سو گئے۔ آپ کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام نے اسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گندم تھی۔ آپ نے اسے پیس کر روٹیاں تیار کیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جاگے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا آپ نے پوچھا: یہ گندم کہاں سے آئی ہے؟ تو آپ کی زوجہ نے عرض کی: وہی جو آپ تھیلا بھر کر لائے ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ رب تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔

نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم: اللہ تعالیٰ نے ظالم نمرود کے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ بھیجا جس نے آ کر کہا: تیرا رب کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا' ہم تیری سلطنت برقرار رکھیں گے۔ وہ بولا رب تو میں ہی ہوں میرا رب کون ہے؟ تین دفعہ یہ واقعہ در پیش آیا لیکن وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔

نمرود اور اسکی قوم کا انجام:

نمرود کی قوم پر مچھروں کا عذاب بھیجا گیا، مچھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ ان سے سورج چھپ گیا تھا، زمین پر دھوپ نہ آتی تھی' مچھروں نے ان کے خون چوس لئے' گوشت چاٹ لئے' سوائے نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں۔ نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا' پھر ایک مچھر اس کی ناک کے ذریعے دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹتا رہا۔ جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا' ورنہ کاٹتا۔ چنانچہ دن رات اسکے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے رہتے تھے۔ اب اس کے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اس کے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس

[1] تفسیر نجوم الفرقان' علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ العالی' ج 6' ص 239
[2] ایضاً

پچتارہا۔ پھر بھزار ذلت مرا اُسکی عمر آٹھ سو سال سے کچھ ہی زیادہ ہوئی۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ

(سورۃ البقرہ 3:3)

''اور جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے رب! مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرے گا۔ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین کیوں نہیں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔''

ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سترہ وجوہ بیان فرمائی ہیں لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ ظاہر اور واضح ہیں اور باقی وجوہ غیر ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ: آپ کو پہلے علمِ استدلالی حاصل تھا۔ اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ علمِ ضروری بدیہی بھی حاصل ہو جائے۔ اسلئے کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ علمِ استدلالی میں کبھی شکوک واقع ہوتے ہیں لیکن علمِ ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے' جو علم مشاہدہ سے عیاناً حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ خود نبی کے لئے علمِ استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوتا کیونکہ نبی کا علم شک سے پاک ہوتا ہے' البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہو کہ تم نے تو مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ: آپ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک کیا ہے اور میری دعا کی قبولیت کا کیا مقام ہے؟ اس صورت میں ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ'' کا مطلب یہ ہوگا کیا تمہیں یقین نہیں تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے' تم میرے پسندیدہ ہو اور تم میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ: آپ کو پہلے بھی شک نہیں تھا آپ نے سوال اسلئے کیا تاکہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی ہو جائے کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اسلئے کہ عین الیقین مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا لیکن علم الیقین میں مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔

❶ خزائن العرفان زیر آیت 258 / تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج3' ص63

چوتھی وجہ: جب آپ نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی {رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ} میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ! تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کریں دیکھوں تاکہ میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔ ❶

اعتراض: حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال شک کی وجہ سے کیا تھا یعنی آپ کو یقین نہیں تھا۔

جواب: حدیث پاک کے ترجمہ اور سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں جو معترضین پیش کرتے ہیں۔ حدیث پاک کے ترجمہ اور وضاحت کی طرف توجہ کریں مطلب خود واضح ہو جائے گا:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" ❶

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے: اے میرے رب! مجھے دکھا دے تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا۔ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کی: کیوں نہیں! مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔"

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں ان کی نسبت زیادہ شک ہے بلکہ اس حدیث پاک کا ترجمہ جو بیان کیا ہے اسی سے مطلب واضح ہو رہا ہے تاہم زیادتی وضاحت کے لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی شرح بیان کی ہے اس سے ایک قول بیان کیا جا رہا ہے، آپ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد: {نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ} کے معنی بیان کرنے میں علماء کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابو ابراہیم مزنی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے:

"مَعْنَاهُ اَنَّ الشَّكَّ مُسْتَحِیْلٌ فِیْ حَقِّ اِبْرَاهِیْمَ فَاِنَّ الشَّكَّ فِیْ اِحْیَاءِ الْمَوْتٰی لَوْ كَانَ مُتَطَرِّقًا اِلَی الْاَنْبِیَاءِ لَكُنْتُ اَنَا اَحَقُّ بِهٖ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ وَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ لَمْ اَشُكَّ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَمْ یَشُكَّ" ❷

"اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں انبیائے کرام علیہم السلام سے شک واقع ہو سکتا تو بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے میں شک کرنے میں زیادہ حق رکھتا اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں تمہیں یقیناً اس امر کا بھی علم ہونا چاہیے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی

---

❶ نووی شرح مسلم، علامہ نووی رحمہ اللہ، ج 1، ص 85 ❷ ایضاً

شک نہیں تھا۔"

خیال رہے اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی اور عجز و انکساری سے اپنے آپ کو ان سے کم مرتبہ بیان کیا ورنہ دوسرے مقام پر حقیقت بیان کرتے ہوئے تمام کائنات پر اپنی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

مردے زندہ ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو دکھا دیئے:

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

(البقرہ 3:3)

"فرمایا: اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس چلتے آئیں گے' پاؤں سے دوڑتے اور جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے یعنی موز' گدھ (ایک روایت میں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر ہے) کوا اور مرغ اپنے ساتھ پہلے مانوس کئے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کے ٹکڑے کئے اور ان کے گوشت اور ہڈیاں وغیرہ کو ملا جلا کر کے چار پہاڑوں پر ان کو رکھ دیا۔ پھر آپ نے انہیں پکارا:

"اے جدا جدا ہڈیو! اے متفرق گوشت کے ٹکڑو! اے کاٹی ہوئی رگو! ایک دوسرے سے مل جاؤ! تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو تم میں لوٹا دے۔"

یہ سن کر ہڈیاں اپنی دوسری ہڈیوں کی طرف چلیں یعنی ہر پرندے کی اپنی اپنی ہڈیاں ایک دوسری سے مل گئیں۔ پَر دوسرے پَروں سے جا ملے۔ گوشت کے ٹکڑے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے ملنے لگے یہاں تک کہ خون خون سے مل گیا۔ اس طرح آپ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے مردوں کو زندہ کر کے آپ کو عین الیقین کا مرتبہ عطا کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے ابراہیم تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ بیشک میں نے زمین کو پیدا کیا ہے اس میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں:

①: شمالی جانب سے چلنے والی ہوا
②: جنوبی جانب سے چلنے والی
③: بادِ صبا
④: بادِ دبور

یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تمام مردے اور مقتول صور پھونکنے پر جمع ہو جائیں گے' جیسے ان چار پرندوں کو تمہارے سامنے پہاڑوں سے جمع کر دیا گیا ہے۔ میرے سامنے تمام کا پیدا کرنا اور پھر موت کے بعد زندہ کرنا ایسے ہی ہے جس

طرح کسی ایک شخص کو پیدا کرنا یا زندہ کرنا ہے۔ [1]

تنبیہ: بعض اہلِ علم نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں کے جمیع اجزاء ملا کر پہاڑوں پر رکھے گئے تھے۔آپ نے جب اللہ کے اذن (حکم) سے ان کو بلایا تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ گئے۔ مانوس کرنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ آپ ان کے آنے پر پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں' جو میں نے اپنے ساتھ مانوس کر لئے تھے۔اور بعض نے کہا: آپ نے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا تھا آپ کے بلانے پر ان کے تمام اجزا اپنے اپنے اجزاء سے مل کر اپنے اپنے سروں سے آ کر مل گئے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی صورت بھی بعید نہیں جو صورت بھی ہو قدرت کی عجیب نشانی کا ظہور ہے۔

تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے مانوس کرنے کا حکم دیا اور حیوانوں کا حکم نہیں دیا اسکی کیا وجہ ہے؟ اسکی دو وجہیں ہیں۔ایک یہ کہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے فضا میں اڑنے اور ہوا میں بلند ہونے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی علو مرتبت یعنی مراتب کی بلندی اور ملکوت تک پہنچنے کی ہمت عطا فرمائی ہے اسلئے پرندوں کو ذبح کرنے اور گوشت کو ملا جلا کر رکھنے کا حکم دیا تا کہ آپ کا معجزہ آپ کے مراتب کے مشابہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پرندوں کو ذبح کر دیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ملا جلا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیا۔ پھر ان کو بلایا تو تمام ٹکڑے ملے جلے گوشت سے جدا ہو کر اپنے اپنے ٹکڑوں سے مل گئے۔قیامت کے دن بھی اسی طرح تمام بکھرے ہوئے ذرات جمع ہو جائیں گے اور ان سے بدن معرضِ وجود میں آئیں گے' ان کی روحیں ان سے مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اسکی تائید کر رہا ہے: [2]

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ (قمر 8:27) "نیچی آنکھیں کئے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ ٹڈی ہیں پھیلی ہوئی۔"

چار کا حکم دینے کی وجہ:

ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی درخواست کی لیکن مالک الملک نے کہا: اے میرے خلیل! تم نے تو اپنی عبودیت کے پیشِ نظر ایک مردہ کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا لیکن میں اپنی ربوبیت کی وجہ سے تمہیں چار مردہ کو زندہ کر کے دکھاتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حیوانات وغیرہ عناصرِ اربعہ یعنی آگ' مٹی' پانی' ہوا سے مرکب ہیں۔اس لئے چار کو ذبح

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2 ص 29 [2] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 7' ص 43

کرنے کا حکم دیا کہ میں جس طرح ان چار کو زندہ کر رہا ہوں ایسے ہی تمام عناصرِ اربعہ کے مرکبات کو زندہ کروں گا۔ ❶

سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ:

تمام پرندوں میں سے مور، گدھ، مرغ اور کوے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زینت و بلند اور مراتب سے محبت ہے اور یہ اوصاف ''مور'' میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ﴾ ''خواہشات کی محبت کو لوگوں کے لئے مزین کر دیا گیا ہے۔''

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اس طرح ''گدھ'' کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔ انسان کو فرج کی خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اسی طرح ''مرغ'' میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔ انسان مال طلب کرنے اور جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح ''کوا'' بھی مال کی طلب اور جمع کرنے کا حریص ہوتا ہے کیونکہ سوائے کوے کے رات کو اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں ہے اور سخت سردی میں دن کو صرف کوا ہی نکلتا ہے۔

ان چار کا منتخب کرنے اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب تک خواہشاتِ نفسانیہ اور خواہشاتِ فرج اور مال کی حرص اور زیب و زینت کو ختم نہیں کرے گا اس وقت تک اس کے دل پر روحانیت کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے جلال کے نور سے راحت حاصل ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (۹۹)
(صافات 7:23)

''اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں جا رہا ہوں جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔''

رب تعالیٰ کے ارشاد میں "اِلٰی رَبِّیْ" کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِلٰی حَیْثُ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَوْ حَیْثُ اَتَجَرَّدُ فِیْهِ لِعِبَادَتِهٖ" ❷

''یعنی جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے میں وہاں جا رہا ہوں کہ میں وہاں اپنی عبادت کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکوں گا۔''

کیونکہ جو قوم میری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی وہاں ٹھہرنا اب بے مقصد ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا ہے تو اب یہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہو چکا ہے۔

---

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج، ص 12

❷ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 12 حصہ دوم ص 126

ابتدائی طور پر آپ نمرودی قوم سے ہجرت کر کے اپنے چچا ''ہاران'' کے پاس حران میں آ گئے۔ ''ہاران'' نے ابراہیم علیہ السلام کی نیک بختی دیکھ کر اپنی بیٹی سارا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام بہت ہی خوبصورت عورت تھیں' مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ علیہا السلام بہت حسین ہوئے، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی دادی حضرت سارہ علیہا السلام کے حسن سے ہی حسن ملا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی اپنا سلسلہ تبلیغ جاری رکھا۔ اسلئے آپ کے چچا ہاران نے بھی آپ کو گھر سے نکال دیا۔ دوران ہجرت راستہ میں مصر کے ظالم بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام عطا کی گئی۔ یہ واقعہ ایک حدیث پاک کی وضاحت کے ضمن میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

ہجرت کرنے والا قافلہ جب حران سے چلا تھا صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اس قافلہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے اس وقت صرف یہی تھے۔ چلتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کا معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کی بات کو مانا جائے گا۔ راستہ میں جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی مل گئیں تو اب قافلہ کے چار فرد ہو گئے' جو تمام ہی اللہ کو ماننے والے تھے۔

فلسطین میں خوشحالی:

مصر سے جب یہ چار افراد روانہ ہو کر فلسطین پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی قدر و منزلت کو سمجھا اور ان کے آنے کو باعثِ برکت سمجھا اور بہت سی زمین آپکی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔ اس زمین میں کھیتی باڑی سے اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی آپ کے پاس غلہ اور جانور کافی مقدار میں ہو گئے' آپ نے مسافروں اور غرباء کو رہنے اور کھانے کی سہولیات عطا کیں۔ اس طرح مہمان نوازی میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا۔ [1]

حضرت سارہ علیہا السلام کے مشورہ سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح:

ایک دن حضرت سارہ علیہا السلام نے عرض کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ضروریات دنیا میں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور رہنے کے مکانات کی تو کوئی کمی نہیں۔ البتہ اولاد کی کمی ہے' اسلئے آپ ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح کر لیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد سے نواز دے یعنی ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہمارے لئے تسکین و راحت کا سبب بن جائے اس طرح حضرت سارہ علیہا السلام کے کہنے پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح ہو گیا۔ [2]

---

[1] تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 1' ص 642 [2] تفسیر عزیزی بحوالہ تفسیر نعیمی' ج 1' ص 642

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعا:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات 7:23) "الٰہی! مجھے لائق اولاد دے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (صافات 7:23) "تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بردبار لڑکے کی۔"

اس بشارت سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت ہے کیونکہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "حَلِیْمٌ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَاَنَّهٗ يَكُوْنُ حَلِيْمًا وَاَيُّ حِلْمٍ مِّثْلَ حِلْمِهٖ عَرَضَ عَلَيْهِ اَبُوْهُ وَهُوَ مُرَاهِقُ الذَّبْحَ فَقَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَمَا ظَنُّكَ بَعْدَ بُلُوْغِهٖ" [1] "یعنی آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ کو ایک بیٹا عطا کیا جائے گا جو حلیم ہوگا اس سے بڑھ کر حلم کی اور کیا مثال ملے گی' جب آپ بلوغ کے قریب تھے۔ آپ کے والد نے آپ کو کہا: کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے آپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: کہ آپ مجھے ان شاء اللہ صابروں سے پائیں گے۔ یہ حلم تو بالغ ہونے سے پہلے کا ہے بالغ ہونے کے بعد آپ کے حلم کا کیا مقام ہوگا؟"

اس بحث سے واضح ہوا کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی بشارت۔

اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود 7:12) "تو ہم نے اسے (حضرت سارہ علیہا السلام) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔"

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اولاد کی خوشی عورتوں کو بنسبت مردوں کے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی:

"لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ وَكَانَ لِاِبْرَاهِيْمَ وَلَدٌ وَهُوَ اِسْمَاعِيْلُ" "کہ حضرت سارہ کی اولاد نہیں تھی اس لئے زیادہ خوشی ان کو ہی حاصل ہوئی تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا اسماعیل پہلے پیدا ہو چکا تھا۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے سے اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر اتنی بڑی ہوگی کہ یہ اپنے اسحاق کے بیٹے یعقوب کو بھی دیکھیں گے۔ [2]

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت نوے سال تھی تفسیر جلالین میں ننانوے سال مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

---

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 12' ص 126 [2] تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ' زیر آیت 71

ایک سوبیس سال تھی ۔اسی لیے حضرت سارہ علیہا السلام نے تعجب کرتے ہوے کہا تھا:

''عجیب بات ہے کہ میرا بچہ پیدا ہوگا جبکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بوڑھے ہیں ۔بے شک یہ تو بہت ہی تعجب ناک ہے۔'' ❶

اسحاق علیہ السلام چھوٹے اور اسماعیل علیہ السلام بڑے:

اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے کے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا دیا اور اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی یعنی ان کی پیدائش کے تیرہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔ ❷

حضرت اسماعیل' اسحاق' یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے:

وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾
(سورۃ مریم 6:16)

''اور ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔''

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾
(سورۃ مریم 6:16)

''اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لئے سچی بلند ناموری رکھی۔''

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اتنی لمبی ہوئی کہ آپ نے اپنے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا اور اس آیت سے یہ بھی سمجھ آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کرنے اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے کی یہ جزا ملی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے' پوتے اور مال ودولت سے نوازا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ (سورۃ مریم 7:16)

''اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو وعدہ بھی کیا اسے ضرور پورا فرمایا ایک مرتبہ آپ اور آپ کا ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے تو شہر کے قریب پہنچ کر آپ کے ساتھی نے کہا یہاں میں بیٹھتا ہوں اور تم شہر جا کر کھانا خرید لاؤ یا تم بیٹھو اور میں کھانا خرید کر لاتا ہوں۔آپ نے فرمایا: میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا اور تم ہی چلے جاؤ' کھانا خرید لاؤ۔وہ بھول گیا تین دنوں کے بعد اسے یاد آیا، یا بعض روایات میں ہے کہ ایک سال کے بعد وہاں لوٹا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی موجود تھے۔اس نے تعجب سے

---

❶ تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 185
❷ تفسیر جمل علی الجلالین ص 185

پوچھا: تم ابھی یہاں ہی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وعدہ کے مطابق منتظر تو رہنا ہی تھا۔ (1)

حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو حرم کی سرزمین میں چھوڑنا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا کہ آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی زوجہ ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے بیٹے اسماعیل کو حرم کی سرزمین میں چھوڑ آؤ۔ اس وقت وہاں کوئی شہر اور آبادی نہیں تھی بلکہ بیابان جنگل تھا۔ آپ کو وہاں چھوڑنے کا حکم دینے میں ایک تو امتحان لینا مقصود تھا پھر کعبہ شریف کی تعمیر اور مکہ مکرمہ کو آباد کرنا مقصود تھا۔ اور حضرت سارہ علیہا السلام سے ہجرت کے وقت جو وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بات مانی جائے گی۔ اس وعدہ کا پاس کرانا بھی مقصود تھا کیونکہ آپ نے پہلے تو ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اپنی اولاد نہ ہونے پر غیرت بھی کھائی اور اللہ کے حضور درخواست کی کہ ابراہیم کو حکم دو کہ وہ اپنے اس بیٹے اور اپنی زوجہ ہاجرہ کو مجھ سے دور چھوڑ آئیں۔ (2)

جہاں آج زمزم ہے وہاں ایک درخت تھا' اس وقت نہ مکہ تھا اور نہ ہی کوئی کسی انسان کا وہاں بسیرا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں کچھ پانی ماں بیٹے کے حوالے کرتے ہوئے اور ان کو زمزم کی جگہ ایک درخت کے نیچے چھوڑتے ہوئے واپس لوٹے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے آپ کا پیچھا کرتے ہوئے پوچھا: اے ابراہیم! آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ہمارا غمخوار' مونس و ہمدم نہیں اور نہ ہی یہاں کوئی آبادی ہے کہ کھانے پینے کی چیز مل جائے۔ کئی مرتبہ ہاجرہ علیہا السلام کے پوچھنے پر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: { اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا رَبُّنَا ثُمَّ رَجَعَتْ } ''اچھا ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ یہ کہتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر لوٹ آئیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں سے آپ کو اپنی زوجہ اور بیٹا نظر نہیں آ رہے تھے آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف توجہ کی اس وقت صرف بیت اللہ کی بنیادیں ایک ٹیلہ کی مانند نظر آتی تھیں اور دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ

(سورۃ ابراہیم 18:13)

''اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں' تیری حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اسلئے تا کہ وہ نماز قائم کریں پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔''

(1) حاشیہ جلالین' ص 257

(2) تفسیر جمل علی الجلالین ص 209

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ مشکیزہ میں جو پانی تھا وہ ختم ہوگیا اور کھجوریں بھی ختم ہوگئیں۔ حضرت ہاجرہ بھی بھوکی پیاسی ہوگئیں' دودھ کا بننا بھی ختم ہوگیا۔ بچہ بھی بھوک پیاس سے پریشان حال تھا۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا' بچہ کا یہ حال ماں سے برداشت نہ ہوسکا۔ آپ قریب ایک پہاڑی ''صفا'' پر چڑھتی ہیں کہ کہیں سے پانی کا اتہ پتہ چل جائے یا کوئی انسان نظر نہ آجائے۔ پھر اسی خیال سے ''مروہ'' پر آتی ہیں درمیان میں نشیبی جگہ۔ جب پہنچتی ہیں' جہاں سے بچہ نظر نہیں آتا وہاں دوڑتی ہیں۔ جب نشیبی جگہ کو عبور کر لیتی ہیں اور ایسی جگہ پہنچتی ہیں جہاں سے بچہ نظر آنے لگتا ہے تو وہاں آہستہ ہوجاتی ہیں۔ ''مروہ'' پر پہنچ کر بھی پانی یا کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ آپ بے قراری کے عالم میں پھر صفا پر پھر مروہ پر سات چکر ایسے ہی لگا دیتی ہیں۔ آخری مرتبہ مروہ پر آپ نے ایک آواز سنی' اپنے آپ کو کہنے لگیں: خاموش! خیال کیا شائد میرے اوسان خطا ہوگئے' یہاں کون ہے؟ یہ مجھے ویسے ہی آواز آرہی ہے' پھر دوبارہ آواز سننے پر کہا: کہ اگر یہاں کوئی فریاد کو سن کر پہنچنے والا ہوسکتا ہے' تو فرشتہ ہی ہوسکتا ہے۔ دیکھا تو بچہ کے قریب ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کے پاس اس نے اپنی ایڑی یا پَر مارا' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کے اردگرد بند باندھ کر ایک حوض کی شکل دے دی' وہ پانی جوش مار رہا تھا' آپ نے خود بھی پیا' بچے کو بھی پلایا اور پانی کو کہا: ''زم زم'' رک جا' رک جا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''یَرْحَمُ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمَاعِيْلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ اَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمَ عَيْنًا مَعِيْنًا''

''اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے اگر آپ زمزم کا لفظ ترک کر دیتیں یا آپ نے فرمایا اگر آپ اس سے جلدی سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم جاری چشمہ ہوتا۔''

اس طرح آپ رضی اللہ عنہا نے جب چشمہ سے پانی پیا تو آپ کا دودھ بھی جاری ہوگیا جو بچہ کو پلایا: فرشتے نے آپ کو کہا:

''لَا تَخَافِي الضَّيْعَةَ فَاِنَّ هٰهُنَا بَيْتَ اللّٰهِ يَبْنِيْهِ هٰذَا الْغُلَامُ وَ اَبُوْهُ وَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا يُضِيْعُ اَهْلَهٗ''

''تم کوئی خوف نہ کرو کہ تم ضائع ہوجاؤ گی بیشک یہاں بیت اللہ ہے اس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا باپ کریں گے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

کچھ دیر کے بعد وہاں سے جرہم قبیلہ کا گزر ہوا۔ جنہوں نے دیکھا کہ پرندے اڑ رہے ہیں انہوں نے خیال کیا کہ پرندے وہاں ہی ہوتے ہیں جہاں پانی ہو یقیناً یہاں کہیں پانی ہوگا۔ انہوں نے اپنے ایک شخص کو بھیجا جس نے دیکھا کہ ایک پانی کا چشمہ ہے اور اس کے قریب ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمیں پانی میں شریک کرو تو ہم تمہیں اپنے جانوروں کے دودھ میں شریک کریں گے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ان سے شرط پر معاہدہ کرلیا۔ اسی جرہم قبیلہ نے ایک لڑکی کا نکاح اسماعیل علیہ السلام سے کردیا۔ (1)

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم ص 237-236

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کے اثرات آج بھی واضح طور پر نظر آ رہے ہیں کہ مکہ کی سرزمین پہاڑی اور ریتلی ہے لیکن پھل ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ وہاں موجود رہتے ہیں۔ لوگ ہر طرف سے اس مقام پر کھچے چلے آتے ہیں۔ ہر مسلمان کی دل میں ایک تڑپ پائی جاتی ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کر لے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تو بچہ کی پیاس کو دیکھ کر بے قرار ہو کر "صفا و مروہ" کے چکر لگا رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی زوجہ اور اسماعیل کی والدہ کی ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت حاجی اس یاد کو تازہ کرنے کے لئے وہاں چکر لگاتے رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ "حج" اللہ کے مقبول بندوں کی ادا کے بغیر کچھ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے طواف میں پہلوانوں کی طرح اکڑ کر چلنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے منیٰ میں جمرات کو کنکریاں مارنا اس قسم کے کام ہی حج ہیں۔ میں نے اپنی کتاب " **شمع ہدایت** " کے مقدمہ میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے بعد بیٹے کے لئے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ (صافات 7:23)

"الٰہی! مجھے نیک لائق اولاد دے، تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بردبار لڑکے کی۔"

آپکی دعا میں تین مطالبے تھے۔ اے اللہ! اولادِ نرینہ یعنی مذکر عطا فرما اور وہ بردباری کی عمر تک پہنچے اور بردبار ہی رہے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی حلیم ہیں۔ آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوّٰهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ (توبہ 3:11)

"بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے متحمل (بردبار) ہیں۔"

آپ کو بیٹا بھی حلیم عطا کیا تاکہ بیٹا بھی باپ کی طرح شرف و فضیلت والا ہو اور جلیل القدر نبی ہو "صلاح"، یعنی نیکی اور اللہ تعالیٰ کا قرب بہت ہی اچھی صفت ہے۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لئے بھی یہی دعا کی اور اپنی ذات کے لئے بھی دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ﴿۸۳﴾ (شعراء 9:19)

"اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور میرے رب مجھے ان سے ملا جو تیرے قرب کے لائق ہیں۔"

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي

"پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا، میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ اب تو

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

(صافات 7:23)

دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔"

قربانی کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر:

"قَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ فِیْ ذَالِكَ الْوَقْتِ اِبْنُ ثَلَاثَ عَشَرَةَ سَنَةً" "بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ درپیش آنے کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی۔" ❶

امتحان کی وجہ: چونکہ پہلی آیت کریمہ میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم بیٹے کی بشارت دی۔ اب امتحان لے کر اسے واضح کر دیا کہ کتنا عظیم صابر اور بردبار بیٹا آپ کو رب تعالیٰ نے عطا کیا جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔

تین دن ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنا: ذی الحج کے سات دن گذر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے" آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردّد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذی الحج کا نام "یومِ ترویہ" رکھا گیا (سوچ بچار کا دن)۔ آٹھ تاریخ کا دن گذر جانے پر رات پھر خواب دیکھا، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی لئے نو ذی الحج کو "یومِ عرفہ" (پہچانے کا دن) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمّم ارادہ کر لینے پر ہی دس ذی الحج کو "یومِ نحر" (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔ ❷

صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقًّا" "بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے خوابوں کو حق بنایا"

یعنی ان کے خوابات سچے ہوتے ہیں ان کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے۔

انبیائے کرام کے خواب تین قسم:

①: جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہٖ واقع ہو جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا۔ آپ بمع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے۔ آپ کا یہ خواب ایک

---

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 26، ص 12
❷ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 26، ص 12

سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ...... (فتح 12:26)

''بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا سچا خواب بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے بال منڈواتے یا ترشواتے بے خوف''

②: خواب میں صرف امتحان ہو اس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ صرف امتحان تھا آپ نے اپنے امتحان پر عمل کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور فدیہ دے دیا۔

③: خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے جس چیز کو خواب میں دکھایا گیا ہو اسی کا وقوع نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو اور وقوع مشابہ ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب:

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ (یوسف 11:12)

''یاد کرو! جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔''

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھے لیکن واقع میں ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خواب کو اس طرح سچا کر کے دکھایا:

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ...... ﴿۱۰۰﴾ (یوسف 5:13)

''اس کے لئے سجدہ میں گرے اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا۔''

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں' خواب سچا ہوا کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیمی کیا' جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ [1]

بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بیٹا حلم

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 26' ص 157

(بردباری) کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو چکا ہے، اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دنیا میں بھی آپ کی تعریف ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو "ان شاء اللہ" سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ "ان شاء اللہ" ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچانا بھی اسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔ [1]

ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ کو روکنے کے لئے آیا لیکن آپ پر کامیاب نہ ہو سکا' پھر آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تاکہ آپ اس سے آگے نہ جا سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ کو کہا: اسے ماریں آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا۔ دوبارہ پھر آگے آنے کی یہ کوشش کی آپ نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا' تیسری بار پھر اسی طرح آگے آ کر راستہ بند کر دیا تو آپ نے پھر اسی طرح سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا۔ [2]

آج حاجیوں پر اس سنتِ ابراہیمی پر عمل کرنا واجب کر دیا گیا۔ سبحان اللہ! اپنے محبوبوں کی ادائیں رب تعالیٰ کو کیسی پسند آئیں کہ ان کو عظیم عبادت کا حصہ بنا دیا گیا۔

اسماعیل علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کو مشورہ دینا:

اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا جان! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دینا تاکہ میں تڑپوں نہیں' اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھنا کہ آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہو جائیں اور میری والدہ انہیں دیکھ کر پریشان نہ ہوں' میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلانا تاکہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہو جائے۔ جب میری والدہ کے پاس جانا تو میرا اسلام ان کو دینا۔ ان باتوں کے بعد باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا محبت کے آنسو چھلک پڑے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (صافات 7:23) "تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 26

[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 ص 128

بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔"

ماتھے کے بل لٹانے میں بھی اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ ہی تھا کہ کہیں آپ محبت پدری کی وجہ سے چھری چلانے میں معمولی سی کوتاہی نہ کردیں۔

وَنَادَيْنَٰهُ أَن يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ ٱلرُّءْيَآ ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلْبَلَٰٓؤُا۟ ٱلْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى ٱلْءَاخِرِينَ ﴿١٠٨﴾
(سورۃ صافات 7:23)

"اور ہم نے اسے نداء فرمائی اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب سچ کردکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بے شک یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔"

چھری چلانے سے پہلے ہی آپ کو کہہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے خواب کو سچ کردکھایا کہ آپ نے چھری چلا دی تھی تو جبرائیل امین نے آکر اس کا رخ بدل دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موٹا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ کو ذبح سے بچا کر بھی ذبح ہو جانے کا اجر وثواب عطا کیا اور تا قیامت آپ کو ذَبِیْحُ اللّٰہِ (اللہ کی رضا کیلئے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کردیا گیا۔ ❶

جبرائیل امین علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کردیں تو آپ نے پڑھا: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فدیہ لارہے ہیں تو پڑھا: "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" جب حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے سنا تو آپ نے پڑھا: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" ان تینوں حضرات کے مجموعۂ کلام کو "تکبیراتِ تشریق" کی صورت میں تا قیامت نمازیوں پر ذی الحج کی نو تاریخ کو نماز فجر سے لے کر تیرہ تاریخ کی نماز عصر تک واجب کردیا گیا تا کہ یہ یادگار قائم رہے۔ ❷

خیال رہے کہ مدارک میں دوسرا کلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور تیسرا کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟

اگرچہ اختلاف ہے اس مسئلہ میں کہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تاہم قوی دلائل سے یہی واضح ہے کی قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی کی گئی۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مختلف دلائل ذکر کئے ہیں:

﴿۱﴾: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ} "میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔" اسی طرح ایک اعرابی نے آپ کو {یَا

---

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 12 ص 131

❷ قاضی خان، بحوالہ جواہر السنایہ حاشیہ ہدایہ ج 1 ص 245

ابن الذبیحین } کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرمایا: جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ دو ذبیحوں کے بیٹے کس طرح ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ عبدالمطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ کام آسان کیا تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی کروں گا۔ قرعہ حضرت عبداللہ کے حق میں نکلا۔ آپ کے ننھیال اور کچھ اہلِ علم نے ایک سو اونٹ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا اس طرح حضور ﷺ کے باپ کو ذبیح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں۔ تو یقیناً دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

﴿۲﴾: حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں گئی؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسحاق علیہ السلام مکہ میں نہیں تھے بلکہ وہ تو شام میں تھے۔ مکہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ وہی اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے اور قربانی کا واقعہ بھی مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا تو یقیناً ذبیح ہونے کا واقعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہی درپیش آیا۔

﴿۳﴾: اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صابر کہا اسحاق علیہ السلام کو نہیں' رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ (سورۃ الانبیاء 6:17)

''اسماعیل' ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام کو یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا: { اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ } بے شک آپ وعدہ کے سچے تھے۔ ذبح ہونے والے نے ہی اپنے باپ سے وعدہ کیا:

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (صافات 7:23) ''عنقریب مجھے ان شاء اللہ صابرین سے پائیں گے۔''

جب یہ واضح ہو گیا کہ ذبح ہونے والے نے اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا اور وعدہ سچ کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صبر کرنے والا اور وعدہ کا سچا' کہا ہے تو یقیناً ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

﴿۴﴾ اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کو بشارت رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ (ہود 7:12)

''ہم نے اسے (سارہ کو) بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔''

اگر یہ کہا جائے کہ ذبح کرنے کا حکم اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھا تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا بعد میں؟ اگر آپ کی پیدائش سے پہلے حکم دیا گیا ہے تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ سارہ کا بیٹا اسحاق اور اسحاق کا بیٹا یعقوب ہوگا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم

ہے کہ اسحاق کا بیٹا یعقوب تو ابھی پیدا ہونا ہے۔ یہ تو ذبح ہو ہی نہیں سکتا' تو امتحان کیسے؟ اور رب تعالیٰ اپنے ہی حکم کے خلاف کیسے حکم دے سکتا ہے؟ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہو تو یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ} "جب وہ آپ کے ساتھ ہاتھ بٹانے کی قابل ہو گیا۔"

ذبح کے وقت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی عمر تیرہ سال یا بعض روایات میں سات سال بھی ہے تو اس عمر میں یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہو جانا اور اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا بھی عقل کے خلاف ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: {إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ} "میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں جو مجھے ہدایت دے گا۔" یعنی جہاں میرے رب کا حکم ہے اس سرزمین میں جانے والا ہوں ہجرت کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں: {رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ} الٰہی! مجھے لائق اولاد دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کی قبولیت کو ذکر کیا: {فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ} "تو ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری سنائی۔" پھر اسی بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ (صافات 7:23)

"پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا' کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔"

اب اس سارے واقعہ کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت سارہ کو دی ہی اسلئے گئی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو ایک بیٹے کہ بشارت دی جا چکی ہے اور بیٹا بھی عطا کر دیا گیا تھا۔ اگر ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہے تو اسی سال اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی اور ایک سال بعد آپ پیدا ہوئے اور اگر اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی تو ذبح کے واقعہ کے سات سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

۶ ابن کثیر میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ذبح کے وقت جو دنبہ بطور فدیہ دیا گیا اس کے سینگ کعبہ شریف کی دیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اگر ذبح کا واقعہ اسحاق علیہ السلام سے متعلق ہوتا تو ملک شام میں در پیش آتا' نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ [1]

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا فعل بھی رب تعالیٰ کو کیسا پسند آیا کہ تا قیامت اصحاب نصاب' اہل ثروت اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 26' ص 153-154

خانہ کعبہ کی تاریخ

آدم علیہ السلام کی تعمیر:

ابن عساکر وغیرہ سے تفسیر عزیزی میں نقل کیا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

''خدایا میں یہاں نہ تو ملائکہ کی تسبیح و تکبیر سنتا ہوں اور نہ کوئی عبادت گاہ دیکھتا ہوں جیسے کہ آسمان میں بیت المعمور دیکھتا تھا جس کے اردگرد ملائکہ طواف کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''جاؤ ہم جہاں نشان بتاتے ہیں وہاں کعبہ بنا کر اس کے اردگرد طواف بھی کرلو اور اس کی طرف نماز بھی ادا کرو۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام' آدم علیہ السلام کی رہبری کے لئے ان کے ساتھ چلے اور انہیں لائے جہاں سے زمین بنی تھی یعنی کعبہ کی جگہ سے ہی سب سے پہلے پانی پر جھاگ' پھر جھاگ سے زمین کی ابتدا ہوئی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے وہاں اپنا پر مار کر ساتویں زمین تک بنیاد ڈال دی۔ جس کو ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرا (کوہ لبنان' کوہِ طور' جودی' حرا اور طور زیتا سے) بنیاد بھر کر نشان کے لئے ہر چار طرف کی دیوار اٹھا دی۔ اس طرف منہ کر کے آدم علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور اس کا طواف بھی کرتے رہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بیت المعمور کو اس بنیاد پر رکھ دیا گیا طوفانِ نوح میں بیت المعمور کو اٹھا لیا گیا اور کعبہ کی جگہ اونچے ٹیلے کی طرح رہ گئی' لوگ یہاں آتے رہے اور برکت کی دعاء مانگتے رہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کرنا:

ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑا اور یہاں آبادی ہوگئی تو ابراہیم

علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ تعمیر کرو! ایک بادل کا ٹکڑا بھیج کر کعبہ کی حد کو واضح کیا گیا اور جبرائیل علیہ السلام نے خط کھینچ دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے زمانے کی بنیادوں پر ہی عمارت تعمیر فرمائی۔

کعبہ شریف کی بلندی نو ہاتھ' رکنِ اسود سے رکنِ شامی تک ۳۲ ہاتھ' رکنِ غربی سے رکنِ یمانی تک ۳۱ ہاتھ' رکنِ یمانی سے رکنِ اسود تک ۲۰ ہاتھ' رکنِ شامی سے رکنِ غربی تک ۲۲ ہاتھ۔ یعنی کعبہ اس وقت مستطیل تھا لیکن طول اور عرض کی ایک ایک دیوار معمولی چھوٹی تھی دروازے دو بنائے گئے تھے جو زمین کے ساتھ ملے ہوئے تھے کواڑ' زنجیر وغیرہ نہیں تھے۔ بعد میں تبع حمیری کے زمانہ میں کواڑ زنجیر وغیرہ لگائے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پتھر گارا وغیرہ دیتے تھے۔ سبحان اللہ! کس شان سے اللہ کا گھر تعمیر ہوا؟ اللہ کا نبی ہی معمار اور اللہ کا نبی ہی معاون۔ (۱)

ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد:

آپ کی تعمیر کے بعد جزوی طور پر مختلف اوقات میں تعمیر ہوئی' ایک مرتبہ عمالقہ اور جرہم نے اسے تعمیر کیا۔ اس کے بعد قصی بن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقل کی لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرمے کی لکڑی ڈالی۔

قریش کی تعمیر:

ایک عورت کعبہ شریف میں خوشبو سلگاتی تھی۔ ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی اور دیواریں پہلے ہی بوسیدہ ہو چکی تھیں' اسلئے قریش نے فیصلہ کیا کہ مکمل طور پر نئی تعمیر کی جائے۔ ولید بن مغیرہ کو عمارت کا امیر مقرر کیا گیا اور یہ طے ہوا کہ اس میں حلال مال خرچ ہوگا۔ اس وقت کے امیر لوگوں کے پاس زیادہ سود سے حاصل کردہ مال ہوتا تھا اس لئے حلال مال کم مقدار میں جمع ہوا تو قریش نے مال کی کمی اور کچھ اپنے مقاصد کے پیش نظر چند فرق کر دیئے:

(۱): کعبہ کی کچھ زمین باہر نکال دی یعنی عمارت کو چھوٹا کر دیا' کعبہ سے باہر نکالی ہوئی زمین کو 'حطیم' کہا جاتا ہے اسی میں میزاب رحمت (پرنالہ) گرتا ہے' چھوٹی چھوٹی دیوار سے آج بھی اسے علیحدہ نمایاں کیا ہوا ہے۔ طواف اس کے باہر سے ہی ہوتا ہے۔

(۲): قریش نے دو دروازوں کے بجائے ایک کر دیا وہ بھی بلند تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں۔ اب بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے بادشاہوں کیلئے دروازہ کھلتا خواہ کتنے ہی بدکار کیوں نہ ہوں صلحاء' اتقیاء کے لئے کبھی دروازہ کھلنے کی خبر نہیں سنی گئی۔

---

(۱) تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 1' ص 629

۳: خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں بنائی گئیں اور ہر صف میں تین ستون بنائے گئے۔

۴: کعبہ شریف کی بلندی پہلے سے دوگنا کردی گئی' پہلے بلندی نو ہاتھ تھی' انہوں نے اٹھارہ ہاتھ کردی۔

۵: خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا گیا' جس سے چھت پر چڑھ سکیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے متصل (یعنی حطیم) بنیاد ابراہیمی کے پتھر مجھے دکھائے اور فرمایا کہ قریش نے اس میں کمی کردی تھی۔ لوگ اگر نئے نئے مسلمان نہ ہوتے اور ان کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہوتا' تو میں ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ دوبارہ تعمیر کردیتا۔

اسی روایت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو منہدم کرکے دوبارہ تعمیر کیا' حطیم کو کعبہ میں داخل کیا' دروازے دو بنائے جو زمین کے متصل تھے' خوشبودار مٹی چونہ میں ملا کر گارا لگایا گیا دروازوں پر اندر باہر عنبر لگا کر خوشبودار کیا گیا۔ نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔

خیال رہے کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف چڑھانے والے کا نام اسعد ہے' شاہ یمن تھا اور تبع کے لقب سے مشہور تھا مدینہ طیبہ کی شہری بنیاد رکھنے والا یہ شخص ہے۔ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے چڑھایا۔ (۲) ہوسکتا ہے کچھ اور بھی اقوال ہوں واللہ اعلم

عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر ۲۷ رجب ۶۴ھ کو مکمل ہوئی' پھر حجاج بن یوسف (جو عبدالملک بن مروان کا نائب تھا) نے ۷۴ھ میں عمارت کو منہدم کرکے پھر اسی طرح بنادیا جیسے قریش نے بنایا تھا۔ پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ کعبہ اس بنادیا جائے جیسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا' یعنی دراصل وہی ابراہیمی تعمیر بھی تھی لیکن اس وقت کے اہل علم نے اس لئے منع کیا کہ کوئی تمہارا مخالف آئے گا وہ پھر تبدیل کرے گا' اس طرح گرانا اور بنانا ایک کھیل بن جائے گا۔ اس کے بعد مرمت تو ہوتی رہی لیکن مکمل طور پر پوری عمارت کو دوبارہ نہیں بنایا گیا۔

کعبہ کی موجودہ تعمیر:

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد بن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت پرانی ہوگئی ہے تو اس نے

---

(۱) تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 629 (۲) مرقاۃ شرح مشکوۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 388

سوائے رکن حجر اسود (وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے) کے تمام عمارت منہدم کر کے نئی تعمیر کرائی لیکن انہی بنیادوں اور اسی طرز پر جو حجاج بن یوسف نے بنائی تھی۔ اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی گئی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونہ میں چنیں، نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا' جس پر کلمہ طیبہ {لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ} لکھا ہوا تھا اور سنہری حاشیہ پر سلطان کا نام تھا۔ [1]

موجودہ کعبہ شریف سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے یعنی مکمل عمارت کو منہدم کر کے اس کے بعد نئے سرے سے تعمیر نہیں کیا گیا۔

غلاف کعبہ ہر سال مصر سے بڑی دھوم دھام سے آتا رہا۔ ایک مرتبہ پاکستان کے شہر لاہور سے بھی بن کر گیا' پہلے یہ طریقہ تھا کہ پرانا غلاف کعبہ خدام کو دے دیا جاتا۔ لوگ تبرک کے طور پر اسے خرید لیتے تھے لیکن اب غلاف کعبہ سعودیہ میں ہی بنتا ہے اس پر شاہ سعود کا نام ہوتا ہے۔

مقام ابراہیم وحجر اسود:

یہ دونوں جنتی یاقوت ہیں بہت نورانی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نور محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق ومغرب کو چمکاتے۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کرتے جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی تھی' یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ یہ پتھر آپ کے کھڑے ہونے سے نرم بھی ہو جاتا تھا کہ سختی کی وجہ سے آپ کے قدموں کو تکلیف نہ ہو' اسی لیے آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے۔ اسی کو جبل ابی قبیس پر رکھ کر اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی: اے اللہ کے بندو! حج کے لیے آؤ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ (حج 11:17) "اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کر دے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔"

آپ کے اس اعلان کے بعد ان تمام لوگوں نے لبیک کہا جنہوں نے بھی حج کرنا تھا جس نے جتنی مرتبہ حج کرنا تھا اتنی مرتبہ ہی لبیک کہہ دیا' ماؤں کے رحموں میں اور آباء کی پشتوں میں سے تا قیامت آنے والوں نے لبیک کہا۔ [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقام ابراہیم کی عظمت کو بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم اس کے پیچھے نماز نہ ادا کر لیا کریں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار کی لیکن اسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہو گیا۔ ارشاد ہوا:

---

[1] تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 630 [2] تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 631-630

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ...... (بقرہ 15:1) "اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کونماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔"

مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائی۔ ابراہیم علیہ السلام کے قدمین مطہرین کے نشانات اس پر ثبت ہیں۔ طواف کعبہ کے بعد طواف کی دو رکعتیں اسی مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں اس میں بھی اتباع ملتِ ابراہیمی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین مطہرین کے نشانات کو وہ عظمت عطاء فرمائی کہ قیامت تک طواف کرنے والوں کو حکم دیا کہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے (دو رکعت) نماز پڑھو۔ طوافِ کعبہ کے سات چکر مکمل کرنے کے بعد طواف کی دو رکعت مسجد حرام میں پڑھنا واجب ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ انہیں مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھا جائے۔ [1]

مقامِ ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ کھڑے ہوئے:

(1): ابراہیم علیہ السلام جب کئی سال گزرنے کے بعد اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضرت سارہ علیہا السلام سے وعدہ کر کے آئے کہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اور ملاقات کر کے واپس آ جاؤں گا' سواری سے نہیں اتروں گا۔ آپ علیہ السلام جب مکہ میں آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تو شکار کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ بہو سے ملاقات ہوئی' اس سے گزر اوقات کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: اچھا گزارا نہیں' تنگدستی ہے' صرف شکار پر گزر اوقات ہو رہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے کہا: "اپنے خاوند کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ تمہارے گھر کہ چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل لو"

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو خود ہی پوچھا کہ آج کوئی بزرگ تو نہیں آئے تھے؟ تو آپ کی زوجہ نے کہا: کہ آئے تھے اور سلام کہہ کر گئے ہیں اور ایک پیغام دے کر گئے ہیں۔ جب پیغام کی اس نے تفصیل بیان کی تو آپ نے اپنی زوجہ کو فارغ کر دیا' کہ وہ تمہیں فارغ کر دینے کا حکم دے گئے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے رب تعالیٰ کی ناشکری کی تھی۔ نبی کی زوجہ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ کم روزی پر شکایت کرے' بلکہ صابر رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ پھر اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کیلئے آئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے' آپ علیہ السلام کی ملاقات بہو سے ہوئی (یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی تھی) اس گھر کے حالات پوچھے اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھا وقت گزر رہا ہے' زمزم کے پانی پر ہمارا قبضہ ہے' میرے خاوند شکار کر کے لے آتے ہیں' بہت اچھا وقت پاس ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب واپس جانے لگے' تو آپ کی بہو نے اسرار کیا کہ آپ ہمارے گھر رکیں لیکن آپ نے

---

[1] التبیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ ص 224

کہا: "مجھے سواری سے اتر کر زمین پر آنے کی اجازت نہیں" تو آپ علیہ السلام کی بہو نے کہا کہ آپ اپنے پاؤں اس پتھر پر رکھیں تا کہ میں ان کو دھو دوں۔ آپ علیہ السلام نے جس پتھر پر پاؤں رکھے وہ "مقامِ ابراہیم" ہی تھا۔ آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے سلام کہا اور پیغام دیا کہ: "گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے مضبوط رکھنا"

②: تعمیر کعبہ کے وقت آپ اس پر کھڑے ہوئے تھے' وہ نرم ہو جاتا تھا' تا کہ آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو سختی کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اس میں پڑ گئے۔ آپ جب بلند ہونا چاہتے تھے تو وہ پتھر خود بخود اوپر اٹھ جاتا' جب نیچے آنا چاہتے تو نیچے ہو جاتا تھا۔ عام مستریوں کی طرح آپ علیہ السلام کو لکڑی کے تختے باندھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔

③: کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابوقبیس سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ [1]

---

[1] تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 53

حضرت لوط علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ (عنکبوت 15:20) ''تو ایمان لائے ان پر لوط''

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی آپ علیہ السلام نے تصدیق فرمائی اور آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق فرمائی'' تمام انبیائے کرام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد گناہوں سے پاک ہوتے ہیں' اس لئے یہاں یہ معنیٰ نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت لوط علیہ السلام (معاذ اللہ) کفر سے ایمان لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تبلیغ فرمائی تو آپ توحید پر ایمان لائے۔

یہ معانی نبی کی شان کے منافی ہیں:

''لوط علیہ السلام ابراہیم پر ایمان لائے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو ہر دعویٰ میں سچا تسلیم کیا۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن تارخ کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ ''کشاف'' میں یہ ہے کہ آپ کی بہن کے بیٹے ہیں لیکن ''کمالین'' میں اس قول کو رد کیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام بھی ہے' جو حضرت سارہ علیہا السلام کا باپ تھا۔ پہلے زمانہ میں گھر کے کئی افراد کا ایک ہی نام ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات باپ' بیٹے کا ایک نام اور کبھی بہن' بھائی کا ایک نام بھی ہوتا تھا۔

تنبیہ: بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے کچھ تکلیف نہ دی تو یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے۔ اس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ معاذ اللہ کفر کے بعد ایمان لائے' لیکن اس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے رد کرتے ہوئے فرمایا:

'' وَمَا قِيْلَ اِنَّهٗ اٰمَنَ علیہ السلام حِيْنَ رَاَى النَّارَ لَمْ تُحْرِقْهُ ضَعِيْفٌ رِوَايَةً وَّكَذَا دِرَايَةً لِاَنَّهٗ بِظَاهِرِهٖ يَقْتَضِىْ عَدَمَ اِيْمَانِهٖ قَبْلُ

''بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ لوط علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو آپ ایمان لائے' یہ

وَھُوَ غَیْرُ لَائِقٍ بِہٖ علیہ السلام" ❶ عقل ونقل کے مخالف ہے کیونکہ اس سے بظاہر پتہ یہ چلتا ہے کہ آپ کا پہلے ایمان نہیں تھا' یہ نبی کی شان کے لائق نہیں۔"

لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد:

یا تو ایمان کا وہی معنی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ: "آپ علیہ السلام مراتب کی اس بلندی پر فائز ہوئے' جہاں عام انسان اس مقام کو نہیں پاسکتا۔"

حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت:

حضرت لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے حران کی طرف ہجرت کی، پھر وہاں سے مصر میں۔ اب ان دونوں کے ساتھ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں' مصر سے فلسطین میں آگئے۔ اب ان تینوں کے ساتھ ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ پھر لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر سے تقریباً اٹھارہ میل دور تک ایک شہر میں تبلیغ دین کے لئے آگئے۔ اس شہر کا نام "سدوم" تھا۔ قرآن پاک میں اسی کو "اَلْمُؤْتَفِکَۃ" سے تعبیر کیا گیا۔ ❷

لوط علیہ السلام نے قوم کو عبادت کی دعوت نہیں دی:

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو صرف برائیوں سے باز رہنے کی تبلیغ کی' لیکن ان کو عبادت کرنے کا حکم اس طرح نہیں دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی تبلیغ فرمادی تھی اور یہ بہت مشہور ہوچکی تھی۔ لوط علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تھے اور علاقہ بھی قریب قریب تھا اور آپ کی قوم یعنی خاندان میں سے تھے تو آپ نے دوبارہ مشہور امور کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنی قوم کو صرف ان کی خصوصی برائیوں سے ہی روکا تاکہ یہ قوم دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچ جائے لیکن قوم باز نہ آئی آخرکار ان پر عذاب مسلط کردیا گیا۔ ❸

آپ علیہ السلام نے قوم کو کہا:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ ۡ مَا سَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ ۭ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ

"اور لوط کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم کو کہا: تم بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا' کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو؟ اور راہ مارتے ہو اور

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 11' ص 152 ❷ ایضاً ❸ ایضاً

إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (سورۃ عنکبوت 15:20)

اپنی مجلس میں بری بات کرتے ہو؟اس کی قوم کا کچھ جواب نہ ہوا مگر یہ کہ بولے: ہم پر اللہ کا عذاب لاؤ اگر تم سچے ہو۔"

آپ علیہ السلام قوم کو عذاب سے بچانے کی فکر میں ہیں' لیکن قوم کبھی کہتی ہے تم عذاب لے آؤ اور کبھی کہتی:

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (سورۃ الشعراء 13:19)

"بولے اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔"

یعنی ہم تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے اور ہم تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کی خرابیاں:

سب سے بڑی برائی ان میں "لواطت" تھی۔(مردوں سے برائی کرنے کی عادت ان میں کثرت سے پائی جاتی تھی)اور مسافروں اور گذرنے والوں کے راستہ میں بیٹھ جانا ان کا راستہ روکنا اور زبردستی ان سے برائی کا مرتکب ہونا' راستہ میں بیٹھ کر ڈاکہ زنی' لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا' ان کی بری عادات میں شامل تھا۔قومِ لوط کی یہ برائیاں ابھی تک لوگوں میں موجود ہیں' جو شریعتِ مطہرہ سے بغاوت ہے۔

(۱): مردوں کی محفلوں میں صرف اسی لئے آنا کہ ان کو تاڑنا یعنی بعض کا بعض کو دیکھنا اور برائی کے لئے انتخاب کرنا۔کبوتر بازی یعنی پورا پورا دن ان کو اڑانے اور شرط بازی لگانے میں گذار دینا' آج بھی لوگ اس برائی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

(۲): عورتوں کی طرح انگلیوں کے پورے مہندی سے رنگنا۔خیال رہے مرد کو بطورِ دوا مہندی لگانا جائز ہے لیکن زیب وزینت کے لئے منع ہے' لیکن آج کے دور میں لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس اور چال ڈھب پسند ہے جو حرام ہے۔

(۳): ہاتھوں سے کنکریاں ادھر ادھر پھینکنا' گذرنے والوں کو تنگ کرنا۔اسی طرح بندوقوں سے کنکریاں پھینک کر لوگوں کو ستانا' یہ فعل آج کے دور میں اوباش لوگوں میں قومِ لوط سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۴): ایک دوسرے کو تھپڑ مارنا ادھر سے ایک آیا اس نے دوسرے کو تھپڑ مار دیا اور ادھر سے دوسرا آیا اس نے تھپڑ مار دیا' یہ بیہودہ فعل ان کا مزاح ہوا کرتا جو درحقیقت ان کے اوباش ہونے کی علامت تھی۔

(۵): محفل میں لوگوں کے سامنے بلند آواز سے ہوا خارج کرنا وہ اپنی شان سمجھتے تھے حالانکہ شرفاء کے لئے یہ فعل باعثِ شرم

---

(۱) تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج ا' ص (۲) التبیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ' ص ۲۲۴

ہوتا ہے۔ بے اختیار ہوا کا بلند آواز سے خارج ہونا' یا گیس وغیرہ کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نہ روک سکنا' یا روکنے کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہونا' سب عذر ہیں۔ عذر کی صورتوں میں کئی افعال معاف ہوتے ہیں' ان کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

۶: انگلیوں کے پٹاخے نکالنا بلاوجہ اور بغیر عذر کے انگلیوں کے پٹاخے نکالنا مکروہ ہے اسی وجہ سے کہ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کا فعل تھا اور اس وقت بھی اس فعل کو بیہودہ سمجھا جاتا تھا۔

۷: مزاح کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا یعنی چادر' شلوار وغیرہ اتار دینا۔ ننگا ہونا' بے حیا بننا' بھی قومِ لوط کا فعل ہے' جس کو آج نام نہاد مسلمانوں نے ''ثقافت'' کا نام دیا ہوا ہے۔

۸: مزاح مزاح میں فحش کلامی اور ایک دوسرے کو گالی دینا۔ [1]

یہ برائی بھی آج کے اوباش لڑکوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے' وہ اپنے خیال میں اپنے آپ کو ماڈرن اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شریف آدمی انہیں روکے تو اسے ملائیت' فسطائیت' قدامت پسندی کے القاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں: دنیا تو (بے حیائی میں) بہت آگے جا چکی ہے لیکن یہ ابھی چودہ سو سال پیچھے ہیں۔ سائنسی علوم پڑھ کر ترقی تو ضرور کریں ملک وملت کو عروج بخشیں لیکن بے حیا بن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت نہ دیں۔ الغرض ہر قسم کی بے حیائی اس قوم میں موجود تھی حیا کے خلاف ہر فعل ان کے نزدیک پسندیدہ سمجھا جاتا۔

عام لوگوں کے سامنے عام محافل میں مصطگی کا چبانا مسواک کا چبانا بھی قوم لوط کا برا فعل تھا۔ یہ ایسا فعل ہے جس سے دوسرے دیکھنے والے کا دل خراب ہوتا ہے' دل میں متلا پن پیدا ہوتا ہے جو بعض اوقات زیادہ حساس طبیعت شخص کے قے آنے کا سبب بن جاتا ہے۔

آج کے دور میں چونگم (ببل گم) چبانا' منہ سے بار بار نکالنا پھر منہ کے اندر لے جانا اور کبھی غبارہ بنانا' قومِ لوط کے فعل کا ہی عکس ہے اور در حقیقت یہ بے وقوفی کی علامت ہے۔ عام طور پر ''بے وقوف'' کو اونٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ وہ پیشاب اپنی رانوں پر کرتا ہے جو پیشاب سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے' اسے ''بے وقوف'' سمجھا جاتا ہے۔ بے وقوف کو ''اونٹ'' کہہ دیتے ہیں' اور کئی مست اونٹ اپنے منہ اسی طرح غبارے بناتے ہیں' پھر منہ میں داخل کر لیتے ہیں' منہ میں جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ اسے پنجابی میں کہتے ہیں ''بو کے نکالنے والا اونٹ'' کبھی اونٹ کا نظارا بھی کریں اور ترقی یافتہ چونگم کھانے والوں کو بھی دیکھیں تو آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے ان کو اونٹ کہنا اور بے وقوف سمجھنا عقل کی علامت ہے۔

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 11 حصہ اول ص 153

کچھ لوگ ہر وقت منہ میں مسواک لئے پھرتے ہیں عام محافل میں بس میں ویگن میں حالانکہ اس طرح مسواک منہ میں لینا پھر نکالنا پھر منہ میں ڈالنا کلی نہ کرنا یہ طریقہ دوسروں کا دل خراب کرنے کے مترادف ہے۔

مسواک کون سے مواقع میں مستحب ہے:

مسواک کے متعلق نبی کریم ﷺ کے کیا ارشادات ہیں؟ ان کو سمجھنے سے واضح ہو جائے گا کہ ہر وقت مسواک چباتے رہنا ،کبھی منہ میں لینا کبھی باہر نکالنا معیوب ہے۔ جس فعل سے دوسرے لوگوں کی طبیعت متنفر ہو وہ کام انبیائے کرام نے نہیں کیے۔

مسواک کے متعلق ارشادات مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ وُضُوْءٍ" ''اگر میں امت پر شاق نہ سمجھتا تو ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا، یعنی ہر وضو کے ساتھ ساتھ مسواک کو واجب قرار دے دیتا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاْخِیْرِ الْعِشَاءِ وَالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ" [1] ''اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو عشاء کی تاخیر اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا''

یعنی عشاء کی نماز کو دیر سے ادا کرتا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب کر دیتا۔ خیال رہے کہ یہ دونوں حکم استحبابی اب بھی موجود ہیں صرف وجوب کی نفی ہے تاکہ امت پر مشکل درپیش نہ آئے۔

حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو کس چیز سے ابتداء کرتے؟ قَالَتْ بِالسِّوَاکِ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسواک سے۔ [2]

یعنی مسجد سے واپس گھر آ کر سفر سے واپس آ کر مسواک فرماتے تھے آپ نظافت کا خصوصی خیال فرماتے تھے اور دانتوں کی صفائی میں مبالغہ فرماتے۔

مسواک کے مستحب اوقات:

"وَیُسْتَحَبُّ فِیْ خَمْسَۃِ مَوَاضِعَ اِصْفِرَارُ السِّنِّ وَتَغَیُّرُ الرَّائِحَۃِ ''پانچ مقاموں میں مسواک کرنا مستحب ہے۔ دانت زرد رنگ

---

[1] بخاری و مسلم کتاب السواک ج 1 ص 128 [2] ایضاً

وَالْقِيَامُ مِنَ النَّوْمِ وَالْقِيَامُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَعِنْدَ الْوُضُوْءِ" ❶ کے ہو جائیں' منہ میں بو آنے لگے' سونے کے بعد' نماز کیلئے جب تیار ہو' وضوء جب بھی کرے' خواہ نماز کے لئے یا قرآن کو چھونے کے لئے۔"

اس بحث سے مسواک کے مواضع واضح ہو گئے۔ ویگن بس میں' چلتے پھرتے' ہر محفل میں مسواک کو چباتے رہنا' کبھی منہ میں لینا' کبھی نکالنا کبھی تھوکنا پھر مسواک کو منہ میں لینا' کلی نہ کرنا۔ یہ طریقہ راقم کو کہیں سے نہیں ملا کہ ایسا کرنا مستحب ہے یا دوسروں کو متنفر کرنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لوط علیہ السلام کی زوجہ: حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا نام "والہلہ" تھا۔ یہ کافرہ تھی۔ اس کے دل میں نفاق تھا' وعدہ کا پاس نہیں کرتی تھی۔ لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کے متعلق قوم کو مطلع کرتی۔ اس طرح لوط علیہ السلام کی خیانت کی مرتکب ہوتی۔ قوم کی برائی پر خوش ہوتی تھی' اسلئے قوم کے ساتھ عذاب میں یہ بھی گرفتار ہوئی۔

عذاب والے فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے حضرت سارہ کو اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے کے لئے وہی لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے کے لئے بھی آئے۔ وہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ پندرہ دنوں سے کوئی مہمان نہ آیا تھا۔ اس لئے آپ نے جلدی سے ان کے پاس بھونا ہوا بچھڑا پیش کیا۔ آپ نے جب دیکھا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں' ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچ رہے' تو سمجھ گئے کہ یہ تو فرشتے ہیں۔

اعتراض: رب تعالیٰ نے فرمایا: {وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً} اور دل میں ان سے ڈرنے لگے۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کو فرشتوں کا پتہ ہی نہ چل سکا اور ان کو اجنبی سمجھ کر ڈر گئے کہ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آگئے ہیں؟

جواب:

"قَالَ فِي التَّاْوِيْلَاتِ النَّجْمِيَّةِ مَا كَانَ خَوْفُ اِبْرَاهِيْمَ خَوْفَ الْبَشَرِيَّةِ بِاَنْ خَافَ عَلٰى نَفْسِهٖ فَاِنَّهٗ حِيْنَ رُمِيَ بِالْمَنْجَنِيْقِ اِلَى النَّارِ مَا خَافَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَقَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَاِنَّمَا كَانَ خَوْفُهٗ خَوْفَ الرَّحْمَةِ وَالشَّفَقَةِ عَلٰى قَوْمِهٖ يَدُلُّ عَلَيْهِ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ" ❷

"تاویلات نجمیہ" میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بتقاضائے بشریت کوئی خوف نہیں ہوا کہ آپ کو اپنی جان کا خوف ہوتا تو آپ کو جب منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالا جا رہا تھا' اس وقت آپ کو اپنی جان کا کوئی خوف نہیں ہوا' بلکہ آپ نے کہا: "میں اپنے آپ کو رب العالمین کے سپرد کر رہا

❶ مرقاۃ المفاتیح' علامہ علی قاری' ج 2' ص 4۔

❷ حاشیہ جلالین' ص 185' قدیمی کتب خانہ کراچی

ہوں'' آپ کو صرف خوف اپنی امت کا تھا۔ امت پر رحمت وشفقت کرتے ہوئے آپ خوف کر رہے تھے کہ کہیں میری امت کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ فرشتوں کا جواب اس مضمون کو واضح کر رہا ہے کیونکہ انہوں نے کہا'' آپ خوف نہ کریں بے شک ہم تو لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ (ہود 12:7) ''پھر جب ابراہیم کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا''

یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم ہو گیا کہ میری قوم کو عذاب تو نہیں ہو رہا' تو آپ کو لوط علیہ السلام اور ان کی اہل کی فکر دامن گیر ہوئی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے کہ آپ کو اپنی قوم کی فکر تھی۔ آپ فرشتوں کو پہچان رہے تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:

"وَالَّذِیْ اَمِیْلُ اِلَیْهِ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَرَفَهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ وَاَنَّ خَوْفَهٗ مِنْهُمْ لِکَوْنِهٖ مَلَائِکَةً لَمْ یَدْرِلاَیِّ شَیْءٍ نَزَلُوْا" ❶ ''میرا رجحان اسی طرف ہے کہ آپ نے فرشتوں کو پہلے ہی پہچان لیا تھا، خوف صرف اس لے ہو رہا تھا کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیوں نازل ہوئے ہیں؟ کہیں قوم کو عذاب دینے کے لئے تو نہیں آگئے۔''

ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے سوال وجواب کرنا اگرچہ حقیقتاً کوئی ''مجادلہ'' نہیں' البتہ صورتاً مجادلہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے جس میں تین سو مؤمن ہوں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے کہا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کرو گے جس میں دو سو ایمان والے رہتے ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں' اسے تو ہلاک نہیں کریں۔ پھر آپ نے کہا: تم اس آبادی کو برباد کرو گے جہاں چالیس ایماندار لوگ موجود ہوں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں' اسے تو کبھی برباد نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا: تم اس شہر کو برباد کرو گے جہاں دس مؤمن رہتے ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر ایک مومن وہاں رہتا ہو تو اسے تم برباد کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: { اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا } اس میں تو لوط موجود ہیں۔ فرشتوں نے کہا: { نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا } ہمیں معلوم ہے وہاں کون لوگ ہیں؟ لوط علیہ السلام اور ان کی اہل کو ہم نجات دیں گے' سوائے ان کی عورت کے۔ وہ قوم کے ساتھ ہی عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ ❷

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم ص 97 ❷ تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 186

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝

(ہود 7:12)

''جب لوط کے پاس ہمارے فرشتے آئے' اسے ان کا غم ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا اور بولا: یہ بڑی سختی کا دن ہے اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور انہیں پہلے ہی برے کاموں کی عادت پڑی تھی کہا: اے قوم! یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں۔ یہ تمہارے لئے ستھری ہیں' تو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں سے ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں؟ بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے' بولے: اے کاش! مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔''

یعنی قوم کو جب پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت نوجوان بطور مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے برے ارادے اور شدید جذبات لئے بھاگتے ہوئے آ گئے۔ ان کو خبر دینے والی بھی لوط علیہ السلام کی زوجہ ''واہلہ'' ہی تھی۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ قوم اس بدفعلی یعنی لواطت کا ارتکاب کوئی چھپ کر نہ کرتی بلکہ وہ لوگ ظاہر طور پر اس برائی کے مرتکب ہوتے' اس لئے لوط علیہ السلام نے کہا: کیا تم میں سے کوئی ایک بھی نیک چلن نہیں؟ آپ نے ان کو بڑے پیارے انداز پر نصیحت فرمائی۔ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں' جو تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے حقوق پائمال کر رہے ہو' حقوق زوجیت ادا نہیں کر رہے' نوجوانوں کی طرف تمہارا میلان' بدفعلی کا ارتکاب تمہاری بدچلنی کا ذریعہ ہے۔ اپنی بیویوں کی طرف میلان کرو تا کہ ان کے حقوق بھی ادا ہو سکیں اور تم بھی نیک ہو جاؤ۔ یہ میرے مہمان ہیں' ان سے برائی کے مرتکب ہو کر مجھے رسوا نہ کرو۔ اگر میرے پاس کوئی طاقت ہوتی تو میں تمہیں مار مار کو بھگا دیتا' اگر میرے پاس کوئی مضبوط قلعہ یا پناہ ہوتی تو مہمانوں کو وہاں لے جاتا۔

پناہ طلب کرنے کا مطلب:

لوط علیہ السلام نے کہا: اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝

''یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔''

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَاْوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ''

''اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے آپ کسی مضبوط پائے کی پناہ لینا چاہتے تھے۔''

بظاہر یہاں وہم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے یہ کیوں کہا؟ (معاذ اللہ) آپ نے بے صبری کا مظاہر کیا اس کا جواب ذکر کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اِنَّهٗ كَانَ بِمُقْتَضَى الْجِبِلَّةِ الْبَشَرِيَّةِ بَعْضَ الْاُمُوْرِ الضَّرُوْرِيَّةِ يَمِيْلُ اِلَى الْاِسْتِعَانَةِ بِالْعَشِيْرَةِ الْقَوِيَّةِ" ❶

''انسان کی جبلت بشری کا تقاضا ہے کہ وہ بعض امور ضروریہ میں اپنے قوی قبیلہ سے امداد طلب کرتا ہے۔''

یہ انبیائے کرام کی شان کے مخالف نہیں' بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیائے کرام نے بھی اپنے قبائل کے کئی افراد سے امداد طلب کی' اس میں اللہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں پائی گئی۔

فرشتوں کا جواب اور قوم لوط پر عذاب:

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

(ہود 7:12)

''فرشتے بولے: اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، وہ تم تک نہیں پہنچ سکتے تم اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے سوائے تمہاری عورت کے' اسے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا۔ بے شک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے کیا صبح قریب نہیں؟ پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھر لگا تار برسائے جو نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ہیں اور وہ پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں۔''

فرشتے اب تک یہ خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ جب ان اوباشوں کی گستاخی اور حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور بے بسی کی انتہا ہوگئی' تو فرشتے گویا ہوئے۔ اے لوط! گھبراؤ نہیں' دروازہ کھول دو اور ان مسخروں کو آگے آنے دو۔ ہم لونڈے تھوڑے ہیں کہ یہ آگے بڑھ کر ہم کو دبوچ لیں گے۔ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان بستیوں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گذر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں' لیکن آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی' اس کا انجام وہی ہوگا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان ظالموں کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں' صرف صبح ہونے کی دیر ہے اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں۔

جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیروزبر کر کے رکھ دیا گیا ان کی فلک بوس عمارتیں زمین پر اوندھی گرا دیں گئیں' ان

❶ مرقاۃ المفاتیح' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11'

پر سخت پتھروں کی ایسی موسلا دھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاکِ سیاہ بن کر رہ گئے۔ سعدون‘ عموراہ‘ اوما اور زبوئیم ان کی چاروں بستیاں اس جگہ آباد تھیں۔ جہاں آج کل بحرِ مراد یا بحرِ لوط ہے۔ اب بھی بحرِ لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں‘ کثرت سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔ ❶

لوط علیہ السلام کا رات کو نکل جانا: لوط علیہ السلام اپنے ساتھ سوائے زوجہ کے باقی گھر کے افراد کو رات کو لے کر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لپیٹ دیا اس طرح آپ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے ان کی تمام بستیوں کو اپنے پر سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ آسمان والے ان کی بستیوں میں رہنے والے مرغوں کی آواز اور کتوں کی بھونک سن رہے تھے‘ پھر ان کو پلٹ کر نیچے گرا کر اوپر سے پتھروں کی بارش برسا کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ❷

خیال رہے کہ چار بستیوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے پانچویں بستی جو سب سے بڑی تھی اس کا نام ''سدوم'' تھا‘ جسے قرآن پاک میں ''موتفکات'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تنبیہ: جو پتھر ان پر برسائے گئے تھے‘ ان پر نشانات تھے۔ جن کی وجہ سے وہ دوسرے پتھروں سے ممتاز تھے۔ ان پر خطوط تھے یا مہریں تھیں‘ یا ان پر ہر شخص کا نام لکھا گیا تھا جس جس کا نام تھا اسی پر وہ پتھر گرا اور وہ مرا۔ ❸

الانتباہ: لوط علیہ السلام کی قوم کو جب پتہ چلا کہ آپ کے پاس نوجوان مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے اپنے برے ارادے سے آئے۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو اور آپ نے فرمایا:

{قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ} ❹

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

''بولے: اے میری قوم! یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں‘ یہ تمہارے لئے ستھری ہیں''

دیگر مترجمین نے ترجمہ میں ''میری بیٹیاں'' ذکر کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق اور اللہ کے نبی کی شان کے لائق ہے‘ جبکہ دیگر تراجم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا۔ اگرچہ ایک قول یہ ملتا ہے کہ آپ نے اپنی دو بیٹیوں کے متعلق کہا کہ تم ان سے نکاح کر لو لیکن یہ قول مختلف بحثوں سے مردود ہے۔ آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ ''بنات'' جمع ہے‘ نیز دو بیٹیاں پوری قوم کے لئے کیسے؟ کیا صرف اس قوم کے دو سردار مراد تھے یا کہ پوری قوم؟ کیا کافروں سے نکاح جائز تھا؟

---

❶ تفسیر ضیاء القرآن‘ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 2 ص 342 ❷ روح المعانی‘ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ‘ ج 7 ص 113
❸ تفسیر خزائن العرفان‘ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت 82 ❹ پ 12‘ سورۃ ہود‘ آیت 78

"اَخْرَجَ اَبُو الشَّیْخِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اِبْنِ جُبَیْرٍ وَمُجَاهِدٌ وَابْنُ اَبِی الدُّنْیَا وَابْنُ عَسَاکِرٍ عَنِ السُّدِّیِّ اَنَّ الْمُرَادَ بِبَنَاتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ نِسَآءُ اُمَّتِہٖ وَالْاِشَارَۃُ بِھٰؤُلَآءِ لِتَنْزِیْلِھِنَّ مَنْزِلَۃَ الْحَاضِرِ عِنْدَہٗ وَاِضَافَتُھُنَّ اِلَیْہِ لِاَنَّ کُلَّ نَبِیٍّ اَبٌ لِاُمَّتِہٖ وَفِیْ قِرَاءَۃِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ وَقَرَأَ اُبَیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِثْلَ ذَالِکَ لٰکِنَّہٗ قَدَّمَ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ عَلٰی وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ" [1]

"ابوالشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے ابن ابی حاتم نے ابن جبیر سے مجاہد اور ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے سدی سے بیان کیا ہے کہ یہاں لوط علیہ السلام نے جو بنات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد آپ نے اپنی قوم کی عورتیں لی ہیں ھٰؤلاء سے اشارہ ان کو بمنزل حاضر کے سمجھ کر کیا اور ان کی اضافت اپنی طرف کی اور بَنَاتِیْ کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے باپ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرات میں ہے {اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ} نبی مومنوں کے ان کی جان سے زیادہ مالک ہیں کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرات میں بھی ایسے ہی ہے لیکن اس میں {وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ} پہلے ہے اور "وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ" بعد میں ہے۔"

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ کیا ہے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے اور اپنے مختار پر دلائل قائم کئے ہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت ملاحظہ ہو:

"قَالَ یٰقَوْمِ ھٰؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ فَفِیْہِ قَوْلَانِ: قَالَ قَتَادَۃُ الْمُرَادُ بَنَاتُہٗ لِصُلْبِہٖ وَقَالَ مُجَاھِدٌ وَسَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ اَلْمُرَادُ نِسَآءُ اُمَّتِہٖ لِاَنَّھُنَّ فِیْ اَنْفُسِھِنَّ بَنَاتٌ وَلَھُنَّ اِضَافَۃٌ اِلَیْہِ بِالْمُتَابَعَۃِ وَقَبُوْلُ الدَّعْوَۃِ قَالَ اَھْلُ النَّحْوِ یَکْفِیْ فِیْ حُسْنِ الْاِضَافَۃِ اَدْنٰی سَبَبٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نَبِیًّا لَّھُمْ فَکَانَ کَالْاَبِ لَھُمْ قَالَ تَعَالٰی وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ وَھٰذَا الْقَوْلُ عِنْدِیْ ھُوَ الْمُخْتَارُ وَیَدُلُّ عَلَیْہِ وُجُوْہٌ: اَلْاَوَّلُ اَنَّ اِقْدَامَ الْاِنْسَانِ عَرْضَ بَنَاتِہٖ عَلَی الْاَوْبَاشِ وَالْفُجَّارِ مُتَبَعَّدٌ لَا یَلِیْقُ بِاَھْلِ الْمُرُوَّۃِ فَکَیْفَ بِاَکَابِرِ الْاَنْبِیَآءِ اَلثَّانِیْ وَھُوَ اِنْتِقَالُ ھٰؤُلَآءِ بَنَاتِیْ وَھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ فَبَنَاتُہُ اللَّوَاتِیْ مِنْ صُلْبِہٖ لَا تَکْفِیْ

"یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے اس کلام {ھٰؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ} میں دو قول ہیں: حضرت قتادہ نے کہا: اس سے مراد آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں ہیں لیکن حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت کی عورتیں ہیں: اسلئے کہ وہ آپ کی بیٹیاں ہی تھیں ان کی طرف قبول دعوت اور متابعت کی وجہ سے منسوب کیا اس لئے کہ نحویوں کا ضابطہ یہ ہے کہ حسن اضافت میں ادنی مناسبت کافی ہے اس لئے کہ آپ ان کے نبی تھے اور نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں آتا ہے {وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ} نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ لہٰذا نبی ان کے باپ ہوئے۔ علامہ رازی

[1] روح المعانی علامہ آلوسی ج 7 حصہ اول ص 106

لِلْجَمْعِ الْعَظِيْمِ اَمَّا نِسَاءُ اُمَّتِهٖ فَفِيْهِنَّ كِفَايَةٌ لِلْكُلِّ وَاِطْلَاقُ لَفْظِ الْبَنَاتِ عَلَى الْبِنْتَيْنِ لَايَجُوْزُ لِمَا ثَبَتَ اَنَّ اَقَلَّ الْجَمْعِ ثَلَاثَةٌ"

(تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 32 مطبوعہ بیروت)

فرماتے ہیں: یہی قول میرے نزدیک مختار ہے۔اس کے مختار ہونے پر کئی وجوہ دلائل ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کا اپنی بیٹیوں کو اوباشوں اور فاسقوں فاجروں پر پیش کرنا بہت بعید ہے۔ اہل مروّت کے لائق نہیں اکابر انبیاء یہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟ دوسری وجہ آپ نے فرمایا {هٰؤُلَاءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ} آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں اتنی عظیم جماعت کو کافی نہیں ہو سکتی تھیں امت کی عورتیں ان تمام کو کافی ہو سکتی تھیں۔تیسری وجہ صحیح روایت ہے کہ آپ کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام "زنتا" اور دوسری کا نام "زعوراء" تھا۔لفظ بنات کا اطلاق (بالحقیقت) دو بیٹیوں پر صحیح نہیں: کیونکہ جمع کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔"

حضرت یعقوب و حضرت یوسف علیہما السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ ابْنُ يَعْقُوْبَ ابْنِ اِسْحَاقَ ابْنِ اِبْرَاهِيْمَ" (1) "کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔"

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے:

یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں یعنی یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں "یہودا" روبیل شمعون لاوی ریالون یشجر دینہ۔ یہ تمام لڑکے آپ کی زوجہ "لیا بنت لیان بن فاہر" سے ہیں۔ یہ زوجہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خالہ کی لڑکی تھی۔ دان یفتالی جاد آشر یہ لڑکے زلفہ اور بلہتہ کے بطن سے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین راحیل کے بطن سے تھے۔ راحیل کی وفات "بنیامین" کی پیدائش کے بعد جلد ہی ہو گئی۔ "لیا" کی وفات کے بعد "راحیل" سے نکاح ہوا تھا۔ راحیل لیا کی بہن تھی۔

خیال رہے کہ جو نام ذکر کئے گئے ہیں یوسف علیہ السلام کے علاوہ وہ بارہ ہیں اور مشہور یہ ہے کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے۔ اسی وجہ سے اکثر حضرات نے "دینہ" کا نام کو شامل نہیں کیا۔ کچھ حضرات نے شامل کیا ہے لیکن کہا ہے کہ یہ مؤنث کا نام ہے یعنی یوسف علیہ السلام کی ایک بہن کا نام "دینہ" تھا۔ (2)

---

(1) مشکوٰۃ المصابیح خطیب تبریزی رحمہ اللہ ج 2 ص 417 (2) روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 183

یوسف علیہ السلام کا خواب دیکھنا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کو بتایا کہ اے میرے باپ!

"اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (۴)" (سورۃ یوسف 11:12) "بے شک میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔"

یوسف علیہ السلام نے جو تارے دیکھے تھے ان کے نام یہ ہیں: "جربان، طارق، ذیال، قابس، عمودان، فیلق، فرغ، وثاب، ذوالکتفین، ضروح، مصبح"

ایک روایت میں مصبح کی جگہ "نطح" ذکر ہے لیکن پہلی روایت پر کثیر اہل علم حضرات ہیں۔ "سنان" نامی یہودی حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ مجھے ان ستاروں کے بتائیں جو یوسف نے دیکھے تھے۔ آپ خاموش تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آگئے انہوں نے حضور کو ستاروں کے نام بتا دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو کہا: اگر میں تمہیں ان تاروں کے نام بتادوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے اسے نام بتا دیئے وہ کہنے لگا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بے شک یہی ان کے نام ہیں۔ (1)

آپ علیہ السلام کے خواب کی تعبیر: گیارہ تاروں سے مراد آپ کے بھائی اور چاند سورج سے مراد آپ کے ماں باپ ہیں لیکن خیال رہے کہ خواب دیکھنے سے پہلے ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سجدہ سے مراد سجدہ تعظیمی ہے جو پہلی امتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

فائدہ: خواب میں سورج دیکھنے سے بادشاہت، سونا، خوبصورت عورت ملنے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ چاند کو خواب میں دیکھنے سے بادشاہت، وزارت، بادشاہ کا قرب، ریاست، شرافت، غلام، منصب، حاکمیت، بڑے آدمی کی زیارت، والد، والدہ، زوجہ، خاوند، عظمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی فساد اور باطل امور کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے یہ سب دیکھنے والے پر منحصر ہے۔

خیال رہے خواب دیکھنے والا جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے (القاء) ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پڑھے اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہے تو بیان بھی کر دے لیکن اگر برا خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ خواب دیکھنے پر بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے اور...... {اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَشَرِّ الرُّؤْیَا} ...... پڑھے اور کسی کے سامنے وہ خواب بیان نہ کرے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (2)

---

(1) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 7 حصہ اول ص 179

(2) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 7 حصہ اول ص 180

یعقوب علیہ السلام کا خواب بیان کرنے سے منع کرنا:

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (یوسف 11:12)

''کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے' بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بارہ سال کی عمر میں دیکھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوں گے تو بھائی ان سے حسد کریں گے کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آپ کے بھائی آپ سے اس پر حسد کرتے تھے' یہ بھی یعقوب علیہ السلام کے علم میں تھا۔ اسی لئے آپ نے منع فرمایا کہ یہ خواب بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ ان کا حسد اور بڑھ جائے گا وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں شیطان کے دامِ فریب میں آ جائیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد:

اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۝ (سورۃ یوسف 12:12)

''جب انہوں نے کہا کہ ضرور یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت بنیامین سے' تو دوسرے بھائیوں کو اس پر حسد آیا۔ وہ کہنے لگے: ہم تو ایک جماعت ہیں' باپ کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں اور ان کو زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ یہ دو ہیں اور چھوٹے بھی ہیں' یہ اپنے باپ کی خدمت ہماری طرح نہیں کر سکتے' پھر ان سے پیار و محبت ہم سے زیادہ کیوں؟ [1]

اعتراض:

"اِنَّهُمْ نَسَبُوْا اَبَاهُمْ اِلَی الضَّلَالِ الْمُبِیْنِ وَذَالِكَ مُبَالَغَةٌ فِی الذَّمِّ وَمَنْ بَالَغَ فِی الطَّعْنِ فِی الرَّسُوْلِ كَفَرَ لَاسِیَّمَا اِنْ كَانَ الطَّاعِنُ وَلَدًا فَاِنَّ حَقَّ الْاُبُوَّةِ یُوْجِبُ التَّعْظِیْمَ" [2]

''سوال یہ ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے لڑکوں نے اپنے باپ کو ''ضلال مبین'' کی طرف کیسے منسوب کیا؟ یہ تو مذمت اور طعنہ میں مبالغہ ہے' اور جو شخص اللہ کے رسول پر طعنہ میں مبالغہ کرے' وہ کافر ہے (حالانکہ وہ مومن تھے) اولاد کس طرح طعنہ زن ہو سکتی ہے؟''

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 179

[2] تفسیر کبیر' علامہ رازی' ج 18' ص 94

جواب:

"اَلْمُرَادُ مِنْهُ الضَّلَالُ عَنْ رِعَايَةِ الْمَصَالِحِ فِي الدُّنْيَا لَا الْبُعْدُ عَنْ طَرِيْقِ الرُّشْدِ وَالصَّوَابِ" ❶ "اس کا مطلب یہ ہے کہ راہِ راست اور حق سے دوری کو ضلال سے تعبیر نہیں کیا بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ دنیا کی مصلحت کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم ایک جماعت ہیں ہم انہیں زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور ہم ان کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں لیکن محبت وہ ان سے زیادہ کرتے ہیں۔"

یعقوب علیہ السلام کی محبت دو بیٹوں سے زیادہ کیوں؟

"محبت" دل کا کام ہے جس پر انسان قادر نہیں' اسی لئے نبی کریم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات میں انصاف کرنے میں بہت زیادہ احتیاط فرمانے کے باوجود دعا فرماتے تھے: "اے اللہ! جس کا میں مالک ہوں اس پر تو میں نے عمل کر دیا لیکن جس پر میں مالک نہیں اس پر مجھے مؤاخذہ نہ کرنا" یعنی دلی محبت کسی سے زیادہ ہونا انسان کے دائرہ قدرت سے باہر ہے۔ یہ دونوں بھائی چھوٹے چھوٹے تھے چھوٹی اولاد سے محبت زیادہ کو ہونا بھی فطرۃً اور قدرتی عمل ہے۔

یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کی تمام اولاد میں سے اگر کسی کو منصب نبوت حاصل ہونا ہے تو وہ یہی آپ کا بیٹا ہے' اسی لئے آپ ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ ان کے بعد بن یامین سے کیونکہ وہ سب سے چھوٹے تھے۔ یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے ہی ان کے بھائی زیادہ مخالف ان کے ہی تھے بنیامین کے اس طرح مخالف نہیں تھے کیونکہ خواب دیکھنے کا معاملہ ان تک بھی کسی طرح پہنچ چکا تھا۔ ❷

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو راہ سے ہٹانے کی ٹھان لی:

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿۹﴾ (سورۃ یوسف 12:12)

"یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا۔"

یعنی انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ باپ صرف تمہارے ساتھ ہی خالص محبت کریں تو یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے' اس کے بغیر باپ کی کامل محبت میسر نہیں ہو سکتی۔ وہ مسلمان تھے' کافر نہیں تھے' سمجھ رہے تھے کہ یہ

---

❶ تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 94 ❷ تفسیر کبیر' ج 18' ص 93

عظیم جرم بھی ہوگا' لیکن حسد کی آگ نے انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے' البتہ یہ سوچ رہے تھے کہ بعد میں توبہ کر لیں گے اور نیک ہو جائیں گے۔

صرف ایک بھائی کا قتل کرنے سے منع کرنا:

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

(سورۃ یوسف 12:12)

''ان میں سے ایک کہنے والا بولا: یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا آ کر اسے لے جائے اگر تمہیں کرنا ہے تو۔''

یہ روکنے والا آپ کا سب سے بڑا بھائی تھا جس کا نام ''یہودا'' تھا۔ اس نے کہا: قتل ایک عظیم جرم ہے' تمہارا یہ ارادہ درست نہیں' البتہ جنگل میں کسی کنوئیں میں ڈال دو۔ شاید وہاں سے کوئی گذرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائے۔ اس طرح تمہارا مطلب بھی پورا ہوگا اور یوسف بھی قتل سے بچ جائے گا۔ اگر تم نے اپنے ارادے پر عمل کرنا ہی ہے تو یہی کرو۔ [1]

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

(سورۃ یوسف 12:12)

''انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوا کہ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ہو ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں' کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔ آپ نے کہا: بے شک تمہارا اس کو ساتھ لے جانا مجھے رنج پہنچائے گا اور ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور تم اس سے بے خبر رہو' انہوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں۔''

ان کا شہر سے باہر جانے اور کھیل کی اجازت طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیاری کریں گے' دوڑ میں مقابلہ کریں گے' تیر اندازی میں مہارت حاصل کریں گے۔

اگر وہ صرف لہو ولعب کے لئے کھیل کود کی اجازت طلب کرتے تو یعقوب علیہ السلام انہیں کبھی اجازت نہ دیتے۔ یوسف علیہ السلام چونکہ چھوٹے تھے' اس لئے انہوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہمارے چھوٹے بھائی کو بھی ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دو۔ یہ ہماری جنگی تدابیر دیکھ کر خوش ہوگا اور جنگلی میوے' پھل ہم اسے توڑ کر دیں گے۔ یہ کھائے گا کیونکہ ہم اونٹوں کو چرانے اور انہیں چارہ کھلانے کی مشقیں بھی کریں گے ان میں جنگلی درختوں سے پھل بھی حاصل کریں گے۔

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 192

یعقوب علیہ السلام چونکہ پہلے ہی خواب دیکھ چکے تھے کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیے نے حملہ کر دیا ہے اور وہ زمین بھی بھیڑیوں والی تھی۔ اسلئے آپ نے کہا مجھے ڈر ہے کہ اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم بے خبر ہی رہو۔ شاید یعقوب علیہ السلام نے خواب کو اسی طرح سمجھا ہو اور اشارہ دشمن کی طرف ہو یعنی بھیڑئے سے مراد دشمن ہو۔ آپ علیہ السلام کے بیٹوں کو واپس آ کر عذر پیش کرنا ہے اپنے باپ کے قول سے ہی سمجھ آیا ورنہ پہلے ان کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی شخص کے سامنے ایسا کلام نہ کرو جس سے اسے جھوٹ کی راہنمائی ملے جیسے یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو معلوم نہیں تھا کہ انسانوں کو بھیڑیا بھی کھا جاتا ہے جب ان کے باپ نے یہ کہا تو انہیں بھی جھوٹ بولنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائیوں کی ایک جماعت...... وہ جو بہت طاقتور ہو...... کے سامنے ایک بھائی کو بھیڑیا کھا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم کسی کام کے نہیں ہوں گے ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑئے کی کیا مجال ہے کہ ہمارے بھائی کو کھا جائے؟ (1)

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو تیار کرنا: جب حضرت یعقوب علیہ السلام کسی طرح بھی ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا: کیا تم ہمارے ساتھ باہر جنگل میں چلو گے؟ جہاں ہم دوڑ میں مقابلہ کریں گے اور اونٹ وغیرہ دوڑانے اور دوسری جنگی تدابیر میں مقابلہ کریں گے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ہاں ضرور جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ تم باپ کو کہو آپ نے سب بھائیوں کو ساتھ لیا اور باپ کے پاس آ گئے۔ بھائیوں نے ان کی موجودگی میں اپنے باپ کی خدمت میں عرض کی یوسف ہمارے ساتھ جانا پسند کرتا ہے آپ اسے اجازت دیں۔ آپ نے یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کرتے ہوئے پوچھا، تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: بھائی مجھے پیار و محبت سے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں اسلئے میں ان کی ساتھ ضرور جاؤں گا۔ اس طرح یعقوب علیہ السلام باوجود اس کے کہ نہیں چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجا جائے لیکن تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی یوسف علیہ السلام کی مرضی اور کہنے پر بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادگی ظاہر فرما دی۔ (2)

بھائیوں کے مظالم: جب وہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلے تو جب تک یعقوب علیہ السلام سامنے تھے اس وقت تک تو وہ کندھے پر اٹھا کر چلے۔ یعقوب علیہ السلام اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے جب تک وہ سامنے رہے۔ جب وہ جنگل میں پہنچ گئے اور اپنے باپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کو زمین پر پھینک دیا اور اپنی عداوت ظاہر کرنے لگے۔ کبھی بدکلامی کرتے اور کبھی مارتے۔ آپ ایک بھائی سے بھاگ کر دوسرے کے پاس آتے کہ شائد وہ میرے ساتھ ہمدردی کرے گا اور میری فریاد سنے گا لیکن وہی آپ کو مارنا شروع کر دیتا۔ آپ نے ان کے ارادوں کو جب سمجھ لیا کہ یہ کیا

(1) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 7 حصہ اول ص 196 (2) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 7 حصہ اول ص 196

چاہتے ہیں تو وہاں سے پکار کر کہا:

''اے میرے ابا جان! کاش آپ یوسف کو دیکھتے کہ بھائی اس پر کتنا ظلم کر رہے ہیں؟ تو آپ کتنے غمزدہ ہوتے اور میرے بھائیوں کے مجھ پر مظالم کو اگر آپ دیکھتے تو یقیناً روتے۔ اے میرے ابا جان! یہ کتنی جلدی آپ کے وعدہ کو بھول گئے' کتنی جلدی آپ کی نصیحتوں کو بھول گئے۔''

یہ کہتے ہوئے یوسف علیہ السلام روئے اسی حال میں روبیل نے آپ کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر بیٹھ گیا آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے بھائی! ٹھہر جا' مجھے قتل نہ کر' قتل کرنا عظیم جرم ہے۔

سبحان اللہ! نبی کا مقام کتنا بلند ہے؟ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو نصیحت کر کے قتل جیسے عظیم جرم سے بچا رہے ہیں۔ روبیل کہنے لگا: تجھے تو بڑے خواب آتے تھے اب تو اپنے خوابوں کو بلا جو تجھے میرے ہاتھوں سے چھڑائیں۔ اس نے آپ کی گردن کو مروڑا' آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے بڑے بھائی ''یہودا'' کو کہا: اے میرے بھائی! خدا سے ڈر' میرے اور مجھے قتل کرنے والے کے درمیان حائل ہو جا! آپ کے کہنے پر اسے کچھ بھائی ہونے کا خیال آیا اور دل نرم ہوا۔ اس نے کہا: اے میرے بھائیو! کیا تم نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ قتل نہیں کرو گے؟ اب بھی آسان کام کرو' قتل نہ کرو! وہ غصہ میں پہلے کئے ہوئے وعدہ کو بھول چکے تھے' پوچھنے لگے کیا کریں؟ یہودا نے کہا: یہ قریب ہی کنواں ہے اس میں پھینک دو یا تو خود ہی مر جائے گا یا کوئی قافلے والے گزرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائیں گے۔

وہاں ایک کنواں تھا جو نیچے سے کھلا اور اوپر سے تنگ تھا اس میں جب انہوں نے آپ کو پھینکنا چاہا تو آپ کنوئیں کے کنارے سے لپٹ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے' قمیص کو اتار لیا کیونکہ وہ قمیص کو خون سے رنگ کر اپنے باپ کے سامنے عذر پیش کرنا چاہتے تھے' یوسف علیہ السلام ان کو کہہ رہے تھے' میرے بھائیو! میری قمیص واپس کر دو تا کہ میں کنوئیں میں ننگا نہ رہوں' لیکن بھائیوں نے آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا۔ آپ کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو آپ نے انہیں کہا: اے میرے بھائیو! مجھے اکیلے چھوڑ جاؤ گے؟ انہوں نے کہا: اب تم چاند' سورج اور تاروں کو بلاؤ' وہی تمہاری امداد کریں گے۔

آپ کو ایک ڈول میں ڈال کر کنویں میں لٹکا دیا گیا جب نصف فاصلہ تک ڈول پہنچا تو اوپر سے چھوڑ دیا گیا اس خیال سے کہ زور سے گرنے پر مر جائے گا' لیکن آپ علیہ السلام پانی میں گرے اور ایک طرف پتھر تھا' اس پر بیٹھ گئے۔ [1]

یوسف علیہ السلام کا کنویں میں حال:

جب آپ کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ رو رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو اوپر سے آواز دی آپ نے خیال کیا شاید

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 197

بھائیوں کو میرے حال پر رحم آ گیا آپ نے ان کو جواب دیا۔ انہوں نے آپ کو زندہ سمجھ کر پتھر گرا کر قتل کرنا چاہا لیکن ''یہودا'' نے پھر منع کر دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس وہ قمیص تھی' جو آپ کے دادا جان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جنت سے لا کر پہنائی گئی تھی' جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ روانہ کیا تو وہ قمیص آپ نے ان کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دی۔ بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا' تو ان کی قمیص اتار لی تھی' لیکن فرشتے نے آ کر ان کے گلے سے وہ تعویذ اتار کر اس سے قمیص نکال کر ان کو پہنا دی' جس سے کنواں جگمگانے لگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا (حالانکہ پہلے نمکین تھا) اس میں غذائیت کی تاثیر آ گئی' یعنی کھانے اور پینے کا کام دینے لگا۔ جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس کنوئیں میں آ گئے تا کہ وہ ان سے انس پکڑ سکیں۔ جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام جانے کے لئے اٹھے تو آپ نے کہا کہ اب مجھے اکیلا رہنے سے وحشت ہوگی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: اگر تمہیں ایسی کوئی حاجت درپیش آئے تو تم یہ دعا پڑھنا:

{ یَا صَرِیْخَ الْمُسْتَصْرِخِیْنَ وَیَا غَوْثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ وَیَا مُفَرِّجَ کُرَبِ الْمَکْرُوْبِیْنَ }

اس کے پڑھنے پر تم مجھے اپنی جگہ دیکھ لو گے' میرے حال کو جان لو گے' میرا معاملہ تم پر کچھ مخفی نہیں رہے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ دعا پڑھی تو فرشتے آپ کے پاس آ گئے' آپ ان سے انس پکڑنے لگے' اکیلا ہونے کا آپ کو کوئی احساس نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہنے لگے: اے لڑکے! آپ کو کنوئیں میں کس نے ڈالا ہے؟ آپ نے کہا: میرے بھائیوں نے۔ انہوں نے پوچھا: بھائیوں نے کیوں ڈالا؟ آپ نے کہا: میرے باپ مجھ سے محبت کرتے ہیں' انہوں نے مجھ پر حسد کیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: کیا تم یہاں نکلنا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: یہ التجا صرف یعقوب علیہ السلام کے خدا کی طرف ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: پھر تم خدا سے یہ دعا کرو:

{اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَكْنُوْنِ الْمَخْزُوْنِ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاَنْ تَجْعَلَ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّاَنْ تَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ}

آپ نے جب یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملات آسان کر دیئے۔ کنوئیں سے نکال کر مصر کی بادشاہی عطا فرما دی' جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا کرتے رہا کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک برگزیدہ

بندوں کی دعا ہے۔ ❶

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے روتے ہوئے واپس لوٹے:

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

(سورۃ یوسف 12:12)

''اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے بولے: اے ہمارے باپ! ہم دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں اور ان کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے (یعقوب علیہ السلام نے کہا): بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات تمہارے لئے بنالی ہے تو صبر اچھا اور اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بتارہے ہو۔''

انہوں نے ایک ہرن کو ذبح کیا' اس کے خون سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو رنگ کر باپ کے پاس لائے اور ظاہر یہ کیا کہ بھیڑیئے کے کھانے کی وجہ سے یہ خون آلودہ ہوگئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر اپنے چہرہ پر ڈالا اور رونے لگے یہاں تک کہ قمیص کے خون سے آپ کا چہرہ خون آلودہ ہوگیا۔ آپ کہہ رہے تھے کہ میں نے آج تک اتنا حکیم بھیڑیا کوئی نہیں دیکھا جس نے میرے بیٹے کو کھالیا ہو لیکن قمیص کو نہ پھاڑا ہو۔ یہ کہتے کہتے آپ نے پھر رونا شروع کردیا یہاں تک کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ آپ کے بیٹوں نے آپ پر پانی چھڑکا' لیکن آپ کو ہوش نہ آیا اور نہ ہی آپ کے جسم میں کوئی حرکت پیدا ہوئی۔ وہ آپ کو پکار رہے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ ''یہودا'' نے اپنا ہاتھ آپ کے ناک اور منہ پر رکھا لیکن اسے سانس کا چلنا محسوس نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی آپ کی کوئی نبض چل رہی تھی۔ ''یہودا'' نے کہا: ہمیں قیامت کے دن جزا دینے والے مالک الملک سے عذاب ہی حاصل ہو گا' ہم نے اپنے بھائی کو بھی ضائع کردیا اور باپ کو بھی قتل کردیا۔ غرضیکہ وہ تمام رات آپ علیہ السلام نے بیہوشی میں گذار دی' سحری کے وقت ہوش آیا۔ ❷

فائدہ: یوسف علیہ السلام کی قمیص میں تین نشانیاں پائی گئیں۔ پہلی یہ کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو دیکھ کر کہا: یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کی گئی ہوئی نظر قمیص سے ہی واپس لوٹی۔ جب مصر سے یوسف علیہ السلام نے قمیص بھیجی۔ اس طرح زلیخا کے الزام سے قمیص کو دیکھ کر ہی بری کیا گیا۔ ❸

---

❶ روح المعانی' ج 7 حصہ اول ص 198 ❷ روح المعانی' ج 7 حصہ اول ص 201 ❸ ایضاً

اعتراض:

"اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کَانَ عَالِمًا بِاَنَّہٗ حَیٌّ سَلِیْمٌ لِاَنَّہٗ قَالَ لَہٗ {وَکَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ} وَالظَّاهِرُ اَنَّہٗ اِنَّمَا قَالَ ھٰذَا الْکَلَامَ مِنَ الْوَحْیِ وَاِذَا کَانَ عَالِمًا بِاَنَّہٗ حَیٌّ سَلِیْمٌ فَکَانَ مِنَ الْوَاجِبِ اَنْ یَّسْعٰی فِیْ طَلَبِہٖ"

''حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں کیونکہ آپ نے یوسف علیہ السلام کو بتایا تھا کہ تمہارا رب تمہیں برگزیدہ پیغمبر بنائے گا اور تمہیں باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔اور ظاہر بات یہی ہے کہ آپ نے یہ کلام وحی سے فرمایا اور جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں تو آپ پر واجب تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تلاش کرتے۔''

یعنی یہ آپ کو بذریعۂ وحی معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ باقی لوگوں سے چن کر مقام نبوت عطا کرے گا' آپ اعلانِ نبوت فرمائیں گے'اس سے پہلے آپ پر موت نہیں آئے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا' تو اتنا معلوم ہونے کے باوجود آپ نے تلاش نہیں کیا؟ بلکہ اتنا وقت روتے ہوئے گزار دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:

" اَنَّہٗ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی مَنَعَہٗ عَنِ الطَّلَبِ تَشْدِیْدًا لِلْمِحْنَۃِ عَلَیْہِ وَتَغْلِیْظًا لِلْاَمْرِ عَلَیْہِ"

''بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلب کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ وہ اس پر شدید مشقت اٹھائیں اور یہ معاملہ ان پر سخت ہو۔''

آپ کو صبر کا ثواب ملے اور یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی۔اور وجہ یہ بھی تھی کہ زیادہ تلاش کرنے میں خطرہ تھا کہ کہیں بھائی جا کر قتل نہ کرآئیں۔حضرت یعقوب علیہ السلام کا رونا صرف فراق کی وجہ سے تھا بے خبری کی وجہ سے نہیں۔اور وجہ یہ تھی کہ آپ اللہ کے فیصلہ پر صابر وشاکر تھے لیکن بیٹوں کے فعل پر پریشان تھے کہ نبی کی اولاد ہو کر کتنے حاسد نکلے' اس پر آپ کو رونا ہی تھا۔ (1)

تنبیہ: حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے جھوٹا رونے کے بعد کسی کے رونے سے اسے سچا نہیں سمجھا جاسکتا۔ابن منذر نے شعبی سے روایت کی ہے کہ قاضی شریح کے پاس ایک عورت اپنا مقدمہ لے کر آئی اور رو رہی تھی لوگوں نے قاضی شریح کو کہا: اے ابوامیہ! کیا آپ اسے روتا ہوا نہیں دیکھ رہے۔آپ نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی رات کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے تھے' حالانکہ وہ ظالم اور جھوٹے تھے۔اس لئے کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بغیر تحقیق کے ناحق فیصلہ کردے۔ (2)

---

(1) تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 101 (2) تفسیر کبیر' ج 18 ص 101 ...... روح المعانی' ج 7 حصہ اول ص 199

یوسف علیہ السلام کا کنوئیں سے باہر آنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک قافلہ مدین سے مصر کی جانب روانہ ہوا' وہ قافلہ والے راستہ بھٹک گئے۔ وہ ادھر ادھر پھرنے لگے کہ راستہ مل جائے' اسی دوران انہیں وہ کنواں نظر آیا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے' حالانکہ وہ کنواں ایسے بیابان جنگل میں تھا' جہاں چرواہوں کے بغیر کوئی شخص نہ آتا۔ قافلہ والوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک شخص مالک بن زعر خزاعی کو بھیجا تاکہ وہاں سے پانی لے آئے۔ اس نے جب کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس سے لپٹ گئے' اس طرح آپ باہر تشریف لائے۔ مالک بن زعر خزاعی نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر خوشی سے کہا: { یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ } کتنی خوشی کی بات ہے یہ تو لڑکا ہے۔'' یعنی کتنا خوبصورت لڑکا ہمارے ہاتھ میں آ گیا' جو ہمارے لئے بہت بڑا سرمایہ بنے گا۔ ❶

حسن یوسف علیہ السلام: یوسف علیہ السلام کا چہرا بہت حسین تھا۔ بال گھنگریالے' آنکھیں موٹی و خوبصورت' تمام اعضاء میں عجیب قسم کا اعتدال پایا جاتا تھا۔ رنگ سفید گندم گوں سرخی مائل' کلائیاں اور پنڈلیاں موٹی' پیٹ چھوٹا' ناف چھوٹی تھی اور جب آپ مسکراتے تھے تو آپ کے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ جب کلام فرماتے تو آپ کے سامنے والے دانتوں سے نور کی شعاعیں نظر آتیں اور کسی شخص میں اس وقت یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے۔ آپ کا حسن ایسے جلوہ گر تھا جیسے دن کی روشنی۔

اتنے حسین لڑکے کو دیکھ کر نکالنے والے کو تعجب کیوں نہ ہوتا کہ آپ کے حسن اور خیر و برکت سے محرومی پر تو کنوئیں کی دیواریں اور پتھر بھی روئے۔ ❷

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو کھوٹے سکوں سے بیچنا:

اگرچہ آپ کو کنوئیں سے نکالنے والوں نے قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا کر رکھا تھا کہ مصر میں جا کر اسے فروخت کر کے بہت بڑا مال حاصل کریں گے لیکن آپ کے بھائی تین دنوں کے بعد آپ کے حال کا پتہ چلانے کے لئے آئے کہ یوسف زندہ ہے یا مر چکا ہے؟ کنوئیں پر آئے تو دیکھا کہ یوسف کنوئیں میں تو نہیں۔ ادھر ادھر دیکھا تو ایک قافلہ نظر آیا ان سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ انہوں نے ایک لڑکے کو نکالا ہے۔ آپ کے بھائیوں نے کہا: یہ ہمارا غلام ہے' جو بھاگ کر آ گیا ہے۔ اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں سستا بیچ دیتے ہیں اور تم اسے کسی دور علاقہ میں لے جاؤ تاکہ اسے بھاگنے کا مزہ آئے۔

یوسف علیہ السلام بھی بھائیوں کے ڈر سے خاموش تھے۔ آپ نے بھی نہ بتایا کہ میں ان کا بھائی ہوں' غلام نہیں۔ آخرکار

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 105 ❷ تفسیر کبیر' ج 18' ص 105 ...... روح المعانی' ج 7 ص 203

آپ کو بیس یا بائیس کھوٹے درہموں سے بیچ دیا گیا۔ اللہ نے فرمایا:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ "اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا۔"

(سورہ یوسف 12:12)

یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو الوداعی سلام: جب آپ کے بھائیوں نے آپ کو کھوٹے درہموں سے بیچ دیا تو تاجر کو کہا: کہ یہ چور ہے اور بھاگ بھی جاتا ہے تو اس تاجر نے آپ کو قید کر لیا اور آپ کی نگہبانی کے لئے ایک حبشی غلام کو آپ پر مقرر کر دیا۔ جب وہاں سے کوچ کرنے لگے تو آپ رونے لگے۔ تاجر نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جن لوگوں نے مجھے بیچا ہے' میں ان کو الوداعی سلام کرنا چاہتا ہوں' یعنی ایسا سلام کرنا چاہتا ہوں جو کبھی نہ لوٹنے والا کرتا ہے۔ تاجر نے اپنے غلام کو کہا: اس کو اپنے مالکوں کے پاس لے جاؤ تا کہ یہ انہیں الوداعی سلام کر آئے' پھر قافلہ سے مل جانا۔ میں نے آج تک اتنا فرمانبردار غلام نہیں دیکھا جو اپنے مالکوں سے اتنی محبت رکھتا ہو اور اتنے ظالم کوئی مالک نہیں دیکھے جتنے ظالم اس کے مالک ہیں۔

وہ غلام آپ کو آپ کے بھائیوں کے پاس لے آیا اور سب سوئے ہوئے تھے۔ ایک ان میں سے ایک بھیڑ بکریوں کی حفاظت کر رہا تھا' جو جاگ رہا تھا۔ یوسف علیہ السلام اپنے محافظ غلام کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں لگے' لڑکھڑاتے' اس کے پاس پہنچے' رونے لگے۔ اس نے پوچھا: تم کیوں آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے کہا: میں تمہیں الوداعی سلام کرنے آیا ہوں جسے تم کبھی نہ دیکھ سکو گے۔ ہائے افسوس' ہائے بربادی! یہ کیسا الوداع ہے (ممکن ہے یہ یہودا ہو وہ کچھ آپ علیہ السلام سے نرم گوشہ رکھتا تھا) سب جاگ پڑے۔ یوسف علیہ السلام ایک ایک بھائی پر محبت سے سر جھکا کر بوسے لیتے ہوئے گلے مل رہے تھے۔ سبحان اللہ! ان کے ظلم کو دیکھئے اور یوسف علیہ السلام کی محبت کو دیکھئے! آپ چلتے ہوئے کہہ رہے تھے:

"اللہ تمہاری حفاظت کرے' اگرچہ تم نے مجھے ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے گھروں میں قائم و دائم رکھے' اگرچہ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے' اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔"

آپ کے الوداعی سلام' رقت آمیز کلمات' دکھ بھری فریاد کا اثر بھیڑ بکریوں پر اتنا شدید ہوا کہ ان کے اس ہولناک منظر سے حمل گر گئے۔ [1]

یوسف علیہ السلام کا والدہ کی قبر پر رونا: بھائیوں کو آپ نے الوداع کر دیا تو آپ کو غلام نے پکڑ کر اپنے ساتھ چلا لیا تا کہ قافلہ سے مل جائیں۔ آپ کو بیڑیاں لگا کر ایک سواری پر سوار کر کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ کنعان کے قبرستان سے جب آپ کو گذر ہوا تو اپنی والدہ راحیل کی قبر کو دیکھ کر آپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے'

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 206-205

سواری سے اتر کر قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے عرض کرنے لگے:

''اے میری اماں! قبر سے سر اٹھا کر ذرا اپنے بیٹے کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تو دیکھو۔ اے میری ماں! بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں پھینک دیا' باپ سے مجھے جدا کر دیا' کھوٹے سکوں سے مجھے بیچ ڈالا' میری چھوٹی عمر پر بھی ان کا دل نہ پسیجا' انہیں مجھ پر کچھ رحم نہ آیا' اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے والد کو مقام رحمت میں جمع کرے' وہی ارحم الرحمین ہے۔'' [1]

غلام کے یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے پر قہر خداوندی:

غلام نے پیچھے دیکھا تو یوسف علیہ السلام کو نہ پایا واپس آیا تو دیکھا کہ آپ ایک قبر کے پاس رو رہے ہیں۔ اس نے کہا: تمہیں بیچنے والوں نے سچ کہا تھا کہ ''تم ایک بھگوڑے ہو''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے آپ علیہ السلام کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا' جس سے آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے کہا: مجھے کچھ نہ کہئے! یہ تو میری ماں کی قبر ہے' میں اپنی ماں کو الوداعی سلام کرنے کے لئے سواری سے اتر گیا تھا۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا' جو تمہیں ناپسند ہو۔ آپ کا چہرا خون آلودہ تھا اور گرنے کی وجہ سے مٹی لگی ہوئی تھی کانپتے ہوئے رب کے حضور عرض کرنے لگے:

''اے اللہ! اگر میری کوئی خطا ہے تو مجھے میرے آباء ابراہیم' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی حرمت کے وسیلہ سے معاف کر دے۔''

آپ کی اس حالت کو دیکھ کر آسمانوں کے فرشتے بھی چلا اٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے لئے فریاد کرنے لگے۔ رب نے فرمایا:

''اے میرے فرشتو! یہ میرا نبی ہے اور میرے انبیاء کا بیٹا ہے جو مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور مجھ سے ہی امداد کا طالب ہے' میں ہی اس کا فریاد رس ہوں' سب فریاد کرنے والوں کی فریاد کو میں ہی پہنچتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے کہا: اے جبرائیل! جاؤ میرے بندے کی امداد کرو۔''

جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا: اے اللہ تعالیٰ کے دوست! تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور تمہیں یہ کہتا ہے ''رونے سے رک جاؤ! تم نے سات آسمانوں کے فرشتوں کو رلا دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو زمین و آسمان ایک ہو جائیں؟'' آپ نے فرمایا: نہیں' نہیں' مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم (بردباری) عطاء کی ہے اور وہ جلد بازی نہیں کرتا تو میں بھی جلدی سے کام نہیں لیتا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا زمین سے سرخ رنگ کی ہوا چلنے لگی' سورج کی روشنی ختم ہو گئی' سرخ آندھی سے تاریکی چھا گئی

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 206

۔قافلے والے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

تاجر نے کہا: اے قافلے والو! اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچاؤ۔ مجھے کئی سال ہو چکے ہیں اس راستہ سے گذرتے ہوئے میں نے آج کے دن کی طرح کوئی دن نہیں دیکھا۔ سب اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ آج کی مصیبت یقیناً ہمارے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے محافظ حبشی غلام نے بتایا کہ میں نے یوسف (علیہ السلام) کو مارا تھا جب مارا تو اس نے اپنا سر آسمانوں کی طرف اٹھایا تھا اور اپنے ہونٹوں کو بھی حرکت دی تھی۔ تاجر نے کہا: افسوس تمہاری بربادی! تم نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ تاجر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! ہم نے تمہیں مار کر تم پر ظلم کیا ہے' اے لڑکے! اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو ہم حاضر ہیں' آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''ہم ظالموں سے بدلہ نہیں لیا کرتے۔ میں تو اس گھرانہ سے تعلق رکھتا ہوں' جو ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں' ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں' میں تمہیں معاف کر رہا ہوں' اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔''

آپ کے معاف کرنے کے ساتھ ہی تاریکی ختم ہو گئی' آندھی رک گئی' سورج روشن ہو گیا' مشرق و مغرب تک روشنی پھیل گئی' اس طرح قافلہ مصر میں امن سے آ گیا۔ [1]

سبحان اللہ! نبی کی کیا شان ہے؟ نبی پر ظلم کرنے والے کیسے گرفت میں آئے؟ اور نبی کتنا صابر؟ کہ ظالموں کے لئے دعا کر رہا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا بازار مصر میں سودا:

یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا گیا تو آپ کو بازار میں بحیثیت غلام بیچا جانے لگا تو آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے قیمت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آپ کی قیمت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ کے وزن کے برابر کستوری' چاندی اور ریشم دیا جائے ۔اتنی بڑی قیمت ادا کرنے کی عام لوگوں میں طاقت نہ تھی اسلئے آپ کو مصر کے وزیر خزانہ نے اتنی قیمت ادا کر کے خرید لیا۔ اس کا نام ''قطفیر'' یا ''اطفیر'' تھا اور لقب ''عزیز مصر'' تھا۔ اس وقت مصر کا بادشاہ ''الریان بن الولید'' تھا جو عمالقہ قبیلہ کا تھا۔ وہ یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور اسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر خزانہ بنایا تھا۔ اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ بنا تھا جس کو آپ نے دعوت ایمان دی لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 206

خیال رہے کہ مصر کے بادشاہوں کا لقب ''فرعون'' ہوا کرتا تھا۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ کو بھی فرعون کہا جاتا لیکن مشہور ''فرعون'' جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا یہ بہت بعد کا ہے۔

عزیزِ مصر نے جب آپ کو خریدا تھا اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی' تیرہ سال آپ اس کے گھر رہے۔ ریان بن ولید نے جب آپ کو وزیر بنایا آپ کی عمر تیس سال تھی' آپ کو تینتیس سال کی عمر میں اللہ نے ملک و حکمت سے نوازا اور آپ ایک سو بیس برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ (1)

یوسف علیہ السلام ناز و نعمت میں:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾

(سورۃ یوسف 13:12)

''اور کہا: اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے بیوی کو عزت و اکرام سے اسے ٹھہراؤ' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند' اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف (علیہ السلام) کو (مصر کی) سرزمین میں۔ اور تاکہ ہم سکھا دیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اللہ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

عزیزِ مصر نے آپ کی لوحِ جبیں پر سعادت و نجابت کے نقوش دیکھ لئے تھے۔ بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا: کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اسکی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کسی دن ہمارے لئے یہ مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ اس عورت کا نام ''راعیل'' تھا یا ''زلیخا'' یہی دوسرا نام زیادہ مشہور ہے۔

ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف علیہ السلام کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا' جسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا' جسے بیچنے والے بھی ایک بھگوڑا غلام تصور کرتے تھے' پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا۔ اس کے لئے اتنی عزت و آسائش کے سامان مہیا فرما دینا' مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لئے پدرانہ شفقت بلکہ فدویانہ جذبہ پیدا کر دینا' اللہ کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ (2)

تین شخصیات کی فراست:

تین محترم شخصیات نے عظیم فراست سے کام لیا:

(1): ''عزیزِ مصر'' جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی زوجہ کو کہا: ''اسے

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 108 (2) تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 2' ص 419

عزت واکرام سے ٹھہراؤ۔''

۲: دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی جس نے اپنی فراست سے موسیٰ علیہ السلام کو طاقتور امین سمجھتے ہوئے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ ''اے میرے باپ! ان کو نوکر رکھ لو بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور اور امانت دار ہو۔''

۳: تیسرے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی فراست سے اپنا خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔[1]

یوسف علیہ السلام ایک مرتبہ پھر امتحان میں:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

(سورۃ یوسف 13:12)

''بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب برآری کرے اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی: بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) نے فرمایا: خدا کی پناہ (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے' اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے' بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اور اس نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل' یوں ہوا تا کہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو' بے شک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لئے گئے ہیں۔''

زلیخا نے اگرچہ چاہا کہ آپ کو گناہوں میں مبتلا کر دے لیکن اللہ کے نبی قبل از نبوت و بعد از نبوت چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واضح اور روشن دلیل دکھا کر پاک و صاف رکھا۔

آپ علیہ السلام نے دلیل کیا دیکھی تھی؟ ایک تو یہ دیکھا کہ وہ عورت دروازے بند کر کے اپنے ایک بت کو ڈھانپ رہی ہے' وہ جو اس نے اپنا معبود بنا رکھا تھا اور موتی اور یاقوت سے اسے سجا رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم اسے کیوں ڈھانپ رہی ہو؟ اس نے کہا: مجھے اپنے معبود سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے برائی میں دیکھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا معبود تو کچھ طاقت بھی نہیں رکھتا' تجھے شرم آ رہی ہے کیا مجھے اس معبود حقیقی سے شرم نہیں آتی جو ہر انسان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے؟ مجھ سے تو اپنی امید وابستہ نہ کر' تو کبھی بھی مجھ سے اپنی حاجت میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ سب سے بڑی روشن دلیل یہ تھی:

''عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُثِّلَ لَهٗ يَعْقُوْبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ''[2]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی گئی

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول' ص 206

[2] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7' ص 214

جنھوں نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا۔"

"عَنْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ ذُکِرَ لَنَا اَنَّہٗ مُثِّلَ لَہٗ یَعْقُوْبُ عَاضًّا عَلٰی اِصْبَعِیْہِ وَھُوَ یَقُوْلُ یَا یُوْسُفُ اِنَّہٗ یَعْمَلُ السُّفَھَاءُ وَاَنْتَ مَکْتُوْبٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ" (1)

"حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں: کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف کو حضرت یعقوب دکھائی دیے کہ آپ اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اے یوسف! خیال رکھنا ایسا کام بے وقوف کرتے ہیں تمہارا نام تو انبیاء کرام میں لکھا جا چکا ہے۔"

سبحان اللہ! کیسی طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کو عطا فرمائی کس طرح وہ اپنے اقرباء اور متوصلین یعنی اپنی امت کے افراد کی امداد کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی برات اور یعقوب علیہ السلام کی امداد کے علم کے بعد بھی اگر کوئی شخص ضد وعناد کی وجہ سے انبیائے کرام کی امداد کا انکار کرتا پھرے تو اس کی اپنی بدقسمتی۔

خدارا! اپنی عاقبت برباد نہ کیجئے:

اس مقام پر بعض تراجم کو دیکھ کر انسان گمراہ نہ ہو اور شان نبی میں گستاخی کا مرتکب نہ ہو کسی نے لکھا: "آپ نے قصد کیا" کسی نے لکھا "ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا" کسی نے لکھا "اور انہیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا۔" ایسے تراجم سے سوائے گمراہی کے کچھ حصول نہیں' ایسے تراجم دیکھیں جن سے ایمان حاصل ہو۔ میں نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ "ضیاء القرآن" سے پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے:

"بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا" (2)

یہی تراجم صحیح ہیں۔ میں نے اس کی تفصیل اپنی کتاب "**تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان**" میں بیان کی ہے' جس میں تفاسیر کی عربی عبارات بھی مندرج ہیں' یہاں تفسیر کبیر سے مختصر خلاصہ اردو میں تحریر کیا جا رہا ہے۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایسی معصیت (یعنی زنا کا ارادہ کرنا) کو اگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کسی بہت بڑے فاسق کی طرف منسوب کیا جائے اور اسی طرح ایسے شخص کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کے نیکی کے کام سے دور رہے تو وہ بھی شرم محسوس کرے' تو ایک جلیل القدر رسول جن کو عظیم الشان معجزات عطا کئے گئے ہوں' ان کی طرف اس قسم کے گناہ کو کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد اور تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(1) روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7' ص 214 (2) کنز الایمان' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ آیت 24

"جن کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ یہ حضرات ہیں: یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کی زوجہ، خود عزیز مصر، مصر کی عورتیں، گواہی دینے والا اور اللہ رب العالمین جل مجدہ۔ ان تمام نے آپ کے متعلق شہادت دی ہے کہ آپ گناہوں سے بری ہیں، یہاں تک کہ شیطان نے بھی آپ کی برأت کی شہادت دی ہے۔ جب آپ کی برأت پر اتنی گواہیاں موجود ہیں تو مسلمان کو اس میں توقف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں؟ یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی اور گناہوں سے بری ہونے کا ذکر فرمایا: {قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي} "اس (عورت) نے خواہش کی کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں؟" اسی طرح آپ نے کہا: {رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ} "اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ اس کام (برائی) سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں"۔ یوسف علیہ السلام کے یہ ارشادات آپ کی پاک دامنی کو واضح کر رہے ہیں۔

عورت کی گواہی: تہمت لگانے والی عورت (زلیخا) نے خود بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بری ہونے کا اعتراف کیا۔ مصر کی عورتوں کے سامنے اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

{وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ} "میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے اپنے آپ کو بچالیا۔"

اسی طرح اس نے اور یہ کہا:

اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (سورۃ یوسف 12:17) "اب بات کھل گئی کہ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن بے شک وہ سچے ہیں۔"

عورت کی اس گواہی کے بعد واضح ہوا کہ اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دیا۔ اس عورت کے خاوند یعنی عزیز مصر نے کہا:

اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ (سورۃ یوسف 12:13) "یہ تم عورتوں کا مکر ہے، بیشک عوتوں کا مکر بہت بڑا ہوتا ہے۔ اے یوسف! تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت! تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔"

یہ یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر اس عورت کے خاوند کی گواہی ہے۔

گواہ کی گواہی: حضرت یوسف علیہ السلام کے باطل عمل اور حرام کام کے ارادہ سے بری ہونے پر گواہ کی گواہی ثابت ہے کیونکہ شیر خوار بچے کی یہ شہادت ہے:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ "اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ

وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ (سورۃ یوسف' 13:12)

"اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ غلطی پر ہیں اور اگر آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو آپ سچے ہیں اور عورت جھوٹی ہے۔"

آپ کی قمیص تو پیچھے سے پھٹی تھی۔ لہٰذا آپ کی برأت پر گواہی ہوگئی' گواہ بھی وہ جو اس عورت کے خاندان سے ہے اور ابھی شیر خوار بھی ہے' اسی وجہ سے اس عورت کے خاوند نے عورت کو "مکار" کہا۔

اللہ تعالیٰ کی گواہی:

یوسف علیہ السلام کے بری ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ نے دی ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۝ (سورۃ یوسف' 13:12)

"ہم اس طرح پھیرتے ہیں ان سے برائی اور بے حیائی کو' بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے پاک ہونے کی جو شہادت اس آیت میں دی ہے' وہ چار مرتبہ ہے:

پہلی وجہ: ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ یہاں لام تاکید اور مبالغہ کے لئے آیا ہوا ہے آپ سے برائی کا دور رہنا یقینی ہو گیا۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "وَ الْفَحْشَآءَ" ذکر کیا ہے یعنی "كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ" جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے بے حیائی کو دور رکھنا اپنے ذمہ کرم پر لگا لیا ہے' تو اب برائی کا ارتکاب یا اس کا خیال ناممکن ہو گیا۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا" کہ وہ میرے مخلص بندوں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف اس طرح فرمائی:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝ (سورۃ الفرقان 4:19)

"اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں جب ان سے کوئی جاہل بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس سلام"

اس سے پتہ چلا جس کو رب نے اپنا مخلص بندہ کہا ہے' وہ برائیوں کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

چوتھی وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَلْمُخْلَصِيْنَ"۔ اس میں دو قرائتیں ہیں' "اسم فاعل" ہے یا "اسم مفعول"۔ اگر اسم فاعل ہو تو معنی یہ ہوگا کہ "آپ طاعات و قربات پر خلوص سے عمل کرنے والے ہیں" اور اگر اسم مفعول ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے خالص بنایا اور اپنے حضور پسندیدہ کیا" دونوں وجہ سے آپ کا گناہوں یا گناہ

کے ارادے سے پاک ہونا واضح ہے۔ (1)

ابلیس کا اقرار: حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کا اقرار "ابلیس" نے بھی کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالی سے جب اس نے مہلت مانگی اس کو قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی اس نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ "اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم، میں سوائے تیرے مخلص بندوں کے تمام کو گمراہ کرتا رہوں گا۔" (سورۃ ص ۲۳:۱۴)

اس کا یہ اقرار اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں کو راہ راست سے بھٹکانا شیطان کے لئے ممکن نہیں اور یوسف علیہ السلام کا مخلصین سے ہونا بھی یقینی طور پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخلص بندوں سے ہونے کی شہادت دی ہے۔ رب کی شہادت پر یقین نہ آئے تو اور کس پر آئے گا؟ (2)

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی فیصلہ کن بات:

"وَعِنْدَ هٰذَا نَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ الْجُهَّالُ الَّذِيْنَ نَسَبُوْا إِلٰى يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هٰذِهِ الْفَضِيْحَةَ إِنْ كَانُوْا مِنْ أَتْبَاعِ دِيْنِ اللّٰهِ فَلْيَقْبَلُوْا شَهَادَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى طَهَارَتِهٖ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ أَتْبَاعِ إِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ فَلْيَقْبَلُوْا شَهَادَةَ إِبْلِيْسَ عَلٰى طَهَارَتِهٖ" (3)

"جو جہلاء یوسف علیہ السلام کو برائی (یا ارادۂ برائی) کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ اللہ کے دین کے متبع ہیں تو وہ اللہ کی شہادت قبول کرلیں، جو اللہ تعالی نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے اور اگر وہ شیطان یا اس کے لشکر کے تابعدار ہیں تو وہ شیطان کی شہادت قبول کرلیں جو اس نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے۔"

یوسف علیہ السلام پر عورت کا الزام:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوْٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾

(سورہ یوسف 13:12)

"اور دونوں دروازے کے طرف دوڑے اور عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں کو عورت کا خاوند دروازے کے پاس ملا، بولی: کیا اس کی سزا جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی؟ مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار۔"

جب عورت نے آپ کو اندر بند کرلیا آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کے لئے دروازہ کی طرف بھاگنا

---

(1) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 18، ص 116

(2) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 18، ص 117

(3) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 18، ص 117

شروع کیا تا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل جائیں۔عورت نے پیچھے بھاگنا شروع کیا تا کہ آپ کو پکڑ لے۔آپ علیہ السلام کو پکڑنے میں تو کامیاب نہ ہو سکی' البتہ آپ کی قمیص پیچھے سے اس نے پکڑ لی چونکہ آپ دوڑ رہے تھے' دوڑتے ہوئے قمیص پکڑنے کی وجہ سے پیچھے سے پھٹ گئی۔

اسی دوران اس عورت کا خاوند دروازے پر پہنچ گیا۔وہ تہمت کے ڈر سے جلدی سے اپنے عیب کو یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے لگی کہ یہ تمہاری زوجہ سے برائی کا ارادہ رکھتا تھا' اس لئے قید خانہ میں بھیج دو یا سخت سزا دو۔عورت کو یوسف علیہ السلام سے چونکہ شدید محبت تھی' اگرچہ اس نے خود بچنے کے لئے عیب یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا' لیکن پھر بھی آپ کی رعایت رکھی' قید خانہ پہلے ذکر کیا سخت سزا کا ذکر بعد میں۔اسلئے کہ محبّ اپنے محبوب کو درد پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا۔اسلئے یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ ان دونوں میں سے جس پر چاہو عمل کرو بلکہ اس نے مکمل طور پر آپ کو بچانے کی فکر کی' کہ قید خانہ بھیج دو' ہاں! اگر کوئی چارہ کار نہ ہو سوائے سزا دینے کے تو سزا دو۔

پھر کوئی ایسے الفاظ نہیں ذکر کئے جن سے پتہ چلے کہ اس نے کہا ہو کہ ان کو عمر بھر قید رکھو یا بہت لمبا عرصہ قید میں رکھو' بلکہ صرف یہ کہا کہ قید خانہ میں بھیج دو' یعنی مطلب یہ تھا کہ ایک' دو دِنوں کے بعد نکال لینا۔ ❶

عورت نے ظاہر طور پر برائی کو آپ کی طرف منسوب نہیں کیا:

عورت نے یہ تو کہا ہے کہ جو شخص تمہاری زوجہ سے برائی کا ارادہ کرے یہ نہیں کہا اس نے میرے طرف برائی کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی نہیں کہا اس نے میرے ساتھ دست درازی یا برائی کا مرتکب ہوا ہے' اسلئے کہ اس نے جان لیا تھا کہ جو شخص جوانی کی عمر میں طاقت وشہوت کا غلبہ رکھنے کے باوجود پاکدامن ہے' اسے کیسے برا بھلا کہا جائے۔اس عورت کے دل میں آپ کی پاکدامنی راسخ ہو چکی تھی' وہ آپ کو ظاہری طور پر برائی کا مرتکب قرار دینے میں حیا محسوس کر رہی تھی۔علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''اس عورت کو تو حیا محسوس ہوئی کہ آپ کو برائی کا مرتکب کیسے قرار دیا جائے' لیکن ہزاروں سال بعد میں آنے والوں کو حیا نہیں آتی جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے برائی کا ارادہ کیا یا آپ کے دل میں تھوڑا تھوڑا قصد ہو چلا تھا۔یوسف علیہ السلام نے ابتدائی طور پر خاموشی اختیار کی لیکن جب یہ دیکھا کہ برائی کو میری طرف منسوب کیا جا رہا ہے تو پھر آپ نے فرمایا{هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي}''اس نے مجھے خود اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔'' ❷

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 122
❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 122

یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر دلالت کرنے والی علامت:

①: آپ ظاہر طور پر انکے غلام تھے۔ غلام کبھی اس قسم کی جرات نہیں کرسکتا' اپنے مالک کی زوجہ سے زبردستی برائی کا مرتکب ہو۔

②: عزیزِ مصر اور اس کے گھر کے دوسرے لوگوں نے جب یہ دیکھ لیا تھا کہ یوسف علیہ السلام دروازے سے نکلنے کے لئے شدید طور پر دوڑ رہے ہیں تو انہوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ برائی کو چاہنے والا خود دوڑ کر کبھی نہیں نکلا کرتا۔

③: ان لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس عورت نے اپنے آپ کو خوب آراستہ کیا ہوا ہے لیکن یوسف علیہ السلام عام لباس میں ہیں' انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کون کسے اپنے طرف مائل کر رہا تھا۔

④: وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے حالات کا ایک طویل مدت سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ کی علامت آپ کے اطوار ان سے پوشیدہ نہیں تھے' وہ خود ہی سمجھ رہے تھے کہ یوسف (علیہ السلام) کبھی برائی کا ارادہ نہیں کرسکتا۔

⑤: عورت نے آپ کی طرف ظاہر طور برائی کو منسوب نہیں کیا بلکہ کہا اگر کوئی ایسا کرے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے واضح طور پر اس کی طرف منسوب کیا۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ سچے تھے کیونکہ جھوٹا شخص کسی دوسرے کی طرف اس قسم کی تہمت منسوب کرنے میں خائف رہتا ہے۔

⑥: عزیزِ مصر نامرد تھا۔ عورت کی جنسی خواہشات اس سے پوری ہونا تو درکنار حاصل ہی نہیں ہو رہی تھی' اس حالت کے پیش نظر بھی واضح ہو رہا تھا کہ میلان اسی کی جانب سے تھا۔ [1]

یوسف علیہ السلام کے بری ہونے پر گواہی:

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ۝

(سورۃ یوسف 13:12)

"آپ نے کہا: اس نے مجھے اپنی طرف میلان کرانا چاہا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر ان کی قمیص آگے سے پھٹی ہے عورت سچی اور انہوں نے غلط کیا اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے ہیں' پھر جب عزیز نے آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی' تو اس نے کہا بے شک تم عورتوں کا مکر ہے بیشک تمہارا مکر بڑا ہے۔ اے یوسف! تم اس کا

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 123

خیال نہ کرو(غم نہ کرو)،اور اے عورت! تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔بے شک تو خطاداروں میں سے ہے۔''

گواہی دینے والا اس عورت کا رشتہ دار لڑکا تھا' جو ابھی شیر خوار بچہ تھا اس کی عمر تین ماہ تھی اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی طاقت دی' اس سے گواہی دلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو الزام سے بری قرار دیا' اگرچہ اتنی عمر میں بچہ کا بولنا ہی آپ کی پاکدامنی کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا لیکن اللہ نے اس سے ایسا حکیمانہ جواب دلایا جو بہت بڑی قوی دلیل بھی بن گیا۔

آگے سے قمیص کے پھٹنے کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ نے اس کا ارادہ کیا' اس نے مزاحمت کی گریبان پکڑ کر پیچھے کیا تو قمیص آگے سے پھٹ گئی۔اگر ایسی صورت ہوتی تو عورت کا سچا ہونا ثابت ہوتا لیکن پیچھے سے قمیص پھٹنے سے واضح ہو رہا تھا کہ آپ کو زبردستی کمرہ میں بند کیا گیا۔آپ جان چھڑانے کے لئے بھاگے آپ کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی گئی تو قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔اس جواب اور دلیل پر ہی عزیز مصر نے آپ کو کہا آپ سچے ہیں' کچھ غم دل میں نہ لائیں اور اپنی زوجہ کو کہا: یہ تمہارا مکر ہے تم اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ (1)

عزیز مصر کی عورت پر مصر کی عورتوں کی طعنہ زنی:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(سورۃ یوسف 14:12)

''اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔بے شک اس کی محبت اس کے دل میں سرایت کر گئی ہم تو اسے واضح طور پر محبت میں گم اور غلطی پر پاتی ہیں۔''

یہ واقعہ پورے شہر میں مشہور ہو گیا تھا، کئی عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی کتنی غلطی پر ہے جو اپنے گھر رکھے ہوئے نوجوان سے اتنی شدید محبت کرتی ہے کہ اسے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔{قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا} کا مطلب ہے کہ اس کے دل پر محبت نے اس طرح گھیرا ڈال لیا ہے' جس طرح کسی چیز کا غلاف اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور وہ محبت اس کے دل اور باقی چیزوں میں حجاب اختیار کر چکی ہے کہ سوائے اس نوجوان کے اور کسی چیز کا پتہ ہی نہیں۔ہم تو اسے اس نوجوان سے شدید محبت کرنے میں راہ راست سے بھٹکا ہوا پاتی ہیں۔

عزیز کی زوجہ کا عذر عجیب انداز میں:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً

''تو جب اس (زلیخا) نے اس کا چرچا سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 221

وَاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝

(سورۃ یوسف 14:12)

اوران کے لئے مسندیں تیار کیں اوران میں سے ہر ایک کو ایک چھری دی اور یوسف (علیہ السلام) سے کہا ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بولیں اللہ کی پاکی ہے یہ تو جنسِ بشر سے نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ ہے اس نے کہا تو یہ ہیں وہ جن پر مجھے طعنہ دیتی تھیں اور بے شک میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچایا اور بے شک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں ضرور قید میں پڑیں گے اور وہ ضرور ذلت اٹھائیں گے۔"

جب عزیز کی زوجہ نے مصری عورتوں کے مکر کو سنا' ان کے کلام کو مکر سے تعبیر کرنے کی تین وجہ ہیں:

پہلی وجہ: عورتوں نے جب یہ واقعہ سنا وہ بھی دل میں خواہش رکھنے لگیں کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھیں اور وہ یہ بھی سمجھتی تھیں کہ جب وہ زلیخا کا تذکرہ کریں گے تو یقیناً وہ یوسف علیہ السلام کو ہم پر پیش کر کے اپنا عذر پیش کرے گی تو انہوں نے اس لئے اس کیخلاف کام کر کے یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کا ایک حیلہ کیا جسے "مکر" سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ عزیز کی زوجہ نے ان عورتوں سے اپنی محبت کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ساتھ انہیں اس بھید کے چھپانے کے لئے کہا تھا لیکن جب عورتوں نے ظاہر کر دیا تو ان کی دھوکہ بازی کو "مکر" کہہ دیا۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ انہوں نے اس کی غیبت کی' غیبت بھی حقیقت میں "مکر" کے مشابہ ہے۔ [1]

یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے:

عزیز کی زوجہ نے ان عورتوں کی دعوت کی' جو اس کے متعلق کلام کرتی تھیں۔ وہ بڑے بڑے سرداروں' وڈیروں کی بیویاں تھیں' جن کی تعداد چالیس تھی۔ ان میں پانچ عورتیں یہ بھی تھیں' جو بہت باتیں کرتی تھیں:

① : عزیز کو پانی پلانے والے کی زوجہ
② : وزیر جیل کی زوجہ
③ : روٹیاں پکانے والی عورت' جس نے اتنے عرصہ میں یوسف علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا۔
④ : عزیز کے جانوروں کے محافظ کی زوجہ
⑤ : اور دربان کی زوجہ

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 126

دعوت کی مجلس میں ہر ایک کے لئے نشست مقرر تھی۔ تکیے لگا دیئے گئے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چن دیئے گئے پھل بھی رکھ دیئے گئے پھلوں یا گوشت یا خصوصاً لیموں کاٹنے کے لئے چھریاں بھی رکھ دی گئیں ہر نشست کے سامنے ایک ایک چھری رکھی گئی تھی۔

جب عورتیں آ گئیں اپنی اپنی نشست پر براجمان ہو گئیں تو عزیز کی زوجہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے کمرہ سے باہر نکلو اور ان عورتوں کی محفل کے سامنے سے گذر جاؤ تاکہ یہ آپ کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ یوسف علیہ السلام پہلے ہی اس عورت کی ایک سازش کا شکار ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا تھا۔ اب یہی خوف دل میں آ رہا تھا کہ اس کا حکم نہ ماننے پر کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے۔ آپ کو مجبوراً نکل کر عورتوں کے سامنے سے گذرنا پڑا۔ (1)

جب یوسف علیہ السلام ان کے سامنے سے گذرے......

"اِنَّهَا لَهَا دُهِشَتْ فَكَانَتْ تَظُنُّ اَنَّهَا تَقْطَعُ الْفَاكِهَةَ وَكَانَتْ تَقْطَعُ يَدَ نَفْسِهَا" "تو وہ آپ کو دیکھ کر اتنی دہشت میں آ گئیں کہ پھل لے کر ان کو چھریوں سے کاٹنے لگی تھی لیکن اپنے ہاتھ کاٹ کر زخمی کر لئے۔"

یا انہوں نے اپنے ہاتھ اس وجہ سے کاٹ لئے کہ آپ کو دیکھ کر اس طرح مدہوش ہوئیں کہ انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ چھریاں سیدھی پکڑ رہی ہیں یا الٹی سیدھی جانب اپنے ہاتھوں کی طرف کر دی اور الٹی جانب پھلوں کی طرف کر کے پھلوں کو کاٹنے کی غرض سے چھریوں کو جیسے چلایا تو ہاتھ کٹ گئے۔

یہ بھی ممکن ہے کچھ عورتوں نے چھریاں الٹی چلا کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے ہوں اور کچھ نے پھل کاٹ کر ہاتھوں تک چھریاں چلا دی ہوں۔ (2)

ہاتھ کاٹنے کی وجہ جمال یوسف پر فریفتہ ہونا:

اس میں اکثر اہل علم کا اتفاق ہے:

"اِنَّمَا اَكْبَرْنَهُ بِحَسْبِ الْجَمَالِ الْفَائِقِ وَالْحُسْنِ الْكَامِلِ" "کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عمدہ جمال اور کامل حسن کی وجہ سے عظیم سمجھا تھا یہی وجہ تھی ان کے ہاتھ کاٹنے کی۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال میں باقی لوگوں پر اس طرح فضیلت حاصل تھی جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں: جب معراج کی رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میرا گزر

---

(1) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 127 (2) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 127

یوسف علیہ السلام کے قریب سے ہوا تو میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا: یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔

"فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَیْفَ رَاَیْتَہٗ قَالَ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ" "آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے انہیں کیسے پایا تو آپ نے فرمایا ایسے ہی جیسے چودھویں کا چاند۔"

یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں چلتے تو آپ کے چہرہ کی نورانیت کی وجہ سے دیواریں اسطرح روشن ہو جاتیں جس طرح سورج کی شعاعوں سے روشنی پھیل جاتی ہے۔

آدم علیہ السلام کو جس دن قبضہ قدرت سے تخلیق کیا گیا اس دن آپ کو جو جمال عطا کیا گیا تھا' اسی کے مشابہ یوسف علیہ السلام کو بھی حسن و جمال عطا کیا گیا۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان عورتوں نے آپ کے نور نبوت و رسالت اور خضوع و خشوع کے آثار کو دیکھا اور نبوت کے رعب و جلال کا مشاہدہ کیا اور جب یہ دیکھا کہ یہ شخص تو فرشتہ سیرت ہے' اس نے طعام کو نہیں دیکھا' ہم نوجوان عورتوں کو نہیں دیکھا' اسے ہماری ذرا پرواہ تک نہیں ہوئی۔ ظاہری صورت بھی عظیم اور سیرت بھی عظیم۔ بس یہی دیکھ کر انہوں نے تعجب کیا فریفتہ ہو گئیں' اپنے ہوش و حواس قائم نہ رکھ سکیں' اور اتنا سمجھ لیا کہ یہ کوئی عام انسان نہیں' یہ تو کوئی مقرب فرشتہ ہے۔ ہاں! یہ کیوں نہ ہوتا' جب کہ نبی کا مقام فرشتوں سے بلند ترین ہوتا ہے۔ (1)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے بھی زیادہ حسین:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے چاندنی رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا:

"فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِلَی الْقَمَرِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ" (2) "تو میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف' جب کہ آپ نے سرخ دھاریوں والا لباس زیب تن کر رکھا تھا آپ مجھے چاند سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہے تھے۔"

یوسف علیہ السلام کا قید خانہ کی دعا کرنا اور اس کا قبول ہونا:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰھِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنْہُ کَیْدَھُنَّ ۭ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ "یوسف علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 127 (2) ترمذی' دارمی' مشکوۃ باب اسماء النبی وصفاتہ ج 2' ص 517

بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ (سورۃ یوسف 12:14)

ہوں گا اور نادان بنوں گا تو اس کے رب نے اس کی سن لی اور اس سے عورتوں کا مکر پھیر دیا بے شک وہی سنتا جانتا ہے' پھر تمام پہلی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان پر یہی ظاہر ہوا کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں رکھا جائے۔''

جب عزیز مصر کی زوجہ نے مصر کی عورتوں کے سامنے کہا کہ اگر اس نے میرے بات کو نہ مانا تو اسے قید خانہ میں جانا پڑے گا اور ذلیل ہونا پڑے گا تو دعوت پر بلائی ہوئی تمام عورتوں نے اجتماعی طور پر یوسف علیہ السلام کو سمجھانا شروع کیا کہنے لگیں: تمہارے لئے یہ بہتر نہیں کہ تم اس کے حکم کی مخالفت کرو کیوں کہ مخالفت کی صورت میں تمہیں قید خانہ میں جانا پڑے گا اور ذلت اٹھانا پڑے گی۔ اب یوسف علیہ السلام کو چند مشکلات کا سامنا تھا:

(1): عزیز کی زوجہ کا بہت زیادہ حسین وجمیل ہونا۔

(2): اس کا مال ودولت کا مالک ہونا' یہ عزم کرنا کہ یوسف (علیہ السلام) سے اپنا مطلوب حاصل کرنے میں تمام مال و دولت قربان کرنا پڑا تو قربان کردوں گی۔

(3): تمام عورتیں اجتماعی طور پر آپ کو رغبت بھی دلا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ خوف بھی دلا رہی تھیں۔ ایسے حالات میں عورتوں کا مکر بھی بہت بڑا مکر ہوتا ہے۔

(4): آپ کو یہ بھی ڈر تھا کہ اس کی مخالفت کرنے میں اس کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو قتل ہی کرا دے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ مجھے قید خانہ میں بھیج دیں تو میرے لئے بہتر ہوگا۔

انسان اپنی بشری قوت اور انسانی طاقت کے پیش نظر ایسے حالات میں اپنے آپ کو بچا سکے' یہ بہت مشکل معاملہ ہے۔ اسی لئے آپ نے دعا کی:

''اے اللہ! تو مجھے ان عورتوں کے مکر سے بچا سکتا ہے۔ اگر تیرا فضل نہ ہو تو انسان ایسے گناہوں میں مبتلا ہو کر جاہل بن جاتا ہے۔ اے اللہ! مجھے جس کام کی یہ دعوت دے رہی ہیں اس سے بہتر میرے لئے قید خانہ ہی ہے۔'' [1]

خیال رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لئے مشکل راہ کا انتخاب کیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی:

"يَا يُوْسُفُ اَنْتَ جَنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ وَلَوْ قُلْتَ الْعَافِيَةُ اَحَبُّ اِلَيَّ عُوْفِيْتَ" ''اے یوسف! تم نے اپنے لئے مشکل راستہ اختیار کیا۔ اگر تم یہ کہتے مجھے عافیت زیادہ پسند ہے (اس سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں) تو تمہیں ان سے عافیت دلا دی جاتی۔''

---

[1] تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 130

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کا رد کیا جو مصائب پر صبر کی دعا کر رہا تھا۔ ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا {اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصَّبْرَ} اے اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں' یعنی مجھے مصائب و آلام پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرما' تو حضور ﷺ نے فرمایا: {سَأَلْتَ اللّٰهَ تَعَالٰی الْبَلَاءَ فَاسْئَلْهُ الْعَافِيَةَ} ''تم نے اللہ تعالیٰ سے مصیبت کا سوال کیا ہے' تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔'' ❶

عزیز مصر اور دوسرے تمام سرکردہ لوگ یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا یقین کر چکے تھے:

"هِیَ الشَّوَاهِدُ الدَّالَّةُ عَلٰی بَرَاءَتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَطَهَارَتِهٖ" ''آپ کے عیوب سے بری ہونے اور پاک دامنی پر دلالت کرنے والے شواہد وہ لوگ دیکھ چکے تھے۔''

لیکن آپ کو صرف ظاہری مصلحت کے پیش نظر انہوں نے قید خانہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ عزیز مصر کی زوجہ کے علاوہ اب دوسری عورتیں بھی آپ پر عاشق ہو چکی تھیں۔ گھر گھر یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا چرچا ہو رہا تھا وہ لوگ اپنی عورتوں کو روکنے میں تو ناکام ہو گئے۔ البتہ آپ کو قید خانہ میں بھیجنے کا انہوں ایک حل سمجھا تھا۔ اصل میں آپ کی اپنی دعا کا اثر ہی تھا:

"وَعَنْ عَلِیِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِ سِرًّا تَسْاَلُهُ الزِّيَارَةَ" ''حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک ہر عورت نے ان عورتوں میں سے جو دعوت پر مدعو تھیں آپ کی طرف پوشیدگی میں یہ پیغام بھیجے تھے جو آپ سے زیارت کرنے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔''

اس طرح عزیز کی زوجہ نے اپنے خاوند کو کہا: کہ یہ عبرانی غلام مجھے بدنام کر رہا ہے کہ میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن وہ بچ گیا وہ چونکہ باہر نکل سکتا ہے اور میں گھر میں محبوس ہوں یا مجھے بھی باہر بازاروں میں جا کر اس کا جواب دینے کی اجازت دی جائے یا اسے بھی قید کر لیا جائے۔ تو اس طرح عزیز اور دوسرے وڈیروں نے آپ کو قید میں بھجوا دیا۔ ❷

دو قیدیوں کا یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھنا:

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورۃ یوسف 12:14)

''انکے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے۔ ان میں ایک بولا: میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا: میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر بتایئے بے شک ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔''

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 235
❷ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 237

خواب دیکھنے والے دونو جوان بادشاہ ''ریان بن ولید'' کے غلام تھے۔ایک اس کو مشروبات پلانے پر مقرر تھا اور دوسرا روٹیاں پکانے پر ان دونوں پر الزام یہ تھا کہ یہ بادشاہ کو زہر کھلانا چاہتے ہیں۔مشروبات پلانے والے کا نام ''ابروھا'' یا ''یونا'' تھا اور روٹیاں پکانے والے کا نام ''غالب'' یا ''مخلب'' تھا۔ان دونوں کو بھی اس الزام کی وجہ سے قید خانہ میں بھیج دیا گیا تھا۔❶

ایک نے اپنا خواب بیان کیا کہ:

''میں نے انگور کی ایک بہت خوبصورت بیل دیکھی جس کی تین شاخیں ہیں اور ان پر انگور کے گچھے لگے ہوئے ہیں'' میں انہیں نچوڑ کر بادشاہ کو پلا رہا ہوں۔''

خیال رہے کہ شراب (خمر) بھی انگور کے نچوڑ سے ہی بنتا ہے اس لئے اس شخص نے انگور نچوڑنے کو شراب نچوڑنے سے تعبیر کر دیا۔دوسرے نے اپنا خواب بیان کیا کہ

''میں نے دیکھا کہ میں بادشاہ کے باورچی خانہ سے نکل رہا ہوں اور میرے سر پر تین ٹوکریاں روٹیوں کی ہیں جن کے اوپر سے پرندے کھا رہے ہیں۔''❷

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں آئے تھے۔آپ نے بتایا کہ میں خوابوں کی تعبیر بیان کرتا ہوں کئی لوگوں کو آپ پہلے بھی خوابوں کی تعبیریں بتا چکے تھے' جو سچی ثابت ہوئی تھیں۔اس لئے ان دو شخصوں نے بھی آپ سے تعبیر پوچھی کہ آپ سچی تعبیر بتاتے ہیں۔آپ صاحب علم ہیں' آپ بہت اچھے شخص ہیں' تمام قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے اچھے افعال پر مطلع تھے۔آپ نماز' روزہ کے پابند تھے' ہر قسم کے نیکی کے کام کرنا' آپ کی عادت شریفہ تھی۔آپ کے اچھے اخلاق کسی پر مخفی نہ تھے۔آپ مریضوں کی عیادت کرتے' غمناک لوگوں کے دلوں کی ڈھارس باندھتے۔

جب یوسف علیہ السلام قید خانہ میں گئے تو وہاں قیدیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی امیدیں منقطع کئے ہوئے ہیں' شدید مصائب اور طویل غموں میں مبتلا ہیں۔آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا: خوش ہو جاؤ' صبر کرو' اللہ تعالیٰ صبر کا اجر ضرور عطا فرماتا ہے۔قوم نے کہا: اے جوان! آپ کا چہرا کتنا حسین ہے؟ آپ کی صورت کتنی ہی خوبصورت ہے؟ آپ کے کتنے ہی اچھے اخلاق ہیں؟ جب سے تم نے ہمیں بتایا: صبر پر اجر ہے اور مصیبت گناہوں کا کفارہ ہے اور مصائب و آلام گناہوں سے پاکیزگی کا ذریعہ ہیں تو ہمیں تمہارے قرب اور نصائح سے برکت حاصل ہو گئی ہے۔انہوں نے پوچھا: اے جوان تم کون ہو؟ آپ نے بتایا: میں یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم ہوں۔قید خانہ کے ناظم اعلیٰ نے کہا: اے نو جوان! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں آزاد کر دیتا۔یہ تو میرے اختیار میں نہیں' البتہ تمہارے پڑوس میں رہنے والے قیدیوں پر اچھا سلوک کروں گا۔آپ کے ان فضائل و کمالات کو دیکھ کر ان دونوں قیدیوں نے آپ سے حقیقتاً دیکھے ہوئے خوابوں کی تعبیر پوچھی یا صرف حضرت یوسف علیہ السلام

❶ روح البیان' علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ' ج 4 ص 332 ❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 239

کو آزمانے کے لئے من گھڑت خواب بیان کئے۔

ایک قول یہ ہے کہ قید خانہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ میں خواب کی تعبیریں جانتا ہوں' تو ان دونوں نے ایک دوسرے کو کہا: کہ اس عبرانی غلام کی آزمائش کرنی چاہیے ہم اپنی طرف سے خود خواب بنا کر اس پر پیش کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اگرچہ انہوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا خود ہی خواب وضع کر کے سوال کیا:

"قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَا کَانَا رَاٰیَا شَیْئًا وَاِنَّمَا تَحَالَمَا یَخْتَبِرَا عِلْمَهٗ" ❶

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کو آزمانے کے لئے خود ہی خواب گھڑے تھے۔''

یوسف علیہ السلام کا تعبیر بیان کرنا:

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ O

(سورۃ یوسف 15:12)

''اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلائے گا' رہا دوسرا سولی دیا جائے گا پرندے اس کا سر کھائیں گے۔ حکم ہو چکا ہے اس بات کو جس کا تم سوال کرتے تھے۔''

آپ نے جب یہ تعبیر بیان کی تو وہ کہنے لگے ''مَا رَاَیْنَا شَیْئًا'' ہم نے تو کوئی خواب نہ دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: حکم ہو چکا ہے اس بات کا جو تم سوال کرتے تھے۔

"اِنَّ الَّذِیْ ذَکَرَهٗ وَاقِعٌ لَا مَحَالَةَ"

''بے شک جو تعبیر آپ نے بیان فرمائی اس نے یقیناً واقع ہونا ہی تھا۔''

کیونکہ آپ نے تعبیر بیان کرنے سے پہلے ہی فرما دیا تھا {ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ} میں تمہیں تمہارا کھانا آنے سے پہلے خواب کی تعبیر بتا دوں گا کیونکہ میرے رب نے مجھے علم دیا ہے' یعنی آپ نے بہت واضح طور پر بتا دیا کہ میں خوابوں کی تعبیر کوئی ظن یا تخمینہ سے بیان نہیں کرتا یہ تو میرے رب کا دیا ہوا علم ہے جس کی وجہ سے میں بیان کرتا ہوں۔

"وَلَقَدْ دَلَّهُمَا بِذٰلِكَ عَلٰى اَنَّ لَهٗ عُلُوْمًا جَمَّةً مَا سَمِعَاهُ قَطْرَةٌ مِنْ تَیَّارِهَا وَزَهْرَةٌ مِنْ اَزْهَارِهَا" ❷

''آپ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالی نے مجھے کثیر علوم عطا فرمائے ہیں یہ جو تم نے سنا ہے یہ تو بارش کا ایک قطرہ ہے' باغ کے پھولوں میں سے ایک کلی ہے۔''

❶ تفسیر کبیر' ج18' ص134......روح المعانی' ج7' ص238 ❷ کبیر' ج18' ص143......روح المعانی' ج7' ص241

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے پاس ذکر کرنے کے متعلق کہنا:

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ (سورۃ یوسف 15:12)

''اور یوسف (علیہ السلام) نے ان دونوں میں سے جسے بچتا سمجھا اس سے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے بادشاہ کے سامنے یوسف (علیہ السلام) کا ذکر کرے تو یوسف علیہ السلام کئی برس اور قید خانہ میں رہے۔''

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر لفظ ''ظن'' کا معنی ''سمجھا'' کیا ہے ''گمان کیا'' ترجمہ نہیں کیا: کیونکہ اہل علم کا اس میں ایک قول یہی ہے کہ اس کے فاعل یوسف علیہ السلام ہیں۔ نبی کا علم ظنی نہیں ہوتا بلکہ یقینی ہوتا ہے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا ایک قول یہ ہے:

"اِنْ تُحْمَلُ هٰذَا الظَّنُّ عَلَى الْعِلْمِ وَالْيَقِيْنِ وَهٰذَا اِذَا قُلْنَا بِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّمَا ذَكَرَ هٰذَا التَّعْبِيْرَ بِنَاءً عَلَى الْوَحْيِ قَالَ هٰذَا الْقَائِلُ وُرُوْدُ لَفْظِ الظَّنِّ بِمَعْنَى الْيَقِيْنِ كَثِيْرٌ فِی الْقُرْاٰنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَقَالَ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ [1]

''کہ یہاں لفظ ظن کو علم اور یقین کے معنی میں لیا جائے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر وحی سے بیان فرمائی اور قرآن پاک میں بہت مقامات پر ظن بمعنی یقین استعمال ہے جس طرح ذکر کردہ آیتوں میں یظنون اور ظننت یقین کے معنی میں استعمال ہیں۔''

مقربین کے لئے قوانین ہی اور ہیں:

اہل علم نے یہ ضابطہ کیا ہے: {حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ} عام نیک لوگوں کی نیکیاں بھی بعض اوقات خاص مقرب لوگوں کے لئے ان پر عمل کرنا اچھا نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے اس مرتبہ سے بلند مرتبہ ہوتا ہے لہذا ان کے اعمال بھی بلند مرتبہ کے ہونے چاہئیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں:

"اِنَّ الْاِسْتِعَانَةَ بِالْعِبَادِ فِیْ كَشْفِ الشَّدَائِدِ مِمَّا لَا بَأْسَ بِهٖ"

''کہ اللہ کے بندوں سے مشکلات میں امداد طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

کیونکہ خود رب قدوس نے بیان فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (سورۃ مائدہ 5:6)

''نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

---

[1] تفسیر کبیر، علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 143

عام لوگوں کے لئے یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی مشکلات میں امداد طلب کریں' لیکن انبیائے کرام کا مقام ہی کچھ اور ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کیا کہ جب وہ میرے حال سے باخبر ہے تو مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قید سے نجات پانے والے کو کہا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پیار و محبت سے آپ کو تنبیہ فرمائی: اے میرے پیارے! ذرا غور تو کرو' تمہیں بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے کس نے بچایا؟ تمہیں کنوئیں سے کس نے نکالا؟ تمہیں عورت کے بہتان سے کس نے بچایا؟ عرض کی: مولائے کائنات! یہ تیرے ہی فیضان تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: پھر انسان کے سامنے ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ یوسف علیہ السلام نے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اے میرے مولا! بس ویسے ہی زبان پر آ گیا تھا۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے دو غلاموں کو خواب کی تعبیر بیان کرنے سے پہلے پانچ سال قید خانہ میں گذار لئے تھے اور مزید سات سال آپ نے اور گذارے یعنی بارہ سال اللہ کے نبی نے اپنی پاک دامنی کے لئے قید خانہ میں گذار دیئے۔ انبیاء کرام سے بہت مشکل امتحان لئے گئے۔ (1)

بادشاہ کو خواب آنا:

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾

(سورۃ یوسف 16:12)

''اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھیں سات موٹی گائیں کہ انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات بالیاں (سٹے) ہری اور دوسری سات سوکھی۔ اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو، بولے: پریشان خوابیں ہیں اور ہم پریشان خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔''

رب تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اسباب پیدا فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو بھی جب قید سے نکالنے کا ارادہ فرمایا تو اس کا سبب یہ پیدا فرمایا کہ مصر کے بادشاہ ''ریان'' نے خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائے ایک خشک نہر سے نکلیں اور سات ہی لاغر گائے' لاغر گائے موٹی گائے کو کھا گئیں اور اس نے دیکھا کہ سات بالیاں جو دانوں سے بھرپور اور سبز ہیں اور سات دوسری خشک کو دیکھا جو سبز پر لپٹ کر ان پر غالب آ گئیں۔ بادشاہ نے اپنے درباری کاہنوں' نجومیوں کو جمع کر کے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی' انہوں نے کہا: اگر خواب میں کوئی ترتیب ہوتی' جو واقعات کی

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ اول ص 248

نشاندہی کرتی تو ہم تعبیر بتاتے۔ یہ خواب تو بلا ترتیب ہیں' ان میں اختلاط واضطراب پایا گیا ہے' اس لئے یہ پراگندہ خیالات ہیں ۔ان کی تعبیر کچھ بھی بیان نہیں کی جا سکتی لیکن بادشاہ بہت زیادہ پریشان تھا کہ کمزور کا طاقتور پر غالب آ جانا اور خشک کا سبز پر غالب آ جانا' یقیناً کسی خطرہ کی علامت ہے۔ ❶

بادشاہ کی پریشانی کو دیکھ کر اس سابق قیدی شخص کو یاد آیا جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "تو نجات پائے گا" ۔اس نے کہا: مجھے قید خانہ میں بھیجو! وہاں ایک عالم شخص ہے وہ اس خواب کی تعبیر بیان کرے گا تو میں واپس آ کر تمہیں بتاؤں گا۔ وہ شخص آپ علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں آ کر بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے لگا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ ایک اور شخص تھا جس نے یوسف علیہ السلام کا چرچا سن رکھا تھا۔ بادشاہ کے خواب بیان کرنے اور پریشانی کو دیکھ کر کچھ وقت کے بعد اسے یاد آیا کہ میں قید خانہ میں اس شخص کے پاس جا کر پوچھوں' جس کے متعلق مشہور ہے کہ "وہ خوابوں کی تعبیر صحیح بیان کرتا ہے۔"

سبحان اللہ! مقام نبی کتنا ہے؟ جب سائل نے تعبیر پوچھی تو اسے یہ نہ کہا کہ "سات سال بعد میری کیسے یاد آ گئی؟" اور یہ بھی نہ کہا: کہ "پہلے بادشاہ کو کہو کہ مجھے بے گناہ قید میں ڈالا ہوا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ مجھے پہلے قید خانہ سے نکالو تو تعبیر بتاؤں گا۔" نہیں' نہیں! صابر و شاکر نبی نے کوئی شرط نہ لگائی اور نہ ہی اس شخص کو طعنہ دیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام بیان کرتے ہیں:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

(سورۃ یوسف 16:12)

"آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک لگاتار جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں (بالیوں) میں' مگر تھوڑا سا (ضرورت کیلئے نکال لو) جسے تم کھا لو۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات سال بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا ان کے لئے تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں بارش برسائی جائے گی لوگوں کے لئے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے۔"

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بھی بیان کی کہ سات سال غلہ تمہیں عام دستور کے مطابق حاصل ہوگا۔ پھر سات سال قحط ہوگا' بارشیں نہیں ہوں گی۔ یہ قحط والے سال پہلے سالوں کے جمع شدہ غلہ کو ختم کر دیں گے۔ اس کے بعد پھر ایک سال خوشحالی

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18' ص 147

کا دور دورہ ہوگا' بارشیں کثیر ہوں گی۔ جن کی وجہ سے انگور' زیتون' گنے اور تل وغیرہ کی کثیر پیداوار ہوگی' جن سے تم رس نکالو گے اور بعض سے تیل نکالو گے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساتھ ساتھ اس کے لئے احتیاطی تدابیر بھی بیان کیں کہ پہلے سات سالوں کے پیدا ہونے والے غلہ کو بے دریغ استعمال نہ کرنا صرف اتنا غلہ صاف کرنا یعنی بھوسہ اور دانوں کو اتنی مقدار میں علیحدہ کرنا جس سے تمہاری ضروریات پوری ہو سکیں۔ باقی غلہ بالیوں (خوشوں) میں ہی رہنے دینا' اس سے خرچ میں احتیاط ہوگی اور دانے کیڑے مکوڑوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔

بادشاہ کا یوسف علیہ السلام کو بلانا اور آپ کا انکار:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾

(سورۃ یوسف 12:17)

''اور بادشاہ نے کہا: انہیں میرے پاس لے آؤ تو جب قاصد ان کے پاس آیا آپ نے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا' پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے بے شک میرا رب ان کا فریب جانتا ہے۔ بادشاہ نے کہا: اے عورتو! تمہارا کیا معاملہ ہوا' جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا؟ انہوں نے کہا: اللہ کی پاکی ہے ہم نے ان میں کوئی بدی نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی بولی: اب اصلی بات کھل گئی۔ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بے شک وہ سچے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ دغابازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر دیکھئے! بارہ سال قید میں رہنے کے باوجود جب قید خانہ سے نکلنے کا پیغام ملتا ہے تو آپ خوشی سے جلدی نکلنے کے بجائے انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ پہلے معاملہ کی چھان بین کر لیں پھر میں قید خانہ سے باہر آؤں گا۔ اگر آپ جلدی سے باہر آ جاتے تو عین ممکن تھا کہ بادشاہ کے دل میں اس تہمت کے حق ہونے کا وسوسہ باقی رہتا۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد بادشاہ کو یقین ہو گیا۔ عورتوں نے آپ کی پاک دامنی کا واضح اعلان فرما دیا۔ عزیز کی زوجہ جس نے ابھی تک اقبال جرم نہیں کیا۔ اب وہ بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو پاک دامن اور سچا کہنے لگی۔ اس طرح بادشاہ پر یہ

حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ آپ سچے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُوْلَ مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ" ❶ "اگر میں یوسف علیہ السلام کی طرح زیادہ دیر قید میں رہتا تو دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔"

یاد رہے! نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہونے کے باوجود عاجزانہ کلام فرماتے ہوئے یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف کر رہے ہیں۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اگر نبی کریم ﷺ اس مقام پر ہوتے تو معاذ اللہ صبر نہ کرتے بلکہ فوراً باہر آ جاتے۔ یہ ایک بامحاورہ کلام ہے' عاجزانہ کلام میں حقیقت کا بیان نہیں ہوتا۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا:

" وَقَالَ ابْنُ الْمَلِكِ اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا لَيْسَ اِخْبَارٌ عَنْ نَّبِيِّنَا ﷺ بِتَضَجُّرِ صَبْرِهٖ بَلْ فِيْهِ دِلَالَةٌ عَلٰى مَدْحِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَرْكِهِ الْاِسْتِعْجَالَ بِالْخُرُوْجِ لِيَزُوْلَ عَنْ قَلْبِ الْمَلِكِ مَا اُتُّهِمَ بِهٖ مِنَ الْفَاحِشَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ بِعَيْنِ مَشْكُوْكٍ" ❷

"ابن ملک نے کہا: جان لو! بیشک اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اپنی پریشانی اور صبر کی کمی کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح کی گئی ہے کہ آپ نے جلدی نکلنا پسند نہ فرمایا کہ بادشاہ کے دل سے یہ بات نکل جائے جو آپ پر برائی کی تہمت لگائی گئی تھی یعنی بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ آپ پر غلط تہمت لگائی گئی تھی اور وہ آپ کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔"

فائدہ:

"وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى فَضِيْلَةِ الْعِلْمِ فَاِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ جَعَلَ عِلْمَهٗ سَبَبًا لِخَلَاصِهٖ مِنَ الْمِحْنَةِ الدُّنْيَوِيَّةِ فَكَيْفَ لَا يَكُوْنُ الْعِلْمُ سَبَبًا لِلْخَلَاصِ مِنَ الْمِحَنِ الْاُخْرَوِيَّةِ" ❸

"بادشاہ نے کہا: ان کو میرے پاس لے آؤ اسکی وجہ یہ تھی کہ اسے جب معلوم ہوا کہ آپ بڑے صاحب علم ہیں تو اس نے کہا: ایسا صاحب علم قید میں رہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سے علم کی فضیلت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم کو دنیا میں مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ دینی علوم آخرت کی مشکلات سے چھٹکارا دلانے کا ذریعہ نہ بن سکیں؟"

---

❶ مسلم' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ' ج1 ص85

❷ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج11' ص

❸ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج18' ص151

قید خانہ سے نکل کر وزیر خزانہ اور وزیر اعظم:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

(سورۃ یوسف 13:1)

''اور بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لے آؤ میں انہیں خاص اپنے لئے چن لوں پھر جب ان سے بات کی کہا بے شک آج آپ ہمارے ہاں معزز معتمد ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے' بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں اور یونہی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک پر قدرت بخشی اس میں جہاں چاہے رہے ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں اور ہم نیکوں کی نیکیاں ضائع نہیں کرتے اور بے شک آخرت کا ثواب ان کے لئے بہتر جو ایمان لائے اور پرہیزگار ہے۔''

بادشاہ نے معززین کی ایک جماعت بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز و سامان اور نفیس لباس دے کر قید خانہ بھیجی تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ایوان شاہی میں لائیں۔ ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا پیغام عرض کیا آپ نے قبول فرمایا اور قید خانہ سے نکلتے وقت قیدیوں کے لئے دعا فرمائی۔ جب قید خانہ سے باہر تشریف لائے' تو اس کے دروازے پر لکھا:

"هٰذِهٖ مَنَازِلُ الْبَلْوٰى وَقُبُوْرُ الْاَحْيَاءِ وَشَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ وَتَجْرِبَةُ الْاَصْدِقَاءِ"[1]

''یہ مصیبتوں کا گھر ہے زندہ لوگوں کے لئے قبر ہے اور دشمنوں کی بدگوئی بلکہ ان کے لئے خوش ہونے کا مقام ہے اور سچوں کے امتحان کی جگہ ہے۔''

پھر غسل کیا' اعلیٰ لباس پہنا اور شاہی محلات کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قلعہ کے پاس پہنچے تو فرمایا: میرا رب ہی کافی ہے اس کی پناہ بڑی اور اس کی ثناء برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر قلعہ میں داخل ہوئے' بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا کی:

''اے میرے رب تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کی اور دوسروں کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں''

جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ نے عربی میں سلام فرمایا۔ بادشاہ نے پوچھا: یہ کون سی زبان ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ میرے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے۔ پھر آپ نے عبرانی زبان میں دعا کی' اس نے پھر پوچھا: یہ کون سی زبان ہے؟

[1] تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 159

آپ نے فرمایا: یہ میرے ابا جان حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان ہے۔ بادشاہ دونوں زبانیں نہیں سمجھ سکا باوجود یکہ وہ ستر زبانیں جانتا تھا۔ پھر اس نے جس زبان میں حضرت سے گفتگو کی آپ نے اسی زبان میں اسے جواب دیا۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اس عمر میں یہ وسعت علوم دیکھ کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے آپ کو اپنے برابر جگہ دی۔ بادشاہ نے درخواست کی کہ حضرت اس کے خواب کی تعبیر اپنی زبان مبارک سے سنا دیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے خواب کی پوری تفصیل بھی سنا دی جس شان سے اس نے خواب دیکھا تھا حالانکہ پہلے اجمالی طور پر وہ خواب بیان کیا گیا تھا۔ اس پر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا کہنے لگا: آپ نے میرا خواب ہو بہو بیان فرما دیا' خواب تو عجیب تھا ہی مگر آپ کا اس طرح بیان فرما دینا زیادہ عجیب ہے۔ اب آپ تعبیر بھی بیان فرما دیں۔

آپ نے تعبیر بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ اب لازم یہ ہے کہ غلے جمع کئے جائیں اور ان فراخی کے سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے اور غلے ان کے خوشوں میں جمع کر لئے جائیں اور رعایا کی پیداوار سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے اس سے جو جمع ہو گا وہ مصر اور مصر کی اطراف کے لوگوں کے لئے کافی ہو گا اور پھر اللہ کی مخلوق ہر طرف سے تیرے پاس غلہ خریدنے آئے گی اور تیرے ہاں اتنے خزائن اموال جمع ہوں گے جو تجھ سے پہلوں کے لئے جمع نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا: اس کا انتظام کون کرے گا؟ آپ نے فرمایا: زمین کے خزانے میرے حوالے کر دے میں ان کی حفاظت بھی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے ان کا بہتر انتظام کروں گا۔

بادشاہ نے سمجھ لیا تھا کہ آپ سے زیادہ اس منصب کے لائق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کو تمام خزائن کا وزیر مقرر کر دیا۔ [1]

مسائل: احادیث میں ''طلب امارۃ'' (حکومت) کی ممانعت آئی ہے' لیکن اس کا مطلب ہے کہ جب ملک میں اس منصب کے اہل کئی لوگ موجود ہوں اور احکام الٰہی کو قائم کرنا کسی ایک شخص کے ساتھ قائم نہ ہو' اس وقت حکومت طلب کرنا مکروہ ہے' لیکن جب ایک ہی شخص اہل ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ نے احکام قائم کرنے کے لئے حکومت طلب کرنا جائز ہے' بلکہ واجب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی حال میں تھے آپ رسول تھے' قوم کی مصلحتوں کو جانتے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ شدید قحط ہونے والا ہے' جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو آرام اور آسائش پہنچانے کا یہی طریقہ ہے کہ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے' اس لئے آپ نے حکومت طلب کی۔

مسئلہ: ظالم بادشاہ کی طرف سے اگر اس لئے عہدے طلب کئے جائیں تا کہ انصاف کیا جائے گا' تو یہ جائز ہے۔ اگر قومی

---

[1] تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 159

خزانہ لوٹنے کے لئے عہدہ قبول کیا یا کسی پر ظلم کرنے کے لئے یا انتقامی کاروائی کرنے کے لئے تو یہ حرام ہے۔اس کو رحمان کا فضل نہ سمجھا جائے' بلکہ شیطان کا جال سمجھا جائے۔(''ریان ولید'' اس وقت کا فر تھا)

مسئلہ: اگر کافر یا فاسق بادشاہ کے حکومت میں شریک کرنے کے بغیر دین کے احکام کو جاری نہ کیا جا سکے تو کافر و فاسق کی حکومت میں شریک ہونا جائز ہے اور اس سے صرف دینی احکام کی ترویج کے لئے امداد لینا جائز ہے۔ظالموں کے ساتھ شریک ہو کر ظالم بن جانا دینِ اسلام سے بغاوت ہے۔

مسئلہ: اپنی خوبیاں فخر اور تکبر کی وجہ سے بیان کرنا جائز نہیں البتہ دوسروں کو نفع پہنچانے اور مخلوق کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے اگر ضرورت در پیش آئے تو اپنی خوبیاں اور اپنے علمی کمالات بیان کرنا جائز ہے۔اسی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صاحب علم اور حفاظت کرنے والا ہوں۔ (1)

یوسف علیہ السلام کی تاجپوشی:

ایک سال کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر آپ کی تاج پوشی کی اور تلوار اور مہر آپ کے سامنے پیش کی اور آپ کو طلائی تخت پر تخت نشین کیا جو جواہرات سے مرصع تھا۔اور اپنا ملک آپ کے سپرد کر دیا' لیکن تاج آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ میرا اور میرے آباء کا لباس نہیں۔البتہ انگوٹھی جو بطورِ مہر استعمال ہوتی تھی اسے اور تخت کو آپ نے قبول کر لیا کہ تخت کے ذریعے تمہاری سلطنت کو مضبوط کروں گا اور مہر کے ذریعے تمہارے امور کی تدبیریں سرانجام دوں گا۔

قطفیر (عزیزِ مصر) کو معزول کر کے آپ کو اس کی جگہ والی بنایا اور تمام خزائن آپ کے سپرد کر دیئے اور سلطنت کے تمام امور آپ کے ہاتھ میں دے دیئے اور خود ایک تابع کی حیثیت میں ہو گیا۔آپ کی رائے میں دخل نہیں دیتا تھا اور آپ کے حکم کو مانتا تھا اس طرح آپ وزیر اعظم بن گئے تمام اختیارات کے مالک بن گئے۔ (2)

آپ کی حکومت کے اثرات:

آپ نے عدل و انصاف کی بنیادوں پر اپنی حکومت کو قائم کیا' اسی لئے آپ کی حکومت دن بدن مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ تمام مردوں اور عورتوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے قحط سال کے آنے والے دنوں کے لئے غلوں کے ذخیرے جمع کرنے کی تعبیر فرمائی اس کے لئے بہت وسیع اور عالیشان انبار خانے (سٹور) تعمیر کرائے اور بہت کثیر ذخائر جمع کئے۔

جب فراخی کے سال گذر گئے اور قحط کا زمانہ آیا تو آپ نے بادشاہ اور اس کے خدام کے لئے روزانہ صرف ایک وقت

---

(1) تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 160 و خزائن العرفان (2) تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 162 و خزائن العرفان

کا کھانا مقرر فرمایا۔ ایک روز دوپہر کے وقت بادشاہ نے حضرت سے بھوک کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: یہ قحط سالی کی ابتداً کا وقت ہے' کیونکہ پہلے سال میں لوگوں کے پاس ذخیرے تھے' سب ختم ہو گئے' بازار خالی ہو گئے' چونکہ قحط کے سارے زمانہ میں آپ نے خود بھی کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ واقف حال لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: کہ اتنے کثیر خزانوں کے مالک ہو کر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس اندیشہ سے کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں بھوک کو نہ بھول جاؤں۔

سبحان اللہ! کیا پاکیزہ اخلاق ہیں آپ کے؟ ان پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے ہی بادشاہ بھی ایک وقت کے کھانے پر کفایت کر رہا تھا۔ اس نے بھی آپ کے جواب پر کوئی مزاحمت نہیں کی۔

تمام اہلِ مصر حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدنے لگے۔ تمام دراہم و دنانیر یعنی ان کا نقدی مال و دولت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جمع ہو گیا۔ دوسرے سال انہوں نے اپنے زیورات اور جواہر سے غلہ خریدا۔ اس طرح ان لوگوں کے تمام زیورات و جواہر آپ کے پاس آ گئے۔ تیسرے سال اپنے جانور دے کر غلہ خریدا' یہاں تک کہ مصر میں کوئی شخص کسی جانور کا مالک نہ رہا۔ تمام جانور بھی آپ کی ملکیت میں آ گئے۔ چوتھے سال اپنے غلام اور لونڈیاں دے کر غلہ حاصل ہوا۔ پانچویں سال تمام جاگیریں اور اراضی دے کر آپ سے غلہ خریدا۔ اس سال مصر کے لوگوں کے پاس سوائے اپنی جان اور اولاد کے کچھ بھی باقی نہ رہا تھا تمام ملکیت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آ چکی تھی۔ چھٹے سال جب ان کے پاس اور کچھ نہ بچا تو انہوں نے اپنی اولاد آپ کے پاس غلام کے طور پر دے کر غلہ حاصل کیا۔ اور ساتویں سال وہ لوگ خود غلہ حاصل کرنے کے لئے آپ کی غلامیت میں آ گئے۔ مصر میں مردوں اور عورتوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو آپ کی غلامیت میں نہ آیا ہو تمام لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسی عظمت و جلالت کسی بادشاہ کو میسر نہیں آ سکی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو کہا کہ تم نے دیکھ لیا ہے' اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کیسا کرم ہے؟ اس نے مجھ پر ایسا احسان عظیم فرمایا: اب ان کے حق میں تیری کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: جو آپ کی رائے ہے ہم تو آپ کے تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اور تمہیں گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام اہلِ مصر کو آزاد کر رہا ہوں اور ان کی تمام ملکیت اور جاگیریں انہیں واپس کر رہا ہوں۔

تمام لوگوں کو آپ کے غلام اور کنیزیں بنانے میں اللہ کی حکمت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام کی شان میں آئے تھے اور مصر کے ایک شخص کے خریدے ہوئے تھے۔ کیونکہ اب تو مصر کے تمام مصری آپ کے خریدے ہوئے اور آزاد کئے ہوئے تھے۔ ان پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ آزاد شخص کسی مجبوری سے غلامیت میں آنے سے در حقیقت غلام نہیں بنتا جیسے وہ لوگ حقیقت میں غلام نہیں بنے تھے۔ صرف ان پر غلام ہونے کی ایک حیثیت قائم کی گئی تھی کہ آپ کی شان

میں کوئی حرف نہ کہہ سکیں۔ (1)

عزیز مصر کی زوجہ کی مراد کا پورا ہونا:

بادشاہ نے پہلے وزیر اعظم یعنی عزیز مصر (جس کا نام قطفیر تھا) کو معزول کر دیا تھا' بعد میں وہ جلد ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس کی زوجہ جس نے آپ علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہی اور آپ پاکدامن رہے۔ایک اور بچہ کی گواہی سے آپ بری الذمہ ہو چکے تھے' لیکن اب قید خانہ سے نکلنے پر اس نے بھی کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا' آپ کو سچا کہنے لگی تھی۔عزیز مصر کی موت کی بعد......

"زَوَّجَهُ الْمَلِكُ امْرَاَتَهٗ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِّمَّا طَلَبْتِ فَوَجَدَهَا عَذْرَاءَ فَوَلَدَتْ لَهٗ وَلَدَيْنِ اِفْرَائِيْمَ وَمِيْشَا" (2)

"بادشاہ نے اس عورت کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا آپ نے ملاقات پر اسے یہ کہا کیا یہ بہتر نہیں اس سے جو تو مطالبہ کر رہی تھی؟ یاد رہے عزیز مصر چونکہ نامرد تھا' اسلئے وہ ابھی تک باکرہ تھی۔محبت اسے صرف یوسف علیہ السلام سے تھی' وہ کوئی بدکار نہیں تھی۔اس عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام "افرائیم" اور دوسرے کا نام "میشا" تھا۔

تنبیہ: "هِيَ زُلَيْخَا وَلَمْ يُصَرِّحْ بِاِسْمِهَا لَهٗ وَسَتْرًا وَتَعْلِيْمًا لِلْاَدَبِ كَاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مِنَ الْاَدَبِ لَا يَذْكُرُ اَحَدٌ زَوْجَتَهٗ بِاِسْمِهَا بَلْ يُكْنٰى عَنْهَا وَلَمْ يُذْكَرْ فِي الْقُرْاٰنِ اِسْمُ اِمْرَاَةٍ اِلَّا مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ" (3)

"عزیز کی زوجہ کا نام "زلیخا" تھا۔نام کو صراحتاً نہیں ذکر کیا گیا کیونکہ عورت کا نام عام طور پر بلا مقصد لینا بہتر نہیں۔ پردہ زیادہ مناسب ہوتا ہے اور اس میں ادب کی تعلیم بھی دی گئی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ادب کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ایسے الفاظ سے پکارے جن میں واضح طور پر نام کا ذکر نہ ہو۔قرآن پاک میں کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا گیا سوائے حضرت مریم کے۔"

ان کا نام بھی صرف اس وجہ سے ذکر ہوا کہ لوگ انہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی زوجہ کہتے تھے' تو ان کا نام رب تعالیٰ نے ذکر کر کے ان کا رد کیا کہ اگر میری زوجہ ہوتی تو میں اس کا نام ذکر نہ کرتا۔

پہلے ہم نے بھی اپنے علاقہ میں یہ دیکھا کوئی شخص بھی اپنی زوجہ کا نام نہیں لیا کرتا تھا۔ بچے کا نام لے کر اسکی والدہ یا بھائی کا نام لے کر اس کی بہن کہتا وغیرہ لیکن آج کل زوجہ کا نام لینا بھی فیشن کا حصہ بن گیا۔عورت کا کتنا ادب' کتنا احترام شریعت نے بتایا؟ میں نے عورتوں کے حقوق پر تفصیلی بحث اپنی کتاب "**اسلام میں عورت کا مقام**" میں بیان کئے ہیں۔

(1) تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 163-162 (2) تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 162
(3) صاوی علی الجلالین' ج 3 ص 191

ماڈرن عورت کسی اور مذہب میں ان حقوق کا تصور بھی نہیں کرسکتی جو شریعت مطہرہ نے دیئے ہیں۔

غلہ لینے کے لئے آپ کے بھائیوں کا جانا:

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

(سورۃ یوسف 2:13)

''اور روز آ نکلے برادران یوسف (علیہ السلام) اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے سو جب مہیا کر دیا ان کے لئے ان کی (رسد و خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لئے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آسکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔''

''کنعان'' کا علاقہ بھی اس قحط کی زد میں تھا اور لوگوں کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے بھی بار برداری کے مویشی لئے مصر کا رخ کیا' کیونکہ غلہ کی تقسیم کا سب کام حضرت یوسف علیہ السلام کی نگرانی میں ہو رہا تھا۔ اسلئے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے غلہ کے لئے درخواست کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات اگر چہ عرصہ دراز بعد ہوئی تھی لیکن آپ نے دیکھتے ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور بے چارے پہچانتے بھی تو آخر کیونکر؟ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ شاہانہ لباس میں ملبوس زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا جس کے حکم کی تعمیل کیلئے سینکڑوں' ہزاروں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں۔ یہ وہ ''یوسف'' ہے' جس کو عرصہ ہوا انہوں نے ایک تاریک کنوئیں میں پھینکا تھا۔ اور پھر صرف ''بیس کھوٹے درہموں'' کے بدلے میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کے گھر کے حالات دریافت کئے اور انہیں کی زبانی یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان کا ایک اور بھائی ہے جسے وہ گھر چھوڑ آئے ہیں (اگر چہ آپ خود بھی اپنے بھائی کو جانتے تھے) [1]

آپ نے خود تو اپنے آپ کو بھی ظاہر نہیں کیا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے حکم دینا تھا اسی وقت ظاہر کرنا تھا اس لئے ابھی اجنبی کی صورت میں تمام کلام ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے والد اور بھائی کا حصہ بھی طلب کیا تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک شخص کو

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج ' ص

ایک اونٹ کا بوجھ غلہ ہی دیتے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے والد اور بھائی کے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں وہ تو آنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ البتہ ہمارے چھوٹا بھائی باپ کی خدمت گذاری کے لئے ہی گھر رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس مرتبہ تو ان کا غلہ بھی تمہیں دے رہا ہوں' لیکن آئندہ تم اپنے بھائی کو بھی ساتھ لانا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو میں کتنا شفیق اور مہربان عادل ہوں؟ کہ پیمانے بھر بھر کر دیتا ہوں اور کتنا بڑا مہمان نواز ہوں' لیکن یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر آئندہ تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو تمہیں بھی غلہ نہیں ملے گا۔'' ❶

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی رقم واپس کردی:

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝
(سورۃ یوسف 2:13)

''اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ چپکے سے رکھ دو۔ ان کی پونجی ان کی خورجیوں میں شائد کہ وہ اسے پہچانیں جب اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں شائد وہ واپس آئیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی پونجی لوٹا دی تھی اس کی ایک وجہ یہ تھی: {لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَا اَیْ يَعْرِفُوْنَ حَقَّ رَدِّهَا} ''کہ جب سامان کھولیں گے تو پونجی اس میں دیکھ کر واپس آئیں گے۔'' کیونکہ وہ نبی کے بیٹے ہیں' ایمان والے ہیں' اور وہ واپس لوٹانا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے پھر آئیں گے۔''

''قَالَ الْفَرَّاءُ اِنَّهُمْ مَتٰى شَاهَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ وَقَعَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَنَّهُمْ وَضَعُوْا تِلْكَ الْبِضَاعَةَ فِيْ رِحَالِهِمْ عَلٰى سَبِيْلِ السَّهْوِ وَهُمْ اَوْلَادُ الْاَنْبِيَاءِ فَرَجَعُوْا لِيَعْرِفُوا السَّبَبَ فِيْهِ اَوْ رَجَعُوْا لِيَرُدُّوا الْمَالَ اِلٰى مَالِكِهٖ'' ❷

''فراء نے کہا: کہ پونجی واپس کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی پونجی کو اپنے سامان میں مشاہدہ کریں گے تو ان کے دل میں یہ آئے گا کہ شائد انہوں نے بھول کر نہ رکھ دیا ہو وہ حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے واپس آئیں گے یا وہ مال واپس لوٹانے کے لئے آئیں گے کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔''

دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو گھر کے حالات کا پتہ چل گیا تھا تو آپ کی شان کے لائق نہیں تھا کہ آپ اپنے بھائیوں اور والد مکرم سے رقم لے کر غلہ دیں:

''لِاَنَّهٗ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ صِلَتَهُمْ وَجَبْرَهُمْ فِيْ تِلْكَ الشِّدَّةِ اِذْ هُوَ مَلِكٌ عَادِلٌ وَهُمْ اَهْلُ اِيْمَانٍ وَنُبُوَّةٍ'' ❸

''اسلئے کہ آپ عادل بادشاہ تھے اور آپ کے بھائی ایمان والے تھے اور خاندان نبوت تھے۔ آپ پر واجب ہو چکا تھا کہ

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 167-166
❷ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 169
❸ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم ص 10

آپ اپنے اقرباء سے صلہ رحم کریں اور مشکل حالات میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔"

چھوٹے بھائی کو ساتھ لیجانے کی باپ کے حضور درخواست:

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

(سورۃ یوسف 2:13)

"اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا اپنی پونجی پائی کہ ان کو لوٹا دی گئی ہے بولے اے ہمارے باپ! اب ہم اور کیا چاہیں یہ ہے ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کر دی گئی اور ہم اپنے گھر کے لئے غلہ لائیں اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ پائیں یہ دنیا بادشاہ کے سامنے کچھ نہیں۔ کہا: میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کا یہ عہد نہ دے دو کہ ضرور اسے لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم گھیرے میں آ جاؤ پھر جب انہوں نے یعقوب (علیہ السلام) کو عہد دیا اللہ کا ذمہ ہے ان باتوں پر جو ہم کہہ رہے ہیں۔"

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ ہماری پونجی بھی واپس کر دی گئی ہے' امید ہے کہ واپس نہیں لے گا۔ اگرچہ ہمیں جا کر پتہ کرنا ہے کہ واپس کرنے کا سبب کیا ہے؟ لیکن اگر ہم چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لے گئے تو ہمیں غلہ نہیں ملے گا۔ اسلئے ہمارے ساتھ بھائی کو بھیج دو ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ تم نے تو پہلے یوسف کی ذمہ داری بھی اٹھائی تھی' توجہ طلب مقام یہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کا حال دیکھا ہوا تھا پھر بنیامین کو ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ بڑی عمروں کے ہو چکے تھے نیکی کی طرف مائل ہو چکے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بنیامین سے حسد' کینہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ قحط کی وجہ سے غلہ لانے کی محتاجی بھی تھی اور یوسف علیہ السلام نے بنیامین کے بغیر غلہ دینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اسلئے آپ نے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی: { لَعَلَّهٗ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلَيْهِ وَضَمَنَ حِفْظَهٗ وَاِيْصَالَهٗ اِلَيْهِ } "کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا تھا کہ آپ ساتھ بھیج دیں میں اس کی حفاظت کروں گا اور آپ تک اسے واپس پہنچا دوں گا۔"

اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

"تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ مہربان سے بڑھ کر نگہبان ہے۔"

بعض حضرات نے کہا کہ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا:

"وَثِقْتُ بِكُمْ فِيْ حِفْظِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَانَ مَا كَانَ فَالْآنَ اَتَوَكَّلُ عَلَى اللّٰهِ فِيْ حِفْظِ بِنْيَامِيْنَ" ❶ "کہ میں نے پہلے تمہارے قول پر بھروسہ کر لیا تھا کہ تم یوسف (علیہ السلام) کی حفاظت کرو گے اس میں جو ہوا سو ہوا۔ اب میں تمہاری باتوں کا کوئی اعتبار نہیں کرتا کہ تم بنیامین کی حفاظت کرو گے البتہ میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دے کر تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔"
مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو وثوق دلایا گیا تھا کہ میں اس کا محافظ ہوں۔

بیٹوں کو بھیجتے وقت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدابیر:

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
(سورۃ یوسف 13:2)

"اور کہا: اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے نہ داخل ہونا اور جدا جدا دروازوں سے جانا اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا، حکم تو سب اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے حکم دیا تھا، اور وہ کچھ انہیں اللہ کی تقدیر سے نہ بچا سکے۔ ہاں! یعقوب کے نفس میں یہ ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بے شک وہ صاحب علم ہے ہمارے سکھائے سے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نظر بد سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر کے طور پر انہیں فرمایا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا تا کہ تمہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ تمام بڑے قد آور بہادر اور خوبصورت تھے اور تعداد بھی خاصی تھی یعنی گیارہ بھائی تھے۔ تمام متقدمین مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت کریمہ سے مراد یہی ہے۔

فائدہ: نظر کے اثرات کا حق ہونا اور ان سے بچاؤ کے لئے دعائیہ کلمات احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو ان الفاظ مبارکہ سے دم فرمایا کرتے تھے:

"أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ"

ان کلمات سے ہی حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام پر بھی دم کیا کرتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں صبح حاضر ہوا آپ کو شدید تکلیف تھی، پھر پچھلے پہر حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کو آرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے تھے انہوں ان الفاظ

❶ تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 170-169

طیبہ سے مجھے دم کیا: {بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْكَ وَمِنْ كُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ یَشْفِیْكَ} تو مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرما دی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بچے خوبصورت سفید رنگ کے تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان بچوں کو جلدی نظر لگ جاتی ہے اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں انہیں نظر کا دم کر دیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یعنی ٹھیک ہے، تم ان کو دم کر دیا کرو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بچے کو بہت تکلیف ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسے نظر لگ گئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے دم کیوں نہیں کراتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْعَیْنُ حَقٌّ وَّلَوْ كَانَ شَیْءٌ یَّسْبِقُ الْقَدَرَ لَسَبَقَتِ الْعَیْنُ الْقَدَرَ" "نظر حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جاسکتی تو نظر کا اثر سبقت لے جاتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو وضو کرنے کا حکم فرماتے جس کی نظر لگی ہو، پھر وہ پانی جو اس کے اندام سے گرتا، اسے اس شخص پر ڈالنے کا حکم دیتے جس کو نظر لگی ہوتی۔

جس شخص کو اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ اس کی نظر لگتی ہو تو وہ کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے اچھی لگے تو یہ پڑھے: {تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِیْهِ} نظر کا لگنا یا اس سے بچاؤ کی تدابیر، یہ سب ظاہری اسباب ہیں، حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ وجہ یہ تھی کہ بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے علیحدگی میں ملاقات ہو جائے، کیونکہ:

"اِنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَانَ عَالِمًا بِاَنَّ مَلِكَ مِصْرَ هُوَ وَلَدُهٗ یُوْسُفُ اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مَا اَذِنَ لَهٗ فِیْ اِظْهَارِ ذٰلِكَ" [1] "حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ مصر کا بادشاہ آپ کا بیٹا یوسف ہے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اظہار کی اجازت نہیں فرمائی تھی۔"

تنبیہ:

"فَاعْلَمْ اَنَّ الْاِنْسَانَ مَاْمُوْرٌ بِاَنْ یُّرَاعِیَ الْاَسْبَابَ الْمُعْتَبَرَةَ فِیْ" "بے شک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس عالم میں

---

[1] تفسیر کبیر امام رازی رحمۃ اللہ ج 18 ص 174-172

هٰذَا الْعَالَمِ وَمَأْمُوْرٌ اَیْضًا بِاَنْ یَعْتَقِدَہٗ وَیَجْزِمُ بِاَنَّہٗ لَا یَصِلُ اِلَیْہِ اِلَّا مَا قَدَّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی"

ظاہری اسباب کو حاصل کرے لیکن انسان کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ یہی عقیدہ رکھے کہ اسباب بھی اسی وقت موثر ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔"

"وَاَنَّ الْحِذْرَ لَا یُنْجِیْ مِنَ الْقَدْرِ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ مَأْمُوْرٌ بِاَنْ یَحْذَرَ عَنِ الْاَشْیَاءِ الْمُھْلِکَۃِ وَالْاَغْذِیَۃِ الضَّآرَّۃِ وَیَسْعٰی فِیْ تَحْصِیْلِ الْمَنَافِعِ وَدَفْعِ الْمَضَآرِّ بِقَدْرِ الْاِمْکَانِ"

"انسان یہ بھی عقیدہ رکھے کہ کسی نقصان دہ چیز سے بچنا اور دور رہنا تقدیر سے نجات نہیں دے سکتا لیکن پھر بھی انسان کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ ہلاک کرنے والی چیزوں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچے، منافع حاصل کرنے میں جتنا ممکن ہو سکے کوشش کرے اور نقصان دہ اشیاء سے دور رہے۔"

یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ جاننے کے باوجود کہ تمام چیزوں میں موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ظاہری اسباب پر عمل کیا۔

"اَلْحَقُّ اَنَّ الْعَبْدَ یَجِبُ عَلَیْہِ اَنْ یَسْعٰی بِاَقْصَی الْجُھْدِ وَالْقُدْرَۃِ وَبَعْدَ ذٰلِکَ السَّعْیِ الْبَلِیْغِ وَالْجِدِّ الْجَھِیْدِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ اَنَّ کُلَّ مَا یَدْخُلُ فِی الْوُجُوْدِ فَلَا بُدَّ وَاَنْ یَکُوْنَ بِقَضَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَشِیَّتِہٖ وَسَابِقِ حُکْمِہٖ وَحِکْمَتِہٖ" (1)

"حق مذہب یہی ہے کہ انسان منافع ومقاصد کے حاصل کرنے میں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کی تدابیر میں بہت زیادہ کوشش کرے جتنی اسے طاقت حاصل ہے اس میں کوتاہی نہ کرے، لیکن اپنی طرف سے بہت بڑی کوشش کرنے کے بعد یقین یہی رکھے کہ منافع کا حاصل ہونا یا نہ ہونا ضرر انداز چیزوں کا موثر ہونا یا نہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اسکی مشیت پر موقوف ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔"

بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات:

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْہِ اَخَاہُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْکَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۶۹)

(سورۃ یوسف 2:13)

"اور جب پہنچے یوسف علیہ السلام کے پاس تو یوسف علیہ السلام نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو اسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو جو یہ کیا کرتے تھے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ تمام بھائی پھر مصر میں آئے ہیں۔ اب اپنے ساتھ بنیامین کو بھی لائے ہیں تو...... { اَکْرَمَھُمْ وَاَنْزَلَھُمْ وَاَحْسَنَ نُزُلَھُمْ ثُمَّ اَضَافَھُمْ } "آپ نے ان کی بڑی عزت وتکریم کی ان کو شاہی مہمان خانوں میں رہنے کی جگہ کا حکم دیا اور ان کی مہمان نوازی بہت اچھی طرح سے کی۔"

(1) تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 175

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ سے ملاقات کے دوران بتایا: یہ ہمارا بھائی ہے جسے آپ نے لانے کا حکم دیا تھا ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم نے اچھا کیا ہے اب میرے پاس بھی جو غلہ ہے وہ دینے میں کوئی کسر نہیں ہوگی۔ بھائیوں نے آپ کو اپنے باپ کا پیغام بھی دیا کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو الوداع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ کو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا: {إِنَّ أَبَانَا يُصَلِّي عَلَيْكَ وَيَدْعُوكَ وَيَشْكُرُ صَنِيعَكَ مَعَنَا} ''کہ ہمارے باپ آپ کے لئے دعا کر رہے تھے آپ پر رحمتیں نچھاور کر رہے تھے اور آپ نے جو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے وہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔''

اور ساتھ ہی اسی مضمون کا ایک خط بھی دیا خط کو پڑھتے ہوئے یوسف علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے لیکن اپنے جذبات کو قابو میں رکھا تا کہ بھائیوں پر کچھ بات ظاہر نہ ہو۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ابھی ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا۔ آپ نے اپنے بھائیوں کی دعوت کی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ دستر خوان کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ دو دو بھائی ایک ساتھ بیٹھیں۔ اس ترتیب سے بٹھانے پر بنیامین اکیلے رہ گئے رونے لگے اور کہنے لگے کہ کاش! آج میرا یوسف زندہ ہوتا تو مجھے ساتھ بٹھاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا یہ بھائی اکیلا رہ گیا ہے انہوں نے کہا: اس کا (سگا) بھائی ہلاک ہو گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا میں ہی اسے اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں' آپ نے بنیامین کو دستر خوان پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا۔

پھر آپ علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ سونے کے لئے دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ دے دو۔ آرام کے وقت آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ کا یہ بھائی اکیلا ہے اسے میرے پاس ہی چھوڑ دو میں اسے اپنے کمرہ میں سلا لیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ اپنے بھائی پر بہت افسوس کرتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: {أَلَا تُحِبُّ أَنْ أَكُونَ أَخَاكَ بَدَلَ أَخِيكَ الْهَالِكِ} ''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تمہارے فوت شدہ بھائی کے بدلے میں ہی تمہارا بھائی بن جاؤں۔''

بنیامین نے روتے ہوئے کہا: {مَنْ يَجِدُ أَخًا مِثْلَكَ وَلَكِنَّكَ لَمْ يَلِدْكَ يَعْقُوبُ وَلَا رَاحِيلُ} ''تمہارے جیسا بھائی کسے ملے گا؟ یعنی اتنے شفیق اور مہربان ہو وہ شخص کتنا ہی خوش بخت ہوگا جسے تمہارے جیسا بھائی مل جائے' لیکن تم راحیل اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو نہیں ہو۔'' میں تو اس لئے رو رہا ہوں جو میرے باپ اور میری ماں کا بیٹا تھا۔ آپ علیہ السلام کے رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام بھی رونے لگے اٹھے اور بھائی کو گلے لگا لیا۔ اب پہچان کرانے کا وقت آ چکا تھا' اسلئے اپنے بھائی کو بتایا: {إِنِّي أَنَا أَخُوكَ} ''بے شک میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں۔'' دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو اپنے حالات سے مطلع کیا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا: {فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} ''نہ غمزدہ ہو جو یہ کیا کرتے تھے۔''

اصل میں یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ بھائی کے دل میں دوسرے بھائیوں کے خلاف ذہن میں کوئی بات نہ رہے' کیونکہ:

"مَا بَقِیَ فِیْ قَلْبِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْعَدَاوَةِ وَصَارَ صَافِیًا مَعَ اَخْوَتِهٖ" "آپ کے دل میں بھائیوں کے خلاف کوئی عداوت باقی نہیں تھی' آپ علیہ السلام کا دل بھائیوں کے حق میں مکمل صاف ہو چکا تھا۔"

دراصل اب بھائی بھی وہ جوانی کی عمر والے حاسد یا ظالم نہیں تھے' بلکہ وہ بھی کافی حد تک نیک ہو چکے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو شروع سے ہی بھائیوں کے حق میں دعاء گو تھے۔ [1]

بنیامین کو پاس رکھنے کا حیلہ:

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

(سورۃ یوسف 13:3)

"پھر جب ان کو سامان مہیا کر دیا پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں رکھ دیا پھر ایک ندا دینے والے نے ندا دی' اے قافلہ والو! بے شک تم چور ہو ان کی طرف توجہ کر کے انہوں نے کہا: تمہاری کون سی چیز گم ہوئی ہے' بولے: بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور جو اسے لائے گا اس کے لئے ایک اونٹ بوجھ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں' بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں ملے وہی اس کے بدلے غلام بنے' ہمارے ہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف علیہ السلام کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے' پھر اسے اپنے بھائی کی خورجی سے نکال لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی' بادشاہی قانون کے مطابق انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے' ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔"

جو پیالہ بن یامین کے سامان میں رکھا گیا تھا وہ بادشاہ کے یا جانوروں کے پانی پینے میں استعمال ہوتا تھا۔ اور اس غلہ ناپنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اتنا قیمتی تھا جس سے چوری کی حد نافذ ہو سکتی تھی۔ وہ پیالہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے رکھا گیا تھا۔ آپ ہی اس وقت حکمران تھے وہ پیالہ آپ کے زیر تصرف ہی تھا:

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم ص 23 .... تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 178-177

اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یُبَاشِرِ الْجَعْلَ بِنَفْسِہٖ بَلْ اَمَرَ اَحَدًا فَجَعَلَہٗ"❶ "بیشک حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ پیالہ خود نہیں رکھا تھا بلکہ آپ نے کسی خادم کو حکم دیا تھا جس نے وہ رکھا تھا۔"

آپ کے حکم دینے کی وجہ سے آپ کی طرف منسوب ہوا۔ یہ پیالہ بنیامین کو بتا کر ان کی مرضی سے رکھا گیا تھا اس لئے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں کہا بھی کہ والد مکرم پہلے میری جدائی سے پریشان ہیں تو اب تمہاری جدائی سے اور زیادہ پریشان ہوں گے لیکن وہ پھر بھی وہاں رہنے پر بضد تھے حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بتایا کہ اگر تم یہاں رہنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی حیلہ ہے کہ تمہارے سامان میں پیالہ رکھ کر اس کے بدلے تمہیں یہاں رکھا جائے۔ {"فَرَضِیَ بِاَنْ یُقَالَ فِیْ حَقِّہٖ ذَالِکَ} "تو بنیامین نے رضا مندی کا اظہار کیا کہ میرے متعلق جو بھی کہا جائے مجھے منظور ہے لیکن میں یہاں ہی رہوں گا۔"❷ جس طرح ہماری شریعت میں چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے اس طرح یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں اس شخص کو مال کے بدلے غلام رکھا جاتا۔ مصر کے بادشاہی قانون میں چور کو مارا جاتا تھا اور مال کے بدلے دوگنا مال وصول کیا جاتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حیلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق کیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کیونکہ رب نے خود فرمایا: {کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ} "یہ حیلہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو سکھایا"۔ اور جس شخص نے آواز دے کر یہ کہا تھا کہ اگر کوئی شخص وہ پیالہ ڈھونڈ کر لائے گا تو اسے بطور انعام ایک اونٹ کا بوجھ دیا جائے گا اس نے بھی آپ کے حکم سے ہی یہ اعلان کیا تھا:

"وَنِدَاؤُہٗ بِاَمْرِ یُوْسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ" "اس کا یہ آواز دینا حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھا۔"

اہل مصر جانتے تھے کہ یہ قانون مصر کا نہیں' حضرت یوسف علیہ السلام کا منشا بھی یہ نہیں تھا کہ بھائیوں کو چوری کے الزام میں متہم کیا جائے' اسلئے آپ نے اپنے خادم کو سب کچھ بتایا ہوا تھا' تمام کام آپ کے حکم سے ہو رہا تھا۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لے کر نکلے تو پیچھے سے ان کو پکار کر کہا گیا: اے قافلہ والو! {اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ} "بے شک تم چور ہو۔" اس کلام کا مطلب بھی ظاہر پر مبنی نہیں۔

"اِنَّ ذَالِکَ الْمُؤَذِّنَ رُبَّمَا ذَکَرَ ذَالِکَ النِّدَآءَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِفْھَامِ"❸ "آواز دینے والے نے یہ کلام بطور استفہام کہا؟"

قرآن پاک میں کئی مقام پر ایسا کلام مذکور ہے جہاں صرف استفہام پوشیدہ ہوتا ہے۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا: اے قافلہ والو! کیا تم چور تو نہیں ہو؟ یہ کوئی الزام نہیں تھا' بلکہ سوال تھا۔ اگر قافلہ والوں پر وہ اپنی طرف سے ہی آکر ان پر الزام عائد

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم ص 24 ❷ تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 179

❸ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18' ص 179

کرتے تو ان سے پوچھنے کا انہیں کیا اختیار تھا؟ کہ اگر تم چور نکلے تو تمہاری سزا کیا ہے؟ سزا تو ان کو مصری قانون کے مطابق دینی چاہیے تھی۔ بنیامین کے سامان سے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کو کھولنا بھی اتفاقاً نہیں تھا بلکہ ارادتاً تھا' علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وَالْمُفَتِّشُ حَقِيْقَةً أَصْحَابُهٗ بِأَمْرِهٖ بِذٰلِكَ قَبْلَ تَفْتِيْشِ وِعَاءِ أَخِيْهِ بِمَكَانِهٖ لِنَفْيِ التُّهْمَةِ" ❶ "تفتیش کرنے والے درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام کے اصحاب یعنی خدام تھے جو آپ کے حکم سے ہی سب کام کر رہے تھے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تفتیش پہلے ہی کی گئی تھی کہ اگر سب سے پہلے بنیامین کا سامان کھولا گیا تو تہمت ہم پر آئے گی اور تمام حیلہ ہی بے کار چلا جائے گا۔"

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے پوچھا گیا کیا تم چور تو نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ (سورۃ یوسف 13:3) "خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔"

آپ کے بھائی قسم اٹھا کر کیوں یہ نہ کہتے جبکہ اب وہ نیک تھے۔ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے والے زمانہ کی طرح نہیں تھے......وہ بھی حسد کی وجہ سے ہوا' ورنہ اس وقت بھی وہ کسی کا مال نہیں کھاتے تھے اور تمام اعمال ان کے اچھے تھے' صرف یوسف علیہ السلام کو حسد کی وجہ سے کنوئیں میں پھینکنے والا جرم سرزد ہوا تھا......اب تو ان کے احوال سے واضح تھا کہ یہ کسی کے مال میں تصرف نہیں کرتے نہ کسی کا مال کھاتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کی کھیتیوں میں اپنے جانور چھوڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کا کسی کاشت شدہ کھیتی سے گزر ہوتا تو اپنے جانوروں کے منہ باندھ دیتے تھے تاکہ وہ کسی کی کھیتی کو برباد نہ کریں اور ہمیشہ نیکی کے کاموں میں مشغول رہتے جن لوگوں کی یہ صفات ہوں وہ کیسے زمین میں فساد پھیلا سکتے ہیں خاص کر کے دوسرے ملک میں' جہاں انہیں اپنی عزت کے پاس کرنے کی زیادہ ضرورت تھی جبکہ وہ یہ بتا بھی چکے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ پہلی دفعہ جب ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ کر واپس لوٹا دی گئی تھی تو وہ اسے واپس لے آئے تھے بھلا چور بھی ایسے کام کر سکتا ہے۔ ❷

پریشانی میں بھائیوں کا کلام:

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا "بھائی بولے: اگر یہ چوری کرے تو بے شک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے تو یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7' حصہ دوم' ص 28 ❷ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 180

تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی‘ جی میں کہا: تم بدتر جگہ ہو اور اللہ

(سورۃ یوسف 3:13) خوب جانتا ہے جو باتیں بناتے ہو۔“

بھائیوں کو پورے معاملہ کا کوئی علم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام یہی ہیں‘ جو مصر کے بادشاہ ہیں اور بنیامین کو بتا چکے ہیں اور ان کو اپنے پاس رکھنے کا صرف یہ حیلہ اور بہانہ ہے۔

بنیامین کے سامان سے جب پیالہ نکلا‘ تو نبی کے بیٹوں پر دوسرے ملک میں اس قسم کی بدنامی کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا؟ یہ محتاج بیان نہیں۔ ہر انسان کی عقل کام کر سکتی ہے کہ ایسے وقت کتنی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ انسان کو زمین و آسمان ایک نظر آتے ہیں۔ متقی انسان کا صرف تہمت کی زد میں آنا پریشان کن ہوتا ہے چہ جائیکہ دیار غیر میں جہاں لوگ انہیں فرشتہ سیرت سمجھتے ہوں‘ وہاں ایسی مصیبت آئے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان بہت خوشی میں اور بہت پریشانی میں جو کلام کرتا ہے اس میں اعتدال نہیں ہوتا‘ صرف نبی کا یہ مقام ہے کہ اس کا کلام ہر وقت ”اعتدال“ پر رہتا ہے۔ بھائیوں نے یہ سمجھا کہ شائد بنیامین نے واقعی چوری کر لی ہے۔ اس پر پریشان ہو کر اعتدال سے دور کلام کرتے ہوئے کہا کہ اس نے چوری کر لی ہے تو اس کے بھائی نے بھی ایک مرتبہ چوری کر لی تھی۔

یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام کیسے؟

یوسف علیہ السلام کا نانا بت پرست تھا۔ آپ ایک مرتبہ اپنے نانا کا ایک سونے کا بنا ہوا بت جو لعل و جواہر سے مزین تھا‘ اٹھا لائے اور اسے توڑ دیا۔ نانا کے بت لانے میں آپ کی والدہ کا مشورہ کارگر تھا کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں۔ آپ کا بت کو چپکے سے لانا اور اسے توڑ دینا عبادت تھا‘ کوئی چوری کا کام نہیں تھا‘ لیکن بظاہر آپ کی طرف چوری کو منسوب کر دیا گیا تھا۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کے زیر کفالت تھے‘ جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں۔ وہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں‘ اتنی محبت انہیں خاندان میں کسی اور سے نہیں تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب ان سے مطالبہ کیا کہ اب یوسف علیہ السلام میرے حوالے کر دو تو انہوں نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتی۔ میرے پاس کچھ دن رہنے دو‘ میں آہستہ آہستہ کوشش کروں گی کہ مجھے اس کے بغیر تسلی حاصل ہو جائے‘ پھر میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے ایک کمر بند حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا۔ وہ کمر بند حضرت اسحاق علیہ السلام کا تھا‘ جو آپ کو بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے بطور وراثت ملا تھا۔ آپ نے فرمایا: میرے باپ کا کمر بند گم ہو گیا ہے‘ ذرا تلاش کرو! کون لے گیا۔ آپ نے کہا گھر

میں ہی تلاش کرو ممکن ہے گھر کے کسی فرد نے ہی نہ لیا ہو۔

دوران تفتیش وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مل گیا' جو آپ کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا کہ یوسف نے میرے باپ کا کمر بند لے لیا تھا' اس لئے اب اسے میرے پاس ہی رہنا ہوگا اس طرح وہ اپنی پوری زندگی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔

عین ممکن ہے کہ یعقوب علیہ السلام بھی جانتے ہوں کہ میری بڑی بہن نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے کا حیلہ کیا ہے' لہٰذا ان کے پاس ہی رہنے دیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس بات کو پردے میں ہی رکھا' کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا۔

اسی طرح بھائیوں کے اس کہنے کو کہ "اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی" ابھی کسی کو نہ بتایا' دل میں ہی بات کو رکھا۔ ابھی تک یہ واضح نہ کیا کہ میں یوسف ہوں اور بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا ایک حیلہ کر رہا ہوں۔ تمام باتوں کو آپ نے دل میں ہی رکھ کر بھائیوں کو عزت و تکریم سے بمع سامان لوٹانے کا حکم فرمایا۔ (1)

بنیامین کی بازیابی کی درخواست مسترد:

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

(سورۃ یوسف 3:13)

"انہوں نے کہا: اے عزیز اس کے باپ بہت بوڑھے ہیں تو ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ لے لو بے شک ہم تمہارے احسان دیکھ رہے ہیں۔ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ ہم تو صرف اسی کو لیں گے جس کے پاس ہمارا سامان ملا۔ (اگر ہم کسی اور کو لیں) تو ہم ظالم ہوں گے۔"

اگرچہ بھائی پہلے بتا چکے تھے اگر کسی سے پیالہ برآمد ہو جائے تو وہ غلام بن جائے گا' لیکن ان کی شریعت میں معاف کرنا اور فدیہ دینا بھی جائز تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا:

"کہ اس کے باپ بڑی عمر کے اور عظیم مرتبہ کے مالک ہیں' اسلئے یہ معاف کرنے کے قابل ہے یا اس کا فدیہ لے لیا جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو اپنے پاس بطور رہن رکھ لیا جائے۔ جب ہم فدیہ دے دیں گے تو اپنے پاس رہن رکھے ہوئے بھائی کو چھڑا لیں گے یا اسے معاف کر دیا جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو غلام بنا لیا جائے۔ آپ کا معاف فرما دینا ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ ہم آپ کے پہلے بھی احسان دیکھ چکے ہیں کیونکہ" آپ نے پہلے ہماری پونجی بھی واپس لوٹا دی' غلہ بھی دیا' عزت و تکریم سے اپنے پاس بلایا'

(1) روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7' حصہ دوم ص 28 .... تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18' ص 180

مہمان نوازی کی' شاہانہ مکانوں میں رہنے کی جگہ دی' کتنے ہی احسان آپ کے ہمارے سامنے ہیں۔"

آپ علیہ السلام نے دوٹوک الفاظ میں مختصر جواب دیا: ہم تو صرف اسے اپنے پاس رکھیں گے جس سے ہمارا سامان ملا ہے' دوسرے کو اپنے پاس رکھ کر ظالم نہیں بن سکتے اور حقیقتاً سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہا تھا' ابھی یعقوب علیہ السلام کو اور امتحان میں مبتلا کرنا مقصود تھا' اسلیئے معاف نہیں کیا۔ معاف تو تب کیا جاتا جب کوئی جرم ہوتا' جب جرم ہی کوئی نہیں تو معاف کرنے کا مقصد ہی کچھ نہیں تھا۔

"لَعَلَّهٗ تَعَالٰی اَمَرَهٗ بِذٰلِكَ تَشْدِيْدًا لِلْمِحْنَةِ عَلٰی يَعْقُوْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَنَهَاهُ عَنِ الْعَفْوِ وَالصَّفْحِ وَاَخْذِ الْبَدَلِ" ❶

"شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ابھی معاف نہیں کرنا در گزر نہیں کرنا اور کوئی بدلہ نہیں لینا کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو ابھی اور شدید محنت میں مبتلا کرنا ہے۔"

بڑے بھائی کا مصر میں رہنا اور دوسروں کو واپس بھیجنا:

فَلَمَّا اسْتَايْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْــَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

(سورۃ یوسف 4:13)

"پھر جب اس سے نا امید ہوئے' الگ جا کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان کا بڑا بھائی بولا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لے لیا تھا؟ اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے حق میں ہم نے کیسی تقصیر کی؟ تو میں یہاں سے نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ میرے باپ اجازت دیں' یا اللہ مجھے حکم فرمائے اور اسکا حکم سب سے بہتر ہے۔ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ پھر عرض کرو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو اتنی ہی بات کے گواہ ہونے تھے جتنی ہمارے علم میں تھی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے اور اس بستی والوں سے پوچھ دیکھیے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور بے شک سچے ہیں۔"

ابتدائی طور پر جب بھائیوں کی اپیل یوسف علیہ السلام نے رد فرما دی تو یہودا غصہ میں آ گیا اور یہ جب غصہ میں آتا تھا تو اس کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اگر غصہ کے حال میں یہ چیخ مارتا تو حاملہ عورتوں کے حمل گر جاتے۔ اس وقت تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی کوئی شخص اس کے جسم کو ہاتھ نہ لگاتا۔ اس نے

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18' ص 186

اپنے دوسرے بھائیوں کو کہا تم بازار کے لوگوں سے مقابلہ کرو انہیں میرے قریب نہ آنے دو میں عزیزِ مصر سے مقابلہ کرتا ہوں میں اسے آپ کے قریب نہیں آنے دوں گا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کہا: کہ جا کر اس کے جسم کو چھو دو جب اس نے یہودا کے جسم کو ہاتھ لگایا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

جب یہ لوگ بنیامین کو چھڑانے میں ناکام ہو گئے تو لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے: کیونکہ اپنے والد مکرم سے بہت پختہ وعدہ کر کے اور بڑا وثوق دلا کر بنیامین کو لے گئے تھے اور پہلے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ان پر تہمت عائد ہو چکی تھی کہ "تم جھوٹے ہو۔" اب بہت پریشان تھے کہ اگر اب اسی طرح واپس جاتے ہیں تو باپ بہت زیادہ پریشان ہوں گے اور یہ بات بھی مدِ نظر تھی کہ گھر والے غلہ کے لیے محتاج ہیں واپس جانا بھی ضروری ہے اور اگر سب نہیں جاتے تو باپ خیال کریں گے کہ کہیں سب فوت تو نہیں ہو گئے اور اگر بنیامین کے بغیر سب واپس لوٹتے ہیں تو اپنے باپ کو کیسے منہ دکھائیں گے؟ آخر کار سب سے بڑے نے کہا: تم چلے جاؤ میں نہیں جاتا یا تو مجھے باپ اجازت دیں تو واپس جاؤں گا یا اللہ کوئی فیصلہ فرمادے۔ سب سے بڑے سے مراد یا تو "شمعون" ہے کہ سب کا رئیس تھا اور یا مراد "روبیل" ہے کہ یہ عمر میں سب سے بڑا تھا یا اس سے مراد "یہودا" ہے جو عقل و دانش میں سب سے بڑا تھا۔

زیادہ مشہور یہی ہے کہ یہ "یہودا" ہی تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے سے بھی بچایا تھا اس نے کہا: تم جا کر باپ کو بتاؤ تمہارے بیٹے نے چوری کر لی ہے یعنی اس کی طرف چوری کو منسوب کر دیا گیا ہے آپ بستی سے پوچھ لیں یا قافلہ والوں سے پوچھ لیں ہم سچے ہیں۔ ہمارے سامنے تو جو بات ہے وہی بیان کر رہے ہیں بستی سے پوچھنے کا مقصد یا تو یہ ہے کہ لفظ "اھل" محذوف ہے یعنی بستی والوں سے پوچھ لو اور یا مقصد یہ ہو سکتا ہے:

"وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ وَالْعِيْرَ وَالْجِدَارَ وَالْحِيْطَانَ فَإِنَّهَا تُجِيْبُكَ وَتَذْكُرُ لَكَ صِحَّةَ مَا ذَكَرْنَاهُ لِأَنَّكَ مِنْ أَكَابِرِ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ فَلَا يُبْعَدُ أَنْ يُنْطِقَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْجَمَادَاتِ مُعْجِزَةً حَتّٰى تُخْبِرَ بِصِحَّةِ مَا ذَكَرْنَا" ❶

"آپ (علیہ السلام) جانوروں دیواروں وغیرہ سے پوچھیے یقیناً وہ آپ کو جواب دیں گے اور بتائیں گے کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں بے شک آپ تو اکابر انبیائے کرام سے ہیں جمادات کو اللہ آپ سے کلام کرنے کی توفیق عطا فرمادے کوئی بعید نہیں اور آپ کا یہ معجزہ ہو گا یقیناً یہ جمادات بھی ہمارے سچے ہونے کے متعلق آپ کو بتائیں گے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ

"(یعقوب علیہ السلام نے) کہا: تمہارے نفس نے تمہیں کچھ حیلہ

❶ تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 190

اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِہِمۡ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۸۳﴾ وَ تَوَلّٰی عَنۡہُمۡ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ وَ ابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۸۴﴾

(سورہ یوسف 4:13)

بتادیا' پس صبر اچھا ہے' قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے ملائے بے شک وہی علم وحکمت والا ہے' اور (آپ نے) ان سے منہ پھیرا اور کہا: ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں اور وہ غصہ کھاتے رہے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے کلام کو رد کر دیا اور فرمایا کہ تم یہ حیلہ بنا رہے ہو؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے مصر کا بادشاہ میرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس غلام بنالے؟ جبکہ اس کے قانون میں یہ ہے ہی نہیں کہ کسی کو چوری کے الزام میں غلام بنایا جائے۔ آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر غم کھا رہے ہیں' حالانکہ تازہ غم بنیامین کا ہے۔

اس کی ایک وجہ پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرما دیا تھا کہ مصر کا عزیز یوسف علیہ السلام ہے' لیکن ابھی ظاہر کرنے کا وقت نہیں تھا۔

دوسری وجہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی: کہ اصل مصیبت وغم یوسف علیہ السلام کا ہی تھا' باقی غم اس کے اوپر مرتب ہو رہے تھے' مطلب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا غم ہی کافی تھا ابھی تو وہی تازہ ہے یہ اور غم اس پر مرتب ہوگیا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ بنیامین اور یہودا کے متعلق ظاہر طور پر معلوم تھا کہ وہ زندہ وسلامت مصر میں ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر کے بادشاہ ہونے کو ظاہر نہیں کرنا تھا لیکن معلوم تھا اسلئے کہا: یوسف پر افسوس ہے' خود بھی جدا ہے اور "بنیامین" اور "یہودا" کو بھی جدا کرنے کا سبب بن گیا۔ آپ علیہ السلام اسی غم میں بالکل خاموش رہنے لگے' جس طرح غصہ سے بھرا ہوا شخص اپنے منہ پر خاموشی کی مہر لگا لیتا ہے' کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔

یعقوب علیہ السلام کے رونے کی عجیب حکمت:

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل المرتبت پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اتنا وارفتہ ہو جانا' اور اس کے ہجر وفراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر دینا' آپ کے شایانِ شان معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وَاخۡتَارَ بَعۡضُ الۡعَارِفِیۡنَ اَنَّ ذَالِکَ الۡاَسَفَ وَالۡبُکَآءَ لَیۡسَا اِلَّا لِفَوَاتِ مَا انۡکَشَفَ لَہٗ عَلَیۡہِ السَّلَامُ مِنۡ تَجَلِّی اللّٰہِ فِیۡ مِرۡاٰۃِ وَجۡہِ یُوۡسُفَ عَلَیۡہِ السَّلَامُ"

"اہلِ معرفت نے اس خلش کو یہ کہہ کر دور کیا ہے کہ حسنِ یوسف کو آپ کے لئے جمالِ الٰہی کا آئینہ بنا دیا گیا تھا۔ وہ اس طلعتِ زیبا کے آئینہ میں تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے' تو انوارِ خداوندی کی لذتِ دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین اور بے قرار ہو گئے۔"

اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وَلَعُمْرِیْ اِنَّہٗ لَوْ کَانَ شَاھَدَ تَجَلِّیْہِ تَعَالٰی فِیْ اَوَّلِ التَّعَیُّنَاتِ وَعَیْنِ اَعْیَانِ الْمَوْجُوْدَاتِ صلی اللہ علیہ وسلم مَارَاٰی وَلَمَا عَرَاہُ مَا عَرَا" "یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انہیں حسنِ یوسف یاد ہی نہ رہتا اور ان کے ہجر و فراق میں آپ کا یہ حال نہ ہوتا۔"

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح وبسط کے ساتھ لکھا اور بڑے اور عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن انوار الٰہیہ کی جلوہ گاہ تھا۔ اس کے بعد مجدد الفِ ثانی کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے، جس میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وَلِلْعِلْمِ حُسْنٌ وَّجَمَالٌ لَا کَمِّیَّۃَ لَہٗ فَلِاَجْلِ کَمَالِ لَطَافَتِہٖ وَعُلُوِّ دَرَجَتِہٖ تَجَلّٰی فِیْ (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْحُسْنِ وَالْجَمَالِ مَا لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَسَیَظْھَرُ حُسْنُہٗ وَجَمَالُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْاٰخِرَۃِ فَیُوْسُفُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاِنْ سُلِّمَ لَہٗ فِی الدُّنْیَا تَفَوُّقٌ فِی الْحُسْنِ لٰکِنْ فِی الْاٰخِرَۃِ الْحُسْنُ حُسْنٌ مُحَمَّدِیٌّ وَالْجَمَالُ جَمَالُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم۔" "خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مربی اور مبداء تعین، اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے، جو تمام صفات سے قریب تر اور محبوب تر ہے اور علم کا حسن و جمال اتنا لطیف اور بلند مرتبت ہوتا ہے کہ اسے نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ اسی لئے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حسن کو ہماری نظریں صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور کا حسن و جمال قیامت کو بے نقاب ہوگا۔ اس دن دنیا کو پتہ چلے گا کہ حسن "حسنِ محمدی" ہی ہے اور جمال "جمالِ احمدی" ہی ہے۔"

اس کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"کَانَ حُسْنُ یُوْسُفَ بِحَیْثُ اَحَبَّہٗ یَعْقُوْبُ وَالْخَلَائِقُ وَکَانَ حُسْنُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم بِحَیْثُ اَحَبَّہٗ رَبُّ یَعْقُوْبَ وَالْخَلَائِقِ جَلَّ جَلَالُہٗ" "کہ یوسف علیہ السلام کے حسن پر تو صرف حضرت یعقوب علیہ السلام اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال سے خالق کائنات محبت فرماتا ہے۔"

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالا تر ہے۔ میں نے عام فہم انداز میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدعا اور خلاصہ پیش کیا ہے تا کہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ [1]

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے آپ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا:

قَالُوْا تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ "کہا: اللہ کی قسم! آپ ہمیشہ یوسف علیہ السلام کی یاد کرتے ہیں

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 2، ص 451

مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ یوسف 4:13)

یہاں تک کہ گور کنارے جا لگیں یا جان سے گزر جائیں۔ آپ (علیہ السلام) نے کہا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اس اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

بیٹوں نے آپ سے کہا: یوسف علیہ السلام کی یاد میں اتنا غم کرتے ہیں اور روتے ہیں آپ تو اس سے مریض ہو جائیں گے یا اسی غم میں فوت ہو جائیں گے۔ پہلے ہی آپ اتنی مشقت اور پریشانی میں مبتلا ہیں' ہمیں ڈر ہے کہ آپ کی تکلیف بڑھ جائے گی' اسلئے آپ بہت غم نہ کریں اور نہ روئیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کا ذکر تمہارے سامنے تو نہیں کر رہا میں نے تو جس سے ذکر کرنا ہے اس سے کر رہا ہوں یعنی میری فریاد اللہ تعالیٰ سے ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے تو وہ محققین کے زمرہ میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے حضور عرض کرتے:

"اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ غَضْبِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ"

"اے اللہ! تیری رضا کی پناہ تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی پناہ تیرے غضب سے اور تیری ہی پناہ تجھ سے۔"

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے احسانات کو جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

"وَهُوَ اَنَّهٗ تَعَالٰى يَاْتِيْ بِالْفَرَجِ مِنْ حَيْثُ لَا اَحْتَسِبُ فَهُوَ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ كَانَ يَتَوَقَّعُ وُصُوْلَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ"

"کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی خوشی عطا فرمائی ہے' اسی نے غموں کو دور کرنا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔"

اس سے واضح اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف علیہ السلام کے ملنے کی بڑی قوی امید ہے۔ رب نے جو علم مجھے دیا ہے وہ تمہیں نہیں دیا۔ [1]

یوسف اور بنیامین کی تلاش کے لئے بیٹوں کا بھیجنا:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ (سورۃ یوسف' 4:13)

"اے بیٹو! جاؤ' یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو' بے شک اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتے سوائے کافروں کے' پھر جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے بولے: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت پہنچی اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں' تو

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 198-197

آپ ہمیں پوراناپ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے' بے شک اللہ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔''

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو تو اس کے بعد بیٹوں سے فرمایا: جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو' تیسرے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ ''یہودا'' بھی رہ گیا تھا۔ اس لئے کہ اس کا وہاں رہنا اختیاری تھا۔ اس کے واپس لانے میں کوئی مشکل نہیں تھی لیکن یوسف علیہ السلام کا وہاں رہنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اس میں رب کی مرضی کا انتظار تھا۔ اس سے پہلے آج تک یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنے کے متعلق باپ نے بیٹوں کو نہیں کہا' آج کیوں کہا؟ بنیامین کے متعلق معلوم ہے کہ وہ عزیز مصر کے پاس چوری کے الزام میں غلام ہونے کی حیثیت سے پابند ہے، پھر یہ کہنے کا مطلب کیا ہے؟ کہ یوسف علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو' ان کا سراغ لگاؤ۔ بس آپ کو معلوم تھا کہ اس مرتبہ بنیامین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا پتہ بھی چل جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' اس سے بھی واضح ہو رہا تھا کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وقت آ چکا تھا' اب یوسف علیہ السلام کی ملاقات سے راحت ہوگی۔

خیال رہے ''روح'' کا اصل معنی ہے ایسی راحت جو سانس لینے سے ہوتی ہے یا صبح کی ہوا سے جو سکون حاصل ہوتا ہے۔ بعد میں ہر قسم کی راحت و رحمت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید انسان اس وقت ہوتا ہے جب اس کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کمال پر قادر نہیں یا وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم نہیں یا وہ یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کریم نہیں بلکہ بخیل ہے۔ یہ تمام وجوہ کافروں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ بھائیوں نے کہا: ہم بے قدر یعنی تھوڑی مقدار میں اور جو زیادہ کھری بھی نہیں' پونجی لے کر آئے ہیں۔ آپ ہماری پونجی کو نہ دیکھیں بلکہ اپنی مہربانی کو دیکھیں' ہمیں پورا پورا ناپ کر غلہ دیں کیونکہ ہمارا خاندان بہت ''مصیبت'' میں ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی زبانی گھر کے حالات سنے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی' آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

خیال رہے یہاں بھائیوں نے جو یہ کہا {وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا} کا مطلب صدقہ کا مطالبہ نہیں کیونکہ جمیع انبیائے کرام اور ان کی اولاد پر صدقہ حرام تھا۔ ان کی نظر مخلوق کی طرف نہ اٹھے اور ان سے کم تر نظر نہ آئیں' اسلئے یہاں اس کا معنی ہے ''ہم پر بھلائی کرو۔'' اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب تو وہ غلہ لینے نہیں گئے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو تلاش کرنے گئے تھے۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ {وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا} ہم پر مہربانی کرو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دو۔ البتہ پہلے انہوں نے بات غلہ سے چھیڑی تا کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ اس کے احسانوں کو ہم فراموش نہیں کر سکے باوجودیکہ ہمارے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا ہے لیکن پھر بھی ہمارے باپ نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ (1)

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم ص 46 ....تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 202

یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ (سورۃ یوسف 4:13)

''یوسف (علیہ السلام) نے کہا: کہ کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم نادان تھے، انہوں نے کہا: کیا سچ مچ آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں؟ آپ علیہ السلام نے کہا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

''يَجُوْزُ اَنْ يَّعِفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِطَرِيْقِ الْوَحْيِ وَالْاِلْهَامِ عَلٰى وَصِيَّةِ اَبِيْهِ وَاِرْسَالِهٖ اِيَّاهُمْ لِلتَّجَسُّسِ مِنْهُ وَمِنْ اَخِيْهِ فَلَمَّا رَاٰهُمْ قَدِ اشْتَغَلُوْا عَنْ ذٰلِكَ قَالَ مَا قَالَ''

''جب بھائیوں نے آ کر غلہ کا مطالبہ کیا اور اشارہ سے کہا ہم پر رحم کریں، مقصد کچھ یہ بھی تھا کہ بنیامین کو چھوڑ دو لیکن ظاہر طور پر نہیں کہہ رہے تھے۔ تو اللہ نے یوسف علیہ السلام کو وحی یا الہام کے ذریعے مطلع کر دیا کہ ان کو ان کے باپ نے اس لئے بھیجا ہے کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، تو آپ نے جب دیکھا کہ یہ ماجرا کو ظاہر نہیں کر رہے ہے تو آپ نے خود ہی کلام کا آغاز کر دیا۔''

آپ علیہ السلام نے خود بھائیوں سے کہا: وہ خط جو تمہیں باپ نے میرے لئے دیا ہے وہ مجھے دے دو۔ انہوں نے جب خط دیا جس میں تحریر تھا کہ:

''ہمارا خاندان شروع سے ہی مصائب و آلام کی آزمائشوں سے گزر رہا ہے۔ میں اس دادا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پوتا ہوں جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں ڈال دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی۔ میرا ایک پیارا بیٹا یوسف تھا، جسے اس کے بھائی ساتھ لے گئے لیکن واپس آ کر اس کی خون آلودہ قمیص پیش کر دی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ رو رو کر میری آنکھوں کی بینائی ضائع ہو گئی۔ پھر اس کے دوسرے بھائی بنیامین کو غلہ لینے کے لئے یہ ساتھ لے گئے۔ چوری کے الزام میں تم نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ ہمارے خاندان کا شیوہ چوری کرنا نہیں اور نہ ہی ہمارا خاندان چوری کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم میرے بیٹے کو واپس کر دو ورنہ میں تمہارے خلاف رب کے حضور دعا کروں گا''

یہ خط پڑھتے ہی یوسف علیہ السلام پر زیادہ رقت طاری ہو گئی۔ (2)

جب یوسف علیہ السلام کو بھائی کنوئیں میں پھینک رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دل میں القاء کیا

(1) تفسیر ابی السعود ج 4، ص 303 (2) تفسیر کبیر ج 18، ص 202...... روح المعانی ج 7 ص 48 تفسیر ابی السعود حوالہ مذکورہ

تھا: ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ "تم ضرور بر ضرور ان کو ان معاملات کی خبر دو گے۔" اس وقت تو یوسف علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیسے اور کس وقت اور کس حال میں بھائیوں کو بتاؤں گا؟ کہ تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آپ بچپن کی وجہ سے عاجز و ناتواں تھے اور بھائی بڑے قد آور جسیم اور طاقتور تھے، لیکن آج یوسف علیہ السلام شاہی تخت پر جلوہ گر تھے اور آپ کے بھائی بڑے ادب و احترام سے آپ سے غلہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یوں کہیں کہ کل کے طاقت ور آج سراپائے عجز بن کر بیٹھے ہیں اور کل کا عاجز و ناتواں آج شاہی تخت کا مالک، عظیم طاقتور ہے۔

یوسف علیہ السلام اپنے خاندان کے رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر، اپنے باپ کی پریشان حالی اور رقت آمیز خط دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ "ایک دن تم نے اپنے بھائیوں کو ان کے کارناموں کے خبر دینی ہے" آج یوسف علیہ السلام ان الفاظ میں بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کلام شروع فرما رہے ہیں:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جب تم جاہل تھے" کلام کی ابتداء ہی ایسے انداز سے کی کہ بھائیوں کو جب پتہ چلے کہ میں یوسف علیہ السلام ہوں، تو وہ ڈریں نہیں، لہٰذا کہا: "یہ سب کچھ تم نے نادانی اور جہالت کی وجہ سے کیا تھا" اور نبی کبھی ان لوگوں کی کارروائیوں کا انتقام نہیں لیا کرتا جو انہوں نے بے علمی کی وجہ سے کی ہوں۔

جب آپ علیہ السلام نے بھائیوں سے پوچھا تو انہوں نے آپ کے انداز کلام سے یا آپ کے مسکرانے کی وجہ سے دانتوں کی چمک سے پہچانتے ہوئے پوچھا: کیا آپ یوسف تو نہیں؟ آپ نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، یعنی میری ماں کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے، یعنی امتحان لینے کے بعد ہمیں یہ منصب عطا کیا ہے، جو تم دیکھ رہے ہو۔ ساتھ ساتھ بھائیوں کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اور صبر کرنے والے نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اشارہ تھا کہ اگر تم نے بھی تقویٰ حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ کا کرم تم پر ہو جائے گا۔ (1)

بھائیوں کی معذرت اور آپ کا معاف کرنا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

(سورۃ یوسف 4:13)

"یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے کہا اور بے شک اللہ نے ہم پر آپ کو فضیلت دی اور بے شک ہم خطاوار تھے۔ آپ علیہ السلام نے کہا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔"

(1) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 7 حصہ دوم ص 49 .... تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 18، ص 204

جونہی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر کیا کہ "میں یوسف ہوں اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور جو شخص بھی گناہوں سے بچتا ہے اور لوگوں کی اذیت پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا" تو یہ سن کر آپ کے بھائیوں نے آپ کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَالْمَعْنٰی لَقَدْ فَضَّلَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا بِالْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْفَضْلِ وَالْحُسْنِ وَالْمُلْكِ" "اللہ نے آپ کو ہم پر علم، حوصلہ مندی، عقل، فضل و کمال، حسن اور بادشاہت میں فضیلت عطاء کی۔"

اور بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا {وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ} اور بے شک ہم خطاوار تھے۔ اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے عذر پیش کیا کہ ہم نے آپ کو جو کنوئیں میں ڈالا' آپ کو بیچا' گھر سے نکالا اور آپ کو والد سے دور کیا' یہ سب ہماری خطائیں ہیں۔ بھائیوں کی معذرت پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ O (سورۃ یوسف 4:13) "آج تم پر کچھ نہیں (یعنی نہ تم پر کوئی عار ہے اور نہ کچھ توبیخ ہے یعنی یہ اعلان آج سے میں ہمیشہ کے لئے کر رہا ہوں کبھی بھی تمہیں ماضی کے واقعات پر عار نہیں دلائی جائے گی) اللہ تمہیں معاف کرے' اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔"

بھائیوں کیلئے دعاء کر کے ان کے دل کو مزید تسلی دی کہ میں نے تو مکمل دل سے معاف کر دیا ہے اور دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی جب بہت زیادہ نادم ہو رہے تھے اور عرض کر رہے تھے کہ تم تو ہمیں صبح و شام اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے رہے لیکن ہم نے آپ سے جو کارگزاریاں کیں ہمیں تو ان سے بہت بڑی ندامت ہو رہی ہے' تو آپ نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: میرے بھائیو! تم نادم کیوں ہوتے ہو؟ مجھے تو تمہارے آنے سے بہت بڑی خوشی ہوئی ہے: کیونکہ میں مصر کا حکمران بھی بن گیا ہوں اور مصری لوگ میرے غلام بن کر آزاد ہوئے، لیکن پھر بھی ان کے ذہنوں میں یہ بات ضرور ہوگی کہ بیس درہم کا خریدا ہوا غلام مصر کا حاکم بن گیا ہے' لیکن آج ان کے سامنے یہ واضح ہو چکا ہے کہ تم میرے بھائی ہو، میں ابراہیم علیہ السلام کا پر پوتا ہوں' کوئی غلام نہیں تھا۔ تقدیر اور رب کی طرف سے آزمائش کی وجہ سے غلامیت سے متصف ہوا۔ آج تمہارے آنے اور میرے ظاہر کرنے سے سب لوگوں کی نظر میں مجھے عظمت ملی ہے' میری شرافت اور خاندان نبوت کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میرا بول بالا ہوا۔ [1]

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 205

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ان قریش کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا جنہوں نے صحابہ کرام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے تھے بلکہ خود نبی کریم ﷺ کو ایذاء رسانیوں میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔ {مَا تَرَوْنِیْ فَاعِلًا بِكُمْ} تمہارا میرے تعلق کیا خیال ہے؟ کہ میں آج تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟ تو سب قریش نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: {نَظُنُّ خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ} ''ہم آپ کے متعلق بھلائی کا گمان کرتے ہیں کیونکہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں'' یعنی ہمارے خاندان میں آپ کی رحمت اور آپ کا کرم مشہور ومعروف ہے آپ تو موروثی طور پر ہی کریم چلے آرہے ہیں' ہمیں امید ہے کہ آپ کبھی بھی ہم سے انتقام نہیں لیں گے۔ ''قریش'' کی یہ بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: آج میں تمہارے لئے وہی اعلان کررہا ہوں' جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے کیا تھا: {لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ} ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) ایمان لانے کی غرض سے آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا تو یہ تلاوت کرنا: {لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ} تو انہوں نے ایسا ہی کیا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: {غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِمَنْ عَلَّمَكَ} اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور اس کی بھی جس نے تمہیں سکھایا۔ [1]

مصر سے قمیص کی روانگی اور یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آنا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (سورۃ یوسف 5:13)

''(یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ میری قمیص لے جاؤ! اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو! ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا بے شک میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سیدھی سوچ سے ہٹ گیا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا؟ کہ قمیص کو آنکھوں پر ڈالنے سے باپ کی بینائی واپس آجائے گی؟

"يُوْحٰى مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَوْلَا الْوَحْيُ لَمَا عَرَفَ ذَالِكَ" ''آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے معلوم ہوا' اگر وحی نہ ہوتی تو آپ کو اس کا پتہ نہ چلتا کیونکہ عقل میں آنی والی بات ہی نہیں۔''

وہ قمیص کون سی تھی؟

یہ عام قمیص تھی جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی یا کہ وہ قمیص تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پہنائی گئی تھی اور

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 206

جنت سے لائی گئی تھی بعد میں وہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت آپ کے گلے میں بطور تعویذ ڈالی تھی۔ اب جبرائیل امین علیہ السلام نے آ کر آپ کو فرمایا: کہ یہ قمیص اپنے والد کی طرف بھیج دو تا کہ انہیں اس سے ذریعے نظر واپس مل جائے۔ (1)

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو کہا: کہ تم گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ! اس وقت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے افراد جن میں مرد عورتیں بچے یعنی آپ کی اولاد یا اولاد کی اولاد وغیرہ بہتر (۷۲) سے چھیانوے (۹۶) تک تھے۔ (مختلف اقوال ملتے ہیں) یہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ جب یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تو صرف جوان مردوں کی تعداد چھ لاکھ تھی بوڑھے مرد عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ (2)

جب مصر سے قمیص کو یعقوب علیہ السلام کے گھر لانے کے لئے نکالا گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اس کی خوشبو سونگھ لی۔ آپ نے بیٹوں کے بغیر دوسرے اہلِ خانہ کو کہا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم میری رائے کو ضعیف نہ سمجھو۔

"وَلَمْ يَكُنْ هٰذَا الْقَوْلُ مَعَ اَوْلَادِهٖ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا غَائِبِيْنَ" (3) ''حضرت یعقوب علیہ السلام کی یہ گفتگو بیٹوں کے ساتھ نہ تھی کیونکہ وہ موجود نہ تھے۔''

تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 207 مطبوعہ بیروت

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنی دور سے خوشبو کو کیسے سونگھ لیا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں اور خصوصاً جب آپ کو قمیص سے اٹھنے والی جنت کی خوشبو آئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خوشبو اس جنتی قمیص کے بغیر کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ (4)

تو اہل خانہ نے کہا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

''انہوں نے کہا: خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ قمیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی تو آپ علیہ السلام کی آنکھیں بھر آئیں تو آپ علیہ السلام نے کہا: کیا میں نہیں کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔''

(سورۃ یوسف 5:13)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حاضرین نے جو یہ کہا تھا: { اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ } کا معنی یہ ہے:

---

(1) تفسیر ابی السعود علامہ محمد العمادی رحمہ اللہ ج 4 ص 305

(2) روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 53

(3) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 207

(4) روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 53

"اِنَّكَ لَفِیْ حُبِّكَ الْقَدِیْمِ لَا تَنْسَاهُ وَلَا تَذْهَلُ عَنْهُ" ''تم تو ابھی یوسف کی پرانی محبت میں ہی وارفتہ ہو' آپ ان کو کبھی بھول نہیں سکتے اور نہ ہی آپ کے دل سے وہ نکل سکتے ہیں' (حالانکہ وہ کب کے مر چکے ہیں)''

قمیص لانے والا اور خوشخبری دینے والا آپ کا بیٹا ''یہودا'' تھا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''یہودا'' نے اپنے بھائیوں کو کہا:

"قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ ذَهَبْتُ اِلٰی اَبِیْ بِقَمِیْصِ التَّرْحَةِ فَدَعُوْنِیْ اَذْهَبُ اِلَیْهِ بِقَمِیْصِ الْفَرْحَةِ فَتَرَكُوْهُ" ❶ ''تمہیں معلوم ہے کہ بے شک میں ہی اپنے باپ کے پاس غم دلانے والی قمیص لے کر گیا تھا (یعنی آپ کو کنوئیں میں ڈال کر خون آلود قمیص میں نے ہی پیش کی تھی) اس لئے اب تم تمام مجھے اجازت دو کہ خوش کرنے والی قمیص بھی میں ہی لے کر جاؤں' سب بھائیوں نے ان کو اجازت دی۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس قمیص لانے والے نے آپ کی آنکھوں پر قمیص کو ڈال دیا یا آپ علیہ السلام کو قمیص دے دی گئی اور آپ نے خود ہی قمیص کو اپنی آنکھوں پر لگایا:

"قَدْ جَرَتِ الْعَادَةُ اَنَّهٗ مَتٰی وَجَدَ الْاِنْسَانُ شَیْئًا یَعْتَقِدُ فِیْهِ الْبَرَكَةَ مَسَحَ بِهٖ وَجْهَهٗ" ❷ ''انسانی فطرت کی یہ عادت جاری ہے کہ جب کسی چیز میں اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس میں برکت پائی جاتی ہے تو وہ اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے۔''

قمیص کو آنکھوں کو لگانے سے بینائی واپس اپنی اصلی حالت پر آ گئی' آپ نے خوشخبری لانے والے شخص سے پوچھا تم نے یوسف (علیہ السلام) کو کیسے حال میں چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"مَا اَصْنَعُ بِالْمُلْكِ؟ عَلٰی اَیِّ دِیْنٍ تَرَكْتَهٗ؟ قَالَ عَلَی الْاِسْلَامِ قَالَ اَلْاٰنَ تَمَّتِ النِّعْمَةُ" ❸ ''مجھے بادشاہت سے کیا غرض؟ یہ بتاؤ تم نے اسے کس دین پر چھوڑا؟ تو اس نے کہا: اسلام پر' تو آپ نے فرمایا: کہ اب نعمت کی تکمیل ہوئی کہ خوشخبری کامل حاصل ہوگئی۔''

آپ نے تمام اہل خانہ کو اور آنے والے تمام بیٹوں کو کہا:

"اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ حِیْنَ اَرْسَلْتُكُمْ اِلٰی مِصْرَ وَاَمَرْتُكُمْ بِالتَّحَسُّسِ وَنَهَیْتُكُمْ عَنِ الْیَاْسِ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ مِنْ حَیَاةِ یُوْسُفَ عَلَیْهِ السَّلَامُ" ❹ ''جب میں نے تمہیں مصر بھیجا تھا اور تمہیں حکم دیا کہ یوسف کو تلاش کرو' اور میں نے تمہیں اللہ کی رحمت سے نا امید ہونے سے منع کیا تھا' تو میں نے اس وقت تمہیں کیا نہ کہا تھا کہ اللہ

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم' ص 54
❷ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم' ص 54
❸ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم' ص 54
❹ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم' ص 55

تعالیٰ سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی مجھے یہ معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے۔"

یہ بھی خیال کریں کہ بنیامین کے متعلق معلوم تھا کہ وہ مصر میں ہے تو پھر یہ کہا: کہ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اس میں بہت واضح اشارہ تھا کہ دونوں ایک جگہ ہی ہیں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا آپ سے معافی طلب کرنا:

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورہ یوسف 5:13)

"(آپ کے بیٹوں نے) کہا: اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے۔ بے شک ہم خطاوار ہیں' آپ علیہ السلام نے کہا: جلدی میں تمہاری بخشش اپنے رب سے چاہوں گا' بے شک وہی بخشنے والا ہے۔"

بیٹوں نے "اے ہمارے باپ" کہہ کر آپ علیہ السلام سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کی درخواست کی کہ آپ ہمارے باپ ہیں' شفیق ہیں' ہم خطاوار ہیں۔ آپ درگزر کرتے ہوئے ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے ہماری غلطیوں کی معافی طلب کریں۔ اگر آپ نے ہمارے لئے دعا نہ کی تو ہم اپنی غلطیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ کر ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ اگر رحم نہیں کریں گے تو ہم پر اور کون رحم کرے گا؟ آپ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا کہ میں جلدی ہی تمہاری بخشش اپنے رب سے طلب کروں گا اور ہمیشہ طلب کرتا رہوں گا اسی وقت بخشش طلب نہیں فرمائی کہ آپ سحر کے وقت کے منتظر تھے کہ اس وقت دعا جلدی قبول ہوتی ہے یا اس کی وجہ یہ تھی: {اَنَّهٗ اَخَّرَ اِلٰى لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ} "بے شک آپ نے جمعہ کی رات تک مؤخر کیا تھا کہ وہ وقت زیادہ قبولیت کا ہوتا ہے۔"

اس سے ان لوگوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے جو جمعرات کی شام یعنی جمعہ کی رات اپنے فوت شدہ حضرات کے لئے دعا مغفرت کرنے والوں کو "بدعت کا مرتکب" قرار دیتے ہیں۔ کاش! ان جہلاء کو یہ پتہ چل جاتا کہ جمعہ کی رات دعاء کی قبولیت کا زیادہ یقین ہونا پہلے انبیائے کرام سے آ رہا ہے۔ [1]

یعقوب علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی مصر میں آمد:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ

"پھر جب وہ سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے' اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا: مصر میں داخل ہو اللہ

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 7 حصہ دوم' ص 55 بزیادۃ

وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ٘-قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّاؕ-وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْؕ-اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُؕ-اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ(۱۰۰)

(سورۃ یوسف 5:13)

چاہے تو امان کے ساتھ۔ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب کے لئے سجدے میں گرے اور یوسف (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے' بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا ہے۔ بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی۔ بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے۔ بے شک وہی علم وحکمت والا ہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو ان کے اہل واولاد کے بلانے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل کو جمع کیا، مشہور قول کے مطابق بہتر یا تہتر مرد اور عورتوں کی تعداد تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہِ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر آپ اپنے والد مکرم کے استقبال کے لئے صد ہا ریشمی پھریرے اڑاتے ہوئے قطاریں باندھے ہوئے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے "یہودا" کا سہارا لئے تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ بڑے زرق برق سواروں سے صحرا پر ہو رہا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے یہودا! کیا یہ فرعونِ مصر ہے (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون تھا) جس کا لشکر اس شان وشوکت سے آرہا ہے؟ عرض کیا: نہیں! یہ تو آپ کے فرزند یوسف علیہ السلام آپ کے استقبال کے لئے آرہے ہیں۔

خیال رہے کہ یوسف علیہ السلام اس وقت "عزیزِ مصر" یعنی وزیر اعظم تھے۔ مفسرین کرام نے آپ کے لئے لفظ "ملک" استعمال کیا ہے جس کا معنی بادشاہ ہے لیکن فرق اس طرح کر لیا جائے آپ بادشاہ تھے اور "ولید بن ریان" بادشاہ اعظم تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو متعجب دیکھ کر عرض کیا: ہوا کی طرف نظر فرمائیے! آپ کے سرور میں شوکت کے لئے ملائکہ حاضر ہوئے ہیں' جو مدتوں آپ کے غم کے سبب روتے رہے ہیں۔ ملائکہ کی تسبیح سے اور گھوڑوں کے ہنہنانے سے عجیب کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی' جب دونوں حضرات ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: آپ توقف کیجئے! والد مکرم کو پہلے سلام کرنے کا موقع دیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: {اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُذْهِبَ الْاَحْزَانِ} "اے غم واندوہ کے دور کرنے والے! تم پر سلام۔" یعقوب علیہ السلام کے پہلے سلام کرنے میں حکمت یہ تھی کہ واضح ہو جائے: {اِنَّ یَعْقُوْبَ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی

مِنْہُ} کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور بنسبت حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ مکرم ہیں۔ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تو خوشی کا یہ عالم تھا" فَاعْتَنَقَہٗ وَقَبَّلَہٗ "کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گلے سے لگایا اور ان کا بوسہ لیا۔ (1)

فائدہ: "معانقہ" خوشی کے موقع پر گلے لگا کر ملنا اور اپنے عزیز کا بوسہ لینا سنتِ انبیاء ہے' عید کے موقع پر گلے لگا کر ملنے کو "بدعت وگمراہی" سے تعبیر کرنے والے دین سے بے خبر ہیں۔قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں ضوابط بیان ہیں' جب کسی ایک موقع پر خوشی کی حالت میں معانقہ جائز ہونا ثابت ہو جائے تو تمام خوشی کے مواقع جواز خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

حضرت اُسید بن حُضیر سے مروی ہے کہ ایک شخص انصار سے تھے جو لوگوں سے کلام کر رہے تھے۔وہ مزاح کرتے تھے اور لوگوں ہنسا رہے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھڑی سے ان کے پہلو پر ضرب لگائی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی از روئے مزاح ہی انہیں چھڑی ماری) انہوں نے عرض کیا آپ مجھے قصاص لینے کے قدرت دیں' تاکہ میں آپ سے قصاص لے سکوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرما دی تو انہوں نے عرض کیا' آپ کے جسم پر قمیص ہے اور میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص کو اٹھا دیا:

"فَاحْتَضَنَہٗ وَجَعَلَ یُقَبِّلُ کَشْحَہٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُّ ھٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم" (2)

"انہوں نے معانقہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغلوں میں لے لیا اور آپ کے پہلو کو چومنے لگے اور عرض کرنے لگے میرا مقصد یہی تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

انصاری صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح سے مارنے پر خوش ہو کر آپ کو گلے لگایا' بغلوں میں لیا اور آپ کے پہلو کو چوما۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو منع نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے ناجائز کیا ہے۔اگر ناجائز ہوتا تو آپ ضرور صحابی کو منع فرماتے۔آپ کے منع نہ کرنے سے خود بخود جواز ثابت ہو گیا۔

"عَنِ الشَّعْبِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم تَلَقّٰی جَعْفَرَ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَہٗ وَقَبَّلَ مَا بَیْنَ عَیْنَیْہِ" (3)

"حضرت شعبی سے مروی ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعفر بن ابی طالب کو ملے تو انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔"

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل امت کے حق میں استحباب سے خالی نہیں۔

---

(1) تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 18 ص 210......روح المعانی' ج 7 ص 57' تفسیر خزائن العرفان مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

(2) ابوداؤد' مشکوۃ باب المعانقۃ والمصافحہ ص 402

(3) ابوداؤد' بیہقی' مشکوۃ باب المعانقہ 402

خیال رہے کہ دوسری حدیث میں راوی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ خود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: {مَا اَدْرِیْ اَنَا بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرَ} "مجھے یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ اسوقت خیبر کے فتح ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش تھے یا جعفر کے آنے کی وجہ سے؟" اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَکَانَ کُلُّ وَاحِدٍ لِاسْتِقْلَالِ کَوْنِہٖ سَبَبًا لِلْفَرَحِ لَا یَجْتَمِعُ مَعَ غَیْرِہٖ مِنْ اَسْبَابِ الْفَرَحِ" "ہر ایک مستقل طور پر خوشی کا سبب تھا خوشی کا ایک سبب دوسرے سبب سے جمع نہیں ہوتا۔"

اس سے واضح ہوا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے ملاقات پر معانقہ اور چومنا اور ان کی آمد پر خوشی تھی۔ حضرت زارع رضی اللہ عنہ وفد عبدالقیس میں تھے' یہ کہتے ہیں: کہ جب ہم مدینہ (طیبہ) میں آئے تو ہم جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اترنے لگے۔

"فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَرِجْلَہٗ" ❶ "پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو چومنے لگے۔"

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہیں روکا' لہذا بزرگ ہستی کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے' اگر جائز نہ ہوتا تو آپ پر روکنا واجب ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہو' اہل خیر کی طریقہ میں' یعنی سکینہ وقار سے چلنے میں آپ سب سے بڑھ کر حضور ﷺ کے مشابہ تھیں' اور تمام امور میں نبی کریم ﷺ کی طرح حسنِ سیرت آپ کو حاصل تھی اور آپ کو حسن اخلاق حضور ﷺ کے مشابہ حاصل تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کلام کرنے اور بات چیت میں حضور ﷺ کے مشابہ تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے {فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَقَبَّلَھَا} اور ان کے ہاتھ کو پکڑ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ {فَاَخَذَتْ بِیَدِہٖ فَقَبَّلَتْہُ} اور آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر آپ کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔ ❷

نبی کریم ﷺ کا بوسہ عزیزہ کے طور پر ہوتا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لینا بزرگ سمجھ کر ہوتا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا: {فَقَبَّلَھَا اَیْ بَیْنَ عَیْنَیْھَا اَوْ رَاْسِھَا} "بوسہ دیا یعنی آنکھوں اور سر کے درمیان (پیشانی)" اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی عزیز یا عزیزہ کا بوسہ لینا جائز ہے' اسی طرح بزرگ باپ سے اولاد کا بوسہ لینا بھی جائز ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ داخل ہوا' (جب وہ غزوہ سے لوٹ کر) پہلے پہلے مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ آپ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں' ان کو بخار تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا: {کَیْفَ

---

❶ ابوداؤد' مشکوۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ 402 ❷ ایضاً

اَنْتِ یَا بُنَیَّۃُ وَقَبَّلَ خَدَّھَا } ''اے میری پیاری بیٹی! تمہارا کیا حال ہے؟ اور آپ نے اپنی بیٹی کے رخسار کو چوما۔'' آپ رضی اللہ عنہ کا بیٹی کے رخساروں کو چومنا اس وجہ سے تھا: {لِلْمَرْحَمَۃِ وَالْمَوَدَّۃِ اَوْمُرَاعَاۃً لِلسُّنَّۃِ } ''کہ آپ نے بطور رحمت اور محبت کے چوما یا سنت سمجھ کر' تا کہ سنت پر عمل ہو جائے۔'' (1)

حضرت ایوب بن بشیر ''عنزہ'' قبیلے کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا' جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ساتھ مصافحہ کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! میں نے جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ مصافحہ ضرور کیا ہے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا' میں گھر نہیں تھا۔ جب میں گھر واپس آیا تو مجھے خبر دی گئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ {فَالْتَزَمَنِیْ فَکَانَتْ تِلْکَ اَجْوَدُ وَاَجْوَدُ } ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گلے لگایا (ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) یہ گلے لگانا زیادہ اچھا ہے۔'' یعنی مصافحہ یا ہر چیز سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس میں اظہار محبت راحت وسکون زیادہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: {قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ} ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اقرع رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: {مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ } ''جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' (2) یعنی جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا یعنی لوگوں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اپنے آپ کو مستحق بنانا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

''قَالَ النَّوَوِیُّ تَقْبِیْلُ الرَّجُلِ خَدَّ وَلَدِہِ الصَّغِیْرِ وَاجِبٌ وَکَذَا غَیْرَ خَدِّہٖ مِنْ اَطْرَافِہٖ وَنَحْوِھَا عَلٰی وَجْہِ الشَّفْقَۃِ وَالرَّحْمَۃِ وَاللُّطْفِ وَمُحَبَّۃِ الْقَرَابَۃِ سُنَّۃٌ سَوَاءٌ کَانَ الْوَلَدُ ذَکَرًا اَوْ اُنْثٰی وَکَذَا قُبْلَۃُ وَلَدِ صَدِیْقِہٖ وَغَیْرِہٖ مِنْ صِغَارِ الْاَطْفَالِ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْہِ وَاَمَّا التَّقْبِیْلُ بِالشَّھْوَۃِ فَحَرَامٌ بِالْاِتِّفَاقِ وَسَوَاءٌ کَانَ فِیْ ذَالِکَ الْوَالِدِ وَغَیْرِہٖ'' (3)

''علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اپنے چھوٹے بچے کے رخساروں کو چومنا ''واجب'' ہے اسی طرح رخساروں کے علاوہ جسم کے اور حصوں یعنی ہاتھ سر پیشانی کو بھی چومنا شفقت رحمت مہربانی اور قرابت کی محبت کی وجہ سے ''سنت'' ہے۔ خواہ اولاد مذکر ہو یا مونث۔ اسی طرح اپنے دوست اور تعلق دار کے چھوٹے بچوں کے رخساوں یا دوسرے اعضاء کو بھی چومنے کا

(1) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج9' ص80 (2) ابوداؤد' مشکوۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ 401

(3) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج9' ص75

یہی حکم ہے۔ البتہ شہوت کے طور پر چومنا حرام ہے۔ اس میں والد اور دوسرے لوگوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اس میں اہل علم کا اتفاق ہے۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے "وجوب" کے قول پر اعتراض کیا گیا ہے کہ وجوب صرف اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب حدیث صریح یا قیاسِ صحیح سے ثابت ہو۔ تاہم وجوب نہ بھی ثابت ہو تو سنت واستحباب تو یقیناً ثابت ہے کیونکہ رخساروں کے بغیر اطراف کو شفقت کے طور پر چومنا سنت ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا ہے۔

"قَالَ النَّوَوِيُّ تَقْبِيلُ يَدِ الْغَيْرِ إِنْ كَانَ لِعِلْمِهِ وَصِيَانَتِهِ وَزُهْدِهِ وَدِيَانَتِهِ وَنَحْوِ ذَالِكَ مِنَ الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ لَمْ يُكْرَهْ بَلْ تُسْتَحَبُّ وَإِنْ كَانَ لِغِنَاهُ أَوْ جَاهِهِ فِي دُنْيَاهُ كُرِهَ وَقِيلَ حَرَامٌ وَقِيلَ الْحَرَامُ مَا كَانَ عَلَى وَجْهِ التَّمَلُّقِ وَالتَّعْظِيمِ وَأَمَّا الْمَأْذُونُ فِيهِ فَعِنْدَ التَّوْدِيعِ وَالْقُدُومِ مِنَ السَّفَرِ وَطُولِ الْعَهْدِ بِالصَّاحِبِ وَشِدَّةِ الْحُبِّ فِي اللّٰهِ مَعَ أَمْنِ النَّفْسِ" [1]

"علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی کے ہاتھوں کو اس کے علم، زہد وتقویٰ، دین داری اور ہر طرح کے دینی کاموں پر عمل کی وجہ سے چوما جائے تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر کسی کے ہاتھوں کو اس لئے چوما جاتا ہو کہ یہ غنی ہے یا دنیاوی طور پر اس کو جاہ وجلال حاصل ہے تو یہ مکروہ ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے حرام کہا ہے۔ البتہ بعض حضرات نے دنیادار کے ہاتھ چومنا حرام اس وقت کہا ہے جب چاپلوسی کے ارادہ سے چومے یا اسکی تعظیم کے لئے چومے، اگر ایسی صورت نہ ہو تو جائز ہے۔ کسی کو الوداع کرتے وقت یا سفر سے واپس آتے وقت یا کسی دوست سے دیر سے ملاقات ہوتے وقت یا کسی شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محبت ہو تو اس کے ہاتھ چومنے کی اجازت ہے۔ ان تمام صورتوں میں شرط یہ ہے کہ نفس امن میں ہو، شہوت کا ارادہ نہ ہو۔"

"قَالَ النَّوَوِيُّ وَيَنْبَغِي أَنْ يُحْتَرَزَ عَنْ مُصَافَحَةِ الْأَمْرَدِ الْحَسَنِ الْوَجْهِ فَإِنَّ النَّظَرَ إِلَيْهِ حَرَامٌ وَقَالَ أَصْحَابُنَا كُلُّ مَنْ حَرُمَ النَّظَرُ إِلَيْهِ حَرُمَ مَسُّهُ بَلْ مَسُّهُ أَشَدُّ فَإِنَّهُ يَحِلُّ النَّظَرُ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَ وَلَا يَجُوزُ مَسُّهَا" [2]

"علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہوت کی غرض سے ایسے لڑکے جس کی داڑھی نہ ہو اور خوبصورت چہرہ ہو اس سے مصافحہ کرنے سے اجتناب کیا جائے، شہوت کی غرض سے اسے دیکھنا حرام ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے: جسے دیکھنا حرام ہے اسے چھونا بھی حرام ہے، بلکہ چھونا زیادہ جرم ہے کیونکہ کسی اجنبی عورت سے اگر نکاح کا ارادہ ہو تو اسے دیکھنا جائز ہے لیکن ہاتھ لگانا حرام ہے۔"

یوسف علیہ السلام کے خواب کا پورا ہونا:

آپ نے بچپن میں جو خواب دیکھا کہ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں، وہ خواب آپ کا پورا ہو گیا

[1] مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 9 ص 76
[2] مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 9 ص 74

کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے اہل وعیال کے ساتھ مصر میں آئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے تخت پر جلوہ گر کیا تو یوسف علیہ السلام کو آپ کے ماں باپ اور گیارہ بھائیوں نے سجدہ کیا اسی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔

خیال رہے کہ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَحْیَاھَا وَاَنْشَرَھَا مِنْ قَبْرِھَا حَتّٰی سَجَدَتْ لَہٗ تَحْقِیْقًا لِرُؤْیَۃِ یُوْسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ" ❶ "بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالا تاکہ یہ بھی یوسف کو سجدہ کرلیں کہ ان کا خواب سچا ہو جائے۔"

اعتراض: حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ نبی ہیں لیکن یعقوب علیہ السلام ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں اور یوسف علیہ السلام کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام زیادہ شان والے ہیں۔ اور یعقوب علیہ السلام باپ ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام بیٹے ہیں۔ ان وجوہ کے پیش نظر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بیٹا باپ کو سجدہ کرے باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنے کا کیا مطلب؟

جواب: حضرت عطاء کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے: {خَرُّوْا لَہٗ اَیْ لِاَجَلِ وِجْدَانِہٖ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی} "یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو سب نے سجدہ کیا۔" یعنی یہ سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو تھا' رب کا شکر یہ ادا کیا گیا کہ یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں کیونکہ یہ سجدہ تخت پر بیٹھنے کے بعد کیا گیا۔ اگر یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا جاتا تو تخت پر بیٹھنے سے پہلے سجدہ کیا جاتا' یا یہ کہا جائے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سجدہ تو یوسف علیہ السلام کو ہی کیا ہو لیکن اس لئے کہ ہوسکتا ہے بھائی سجدہ نہ کریں' آپ کے سجدہ کرنے پر سب بھائیوں نے سجدہ کرلیا۔ یا یہ ہے کہ سجدہ کرنے میں یوسف علیہ السلام تو رضامند نہیں تھے کہ مجھے میرے باپ سجدہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس کے حکم میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ خود ہی انہیں جانتا ہے' جیسے اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اس میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں حقیقت میں وہ خود ہی جانتا ہے۔ ❷

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا کتنا خیال رکھا: یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ بھائیوں نے مجھ پر ظلم کیا تھا' زیادتیاں کی تھیں' بلکہ یہ کہا: میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو ناچاقی ہوئی وہ شیطان کی طرف سے پیدا کردہ اختلافات تھے' دل میں ذرا بھر کدورت نہیں رکھی' بھائیوں سے کوئی اختلاف نہ رکھا بلکہ بھائیوں سے ملاقات محبت والفت کو اللہ کا احسان قرار دیا۔

سبحان اللہ! یہ عظمت کسی نبی کو ہی حاصل ہوسکتی ہے' ہمارے جیسا گناہگار انسان اس قسم کی فراخدلی اور درگزر کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 201 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 212

یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو شاہی مقامات دکھائے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کا ہاتھ پکڑا اور تمام خزانوں کے مقامات دکھائے سونے کے خزانے چاندی کے خزانے' زیورات کے خزانے' کپڑوں کے خزانے اور ہتھیاروں کے مقامات دکھائے۔ آخر میں جب آپ نے اپنے باپ کو کاغذات والا مقام دکھایا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اتنے کاغذات تمہارے پاس موجود تھے' تم نے اتنے فاصلہ سے مجھے خط بھی نہیں لکھا: آپ علیہ السلام نے عرض کیا: مجھے جبرائیل علیہ السلام نے منع کیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: اس سے پوچھئے کہ اس نے تمہیں کیوں منع کیا تھا؟ یوسف علیہ السلام نے کہا: آپ کا تعلق جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ ہے' آپ خود پوچھ لیجئے! جب آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے کیوں منع کیا تھا؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا: ''فَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ'' ''مجھے خوف ہے اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔'' (1)

یعنی آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہی آپ کے بیٹوں نے استعمال کیا اور سب سے بڑی وجہ تو امتحان تھا' چونکہ انبیائے کرام کی شان بہت بلند و بالا ہوتی ہے اس لئے ان پر امتحان بھی اسی طرح کے بہت بڑے آتے ہیں جیسے ان کی شان ہوتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام کی وفات اور قبر:

مصر میں جا کر یعقوب علیہ السلام چوبیس سال مقیم رہے' جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مجھے شام میں اپنے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا' آپ پر جب وفات طاری ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام خود اپنے والد مکرم کا جسمِ اطہر لے کر شام میں گئے اور اپنے دادا اسحاق علیہ السلام کے ساتھ آپ کو دفن کر کے واپس مصر میں آ گئے۔ (2)

• خیال رہے کہ یعقوب علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام ''عیص'' تھا۔ یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے اور اسی دن ان کی بھی وفات ہوئی' دونوں بھائیوں کی عمریں ایک سو پینتالیس سال تھیں۔ دونوں ہی اپنے باپ اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں ایک ساتھ دفن کئے گئے۔ یعقوب علیہ السلام کا تابوت خاص قسم کی لکڑی کا بنوایا گیا تھا جس میں مصر سے شام آپ کو لے کر گئے تھے۔ (3)

یوسف علیہ السلام کی وفات:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد تیئس سال آپ ظاہری حیات میں رہے' جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 216
(2) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 216
(3) تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

آپ آخرت کی طرف زیادہ متوجہ رہنے لگے' دائمی ملک کی طرف جانے کا اشتیاق زیادہ ہونے لگا' رب کے حضور عرض کیا:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف 5:13)

''اے میرے رب! تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا؟ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔''

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے موت کی تمنا کی حالانکہ موت کی تمنا جائز نہیں تو اس کا مطلب اصل میں یہ ہے کہ جب آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا کہ اب آپ کے جانے کا وقت قریب آچکا ہے تو آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ''اے اللہ! مجھے اپنے خاص قرب والے لوگوں کے ساتھ ملا'' اس دعا کا تعلق موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقربین سے لاحق ہونے کے ساتھ ہے' درحقیقت موت کی دعا نہیں۔ [1]

یوسف علیہ السلام کی قبر: آپ کی وفات کے بعد مصری لوگوں میں تنازع ہوگیا ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ ہمارے محلہ میں دفن کیے جائیں تا کہ وہ آپ سے برکت حاصل کرسکیں۔ { فَطَلَبَ اَهْلُ كُلِّ مَحَلَّةٍ اَنْ یُّدْفَنَ فِیْ مَحَلَّتِهِمْ رَجَاءَ بَرَكَتِهٖ } قریب تھا کہ ان کے درمیان لڑائی بھڑک اٹھے' آخرکار کچھ لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں دفن کیا جائے تا کہ اس پانی سے تمام شہر والے ایک جیسے برکت حاصل کریں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پہلے آپ کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو اس طرف کا علاقہ سرسبز وشاداب رہنے لگا اور دوسری جانب خشک' پھر آپ کے صندوق کو نکال کر نیل کی بائیں جانب دفن کر دیا گیا۔ اب اس طرف خوشحالی کا دور آگیا اور دوسری جانب خشکی رہنے لگی۔ پھر آپ کو دریائے نیل کے درمیان میں دفن کیا گیا' یہاں تک کہ دونوں جانبیں سرسبز وشاداب ہوگئیں۔ آپ کا جسم اطہر اسی طرح دریائے نیل کے درمیان رہا' چار سو سال بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے روانگی اختیار کی تو آپ کے جسم اطہر کو بھی ساتھ لے گئے یہاں تک کہ شام میں اپنے آباء کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ [2]

سبحان اللہ! ان لوگوں کے کیسے پاکیزہ عقیدے تھے؟ کہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کی ظاہری حیات میں جس طرح نبی سے برکت حاصل کی جاتی ہے' اسی طرح دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کی قبر کی برکت سے خوشحالی حاصل ہوتی رہی۔

---

[1] صاوی علی الجلالین' ص 199
[2] خطیب و مدارک التنزیل' امام نسفی رحمہ اللہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد:

آپ علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کے پسماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ایک بیٹے کا نام ''افرائیم'' اور دوسرے کا نام ''میشا'' تھا۔افرائیم کے بیٹے کا نام ''نون'' اور نون کے بیٹے کا نام ''یوشع'' تھا۔جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے اور دریائی سفر میں ان کے ساتھ تھے۔یعنی خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ ''یوشع بن نون'' کو رکھا تھا۔آپ علیہ السلام کی بیٹی کا نام ''رحمت'' تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں۔ [1]

یوسف علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مصر کی حکومت بنی عمالقہ کے ہاتھ میں آ گئی۔موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل ان کے زیر تسلط رہے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر انہیں نجات دلائی۔

یہ وہ غیبی خبریں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو عطاء کیں اور ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (یوسف 5:13) ''یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔''

ضد اور عناد نے لوگوں کو سمجھنے سے یکسر عاری کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر کہہ دیا کہ یہ غیبی خبریں ہیں' جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں لیکن یار لوگوں نے کہا نہیں جو اللہ وحی کے ذریعے بتا دے وہ غیب نہیں رہتا۔خدارا انصاف کریں! کہ بات رب تعالیٰ کی مانیں یا اس کی مخلوق میں سے ضدی جہلاء کی مانیں۔کسی ایک بڑے نے کہہ دیا کہ جب وحی آ جائے تو وہ غیب نہیں رہتا تو اس کے چیلے بھی یہی راگ الاپنے لگے خود سوچنے اور سمجھنے کی تکلیف برداشت نہ کی کہ یہاں ہمارے بڑے صاحب سے غلطی ہو گئی ہے۔

[1] صاوی علی الجلالین' ص 199

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام ''عاد'' قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کو ''عادِ اولیٰ'' کہا گیا ہے اور ''عادِ ثانیہ'' حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو کہا جاتا ہے' جو ''قوم ثمود'' کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ''عاد'' تھا' اس کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو ''عاد'' کہا گیا ہے۔ عاد کا نسب یہ ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ حضرت ہود علیہ السلام کا نسب: ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد ہے۔

نام ولقب: ''ہود'' آپ علیہ السلام کا لقب ہے' نام ''عابر یا عائر'' ہے' ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کا نام ''عُبَیر'' ہے۔ ہود علیہ السلام کی والدہ کا نام: ''مکعبہ بنت عویلم بن سام بن نوح''۔ ابن کلبی نے آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''مرجانہ'' بیان کیا ہے۔ (1)

فائدہ جلیلہ:

''وَكَانَ نُورُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَاطِعًا فِيْ جَبْهَةِ هُوْدٍ فَلَمَّا رَأَوْا ذٰلِكَ النُّوْرَ فِيْ جَبْهَتِهٖ قَالُوْا اِنَّ هٰذَا رَجُلٌ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَتَكْسِرُ الْاَصْنَامَ وَعَظَّمُوْهُ''

''حضرت ہود علیہ السلام کی پیشانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور چمکتا تھا۔ کچھ لوگوں نے آپ کی پیشانی میں نور دیکھ کر کہا: بے شک یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا' جو ایک ہے اور بتوں کو توڑے گا' انہوں نے آپ علیہ السلام کی تعظیم کی۔'' (2)

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔۔۔۔۔۔ (اعراف 16:8)

''ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہو کو بھیجا۔''

یہاں کئی مترجمین نے ''اَخَاهُمْ'' کا ترجمہ ''ان کا بھائی'' کیا ہے' جو سراسر غلط ہے۔ پوری قوم کے افراد آپ کے حقیقی

(1) تفسیر مظہری' قاضی ثناءاللہ پانی پتی' ج 3' ص 369' بحوالہ نجوم الفرقان غیر مطبوعہ (2) ایضاً

(2) صاوی علی الجلالین' ج 2' ص 684 تفسیر جمل' بحوالہ حاشیہ جلالین ص 135

بھائی بھی نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کا نبی کفار کا دینی بھائی بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ علیہ السلام صرف ان کی قوم کے ایک فرد تھے' اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ ''ہم قوم'' کیا ہے اور یہی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کا ''ہم قوم'' اور صالح علیہ السلام کو ''ثمود'' کا ہم قوم کہہ کر کفار مکہ کا رد کیا' جو یہ کہتے تھے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ہماری قوم سے ہو کر نبی کیسے بن گئے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: قوم عاد سے ہود علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے' ثمود کی قوم سے صالح علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے۔ ❶

حضرت ہود علیہ السلام کی آمد و رفت:

حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو سال بعد تشریف لائے اور آپ ہی کی شریعت پر تھے' آپ کی عمر میں کئی اقوال ہیں:

① : چار سو سال ② : چار سو ساٹھ سال ③ : ایک سو چونتیس سال ④ : چار سو چونسٹھ سال۔

لیکن ''چار سو چونسٹھ والا قول زیادہ مشہور ہے۔ اتنا طویل عرصہ آپ علیہ السلام اس دنیا میں ظاہری حیات میں رہے اور پھر اس دنیا فانی سے رحلت فرمائی اور حیاتِ جاودانی حاصل کی۔

آپ علیہ السلام کی قبر: علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ آپ کی قبر ''حضر موت'' میں ایک سرخ ٹیلے پر ہے اور عبدالرحمٰن بن سابط نے بیان کیا کہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم اور زمزم کے درمیان ننانوے انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ بے شک اسی جگہ حضرت ہود علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ❷

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ فرمائی؟

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾
(سورۃ الاعراف 16:8)

''کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تمہیں ڈر نہیں۔''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر نہیں؟ یعنی آپ نے ان کے ڈر کو بعید سمجھا اور گویا یہ کہا کہ تم ڈرتے ہی نہیں ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دیا جا چکا ہے' جس کا تمہیں علم ہے اگر تمہیں کچھ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر اور خوف ہوتا تو ضرور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے' بت پرستی کی حماقت نہ کرتے۔

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 9 ❷ تفسیر مظہری' قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ' ج 3 ص 369

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

(ہود 5:12)

"کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں' تم صرف افتراء باندھنے والے ہو۔ اے قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو کیا تمہیں عقل نہیں؟ اور میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو' پھر اس کی طرف رجوع کرو' تم پر زور کی بارش برسائے گا اس سے زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔"

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی' خصوصاً ان کے تین بڑے بت تھے جن کو وہ اپنے بڑے معبود سمجھتے تھی۔ ان بتوں کے نام صداء' صمود اور ہباء تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عمان اور "حضر موت" کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک ریگستانی وادی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ .... ﴿۲۱﴾

(سورۃ الاحقاف 3:26)

"اور یاد کرو! عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا۔"

ہود علیہ السلام نے جب ان کو شرک سے باز رہنے' بت پرستی کو چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو قوم نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال تک بارش روک لی' قحط سالی پڑ گئی' ان کی عورتوں کو بھی تین سال تک بانجھ کر دیا' ان کے بچوں کی پیدائش معطل ہو گئی۔

ہود علیہ السلام نے تین شخصوں کو اپنی قوم کے پاس بھیجا کہ تم انہیں سمجھاؤ۔ وہ تین شخص یہ تھے: قیل بن عشر' نعیم بن ہذال اور مرثد بن سعد یہ۔ درحقیقت وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوئے تھے لیکن اپنی قوم سے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔ ان تینوں کو بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ قوم انہیں اپنا سمجھ کر ان کی بات کو مانے گی اور سوچیں کہ یہ ہمارے اپنے ہی لوگ ہمیں نصیحت کر رہے ہیں تو یقیناً اس میں بھلائی ہو گی لیکن قوم سوچنے اور ماننے سے عاری ہی رہی۔ آپ نے قوم کو ان تینوں کے ذریعے کہلایا: کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ' رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع وخضوع سے رجوع کرو' تو اللہ تعالیٰ تمہیں زور کی بارش عطا کر دے گا اور تمہیں کثیر مال عطا کرے گا اور تمہیں بیٹے عطا کرے گا اور تمہارے لئے بارش سے نہریں اور باغات بنائے گا اور تمہیں پہلے سے زیادہ طاقتور بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا فرماتا ہے' اگرچہ دنیاوی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں لیکن انسانی

فطرت ہے کہ وہ دنیا میں رہنے اور دنیاوی نعمتوں کو دیکھنے کی وجہ سے ان کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے اور چونکہ وہ لوگ کھیتی باڑی اور باغبانی کے کام کرتے تھے اسلئے ان کے لئے اسی قسم کی نعمتوں کا ذکر کرنا ہی مناسب تھا۔ ہود علیہ السلام نے قوم کو ان الفاظ میں راہ راست پر لانے کی کوشش کی:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿﴾ وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿﴾ (شعراء 11:19)

''اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں کو ہنسنے کو اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں' تمہاری مدد کی چوپاؤں اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے۔''

قوم عاد کی طاقت اور ان کے کام:

قوم عاد کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہو سکتا:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿﴾ (حم سجدہ 16:24)

''وہ جو عاد تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے: ہم سے زیادہ کس کا زور ہے اور کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ جس نے انہیں بنایا ان سے زیادہ قوی ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔''

قوم عاد کے چھوٹے قد ساٹھ ذراع (نوے فٹ) اور بڑے قد ایک سو ذراع (ایک سو پچاس فٹ) تھے۔ اسی وجہ سے اپنے جسموں اور طاقت کے گھمنڈ میں یہ کہتے تھے کہ ہم سے کوئی طاقتور نہیں ہم پہاڑ سے بڑے بڑے پتھر' چٹانیں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں' اگر عذاب ہمارے سامنے آگیا تو ہم اسے اپنے ہاتھوں سے روک لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی طاقت پر ناز کرتے ہو کبھی میری طاقت کو بھی تصور میں لایا کرو' میری طاقت کے مقابل کسی کو کوئی مجال نہیں۔ [1]

لوگوں کے ساتھ تمسخر کے لئے بلند نشان بناتے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿﴾ (سورۃ الشعراء 11:19) ''کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو۔''

[1] تفسیر جلالین' ص 398 و تفسیر صاوی علی الجلالین مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں:

﴿۱﴾: ایک یہ ہے کہ وہ بلندی پر بلند محل بناتے تا کہ گزرنے والے لوگ ان کی شان سے واقف ہوں یہ کام چونکہ بے فائدہ تھا اس لئے ''تعبثون'' کہا گیا ہے اور ہماری شریعت میں بھی بغیر غرض شرعی کے بلند تعمیرات کی مذمت بیان کی گئی ہے اور حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

﴿۲﴾: دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند عمارتیں اسلئے تعمیر کرتے تھے تا کہ گزرنے والے ان سے راہنمائی حاصل کریں حالانکہ ان کا یہ کام بھی بے مقصد اور بے فائدہ تھا' کیونکہ ستاروں سورج وغیرہ سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بادل وغیرہ کا چھا جانا کبھی کبھی ہوتا ہے اور خصوصاً عرب کے شہروں میں تو بہت ہی کم واقع ہوتا ہے۔

﴿۳﴾: تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند برج بناتے تا کہ کبوتروں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوسکیں یعنی وہ کبوتر بازی کے لئے عبث طور پر بلند برج تعمیر کرتے۔

﴿۴﴾: چوتھا یہ ہے کہ وہ ہر پہاڑ میں راستہ پر مکان تعمیر کرتے تھے تا کہ چونگی حاصل کرسکیں۔

﴿۵﴾: پانچواں قول یہ ہے کہ وہ بلند مقامات پر بلند عمارتیں تعمیر کرتے تھے تا کہ وہ راستہ سے گزرنے والوں سے مزاح کر سکیں' ان کا تمسخر اڑا سکیں اور انہیں تنگ کرسکیں۔

اسی آخری قول کے مطابق اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے۔

رہنے کے لئے مضبوط محل بناتے:

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ تمہارے طور طریقے ایسے ہیں کہ تم یہ سمجھتے ہو تم نے ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے حالانکہ دنیا فانی ہے اس میں ہمیشہ کے لئے دل نہ لگاؤ۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ''اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔''

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے اور تم زمین میں پانی جمع کرنے کے لئے حوض بناتے ہو یہ سارے کام اسی خیال سے کرتے تھے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔

دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے:

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ''اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو۔''

وہ جب کسی پر گرفت کرتے تو اسے کوڑے مارتے اور تلوار سے ضرب لگاتے یا ظالموں کو ان پر مسلط کرتے' جنہیں کچھ

رحم نہ آتا اور ادب سکھانے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اچھے انجام کی طرف بھی نظر نہیں ہوتی تھی۔ ان افعال قبیحہ پر حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کی مذمت کی۔

فائدہ: ادب سکھانے کے لئے' اچھے انجام کے لئے استاد کا شاگرد کو معمولی مارنا' سرزنش کرنا جائز ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ضرب استاذ به از مهر مادرو پدر" "استاد کی مار ماں باپ کے پیار سے بہتر ہے۔ لیکن قوم کے بچوں کو اپنے بچوں جیسا سمجھے۔ یہ خیال کرے کہ میں اپنے بچوں کو کتنی سرزنش کرتا ہوں۔ کئی کئی گھنٹے طلباء کو کان پکڑا کر مرغ بنا دینا' اتنا شدید مارنا کہ زخمی کر دینا' سوٹیوں سے شدید ضربیں لگانا' کئی کئی گھنٹے کلاس میں کھڑا کر دینا' بیہودہ گالی نکالنا' استاد کی شان کے لائق نہیں۔ ایسے افعال صرف طلباء کو مدارس سے' بھگانے اور دین سے متنفر کرنے اور اساتذہ کے ادب واحترام سے دور کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کو طلباء قصاب' کمینہ جیسے القاب دیتے ہیں' جن کو راقم نے اپنے کانوں سے سنا۔ ایسا بے ہودہ استاد ہزار میں سے ایک ہوتا ہے' لیکن وہ تمام اساتذہ کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ اور دین کے باغی اس ایک شخص کی وجہ سے دینی مدارس کو خرکار کیمپ کہتے ہیں حالانکہ اس قسم کا استاد سکولوں میں بھی کوئی نہ کوئی پایا جاتا ہے بلکہ بنسبت دینی مدارس کے سکولوں میں اس قسم کے ظالم زیادہ ہوتے ہیں۔

ڈنڈے سے مارنا جائز ہے:

"وَاِنْ وَجَبَ ضَرْبُ ابْنِ عَشَرٍ بِيَدٍ لَا بِخَشَبَةٍ اَىْ عَصًا اَوْ سَوْطٍ اَوْ غَيْرِهٖ لِحَدِيْثِ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَلَا يُجَاوِزُ الثَّلَاثَ وَكَذَا الْمُعَلِّمُ لَيْسَ لَهٗ اَنْ يُّجَاوِزَهَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِمِرْدَاسِ الْمُعَلِّمِ اِيَّاكَ اَنْ تَضْرِبَ فَوْقَ الثَّلَاثِ فَاِنَّكَ اِنْ ضَرَبْتَ فَوْقَ الثَّلَاثِ اِقْتَصَّ اللّٰهُ مِنْكَ"

"بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے کی صورت میں ان کو ہاتھ سے مارنا ضروری ہے لیکن ڈنڈے یا کوڑے سے مارنا ناجائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مارو' (یعنی اگر وہ نماز نہ پڑھیں) حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ مارنا بھی ہاتھ سے مراد ہے اور وہ بھی دو تین تھپڑ سے زیادہ نہ ہوں استاد کے لئے یہی حکم ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو پڑھانے والے ایک استاذ مرداس کو کہا کہ تم تین ضربوں (تھپڑ) سے زیادہ مارنے سے اپنے آپ کو دور رکھو اگر تم نے تین مرتبہ سے زیادہ مارا تو اللہ تعالیٰ تم سے بدلہ لے گا۔"

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

• درمختار وشامی ج 1 ص 285

درشتی و نرمی بہم در بہ است   چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

درشتی نگیر خردمند پیش   نہ سستی کہ نازل کند قدر خویش

نہ مر خویشتن را فزونی نہد   نہ یک بارتن در مذلت دہد

یعنی سختی اور نرمی دونوں کو ساتھ ساتھ رکھنا ہی بہتر ہے پچھوا لگانے والا زخم بھی کرتا ہے اور مرہم بھی لگاتا ہے عقلمند بہت زیادہ سختی بھی نہیں کرتا اور اتنی نرمی بھی نہیں کرتا کہ اس کی قدر و منزلت ہی کم ہو جائے۔ اپنے کو بہت زیادہ آدم خور بھی نہیں بنانا چاہیے اور بہت زیادہ نرم ہو کر اپنے آپ کو ذلیل بھی نہ کرو۔ استاذ کے لئے یہی ایک اعلی سبق ہے کہ ڈرائے دھمکائے، سرزنش کرے احساس دلائے اور شفقت بھی کرے۔ اپنا رعب جمانے کے زعمِ باطل میں طلباء کی نظروں سے نہ گر جائے اور ان کی در پردہ گالیوں کا مستحق نہ بن جائے۔

ہود علیہ السلام کی قوم کے جوابات:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴿۶۶﴾

(سورۃ الاعراف 16:8)

''ان کی قوم کے کافر سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔''

نکتہ: نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴿۶۰﴾

(اعراف 15:8)

''اسکی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔''

نوح علیہ السلام کی قوم کے تمام سردار ہی کافر تھے اسلئے یہاں لفظ ''کَفَرُوْا'' استعمال نہیں ہوا لیکن ہود علیہ السلام کی قوم میں بعض سردار در پردہ ایمان بھی لائے ہوئے تھے، اسلئے ''کَفَرُوْا'' استعمال ہوا ہے۔ یعنی آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے جب دیکھا کہ یہ کشتی بنا رہے ہیں تو قوم نے آپ کو ''ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ'' سے تعبیر کیا کہ کوئی پانی نہیں کوئی کیچڑ نہیں، یہاں کشتی بنانا کھلی گمراہی ہے لیکن ہود علیہ السلام نے ان کی بت پرستی کو سفاہت و حماقت سے تعبیر کیا تھا تو قوم نے بھی کہا: اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ ''ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں۔'' [1]

ہود علیہ السلام نے قوم کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 13، ص 155 .... تفسیر صاوی علی الجلالین، ج 1 ص 685

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۞ (اعراف 16:8)

''اے میری قوم! مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں۔''

انبیائے کرام کو ان کی قوموں نے (معاذ اللہ) گمراہ اور بے وقوف کہا۔ انہوں نے ان کا جواب اس طرح نہیں دیا بلکہ تحمل مزاجی سے اور حسنِ اخلاق سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی کیونکہ انبیائے کرام کی شان کے لائق ہی یہ ہے کہ وہ بیہودہ باتوں کا جواب اسی طرح نہ دیں' حالانکہ جتنی گالی کسی شخص کو دی جائے اتنا جواب دینا جائز ہوتا ہے' لیکن انبیاء کرام کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔ ان کا ہر کلام ان کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی ہر طرح کوشش کی لیکن قوم نے ہمیشہ کج روی کی۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۞ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ...... ۞ (ہود 5:12)

''قوم نے کہا: اے ہود! تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لانے والے ہیں ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بری جھپٹ پہنچی ہے۔''

قوم نے کذب بیانی کرتے ہوئے کہا تم ہمارے پاس معجزات اور دلائل نہیں لائے ہو جس سے حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔

''وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ قَدْ اَظْهَرَ الْمُعْجِزَاتِ اِلَّا اَنَّ الْقَوْمَ بِجَهْلِهِمْ اَنْكَرُوْهَا''

''یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ ہود علیہ السلام نے معجزات ظاہر فرمائے مگر قوم نے اپنی جہالت کے پیش نظر ان کا انکار کیا اور گمان کیا کہ آپ کوئی معجزات نہیں لائے۔''

قوم نے کہا: کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔ یہ ان کا کہنا اس لئے باطل تھا کہ وہ اس کا اقرار بھی کرتے تھے کہ نفع و نقصان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں' اس پر تو عقل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بت پرستی کو چھوڑ دیتے' ان کا بت پرستی کو نہ چھوڑنا عقل کے خلاف تھا' جو خود ہی ان کی حماقت کو واضح کر رہا تھا۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں' یہ صرف ضد اور حسد و عناد تھا' ورنہ بظاہر انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ قوم کا یہ کہنا کہ ہمارے معبودوں کی برائی تم بیان کرتے ہو انہوں نے تمہیں (معاذ اللہ) دیوانہ بنا دیا ہے' تمہاری عقل کو ضائع کر دیا ہے' یہ بھی ان کی حماقت کو واضح کر رہا تھا ادھر یہ کہتے کہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں اور ادھر کہتے ہمارے بتوں نے تمہیں مصیبت پہنچادی ہے۔ [1]

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 12-13

ہود علیہ السلام کا قوم کو چیلنج:

قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(ہود 5:12)

''آپ نے کہا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں سب سے جنہیں تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب' کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو' بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔''

حضرت ہود علیہ السلام کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ ایک شخص بہت بڑی قوم کا مقابلہ کر رہا ہے' انہیں کہہ رہا ہے کہ تم تمام مل کر میری عداوت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑو' مجھے نقصان پہنچانے میں اپنی پوری کوشش کر لو' مجھے کوئی مہلت نہ دو' مجھے تمہارا کوئی خوف وخطرہ نہیں' مجھے تو اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے' وہی میرا محافظ ہے' وہی مجھے بچانے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضہ قدرت میں ہے' کسی کو ذاتِ باری سے مقابلہ کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔ [1]

ہود علیہ السلام نے قوم کو عذاب سے ڈرایا:

جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی پوری کوشش صرف کر دی لیکن قوم نے بت پرستی کو نہ چھوڑا تو آپ نے کہا: اے میری قوم! اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْــٴًـا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ

(ہود 5:12)

''پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تمہیں پہنچا چکا جو تمہاری طرف دے کر بھیجا گیا اور میرا رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے' بیشک میرا رب ہر شے پر نگہبان ہے۔''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات تم تک پہنچا دیے ہیں' تمہیں کامیابی کا راستہ بتا دیا ہے لیکن تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی بت پرستی پر قائم رہے۔ اب رب کا عذاب آنے والا ہے' جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ اگر تم چاہو کہ اس کے عذاب کا مقابلہ کرو تو تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے' وہ تو تمہیں برباد کر دے گا لیکن تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور تمہیں برباد

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 13

کرنے سے اس کی بادشاہت میں کوئی فرق نہیں آئے گا' اسلئے کہ وہ قدرت کا مالک ہے تمہاری جگہ وہ نئی مخلوق پیدا فرمادے گا جو اس کی اطاعت کریں گے اس کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کمی نہیں ہونے دیں گے۔ ❶

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (الشعرآء 11:19) ''بیشک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔''

یعنی دنیا میں بھی تم پر شدید عذاب آئے گا اور آخرت میں تم شدید عذاب میں گرفتار ہو گے' اسلئے کہ جس طرح رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا نعمتوں کی زیادتی کا سبب بنتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران شدید عذاب کا ذریعہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (ابراہیم 13:13)

''اگر تم نے شکریہ ادا کیا تو میں تمہیں اور (نعمتیں) دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔'' ❷

عذاب کا خوف دلانے پر قوم کا جواب:

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (الشعرآء 11:19)

''انہوں نے کہا: ہمیں برابر ہے چاہے تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں نہ ہو، یہ تو نہیں مگر وہ اگلوں کی ریت (طور طریقہ) اور ہمیں عذاب ہونا ہی نہیں۔''

قوم نے کہا: ہمیں تمہارے عذاب کے خوف دلانے کی کوئی فکر نہیں۔ ہم تمہارے وعظ سے نصیحت حاصل کرنے والے نہیں' تم بھی پہلے نبیوں کی طرح ہی ہمیں عذاب سے ڈرا رہے ہو یہ تو سابقہ رسم آرہی ہے' ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں' ہمیں عذاب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

قوم نے عذاب کو رحمت سمجھا:

فَلَمَّا رَاَوْہُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِھِمْ قَالُوْا ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ ھُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِہٖ رِیْحٌ فِیْھَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ تُدَمِّرُ کُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّھَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰٓی اِلَّا مَسٰکِنُھُمْ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ (الاحقاف 3:26)

''پھر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے پھیلا ہوا ان کی وادیوں کی طرف آتا' بولے: یہ بادل ہے کہ ہم پر برسے گا بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے' تو صبح رہ گئے کہ نظر نہ آتے تھے مگر ان

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 13
❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 14

کے سونے کے مکان ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قوم عاد پر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے تین سال تک بارش کو روک دیا گیا تھا اسلئے جب قوم پر عذاب آنے کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادلوں کو چلایا جو ان کی وادیوں سے ظاہر ہوئے عام طور پر ایسے بادلوں کو "مغیث" (بارش برسانے والے) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ وادیوں سے اٹھتے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے کہ بارش برسانے والے بادل آ گئے ہیں، اب تین سالہ قحط کا دور ختم ہونے والا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بتایا یہ تو وہی ہے جس کی تمہیں جلدی پڑی ہوئی تھی کیونکہ وہ قوم کہتی تھی بے شک عذاب لے آؤ، اس سے پہلی آیات مبارکہ میں اسی مضمون کا ذکر ہے:

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (الاحقاف 3:26)

"اور یاد کرو! عاد کے ہم قوم (ہود) کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے ڈر سنانے والے (انبیائے کرام اور بھی) گزر چکے تھے اور اس کے بعد آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اس لئے آئے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ تو ہم پر لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچے ہو۔"

یعنی جب قوم نے مطالبہ کیا کہ تم جس عذاب کے متعلق ہمیں ڈراتے ہو وہ بے شک لے آؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ وہ تو کہتے تھے عذاب آئے گا ہی نہیں اگر آ ہی گیا تو ہم اپنی طاقت سے روک لیں گے۔

قوم عاد پر عذاب کیا آیا؟

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۝ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ۝ (الذٰریٰت 1:27)

"اور عاد میں جب ہم نے ان پر خشک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی اسے گلی ہوئی چیز کی طرح کر چھوڑتی۔"

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝ (الحاقۃ 5:29)

"لیکن عاد وہ ہلاک کئے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار تو ان لوگوں کو ان میں گرے ہوئے دیکھو گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔"

یعنی اس قوم پر سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار شدید آندھی چلی۔ صرف اس میں گرج تھی بارش نہیں تھی۔ وہی لوگ جو بادلوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ عذاب تو ہم اپنی طاقت سے ٹال دیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ

شدید گرجنے والی آندھی فضا میں حیوانوں اور پرندوں کو اڑا رہی ہے تو یہ اپنے مکانوں میں داخل ہو گئے تا کہ اس آندھی کی شدت سے بچ سکیں' لیکن سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو حکم دیا جو ہوائیں چلانے پر مقرر ہے کہ عاد کی قوم پر اپنے ہواؤں کے خزانے سے اتنی مقدار میں ہوا کو کھول دے جتنی مقدار ایک انگوٹھی کی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ کے خزانوں میں سے یہ ہوا بظاہر معمولی تھی لیکن دنیا میں ہولناک طوفان تھا' تباہ کن آندھی تھی۔ سب سے پہلے ایک عورت نے دیکھا کہ ہوا میں مجھے آگ کے شعلے نظر آ رہے ہیں۔ اس ہوا نے ان کے مکانوں کے دروازے گرا دیئے:

"تَدْخُلُ فِیْ مَنَاخِرِھِمْ وَتَخْرُجُ مِنْ اَدْبَارِھِمْ وَتَصْرَعُھُمْ عَلَی الْاَرْضِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ" "وہ ان کے نتھنوں میں داخل ہوتی اور ان کی دبر سے نکل جاتی' وہ ہوا انہیں گرا رہی تھی ان کی گردنیں ٹوٹ رہی تھیں' کبھی انہیں زمین سے اٹھایا اور پھر نیچے پھینک دیا۔"

ریت کے ٹیلوں میں دب جاتے' یہ سلسلہ سات راتیں آٹھ دن مسلسل رہا۔ کسی وقت بھی آندھی نہ رکی وہ سب تباہ برباد ہو گئے۔ بڑے بڑے قدوں والے اپنی طاقت پر ناز کرنے والے رب تعالیٰ کی گرفت میں جب آئے تو ایسے برباد ہوئے کہ مرے ہوئے یوں نظر آ رہے تھے کہ یہ کھجوروں کے تنے گرے ہوئے ہیں۔

رب کی عظیم قدرت کا اندازہ کیجئے! جہاں کفار کو تباہ و برباد کر دیا وہاں ہود علیہ السلام اور ان کو قوم کی نجات دی۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے اردگرد خط کھینچ دیا وہ شدید آندھی انہیں خوشگوار موسم بہار کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی سہانی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ کفار گر گر کر تباہ ہو رہے تھے' ان کی گردنیں ٹوٹ رہیں تھیں' ریت کے ٹیلوں میں دب رہے تھے' لیکن اللہ والے' نبی پر ایمان لانے والے اسی آندھی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

سبحان اللہ! مولائے کائنات کی قدرت کا انسان کیسے اندازہ کر سکتا تھا؟ اس کی حکمتوں سے وہ خود ہی واقف ہے' رب نے ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا ھُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّیْنٰھُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ (ہود 5:12) "اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود (علیہ السلام) اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور انہیں سخت عذاب سے نجات دی۔"

یعنی کفار کو دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کیا اور قیامت میں وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی محفوظ رکھا اور قیامت میں بھی محفوظ رکھے گا۔ (1)

نبی کی تکذیب' نبی کی گستاخی تباہ کن عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان پر قائم و دائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور انبیائے کرام کی شان میں گستاخی سے بچائے۔ آمین ثم آمین

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 17 ...... ج 24 ص 28

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام ''قومِ ثمود'' کی طرف آئے' آپ علیہ السلام بھی ثمود قوم سے ہی ہیں ''ثمود'' ایک شخص کا نام تھا۔

ثمود کو ثمود کہنے کی وجہ:

اس کی دو وجہ ہیں: ایک یہ ہے کہ ''ثمد'' کا معنی ہے ''تھوڑا پانی''۔ قوم ثمود کے علاقہ میں پانی کم ہونے کہ وجہ سے اس قوم کا نام ''ثمود'' پڑ گیا۔ دوسری وجہ جو کہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ اپنے دادا ''ثمود'' کے نام پر ''قومِ ثمود'' کہلائے۔

ثمود کا نسب نوح علیہ السلام سے ملتا ہے یعنی ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اور حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ صالح بن عبید بن ماسخ بن عبد بن جادر بن ثمود۔ (1)

اور ثمود کا نسب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔ ''ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح'' یہی زیادہ صحیح ہے۔ (2)

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ ہے' یعنی صالح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد تشریف لائے' حضرت صالح علیہ السلام کی عمر دو سو اسی (280) سال تھی۔ (3)

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا:

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (61)

(ہود 6:12)

''اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو (بھیجا) کہا: اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس نے تمہیں بسایا تو اس سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ' بے شک میرا رب قریب ہے دعا سننے والا۔''

---

(1) روح البیان بحوالہ جلالین ص 184 (2) حاشیہ جلالین ص 314 (3) ایضاً

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

(الشعرآء 12:19)

''جب کہ ان کے ہم قوم صالح نے فرمایا: کیا ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لئے اللہ کا امانتدار رسول ہوں' تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔''

انبیائے کرام علیہم السلام کی عادات شریفہ یہ تھیں کہ جب نبوت کا دعوی فرماتے تو سب سے پہلے قوم کو بت پرستی کے چھوڑنے کے متعلق ارشاد فرماتے اور اللہ تعالی کی عبادت کرنے کا حکم دیتے کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں پھر اپنی رسالت کا دعوی کرتے تاکہ قوم ان سے معجزات کا مطالبہ کرے تو ان کو معجزات دکھائے جائیں پھر ان کے انکار اور باز نہ آنے پر اللہ تعالی کے عذاب سے ان کو ڈراتے' پھر بھی جب وہ اپنے کفر پر قائم رہتے تو اللہ تعالی کی طرف سے ان پر عذاب آجاتا۔ ●

اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالی کی رحمت تمہیں حاصل ہو تو اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اسی کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالی کی رحمت تمہیں حاصل ہوگی اللہ تعالی کی رحمت ایمان والوں کے قریب ہے۔

آپ نے قوم کو کہا دنیا میں تم نے ہمیشہ نہیں رہنا:

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

(الشعرآء 12:19)

''کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیئے جاؤ گے باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم نازک ہوتا ہے اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو استادی سے تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور حد سے بڑھنے والوں کے کہنے پر نہ چلو وہ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا: تمہارا خیال باطل ہے کہ تم یہاں دنیا میں ہی آرام سے نعمتوں میں رہو گے' جس رب نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہیں باغات چشمے کھیتیاں اور نرم و نازک شگوفوں والے کھجور کے درخت دے رکھے ہیں' وہ یہ لے بھی سکتا ہے تمہیں دنیاوی نعمتوں پر ناز نہیں کرنا چاہیے' آخر دنیا کو چھوڑ کر بھی جانا ہے۔ تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اس وجہ سے بھی تم شائد یہی سمجھتے ہو کہ تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے' لیکن تمہاری یہ سوچ سراسر غلط ہے۔ حد سے تجاوز کرنے والے فساد پھیلانے والے' کوئی درست اچھا سیدھا بھلائی والا کام نہ کرنے والوں کی تم پیروی کر رہے ہے

● تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 23' ص 158

ہو، تم ان کی اطاعت نہ کرو تو کامیاب ہو گے، ورنہ تباہی کا شکار ہو جاؤ گے۔ کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور میرا حکم ماننے میں ہے۔

آپ کی تبلیغ سے دو فریق بن گئے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ (النمل 19:19)

''اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو جبھی وہ دو گروہ ہو گئے جھگڑا کرتے صالح نے فرمایا: اے میری قوم! کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو بھلائی سے پہلے اللہ کی بخشش کیوں نہیں مانگتے شاید تم پر رحم ہو۔''

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور دوسرے لوگ اپنے کفر پر قائم رہے۔ اس طرح دو گروہ بن گئے، آپس میں ایک دوسرے سے بحثوں میں الجھے رہتے تھے، لیکن ایمان والوں کی طرف سے جھگڑا دین کے حق ہونے میں ہوتا، یہ جدال حق ہے۔ صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم کے انکار اور آپ کے عذاب سے ڈرانے پر قوم کا یہ کہنا:

وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾ (اعراف 17:8)

''اور بولے: اے صالح! ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو۔''

اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! تم اچھائی کے بدلے برائی میں جلدی کیوں کرتے ہو یعنی یہ دنیاوی نعمتیں آرام تمہیں حاصل ہے لیکن اس کے بدلے تم عذاب اور اپنی تباہی و بربادی طلب کر رہے ہو، یہ کہاں کی عقل ہے؟ تمہیں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہئے، تاکہ وہ تم پر رحم کرے۔

قوم نے آپ کو کیا جواب دیا؟

صالح علیہ السلام نے قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن قوم نے آپ کی تکذیب کی اور مختلف جواب دیئے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۸۰﴾ (الحجر 6:14) ''بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔''

''حجر'' ایک وادی ہے مدینہ اور شام کے درمیان جس میں ثمود کی قوم کے لوگ رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیائے کرام کی تکذیب ہے، اسلئے کہ تمام انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ہر نبی دوسرے تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اسلئے ایک نبی کی تکذیب سے دوسرے تمام انبیائے کرام کی تکذیب لازم آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب نے فرمایا: حجر والوں

نے رسولوں کی تکذیب کی' حالانکہ بظاہر ایک نبی یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی وہ تکذیب کر رہے تھے۔
کبھی قوم نے کہا:

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ۝ (ہود 6:12)

''اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے' کیا تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا کرنے سے منع کرتے ہو؟ بے شک جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس پر ایک بہت بڑے دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں۔''

قوم کہنے لگی: ہم نے تو تمہیں بڑا عقلمند بہت بڑا سمجھدار سمجھا ہوا تھا ہمیں تو تم پر بڑی امیدیں تھیں کہ تم ہمارے دین کی امداد کرو گے' ہمارے مذہب کی تقویت کا سبب بنو گے' ہمارے طریقہ کی تائید کرو گے۔

یعنی کسی قوم میں جب بھی کوئی شخص علم و فضل میں اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے تو قوم اس سے اپنے مقصد کے مطابق امیدیں وابستہ کر لیتی ہے' آپ کی قوم نے بھی یہی سمجھا تھا کہ ہمارے باطل دین کی امداد کریں گے۔

اسی طرح آپ غریبوں فقیروں پر بڑے مہربان تھے' ضعیف لوگوں کی امداد کرتے تھے' مریضوں کی عیادت کرتے تھے تو قوم نے کہا کہ ہم نے تو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ تم ہمارے احباب میں سے ہو گے' ہماری امداد کرو گے' تم نے یہ عداوت اور بغض ہمارے ساتھ کیسے شروع کر لیا؟ ہمیں تو تم پر بڑا تعجب ہے' کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا سے روک رہے ہو' ہمیں تو اب تم پر شک ہونے لگا کہ تم ہمیں کسی بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔

آپ نے قوم کو جواب دیا:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ۝ (ہود 6:12)

''آپ نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تو تم مجھے سوائے نقصان کے کچھ نہ بڑھاؤ گے۔''

آپ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل عطا فرمائے ہیں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے اسی لئے میں بھی تم پر مہربانی کر رہا ہوں کہ تمہیں اس راہ کی ہدایت دے رہا ہوں جس میں تمہاری کامیابی ہے تم اپنی بے عقلی کی وجہ سے جس باطل راہ کی میری معاونت چاہتے ہو اس میں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خسارہ ہے۔
مزید قوم نے یہ کہا:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط (نمل 19:19)

''انہوں نے کہا: ہم نے برا شگون لیا تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے۔''

حضرت صالح علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور قوم نے تکذیب کی اس کے باعث بارش رک گئی' قحط ہو گیا' لوگ بھوکے مرنے لگے۔ اس کو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تشریف آوری کی طرف منسوب کیا اور آپ کی آمد کو بدشگونی سمجھا' آپ نے قوم کو جواب دیا:

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (نمل 19:19)

''آپ نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنے میں پڑے ہو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صالح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ بدشگونی جو تمہارے پاس آئی یہ تمہارے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے' تم فتنے میں مبتلا ہو' تمہارا اپنے باطل دین کو صحیح سمجھنا' بت پرستی پر قائم رہنا' یہ درحقیقت تمہارے لئے فتنہ ہے۔ [1]

قوم نے آپ کو جادوگر کہا:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (الشعرآء 12:19)

''انہوں نے کہا: کہ تم پر تو جادو ہوا ہے۔''

یعنی تم پر بار بار کثرت سے جادو کیا گیا ہے' اسی لئے تمہاری عقل سلامت نہیں رہی' تم ہمارے ساتھ بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ دیں۔

قوم نے آپ کو متکبر کہا:

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (القمر 9:27)

''انہوں نے کہا: ہم اپنے میں سے ایک آدمی کی تابعداری کریں جب تو ہم ضرور گمراہ اور دیوانے ہیں' کیا ہم سب میں سے اس پر ذکر اتارا گیا؟ بلکہ یہ سخت جھوٹا' اترانے والا (متکبر) ہے۔''

قوم نے کہا: ہم اتنی تعداد میں ہو کر ایک آدمی کی تابعداری کریں وہ بھی ایسا شخص ہو جو ہمارے جیسا بشر ہو' ایسا کام تو دیوانوں کا ہے' ہم تو عقل مند ہیں' کیا اسی کو نبوت عطا ہونی تھی؟ اور اس منصب کے لائق کوئی نہیں تھا؟ یہ شخص (معاذ اللہ) اپنے

---

[1] تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت 47 سورۃ الشعراء

دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے اور یہ دعویٰ کر کے شوخیاں مار رہا ہے' اترا رہا ہے' یہ تو بڑا متکبر ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ (القمر ۲۷:۲۶) ''بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا' اترانے والا؟''

یعنی یہ قوم جب دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو گی تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ کون جھوٹا تھا اور باطل راہ پر ضد و عناد کی وجہ سے قائم رہ کر کون تکبر کر رہا تھا؟

قوم نے صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا:

مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ (الشعراء 12:19)

''تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تو کوئی نشان لاؤ اگر سچے ہو' آپ نے کہا: یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے پینے کی باری ہے اور دن معین تمہاری باری اور اسے برائی کے ساتھ نہ چھوؤ کہ تمہیں بڑے دن کا عذاب آئے گا۔''

مختصر واقعہ قوم ثمود:

قوم عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو آباد کیا ان کو لمبی عمریں عطاء کیں' وہ پہاڑوں میں بڑی مہارت کاریگری سے تراش تراش کر گھر بناتے' رب تعالیٰ نے ان کو خوشحال بنایا' مالی وسعت عطا کی' تو انہوں نے رب تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دی اور زمین میں فساد برپا شروع کر دیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجا جو ان کے قبیلہ کے اشراف یعنی سردار قبیلہ سے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا' انہوں نے آپ علیہ السلام سے نشانی طلب کی' تو آپ نے فرمایا: ''تم کون سی نشانی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: تم ہمارے ساتھ ہماری عید کے پروگراموں کے لئے شہر سے باہر ہمارے ساتھ چلنا' ہم اپنے معبودوں سے دعا کریں گے' تم اپنے معبود سے دعا کرنا جس کی دعا قبول ہو گئی دوسرے اس کی تابعداری کریں گے۔''

آپ علیہ السلام ان کے ساتھ شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ انہوں نے اپنے بتوں سے دعا کی جو قبول نہ ہو سکی۔ ان کے ایک سردار جندع بن عمرو نے ایک اکیلی چٹان کی طرف اشارہ کیا' جس کا نام ''کافیہ'' تھا۔ اس نے کہا: اس چٹان سے ایک اونٹنی نکالو جو حاملہ ہو' اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا: اگر میں ایسا کروں تو کیا تم ضرور ایمان لاؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ علیہ السلام نے نوافل ادا کئے اور رب سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف

قبولیت بخشا۔

وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ پہاڑی چٹان میں بالکل وہی کیفیت پیدا ہوئی جس طرح کسی جانور پر پیدائش کے وقت ہوتی ہے' درد کی وجہ سے کراہنا' اضطراب وغیرہ۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے وہ چٹان پھٹی' اس سے حاملہ اونٹنی پیدا ہوئی' جس کے جسم پر اون تھی' پیٹ بڑا تھا' آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر جندع بن عمرو اور اس کے ساتھ چند اور لوگوں نے ایمان قبول کر لیا۔ باقی لوگوں کو ایمان لانے سے ذواب بن عمرو' حباب اور رباب بن صمعر نے منع کر دیا۔ یہی دونوں شخص ان کے بتوں پر مقرر تھے یعنی بت خانہ کے ناظم تھے اور تیسرا شخص یعنی رباب بن صمعر کاہن تھا۔ ان لوگوں کے سامنے ہی اونٹنی نے بچہ جنا' جو اسی اونٹنی جتنا تھا۔

چونکہ صالح علیہ السلام نے رب کے حکم سے بیان کر دیا تھا کہ ایک دن پانی پینے کی باری اونٹنی کی ہوگی اور ایک دن تمہاری اور تمہارے جانوروں اور باقی جنگلی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی ہوگی۔

اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ جنگل میں چرتی تھی اپنی باری کے دن اونٹنی اور اس کا بچہ سارا پانی پی جاتے تھے یعنی کنوئیں میں منہ رکھتی اور اٹھاتی اس وقت جب پانی ختم ہو جاتا وہ دودھ اتنا زیادہ دیتی تھی کہ وہ لوگ پیتے اور اپنے برتن بھر لیتے۔ وہ اونٹنی گرمیوں میں وادیوں کے ظاہری حصہ میں چرتی تھی تو اونٹنی کو دیکھ کر ان کے جانور وادیوں کے نشیبی اندرونی حصہ میں بھاگ کر چلے جاتے۔ سردیوں میں وہ اونٹنی نشیبی حصہ میں چرتی تو ان کے جانور بھاگ کر وادیوں کے بالائی حصہ میں آجاتے۔ انہیں اس صورتحال سے بہت مشکل درپیش آرہی تھی۔ انہوں نے اس اونٹنی کو اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا کہ اسے مار دیا جائے تاکہ ہمیں اس سے نجات حاصل ہو جائے۔[1]

اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں:

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ (الشمس 16:30) ''تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی' پھر اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔''

صالح علیہ السلام نے انہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ اس اونٹنی کو برائی میں مس نہ کرنا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ باز نہ آئے جب اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں تو آپ نے انہیں کہا: کہ اب عذاب قریب آچکا ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ (۶۵) ''تو انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں تو صالح علیہ السلام نے کہا: اپنے گھروں میں تین دن اور برت لو (نفع حاصل کر لو) یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔'' (ہود 6:12)

---

[1] حاشیہ جلالین' ص 136 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

عذاب سے پہلے تین دن:

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں ڈرایا کہ اب صرف تین دن تمہیں اپنے گھروں میں رہنا اور نفع حاصل کرنا ہے' پھر تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے' تو قوم نے کہا: کہ وہ تین دن ہم پر کیسے گزریں گے؟ آپ نے کہا پہلے دن تمہارے چہرے زرد رنگ کے ہو جائیں گے' دوسرے دن ان کا رنگ سرخ ہو جائے گا اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ چوتھے دن تم پر عذاب آ جائے گا۔ اگرچہ چہرے سیاہ ہو جانے پر انہیں عذاب کا یقین آ چکا تھا لیکن جب تک علامات پر یقین نہیں آ رہا تھا اسوقت تک انہیں ایمان اور توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو سکی اور جب انہیں یقین ہوا' اب توبہ کرتے بھی تو اس کا کوئی نفع نہ ہوتا کیونکہ ناامیدی کی حالت میں توبہ اور ایمان قبول نہیں ہوتے۔ [1]

سب کی رضامندی سے ایک شخص نے کوچیں کاٹیں:

إِذِ انۢبَعَثَ أَشْقَاهَا (الشمس 16:30)

''جب اس کا سب سے بد بخت کھڑا ہوا۔''

وہ بد بخت کون تھا؟

"هُوَ قُدَارُ بْنُ سَلْفٍ كَانَ أَشْقَرُ أَزْرَقُ قَصِيرًا"

(مدارک التنزیل' امام نسفی رحمہ اللہ' ص 343)

''وہ شخص قدار بن سلف تھا جس کا رنگ سرخ زردی مائل تھا آنکھیں اس کی نیلی تھیں' قد اس کا چھوٹا تھا۔''

اگرچہ اونٹنی کی کوچیں اس ایک شخص نے کاٹیں لیکن سب کے مشورہ اور سب کی رضامندی سے اس نے یہ کام کیا' اسلئے قرآن پاک میں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کہ سب نے اس کی کوچیں کاٹیں۔ یہی وجہ تھی کہ سب ہی عذاب کے مستحق ہوئے اگر صرف ایک کا فعل ہوتا دوسرے اسے روکتے اس پر خوش نہ ہوتے تو ان پر عذاب نہ آتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ:

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾

(النمل 19:19)

''اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح علیہ السلام اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 20

ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں اور انہوں نے جب خفیہ سازش کی، اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی وہ (ہماری تدبیر کو) سمجھ ہی نہ سکے۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"انہوں نے یہ سازش اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے بعد کی تھی جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ تمہیں تین دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا جو تمہیں برباد کر کے رکھ دے گا' بجائے اس کے کہ وہ اس آخری سازش سے چوکنے ہوتے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر گڑگڑا کر معافی مانگتے' انہوں نے الٹا حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ انہوں نے کہا: ہم پر عذاب آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اس کے آنے سے پہلے ہم صالح (علیہ السلام) اور اس کے مریدوں کا خاتمہ تو کر دیں۔"

جس رات انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر شبخون مارنے کا پروگرام بنایا تھا' اس رات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسول کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ جب یہ اپنی بے نیام تلواریں لہراتے ہوئے آپ پر حملہ کرنے کے لئے لپکے تو فرشتوں نے ان پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ انہیں پتھر تو نظر آتے تھے لیکن مارنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے' چنانچہ ان سب کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا اور یہ مہلت کی آخری رات تھی چنانچہ قوم کے باقی افراد بھی تباہ برباد کر دیئے گئے۔ ان شاء اللہ قریب ہی ذکر آرہا ہے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: "تِسۡعَةُ رَهۡطٍ" رھط کا معنی ہے تین سے لے کر دس تک یا سات سے لے کر دس تک کا گروہ۔ اس قبیلہ کے نو سردار تھے' ان کے لڑکے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتے تھے۔ ہر رئیس زادہ کے ساتھ اس کے مددگاروں کی بھی ایک ٹولی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے انہیں "تِسۡعَةُ رَهۡطٍ" سے تعبیر کیا گیا یعنی نو قبیلے (اگرچہ نو شخص تھے)۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہماری ایذاء رسانیوں کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی باز نہیں آئے' تو انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر سازش کی کہ رات کو بے خبری میں صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انہیں تہ تیغ کر دو۔ اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے دریافت کیا تو ہم انہیں یقین دلا دیں گے کہ ہمارا ان کے قتل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں' اور نہ ہی ہمیں اس کے قتل کا کوئی علم ہے' تو وہ خاموش ہو جائیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے وارث کمزور اور غرباء لوگ ہوں تو انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ انہیں کیا مجال ہو گی کہ ہم سے وہ زیادہ تکرار کریں؟ اس طرح وہ خاموش ہو جائیں گے۔ قتل کرنے کا منصوبہ بنانے والے خود تباہ برباد ہو گئے۔

سبحان اللہ! مولائے کائنات تیری قدرت کے کارنامے عجیب ہیں۔ [1]

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 449-448

قوم ثمود کے کفار پر عذاب الٰہی:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٧٨﴾

(الاعراف 17:8)

''پس انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے: اے صالح (علیہ السلام)! ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انہیں زلزلہ نے آلیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔''

''فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ أَيِ الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيدَةُ مِنَ الْأَرْضِ وَالصَّيْحَةُ مِنَ السَّمَاءِ'' ❶

''قوم ثمود پر زمین کا عذاب شدید زلزلہ تھا اور آسمانوں کا عذاب سخت بجلی کی کڑک یا جبرائیل کی شدید ہولناک آواز تھی جس کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔''

خیال رہے قرآن پاک میں قوم ثمود کے عذاب کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں:

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ .... ﴿٧٨﴾ (الاعراف 17:8) ''تو انہیں زلزلہ نے آلیا۔''

وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ...... ﴿٦٧﴾ (ہود 6:12) ''اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آلیا۔''

ان دونوں کا مطلب تو وہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے کہ زمین میں زلزلہ اور آسمانوں سے گرجدار آواز تھی۔ ان کے عذاب کے لئے تیسرا لفظ یہ استعمال ہوا:

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ (الحاقہ 5:29) ''ثمود تو ہلاک ہو گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے۔''

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ''ثمود تو ہلاک ہو گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے'' کیا۔ ❷ اس سے پتہ چلا کہ الصیحۃ اور الطاغیۃ سے مراد ایک ہی ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ ''طاغیہ'' سے مراد ان کے جرائم و فسادات کا حد سے گزرنا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے حد سے بڑھنے والے جرائم کی وجہ سے ہلاک کیے گئے اس معنی کے لحاظ سے ''طاغیہ'' عذاب نہیں بلکہ عذاب کا سبب ہے۔

صالح اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات:

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

''پھر جب ہمارا حکم آیا (یعنی عذاب آیا) ہم نے صالح اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور اس دن

❶ تفسیر جلالین، ص 136

❷ ترجمہ کنز الایمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ، سورۃ الحاقہ آیت 5

کی رسوائی سے' بیشک تمہارا رب قوی عزت والا ہے۔" (ہود 6:12)

یہ رب تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے کہ ایک ہی ملک میں ایک ہی علاقہ میں کفار کو زلزلہ' ہولناک کڑک سے تباہ برباد کر دیا لیکن اپنے نبی اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ذرا تکلیف نہ ہونے دی کفار کو ذلیل وخوار کر دیا ان کو رسوا ہونا پڑا لیکن ایمان والوں کو اس ہولناک تباہی اور اس کی رسوائی سے بچا لیا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں اور رب تعالیٰ کی عظیم قدرت پر کامل ایمان رکھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾

(انبیاء 6:17)

''اور ایوب (علیہ السلام) (کو یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ ''مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے'' تو ہم نے اس کی دعا سن لی' تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے گھر والے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اور عطاء کئے اپنے پاس رحمت فرما کر اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔''

حضرت ایوب علیہ السلام کے باپ کا نام ''انوص'' ہے۔ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیص کی اولاد سے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ آپکی زوجہ کا نام ''رحمۃ'' ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے ''افرائیم'' کی بیٹی تھی۔

حلیہ مبارک:

حضرت ایوب علیہ السلام کے بال گھنگریالے' آنکھیں موٹی' خوبصورت شکل وصورت' بہت خوبصورت گردن چھوٹی' سینہ چوڑا' پنڈلیاں اور کلائیاں موٹی تھیں اور آپ کا قد لمبا تھا۔ [1]

آپ کے اوصاف:

آپ مسکینوں پر رحم کرتے تھے' یتیموں کی کفالت فرماتے' بیوہ عورتوں کی معاونت (امداد) کرتے مہمانوں کے ساتھ عزت وتکریم اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ [2]

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ دوم' ص 80
[2] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 203

مال و دولت کی فراوانی:

اللہ تعالیٰ نے آزمائش سے پہلے آپ کو کثیر مال و دولت دے رکھا تھا۔ کھیتی باڑی' باغ' غرض یہ کہ ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا۔ ہر قسم کے جانور یعنی بھیڑ' بکریاں' گائے' بھینس' اونٹ وغیرہ کی کثرت تھی۔ پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی ہل چلانے والی تھیں' پانچ سو غلام خدمت گزاری کے لئے۔ پھر ہر غلام کی زوجہ اور اولاد بھی بطور خدام آپ کے پاس رہتے تھے۔

آزمائش سے پہلے اولاد:

"وَكَانَ لَهُ سَبْعَةُ بَنِينَ وَسَبْعُ بَنَاتٍ" ❶ ''آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔''

فرشتوں میں آپ کی بلندی شان کا چرچا: حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہے وہ دوسرے فرشتوں کو حاصل نہیں' اللہ تعالیٰ ان سے براہ راست کلام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جب کسی کو پسند فرماتا ہے تو اس کا ذکر جبرائیل امین علیہ السلام سے کرتا ہے' وہ میکائیل علیہ السلام سے ذکر کرتے ہیں' وہ دوسرے مقرب فرشتوں سے ذکر کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص بندے کے ذکر کا چرچا ہو جاتا ہے تو تمام فرشتے اس پر رحمتیں نچھاور کرتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے تمام فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں۔ پھر زمینوں کے فرشتے اس بندے پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا بھی اس طرح تمام فرشتوں میں ذکر خیر کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔ ❷

آزمائش کی گھڑیاں: اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مقرب بندوں کو شدید مشکلات میں مبتلا کر کے آزماتا ہے کہ وہ میرا بندہ کتنا صبر کرتا ہے' مصائب و آلام میں کوئی شکوہ وہ زبان پر نہیں لاتا اور کبھی اللہ تعالیٰ بہت مال و دولت عطا کر کے آزماتا ہے کہ میرا بندہ کتنا شکریہ ادا کرتا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے آرام و صحت' مال و دولت' اولاد اور ہر طرح کی خوشیاں عطا کر کے آزمایا' اس میں بھی آپ نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ آپ علیہ السلام نے شکریہ ادا کر کے بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اس کے بعد آزمائش کا دوسرا دور شروع ہوا کہ زمین کے نیچے سے قدرتی آگ نے آپ کے باغات' کھیتیاں' اونٹ بکریاں' چرواہے جلا کر راکھ کر دیئے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے کہا: { اِنَّمَا مَالُهُ اَعَارَنِيْهِ وَهُوَ اَوْلٰى بِهٖ اِذَا شَآءَ نَزَعَهٗ } ''یہ سب مال و دولت اللہ نے ہی عطا کیا تھا وہی اس کا مالک حقیقی ہے جب وہی اس کا حقدار ہے تو اسے حق پہنچتا ہے جب چاہے لے لے مجھے اس میں کچھ کہنے کی کوئی مجال نہیں۔''

آپکی اولاد ایک مکان میں تھی' وہاں زلزلہ آیا مکان گر گیا' آپ کی اولاد فوت ہو گئی۔ مکان کی چھت اور دیواریں

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ دوم ص 80 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 204

گرنے سے آپ کے بچوں پر کیا حال گزرا ہو گا؟ جسم چکنا چور ہوئے ہوں گے ہڈیاں ٹوٹی ہوں گی سر پھٹے ہوں گے خون کے فوارے چلے ہوں گے لیکن یہ حال سن کر بھی اللہ کے نبی نے صبر کا کمال مظاہرہ کیا وہی الفاظ زبان پر لائے ''سب کچھ رب تعالیٰ کا ہے جو چاہے کرے۔''

آپ کے جسم میں شدید حرارت سے ایسا اثر ہوا یوں محسوس ہوتا کہ آپ کے جسم میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں سر سے لیکر قدم تک آبلے پڑ گئے شدید خارش ہونے لگی ناخنوں سے جسم کو کھجلاتے رہے یہاں تک کہ ناخن گر گئے پھر ٹھیکریوں یا پتھروں سے اپنے جسم کو کھجلاتے جسم شدید زخمی ہو گیا زخموں میں بو آنے لگی ان میں کیڑے پڑ گئے سارے جسم میں صرف آنکھیں دل اور زبان محفوظ رہے تھے۔ ابن عساکر نے بیان کیا:

"اِنَّ الدُّوْدَۃَ لَتَقَعُ مِنْ جَسَدِ اَیُّوْبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیُعِیْدُھَا اِلٰی مَکَانِھَا وَیَقُوْلُ کُلِیْ مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی" ❶

''حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم سے اگر کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ پھر اسے اپنی جگہ لوٹا دیتے اور کہتے اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں دیا ہے وہ کھاؤ۔''

مشکل کا ساتھی:

آپ کی بیماری نے جب شدت اختیار کر لی تو تمام اقرباء نے آپ کو چھوڑ دیا۔ ''بلکہ'' شہر سے باہر آپ کو ایک جھونپڑی بنا کر دے دی گئی کہ یہ مرض کہیں دوسروں تک بھی نہ پہنچ جائے۔ جب وہ سارے ساتھ چھوڑ گئے تو اس وقت آپ کی زوجہ جس کا نام ''رحمۃ بنت افرائیم بن یوسف'' تھا وہ بدستور آپ کے ساتھ رہی۔ آپ کی خدمت گزاری میں رہیں آپ علیہ السلام کی دیکھ بھال کرتی آپ کو کھانا فراہم کرتی آپ کی ضروریات کا ہر طرح خیال کرتی۔ سبحان اللہ! اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کی پوتی کتنی نیک اور صابر تھی۔

ایوب علیہ السلام کا بے مثال صبر:

ایک دن آپ کی خدمت گزار وفادار نیک شعار با مراد نیک زوجہ نے عرض کی: "لَوْ دَعَوْتَ اللّٰهَ تَعَالٰی" کاش! تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔'' اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرما دیتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"کَمْ کَانَتْ مُدَّۃُ الرَّخَاءِ فَذَکَرَتْ مُدَّۃً کَبِیْرَۃً وَفِیْ رِوَایَۃٍ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً" ❷

''عیش و عشرت راحت و سکون مال و دولت کی فراوانی میں کتنا وقت گزرا؟ آپ کی زوجہ نے عرض کی: بہت وقت گزرا ایک

❶ روح المعانی ج 9 حصہ دوم ص 80 ...... تفسیر کبیر ج 22 ص 204

❷ روح المعانی ج 9 حصہ دوم ص 80

روایت میں ہے کہ آپ کی زوجہ نے کہا اسی (۸۰) سال گزرے ہیں۔"

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"اِنِّیْ اَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰهِ اَنْ اَدْعُوَهٗ وَمَا بَلَغَتْ مُدَّةُ بَلَائِیْ مُدَّةَ رِخَائِیْ" ❶ "مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس سے دعا کروں' جبکہ میری آزمائش کا وقت اتنا بھی نہیں ہوا جتنا میری آسائش کا وقت تھا۔"

زوجہ کی غلطی پر ناراضگی کا اظہار:

ایک مرتبہ آپ نے زوجہ کو طلب کیا تو دیر سے حاضر ہونے پر آپ ناراض ہو گئے۔ ممکن ہے بیماری کی وجہ سے طبیعت میں سخت مزاجی آ گئی ہو' زیادہ مناسب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اتنی بڑی ناراضگی کی وجہ بھی یقیناً کوئی بڑی ہو گی' جیسے مفسرین نے ایک وجہ بیان کہ ہے کہ شیطان آپ کی زوجہ کے پاس طبیب کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے خاوند بہت بڑی تکلیف مین بتلا ہیں' اگر تم چاہتی ہو تو میں انہیں دوا دیتا ہوں جس سے وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب وہ صحت یاب ہو جائیں تو وہ اس کے بدلے میں میرا شکریہ صرف ان الفاظ میں ادا کریں: "اَنْتَ شَفَيْتَنِیْ" "تو نے مجھے شفادی ہے۔ آپ کی زوجہ نے یہ بات معمولی سمجھی اور ان کا خیال بن گیا کہ اس پر عمل کرنا تو آسان ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے آ کر اس نے پورا ماجرا بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ شیطان میرے امتحان میں مجھے ناکام کرنا چاہتا ہے۔ آپ علیہ السلام اپنی زوجہ سے ناراض ہو گئے' آپ نے فرمایا: اگر میں ٹھیک ہو گیا تو تمہیں سو کوڑے ماروں گا۔ ابھی تمہارے ہاتھوں سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ ❷

اسی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے رب کے حضور عرض کیا:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (ص 12:23) "مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذاء لگا دی۔"

آزمائش کا وقت ختم ہوتا ہے:

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ۝ (انبیاء 6:17)

"اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو! جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اس کے گھر والے اور ان کے

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ دوم' ص 80 ❷ ایضاً

ساتھ اتنے ہی اور عطا کئے اپنے پاس رحمت عطا کر کے اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔''

"اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْطَفُ فِي السُّؤَالِ حَيْثُ ذَكَرَ نَفْسَهٗ بِمَا يُوْجِبُ الرَّحْمَةَ وَذَكَرَ رَبَّهٗ بِغَايَةِ الرَّحْمَةِ وَلَمْ يُصَرِّحْ بِالْمَطْلُوْبِ" ❶

''حضرت ایوب علیہ السلام نے بہت ہی پیارے لطیف انداز میں اپنی پریشان حالی' تکالیف کا تذکرہ کیا۔ رب کی بے حساب رحمت کا ذکر کیا گیا' لیکن یہ عرض نہیں کیا کہ: اے مولائے کائنات! میری تکلیف کو دور فرما' کیسا صبر ہے؟ اور رب کے حضور التجا کرنے کا کیسا حسین انداز ہے؟''

چشمۂ شفاء:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾
(ص 12:23)

''رب تعالیٰ نے فرمایا: زمین پر اپنا پاؤں مارو' یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔''

آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنا پاؤں زمین پر مارو' تو اس سے چشمہ جاری ہوگا۔ اس سے پانی پیو اور نہاؤ' تمہیں شفا حاصل ہو گی۔ آپ کو نہانے سے ظاہری جسم کی تمام بیماریوں سے شفا حاصل ہوگئی اور پانی پینے سے اندرونی تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنتی لباس عطا فرمایا' آپ علیہ السلام لباس زیب تن کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ کی زوجہ آئیں تو اس نے آپ کو نہ پہچانا' وہ آپ ہی سے پوچھنے لگی: اے اللہ کے بندے! یہاں ایک بیمار شخص تھا' وہ کہاں گیا؟ پریشان ہو کر پوچھا کہیں بھیڑیئے تو نہیں لے گئے' بار بار پریشانی سے جب پوچھ رہی تھیں تو آپ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا کر دی ہے' مال و اولاد واپس مل گئے:

"وَفِي الْبَحْرِ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّهٗ تَعَالٰى اَحْيٰى لَهٗ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَهْلِهٖ وَعَافَى الْمَرْضٰى وَجَمَعَ عَلَيْهِ مَنْ تَشَتَّتَ مِنْهُمْ" ❷

''جمہور حضرات کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام فوت اولاد کو زندہ کر دیا اور مریضوں کو عافیت دے دی اور تمام بکھرے ہوؤں کو جمع کر دیا۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپکو دوبارہ شباب (جوانی) عطاء فرمائی اور پھر پہلی اولاد کی طرح اور اولاد عطاء فرما دی۔ اسی طرح آپکو کثیر مال و دولت عطا فرمایا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے سونے کی مکڑیوں کی بارش کی۔ آپ علیہ السلام پکڑ پکڑ کر ایک کپڑے میں ڈالتے رہے' یہاں تک کہ آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں جمع کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ''

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمۃ اللہ' ج 22 ص 209 ❷ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمۃ اللہ' ج 9 حصہ دوم' ص 80

اے ایوب! تم سیر نہیں ہوتے؟" آپ نے عرض کیا: اے مولائے کائنات! تیرے فضل سے کون سیر ہو سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے اٹھارہ سال بیماری اور تکلیف میں گزارے تھے پھر رونقیں بحال ہو گئیں۔

آپ کی زوجہ کی مشکل رب نے آسان کر دی:

چونکہ آپ نے شرعی عذر اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر زوجہ سے ناراض ہو کر قسم اٹھا دی تھی کہ میں درست ہو کر تمہیں ایک سو کوڑے ماروں گا۔ اب تندرست ہونے پر قسم کو پورا کرنا لازم تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی زوجہ کو کوڑوں سے بچا لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی اس کی رضا کے لئے قسم اٹھائی تھی لیکن ان کی زوجہ نے بھی رب کی رضا کی خاطر ہی اپنے خاوند کی اس وقت خدمت کی جب سب لوگ چھوڑ چکے تھے۔ اس طرح رب نے دونوں کی ادا کو پسند کیا نہ نبی کو منع کیا اور نہ ان کی زوجہ کو کوڑے لگنے دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (ص 12:23)

"فرمایا: کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اسے مار دے اور قسم نہ توڑ بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ ہے بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔"

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ سو تیلیوں (تنکوں) والا ایک جھاڑو لیں اپنی زوجہ کو مار دیں۔ اس طرح آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ اس نے خود اپنے فضل و کرم سے حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ اجازت دی ورنہ کوئی اور انسان ایسی قسم اٹھائے تو اس کی قسم اس طرح جھاڑو مارنے سے پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

خیال رہے کسی شرعی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رعایت ملے تو یہ ان کی مہربانی ہے۔ وہ مالک ہیں چاہیں تو معاف کریں اور چاہیں تو اس میں آسانی کی راہ پیدا کریں لیکن انسان خود کوئی ایسا حیلہ کرے کہ اس کی وجہ سے حکم شرعی اس سے ٹل جائے یہ ناجائز ہے۔ انسان کسی ایسے حیلے کو اختیار کرے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے یا روزے گرمیوں میں نہ رکھنے پڑیں کہ سردیوں میں قضا کریں گے اس طرح کے ہتھکنڈے بغیر عذر شرعی کے باطل ہوں گے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عِنْدِیْ اَنَّ کُلَّ حِیْلَۃٍ اَوْجَبَتْ اِبْطَالَ حِکْمَۃٍ شَرْعِیَّۃٍ لَا تُقْبَلُ کَحِیْلَۃِ سُقُوْطِ الزَّکٰوۃِ" [1]

"میرے نزدیک ہر حیلہ جس میں شرعی احکام کی حکمت باطل ہونا لازم آئے وہ قبول نہیں کیا جائے گا جس طرح کوئی حیلہ کرے کہ مجھ پر زکوٰۃ لازم نہ آئے وغیرہ۔"

---

[1] روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 9 حصہ دوم ص 80

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو آسائش میں اس کی نعمتوں کا شکر کرنے اور آزمائشوں میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے' رزق حلال عطا فرمائے اور نیک وفادار زوجہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

تنبیہ:

حضرت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں کیڑے پڑنے کا واقعہ سند کا محتاج ہے۔ یعنی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے لیکن خیال رہے کہ اسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ ثابت کیا ہے' آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ فِی الزُّھْدِ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ قَالَ مَا كَانَ بَقِیَ مِنْ اَیُّوْبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلَّا عَیْنَا وَقَلْبُهٗ وَلِسَانُهٗ فَكَانَتِ الدَّوَابُّ تَخْتَلِفُ فِیْ جَسَدِهٖ وَاَخْرَجَ اَبُوْ نُعَیْمٍ وَّابْنُ عَسَاكِرَ عَنْهُ اَنَّ الدُّوْدَةَ لَتَقَعُ مِنْ جِسْمِ اَیُّوْبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیُعِیْدُھَا اِلٰی مَكَانِهَا وَیَقُوْلُ: كُلِیْ مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ "❶

''احمد ابو نعیم اور ابن عسا کر نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں ماسوائے آنکھوں' دل اور زبان کے کوئی جگہ نہیں تھی جہاں کیڑے نہ پڑے ہوں' جب کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ اسے اٹھا کر پھر اپنی جگہ رکھ دیتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھا' جو اس نے تجھے دیا ہے۔''

معتزلہ نے بھی کیڑے پڑنے والی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابتلاءً جائز قرار دیا ہے کیونکہ انبیائے کرام پر آزمائش زیادہ ہوتی ہے کیڑے پڑنے کا ذکر تفسیر بیضاوی' تفسیر بغوی' تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر وغیرہ معتبر کتب تفاسیر میں کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ دوم' ص 80

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ (ص 13:23)

''یاد کرو! اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (علیہ السلام) کو اور سب اچھے ہیں۔''

حضرت ذوالکفل علیہ السلام:

آپ کا نام ''بشر'' ہے یا ''شرف'' ہے۔ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ آپ کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں' تاہم اسی قول مذکور کی طرف زیادہ رجحان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے باپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد نبی بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ آپ لوگوں کو میری وحدانیت پر ایمان لانے کی طرف بلائیں' کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ آپ عمر بھر شام کے علاقہ میں ہی رہے' اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے' پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے عبدان کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کی بعد نیکی کے عمل پر قائم رہنا' لوگوں کو بھی ایمان اور نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

آپ علیہ السلام یتیموں محتاجوں غریبوں بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے' ان کی ضروریات کا خیال رکھتے' انہی محتاج لوگوں کی کفالت کی وجہ سے ہی آپ کا نام ''ذوالکفل'' (کفالت کرنے والا) پڑ گیا تھا۔ [1]

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج ۹ حصہ دوم' ص 82

حضرت یسع علیہ السلام

آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطاء فرمائی اور اس کے ساتھ ہی آپ کو بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ آپ علیہ السلام دن کو روزہ رکھا کرتے تھے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کو کسی بات پر غصہ نہیں آتا تھا' خصوصاً آپ اپنی امت کے معاملات میں بڑی متانت سے فیصلہ فرماتے' کسی قسم کی جلد بازی اور غصہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔

آپ علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو بنی اسرائیل کے کچھ بڑے آدمی مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ بادشاہت میں اپنا جانشین کسی کو مقرر کر دیں تا کہ ہم اپنے معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں' تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ملک کی باگ ڈور میں اس کے حوالے کروں گا جو مجھے تین باتوں کی ضمانت دے۔ کسی شخص نے بھی اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی ضمانت دینے کے متعلق آپ سے کوئی بات نہ کی۔ سوائے ایک نوجوان کے اس نے کہا: میں ضمانت دیتا ہوں' آپ نے اسے کہا: بیٹھ جا! مقصد یہ تھا کہ کوئی اور شخص بات کرے لیکن پھر آپ کے کہنے پر وہی نوجوان کھڑا ہوا' اس نے ذمہ داری قبول کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ آپ علیہ السلام نے کہا: ٹھیک ہے' تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کرو:

(۱): ایک یہ کہ تمام رات عبادت میں گزارنی ہے' سونا نہیں۔

(۲): دوسری بات یہ ہے کہ ہر روز دن کو روزہ رکھنا ہے۔

(۳): تیسری چیز یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔

جب اس نوجوان نے تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کر لی تو آپ نے بادشاہی کا نظام اس کے سپرد کر دیا۔ خیال رہے نبوت میں خلیفہ نہیں بنایا جا سکتا' اللہ تعالیٰ جسے چاہے نبی بنا دے۔ {اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ} ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے منصب رسالت کسے عطا کرنا ہے۔'' [1]

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ دوم' ص 82

حضرت الیاس علیہ السلام

وَاِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰہَ رَبَّکُمۡ وَ رَبَّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَاِنَّہُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّہٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۲﴾ (صافات 8:23)

''اور بے شک الیاس پیغمبروں سے ہے' جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا ڈرتے نہیں کیا تم بعل (بت کا نام) کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ کو جو رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلوں باپ دادا کا' پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ضرور پکڑے جائیں گے' مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے' اور ہم نے پچھلوں میں اس کی ثناء باقی رکھی' سلام ہو الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں پر' بے شک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو' بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل ایمان والے بندوں سے ہے۔''

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا نسب مشہور قول کے مطابق یہ ہے ''الیاس علیہ السلام بن یاسین بن فخاص بن العیز ار بن ہارون۔''

حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام کی ہر سال ملاقات:

حضرت الیاس علیہ السلام خشکی پر مقرر کیے گئے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں پر اور جزیروں پر مقرر ہیں۔ ہر سال کے موقع پر ان دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور الیاس علیہ السلام کی ملاقات:

ایک سفر کے دوران ان کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی' آسمانوں سے اللہ تعالیٰ نے کھانا اتارا۔ دونوں حضرات نے وہ کھانا مل کر کھایا' اس کھانے میں روٹی' مچھلی وغیرہ نازل کی گئی۔ پھر عصر کی نماز دونوں حضرات یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور الیاس علیہ السلام نے مل کر ادا کی۔ حضرت

(۱) ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری' ج ۳' ص ۴۴۹' ۴۵۰' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

الیاس علیہ السلام نے قوم کو کہا:

''تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ تمہیں چاہئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اس کے نواہی (جن کاموں سے رب نے منع کیا ہے) سے اجتناب کرو تم بت پرستی کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت سے حاجات طلب کر رہے ہو اور اس ذات کو چھوڑ رہے ہو یعنی اس ذات کی عبادت نہیں کر رہے ہو اور اس سے تم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر رہے ہو جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔''

خیال رہے خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' اس کے بغیر کوئی خالق نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین کہا گیا ہے: کیونکہ ان کے گمان کے مطابق رب کے بغیر بھی خالق تھے' تو کہا گیا ہے جن کو تم خالق مانتے ہو ان سب سے اچھا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا مجازی طور پر دوسرے کاموں کے ایجاد کرنے والوں کو وہ لوگ خالق کہہ دیتے تھے تو آپ نے بھی ان کے قول کے مطابق کلام فرمایا ہو۔

قومِ الیاس کا بت: ان کے بت کا نام ''بعل'' تھا۔ یمن کی لغت میں بعل کا معنی ''رب'' ہے' وہ کہتے تھے {مَنْ بَعَلُ هٰذَا الدَّارِ؟} ''اس گھر کا مالک کون ہے؟'' اسی وجہ سے خاوند کو بھی ''بعل'' کہا گیا ہے' قرآن پاک میں ہے: {وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ} (۱) اور ذکر کیا گیا: ﴿وَهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا﴾

ان دونوں مقاموں میں ''بعل'' کا معنی خاوند ہے' چونکہ وہ اس بت کو اپنا رب مانتے تھے' اس کا نام ہی انہوں نے ''بعل'' رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی بیس ذراع (تیس فٹ) تھی۔ وہ سونے کا بنا ہوا تھا' اس کے چار منہ تھے' وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اس کی خدمت کے لئے انہوں نے چار سو خادم رکھے ہوئے تھے' وہ خدام چونکہ ان کے معبود کے خدمت گزار رہتے تھے' اسلئے وہ ان کو اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض مفسرین نے ''ابناءھم'' کی جگہ ''انبیاء'' تحریر کیا ہے' کہ وہ ان خادموں کو اپنے خدا کا نبی سمجھتے تھے۔

شہر بعلبک: ''بعلبک'' شہر کا نام اس لئے بعلبک رکھا گیا ہے کہ اس وقت کے حاکم کا نام ''بک'' تھا۔ اور اس کے معبود کا نام ''بعل'' تھا۔ اس نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام اس نے اپنے اور اپنے معبود کے نام سے مرکب کر کے ''بعلبک'' رکھا۔ نحو کی تمام کتب میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ ''بک'' اس جگہ کا نام تھا جہاں انہوں نے اپنے بت ''بعل'' کو رکھا ہوا تھا۔ اس طرح بت اور اس کے مندر کے نام سے شہر کا نام ''بعلبک'' رکھا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تنبیہ: بعض حضرات نے تحریر کیا ہے کہ ''بعل'' بت میں شیطان بولتا تھا کہ گمراہی کی طرف ان کی راہنمائی کرتا تھا۔ وہ بت کچھ احکام جاری کرتا' اس کے خدام یعنی جن کو وہ اپنے بت کے نبی سمجھتے تھے' لوگوں تک وہ احکام پہنچاتے تھے۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

" وَاَمَّا قَوْلُهُمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ يَدْخُلُ فِيْ جَوْفِ بَعْلٍ وَيَتَكَلَّمُ بِشَرِيْعَةِ الضَّلَالَةِ فَهٰذَا مُشْكِلٌ لِاَنَّا اِنْ جَوَّزْنَا هٰذَا كَانَ ذَالِكَ قَادِحًا فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمُعْجِزَاتِ لِاَنَّهٗ نُقِلَ فِيْ مُعْجِزَاتِ النَّبِيِّ ﷺ كَلَامُ الذِّئْبِ مَعَهٗ وَكَلَامُ الْجَمَلِ مَعَهٗ وَحَنِيْنِ الْجِذْعِ وَلَوْ جَوَّزْنَا اَنْ يَّدْخُلَ الشَّيْطَانُ فِيْ جَوْفِ جِسْمٍ وَّيَتَكَلَّمُ فَحِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ هٰذَا الْاِحْتِمَالُ قَائِمًا فِي الذِّئْبِ وَالْجَمَلِ وَالْجِذْعِ وَذَالِكَ يَقْدَحُ فِيْ كَوْنِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ مُعْجِزَاتٍ" ❶

"بعض لوگوں کا جو یہ قول ہے کہ بعل بت کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا اور ان کو گمراہی کے راستہ پر چلانے کا کام کرتا تھا اس کا تسلیم کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو بہت سے معجزات پر عیب لازم آئے گا اور ان پر اعتبار ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے معجزات میں ان معجزات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ سے بھیڑیئے نے کلام کیا' آپ ﷺ سے اونٹ نے کلام کیا' آپ نے جب منبر بنوالیا تو جس ستون سے آپ پہلے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے'وہ رونے لگا' آپ نے اسے تسلی دی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان جسموں میں داخل ہو کر کلام کرتا ہے' تو یہ احتمال بھیڑیئے اور اونٹ اور کھجور کے تنے یعنی اس رونے والے ستون میں بھی قائم ہوگا کہ (معاذ اللہ) ان میں بھی شیطان نے داخل ہو کر کلام کیا ہوگا' اس طرح تو معجزات پر اعتبار ہی اٹھ جائے گا۔"

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث سے واضح ہو گیا کہ یہ قول ہی باطل ہے کہ "بعل" کے پیٹ میں شیطان داخل ہو کر کلام کرتا تھا۔

خیال رہے کہ یہاں (فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○)...... تو انہوں نے اس کی تکذیب کی پس بیشک وہ پکڑے جائیں گے...... میں اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس کے بعد (اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○) مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے...... میں استثناء بھی اسی اخروی عذاب سے ہے۔

دنیا میں قوم الیاس کی تباہی اور آپ پر ایمان لانے والوں کی نجات کا ذکر معتبر تفاسیر میں نظر نہیں آسکا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بھی یہی ظاہر کر رہا ہے (سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ○) کا ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے" سلام ہو الیاس علیہ السلام پر۔" (۱) اس میں ایک قول یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں پر سلام ہو۔ ایک قرأت میں "آل یاسین ہے" چونکہ الیاس علیہ السلام بن یاسین ہیں یعنی یاسین کی آل پر سلام ہو' اس سے مراد الیاس علیہ السلام ہیں۔

---

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 26' ص 161' مطبوعہ بیروت

حضرت یونس علیہ السلام

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ (سورۃ یونس 16:11)

''پس کیوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) سوائے قوم یونس کے' جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک۔''

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لوگ ''نینوی'' علاقہ ''موصل'' میں رہتے تھے۔ کفر و شرک بت پرستی میں مبتلا تھے' اللہ تعالٰی نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا۔ آپ نے انہیں ایمان لانے اور بت پرستی چھوڑنے کے متعلق حکم دیا' لیکن قوم نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالٰی کے فیصلہ سے آگاہ کیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالٰی کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ آپ خود ان لوگوں سے ناراض ہو کر شہر سے باہر چلے گئے' جب انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا تو بہت خوف میں مبتلا ہو گئے۔ کہا: اب عذاب ضرور آئے گا۔

آپ علیہ السلام نے ان کو ایک خاص مدت تک دنیاوی مال و متاع سے نفع حاصل کرنے کی مہلت دی تھی کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو فلاں وقت تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مہلت کی مدت میں کئی اقوال ہیں:

- وہ مدت چالیس دن تھی۔ ❶
- وہ مدت تین دن تھی۔ ❷

''تفسیر کبیر'' کے مطابق جب پینتیس دن گزر گئے تو آسمان پر شدید سیاہ بادل چھا گئے' جن سے بہت زیادہ دھواں شہر

---

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 165 ❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 6 حصہ دوم ص 92

تک پہنچ گیا اور اس نے مکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب وہ لوگ سمجھ گئے کہ یونس علیہ السلام نے جس عذاب کے آنے کے متعلق کہا تھا بس وہ آنے ہی والا ہے۔ وہ اتنے شدید خوف میں مبتلا ہوئے کہ ڈر کے مارے شہر کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے۔ انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو جدا کر دیا یہاں تک کہ تمام جانوروں اور ان کے بچوں کو بھی جدا جدا کر دیا' جبکہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر ایک دوسرے کی طرف مشتاق ہونے کی وجہ سے بے قرار ہو گئے' وہ اپنی آوازیں نکالنے لگے۔ ان جانوروں کی دردناک آوازیں زبان حال سے آہ وزاری ایک عجیب دردناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ وہ سب انسان مرد عورتیں بچے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے تھے' رو رہے تھے' اور عرض کر رہے تھے کہ:

''اے اللہ تعالیٰ! ہم تجھ پر اور تیرے نبی یونس علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں' ہم اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے ہیں۔ اے مولائے کائنات! ہمارے گناہ معاف کر دے' ہمیں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

انہوں نے اگر کسی ایک دوسرے پر مظالم کئے ہوئے تھے تو ان کو معاف کرایا۔ اگر کسی کے حقوق غصب کئے ہوئے تھے تو وہ واپس کئے' توبہ کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کی اجازت کے بغیر انہوں نے کوئی پتھر اپنے مکانوں کی بنیادوں میں لگایا ہوا تھا تو بنیادیں کھود کر وہ پتھر نکال کر واپس کیا۔ جب انہوں نے ایمان قبول کر لیا' سچے دل سے توبہ کر لی' تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور ان سے عذاب کو دور کر دیا۔ [1]

قوم یونس کی توبہ کی قبولیت کا دن:

وہ دن عاشورا کا دن تھا' یعنی دس محرم الحرام اور جمعہ کا دن تھا۔ وہ اپنے ایک بزرگ عالم کے پاس جا کر پوچھ رہے تھے کہ ہم پر عذاب آنے والا ہے ہم کیا کریں؟ اس نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعائیں کرو:

"یَاحَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ وَیَاحَیُّ یَا مُحْیِ الْمَوْتٰی وَیَاحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ ذُنُوْبَنَا قَدْ عَظُمَتْ وَجَلَّتْ اَنْتَ اَعْظَمُ مِنْهَا وَاَجَلُّ اِفْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَهْلُهٗ" [2]

''اے اس وقت بھی زندہ رہنے والے! جب کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے مردوں کو زندہ کرنے والے! اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! بے شک ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں' حد سے بڑھ چکے ہیں' تو عظیم ہے اور جلیل القدر ہے' ہمارے ساتھ وہ سلوک کر جو تیری شان کے لائق ہے (کیونکہ تو رحیم و کریم ہے' لہٰذا شان کریمی کے مطابق ہمارے ساتھ معاملہ فرما) اور ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ فرما جس کے ہم حقدار ہیں۔''

---

[1] تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 165 .... روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 6 حصہ دوم ص 92

[2] تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 165

اعتراض: ''فرعون'' عذاب کو دیکھ کر ایمان لایا اور توبہ کی' لیکن اس کے ایمان لانے اور توبہ کرنے کو قبول نہیں کیا گیا اور یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان اور ان کی توبہ کو کیوں قبول کیا گیا؟

جواب: "اِنَّ فِرْعَوْنَ اِنَّمَا تَابَ بَعْدَ اَنْ شَاهَدَ الْعَذَابَ وَاَمَّا قَوْمُ يُوْنُسَ فَاِنَّهُمْ تَابُوْا قَبْلَ ذَالِكَ فَاِنَّهُمْ لَمَّا ظَهَرَتْ لَهُمْ اَمَارَاتٌ دَلَّتْ عَلٰى قُرْبِ الْعَذَابِ تَابُوْا قَبْلَ اَنْ شَاهَدُوْا فَظَهَرَ الْفَرْقُ" ❶ ''فرعون نے عذاب کو دیکھ کر توبہ کی تھی کیونکہ جب وہ غرق ہونے لگا تھا تو اس نے کہا تھا۔ ''میں ایمان لاتا ہوں'' لیکن یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے صرف علامات عذاب کو دیکھ کر ایمان قبول کرلیا تھا اور توبہ کر لی تھی' کہ اب عذاب آنے ہی والا ہے۔ اب فرق واضح ہو گیا کہ فرعون کا ایمان عذاب کے مشاہدہ کرنے پر تھا' انکا ایمان عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے تھا۔''

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں: حضرت یونس علیہ السلام جب قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور قوم نے آپ کے پیچھے توبہ کر لی لیکن آپ واپس لوٹ کر نہ آئے' تو آپ اپنے سفر کے دوران دریا کو عبور کرنے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے' لیکن کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ اس وقت کے دستور اور رواج کے مطابق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگ کر جا رہا ہو اور کشتی سے اتار نہ لیں۔ اب کشتی کے بھنور میں پھنسنے پر ان لوگوں نے قرعہ ڈالا جو حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ تین دفعہ قرعہ آپ علیہ السلام کے نام پر نکلنے پر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا لی تا کہ کشتی کے دوسرے لوگ کنارے پر پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کے دل میں القاء کیا اور حکم دیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے لیکن یہ خیال کرنا کہ تمہارا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنایا ہے انہیں تمہارا لقمہ نہیں بنایا' اس لئے انہیں خراش تک نہ آنے دی جائے' ان کو بال برابر بھی نقصان نہ پہنچے۔ اس طرح آپ مچھلی کے پیٹ میں آ گئے' یہ آپ پر امتحان تھا اور یار کا یار کو ''عتاب'' تھا۔

چند قرآنی الفاظ مبارکہ کی ضروری تشریح:

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی وجہ سے ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' کہا گیا ہے۔ کیونکہ ''نون'' اور ''حوت'' دونوں کا معنی مچھلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ...... ﴿۸۷﴾ (سورۃ الانبیاء 6:17)

''اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔''

یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور صحیح بھی یہی ہے جبکہ کئی اور تراجم میں {اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ} کا

❶ تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 165

ترجمہ ''ہم ان پر قابو نہ پاسکیں گے''۔ ''ہم ان پر گرفت نہ کریں گے''۔ ہم نہ پکڑ سکیں گے'' اس قسم کے ترجمے غلط اور باطل ہیں۔
میں نے اپنی کتاب ''تسکین الجنان'' میں کئی تراجم ذکر کئے ہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو لوگ انبیائے کرام کو گنہگار ٹھہراتے ہیں کہ ان سے ضرور گناہ سرزد ہوتے ہیں' وہ اس آیت سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ رب مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔ یہ کہنا گناہ ہے۔ لہٰذا نبی گناہگار ہو سکتے ہیں۔''

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر یہ معنی کیا جائے کہ آپ نے رب کے متعلق یہ گمان کیا کہ ''رب عاجز ہے مجھے پکڑ نہیں سکے گا'' تو یہ کفر ہے۔ ایسی نسبت تو ایک مومن کی طرف نہیں کر سکتے، تو انبیائے کرام کی طرف کیسے کر سکتے ہیں؟ اسلئے اس بات کی توجیہ ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہو' لن نضیق علیہ '' آپ نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔ اسلئے کہ قرآن پاک میں اور مقامات پر بھی اس معنی میں اس لفظ کا استعمال ہے:

''اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ'' ''اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔''

[وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ] اور جس پر وہ رزق تنگ کر دے۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ڏ ......﴿۱۶﴾ ''لیکن وہ جب انسان کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے۔''
(سورۃ الفجر 14:30)

ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گے تو انہوں نے کہا: گزشتہ رات میں قرآن پاک کی موجوں میں مستغرق رہا لیکن مجھے اس سے خلاصی نہ مل سکی' ہوسکتا ہے آپ میری راہنمائی کر دیں۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: {يَظُنُّ نَبِيُّ اللّٰهِ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ} ''کیا اللہ تعالیٰ کا نبی بھی یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں پکڑ سکے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: {هٰذَا مِنَ الْقَدْرِ لَا مِنَ الْقُدْرَةِ} یہ لفظ ''قدر'' سے لیا ہوا ہے۔ ''قدرۃ'' سے نہیں یعنی اس کا معنی ''تنگی نہ کرنا'' ہے۔ ''قدرت نہ رکھنا'' نہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو شہر چھوڑ کر ہجرت کر جانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے اجتہاد سے تشریف لے گئے تھے۔ خیال یہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں فرمائے گا نہ کوئی باز پرس کرے گا۔

---

(۱) تفسیر کبیر' علامہ رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 215

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ ''اور بے شک یونس پیغمبروں سے ہے جبکہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔'' (سورۃ صافات 8:23)

یہاں بھی کئی مترجمین نے ترجمہ کیا ہے ''وہ بھاگ گیا۔'' یہ ترجمہ نبی کی شان کے لائق نہیں بھاگنے کا مقصد ہی نہیں تھا' صرف قوم پر ناراضگی کی وجہ سے آپ چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ اب ان پر عذاب آنے کا وقت تو آ ہی چکا ہے لہٰذا یہاں رہنے کی اب ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں صرف اس لئے ڈالا گیا تھا کہ آپ کو رب تعالیٰ کے حکم تک ٹھہرنا چاہئے تھا۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ ''اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں بلکہ زیادہ کی طرف بھیجا تو وہ ایمان لے آئے تو ہم انہیں ایک وقت تک برتنے دیا۔'' (سورۃ صافات 8:23)

اصل وجہ ''یار'' کی طرف سے ''یار'' کو عتاب کی صرف یہی تھی کہ اے میرے پیارے! تمہیں تو لاکھ آدمیوں سے زائد کی طرف بھیجا گیا تھا' ابھی تو عذاب کے آنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ تمہیں وہاں رہنا چاہئے تھا' ہوسکتا تھا کہ وہ ایمان لے آئیں جیسا کہ ہوا بھی یہی کہ وہ ایمان لے آئے۔ ❶

دعا نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے:

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ (سورۃ صافات 8:23)

''تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوا' پھر اسے مچھلی نے نگل لیا' اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا تو ضرور اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے تھے اور مچھلی کے پیٹ میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہے تو رب تعالیٰ نے آپ پر رحم فرمایا۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے:

''اُذْكُرُوا اللّٰهَ فِي الرَّخَاءِ يَذْكُرْكُمْ فِي الشِّدَّةِ'' ❷

''تم اللہ تعالیٰ کو آسانی میں یاد کرو تا کہ وہ تم پر مصائب وشدائد میں مہربانی فرمائے۔''

یہ ایک حدیث شریف کا ہی معنی ہے' اگرچہ الفاظ حدیث شریف کے نہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی آسائش میں اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا کثیر نمازیں ادا کرنا اور مچھلی کے پیٹ میں بھی رب تعالیٰ کو یاد کرنا ہی کام آیا۔

---

❶ تفسیر کبیر ج 9' حصہ دوم ص 152 دار الفکر بیروت
❷ تفسیر کبیر ج 9' حصہ دوم ص 153 دار الفکر بیروت

مچھلی کے پیٹ میں آپ کی دعا:

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ (سورۃ الانبیاء 6:17)

''تو اندھیروں میں پکارا کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔''

ظلمات جمع ذکر کیا' کئی تاریکیاں۔ اسلئے کہ آپ دریا کی تاریکی' رات کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں تھے۔ ان اندھیروں میں آپ نے رب تعالیٰ کے حضور التجاء کی: اے اللہ! میں جو تیرے حکم کے انتظار سے پہلے آگیا' یہ مجھ سے بے جا ہوا تو ان کلمات سے آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں ہے جو کوئی مصیبت زدہ بارگاہِ الٰہی میں ان کلمات سے دعاء کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ (1)

مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ (سورۃ الانبیاء 6:17)

''تو ہم نے اس کی پکار سن لی' اور اسے غم سے نجات دی' اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو۔''

یعنی یونس علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اظہارِ عجز کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے غم سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اگر مسلمانوں میں کسی نے بھی اپنی پریشانیوں کی فریاد رب سے طلب کی' سچے دل سے تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد کو بھی قبول کرے گا۔

مچھلی کے پیٹ سے باہر آ کر:

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ (سورۃ صافات 8:23)

''ہم نے اسے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ لگایا۔''

''كُلُّ شَجَرَةٍ لَا سَاقَ لَهَا فَهُوَ يَقْطِينٌ''

''ہر بیل جس میں تنا نہ ہو اسے یقطین کہا جاتا ہے۔''

لیکن یہاں مراد ''کدو'' ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

''وَهُوَ الدُّبَّاءُ الْمَعْرُوْفُ وَ كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُحِبُّهٗ'' (2)

''کہ یہاں مراد دباء ہے اور وہ مشہور و معروف ہے کہ وہ ''کدو'' ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔''

---

(1) تفسیر خزائن العرفان بحوالہ کبیر ج 22 ص 216

(2) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ' ج 12 حصہ دوم ص 146

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر اس کو اس لئے اگایا کہ آپ پر سایہ کرے اور آپ کو ٹھنڈک پہنچائے اور آپ کو اس کے پتے مس کریں اور اس کے بڑے پتے آپ پر رہیں تاکہ آپ پر مکھیاں نہ بیٹھیں کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ کدو کے پتوں پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آتے وقت نومولود بچے یا چوزے وغیرہ کی طرح تھے یعنی آپ کا چمڑا بہت نرم و نازک تھا' اس پر کوئی بال وغیرہ نہیں تھے۔ آپ کے لئے مکھیاں باعث تکلیف ہو سکتی تھیں اور سخت چیز کا مس کرنا اور سورج کی گرمی آپ کے لئے تکلیف کا باعث بن سکتی تھی' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے آپ کو اس کے سایہ سے آرام پہنچایا اور کدو کے پتے اترے ہوئے چمڑے کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں' اسلئے بھی کدو کو لگایا کہ اس کے پتے آپ کے چمڑے کے لئے فائدہ مند ہو سکیں۔

خیال رہے کہ "شجرۃ" اسے کہتے ہیں جس میں تنا ہو' اگرچہ کدو کی بیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے درخت کی طرح بڑا تناور بنا دیا تھا لیکن بعض اوقات شجر کا اطلاق بیل پر بھی ہوتا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ایک بکری کو آپ پر مقرر کر دیا تھا جو آپ کو دودھ پلاتی تھی۔ اس طرح پھر آپ کو توانائی جسم کی پختہ جلد اور بال عطا کر دیئے گئے۔ [1]

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت تین دن' سات دن' بیس دن اور ایک ماہ' مختلف اقوال میں بیان کی گئی ہے لیکن علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: {لَا اَدْرِیْ بِاَیِّ دَلِیْلٍ عَیَّنُوْا هٰذِهِ الْمَقَادِیْرَ} "مجھے معلوم نہیں کہ کس دلیل سے یہ مدت مقرر ہوئی اس پر کوئی دلیل نہیں۔" [2]

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ دوم ص 146 [2] تفسیر کبیر ج 9 ص 153 مطبوعہ دار الفکر
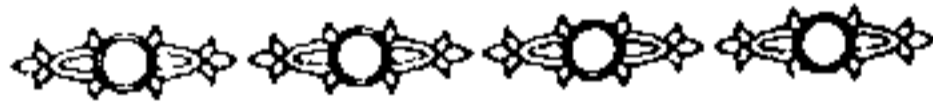
حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سو سال عمر پائی۔ آپ موسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ننانوے (۵۹۹) سال بعد تشریف لائے۔ (اس کے دیگر اقوال بھی منقول ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے ہیں' آپ نے اکسٹھ سال عمر پائی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار سات سو سال پہلے تشریف لائے۔ (1)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ (سورۃ ص 12:23) ''اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔''

ذاالایــــد: کا معنی نعمتوں والا بھی ہے اور طاقت وقوت والا بھی ہے یعنی آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت عطاء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی طاقت کی تعریف فرمائی تو اس سے وہی مراد ہو سکتی ہے' جو قابل تعریف ہو اور قابل تعریف وہی طاقت ہے جس کی وجہ سے انسان عبادات پر عمل کر سکے اور گناہوں سے بچ سکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

داؤد علیہ السلام کی عبادت: آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ دراصل آپ علیہ السلام کا نفس کے خلاف جہاد تھا کیونکہ انسان کا ''نفس'' بچے کے طرح ہوتا ہے بچے کو ایک دن دودھ پلایا جائے اور دوسرے دن نہ پلایا جائے یہ بہت مشکل ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام نے اپنے نفس سے ایسا جہاد کیا جو عام آدمی کے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ ایک دن نفس کو خواہشات سے روکنا اور دوسرے دن خواہشات کی اجازت دینا عظیم کام تھا۔ آپ علیہ السلام نصف رات اللہ تعالیٰ کے حضور قیام فرماتے یعنی نوافل ادا کرتے' پھر رات کا تہائی حصہ سوتے' پھر رات کا چھٹا حصہ جاگ کر عبادت میں مشغول رہتے۔

داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا ذکر:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا ''اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو بڑا علم عطا کیا

(1) التحبیر للسیوطی' حاشیہ جلالین ص 275

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ نمل 16:19)

تھا اور دونوں نے کہا: سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی۔"

علم سے مراد لوگوں کے درمیان قضاء (فیصلہ) کا علم' پرندوں کی بولیاں جاننے کا علم وغیرہ "ہمیں فضیلت دی" اس سے مراد نبوت اور جنوں شیطانوں کو آپ کے تابع بنانا ہے۔

"علم" سے انسان کو فضیلت حاصل ہوئی' انسان کو چاہیے کہ نعمتوں کے حاصل ہونے پر ان کا شکریہ ادا کرے۔ کسی نعمت کا اظہار بطور تکبر نا جائز ہے' بطور شکر ذکر کرنا مستحب ہے' سنت انبیائے کرام ہے۔ ❶

داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کا ذکر:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (سورۃ ص 12:23)

"اے داؤد (علیہ السلام)! ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا' تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی۔ بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے' اسلئے کہ وہ عذاب کے دن کو بھول بیٹھے۔"

"فَقَدْ جَمَعَ لِدَاوٗدَ بَيْنَ النُّبُوَّةِ وَالسَّلْطَنَةِ" ❷

"حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت دونوں حاصل تھیں۔"

"وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اَلْمَقْصُوْدُ مِنْ نَهْيِهٖ اِعْلَامُ اُمَّتِهٖ لِاَنَّهٗ مَعْصُوْمٌ وَلِتَتَّبِعِهٖ فِيْمَا اُمِرَ بِهٖ لِاَنَّهٗ اِذَا كَانَ هٰذَا الْخِطَابُ لِلْمَعْصُوْمِ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى" ❸

"آپ علیہ السلام کو رب نے جو فرمایا: "خواہش کے پیچھے نہ جانا" اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خواہش کے پیچھے چلنے سے امت کی تعلیم کے لئے روکا گیا ہے کہ وہ غور و فکر کریں۔ اور آپ علیہ السلام کو جو حکم دیئے گئے ہیں وہ ان کی تابعداری کریں۔ جب یہ حکم معصوم کو ہو سکتا ہے تو دوسروں کو تو یقیناً یہ حکم ہونا ہی ہے۔"

روایت کیا گیا ہے کہ بنی مروان میں سے کسی خلیفہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ کہا کہ کیا تم نے سنا ہے؟ جو ہمیں خبر دی گئی ہے کہ خلیفہ پر کوئی قلم نہیں چلے گی اور اس پر کوئی معصیت نہیں لکھی جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین خلفاء افضل ہیں یا انبیاء علیہم السلام؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تعلیمِ امت

---

❶ روح البیان' علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ' ج 6 ص 619

❷ صاوی' حاشیہ جلالین ص 382

❸ صاوی' حاشیہ جلالین ص 382

کے لئے خواہشات کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے تو خلیفہ کیا چیز ہو سکتا ہے؟ ❶

فائدہ: ایک انسان دنیا میں زندگی گزارنے کی جمیع ضروریات پر عمل نہیں کر سکتا۔ کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے' کوئی دانے پیستا ہے' کوئی روٹی پکاتا ہے' کوئی کپڑا بنتا ہے اور کوئی سلائی کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ تمام کام مل کر تمام کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جب سب لوگوں نے ایک ہی علاقہ' ایک ہی سرزمین میں مجتمع ہو کر رہنا ہے اور مختلف کام سرانجام دینے ہیں تو ان میں اختلافات اور جھگڑے ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ اس لئے ان میں کوئی ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہئے جسے طاقت اور دبدبہ حاصل ہو جو ان کے اختلافات دور کرا سکے' ان کے جھگڑوں میں فیصلہ کرا سکے' یہ وہ بادشاہ ہی ہو سکتا ہے جس کا حکم کل پر نافذ ہوتا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مخلوق کی مصلحت کے لئے بادشاہ، سیاستدان کا ہونا ضروری ہے۔ پھر اگر بادشاہ اپنی خواہش کے مطابق احکام نافذ کرے' اپنے دنیاوی منافع حاصل کرے مخلوق کو عظیم ضرر پہنچائے' رعیت کو اپنی ذات پر قربان کر دے یعنی اپنی بادشاہت کو بچانے کے لئے رعیت کی تباہی کا لحاظ نہ کرے' رعیت کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرے تو دنیا تباہی و بربادی پر پہنچ جاتی ہے۔ مخلوق میں قتل و غارت کا وقوع عام ہوتا ہے' آخر کار اس بادشاہ کی تباہی کا وقت بھی آ جاتا ہے اس طرح بادشاہ کے مظالم سے ملک کی بربادی کے ساتھ بادشاہ کی اپنی بربادی بھی ہو جاتی ہے۔

اگر بادشاہ شرعی احکام کے مطابق فیصلے کرے تو نظام عالم درست ہو جاتا ہے۔ بھلائی کے دروازے اچھے طریقے سے کھل جاتے ہیں' ان مقاصد کے پیش نظر قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا۔

پہاڑ پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾

(سورۃ ص 12:23)

"بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ کو مسخر کر دیئے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کئے ہوتے' اور سب اس کے فرمانبردار تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو آپ کے ساتھ مسخر کر دیا یعنی پہاڑ آپ کے تابع تھے۔ آپ جہاں چلتے پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے یا آپ جس جگہ پہاڑوں کے لے جانے کا ارادہ فرماتے پہاڑ وہاں چلے جاتے۔ آپ علیہ السلام کا یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی آواز بہت حسین تھی' آواز میں رعب اور دبدبہ بھی تھا۔ جب آپ خوش الحانی سے "زبور شریف" پڑھا کرتے تو پہاڑوں سے بھی تسبیحات کی حسین و جمیل گنگناہٹ سنائی دیتی۔

---

❶ تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ دوم ص 186

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کئی کارنامے موجود ہیں یعنی پہاڑوں کے جسم میں زندگی پیدا فرماتا ہے' پھر انہیں شعور عطاء فرماتا ہے' پھر انہیں قدرت سے نوازتا ہے' پھر انہیں بولنے کی طاقت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن پاک میں ایک اور بھی ہے: {فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ} جب اس (موسیٰ) کے رب نے اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ پر فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں عقل وفہم پیدا کئے' پھر اسے اپنے صفاتی نور کے دیکھنے کے لئے دیکھنے کی طاقت وسمجھ عطا کئے' دیکھنے پر وہ پہاڑ برداشت نہ کر سکا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خوش آوازی سے زبور پڑھنے اور تسبیحات پڑھنے کے ساتھ ساتھ پرندے بھی تسبیحات پڑھتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے قریب آ کر کان لگا کر سنتے تھے' اتنے قریب ہو جاتے تھے کہ آپ پرندوں کو گردن سے پکڑ کر ان سے پیار کرتے بلکہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی آواز میں رب نے ایسا عجیب اثر رکھا تھا کہ آپ جب زبور پڑھتے تو چلتا پانی رک جاتا۔ درختوں پر یہ اثر ہوتا کہ گویا وہ بھی زبان حال سے آپ کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہے ہیں' اور ان کے پتے جھڑنے شروع ہو جاتے۔ (واللہ اعلم الصواب) [1]

فائدہ: علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب یہ پتہ چلا کہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے اور تسبیحات پڑھتے اور پرندے آپ کے پاس جمع ہو جاتے تھے......

"وَاجْتِمَاعُهَا اِلَيْهِ هُوَ حَشْرُهَا فَيَكُوْنُ عَلٰى هٰذَا التَّقْدِيْرِ حَاشِرُهَا هُوَ اللّٰهُ" [2] "ان پرندوں کا آپ کے پاس اجتماع وہ حشر ہے ان کا "حاشر" یعنی جمع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔"

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس ذات نے یہاں غیر ذوی العقول کو عقل عطا کر کے اور غیر ذی روح کو روح عطا کر کے آپ کے تابع بنا دیا۔ وہ ذات قیامت میں ذی روح کی روح کیونکر نہیں لوٹا سکتا۔

تنبیہ: عام طور پر اہل عرب لفظ بولتے ہیں {شَرَقَتِ الشَّمْسُ} "سورج طلوع ہو گیا" اور {اَشْرَقَتِ الشَّمْسُ} کا معنی لیتے ہیں "سورج روشن ہو گیا"۔ آیت کریمہ میں لفظ "اشراق" استعمال ہوا ہے اس سے صلوۃ ضحیٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے آپ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا اور وضو کر کے "صلوۃ ضحیٰ" (چاشت کی نماز) ادا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے ام ہانی! هٰذِهٖ صَلٰوةُ الْاِشْرَاقِيَّةِ نماز اشراق ہے۔

حضرت طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: آپ نے پوچھا کہ کیا تم چاشت کی نماز کا ذکر قرآن پاک میں پاتے ہو؟ تو حاضرین نے جواب دیا نہیں۔ تو میں نے اسے {يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ} میں پا لیا۔ [3]

[1] تفسیر کبیر ج 9' ص 171 مطبوعہ دار الفکر [2] تفسیر کبیر ج 9 ص 172 [3] ایضاً

"وَيَلُوحُ مِنْ هٰهُنَا اَنَّ الْاِشْرَاقَ وَالضُّحٰى وَاحِدٌ يَعْنِي هُوَ فِي الْحَقِيقَةِ وَقْتٌ وَّاحِدٌ وَصَلٰوةٌ وَاحِدَةٌ اَوَّلُهَا وَقْتُ الْاِشْرَاقِ وَآخِرُهَا اِلٰى قُبَيْلِ نِصْفِ النَّهَارِ وَلَمَّا صَلّٰى فِي بَعْضِ الْاَحْيَانِ فِي الْوَقْتَيْنِ ظَنُّوْا اَنَّ هٰهُنَا وَقْتَيْنِ وَصَلٰوتَيْنِ" ❶

"اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشراق اور ضحیٰ ایک ہی ہیں یعنی ایک ہی وقت ہے اور ایک ہی نماز ہے اول وقت کو اشراق کہا جاتا ہے اور آخر کو ضحیٰ کہا گیا ہے آخر وقت زوال سے تھوڑا پہلے تک ہے، جب بعض اوقات یہ نماز اول وقت میں پڑھی گئی اور بعض اوقات آخر میں تو یہ گمان ہوا کہ دو وقت علیحدہ علیحدہ نماز ہیں۔ (حالانکہ نماز ایک ہی ہے)

اشراق یا چاشت کی رکعات:

"اَقَلُّهَا رَكْعَتَانِ وَاَدْنٰى كَمَالِهَا اَرْبَعٌ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ فَهُوَ ثَمَانُ رَكْعَاتٍ وَّاَكْثَرُهَا اِثْنَتَا عَشَرَةَ رَكْعَةً" ❷

"کم از کم دو رکعتیں اور کمال کا ادنیٰ درجہ چار رکعتیں ہے، اس سے زائد جتنی چاہے پڑھے اور آٹھ رکعتیں اور اس سے بھی زائد بارہ رکعتیں ہیں۔"

تمام تعداد کی صورتوں پر احادیث مبارکہ دال ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے: {اَوْصَاهُ بِهِمَا وَاَنْ لَا يَدَعَهَا} آپ نے دو رکعتیں ادا کرنے اور ان کو نہ چھوڑنے کا حکم فرمایا۔

مسلم مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي الضُّحٰى اَرْبَعًا وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ ضحیٰ چار رکعت پڑھتے تھے اور زیادہ فرماتے جتنا رب تعالیٰ چاہتا۔"

ابن عبدالبر نے تمہید میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا:

"قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكْعَاتٍ فَقُلْتُ مَا هٰذِهِ الصَّلٰوةُ قَالَ هٰذِهٖ صَلٰوةُ الضُّحٰى" ❸

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون سی نماز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ چاشت کی نماز ہے۔"

ایک ضعیف روایت میں بارہ رکعت کا ذکر بھی ملتا ہے۔

خیال رہے کہ راقم کا مطلب صرف مسئلہ کی تحقیق تھی۔ جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی ہوئی ہے اور وہ اشراق کے وقت علیحدہ نوافل پڑھتے ہیں اور چاشت کے وقت علیحدہ۔ انہیں اس مستحسن فعل سے منع کرنا مقصود نہیں۔ یہ جاہلانہ

❶ کمالین حاشیہ جلالین ص 381
❷ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 12 حصہ دوم ص 175
❸ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 12 حصہ دوم ص 175

طرزِ عمل ہے کہ: فلاں وقت دعا نہ کرو فرض کے بعد دعا ثابت نہیں، سنتوں اور نوافل کے بعد دعا ثابت نہیں، جنازہ کے بعد دعا نہیں، جمعرات کو دعا نہیں، چالیسویں پر دعا نہیں، نہ جانے کیوں خدا سے مانگنے میں بھی جاہلوں کو شرم آتی ہے؟ خدا سے نہ مانگنے والے متکبر جہنم کا ایندھن ہیں۔اس مسئلہ پر میری کتاب "**شمع ھدایت**" کا مطالعہ کیا جائے۔

آپ کی بادشاہی کا دبدبہ اور اثر خطاب:

وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۝ (سورۃ ص 12:23)

"اور ہم نے اس کو اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چھتیس ہزار آدمی رات کو آپ کی حفاظت کرنے والے ہوتے صبح ہوتی تو آپ ان کو فرماتے کہ تم لوٹ جاؤ تو پر اللہ کا نبی راضی ہے۔بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی حفاظت کرنے والے چالیس ہزار کی تعداد میں ہوتے ہے۔(کبیر)

اتنی تعداد میں لوگ اپنے شوق و محبت کی وجہ سے آپ کی حفاظت کے لئے آتے تھے اس میں اپنی سعادت سمجھتے اور باعث برکت سمجھتے۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا: یہ عقلاً بعید ہے کیونکہ اتنے آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی یہ قول مجھے درست نظر نہیں آرہا ہے۔اگر چہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو ضرورت نہیں تھی لیکن آپ کے غلاموں کو آپ کی خدمت کی ضرورت تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک شخص پر گائے کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا۔حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو کہا: تم دونوں جاؤ! میں اس معاملہ میں غور و فکر کروں گا۔وہ دونوں آپ کی محفل سے چلے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو نیند آ گئی تھی آپ کو خواب میں کہا گیا کہ مدعی کو قتل کر دو۔آپ علیہ السلام نے خیال کیا یہ خواب ہے مجھے اس معاملہ میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔دوسری رات پھر خواب میں آپ کو یہی کہا گیا کہ اس شخص کو قتل کر دو آپ نے پھر بھی اس پر عمل نہ کیا۔تیسری رات پھر آپ کو یہ کہا گیا اس شخص کو قتل کر دو یا تم پر اللہ تعالیٰ طرف سے گرفت آئے گی۔آپ علیہ السلام نے اس شخص کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلوالیا۔آپ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قتل کرادوں۔ س نے کہا: آپ مجھے بغیر گواہوں اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کرائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اللہ تعالیٰ کا حکم تم پر ضرور جاری کروں گا۔اس شخص نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں کیونکہ میں آپ کو اصل بات بتا تا ہوں میں اس (گائے کے) جرم کی وجہ سے اس گرفت میں نہیں آیا بلکہ میں نے اس شخص کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور اسے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔میں اس

گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل پر آپ کی بہت بڑی ہیبت اور عظیم رعب طاری ہو گیا۔ اس طرح آپ کی بادشاہت کا دبدبہ ہر شخص کے دل میں بیٹھ گیا۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطاء کی۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (بقرہ 5:3) ''جسے حکمت عطاء کی جائے اسے خیر کثیر عطا کیا جاتا ہے۔''

یعنی علم اور ایسے اعمال جو دین دنیا میں اچھے اور نیک ہوں' اور درست اعتقادات کا عطاء ہونا' یہ سب حکمت میں داخل ہیں۔ ❷

پُر اثر خطابِ فیصل:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے ''خطاب فیصل'' سے نوازا جس کی وجہ سے آپ لوگوں کو کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کی قدرت رکھتے تھے، جو بہت زیادہ اثر انداز ہوتا تھا۔ خیال رہے کہ جمادات یعنی پتھروں وغیرہ کو تو ادراک وشعور ہی حاصل نہیں اور انسان کے بغیر دوسرے حیوانوں کو ادراک وشعور حاصل ہے لیکن وہ کسی چیز کو کچھ نہ کچھ سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کے قابل نہیں۔ اپنے دل کی بات کسی تک پہنچا سکیں' یہ ان سے نہیں ہو سکتا۔ صرف انسان ہی ہے کہ کسی چیز کا ادراک کر کے دوسرے تک بھی پہنچا سکتا ہے۔ پھر بعض انسان اس انداز سے کلام کرتے ہیں کہ اس میں مضامین خلط ملط ہوتے ہیں' دوسروں کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اور بعض اپنی بات کو کامل طور پر سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل صالح' اعتقاد صالح عطاء کر کے جس طرح قوت باطنیہ کو کمال بخشا اسی طرح ''خطاب فیصل'' عطاء کر کے آپ کی قوت گویائی (بولنے کی قوت) کو کمال عطا کیا۔

لوہے کا آپ کے ہاتھ میں نرم ہو جانا:

وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۝ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ...... (سورہ سبا 9:22) ''اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔''

آپ کے ہاتھ میں لوہا موم اور گوندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ آگ میں نرم کرنے اور ہتھوڑے سے کوٹنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ آپ علیہ السلام جیسے چاہتے اس طرح لوہے کو ہاتھ سے ادھر ادھر پھیر کر زرہ بنا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ بہت خوبصورت اور معتدل زرہ بناتے' نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی۔ اس میں کیل بھی ایک خاص

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ دوم ص 176 ❷ تفسیر کبیر' ج 9 حصہ دوم ص 173

مقدار کے لگاتے' بہت بڑے یا چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔ تاہم بعض مفسرین کرام نے کہا آپ کو کیل لگانے کی ضرورت ہی درپیش نہیں آتی تھی۔ لوہا نرم ہو جاتا جیسے چاہتے اس کو اسی طرح پھیر لیتے۔

حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام جب سے بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو آپ نے یہ عمل شروع کیا کہ رات کو عام آدمی کی حیثیت سے باہر تشریف لے جاتے' جو شخص ملتا اس سے پوچھتے: داؤد بادشاہ کیسا ہے؟ ایک مرتبہ آپ کی ملاقات ایک فرشتہ سے ہوئی جو انسانی شکل میں تھا' جب آپ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: آدمی تو بہت اچھا ہے صرف ایک بات اس میں نہ پائی جائے تو وہ بہت ہی کامل انسان ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ وہ بیت المال سے رزق کھاتے ہیں۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں تو ان کے فضائل میں تکمیل پائی جائے۔

آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! مجھے زرہ بنانے کا علم عطا فرما دے اور مجھ پر زرہ بنانی آسان فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانے کا علم عطاء فرما دیا اور لوہے کو آپ کے ہاتھ میں نرم فرما دیا۔ آپ اس کی آمدنی کا تہائی حصہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ فرماتے۔ ایک زرہ ہر روز تیار فرماتے تھے' ایک ہزار' چار ہزار اور چھ ہزار درہم تک آپ کی بنائی ہوئی زرہیں فروخت ہوتیں۔ اس کی آمدنی میں سے آپ اپنی ذات پر خرچ کرتے اور اپنے اہل و عیال کا خرچ اسی سے پورا فرماتے۔ فقراء اور مساکین کو بھی اس مال سے دیتے۔ تین سو ساٹھ زرہیں آپ نے تیار فرمائی تھیں' ان کو فروخت کر کے آپ نے اتنے دراہم حاصل کر لئے تھے کہ آپ بیت المال کے محتاج نہ رہے' بلکہ اس سے کثیر رقم غرباء کو بھی دیتے۔ [1]

انبیائے کرام کا مقام بہت بلند ہے:

کچھ آیات کریمہ کی تشریح میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ایسے قصے منسوب کر دیئے گئے ہیں جو سراسر باطل ہیں۔ میں نے جب ان آیات کریمہ کی تفسیر علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر میں دیکھی تو ارادہ ہوا کہ آپ کے عظیم دلائل کو ذکر کیا جائے۔ اس کے بعد تفسیر ضیاء القرآن کو دیکھا تو خیال ہوا کہ اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یہ تفسیر ہی زیادہ بہتر ہے کہ اسی کو بعینہٖ ذکر کر دیا جائے۔ اس لئے ''ضیاء القرآن'' سے ہی نقل کر رہا ہوں۔ علمائے کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مقام میں تفسیر کبیر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى

''اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی؟ جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد (علیہ السلام) پر۔ پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ اول ص 116-115

سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

(سورۃ ص 12:23)

انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دوفریق ہیں' زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر' آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ! (صورت نزاع یہ ہے) یہ میرا بھائی ہے اور اسکی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کردو اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے' اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔اور فوراً خیال آ گیا داؤد (علیہ السلام) کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے۔سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع (سجدہ) میں اور (دل وجان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے۔

اس سے پہلے کہ اس قصہ کی تحقیق کی جائے جو عام طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آیات کی تشریح کر دی جائے اور آخر میں اس قصہ کے متعلق محققین علماء کی رائے' قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔

جب کسی واقعہ کی طرف مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تا کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر (بڑی توجہ سے) اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔

"اَلْاِسْتِفْهَامُ اَمْرٌ لِلتَّنْبِیْهِ عَلٰی جَلَالَةِ الْقِصَّةِ وَالْاِصْغَآءِ اِلَیْهَا وَالْاِعْتِبَارُ بِهَا"

یعنی کیا آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی ہے کہ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریق دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں اچانک جا دھمکے۔"تسور الحائط تسلق" دیوار پر رینگ کر چڑھنا۔محراب سے مراد آپ کی عبادت کا حجرہ ہے' اس کا ماخذ و مادۂ اشتقاق "حرب" ہے کیونکہ وہاں آپ علیہ السلام اپنے نفس سے برسر پیکار رہتے تھے۔اس لئے اس کو محراب کیا گیا۔مسجد کے محراب کو بھی اسلئے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعتِ مسلمین کا امام ہوائے نفس (نفس کی خواہشات) تضلیلِ ابلیس (شیطان کا بھٹکانا) اور طرح طرح کے خطرات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔یاد رہے کہ مساجد میں محراب کی موجودہ شکل عہد رسالت میں نہ تھی۔

"صَرَّحَ الْجَلَالُ السُّيُوطِي اَنْ لَا مَحَارِيْبَ الَّتِيْ فِي الْمَسَاجِدِ بِهَيْئَتِهَا الْمَعْرُوْفَةِ الْيَوْمَ لَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ" "علامہ جلال الدین سیوطی نے وضاحت فرمائی ہے کہ مساجد میں محرابوں کی آج جو مشہور و معروف شکل ہے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ ایک روز حکومت کے کاروبار سرانجام دیتے' مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ دوسرے روز اپنے گھر کے فرائض انجام دیتے۔ تیسرا دن انہوں نے صرف عبادت کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس دن اپنی عبادت گاہ پر پاسبان مقرر کر دیتے تاکہ لوگ ان کی عبادت میں مخل نہ ہوں (خلل نہ ڈالیں)' اس روز کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اندر آئے۔

ایک دفعہ آپ علیہ السلام اپنے عبادت کے حجرے میں عبادت میں مصروف تھے تو ایسے وقت میں ان اجنبیوں کا دیوار پھاند کر بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اندر گھس آنا بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو گھبراہٹ سی لاحق ہوئی' وہ بھی اس چیز کو بھانپ کر کہنے لگے: ڈریئے نہیں! ہم تو دو فریق ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ ازراہ نوازش حق و انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما دیجئے اور ہم میں سے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو جو فریق بھی ظلم اور عدوان کی راہ پر گامزن ہے اسے عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرما دیجئے۔

" لا تشطط ای لا تجاوز" لا تشطط کا معنی ہے تجاوز نہ کرو۔ اب وہ اپنا تنازعہ پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ مجھ کو کہتا ہے کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دے دو میں اس کی حفاظت کروں گا اس طرح میری دنبیوں کی تعداد پوری (یعنی سو) ہو جائے گی اور تو اس دنبی کی حفاظت کے جھنجٹ سے چھوٹ جائے گا۔ یہ جب بات کرتا ہے تو چھا جاتا ہے اور سننے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ سچا ہے اور میری دادرسی کرنے کے بجائے الٹا مجھے ہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا یہ مطلب ہے کہ یہ اس رعب سے مجھ سے بات کرتا ہے کہ میں جواب دینے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔

" اَیْ مُخَاطَبَتُهٗ اِیَّاهُ مُحَاجَّةٌ بِاَنْ جَاءَ بِحِجَجٍ لَمْ اُطِقْ رَدَّهَا"

آپ نے فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ اس کی سراسر زیادتی ہے یہ اتنا حریص ہے کہ ننانوے دنبیوں سے بھی اس کی چشم آز (حرص والی آنکھ) سیر نہیں ہوتی بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے پاس صرف ایک دنبی دیکھ کر اسے رحم آئے اور دس بیس دنبیاں اپنے پاس سے دے دے تاکہ اس کی حالت سنبھل جائے اور برادرانہ تعلقات کی لاج بھی رہ جائے وہ اس کے پاس ایک دنبی بھی نہیں دیکھ سکتا ہے اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے' یہ صریح ظلم ہے۔

● روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ دوم ص 178

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے بڑے حصہ والا اپنے سے کم حصہ والے اور کمزور کو اس کی قلیل پونجی سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ البتہ وہ حصے دار جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال کے خوگر ہوں (عادت بنائی ہو) وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے' ان کا حق نہیں چھینتے بلکہ حق وانصاف اور مروت واخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔

یہ فیصلہ سنانے کے بعد معاً (ساتھ ہی) حضرت داؤد علیہ السلام کو کوئی اپنی بات یاد آ گئی اور یہ خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش کی جارہی ہے۔ فوراً مغفرت طلب کرنے لگے اور سجدہ میں گر گئے۔ یہاں (فخر راکعا میں) راکع سے مراد ساجد ہے اور رکوع' سجود کے معنوں میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے:

فَخَرَّ عَلٰی وَجْهِهٖ رَاكِعًا   وَتَابَ اِلَی اللّٰهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں ''راکعا'' کا معنی ''ساجدا'' سجدہ کرنے والا ہے۔ (اس شعر میں داؤد علیہ السلام کا ذکر نہیں' شعر سے صرف یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ رکوع کا معنی سجدہ عام طور پر آتا رہتا ہے۔)

داؤد علیہ السلام کا اصل واقعہ: آیات کی اس تشریح کے بعد ہم اس واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں جس کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مفکرِ اسلام مفسرِ قرآن علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ضیاء القرآن'' میں آپ مختلف مقامات پر پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے انبیائے کرام پر فحش تہمتیں لگانے میں کتنے بے باک تھے؟ ایسی چیزیں جو ایک عام شریف آدمی کی طرف منسوب کرتے ہوئے انسان ہچکچاتا ہے' وہ بے دریغ اپنے نبیوں' اپنے محسنوں اور اپنے مشاہیر (مشہور حضرات) کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہی خرافات میں سے ایک یہ واقعہ ہے' جو بائیبل میں بڑی تفصیل سے نمک مرچ لگا کر لکھا گیا ہے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ قارئین کے ذوق کو مجروح کیا جائے لیکن عرض حال کے لئے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں:

> کتاب ۲ اسموئیل باب ۱۱ میں مذکور ہے اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی ''بت سبع'' نہیں جو ''حتی اوریاہ'' کی بیوی ہے؟ داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی' پھر وہ اپنے گھر چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ [1]

[1] کتاب 2 اسموئیل باب 11 آیات 2 تا 5 بحوالہ ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج' ص

اس سے آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ''یوآب'' جو فوج کا کمانڈر تھا کو لکھا کہ جب دشمن سے جنگ شروع ہو تو ''حتی اوریاہ'' کو ایسی جگہ تعینات کیا جائے کہ اس کا قتل ہو جانا یقینی ہو۔ ملاحظہ ہو:

''صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے ''اوریاہ'' کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اسکے پاس سے ہٹ جانا کہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو، اور یوں ہوا کہ جب ''یوآب'' نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے ''اوریاہ'' کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا کہ بہادر مرد ہیں۔ اور اس شہر کے لوگ نکلے اور ''یوآب'' سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور ''حتی اوریاہ'' بھی مر گیا۔ [1]

علمائے یہود نے اپنی مقدس کتاب میں جو الزام حضرت داؤد علیہ السلام پر لگایا اس کو پھر یوں اچھالا کہ زبان زد عام ہو گیا۔ حتی کہ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو من وعن ذکر کر دیا۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ سے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے' فرماتے ہیں:

''یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے، بعض لوگوں نے اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے' اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے''

" وَالَّذِیْ اَدِیْنُ بِهٖ وَاَذْهَبُ اِلَیْهِ اَنَّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ " ''کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔''

پھر بھی اس کے بطلان پر کئی دلیلیں پیش کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

اگر ایسی حرکت فاسق ترین آدمی کی طرف بھی منسوب کی جائے تو وہ بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا' اور جس بد بخت نے ایسی فحش بات اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف منسوب کی ہے اگر خود اس پر ایسا الزام لگایا جائے تو وہ اپنی کمینگی اور خباثت طبع کے باوجود اس کی پر زور تردید کرے گا اور بہتان لگانے والے پر لعنت بھیجے گا۔ ایسا گھناؤنا جرم جسے ایک ادنی درجہ کا امتی اپنے لئے پسند نہیں کرتا' ایک نبی کا دامن عصمت اس سے کب آلودہ ہو سکتا ہے؟ نیز اگر قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام پر دو سنگین جرم ثابت ہوں گے: ایک قتل بیگناہ اور دوسرا فعلِ قبیح (برا فعل)۔

قرآن میں یہ آیات اس لئے نازل کی گئیں' تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ کفار کی دل آزاری سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ اگر حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ

[1] کتاب 2 اسموئیل باب 11 آیات 14 تا 17 بحوالہ ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج ' ص

ایسے شخص کے ذکر سے اپنے محبوب کی دلجوئی نہ فرماتا' جو اپنی خواہش نفس کے سامنے بے بس ہے اور قتل بے گناہ کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے۔ نیز سابقہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کو جن صفاتِ عالیہ سے موصوف فرمایا گیا ہے...... عبدنا (ہمارا بندہ) ذاالاید (عبادت وطاعت میں بڑا طاقتور) اواب (ہروقت رجوع کرنے والا) صاحب فصل الخطاب وغیرہا۔

اگر آپ علیہ السلام سے ایسی رزیل حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو آپ کو ان اوصاف جمیلہ سے موصوف کرنے کا پھر کوئی مقصد نہ رہتا۔ آپ کو {عندنا لزلفی} اور {حسن ماب} کی خوشخبری ہرگز نہ دی جاتی۔ اس لئے آیات کا سیاق اور سباق دونوں اس قصہ کی پرزور تردید کرتے ہیں' اور اسے سراپا لغو اور بے ہودہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت سعید بن میتب سے مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا:

"مَنْ حَدَّثَكُمْ بِحَدِيْثِ دَاوُدَ عَلٰى مَا يَرْوِيْهِ الْقَصَّاصُ جَلَدْتُهٗ مِائَةً وَّسِتِّيْنَ" "یعنی جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ درے (کوڑے) لگاؤں گا۔"

بعض حضرات نے ان آیات کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں یہ رواج عام تھا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی کہ اگر کسی کی منکوحہ (زوجہ) کی طرف کسی کا میلان ہو جاتا تو وہ اس سے کہتا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تا کہ میں اس کے ساتھ نکاح کرلوں' چنانچہ بسا اوقات وہ شخص اپنے دوست کی یہ درخواست قبول کر لیتا اور وہ شخص عدت گزارنے کے بعد اس عورت سے نکاح کر لیتا لیکن نبی کی' شان بڑی اونچی ہے اس لئے اللہ تعالی نے آپ کو اس بات پر تنبیہ فرما دی۔ (یعنی داؤد علیہ السلام نے کسی شخص کی عورت کی طرف میلان کر کے اسے طلاق دینے کے متعلق کہا تھا پھر اس سے نکاح کر لیا تھا)

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابھی اس عورت کی شادی "اوریاہ" کے ساتھ نہیں ہوئی تھی۔ صرف منگنی طے پائی تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کے گھر والوں سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہوں نے وہ رشتہ آپ کو دے دیا لیکن یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں کے بغیر اور کچھ نہیں۔ (اگر واقعہ اس صورت مذکورہ میں پیش کیا جائے تو آپ کی طرف گناہ صغیرہ کی نسبت لازم آئے گی' جس سے انبیائے کرام پاک ہیں۔)

ان تمام توجیہات کے بعد علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کہ مناسب یہ ہے کہ آیات میں مذکورہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ نہ گناہ کبیرہ کی نسبت آپ کی طرف ثابت ہو نہ گناہ صغیرہ کی بلکہ آپ کی مدح وثناء کا پہلو نکلے۔"

بنی اسرائیل میں ایک گروہ آپ کے مخالف ہو گیا تھا اور انہوں نے آپ کو قتل کرنے کے تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھی۔ آپ ہر تیسرے دن خلوت نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دیوار پھاند کر اندر آ گئے' تا کہ تنہائی میں آپ کا کام تمام کر دیں اور پہرے داروں کو بھی اس کا پتہ نہ چلے۔ جب وہ آپ کے حجرے میں پہنچے تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے، جن کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ اور اپنے آنے کی ایک جھوٹی اور من گھڑت وجہ بیان کر دی کہ:

''ہم آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے' دروازہ بند پایا۔ پہرہ داروں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی اس لئے مجبوراً ہم دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔ آپ ان کی بدنیتی پر آگاہ ہو گئے' پہلے تو آپ کو بڑا غصہ آیا اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا لیکن بعد میں عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔ اور استغفار اس لئے مانگی کہ ان کے دل میں اپنی ذات کے متعلق انتقام لینے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا؟

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں:

" وَكَانَ قَوْلُنَا أَوْلٰى وَهٰذَا مَا عِنْدَنَا فِىْ هٰذَا الْبَابِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَسْرَارِ كَلَامِهٖ" ''یعنی ہماری یہ توجیہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس ضمن میں ہماری یہی تحقیق ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار رموز کو بہتر جانتا ہے۔''

علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین ہے:

''ہماری تحقیق یہ ہے کہ دیوار پھاند کر محراب میں آنے والے انسان تھے وہ ایسے راستے سے داخل ہوئے تھے جو داخل ہونے کا راستہ نہ تھا' اور ایسے وقت آئے تھے جو آپ کی عدالت کا وقت نہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں' (کیونکہ ایک گروہ آپ کا مخالف تھا) لیکن جب واضح ہو گیا کہ یہ دونوں تو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ یہ سارا واقعہ (یعنی ان لوگوں کا بے وقت آ دھمکنا اور غیر معروف راہ سے آنا اور آپ کا ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ قتل کے ارادے سے آئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کا گھبرا جانا) آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آزمانا چاہا ہے اور ان کے بارے میں سوء ظن کرنا آپ کی شان نبوت سے فروتر ہے (بہت کم ہے) اسلئے آپ مغفرت طلب کرنے لگے۔

آخر میں علامہ مذکور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" وَنَعْلَمُ قَطْعًا اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مَعْصُوْمُوْنَ مِنَ ''یعنی ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیائے کرام گناہ اور خطاء سے

الْخَطَایَا لَا یُمْکِنُ وُقُوْعُھُمْ فِیْ شَیْءٍ مِّنْھَا ضَرُوْرَۃَ اِنْ لَوْجَوَّزْنَا عَلَیْھِمْ شَیْئًا مِنْ ذَالِكَ بَطَلَتِ الشَّرَائِعُ وَلَمْ یُوْثَقْ بِشَیْءٍ مِمَّا یَذْکُرُوْنَ اَنَّهٗ وَحْیٌ مِنَ اللّٰهِ فَمَا حَکَی اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ یَمُرُّ عَلٰی مَا اَرَادَهُ اللّٰهُ وَمَا حَکَی الْقُصَّاصُ مِمَّا فِیْهِ نَقْصٌ لِمَنْصِبِ الرِّسَالَةِ طَرَحْنَاهُ وَنَحْنُ نَقُوْلُ کَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

وَنُؤْثِرُ حُکْمَ الْعَقْلِ فِیْ کُلِّ شُبْھَةٍ
اِذْ اٰثَرَ الْاَخْبَارِ جَلَّاسُ قُصَّاصٍ

معصوم ہوتے ہیں۔ان سے ایسے امور قطعاسرزدنہیں ہوسکتے۔ اگرایسا ہوتا تو شرعی احکام پراعتماد باقی نہیں رہتا اور انبیائے کرام کے فرمودات (ارشادات) سے اعتبار اٹھ جاتا، قصہ گو (قصے کہانیاں بیان کرنیوالے) لوگوں نے منصب نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑلی ہیں ہم ان کوردی کی ٹوکری میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک تو وہ ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔کہتا ہے:''جس بارے میں شک وشبہ ہو وہاں ہم عقل کا فیصلہ مانتے ہیں جبکہ قصہ گوؤں کے ہمنشیں حکایتوں اور کہانیوں کو ترجیح دیتے ہیں''

شیخ اکبر حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

''واعظوں کو چاہئے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کیا کریں، حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے: کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں، جب واعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔

پھر فرماتے ہیں:

''وَلَا یَتَعَرَّضْ لِمَا ذَکَرَهُ الْمُؤَرِّخُوْنَ عَنِ الْیَھُوْدِ مِنْ زَلَّاتِ مَنْ اَثْنَی اللّٰهُ عَلَیْھِمْ وَاجْتَبَاھُمْ وَیَجْعَلُ ذَالِكَ تَفْسِیْرُ کِتَابِ اللّٰهِ''

''واعظ پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے کلیتاً اجتناب کرے جو مورخین نے بلاتحقیق یہودیوں سے نقل کی ہیں جن میں ان مقدس ہستیوں کی لغزش کا بیان ہوتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے ثناء توصیف فرمائی ہے اور انہیں دوسرے لوگوں سے چن لیا ہے۔ اور پھر ان لغویات کے بارے میں کہے کہ: وہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کررہا ہے۔''

__نتیجہ واضح ہوا:__ مفکرِ اسلام مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب قدس سرہ کی اس ایمان افروز تفسیر...... جو تفسیر کبیر اور البحر المحیط اور فتوحاتِ مکیہ کے حوالہ جات سے مزین ہے...... سے واضح ہوگیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والی کہانیاں کہ'' آپ نے (معاذ اللہ) ایک عورت سے برائی کا ارتکاب کیا اور پھر اس کے خاوند کو قتل کرادیا' یا

---

(1) فتوحات مکیہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ ج2، ص252 بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، ج4، ص237

آپ نے کسی کی منگنی تڑوا کر خود منگنی کر لی یا اپنے دوست کی بیوی پر عاشق ہو کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا' یہ تمام بیہودہ باطل افسانے ہیں۔ یہود کی من گھڑت کہانیاں ہیں' اللہ تعالیٰ کے نبی شان کے لائق ہرگز ہرگز ایسے واقعات نہیں ہو سکتے۔ صحیح واقعہ وہی ہے جو صاحب تفسیر کبیر نے یا البحر المحیط نے تحریر کیا ہے اور اسی کو صحیح سمجھنے کی تاکید شیخ اکبر نے فرمائی ہے۔

داؤد علیہ السلام کی خلافت اور عدل و انصاف کا حکم:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

(سورۃ ص 12:23)

''اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے بیشک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے' کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں اور لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کیطرف بڑی بابرکت تاکہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند۔''

حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کسی شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو کہ تمہیں یہ حکومت اور تخت ورثہ میں ملا ہو۔ تم ایک غیر معروف چرواہے تھے' ہم نے اپنے فضل و کرم سے آپ کے لئے یہ راہ ہموار کی اور اپنی مہربانی سے بنی اسرائیل کا تاجدار بنایا۔ اور وسیع و عریض سلطنت مرحمت فرما دی' اور مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔ اس احسان کا شکر ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرو اور اپنی پسند و ناپسند کو کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دو۔ اگر تم نے اپنی خواہش نفس پر انصاف کو قربان کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہک جاؤ گے۔ اسکی توفیق کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ اور جو شخص راہ حق سے بہک جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں منہیہ تحریر فرمایا ہے' جو پیش خدمت ہے:

''ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ' زبیر' کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ما الخليفة من الملك ؟ یعنی

خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرات طلحہ اور زبیر نے کہا ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے عرض کیا:

"اَلْخَلِیْفَةُ الَّذِیْ یَعْدِلُ فِی الرَّعِیَّةِ وَیُقِیْمُ بَیْنَھُمْ بِالسَّوِیَّةِ وَیَشْفِقُ عَلَیْھِمْ شَفَقَةَ الرَّجُلِ عَلٰی اَھْلِہٖ وَیَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ"

"یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔"

سلیمان بن عوجا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا: { مَا اَدْرِیْ اَخَلِیْفَةٌ اَنَا اَمْ مَلِكٌ؟ } "مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔" ایک شخص کہنے لگا: اے امیر المومنین! دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فرق کیا ہے؟

" قَالَ الْخَلِیْفَةُ لَا یَاْخُذُ اِلَّا حَقًّا وَلَا یَضَعُہٗ اِلَّا فِیْ حَقٍّ اَنْتَ بِحَمْدِ اللّٰہِ کَذَالِكَ وَالْمَلِكُ یَعْسِفُ النَّاسَ فَیَاْخُذُ مِنْ ھٰذَا یُعْطِیْ ھٰذَا فَسَکَتَ عُمَرُ" (حاشیہ تفسیر مظہری)

"اس نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق وانصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم سے آپ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور وستم کرتا ہے اس سے لیتا ہے اس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔"

سربراہ مملکت کے لئے اسلام نے "بادشاہ' سلطان' چیئرمین" وغیرہ کلمات پسند نہیں کئے کیونکہ ان میں خودسری اور انانیت کی بو آتی ہے' بلکہ "خلیفہ" کا لفظ تجویز کیا ہے۔ جس کا معنی خودسر اور مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ اپنے رب کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال کرتا ہے۔

یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دوسروں نظاموں اور اسلام کے نظام سیاست میں بنیادی اہمیت کا مالک ہے۔ قرآن پاک نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر انداز اور پیرائے میں بیان کر دیا کہ اس کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ فیصلہ کرتے وقت خارجی چیز' سفارش' کوئی طمع کوئی خوف' حتیٰ کہ اپنے ذاتی مفاد کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا گویا اس نے روز جزاء کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعوے کرے کہ وہ وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزان عدل کو برابر نہیں رکھ سکتا تو اس کو یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔ اور جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اسے فراموش کر دیتے ہیں اس کے لئے عذاب شدید ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ اَنْ نَضِلَّ عَنْ سَبِیْلِكَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْحَشْرِ وَعَذَابِ النَّارِ"

کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس میں خوب عیش و عشرت کرلو خوب مزے اڑاؤ' دولت کماؤ' جتنی کما سکتے ہو۔ حلال و حرام کے چکر میں نہ پڑو یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ و منصب حاصل کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو' مکر و فریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزار سال سے یہ صوفی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطے کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام عبث اور بے مقصد ہے۔ ایک نیک کار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ متقی اور پرہیزگار اور فاسق و فاجر سب یکساں ہیں۔ سن لو! اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی' ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز متقی اور پرہیزگار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق و فاجر ذلیل ہوں گے۔ حق کا بول بالا ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ (1)

حضرت داؤد علیہ السلام کے ''جالوت'' کو قتل کرنے کا واقعہ حضرت ''طالوت'' کے واقعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کیا جائے گا۔

---

(1) تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 240-238

حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین:

حضرت سلیمان علیہ السلام

وَوَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ ...... (سورۃ نمل 16:19) ''اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا۔''

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ''ورث'' کا معنی ''جانشین'' کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کی بادشاہت اور خلافت کے جانشین بنے۔ مال و دولت کی وراثت یہاں مراد نہیں' بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انبیائے کرام کے مال و دولت کا کسی کو وارث نہیں بنایا جاتا۔

'' نَحۡنُ مَعَاشِرُ الۡاَنۡبِیَاۤءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوۡرَثُ'' ''ہم انبیائے کرام کی جماعت نہ وارث بنتے ہیں اور نہ وارث بنائے جاتے ہیں۔''

اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

'' اِنَّ الۡعُلَمَاۤءَ وَرَثَۃُ الۡاَنۡبِیَاۤءِ وَاَنَّ الۡاَنۡبِیَاۤءَ لَمۡ یُوَرِّثُوۡا دِیۡنَارًا وَّلَا دِرۡهَمًا وَّلٰکِنۡ وَّرَّثُوا الۡعِلۡمَ فَمَنۡ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ'' ''بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہوتے ہیں اور بے شک انبیائے کرام کے ورثا دراہم و دنانیر کے وارث نہیں ہوتے' بلکہ ان کے علم کے لوگ وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس (علم) کو حاصل کرلیا اس نے عظیم حصہ حاصل کرلیا۔''

حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ اگر یہاں وراثت مال کی مراد ہوتی تو سب بیٹے وارث ہوتے' صرف سلیمان علیہ السلام نہ ہوتے۔ نیز بادشاہت اور نبوت میں بھی وراثت لزومی طور پر جاری

(1) سنن ابی داؤد' سلیمان ابن اشعث سجستانی رحمہ اللہ ج 2 ص 157 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے وارث کا ''جانشین'' معنی کرنا بہت ہی کامل اور حسین ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھتے:

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ (سورۃ نمل 16:19) ''انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطاء ہوا بے شک یہی ظاہر فضل ہے۔''

یہ تو ہم روز مرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ پرندے ضرور اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں جس طرح ایک قسم کے پرندے دوسرے قسم کے پرندوں سے مختلف بولیاں بولتے ہیں اسی طرح ایک ہی قسم کے پرندے مختلف اوقات میں مختلف قسم کی بولیاں بولتے ہیں۔ ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے ان کے بولنے کا انداز اور ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کے وقت ان کی گفتگو کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ جب ان پر کوئی درندہ یا شکاری حملہ کرنا چاہے تو ان کے کلام کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی بولیاں صرف چیخ و پکار شور وغل میں ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں مطالب و مقاصد بھی پائے جاتے ہیں، جنہیں وہ خود اچھی طرح سمجھتے ہیں، اگرچہ ہم ان کی بولیوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سمجھنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ آپ علیہ السلام سمجھ لیتے تھے یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

یاد رہے کہ آپ علیہ السلام کا اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرنا سیاست کے قانون کے مطابق تھا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے اسی انداز سے کلام کرتے ہیں اس میں تکبر کی نیت نہیں تھی۔

بعض حضرات نے کہا کہ پرندوں کی بولیاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے باپ حضرت داؤد علیہ السلام دونوں ہی جانتے تھے اسلئے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی پرندوں کی بولیاں جانتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ''مور'' کی آواز کو سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

{ہد ہد} کی آواز کو سن کر کہا یہ کہہ رہا ہے: اے گناہگارو! اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔

{خطاف} (لمبے بازوؤں والا، چھوٹے پاؤں والا، سیاہ رنگ کا پرندہ)...... کی بولی سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے: نیکی کے کام کرو: تاکہ آگے ان کی جزا پاؤ۔

{قمری} کی آواز سن کر کہا: کہ یہ تسبیح پڑھ رہی ہے ''سبحان ربی الاعلیٰ''

● روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج ، ص ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

{چیل} کو بولتے ہوئے سن کر کہا: یہ کہہ رہی ہے: رب کے بغیر ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے۔
{بھٹ تیتر} کی آواز کو سن کر کہا: یہ کہہ رہا ہے: جو خاموش رہا وہ سلامتی میں رہا۔
{مرغی} کی آواز سن کر فرمایا: یہ کہہ رہی ہے: اے غافلو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔
{گدھ} کی آواز سن کر فرمایا: یہ کہہ رہی ہے: اے انسان جتنا چاہے تو زندہ رہے آخر تجھے موت آنی ہے۔
{عقاب} کی آواز سن کر کہا: یہ کہہ رہا ہے: لوگوں سے دور رہنے میں ہی انس ہے۔
{مینڈک} کی آواز کو سن کر کہا: یہ تسبیح پڑھ رہا ہے: ''سبحان ربی القدوس۔'' [1]

خیال رہے کہ ان پرندوں کی ہمیشہ یہ بولی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات یہ بولی انہوں نے بولی۔ مختلف اوقات میں مختلف بولیاں بولتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز عطا کی ہے'' یہ بطور شکر تھا بطور فخر نہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ'' میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ یعنی میں نعمت کے اظہار اور شکر کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

خیال رہے کہ میں نے اس حدیث کی وضاحت میں اپنی کتاب **''شمع ھدایت''** تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل تصنیف کی ہے۔ مزید تحقیق کیلئے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

''ہوا'' حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی:

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ (سورۃ سبا 12:22)

''اور ہم نے ہوا سلیمان کے تابع کر دی اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔''

ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع اس طرح کر دیا گیا تھا جس طرح سواری انسان کے تابع ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''غدو'' کا مطلب صبح سے زوال تک اور ''رواح'' کا مطلب زوال سے شام تک یعنی آپ صبح سے زوال تک اتنا سفر کر لیتے جتنا سیاح لوگ ایک ماہ میں کرتے اور زوال سے شام تک اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک ماہ میں کیا جاتا۔ آپ علیہ السلام صبح بیت المقدس میں ہوتے تو قیلولہ کے وقت ''اصطغر'' میں پہنچ جاتے۔ پھر ''اصطغر'' سے شام تک خراسان کے قلعہ تک پہنچ جاتے۔ سیاح لوگ اس وقت تک ایک فرسخ یعنی تین میل صبح سے زوال تک سفر کرتے تھے تو آپ تیس فرسخ کرتے اسی طرح شام کو بھی۔

---

[1] تفسیر مدارک وروح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 10 حصہ دوم ص 182-181

خیال رہے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع یہ عام ہوائیں نہیں تھیں بلکہ خاص قسم کی ہوا تھی۔ ❶

سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کا چشمہ:

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ (سورۃ سبا 34:12) ''اور ہم نے ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔''

اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تانبے کو اس طرح نرم کر دیا تھا جیسے آپ کے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا۔ تانبے کی صنعت والے لوگ آپ کے پاس ٹھنڈا تانبہ لاتے۔ آپ بغیر آگ اور کوٹنے کے جیسے انہیں ضرورت ہوتی اسی طرح بنا دیتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تانبے کی دھات ایک چشمہ کی صورت میں عطا کی تھی' جتنا تانبہ ضرورت ہوتا اتنا اس چشمہ سے لے لیا جاتا۔

سلیمان علیہ السلام کا لشکر:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (سورۃ نمل 27:17) ''اور فراہم کئے گئے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے لشکر جنوں انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ جن انسان اور پرندے۔ بعض لوگ جو قرآن کریم کو اپنے خیالات اور مزعومات کا لباس پہنانا ہی قرآن دانی کا کمال سمجھتے ہیں انہوں نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی ہے:

> ''جن'' سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبائل ہیں جو بدنی لحاظ سے بڑے طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ اور ''طیور'' سے مراد پرندے نہیں بلکہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار فوجی دستے ہیں۔

کاش وہ ''انس'' کا بھی کوئی ایسا معنی گھڑ لیتے جس سے یہاں اس کا استعمال درست ہو جاتا: جب ''جن'' سے مراد جنگلی قبائل ہیں' جو انسان ہیں۔ اور ''طیور'' سے مراد گھڑ سوار ہیں اور وہ بھی انسان ہیں۔ تو ان دونوں کے درمیان ''الانس'' یعنی انسان بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

''عطف'' تغایر و تخالف پر دلالت کرتا ہے اور آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتے کہ جن اور طیور ''انس'' کی طرح دو الگ الگ نوع ہیں۔ کوئی لفظ اگر بطور مجاز کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جہاں یہ لفظ مستعمل ہوگا وہاں اس کا مجازی معنی ہی مراد ہوگا' بلکہ مجازی معنی لینے کے لئے شرط اول یہ ہے کہ وہاں اس کا حقیقی معنی نہ لیا جائے' نیز وہاں

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ دوم ص 117 ...... روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 ص 218 مطبوعہ دار الفکر

کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس مجازی معنی کا تعین کرے۔ جب یہاں دونوں شرطیں مفقود ہیں تو ان الفاظ کے حقیقی معنوں کو نظر انداز کر کے دور از کار تاویلات کرنا' یقیناً جاہلانہ جسارت ہے۔

(آیت کریمہ میں لفظ یوزعون آیا ہوا ہے) ''وزع'' کہتے ہیں روکنے اور منع کرنے کو۔ اصل الوزع الکف والمنع۔ اس سے مراد و مدعا یہ ہے کہ افواج کی کثرت کے باوجود وہاں بدنظمی اور انتشار کا نام و نشان تک نہ تھا۔ فوج کا ہر حصہ لشکر کا ہر دستہ سفر و حضر میں فوجی نظم و ضبط کی سختی سے پابندی کیا کرتا۔ [1]

سلیمان علیہ السلام کے تخت کے متعلق غیر معتبر قصے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے متعلق کچھ قصے اس قسم کے مشہور کر دیئے گئے ہیں جن پر اعتبار کرنا درست نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے کسی معتبر سند سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکثر واقعات ایسے بیان کئے جاتے ہیں جو غیر معتبر ہیں ان پر اعتماد نہ کیا جائے' بلکہ صرف ان واقعات پر ایمان لایا جائے جو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ ایسے واقعات جو مبالغہ آمیز ہیں' جنہیں قصہ گو لوگ اور مؤرخین حضرات بیان کرتے ہیں ان سے اجتناب ضروری ہے۔ ایسے واقعات کو صرف یہ خیال کر کے بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر چیز ممکن ہے۔ اس سے بے دین لوگوں کے لئے دین کے ساتھ مذاق اڑانے کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھولنا لازم آئے گا۔ (العیاذ باللہ)

اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اکثر مبالغہ آمیز واقعات لوگوں کو دین سے متنفر کرنے کے لئے بے دین لوگوں نے گھڑ لئے ہوں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:

''وَاَكْثَرُ الْاَخْبَارِ فِيْ هٰذَا الشَّانِ لَا يُعَوَّلُ عَلَيْهَا فَعَلَيْكَ بِالْاِيْمَانِ بِمَا نَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ وَدَلَّتْ عَلَيْهِ الْاَخْبَارُ الصَّحِيْحَةُ وَاِيَّاكَ عَنِ الْاِنْتِصَارِ لِمَا لَا صِحَّةَ لَهٗ مِمَّا يَذْكُرُهٗ كَثِيْرٌ مِّنَ الْقُصَّاصِ وَالْمُؤَرِّخِيْنَ مِمَّا فِيْهِ مُبَالَغَاتٌ شَنِيْعَةٌ بِمُجَرَّدِ اَنَّهَا اُمُوْرٌ مُمْكِنَةٌ يَصِحُّ تَعَلُّقُ قُدْرَتِهٖ عَزَّوَجَلَّ بِهَا فَتَفْتَحُ بِذٰلِكَ بَابَ السُّخْرِيَّةِ بِالدِّيْنِ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى، وَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَكُوْنَ اَكْثَرُ مَا تَضَمَّنَ مِثْلَ ذٰلِكَ مِنْ وَضْعِ الزَّنَادِقَةِ يُرِيْدُوْنَ بِهِ التَّنْفِيْرَ عَنْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ'' [2]

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہ قصے کچھ نقل کئے اور میں بھی نقل کر رہا ہوں تاکہ قارئین کے ذہن میں رہیں کہ یہ واقعات غیر معتبر ہیں۔ کسی بیان کرنے والے سے سن کر یا کسی غیر معتبر کتاب میں پڑھ کر ان پر یقین نہ کر لیں۔

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 436

[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم ص 175

غیر معتبر قصہ نمبر ﴿۱﴾: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تین لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ آپ کے قریب مومن لوگ بیٹھتے 'پھران کے پیچھے مومن جن بیٹھتے' پھر آپ پرندوں کو حکم دیتے جو ان پر سایہ کرتے' پھر آپ ہوا کو حکم دیتے جو انہیں اٹھالیتی اوران کا ''سنبل'' سے گزر ہوتا اوراس میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔

غیر معتبر قصہ نمبر ﴿۲﴾: سلیمان علیہ السلام کا لشکر ایک سو فرسخ میں پھیلا ہوا ہوتا تھا۔ پچیس فرسخ میں انسان ہوتے۔ پچیس فرسخ میں جن، پچیس فرسخ میں وحشی جانور اور پچیس فرسخ میں پرندے۔ اور لکڑی پر شیشے کے بنے ہوئے ایک ہزار آپ کے گھر تھے۔ تین سو آپ علیہ السلام کی زوجہ تھیں اور سات سو لونڈیاں۔ آپ جہاں جاتے پہلے تیز ہوا کو حکم دیتے وہ ان گھروں کو بلند کرتی' پھر آہستہ آہستہ چلنے والی ہوا کو حکم دیتے وہ ان کو وہاں لے جاتی جہاں آپ جانا چاہتے۔

غیر معتبر قصہ نمبر ﴿۳﴾: آپ علیہ السلام ہوا کے ذریعے زمین و آسمان پر چل رہے تھے کہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ میں تمہاری بادشاہی کو اور زیادہ کر رہا ہوں کہ تمام مخلوق میں سے کوئی بھی کلام کرے گا تو اسے آپ کے کانوں میں ہوا کے ذریعے پہنچا دیا جائے گا۔

غیر معتبر قصہ نمبر ﴿۴﴾: جنوں نے آپ کے لئے سونے اور ریشم سے بُن کر ایک قالین بنایا جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی اور آپ اس کے درمیان اپنا سونے کا منبر رکھ کر بیٹھتے۔ آپ کے اردگرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں بچھائی جاتیں' سونے کی کرسیوں پر انبیائے کرام بیٹھا کرتے اور چاندی کی کرسیوں پر علماء اوران کے اردگرد لوگ بیٹھتے' پھران کے اردگرد جن بیٹھتے، پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے۔ بادِ صبا اس قالین کو اٹھا کر ایک مہینے کی مسافت طے کرا دیتی۔

اس قسم کے ایک دو واقعے آپ نے اور بھی تحریر کئے ہیں اوران پر اپنی رائے جو آپ نے قائم کی ہے اس کا ذکر اس بحث کی ابتداء میں کر دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی کلام سن کر مسکرانا:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا......﴿۱۹﴾
(سورۃ نمل 17:19)

''یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ' تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اوران کے لشکری بے خبری میں' تو سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنسے۔''

عام طور پر سلیمان علیہ السلام اور آپ کا لشکر ہوا کے ذریعے سفر کیا کرتے لیکن اس سفر میں آپ عام لوگوں کی طرف سفر کر

رہے تھے۔آپ علیہ السلام کے لشکر میں کچھ لوگ پیدل چل رہے تھے اور کچھ سوار تھے۔چیونٹیوں کی وہ بستی طائف یا شام میں تھی۔ان کو حکم دینے والی ان کی ملکہ تھی' وہ لنگڑی تھی اس کا نام "طاخیہ" یا "منذرہ" تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز تین میل سے سنی تھی۔آپ نے اپنے لشکر کو آگے چلنے سے روک دیا تھا کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہوسکیں۔یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے اس میں کوئی بات تعجب کی نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "گوہ" نے کلام کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی۔آپ نے گوہ کی آواز اور شہادت کو سن لیا 'خیبر میں آپ کو بکری کا زہر آلود پایہ دیا گیا تھا۔آپ کے معمولی تناول کرنے کے ساتھ ہی اس پائے نے کلام کیا اور بتایا کہ مجھے زہر آلود گیا گیا ہے۔ذبح شدہ بکری کے گوشت سے آواز سننا اللہ تعالیٰ کے حبیب کا معجزہ ہی تو ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسکرانے کی ایک وجہ چیونٹی کی احتیاطی تدابیر پر تعجب کرنا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو چیونٹی کی آواز سننے کی رب نے جو توفیق عطا فرمائی تھی اس پر اظہار فرحت وسرور تھا۔[1]

فائدہ: ہنسنے کی ابتدائی کیفیت جس میں آواز نہیں ہوتی 'اسے "تبسم" کہا جاتا ہے اور دانتوں کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی کچھ خفیف آواز بھی پیدا ہو جو انسان خود ہی سن سکے 'اسے "ضحک" کہا جاتا ہے۔اور اگر آواز اتنی بلند ہو جو دوسرے بھی سن سکیں اسے "قہقہہ" کہا جاتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قہقہہ لگا کر ہنسنا ثابت نہیں۔تبسم آپ اکثر طور پر فرماتے تھے اور کبھی آپ سے ضحک یعنی معمولی ہنسنا بھی ثابت ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: {مَا رَأَيْتُهُ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا} "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ طور پر تبسم فرماتے تھے ہمیشہ ضحک یعنی ہنسنا آپ کا معمول نہیں تھا۔

کئی احادیث میں آپ کا ضحک...... جس سے ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں...... بھی ثابت ہے' لیکن وہ کبھی کبھی ہوتا۔البتہ خیال رہے کہ زمخشری نے تو یہ کہا ہے کہ جن احادیث میں یہ ذکر ہے...... "أَنَّهُ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ" بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں...... اس کا حقیقی معنی معتبر نہیں' بلکہ صرف اتنا ثابت ہے کہ کبھی کبھی تبسم سے کچھ زیادتی ہو جاتی' ورنہ نواجذ آخری ڈاڑھوں کو کہا جاتا ہے۔اتنا ہنسنا آپ سے ثابت نہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)[2]

بیہودہ قہقہے لگانا' انسان کے دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ہنسی کی بات پر انسان پوری کوشش کرے کہ آواز کو جتنا کم کر سکے اتنا

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج10 حصہ دوم ص176-175...... تفسیر جلالین ص318...... تفسیر مدارک التنزیل للنسفی

[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج10 حصہ دوم ص180

کم کرے گلی کوچوں میں زور زور سے ہنسنا، انسانیت کا کام نہیں۔ دورانِ اسباق اتنا ہنسنا کہ آواز دور دور تک سنائی دے یہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔

چیونٹی کے کلام میں عجیب حکمت: ایک وجہ تو واضح ہے کہ اس نے دوسری چیونٹیوں کو روندے جانے کے خدشے سے اپنے مساکن میں چلے جانے کا حکم دیا۔ دوسری وجہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا کہ اس نے اپنی قوم کو گھروں میں داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ میری قوم حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر اور ان کے جلال شان کمال اور انکی عظمت کو دیکھ کر کہیں اللہ تعالی کی نعمتوں کا کفران (ناشکری) نہ کر دیں کہ ہمیں تو اتنی عظیم نعمتیں حاصل نہیں۔ اسلئے انہیں حکم دیا کہ گھروں میں داخل ہو جاؤ' تا کہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم نعمتیں نظر نہ آئیں اور نہ ہی اپنی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان دنیاداروں کی محافل میں کم جائے ان کے دنیاوی مال ومتاع سے اس کا دل نہ للچائے۔ (1)

انسان چیونٹی سے کم عقل کیوں؟

چیونٹیوں کی ملکہ نے جب انہیں گھروں میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہا کہ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں...... {وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ} ایسے حال میں کہ وہ بے خبر ہوں...... کہہ کر اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالی کے نبی معصوم ہوتے ہیں وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں یہ ان سے کبھی نہ ہوگا کہ وہ ان حیوانوں کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں۔ ہاں! البتہ بھول اور بے خبری کی وجہ سے ان سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اس میں عظیم تنبیہ ہے کہ عصمت انبیاء پر یقین رکھنا واجب ہے اس میں شک کرنا ایمان کو ضائع کرنا ہے۔

"اِنَّ النَّمْلَةَ قَالَتْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ كَاَنَّهَا عَرَفَتْ اَنَّ النَّبِيَّ مَعْصُوْمٌ فَلَا يَقَعُ مِنْهُ قَتْلُ هٰذِهِ الْحَيْوَانَاتِ اِلَّا عَلٰى سَبِيْلِ السَّهْوِ وَهٰذَا تَنْبِيْهٌ عَظِيْمٌ عَلٰى وُجُوْبِ الْجَزْمِ بِعِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ" (2)

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث سے واضح ہوا کہ وہ انسان جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گناہ گار ٹھہراتے ہیں۔ وہ چیونٹی سے بھی کم عقل ہیں۔ کہاں انسان اور کہاں چیونٹی؟ خدارا! انسان کو حیوانوں سے زیادہ عقل آنی چاہیے' انبیائے کرام کی عصمت پر کامل ایمان ہونا لازم ہے۔

چیونٹیوں کی سمجھداری: چیونٹیوں کے حالات میں غور وفکر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں بھی شعور و سمجھ دے رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گرمیوں میں اتنا توشہ جمع کر لیتی ہیں جو سردیوں میں انہیں

---

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 168

(2) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 168

کافی ہو سکے۔ اور یہ دانوں کے دو دو ٹکڑے کر دیتی ہیں اس ڈر کے پیش نظر کے یہ نمی (پانی کی تری) سے کہیں اُگ نہ پڑیں۔ البتہ دھنیا اور مسور کے چار چار ٹکڑے کر دیتی ہیں: کیونکہ ان کے دو ٹکڑے کر بھی دیئے جائیں تو وہ پھر بھی اُگ پڑتے ہیں ایسے ہی جیسے ٹکڑے نہ کئے جائیں تو اُگتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا وَاَمْثَالُهٗ يَحْتَاجُ اِلٰى عِلْمٍ كُلِّيٍّ اِسْتِدْلَالِيٍّ وَهُوَ يَحْتَاجُ اِلٰى نَفْسٍ نَاطِقَةٍ وَقَدْ بَرْهَنَ شَيْخُ الْاَشْرَافِ عَلٰى ثُبُوْتِ النَّفْسِ النَّاطِقَةِ لِجَمِيْعِ الْحَيَوَانَاتِ" [1]

"چیونٹیوں کے متعلق جو بیان کیا ہے اس سے اور قسم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں علم کلی استدلالی حاصل ہوتا ہے جو نفوس ناطقہ کو حاصل ہوتا ہے۔ شیخ الاشراف نے اسی پر دلائل قائم کئے ہیں کہ تمام حیوانات کو نفسِ ناطقہ یعنی کلیات کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔"

تنبیہ: تفسیر کبیر اور مدارک میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہتے ہو تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو۔ وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے جو اس وقت نوجوان بچے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا سلیمان علیہ السلام والی نملۃ (چیونٹی) مذکر تھی یا مونث؟ تو وہ لاجواب ہو گئے۔ بعد ازاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بتایا کہ وہ مونث تھی۔ انہوں نے پوچھا: تمہیں یہ بات کہاں سے پتہ چلی؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قالت نملة" اگر مذکر ہوتا تو "قال نملة" ہوتا یعنی قالت مونث ہے۔ قال مذکر ہے۔ اور چونکہ لفظ نملة، حمامة اور شاة کی طرح مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث کے درمیان فرق کے لئے لفظ ذکر اور انثی کا اضافہ کرتے ہیں۔ حمامة ذکر (کبوتر) حمامة انثی (کبوتری) اور اسی طرح شاة ذکر (بکرا) اور شاة انثیٰ (بکری) کہا جاتا ہے۔

تاہم علامہ آلوسی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ لفظ کا اعتبار کر کے صیغہ مؤنث ذکر کیا گیا ہو یعنی جب ایسا لفظ ہو جو باعتبار لفظ کے مونث ہو اور باعتبار معنی کے مذکر ہو اس کے لئے فعل مذکر اور مؤنث دونوں لا سکتے ہیں البتہ لفظ کا اعتبار کرنا زیادہ فصیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا يُضَحّٰى بِعَوْرَاءَ وَلَا عَمْيَاءَ وَلَا عَجْفَاءَ"

"یک چشم جانور اندھے اور بہت لاغر کو قربانی نہ کیا جائے۔"

یہاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ شاة اور بقرہ وغیرہ کا اعتبار کر کے مونث صفات ذکر کی ہیں حالانکہ قربانی کیلئے مذکر اور مؤنث جانوروں کا حکم ایک ہی ہے کوئی مؤنث کی تخصیص نہیں۔ لہٰذا ممکن ہے قالت نملة میں لفظ نملة مؤنث ہے اس کا اعتبار کر کے مؤنث صیغہ قالت استعمال کر لیا گیا ہو اور معنی میں مذکر اور مؤنث دونوں کا احتمال ہو۔

---

[1] روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 10 حصہ دوم ص 176

"کَیْفَ یَسْأَلُ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهٰذَا وَیُفْحَمُ بِهٖ قَتَادَةُ مَعَ غَزَارَةِ عِلْمِهٖ" ''امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے یہ سوال کیا؟ اور کیسے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ عظیم علم رکھنے کے باوجود لاجواب ہوئے؟

"قَالَ ابْنُ الْمُنِیْرِ لَا اَدْرِیْ اَتَعَجَّبُ مِنْهُ اَمْ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اِنْ ثَبَتَ ذَالِكَ عَنْهُ" ''ابن منیر نے کہا: کہ اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے تو مجھے یہ علم نہیں کہ تعجب ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے لاجواب ہونے پر کیا جائے یا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوال کرنے پر کیا جائے کہ آپ نے ایسا سوال کیوں کیا ہے؟''

آخر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: " وَالْاَ شْبَهُ اَنَّ ذَالِكَ لَا یَصِحُّ عَنْهُمَا" زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ واقعہ ان دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کرنا ہی صحیح نہیں۔

''ہد ہد'' کا لشکر سے غائب ہونا اور تخت بلقیس کی خبر لانا:

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَا۟ذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

(سورۃ نمل 17:19)

''اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولے: مجھے کیا ہوا میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا؟ یا وہ واقعی حاضر نہیں۔ ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا یا ذبح کر دوں گا یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے تو ہد ہد کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہرا اور آ کر عرض کی کہ: میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں، میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر بادشاہی کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے (حصہ) ملا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کی نگاہ میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا ہے تو وہ راہ نہیں پاتے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی تمام رعایا کی دیکھ بھال کرتے، لشکر میں تمام پرندوں کو دیکھتے کہ کون سا موجود ہے اور کون سا غائب ہے۔ خصوصاً آپ اپنی رعایا میں سے کمزوروں کے حال کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ آپ نے جب اپنے لشکر میں تمام پرندوں کا جائزہ لیا تو ہد ہد پرندوں کا سردار موجود نہیں تھا جس کا نام ''یعفور'' تھا۔ تو آپ نے بلا اجازت اس کے غیر موجود ہونے پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ یا تو وہ آنے پر کوئی معقول دلیل پیش کرے کہ کیوں موجود نہیں، ورنہ میں اسے سخت سزا دوں

---

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 10 حصہ دوم ص 177

گا۔ یزید بن رومان کہتے ہیں:

"لَأُعَذِّبَنَّهُ بِنَتْفِ رِيْشِ جَنَاحِهِ" "کہ آپ کے سزا دینے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کے پر اکھیڑ دوں گا۔"

جس طرح ہمارا محاورہ ہے "چمڑی ادھیڑ دوں گا" یا اسے ذبح کر دوں گا"۔ ہدہد کا خصوصی طور پر جائزہ لینے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ پانی کی تلاش کرتا تھا۔ جہاں وہ اپنی چونچ رکھتا تھا وہاں جن اس زمین کو کھودتے اور پانی نکالتے۔ اسی طرح ہدہد خصوصی طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام پر سایہ کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیتا تھا۔ ❶

فائدہ: علامہ قرطبی لکھتے ہیں: کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں' انکے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہا کرتے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا:

"لَوْ اَنَّ سَخْلَةً عَلٰى شَاطِئِ الْفُرَاتِ اَخَذَهَا الذِّئْبُ يُسْئَلُ عَنْهَا عُمَرُ" "یعنی اگر یہاں سے دور دراز علاقہ میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچہ کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے لئے بھی عمر رضی اللہ عنہ کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

اس کے بعد علامہ موصوف حسرت وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے حکام کی بے خبری اور فرض ناشناسی پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے تھے۔ ❷

ہدہد کی واپسی: زیادہ دیر نہ گزری کہ ہدہد واپس آ گیا' چونکہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خوف دامن گیر تھا' چونکہ پرندے آپ علیہ السلام کے بہت ہی زیادہ تابع تھے' جس طرح باقی انسان وجن آپ کے تابع تھے۔ ہدہد آپ کی خدمت میں ڈرا اور آپ کے ادب واحترام کے پیش نظر اپنی دم کو ڈھیلا کئے ہوئے اور اپنے پروں کو زمین سے گھسیٹتے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے غصہ سے اس کے سر کو اپنی طرف کھینچا تو اس نے کہا:

" يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اُذْكُرْ وُقُوْفَكَ وَقَوْمَكَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَارْتَعَدَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَفَا عَنْهُ" "اے اللہ! کے نبی یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دن آپ کو اور آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ سن کر سلیمان علیہ السلام پر کپکپی طاری ہو گئی اور اسے معاف کر دیا۔"

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے اس لئے بھی معاف کر دیا تھا: { كَانَ بَارًّا بِاَبَوَيْهِ يَأْتِيْهِمَا بِالطَّعَامِ } "وہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا' ان کے پاس طعام لا کر انہیں کھلایا کرتا تھا کیونکہ وہ بوڑھے تھے۔" ❸

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم ص 183 ❸ تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 438

❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم ص 186 ❹ ایضاً

ہدہد تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہے:

ہدہد نے آپ کو بتایا کہ میری تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ ملک سبا چلا گیا تھا' وہاں سے ایسی خبر لایا ہوں' جس کا آپ کو پہلے علم نہیں۔ وہاں ایک ملکہ ہے جس کا نام "بلقیس بنت شراحیل" ہے' جس کے پاس دنیا کا ہر قسم کا مال و متاع ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے' اس کے تخت کی لمبائی اسی ذراع اور چوڑائی چالیس ذراع اور بلندی تیس ذراع ہے اور وہ تخت سونے چاندی کا بنا ہوا ہے اور موتیوں سرخ یاقوت سبز زمرد کا اس پر سنگھار کیا ہوا ہے۔ اسکے پائے بھی یاقوت اور زمرد کے بنے ہوئے ہیں' اور وہ سات کمروں میں بند ہے۔ ایک کمرہ دوسرے کمرہ میں اس طرح سات کمرے ہیں۔ ہر ایک کا دروازہ بند ہے۔ ❶

سلیمان علیہ السلام پر مخفی کیوں؟

سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور سبا یمن کا دارالحکومت تھا' صرف تین مرحلے کے مسافت تھی پھر آپ پر بلقیس کا تخت مخفی کیسے رہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَخْفٰى ذٰلِكَ عَنْهُ لِمَصْلِحَةٍ رَاٰهَا كَمَا خَفِيَ مَكَانُ يُوْسُفَ عَلٰى يَعْقُوْبَ" ❷

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مصلحت اور حکمت کے پیش نظر آپ علیہ السلام پر مخفی رکھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان حضرت یعقوب علیہ السلام پر مخفی رکھا۔"

حکمت اس میں یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد کریں اور اس سے دعا کریں کیونکہ جب آپ کو علم عطا کر دیا گیا تو یہ آپ پر ایک خصوصی انعام تھا حالانکہ آپ کو حکمت نبوت اور کثیر علوم عطا کئے گئے تھے اور اس معمولی بات کو مخفی رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ ❸

سبا شہر کے متعلق:

"سَبَا اِسْمُ مَدِيْنَةٍ تُعْرَفُ بِمَارِبِ بِالْيَمَنِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ صَنْعَا مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ" ❹

"سبا ایک شہر کا نام ہے' جس کو مآرب یمن کے نام سے پہچانا جاتا ہے' سبا اور صنعاء کے درمیان تین دن کا فاصلہ ہے۔"

امام یاقوت حموی معجم البلدان میں "سبا" کے متعلق لکھتے ہیں:

---

❶ تفسیر جلالین' امام جلال الدین محلی رحمہ اللہ ص 319 ❷ قرطبی' ج 7' ص 182 / روح البیان' ج 6' ص 434 جلالین' ص 319
❸ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم ص 186 ❹ قرطبی' امام قرطبی رحمہ اللہ' ج 7 ص 181

"اَرْضٌ بِالْیَمَنِ مَدِیْنَتُھَا مَارِبُ بَیْنَھَا وَبَیْنَ صَنْعَا مَسِیْرَۃَ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ" "سبا" یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر "مآرب" ہے جو "صنعاء" (یمن کا موجودہ دارالحکومت) سے تین دن کی مسافت پر ہے۔"

یشحب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے سبا نامی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اسلئے یہ علاقہ "سبا" کہلایا۔ (1)

علامہ قزوینی نے "آثار البلاد" میں اس کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

"سبا" ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یشحب بن یعرب بن قحطان نے آباد کیا تھا یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ بہت میٹھی تھی' باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ مکھی مچھر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اردگرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا' بارش ہوتی تو پانی بہہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا۔ ملکہ بلقیس کے عہد حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (DAM) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہو جاتا۔ اس بندے کے اخراج کے اوپر نیچے کئی سوراخ تھے' حسب ضرورت انہیں کھول کر پانی لے لیا جاتا۔ جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوشحال ہو گئے خوشحالی اپنے ہمراہ عیش وعشرت اور فسق وفجور کو لے آئی۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئیں' تو قہر الٰہی سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بند ٹوٹ گیا' سارا علاقہ برباد ہو گیا۔ اس کا ذکر قرآن میں کئی مواقع پر آیا ہے۔ (2)

بلقیس اور اس کی قوم کا مذہب:

وہ سورج کی پرستش کرنے والے تھے۔ کچھ ان میں آگ کی پوجا کرنے والے بھی اور کچھ زندیق بے دین یعنی یہ زمین وآسمان کے نظام کے چلانے یا پیدا کرنے کے قائل نہیں تھے' بلکہ یہ کہتے کہ یہ نظام بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے۔ شیطان نے ان کے لئے سورج کی عبادت اور طرح طرح کے کفر اور برے اعمال کے راستے مزین کر رکھے تھے۔ وہی شیطان یا اس کی باطل راہ کو مزین کرنا حق سے ان کے روکنے کا سبب بنا جس کی وجہ سے وہ راہ راست پر نہ آسکے' انہوں نے شیطانی راہ کو ہی حسین وجمیل سمجھا۔

فائدہ: جب یہ قرآن پاک اور تفاسیر سے واضح ہے کہ وہ قوم کافر تھی اور یہ بھی واضح ہے کہ کافروں کے طور طریقے مسلمانوں کے لئے کوئی دلیل نہیں تو اب مسئلہ روز روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گیا کہ بلقیس کا ملکہ ہونا' عورت کی سربراہی کے جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ کافروں نے اسے سربراہ بنایا ہوا تھا۔ اب بھی کوئی کافر یہ کہے کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے تو اسے یہ

(1) معجم البلدان' ج 3 ص 181 مطبوعہ بیروت (2) ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 439

حق پہنچتا ہے کیونکہ جب وہ اسلام سے ہی دور ہے تو جو چاہے کہے۔ اسلامی قوانین تو مسلمانوں کے لئے ہیں' کفار کے لئے نہیں ۔ کسی اسلامی ملک میں بھی اگر بے دین لوگ کسی عورت کو حاکم بنالیں تو ان کے اس قبیح عمل سے عورت کی حاکیت کا جواز ثابت نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کا یہ عمل خدا اور اس کے رسول کے احکام سے بغاوت ہی سمجھا جائے گا۔

علماء کرام نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے' مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ عورت کو حاکم بنانا جائز نہیں۔ اب اس کے بعد اس برائی کے مرتکب ہونے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے خود جوابدہ ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بکاؤ مولوی' ضدی اور ہٹ دھرم مولوی' جو کسی وقت ایک ہی راگ الاپ رہے تھے۔ ''یہ بھی بری وہ بھی برا'' ان میں سے بعض کی آنکھیں کھل چکی ہیں کہ ملک کو تباہی کے کنارے پر پہنچانے والا کون ہے؟ وہ تو اب کسی مرد کو اچھا سمجھنے لگے۔ بکاؤ مال' پیسے کو دین سمجھنے والے سے یہ بھی نہ ہوسکا کہ وہ عورت کی سربراہی کو جائز کہہ سکے' بلکہ اس نے بھی عجیب منطق پیش کی: ''کہ عورت کی سربراہی کو ہم جائز نہیں سمجھتے بلکہ برداشت کئے ہوئے ہیں'' یعنی پیسہ مل رہا ہے' نگاہوں کی ملاقاتیں ہو رہی ہیں' دل خوش ہو رہا ہے' اس لئے شراب پینا یا پیشاب پینا ناجائز تو ہے لیکن برداشت کر کے ہڑپ کر لیتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو بخاری شریف کی حدیث کافی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ اہلِ فارس نے بنتِ کسریٰ کو اپنی ملکہ بنالیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {لَنْ يُفْلِحَ الْقَوْمُ وَلَّوْا أُمُورَهُمْ اِمْرَأَةً} ہر گز وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے اپنے امور عورت کے سپرد کر دیئے۔ یعنی عورت کو حاکم بنانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے' ذلت ان کا مقدر ہوگی ملک کو تباہ کر دیں گے۔ لوٹ مار سے اودھم مچا دیں گے۔ (1)

ہدہد کی بات کی تحقیق:

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝ (سورۃ نمل 17:19)

''آپ نے فرمایا: ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم تیری بات کی پوری تحقیق کریں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے اگر کوئی عذر پیش کرے تو وہ اس کو ٹھکرا نہ دے بلکہ اسے قبول کرے اور اسکی چھان بین کرے اور تحقیق کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَيْسَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ اَنْزَلَ الْكِتَابَ وَاَرْسَلَ الرُّسُلَ" (2)

''یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں اسی لئے اس نے قرآن نازل کیا اور رسول مبعوث فرمائے۔''

(1) روح المعانی بزیادۃ' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم' ص 186 (2) تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 441

بلقیس کی طرف سلیمان علیہ السلام کا خط:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

(سورۃ نمل 17:19)

"(سلیمان علیہ السلام نے کہا) میرا یہ خط جا کر ان پر ڈال پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ عورت بولی: اے سردارو! بیشک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا بیشک وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم والا' کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور اطاعت کرتے ہوئے میرے حضور حاضر ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط تحریر فرمایا اس پر کستوری لگائی بند کر کے اس پر مہر لگا دی۔ ہدہد کو دیا کہ اسے لے جاؤ اور بلقیس کو پہنچا دو۔ ہدہد خط لے کر گیا تو اسے سوتے ہوئے پایا وہ اپنے محل میں سوئی ہوئی تھی۔ وہ جب سوتی تھی تمام دروازے بند کر دیتی تھی۔ چابیاں اپنے سر کے نیچے رکھتی تھی۔ اس کا تخت اندر ساتویں کمرہ میں تھا۔ ہدہد مکان کے روشن دان سے داخل ہوا۔ اور خط اس کے سینہ پر رکھ دیا جبکہ وہ لیٹی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ہدہد اس کے پاس پہنچا تو اس کے درباری لشکری اس کے پاس موجود تھے ہدہد کچھ دیر اوپر پھڑ پھڑایا لوگ یہ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ بلقیس نے بھی اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ہدہد نے خط اس کی گود میں ڈال دیا جو اس نے سر بمہر خط دیا تو کانپ گئی' ڈرتے ہوئے اپنی قوم کے سرداروں کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔

بلقیس نے خط کو عزت والا کہا:

آپ کے خط کو "کتاب کریم" کہنے کی تین وجوہات تھیں:

① ایک تو یہ کہ اس خط کا مضمون بہت ہی حسین تھا۔

② دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک کریم یعنی عزت والے کرم والے بادشاہ کی طرف سے یہ خط آیا ہے لہٰذا یہ خط بھی عزت والا ہے۔

③ تیسری وجہ یہ تھی کہ خط سر بمہر تھا اور جس خط پر مہر لگی ہوئی ہوتی تھی اسے "کریم خط" کہا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب بادشاہوں کی طرف خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مہر بنوائی تھی کیونکہ آپ کو بتایا گیا تھا کہ بادشاہ بغیر مہر خط کو قبول نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ ایک وجہ یہ بھی ہو کہ بلقیس باوجود سورج پرست ہونے کے اللہ تعالیٰ کو بھی کسی طرح مانتی ہو جیسے بت پرست لوگوں کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ...... ﴿۶﴾ "اے محبوب! اگر آپ ان (مشرکوں) سے سوال کریں زمین

(سورۃ لقمان 12:21)

"كَأَنَّهَا عُلِّلَتْ بِكَوْنِهِ مِنْ سُلَيْمَانَ وَتَصْدِيرُهُ بِسْمِ اللّٰهِ" ❶ وآسمان کا خالق کون ہے تو ضرور بر ضرور کہیں گے اللہ۔"
"ہوسکتا ہے اس خط کو "کریم" اسلئے کہا کہ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اسے "بسم اللہ" سے شروع کیا گیا ہے۔"

انبیائے کرام کے خطوط کے مضامین:

"إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يُطِيلُونَ بَلْ يَقْتَصِرُونَ عَلَى الْمَقْصُودِ" "بیشک انبیائے کرام اپنے خطوط کو لمبا نہیں کرتے بلکہ بیان مقصد پر ہی اقتصار کرتے ہیں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پورے مضمون کو شامل تھا اگرچہ مختصر تھا لیکن مقصود اس میں مکمل تھا۔ اسلئے کہ مخلوق سے دو چیزوں کا ہی مقصد طلب کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ تم علم حاصل کرو، اور دوسرا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو۔ اور علم، عمل پر مقدم ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے خط "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کے متعلق علم موجود ہے:

"لِأَنَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلَى إِثْبَاتِ الصَّانِعِ سُبْحَانَهُ تَعَالَى وَإِثْبَاتِ كَوْنِهِ عَالِمًا قَادِرًا حَيًّا مُرِيدًا حَكِيمًا رَحِيمًا" "اسلئے کہ بسم اللہ شریف سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا خالق موجود ہے اور وہ لامحدود علم کا مالک ہے، وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے، وہ کام سے پہلے ارادہ بھی فرماتا ہے اس کا ہر کام حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر رحیم ہے کیونکہ مہربان اور رحم والا اسی وقت ہوسکتا ہے، جب یہ تمام صفات اس میں موجود ہوں۔

عمل کا دارومدار اوامر و نواہی پر ہے یعنی جن کاموں کا حکم دیا جائے ان پر عمل کرے اور جن کاموں سے روکا جائے ان کاموں سے رک جائے۔ آپ کے خط میں...... {أَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ} یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو...... خواہشات نفسانیہ کی اطاعت اور تکبر کرنے سے نہی ہے۔ یعنی ان کاموں سے روکا گیا ہے اور {وَأْتُونِيْ مُسْلِمِيْنَ} اور مطیع بن کر میرے پاس حاضر ہو۔ یہ امر ہے کہ میری فرمانبرداری کرو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ! واضح ہوا کہ آپ کا خط نہایت مختصر ہونے کے باوجود دین و دنیا کے ضروری احکامات پر مشتمل تھا۔ ❷

اعتراض: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط کو بسم اللہ شریف سے پہلے اپنے نام سے کیوں شروع کیا یعنی "إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ" بسم اللہ سے پہلے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو پہلے ذکر کرنا چاہیے تھا۔

جواب: "حَاشَا مِنْ ذٰلِكَ بَلْ اِبْتَدَأَ هُوَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَإِنَّمَا ذَكَرَتْ بِلْقِيْسُ اِنَّ هٰذَا الْكِتَابَ مِنْ سُلَيْمَانَ" "حاشا وکلا سلیمان علیہ السلام نے خط کو اپنے نام سے شروع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کی،

---

❶ تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ، ج 8، ص 174 مطبوعہ دار الفکر
❷ تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ، ج 8، 174 مطبوعہ دار الفکر

لیکن بلقیس نے اپنی قوم کے سرداروں کو یہ بتایا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے آیا ہے۔ گویا ''اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ'' یہ الفاظ بلقیس کے ہیں۔ اس کے بعد اس نے خط کو ابتدا سے پڑھا جو بسم اللہ سے شروع ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی انداز پر بلقیس کا قول اور آپ کے خط کی حکایت بیان فرمائی۔'' ثُمَّ حَكَتْ مَا فِي الْكِتَابِ'' ❶

بلقیس کا خط کے متعلق مشورہ:

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ‌ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ۝ قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّاُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ وَّالۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ مَاذَا تَاۡمُرِيۡنَ ۝

(سورۃ نمل 18:19)

''بولی اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو میں کسی معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو۔ وہ بولے ہم زور والے اور بڑی سخت لڑائی والے ہیں اور اختیار تیرا ہے تو نظر کر کہ کیا حکم دیتی ہے؟

فتویٰ کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی نیا واقعہ درپیش آنے پر کسی سے کوئی رائے طلب کی جائے۔ بلقیس نے بھی اپنی قوم کے سرداروں کے دل کو خوش کرنے کے لئے اور اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے ان سے رائے طلب کی کہ میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک تم میرے پاس موجود ہو کر مجھے اپنی رائے نہیں دو گے۔

قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہمارے پاس جنگی ساز و سامان تو کافی مقدار میں موجود ہے اور ہمیں جسمانی قوت حاصل ہے اور لڑائی میں ہم ثابت قدم رہنا بھی جانتے ہیں یعنی لڑائی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ قوۃ ذاتیہ یعنی قوت جسمانیہ اور لڑائی میں ثابت قدمی یہ بھی ہمیں حاصل ہے اور قوۃ عرضیہ یعنی لڑائی کے ہتھیار جنگی ساز و سامان کا پایا جانا یہ بھی ہمارے پاس ہے اس لئے اگر جنگ کرنی ہو تو ہم اس کیلئے تیار ہیں لیکن ہم تو تمہارے حکم کے پابند ہیں۔ اصل حکم تمہارا ہی ہے تمہاری رائے ہی درحقیقت اصل رائے ہو گی لہٰذا جو حکم ہو گا ہمیں منظور ہو گا۔ ❷

بلقیس کا جنگ کو ناپسند کرنا:

قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً‌ ۚ وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ ۝ وَاِنِّىۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝

(سورۃ نمل 18:19)

''بولی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں' اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔''

❶ تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 174 مطبوعہ دار الفکر
❷ تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 175 مطبوعہ دار الفکر

بلقیس نے کہا: کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہیں' بادشاہ کسی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وہاں کے لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں کچھ کو قیدی بنا لیتے ہیں' کچھ کو جلاوطن کر دیتے ہیں' عزت والے لوگوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے' بادشاہوں کا یہی طریقہ کار ہے۔

خیال رہے کہ رب نے ''وَاَذِلُّوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا'' نہیں کیا حالانکہ یہ مختصر تھا اور اس کا معنی بھی یہی تھا کہ وہ عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اسلئے کہ ''جعلوا'' سے یہ ثابت کیا کہ وہ ذلیل کرنے میں پوری کوشش کرتے ہیں' اس میں کوئی کمی نہیں رہنے دیتے۔ بلقیس نے کہا جب بادشاہ کی یہ شان ہے تو ہمیں صرف اپنی تعداد' اپنی طاقت' جنگی ساز و سامان اور مکمل تیاری پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ ہم ضرور فتح حاصل کر لیں گے' شکست بھی ہو سکتی ہے اسلئے صلح کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ (1)

ہدیہ بھیجنے کی وجہ:

بلقیس نے کہا دیکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہے یا اللہ تعالیٰ کا نبی۔ اگر بادشاہ ہے تو ہم اسے مال دیکر خوش کر لیں گے۔ وہ ہدیہ قبول کر لے گا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہوا تو ہدیہ قبول نہیں کرے گا پھر ہمیں چاہئے کہ ہم اس کے دین کو قبول کر لیں۔ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمانے کے لئے کثیر تعداد میں غلام کنیزیں سونا چاندی کستوری' عنبر اور یاقوت وغیرہ بھیجے کہ ہو سکتا ہے کہ مال سے کام چل جائے۔ (2)

اگرچہ ہدیہ کی مقدار محققین کے قول کے مطابق معین نہیں' تاہم ہدیہ میں تنوین تعظیم کی ہے جو ہدیہ کے بہت بڑے ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فَاَمَّا الْكَلَامُ فِيْ صِفَةِ الْهَدِيَّةِ فَالنَّاسُ اَكْثَرُوْا فِيْهَا لٰكِنْ لَا ذِكْرَ لَهَا فِي الْكِتَابِ" (3)

''ہدیہ کی تعریف میں لوگوں نے بہت کلام کیا ہے' تاہم اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں یعنی اتنا ایمان رکھنا کافی ہی کہ وہ ہدیہ بادشاہی شان کے مطابق بہت بڑا ہدیہ ہوگا' کیا تھا؟ کتنی مقدار میں تھا؟ اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔''

ہدیہ کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام کا جواب:

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ (36) اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ

''پھر جب وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا فرمایا: کیا مال سے میری مدد کرتے ہو؟ تو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے

(1) روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم' ص 198

(2) ایضاً

(3) تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 175 مطبوعہ دار الفکر

بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (سورۃ نمل 18:19) اس سے جو تمہیں دیا، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو‘ پلٹ جا ان کی طرف تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی انہیں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم کو شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے‘ یوں کہ وہ پست ہوں گے۔“

آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے دین نبوت اور علوم عطا فرمائے ہیں جو سعادتِ اخرویہ‘ سعادت ابدیہ کے اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کا مال و دولت بھی اتنا عطا فرما دیا ہے جس پر زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں۔ {فَكَيْفَ يُسْتَمَالُ مِثْلِي بِمِثْلِ الْهَدِيَّةِ} میرے جیسے شخص کو اس قسم کے ہدیہ سے کیسے اپنی طرف مائل کیا جا سکتا ہے؟ اس ہدیہ پر تم خود ہی خوش ہوتے رہو کہ تمہیں یہ ہدیہ حاصل ہے۔ یہ ہدیہ جو تم مجھے دے رہے ہو اس کی قدر و منزلت ہمارے نزدیک تو کچھ نہیں۔ تمہیں ہی اس کی کوئی قدر رہوگی‘ اسلئے تم خود ہی اس پر خوش ہوتے رہو۔ اس قسم کے ہدایا قبول کرنا تمہارا ہی حق ہے اور تمہیں ہی ایسے ہدایا سے خوشی ہوتی ہے ہمیں تو ایسے ہدایا کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ہم ایسے مال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ہدیہ لانے والے قاصد کو آپ علیہ السلام نے کہا:

”جاؤ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر چلے جاؤ اپنی ملکہ کو بتا دو کہ اگر تم نے کفریہ عقائد سورج پرستی وغیرہ کو نہ چھوڑا اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے تو ہم اپنے لشکر سے تمہاری سرکوبی کریں گے‘ تمہیں ذلیل و خوار کر دیں گے اور تمہیں شہروں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے‘ تمہیں مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوگی۔“

”لَا قِبَلَ لَهُمْ اَيْ لَا طَاقَةَ وَحَقِيْقَةُ الْقِبَلِ الْمُقَاوَمَةُ وَالْمُقَابَلَةُ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يُّقَابِلُوْهُمْ“ ❶ ”قرآن پاک میں جو لفظ لا قبل لھم استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ حقیقتاً قبل کا معنی ہی مقابلہ کرنا ہے۔“

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کا تخت منگوانا:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (سورۃ نمل 18:19) ”سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے درباریو! تم میں سے کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہوں۔“

بلقیس کا قاصد جب ہدایا واپس لے کر گیا اور سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تو وہ سمجھ گئی کہ آپ نبی ہیں‘ آپ سے جنگ کرنا ممکن نہیں۔ اس نے سلیمان علیہ السلام کے پاس آنے کی تیاری کر لی۔ چلنے سے پہلے اس نے اپنے تخت کے تمام کمروں کے

❶ تفسیر کبیر‘ امام رازی رحمہ اللہ‘ ج 8‘ ص 176 مطبوعہ دار الفکر

دروازے بند کئے کیونکہ وہ ساتویں کمرے میں تھا۔اس کی حفاظت کے لئے پہرے دار مقرر کر دیئے۔خود اپنی قوم کے سرداروں کو ساتھ لے کر آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ کی طرف پیغام بھیج دیا کہ میں اپنی قوم کے بڑے بڑے سرکردہ لوگ ساتھ لا رہی ہوں۔دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کس دین کی ہمیں دعوت دے رہے ہو؟ سلیمان علیہ السلام سے ایک فرسخ کی دوری پر وہ پہنچ گئی تو آپ نے اپنے درباریوں کو کہا کہ اس کا تخت کون لائے گا؟ ❶

تخت کی طلب میں حکمت:

آپ نے بلقیس کے تخت کو اپنے پاس منگوانے کا ارادہ کیوں فرمایا؟ اس کی چند وجوہ ہیں:

①: اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جب بلقیس آئے تو اس کے آنے سے پہلے جب اس کا عظیم تخت جو بند کمروں میں ہے اور پہرے داروں کی حفاظت میں ہے یہاں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا اسے پتہ چلے گا وہ ایمان لانے کی طرف مائل ہوگی۔

②: دوسری وجہ یہ تھی کہ تخت کی عظمت بادشاہی کی وسعت پر دلالت کرتی ہے اسلئے آپ نے کہا کہ اس کے آنے سے پہلے ہی پتہ چل جائے کہ اس کی بادشاہی میں کتنی وسعت ہے؟

③: تیسری وجہ یہ تھی کہ کافروں کے مال کو حاصل کرنا جائز تھا' ابھی وہ کافرہ تھی۔آپ نے خیال کیا کہ اس کا تخت ابھی منگوا لیا جائے تو اس کی ملکیت ہمیں حاصل ہو جائے گی۔اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو پھر اس کے تخت پر قبضہ کرنا جائز نہیں رہے گا۔

④: چوتھی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کی ذہنی آزمائش کرنا چاہتے تھے کہ اس کی عقل وفہم کتنی ہے کیونکہ آپ نے حکم دیا تھا...... {قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ۝} آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں میں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔

یعنی آپ نے تخت منگوانے کے بعد اس کی شکل میں تغیر وتبدل کرنے کا حکم دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے تبدیل شدہ تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔آپ اس کی سمجھ دانائی کا اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ اسی سے پتہ چل جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو بھی سمجھ سکتی ہے یا نہیں۔ ❷

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج10 حصہ دوم' ص198 ❷ تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج8' ص176 مطبوعہ دار الفکر

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طاقت جن سے زیادہ:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝ (سورۃ نمل 18:19)

(سلیمان علیہ السلام نے جب فرمایا تخت کون لائے گا) تو ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا اس سے پہلے کہ آپ اجلاس برخاست کریں اور بیشک میں اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔ اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ ایک پل مارنے سے پہلے۔ پھر جن سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے۔ سب خوبیوں والا۔"

"عفریت" سرکش وخبیث کو کہا جاتا ہے یعنی ایسا خبیث ومنکر جو اپنے ساتھیوں پر سرکشی اور خباثت کرے یعنی جنوں میں سے ایک سرکش خبیث جن ...... جسے اپنی طاقت پر ناز تھا ...... نے کہا کہ میں بلقیس کے تخت کو آپ کے سامنے آپ کے اجلاس برخاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام صبح سے لے کر ظہر تک مجلس عدالت قائم فرماتے تھے، جس میں لوگوں کے درمیان فیصلے فرماتے تھے۔ گویا اس جن کا مطلب یہ تھا کہ میں آدھا دن گزرنے سے پہلے پہلے آپ کے پاس پہنچا دوں گا کیونکہ مجھے اتنے بڑے عظیم تخت کا اٹھانا کوئی بھاری محسوس نہیں ہوگا۔ میں بڑی بڑی چیزوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں یعنی یہاں قوی کا معنی قادر لیا گیا ہے اور میں وہ تخت لانے میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کروں گا۔ نہ اس سے کچھ توڑوں گا اور نہ ہی اس میں کوئی تغیر وتبدل کروں گا، بلکہ امانت کا پاس کروں گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے ولی نے کہا: چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے مؤدبانہ التماس کیا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت وہاں سے اٹھا کر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور جب آپ نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے ایک خادم کی اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں غرور نخوت کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سراپا نیاز بن کر اپنے مولا کا شکر ادا کرنے لگے، عرض کیا: یہ میرے رب کا فضل وکرم ہے، جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی تھی کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: فضل بہت بڑی

[1] روح المعانی، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، ج 10 حصہ دوم، ص 202

آزمائش ہے اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایات جلیلہ پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں۔

امتحان کبھی مصیبت سے اور کبھی آسائش سے لیا جاتا ہے:

مصیبت اور تکلیف کو تو ہم سب امتحان اور آزمائش تصور کرتے ہیں لیکن جو فرحت و سرور کا دور آتا ہے جب اس کے انعامات کی بے بہا بارش ہونے لگتی ہے تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی امتحان ہے اور پہلی قسم کے امتحان سے بڑا سخت امتحان ہے اس میں کامیاب ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ تکالیف و مصائب کے امتحان میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور آرام و آسائش کی آزمائش میں کامیابی کا سہرا اس کے سر باندھا جاتا ہے جو شکر گزار ہو اور شکر کا صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف زبان سے ہی شکریہ ادا کرتے رہیں بلکہ حقیقی شکریہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

شکر کرنے میں انسان کا اپنا بھلا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: { وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ } اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ یہ کہہ کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے تم اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے' بلکہ اپنے لئے مزید نعمتوں کا دروازہ کھول رہے ہو۔ اور اگر تم نے ناشکری کی تو مزید عنایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا بلکہ اپنے پہلے انعامات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے اگر کوئی اس کا شکر گزار بندہ بنا رہے تو وہ اسے اور زیادہ دیتا جائے گا کیونکہ وہ غنی ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور وہ کریم ہے اس کا دست جود و عطا' سخاوت کرتا ہی رہتا ہے۔

تخت لانے والا کون تھا؟ ایک چیز ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے دم بھر میں بلقیس کا شاہی تخت پندرہ سو میل کی مسافت ''سبا'' سے بیت المقدس پہنچا دیا؟ نیز وہ تخت کہیں صحن میں تو پڑا نہیں ہوگا بلکہ قصر شاہی کی کسی محفوظ ترین جگہ رکھا ہوگا اور اس کی نگہبانی کے لئے خصوصی پہرے داروں کا انتظام بھی ہوگا۔

اس کے متعلق کسی نے حضرت خضر علیہ السلام کا نام اور کسی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام اور کسی نے آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ اور یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے لیکن قرآن نے اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی صفت سے اس کا تعارف کرا دیا یعنی اس شخص نے یہ بات کہی جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی یہ صفت ایسی تھی جس کا اس محیر العقول (عقلوں کو حیران کرنے والے) کارنامے کی انجام دہی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

{ وَاَنَّ لِهٰذَا الْوَصْفِ تَاْثِيْرًا فِيْ نَقْلِ ذَالِكَ الْعَرْشِ }

امام عبد القاہر جرجانی نے ''اسرار البلاغۃ'' میں تصریح کی ہے کہ جب کسی فاعل کی توصیف صلہ سے کی جائے تو اس فعل

کے صدور میں اس صلہ کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں یہ قوت اور طاقت پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس...... "عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ" ...... کتاب کا علم تھا۔

اس آیت کریمہ سے کرامات اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا۔ اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی الکتاب کے علم کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے، تو سید الانبیاء المرسلین ﷺ کی امت کا ولی جو الکتاب کا ہی نہیں بلکہ الکتاب المبین کا عالم اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہ ہے اس سے ایسے امور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے؟ وہ لوگ جو حضور نبی کریم ﷺ کی امت کے اولیائے کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں، انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں مکرر (بار بار) غور کرنا چاہئے۔

تنبیہ: ہمارے تجدد پسند مفسرین لکھتے ہیں: کہ آپ علیہ السلام نے جب بلقیس کی آمد کی خبر سنی تو اپنے درباریوں سے کہا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو بلقیس کے بیٹھنے کیلئے کوئی تخت بنا دے تاکہ جب وہ یہاں آئے تو اسے اس پر بٹھا دیا جائے۔ ان کی اس تاویل کو دیکھ کر برملا یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ عربی لغت کے مبادیات سے بھی ناواقف ہیں۔ ورنہ وہ {أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا} کہ تم میں سے کون میرے پاس اس کا تخت لا سکتا ہے؟ کا یہ ترجمہ ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر انہیں اتنا علم ہے تو یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قرآن کی تصریحات پر ان کا دل نہیں جمتا، کھلے بندوں اس کا انکار کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے اور بزدلی کے باعث اپنی قلبی منافقت کو تحریف کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ [1]

بلقیس، سلیمان علیہ السلام کے دربار میں:

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ (سورۃ نمل 18:19)

"پھر وہ جب آئی اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ بولی: گویا یہ وہی ہے اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے خبر مل چکی، اور ہم فرمانبردار ہوئے۔"

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے اس کے تخت میں تغیر و تبدل کرا دیا تھا۔ تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے وہ کتنی عقل و سمجھ کی مالکہ ہے؟ اس کے آنے پر پوچھا کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے جواب دیا گویا یہ وہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھتے ہوئے یہ نہیں کہا "اَهٰذَا عَرْشُكِ" کیا یہی تیرا تخت ہے؟ کیونکہ اگر آپ یہ سوال کرتے تو آزمانے کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اس سے تو اسے جواب دینے کی طرف اشارہ مل جاتا۔ بلقیس کا جواب بھی نہایت عقلمندی پر موقوف تھا یعنی اس نے یہ نہیں کہا "هُوَ هُوَ" یہ وہی ہے کیونکہ بعینہ وہی نہیں تھا بلکہ اسمیں تغیر و تبدل کیا گیا تھا اور اس نے یہ بھی نہیں کہا۔ "لَيْسَ بِهٖ" یہ وہ تو نہیں: کیونکہ درحقیقت تخت تو وہی تھا اس کی نفی کرنی بھی درست نہیں تھی اسلئے اس نے بڑی

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 3، ص 446-444

عقل مندی سے جواب دیا۔ ﴿ كَاَنَّهٗ هُوَ ﴾ گویا کہ یہ وہی ہے یعنی ہے تو وہی' لیکن اس میں کچھ تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔

اس نے یہ بھی کہا کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی نبوت' علم' معجزات اور اللہ تعالی کے متعلق علم تھا اور دل سے تو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھی صرف آپ کے پاس آ کر دل کو زیادہ تسلی دینا مقصود تھا۔ [1]

اتنی عقلمند عورت سورج پرست کیوں رہی؟

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ نمل 18:19)

''اور اسے روکا اس چیز نے جسے وہ اللہ تعالی کے سوا پوجتی تھی' بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔''

''اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ رَاسِخِيْنَ فِي الْكُفْرِ فَلِذٰلِكَ لَمْ تَكُنْ قَادِرَةً عَلٰى اِظْهَارِ اِسْلَامِهَا'' [2]

''وہ چونکہ ایسی قوم میں تھی جو کفر میں راسخ تھی اسی وجہ سے وہ اسلام کے اظہار پر قادر نہ ہو سکی۔''

یعنی سلیمان علیہ السلام کے خط کے بعد اسے کافی حد تک آپ علیہ السلام کی حقانیت کا علم ہو چکا تھا لیکن پھر وہ اسلام کو ظاہر نہ کر سکی کیونکہ وہ کافر قوم میں پیدا ہوئی تھی' کافر قوم میں رہ رہی تھی۔

بلقیس کا چمکدار فرش کو پانی سمجھنا:

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ نمل 18:19)

''اس سے کہا گیا صحن میں آ' پھر جب اس نے اسے دیکھا گہرا پانی سمجھی اور اپنی پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک چکنا صحن ہے شیشوں جڑا۔ عورت نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب ایمان لاتی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالی پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔''

{اَلصَّرْحُ اَلْقَصْرُ وَقِيْلَ صَحْنُ الدَّارِ} ''صرح کا معنی محل بھی ہے اور گھر کا صحن بھی۔'' والممرد المملس ممرد جس میں چکناہٹ پائی جاتی ہو' چمکدار چکنا فرش' چکنا پتھر وغیرہ۔ ''امرد جس کے چہرے پر بال نہ اگے ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے سفید شیشے کا ایک محل تعمیر کرایا جو پانی کی طرح نظر آتا تھا۔ محل بنوانے کی غرض یہ تھی کہ بلقیس ملکہ ہے وہ صرف اپنے انتظامات کو ہی نہ دیکھتی رہے بلکہ اسے آپ کی نبوت اور خلافت کی عظمت اور آپ کی مجلس کا رعب معلوم ہو جائے۔ اس بلورین فرش کے نیچے پانی اور مچھلیاں بھی تھیں۔ آپ کا تخت اس کے درمیان تھا۔

[1] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم' ص 206
[2] روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 10 حصہ دوم' ص 207

جب اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ اور تخت پر چل کر بیٹھ جاؤ تو اس نے فرش کو پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اوپر چڑھایا تو آپ نے فرمایا: یہ تو بلور کا بنا ہوا فرش ہے' پانی نہیں۔ تو اسے جلدی ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور سلیمان علیہ السلام کی عظمت' نبوت اور نورانیت نے ایسا اثر کیا کہ برملا کہنے لگی: میں نے آج تک اپنی عمر گنوا دی' اپنی جان پر کفریہ عقائد کے مظالم ڈھاتی رہی۔ اب تو سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہوں۔ اس طرح بلقیس کو دولت ایمان نصیب ہوئی۔ ❶

تنبیہ: یہ جو مشہور ہے اور بعض مفسرین نے بھی تحریر کیا ہے کہ آپ کو مطلع کیا گیا تھا کہ بلقیس ویسے تو خوبصورت ہے لیکن اس کی پنڈلیاں بدصورت ہیں' گدھے کے کھروں کی طرح ہیں۔ یا بعض نے کہا: کہ آپ علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے اس کی پنڈلیوں کو دیکھنے کے لئے ایسا فرش بنوایا تھا' یہ درست نہیں۔ نبی کی شان عظمت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی کے متعلق علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كَانَ الْمَقْصُوْدُ مِنَ الصَّرْحِ تَهْوِيْلُ الْمَجْلِسِ وَتَعْظِيْمُهٗ وَحَصَلَ كَشْفُ السَّاقِ عَلٰى سَبِيْلِ التَّبْعِ"

"شیشے کا محل چمکدار فرش بچھانے کا مقصد فقط مجلس کو بارعب بنانا اور اظہارِ عظمت تھا۔ بلقیس کا پنڈلیوں کا ننگا کرنا' اس کی اپنی غلط فہمی کی وجہ سے تھا۔ اس نے چمکدار صحن کو پانی سمجھتے ہوئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کیا تھا گویا کہ وہ پانی سے گزرنا چاہتی ہے۔" ❷

یہ واقعہ بالکل اسی قسم کا ہے جیسے حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کیا۔ مشرکوں سے ایک شخص نے مسلمانوں کو جلا کر رکھ دیا (یعنی اس کے ہاتھوں مسلمان بہت تنگ آ چکے تھے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اسے تیر مارو (ماں باپ کو جمع کرنے کا یہی معنی ہے) وہ کہتے ہیں میں نے اپنا تیر نکالا' حالانکہ اس میں لوہے کی نوک نہیں تھی میں نے وہی اس کے پہلو پہ گاڑ دیا وہ گرا اس کا ستر کھل گیا وہ ننگا ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھ کر ہنسے' یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مجھے نظر آنے لگیں:

{وَانْكَشَفَتْ عَوْرَتُهٗ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى نَظَرْتُ اِلٰى نَوَاجِذِهٖ}

اس حدیث کے ماتحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: {فَضَحِكَ فَرَحًا بِقَتْلِهٖ عَدُوَّهٗ لَا لِانْكِشَافِهٖ} ❸ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کی وجہ حضرت سعد کا دشمن کو قتل کرنا ہے آپ اس کے ننگے تنگیز کو دیکھ کر نہیں ہنسے تھے۔" کسی کے ننگے تنگیز کو دیکھ کر ہنسنا' نبی کی شان کے لائق نہیں' نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں فرمایا کہ آپ نے غیر محرم عورت کی ننگی پنڈلیاں دیکھیں۔

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج10 حصہ دوم' ص208 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج24 ' ص179

❸ مسلم شریف' باب فضائل سعد ابن ابی وقاص' ج2 ' ص280

غیر یقینی واقعات:

کچھ واقعات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"وَكُلُّ ذَالِكَ اَخْبَارٌ لَا يَدْرِىْ صِحَّتَهَا وَلَا كِذْبَهَا وَلَعَلَّ فِىْ بَعْضِهَا مَا يَمِيْلُ الْقَلْبُ اِلَى الْقَوْلِ بِكِذْبِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ" "یہ جتنی خبریں ہیں ان کے صحیح ہونے یا جھوٹا ہونے میں کچھ پتہ نہیں' ممکن ہے کہ بعض واقعات جھوٹے ہوں جن کی طرف دل مائل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔"

وہ واقعات جن پر یقین نہیں کیا گیا' انہیں روح المعانی میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

①: بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غلام اور لونڈیاں بھیجیں' غلاموں کو زنانہ لباس پہنایا گیا۔ ان کے ہاتھوں میں کنگن اور کانوں میں بالیاں پہنائی گئیں اور لونڈیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور انہیں ہدایت کی کہ غلاموں نے عورتوں کی طرح کلام کرنا ہے اور لونڈیوں نے مردوں کی طرح۔ اور ساتھ یہ کہا کہ سلیمان علیہ السلام کو کہنا اگر تم نبی ہو تو غلاموں اور لونڈیوں میں فرق کر کے دکھاؤ۔ اور بتاؤ کون سے غلام ہیں اور کون سی لونڈیاں؟

②: ایک اس نے موتی دیا جس میں سوراخ نہیں تھا اس کے متعلق کہا کہ سلیمان علیہ السلام کو کہنا اگر تم نبی ہو تو اس میں سوراخ کرا دو۔ اور یہ کام انسانوں اور جنوں سے نہیں کرانا۔

③: اور ایک موتی دیا جس میں سوراخ ٹیڑھا تھا۔ اس کے متعلق یہ کہہ کر بھیجا کہ اس میں دھاگہ ڈال دو اور بھیجے ہوئے قاصد کو کہا کہ دیکھنا۔ اگر وہ شخص تمہیں جواب سخت کلامی' تند مزاجی سے دے تو وہ بادشاہ ہوگا۔ اس سے ڈرنا نہیں' میں اس پر غالب آجاؤں گی۔ اور اگر وہ شخص خوش اخلاقی نرم مزاجی لطافت طبع' نرم گوئی سے جواب دے تو سمجھنا کہ وہ نبی ہے۔ پھر اس کی بات کو غور سے سننا اور سمجھنا۔

بلقیس نے غلام اور غلامہ بمع سونے چاندی کے زیورات سونے اور چاندی کی اینٹیں' موتی لعل و جواہر' عنبر' کستوری' گھوڑے وغیرہ کثیر تعداد میں بطور ہدیہ بھیجے لیکن سلیمان علیہ السلام نے وہ ہدیہ آنے سے پہلے ہی فرسخ تک سونے اور چاندی کے محلات جنوں سے تعمیر کرا دیئے۔ دریائی جانور منگوا لئے جن کے پروں کے عجیب وغریب رنگ تھے۔ گھوڑے کی طرح ان کی گردن اور پیشانی کے بال تھے۔ مرغ کی طرح ان کے سر پر کلغیاں تھیں۔ جن' انسان' جانور' درندے' پرندے غرض یہ کہ ہر قسم کی مخلوق کو آپ نے اپنے پاس کئی کئی میلوں تک صفوں میں کھڑا کر دیا۔ ہدیہ لانے والے نے یہ منظر دیکھ کر اپنے ہدیہ کو حقیر سمجھا۔

سلیمان علیہ السلام نے خوش طبعی سے اس سے ملاقات کی۔ اس نے بلقیس کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے ڈبیہ طلب کی۔ اس نے ڈبیہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کو کھولنے سے پہلے بتانا اس میں کیا ہے؟ جبرائیل

علیہ السلام آئے انہوں نے آپ کو بتایا تو آپ علیہ السلام نے اس شخص کو کہا کہ اس میں ایک موتی بغیر سوراخ کے ہے اور ایک ٹیڑھے سوراخ والا ہے۔اس نے کہا: آپ نے سچ کہا ہے۔اس نے کہا کہ بغیر سوراخ موتی میں سوراخ کردو اور ٹیڑھے سوراخ والے منکے میں دھاگہ ڈال دو۔آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ موتی میں سوراخ کون کرے گا؟ دیمک (لکڑی کھانے والا کیڑا) نے کہا: یہ کام میں کروں گا۔اس نے اپنے منہ میں ایک بال لیا اور موتی میں ایک سرے سے گھوم کر دوسرے سرے سے نکل گیا۔آپ علیہ السلام نے اس کیڑے سے پوچھا تمہاری کوئی حاجت ہو؟ اس نے کہا: ہاں! اے اللہ کے نبی میرا رزق درختوں میں کردو۔ آپ علیہ السلام نے اسے کہا: کہ ٹھیک ہے۔تمہارا رزق درختوں میں ہی ہوگا۔

پھر آپ نے ٹیڑھے سوراخ والے منکے (موتی) کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا اس میں دھاگہ کون ڈالے گا؟ ایک سفید رنگ کا کیڑا آیا اس نے کہا یہ کام میں کروں گا۔اس نے دھاگہ اپنے منہ میں لیا اور ایک طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف نکل گیا۔آپ علیہ السلام نے اس کیڑے سے پوچھا: اگر تمہاری بھی کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟ اس نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ کے نبی میرا رزق پھلوں میں کردو۔آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے تمہیں پھلوں سے ہی ملے گا۔

پھر ہدیہ لانے والے نے کہا: آپ غلاموں اور لونڈیوں میں تمیز کریں۔ان کے حجاب ہٹانے سے پہلے بتاؤ۔آپ نے فرمایا سب ہاتھ دھوؤ! جب انہوں نے ہاتھ دھونے شروع کیے تو جو دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھونے لگے۔آپ نے کہا یہ غلام ہیں اور جنہوں نے پہلے پانی ایک ہاتھ میں لیا اور پھر دوسرے ہاتھ پر ڈالا آپ نے فرمایا: یہ لونڈیاں ہیں۔[1]

گزشتہ سے پیوستہ:

سلیمان علیہ السلام نے "ہدہد" کو غائب پا کر جو ارشاد فرمایا: اس میں "لاذبحنہ" کا ذکر ہے جس میں لام کے بعد الف زائد لکھا گیا ہے بظاہر الف کے زائد کرنے کی وجہ نظر نہیں آرہی لیکن ایک شاندار نکتہ یہ تحریر کیا گیا ہے: {هُوَ التَّنْبِيْهُ عَلَيْهِ اَنَّ الذَّبْحَ لَمْ يَقَعْ[2]} "کہ اس میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ واقعہ میں ذبح نہیں ہوا۔" یعنی آپ علیہ السلام فرمایا تھا کہ میں ذبح کردوں گا یا وہ کوئی دلیل لے کر آئے۔اس نے دلیل پیش کردی تھی اسلئے ذبح سے محفوظ رہا۔

رب کی یاد کے لئے گھوڑوں سے محبت:

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا

"جب کہ اس پر پیش کیے گئے تیسرے پہر کو کہ روکیے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے سم کو کنارہ زمین پر لگائے ہوئے

[1] روح المعانی، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج10 حصہ دوم ص200-199 [2] روح المعانی، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج10 حصہ دوم ص184

عَلَیَّ ۚ فَطَفِقَ مَسْحًا ۢ بِالسُّوۡقِ وَ الۡاَعۡنَاقِ ﴿۳۳﴾
(سورۃ ص 12:23)

اور چلائے تو ہوا ہو جائیں تو سلیمان علیہ السلام نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی اپنے رب کی یاد کے لئے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے۔ (نگاہ سے اوجھل ہو گئے) پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ (جب واپس لائے گئے) تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان پر گھوڑے پیش کئے جائیں تا کہ انہیں دیکھیں اور ان کے احوال کی کیفیت پر واقف ہوں تو آپ کے حکم کے مطابق گھوڑوں کو عصر سے دن کے آخر تک پیش کیا جاتا رہا۔ گھوڑوں کی دو لفظوں سے صفات بیان کی گئی ہیں۔ ''صافنات'' اور ''جیاد'' صافن کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ دونوں قدموں کا ایک قطار میں رکھنا اور گھوڑا جب تین قدموں پر زور ڈال کر کھڑا ہو چوتھے قدم کا سم صرف زمین پر معمولی سہارا لگائے ہوئے ہو تو اسے بھی صافن کہتے ہیں۔ بیان یہ ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جب انہیں کھڑا کیا جاتا تو نہایت آرام سکون سے کھڑے ہو جاتے۔

''جیاد'' تیز گھوڑوں کو کہا جاتا ہے یعنی جب وہ چلتے ہیں تو ہوا کی طرح تیز چلتے ہیں لیکن ان کی تیز رفتاری ایسی نہیں ہوتی کہ سوار کو گرا دیں بلکہ تیز رفتاری میں بھی سوار کو سکون حاصل رہتا ہے آپ نے کہا:

اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ

''مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لئے۔''

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"بِمَعۡنَی اَنَّ هٰذِهِ الۡمَحَبَّةَ الشَّدِيۡدَةَ اِنَّمَا حَصَلَتۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاَمۡرِهٖ لَا عَنِ الشَّهۡوَةِ وَالۡهَوٰی"

''یعنی مجھے ان گھوڑوں سے اتنی شدید محبت دنیاوی خواہشات ولذات کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی یاد کی وجہ سے ہے۔''

جس طرح قرآن پاک میں گھوڑوں کو جہاد کے لئے پالنے کا حکم اور تعریف کو ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تورات میں بھی ذکر کیا گیا تھا۔ آپ علیہ السلام گھوڑوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے دیکھ رہے تھے کہ اس سے رب اور اس کے حکم کی یاد حاصل ہو رہی ہے۔ جب ایک مرتبہ گھوڑوں کو آپ کے سامنے سے گزار دیا گیا اور وہ آپ کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو آپ ان سے ازروئے محبت ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ساتھ ساتھ اپنی امت کو اپنے اس فعل سے یہ تعلیم دے رہے تھے کہ حاکم وقت کو اکثر کام اپنے ہاتھ سے بھی سرانجام دینے چاہئیں۔ اور وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کو گھوڑوں کے امراض کا علم بھی حاصل تھا آپ اس وجہ سے بھی ان پر ہاتھ پھیر رہے تھے کہ گھوڑوں کے احوال امراض عیوب دیکھیں کہ کسی میں کوئی نقص تو نہیں اگر ہو تو اس کا علاج کیا جائے۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تفسیر بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"فَهٰذَا التَّفْسِيْرُ الَّذِيْ ذَكَرْنَا يَنْطَبِقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْقُرْاٰنِ اِنْطِبَاقًا مُّطَابِقًا مُّوَافِقًا" ❶ "یہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے قرآن کے الفاظ مبارکہ کے مطابق یہی ہے اور ہم پر یہ لازم نہیں کہ ایسے واقعات کو بیان کریں جو درست نہیں۔"

ایک مشہور لیکن غیر معتبر واقعہ:

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر گھوڑے پیش کئے جاتے رہے' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹایا جائے۔ جب گھوڑے آپ پر واپس لوٹائے گئے تو آپ نے ان کی ٹانگیں کٹوا دیں' گردنیں اڑا دیں کہ یہ میری نماز کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اسے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ معنی لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد...... {اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ} مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے رب کی یاد کے لئے ...... کے خلاف ہے۔

"فَاِنَّ تِلْكَ الْمَحَبَّةَ لَوْ كَانَتْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ لَمَا نَسِيَ الصَّلٰوةَ وَلَمَا تَرَكَ ذِكْرَ اللّٰهِ" "کیونکہ جب آپ کو گھوڑوں سے محبت اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے تھی تو نماز آپ کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی اور نہ ہی آپ اللہ تعالیٰ کی یاد کو چھوڑ سکتے تھے۔ نیز اس میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

{فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ} کا اگر معنی یہ لیا جائے کہ آپ نے تلوار سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹا تو پھر وضو کے حکم میں رب کے ارشاد: {وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ} میں بھی معنی یہی نہیں ہوگا کہ "تم اپنے سروں کا مسح کرو" بلکہ یہ معنی کرنا پڑے گا "تم اپنے سروں کو تلواروں سے کاٹو" کیا یہ معنی کوئی عقلمند تسلیم کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یقیناً جب یہ معنی غلط ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی اس قسم کا مطلب منسوب کرنا بھی غلط ہے۔ اور اس میں کئی خرابیاں یہ لازم آئیں گی کہ سلیمان علیہ السلام نے نماز چھوڑ دی اور آپ پر دنیا کی محبت غالب آ گئی تھی کہ آپ گھوڑوں کو دیکھتے رہے' نماز کے تارک بن گئے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حُبُّ الدُّنْيَا رَاْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ" دنیا کی محبت ہر قسم کے گناہوں کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق ایسا گمان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر آپ سے (معاذ اللہ) اگر نماز چھوڑنے کا عظیم گناہ سرزد ہوا تھا تو آپ کو توبہ کرنی چاہئے تھی۔ جہاد والے گھوڑوں کی گردنیں اڑانے کا کیا مقصد تھا؟ پھر اگر "رُدُّوْهَا عَلَيَّ" کا معنی یہ لیا جائے کہ آپ نے رب کو کہا کہ مجھ پر سورج کو واپس لوٹایا جائے تو یہ اور ہی بہت بڑی خرابی کا باعث بنے گا کہ ادھر نماز کے چھوڑنے کا گناہ ادھر توبہ کے بجائے رب کو حکم دینا' یہ درحقیقت رب کی شان میں گستاخی ہے اور جمع کا صیغہ بھی اس معنی کو رد کر رہا

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 26' ص 206

ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا:{وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ} ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو۔اس کے بعد آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا گویا کہ رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

"اِصْبِرْ یَا مُحَمَّدُ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا سُلَیْمَانَ" ''اے محمد (ﷺ)! یہ کفار جو آپ سے کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے سلیمان کو یاد کیجئے۔''

اب اس کے بعد اگر واقعہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے پتہ چلے کہ سلیمان علیہ السلام اچھے اعمال' اچھے اخلاق کے مالک تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے تھے' دنیا کی خواہشات ولذات سے دور تھے' تو کلام کا کوئی مقصد نکل سکتا ہے کہ رب نے حضور ﷺ کو آپ کی یہ صفات بتا کر تسلی دی۔اور اگر یہ بیان کیا جائے کہ آپ دنیا کی محبت کی وجہ سے نماز چھوڑ کر عظیم گناہوں کے مرتکب ہو جاتے تھے۔تو کلام کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔(معاذ اللہ) کیا حضور ﷺ کو یہ کہا گیا ہے کہ آپ بھی ایسا کریں۔علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مشہور واقعہ کو بڑی تفصیل سے رد کیا اور آخر میں فرمایا:

"وَاَقُوْلُ اَنَا شَدِیْدُ التَّعَجُّبِ مِنَ النَّاسِ کَیْفَ قَبِلُوْا هٰذِهِ الْوُجُوْهَ السَّخِیْفَةَ مَعَ اَنَّ الْعَقْلَ وَالنَّقْلَ یَرُدَّانِهَا" [1] ''میں لوگوں پر بہت بڑا تعجب کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ کمزور وجوہ کیسے تسلیم کر لی ہیں؟ جن کو عقل بھی نہیں مانتی اور شریعت کے بھی خلاف ہیں۔''

سلیمان علیہ السلام کا ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول جانا:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (سورۃ ص 12:23) ''اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں محققین' مفسرین کرام نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات ستر عورتوں سے جماع کروں گا۔(آپ کی شریعت میں چار سے زیادہ نکاح کرنا منع نہیں تھا) ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا' جو بہت بڑا شہسوار ہوگا' اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔آپ علیہ السلام نے ''ان شاء اللہ'' نہ کہا۔آپ نے ستر عورتوں سے جماع کیا لیکن کوئی بھی عورت حاملہ نہ ہوئی۔سوائے ایک عورت کے' اس کا بچہ بھی نا مکمل بے جان پیدا ہوا۔

خیال رہے مسلم میں ستر عورتوں کا ذکر ہے اور بخاری میں چالیس عورتوں کا ذکر ہے ایک اور روایت میں سو کا ذکر ہے

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 26 ص 206

شاید پہلے چالیس کہا ہو پھر ستر پھر ایک سو۔ نیز یہ بھی روایات میں آیا ہوا ہے کہ آپ کو فرشتے نے کہا:...... "قُلْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ فَلَمْ یَقُلْ" انشاء اللہ کہو...... لیکن آپ نے نہ کہا۔ آپ کا نہ کہنا بھول کر تھا یا قصداً تھا' کسی صورت میں بھی گناہ نہیں کیونکہ فرشتے کا حکم ماننا آپ پر کوئی فرض نہیں تھا...... {وَغَایَتُہٗ تَرْکُ الْاَوْلٰی فَلَیْسَ بِذَنْبٍ وَّاِنْ عُدَّہٗ ھُوَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ذَنْبًا}...... فرشتے کے کہنے پر آپ کا ان شاء اللہ نہ کہنا زیادہ سے زیادہ ترک اولی (بہتر کام کو چھوڑنا) پایا گیا ہے۔ اسے گناہ نہیں کہا جا سکتا' اگرچہ انبیائے کرام کے ترک اولی کو بھی ذنب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

"فَالْمُرَادُ بِالْجَسَدِ ذَالِكَ الشِّقُّ الَّذِیْ وَلَدَ لَہٗ وَمَعْنَی الْقَائِہٖ عَلٰی کُرْسِیِّہٖ وَضَعَ الْقَابِلَۃُ لَہٗ عَلَیْہِ لِیَرَاہُ" "جسم سے مراد وہی نامکمل' بے جان بچہ ہے۔ اور کرسی پر ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ دایہ نے وہ بچہ لا کر اس کے تخت یا کرسی پر ایک بے جان جسم ڈال دیا۔"

"فَجِیْءَ بِہٖ عَلٰی کُرْسِیِّہٖ فَوُضِعَ فِیْ حَجْرِہٖ"[1] "اس بے جان بچے کو پہلے کرسی پر رکھا گیا اور کرسی پر اٹھا کر لایا گیا وہ آپ کی گود میں رکھ دیا گیا کہ آپ دیکھیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: {فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَاھَدُوْا کُلُّھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فُرْسَانًا} ایک روایت میں "وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ" کے الفاظ مبارکہ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی (میری) جان ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو تمام عورتوں سے بچے پیدا ہوتے اور تمام کے تمام بڑے شہسوار اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے جسے پیر محمد کرم شاہ صاحب حسین وجمیل الفاظ میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آپ علیہ السلام کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے' بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ کا کڑیل جسم ہڈیوں کو ڈھانچا بن کر رہ گیا۔ وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ جب بیٹھتے تھے تو آپ کے رعب وجلال کی وجہ سے جن وانس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اب ضعف ونقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا۔ تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں بڑے عجز ونیاز سے اپنی صحت کے لئے دعا کی جو قبول ہوئی۔ آپ علیہ السلام بالکل صحت یاب ہو گئے اور جہانبانی کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان وشوکت سے انجام دینے لگے۔"[2]

---

[1] تفسیر کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 26' ص 209 [2] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 242

سلیمان علیہ السلام کے حق میں یہود کی گستاخی:

یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا من گھڑت واقعہ پیش کیا کسی نیک آدمی کے متعلق ایسا گمان کرنا بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق ایسی بناوٹی کہانیاں منسوب کی جائیں' یہودیوں نے کہا:

''سلیمان علیہ السلام کو سمندر میں ایک شہر کی خبر ملی کہ وہاں کوئی حکومت کر رہا ہے آپ نے اپنا لشکر ساتھ لیا اور ہوا کو حکم دیا جس نے آپ کو اور آپ کے لشکر کو وہاں پہنچا دیا۔ آپ علیہ السلام نے اس شخص کو جو وہاں کا حاکم تھا' قتل کرا دیا اور اس کی ایک بہت ہی خوبصورت بیٹی تھی' جس کا نام ''جرادہ'' تھا۔ اسے آپ نے اپنے لئے پسند کر لیا' وہ اسلام لے آئی آپ بھی اس سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے باپ کو یاد کر کے روتی رہتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے شیطان کو حکم دیا کہ اسے اس کے باپ کی تصویر بنا کر دے دو' تاکہ اسے دیکھنے سے تسلی حاصل رہے۔ اس کے باپ کی شیطان نے تصویر بنا دی اس عورت نے تصویر کو اپنے باپ کے لباس کی طرح ہی لباس پہنا دیا۔ صبح و شام اپنی لونڈیوں کے ساتھ لے جا کر اسے سجدہ کرتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام کو ان کے وزیر آصف نے جب اس معاملہ کی خبر دی تو آپ نے تصویر کو توڑنے کا حکم دیا اور اس عورت کو سزا دی۔ پھر اکیلے جنگل کی طرف نکل گئے۔ خاکستر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے۔''

سلیمان علیہ السلام کی ایک لونڈی ام ولد بھی تھی' جسے ''امینہ'' کہا جاتا تھا۔ جب آپ طہارت کے لئے تشریف لے جاتے یا اپنی ازواج سے مجامعت کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر ''امینہ'' کو دے جاتے' آپ کی بادشاہی انگوٹھی میں تھی۔ آپ انگوٹھی پہن رکھتے تو انسان و جن آپ کے تابع ہوتے۔ آپ اتار دیتے تو کوئی بھی آپ کے حکم کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ ایک دن آپ نے انگوٹھی ''امینہ'' کے پاس رکھی۔ آپ قضائے حاجت کے لئے چلے گئے۔ دریاؤں پر متصرف شیطان سلیمان علیہ السلام کی شکل میں امینہ کے پاس آیا اور کہا: اے امینہ میری انگوٹھی دے۔ امینہ نے انگوٹھی اسے دے دی' وہ انگوٹھی پہن کر آپ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ تمام انسان جن پرندے وغیرہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اسی کا حکم ان پر چل رہا تھا اور یہ اس کے تابع تھے۔

سلیمان علیہ السلام کی شکل بدل دی گئی تھی۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر امینہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ میری انگوٹھی دے دو تو اس نے انکار کر دیا۔ تم سلیمان علیہ السلام کب ہو؟ جاؤ! اپنا کام کرو۔ سلیمان علیہ السلام تو اپنی انگوٹھی لے گئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میری خطا کی وجہ سے مجھے گرفت میں لے لیا گیا ہے آپ لوگوں کے گھروں پر دستک دیتے۔ ان کے سامنے کھانے کے لئے ہاتھ پھیلاتے کہ مجھے کھانے کو کچھ مل جائے۔ جب آپ بتاتے کہ میں سلیمان (علیہ السلام) ہوں تو لوگ آپ پر مٹی ڈالتے اور آپ کو گالیاں دیتے۔ آخر آپ نے مچھیروں کی غلامی اختیار کر لی۔ ان کی مچھلیاں ایک جگہ سے اٹھا کر

دوسری جگہ پہنچاتے۔ وہ آپ کو دو مچھلیاں ہر روز دے دیتے' آپ اسی سے گزر اوقات کرتے رہے۔

چالیس دن اسی حال میں گزر گئے چالیس دن آپ کے گھر بت پرستی ہوتی رہی تھی۔ جب آپ کے چالیس دن گزر گئے ادھر آصف اور بنی اسرائیل کے بڑے بڑے لیڈروں نے شیطان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ شیطان آپ کے تخت کو چھوڑ کر چلا گیا اور انگوٹھی کو دریا میں ڈال دیا' اس کو مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی جب آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے اس کے پیٹ کو چاک کیا تو آپ کو انگوٹھی مل گئی۔ آپ نے انگوٹھی پہن لی آپ کو حکومت واپس مل گئی آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بہت شدت و تفصیل سے رد کیا اور فرمایا:

"وَاعْلَمْ اَنَّ اَهْلَ التَّحْقِيْقِ اسْتَبْعَدُوْا هٰذَا الْكَلَامَ" "یقیناً جان لو کہ یہ محققین کے نزدیک لغو اور باطل کلام ہے۔"

اس قسم کا معاملہ شیطان علماء ... بھی نہیں کر سکتا انبیائے کرام سے کیسے کر سکتا ہے؟ نیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ شیطان کو سلیمان علیہ السلام کی ازواج پر مسلط کرتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا صورت بنوا کر دینا' وغیرہ سب لغویات ہیں۔ [1]

سلیمان علیہ السلام کی دعا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ "پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بیشک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے۔" (سورۃ ص 12:23)

پہلے مغفرت کے لئے التجاء کی اس کے بعد ملک و حکومت بخشے جانے کا سوال کیا' ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ نیز جس سے سوال کر رہا ہے اس کی قدرت و اختیار اور جود و عطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں وہ رب العالمین ہے' وہ اکرم الاکرمین ہے' اس سے بڑا صاحب قدرت و اختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔

حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا ہے۔ حضور نے اپنی مرضی سے "نبی ملک" (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے "نبی عبد" بننا پسند فرمایا:

"وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَافِذَ الْحُكْمِ عَلَى الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" "یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہر جن و انس پر نافذ ہے۔"

صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 26' ص 192

جَآءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً　　تَمْشِيْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَاقَدَمٍ

حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تنے کے سہارے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔

اور یہی حال خلفائے راشدین کا تھا جنہوں نے خلافت اور فقیری دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج رات کو سرکش شیطان میری نماز کو فاسد کرنے کے لئے میرے قریب منڈلاتا رہا:

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمْكَنَنِيْ مِنْهُ فَلَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَرْبُطَهٗ اِلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا فَتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ" "بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے زیادہ قوت دے رکھی ہے تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم تمام لوگ بھی اسے دیکھ سکو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی کہ آپ نے رب کے حضور عرض کیا تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ❷ "اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔"

حضور ﷺ کا کتنا واضح اشارہ ہے کہ مجھے جنوں پر بھی حکومت حاصل ہے لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا تاکہ سلیمان علیہ السلام کا جنوں پر حکومت کرنا مشہور رہے۔

سلیمان علیہ السلام کے فیصلے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ (سورۃ الانبیاء 6:17)

"اور یاد کرو داؤد وسلیمان علیہما السلام کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔"

ایک آدمی کی بکریاں رات کے وقت چھوٹ گئیں' ان کے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ دوسرے شخص کی کھیتی کھا گئیں۔ یہ مقدمہ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہوا۔ آپ علیہ السلام نے تجویز کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دو چونکہ کھیتی بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب فیصلہ سنا تو آپ نے کہا کہ ایک صورت اس سے بہتر اور دونوں فریقوں کے لئے نفع مند ہو سکتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اچھا' تم بتاؤ! وہ کیا صورت ہو سکتی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بکریاں

---

❶ تفسیر مظہری' قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ' ج 8' ص 182 .... تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 244

❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ اول ص

کھیتی والے کو صرف اسلیئے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے نفع حاصل کرتا رہے اور بکریوں والے شخص کو کہا جائے کہ وہ اس شخص کے کھیت میں کام کرے اور محنت کر کے ضائع شدہ فصل کے برابر اور نئی فصل کاشت کر کے تیار کرے۔ جب کھیتی اپنے حال پر آجائے تو کھیتی والے کو اس کی کھیتی دے دی جائے اور بکریوں والے کو اس کی بکریاں دے دی جائیں۔

یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال تھی یہ دونوں فیصلے اجتہادی تھے جو اس وقت کی شریعت کے مطابق تھے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قانون کے مطابق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی صورت میں تھا ہماری شریعت میں اگر جانور از خود چھوٹ جائیں، کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچائیں تو جانوروں کے مالک پر کوئی ضمان لازم نہیں۔ (1)

دو عورتوں کے جھگڑے میں فیصلہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک وقت دو عورتیں تھیں ان دونوں کے بچے ان کے ساتھ تھے۔ ایک بھیڑیا ایک بچے کو لے گیا ایک عورت نے دوسری کو کہا بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری کہنے لگی: تمہارے بچے کو لے گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جھگڑے نے طول پکڑا تو وہ اپنا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آگئیں۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ان عورتوں میں سے ایک عمر میں چھوٹی تھی اور ایک بڑی۔ جب وہ دونوں (فیصلہ کے بعد) نکلیں تو حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے سامنے آئیں تو ان کو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا:

"اِئْتُوْنِیْ بِالسِّکِّیْنِ اَشُقُّهٗ بَیْنَکُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰی لَا یَرْحَمُكَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰی بِهٖ لِلصُّغْرٰی" "چھری لاؤ میں اس کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں، تو چھوٹی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے ایسا نہ کریں وہ اسی کا بیٹا ہے تو آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔" (2)

وضاحت حدیث: حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا تھا؟ آپ علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ یا تو بچے میں آپ نے بڑی سے کچھ مشابہت دیکھی تھی یا ہو سکتا ہے کہ آپ کی شریعت میں بڑے کو مقدم رکھا جاتا ہو، یا یہ کہ بچے پر قبضہ بڑی کا تھا اور آپ کی شریعت میں جس کا قبضہ ہوتا تھا اس کے حق کو ترجیح دی جاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا؟ اس لئے کہ آپ نے دیکھا کہ بچے سے محبت کسے ہے؟

---

(1) تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ، زیر آیت 78 سورۃ الانبیاء پارہ 17

(2) صحیح مسلم شریف، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج 2 ص 58 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

جب آپ نے فرمایا کہ چھری لاؤ کہ میں اس کے ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کردوں تو آپ کے اس ارشاد پر بڑی خاموش تھی کیونکہ حقیقتاً وہ جانتی تھی کہ میں جھوٹی ہوں۔ اس وجہ سے بھی خاموش تھی کہ میرا بیٹا تو ضائع ہو چکا ہے یہ بھی قتل ہو جائے تو دوسری عورت کو بھی میری طرح غم لاحق ہو لیکن چھوٹی نے کہا: حضور! اسے قتل نہ فرمائیں بلکہ اسے ہی دے دیں کیونکہ جب حقیقت میں بیٹا ہی اسی کا تھا تو اس نے ازروئے محبت بیٹے کا قتل ہونا پسند نہیں کیا بلکہ اس کی خواہش یہ تھی کہ مجھے ملے نہ ملے لیکن کم از کم زندہ تو رہے۔ چھوٹی کے اس پیار و محبت کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا اسی کا بیٹا ہے دوسری کا نہیں۔ لہٰذا آپ علیہ السلام نے اسی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کیسے توڑا؟ قانون یہ ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا فیصلہ نہیں توڑ سکتا حالانکہ دونوں حضرات کے فیصلے اجتہاد پر تھے۔ وحی کے ذریعے کوئی ایک فیصلہ نہیں تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بظاہر توڑنا درست نظر نہیں آتا لیکن اس کی چند وجوہ ہیں:

1. حضرت داؤد علیہ السلام نے حتمی فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ بڑی کے قبضے کو دیکھ کر بچہ اسی کے پاس رہنے کی رائے قائم کی تھی۔
2. حضرت داؤد علیہ السلام نے فتویٰ جاری کیا تھا۔ فتویٰ اور قضا میں فرق ہے۔ قضاء یعنی فیصلہ پر عمل لازم ہوتا ہے لیکن فتویٰ پر عمل لازم نہیں ہوتا کیونکہ مفتی کو عمل کرانے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔
3. ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں ایک مجتہد دوسرے کا فیصلہ توڑ سکتا ہو اور یہ جائز ہو۔
4. حضرت سلیمان علیہ السلام نے اظہارِ حق کے لئے حیلہ کیا اس پر چھوٹی کا سچا ہونا جب واضح ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے خود ہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا ہو۔ [1]

دیو آپ کے تابع:

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿﴾ (سورۃ ص 12:23) ''اور تمام معمار اور غوطہ خور دیو آپ کے تابع کر دیئے۔''

یعنی کچھ وہ جن تھے جو فنِ تعمیر میں ماہر تھے بڑی بڑی عمارات بہت جلدی تیار کرتے اور کچھ جن دریاؤں سمندروں میں غوطے لگا کر طرح طرح کے موتی، ہیرے، لعل و جواہر نکالتے۔ دریاؤں میں سب سے پہلے موتی نکالنے کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی شروع کیا۔ [2]

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ ''اور (آپ کے تابع کر دیئے) جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں سے

[1] نووی شرح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ، ج 2 ص 58

[2] تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (سورۃ سبا 8:22) ہمارے حکم سے اعراض کرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔''

''محاریب'' جمع ہے محراب کی اور حرب سے لیا ہوا ہے جس کا معنی لڑائی کرنا۔ یہاں محاریب سے مراد وہ محلات ہیں جن کی حفاظت کے پیشِ نظر ان کا مالک دوسروں سے لڑائی کرے۔ اگر وہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ ''تماثیل'' سے مراد پیتل، تانبہ، بلور، سنگ مرمر وغیرہ سے تصویریں بنانا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ:

''كَانَ اتِّخَاذُ الصُّوَرِ فِيْ ذَالِكَ الشَّرْعِ جَائِزًا كَمَا قَالَ الضَّحَّاكُ وَاَبُوالْعَالِيَةِ'' ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویریں بنانا جائز تھا۔ یہی قول حضرت ضحاک اور ابوالعالیہ کا ہے۔''

ایک شریعت کے مسائل کو دوسری شریعت میں اس وقت تک ثابت نہیں کیا جاسکتا جب تک دونوں شریعتوں میں انکا حکم ایک نہ ہو۔

''جفان'' سے مراد وہ برتن جس میں طعام ڈالا جائے۔ ایسا برتن جس میں اتنا طعام آئے کہ جو ایک شخص کو سیر کر سکے۔ اسے ''صُحَيْفَة'' کہا جاتا ہے اور جو دو یا تین آدمیوں کو سیر کر سکے اس ''مِئْكَلَة'' کہا جاتا ہے اور جو پانچ آدمیوں کو سیر کر سکے اس ''صَحْفَة'' کہا جاتا ہے اور جو دس آدمیوں کو سیر کر سکے اسے ''قَصْعَة'' کہا جاتا ہے اور جفان مطلقاً برتن کو کہا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ لیکن یہاں کالجواب کہہ کر ثابت کر دیا کہ وہ بڑے حوضوں کی طرح لگن بناتے تھے جس میں سے ایک ہزار آدمی سیر ہو کر کھانا کھا لیتے تھے۔ ''قدور راسیات'' بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے جن کے نیچے پائے ہوتے تھے۔ بہت بڑی ہونے کی وجہ سے انہیں اتارا نہیں جاتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کا وصال:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ (سورۃ سبا 8:22) ''پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا۔ پتہ نہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آئے تو جنوں جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔''

جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے انسانوں پر اپنا رعب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی

باتیں بتاتے جن کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا پھوڑا ہے میں پھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہمکنار کیا جب وہ عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے۔ آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے اور آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے۔ وہ آپ کو کھڑا ہوا دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ وسلامت ہیں۔ ذرا غفلت برتی تو کھال ادھیڑ لیں گے۔ اسی طرح پورا سال گزر گیا۔ حکمِ الٰہی سے دیمک نے عصا کو چاٹنا شروع کر دیا۔ نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آرہے۔ تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا اور وہ تو عرصہ سے وفات پا چکا ہے۔ تو اب ان کے دعوی کی حقیقت فاش ہو گئی۔ نیز وہ لوگ جو ان جنات کی غیب دانی کے دعوی کو سچا سمجھ رہے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعوی میں سراسر جھوٹے ہیں۔

تبینت کا فاعل یا تو جن ہیں یعنی تمام جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کے سردار جو غیب دانی کی لافیں مارا کرتے تھے وہ بالکل جھوٹے تھے۔ اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو وہ سال بھر اپنی جان کو اس مصیبت میں نہ ڈالے رکھتے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر حقیقت کھل گئی کہ جنات کو غیب کا کوئی علم نہیں۔

جنات کے سرِ غرور کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شانِ نبوت کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور وہ اونگھ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ پھر موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے۔ جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں لیکن یہاں آپ سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے چہرہ اسی طرح پھول کی طرح شگفتہ رہا بدن بالکل تروتازہ رہا تعفن اور بوسیدگی (جسم کا بدبودار ہونا اور گل سڑ جانا) تو کجا لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا۔ نہ موسمِ گرما کی حدت لو اور حبس نے جسدِ اطہر کو متاثر کیا اور نہ موسمِ سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا کہ نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ وجلال تو تم دیکھتے رہے اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شانِ رفیع کو دیکھو۔

"دَآبَّةُ الْاَرْضِ" دیمک ۔مِنْسَاَةٌ عصا۔ یہ لفظ نَسَأْتُ الْغَنَمَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی میں نے ریوڑ کو ہانک دیا اسی سے منساۃ لیا گیا ہے یعنی ہانکنے کا آلہ (عصا)۔ [1]

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 4، ص 117-115

موت العالم موت العالم:

{مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ} ''عالم کی موت جہان کی موت ہے۔''

آج بروز جمعرات 1996 بمطابق ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ سحری کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ جب قلمبند کر رہا تھا اسی وقت استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا اسرار الحق حقانی قدس سرہ (راولپنڈی) کا وصال ہو گیا۔ صبح مدرسہ (جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی) پہنچنے پر استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا سید غلام محی الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی نے خبر دی کہ قاضی صاحب کا وصال ہو گیا ہے تو بہت زیادہ پریشانی ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت پر صابر و شاکر رہنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر انوار پر ہزار نعمتیں فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

حضرت حزقیل علیہ السلام

بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تیسرے خلیفہ تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون آئے۔ان کے بعد کالب بن یوقنا خلیفہ بنے اوران کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام آئے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کی کنیت:

آپ علیہ السلام کی کنیت ''ابن العجوز'' تھی۔''عجوز'' بڑھیا عورت کو کہا جاتا ہے۔آپ کی یہ کنیت رکھنے کی وجہ یہ تھی:

"لِاَنَّ اُمَّہٗ کَانَتْ عَجُوْزًا فَسَاَلَتِ اللّٰہَ تَعَالٰی الْوَلَدَ بَعْدَ مَا کَبُرَتْ وَعَقِمَتْ فَوَھَبَ اللّٰہُ لَھَا حِزْقِیْلَ"

''آپ کی والدہ بڑھاپے کی عمر میں تھیں تو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اولاد کا سوال کیا حالانکہ وہ عمر بانجھ ہونے کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اوران کو بیٹا ''حزقیل'' عطا کردیا۔''

اسی وجہ سے ان کی کنیت ''ابن العجوز'' (بڑھیا کا بیٹا) ہوگئی۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب:

آپ کا لقب ''ذوالکفل'' تھا۔

"وَیُقَالُ لَہٗ ذُوالْکِفْلِ سُمِّیَ بِہٖ لِاَنَّہٗ تَکَفَّلَ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا اَنْجَاھُمْ مِنَ الْقَتْلِ" [1]

''ان کو ذوالکفل اس وجہ سے کہا جاتا تھا کیونکہ انہوں نے ستر نبیوں کی کفالت کی اوران کو قتل سے بچایا۔''

یہ بھی واضح ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی رہے جو مختلف خطوں میں مقرر رہے اسلئے ستر نبیوں کی کفالت پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

---

[1] تفسیر خازن بحوالہ تفسیر نجوم الفرقان ج 6 ص 36-35 مطبوعہ جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی

تنبیہ: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی ''ذوالکفل'' کا صراحۃً ذکر کیا لیکن وہ اور نبی ہیں۔اس سے مراد حضرت حزقیل نہیں کیونکہ آپ نام سے زیادہ مشہور تھے لقب سے زیادہ مشہور نہیں تھے۔مشہور ''حضرت ذوالکفل'' کا ذکر پہلے گزر پہلے چکا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾
(سورۃ البقرہ 16:2)

''اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ! پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے اپنی قوم کو جہاد کرنے کے لئے کہا تو گھروں سے باہر نکل کر وہ کہنے لگے: ہم تو اس زمین میں نہیں جائیں گے جہاں تم ہمیں لے جانا چاہتے ہو کیونکہ وہاں وباء پھیلی ہوئی ہے۔جب وباء (طاعون) وہاں سے زائل ہو جائے گی تو پھر ہم جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ان تمام پر جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اپنے علاقہ میں ہی شہر سے باہر موت کو مسلط کر دیا۔وہ آٹھ دن تک اسی حال میں رہے یہاں تک کہ ان کے جسم پھول گئے۔دوسرے علاقہ کے بنی اسرائیل کو جب ان کی موت کا علم ہوا تو وہ ان کو دفن کرنے کے لئے آئے لیکن ان کی بدبو کی وجہ سے وہ انہیں دفن کرنے سے عاجز آگئے اسلئے انہوں نے ان کے اردگرد ایک دیوار بنادی۔

ایک اور روایت میں اسی طرح ذکر ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت جہاد دی لیکن انہوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور جہاد میں شرکت کو ناپسند سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو مسلط کر دیا جب ان میں سے کثرت سے موتیں واقع ہونے لگیں تو انہوں نے اپنے شہروں سے موت کے ڈر کی وجہ سے بھاگنا شروع کر دیا جب ہزاروں کی تعداد میں شہروں سے باہر نکلے ہی تھے تو حزقیل علیہ السلام نے دعا کی۔

''اَللّٰهُمَّ اِلٰهَ یَعْقُوْبَ وَاِلٰهَ مُوْسٰی تَرٰی مَعْصِیَةَ عِبَادِكَ فَاَرِهِمْ اٰیَةً فِیْ اَنْفُسِهِمْ تَدُلُّهُمْ عَلٰی نِفَاذِ قُدْرَتِكَ وَاَنَّهُمْ لَا یَخْرُجُوْنَ عَنْ قَبْضَتِكَ فَاَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْمَوْتَ''

''اے اللہ! اے یعقوب علیہ السلام کے خدا اور اے موسیٰ علیہ السلام کے خدا! تو اپنے بندوں کی نافرمانی دیکھ رہا ہے تو انہیں اپنی کوئی نشانی دکھا جس سے انہیں تیری قدرت کا پتہ چل جائے کہ وہ تیرے قبضۂ قدرت سے نہیں نکل سکتے۔تو آپ کی اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم پر موت مسلط کر دی وہ ہزاروں کی تعداد میں شہر سے نکلے ہی تھے کہ مر گئے۔''

حضرت حزقیل علیہ السلام نے جب ہزاروں کی تعداد میں اپنی قوم کے افراد کو مرا ہوا دیکھا تو آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔

خیال ہوا کہ یہ دوبارہ زندہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے حزقیل! تم ہڈیوں کو کہو: اے ہڈیو! تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم جمع ہو جاؤ۔ آپ کے کہنے پر وہ تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مل کر جسموں کے ڈھانچے مکمل ہو گئے لیکن ابھی تک ان میں گوشت اور خون نہیں تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اب تم یہ کہو: اے جسمو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اب اٹھ کھڑے ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پھر سے زندہ کر دیا۔

جب وہ زندہ ہو کر اٹھے تو کہہ رہے تھے۔ {سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ} زندہ ہونے کے بعد بھی ان پر اثرات موت باقی رہے' یہاں تک کہ جس طرح موت کے وقت ان کا رنگ زرد ہوا تھا اسی طرح زرد ہی رہا۔

"وَبَقِيَ فِيْهِمْ شَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ النَّتْنِ وَبَقِيَ ذٰلِكَ فِيْ اَوْلَادِهِمْ اِلٰى هٰذَا الْيَوْمِ" ''اور ان کے مرنے کی وجہ سے جو ان کے جسموں میں بدبو پیدا ہوئی تھی' وہ ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی باقی رہی بلکہ آج تک ان کی اولاد میں بھی بو پائی جاتی ہے۔''

خیال رہے کہ موت کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا۔ اس پر اوامر و نواہی ختم ہو جاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو زندہ کرنے کے بعد بھی مکلف بنایا گیا کیونکہ یا تو انہیں موت کے وقت سکراتِ موت اور موت کی وجہ سے لاحق ہونے والی ہولناکیاں نہیں حاصل ہوئی تھیں۔ یا یہ چیزیں تو حاصل ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلا دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ کسی چیز کو ذہنوں سے مٹانے پر بھی قادر ہے اور یا یہ وجہ ہے کہ یہ موت ان پر بطور سزا عادت کے خلاف ان پر مسلط کی گئی تھی' اس لئے اس پر احکام موت جاری نہیں کیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں زندہ کرنے کے بعد بھی مکلف بنایا گیا۔

"وَقَدْ رُوِيَ اَنَّ هٰذَا الْاِحْيَاءَ اِنَّمَا وَقَعَ فِيْ زَمَانِ حِزْقِيْلَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِبَرَكَةِ دُعَائِهٖ" ❶ ''اور تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا اور یہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے۔''

فائدہ: انسان موت سے بھاگ نہیں سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ (سورۃ الاحزاب 17:22) ''فرما دیجئے: ہرگز تمہیں موت سے بھاگنا نفع نہیں دے سکتا خواہ موت سے بھاگو یا قتل سے موت اپنے وقت میں آ کر رہتی ہے۔''

اس میں دیر یا سویر نہیں۔ یہ ہمارے خیالاتِ باطلہ ہیں کہ فلاں کو موت بے وقت آ گئی' فلاں شخص کاش سفر نہ کرتا تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ موت کے وقت انسان نے موت کے منہ میں جانا ہی ہوتا ہے۔

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12 حصہ اول' ص 16 ..... تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 6' ص 175-174

حضرت اشموئیل علیہ السلام

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾ (سورۃ بقرہ 16:2)

''اے محبوب! کیا تم نے دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا جب اپنے ایک نبی سے بولے: ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردو کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں نبی نے فرمایا: کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو؟ بولے: ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے وطن اور اپنی اولاد سے تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں سے تھوڑے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔''

''الملاء'' قوم کے بڑے سرکردہ لوگ ان کے بڑے لوگوں کو ''ملاء'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ:

''لِاَنَّ هَیْبَتَهُمْ تَمْلَأُ الصَّدْرَ اَوْ لِاَنَّهُمْ یَتَمَالَئُوْنَ اَیْ یَتَعَاوَنُوْنَ'' ''ان کا رعب دوسرے لوگوں کے سینوں کو بھر دیتا تھا یا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دوسروں سے تعاون کرتے تھے۔''

موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام آئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات ان میں قائم کرتے رہے اور تورات کے مطابق عمل کرنے کی تبلیغ فرماتے رہے۔ ان کے بعد ''کالب'' اور ان کے بعد ''حزقیل'' اور ان کے بعد ''الیاس'' اور ان کے بعد ''الیسع'' علیہم السلام آئے۔ ان حضرات کے بعد بنی اسرائیل پر ان کے دشمن جالوت کی قوم عمالقہ کے لوگ غالب آگئے۔ اس وقت بنی اسرائیل بحر روم یعنی مصر اور فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ بنی عمالقہ نے ان کے کئی شہروں پر قبضہ کرلیا اور ان کے بڑے بڑے رئیسوں کے بیٹے چار سو چالیس کی تعداد میں قیدی بنا لئے۔ اور ان پر جزیہ مقرر کردیا اور ان کی تورات بھی لے گئے۔ اس وقت ان کے کوئی نبی نہیں تھے جو ان کے معاملات کی تدبیر کرتے۔ خاندانِ نبوت کے سب لوگ وفات پا چکے تھے۔ صرف ایک عورت خاندان نبوت سے زندہ تھی جو حاملہ تھی دعا کرتی رہتی تھی۔ ''اشمویل'' (اے اللہ اسن) یعنی اے اللہ دعا قبول کر۔ عبرانی زبان میں {اشمو} کا معنی ''سن'' اور {ایل} کا معنی ''اللہ''۔

بچہ پیدا ہونے پر یہی نام رکھا۔ جب بچہ بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو تورات دی اور بیت المقدس کی خدمت پر مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت عطا فرمائی۔ جب وہ نبی بن کر اپنی قوم میں آئے تو قوم نے کہا: کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو جس کی زیر قیادت ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا: تم وعدہ کو پورا نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا: کہ ہم ضرور جہاد کریں گے۔ ہمیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے۔ ہماری اولاد کو قیدی بنایا گیا ہے۔ اولاد سے مراد ان کے آباء کی اولاد تھی۔ یا وہ بڑی عمروں کے تھے اور ان کی اپنی ہی اولاد ہو۔ (واللہ اعلم)

لیکن جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا تھا ایسے ہی ہوا کہ وہ سب لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے تھے۔ صرف تین سو تیرہ تھے جو ثابت قدم رہے تھے۔

خیال رہے کہ اس واقعہ میں جس نبی کا ذکر ہے ان کے نام میں اختلاف اگرچہ ہے لیکن علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

كَانَ اِسْمُ ذٰلِكَ النَّبِيِّ اِشْمُوْئِيْلَ مِنْ بَنِيْ هَارُوْنَ وَاسْمُهٗ بِالْعِبْرِيَّةِ اِسْمٰعِيْلَ وَهُوَ قَوْلُ الْاَكْثَرِيْنَ"

"اللہ تعالیٰ کے اس نبی کا نام {اشمویل} تھا۔ عبرانی زبان میں "اسماعیل" کہا جاتا ہے یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی اکثر اہل علم قول ہے۔"

بادشاہ کے لئے طالوت کا انتخاب:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ (سورۃ بقرہ 2:16)

"اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ بولے: اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ فرمایا: اسے اللہ تعالیٰ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔"

طالوت کا انتخاب کیسے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتایا کہ قوم جس امیر کا مطالبہ کر رہی ہے اور آپ دعاء بھی کر رہے ہیں۔ اس کی دو نشانیاں ہیں:

①: ایک یہ ہے آپ اپنے عصا سے قد کی پیائش کریں جس شخص کا قد اس عصا کے برابر ہو وہی ان کا امیر اور سپہ سالار ہوگا۔

②: دوسری نشانی یہ ہے کہ آپ کے پاس جو سینگ بطور بوتل استعمال ہوتا ہے اس میں تیل جب خود ہی کسی شخص کے آنے

پر چھلک پڑے وہی ان کا امیر ہوگا۔

طالوت کے جانور گم ہوگئے تھے' وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ ان کے ساتھ ایک دوست بھی تھا۔ اس نے کہا: ہم اگر اس نبی کے گھر جائیں اور جانوروں کے ملنے کے لئے دعاء کرائیں یا ان سے راہنمائی طلب کریں تو ہوسکتا ہے کہ ہمیں جانور مل جائیں۔ طالوت نے کہا: ٹھیک ہے' جب وہ اللہ کے نبی کے گھر گئے تو سینگ میں تیل خود ہی چھلک پڑا۔ قد ناپنے پر طالوت کا قد بھی عصا کے برابر پایا گیا۔ اللہ کے نبی نے دونوں نشانیوں کو جب طالوت میں پایا تو قوم میں اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارا امیر ''طالوت'' کو بنا دیا۔ [1]

قوم کا جواب: پہلے انہوں نے خود ہی اللہ تعالیٰ کے نبی سے سوال کیا کہ ہمیں کوئی بادشاہ عطا کریں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ منتخب کیا ہے' اب اس کا انکار کرنے لگے کہ یہ کیسے ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ ان کا اسے بعید سمجھنا دو وجہ سے تھا۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل میں نبوت لاوی بن یعقوب کی اولاد میں آرہی تھی اسی خاندان سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام تھے اور بادشاہت یہودا کی اولاد میں آرہی تھی۔ اس خاندان سے داؤد اور سلیمان علیہ السلام تھے چونکہ طالوت ان دونوں قبیلوں میں سے ایک سے بھی نہیں تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ طالوت ایک غریب شخص تھے۔ رنگ ساز تھے یا ماشکی تھے۔ لہٰذا انہوں نے کہا: {وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط} ''اسے تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی'' وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نبی نے جواب دیا کہ طالوت بادشاہت کا مستحق اسلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مختص کر دیا ہے اور تم سے زیادہ اسے پسند کر کے چن لیا ہے اور ملک اللہ تعالیٰ کا ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ اور اس کے انتخاب میں اعتراض کرنا' صاحب عقل کا کام نہیں۔ اور ظاہر چیز جسے تم بھی سمجھ سکتے ہو وہ یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے علم اور جسمانی طاقت زیادہ ہونی چاہئے یہ دونوں چیزیں طالوت کو تم سے زیادہ حاصل ہیں' اسی وجہ سے وہ بادشاہت کا مستحق ہوا۔

علم اور طاقت باشاہت کے اسباب کیوں؟

علم اور طاقت حقیقی کمالات ہیں' مال اور مرتبہ ظاہری کمالات ہیں۔ یہ واضح ہے کہ حقیقی کمالات کو برتری حاصل ہے۔ اسی طرح علم اور قدرت انسان کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں لیکن مال اور مرتبہ آنی جانی چیزیں ہیں' کبھی حاصل ہوگئیں اور کبھی زائل ہوگئیں۔ ان کا انسان کی ذات سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ یہ صفات عارضہ ہیں۔ علم اور قدرت انسان سے زائل ہونے والی چیزیں نہیں اور مال و مرتبہ زائل ہونے والی چیزیں ہیں۔ تو یقیناً علم اور قدرت کو برتری حاصل ہے۔

اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نظامِ مملکت چلانے اور جنگوں کے طریقہ کار کا علم رکھتا

[1] خازن' روح المعانی' بحوالہ تفسیر نجوم الفرقان' شیخ الحدیث علامہ بھترالوی مدظلہ العالی' ج 6 ص 66-67

ہو۔ جنگی تدابیر کو جانتا ہو کہ کسی طرح کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور اسے یہ قدرت حاصل ہو کہ دشمنوں کے شر سے قوم کو بچا سکے اور شہر حدود کی حفاظت کر سکے۔ انہی تمام وجوہ کے پیشِ نظر بادشاہت کا استحقاق علم وقدرت پر ہے' مال اور مرتبہ پر نہیں۔

عورت اور بادشاہت:

جب یہ واضح ہو چکا ہے کہ حاکم صاحب علم اور بہادر ہونا چاہئے تو اس سے خود بخود یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ کم عقل قوم کو حاکم بنانا بے وقوفی نادانی حماقت ہے۔ ❶

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کو عیدگاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے' راستے میں عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ زیادہ کیا کرو۔ میں بہت سی عورتوں کو جہنمی دیکھ رہا ہوں۔ عورتوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو' پھر آپ نے فرمایا:

"مَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِيْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاكُنَّ" "میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی اور کو ایسا نہیں دیکھا کہ عقل اور دین میں بھی کم ہو لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلوں کو ضائع کر دے۔"

عورتوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور ہماری عقلوں میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ایک عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف کے برابر نہیں؟ عورتوں نے عرض کی: ہاں یارسول اللہ! ایسے ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عقل کی کمی ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ تم حیض کے دنوں میں نماز اور روزہ ادا نہیں کر سکتی؟ عورتوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔ ❷

سبحان اللہ! جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے عقل کہہ دیں وہ حکومت کے منصب پر فائز ہو کر بھی بیوقوف ہی رہے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ کو یہ خبر ملی کہ اہلِ فارس نے بنتِ کسریٰ کو اپنی ملکہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا: {لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمُ امْرَاَةً} "وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے عورت کو اپنا حاکم بنا لیا۔" ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے امراء تم سے نیک ہوں اور تمہارے

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2 حصہ اول ص 167 .... تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 6' ص 185

❷ بخاری و مسلم' مشکوۃ المصابیح باب الایمان ج 1 ص 13 ❸ مشکوۃ کتاب الامارۃ ج 2 ص 321

اغنیاء سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے طے ہوں تو تمہارے لئے زمین کا اوپر کا حصہ نیچے سے بہتر ہے (زندہ رہنا بہتر ہے) اور اگر تمہارے امراء (حکام) شریر ہوں اور تمہارے غنی کنجوس ہوں:

"وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَآءِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا" ❶ "اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو تمہارے لئے زمین کا اندرونی حصہ ظاہر سے بہتر ہے۔ (مرجانا بہتر ہے) یعنی مرجانا زندہ رہنے سے بہتر ہے۔"

طالوت کی بادشاہت پر تابوت کا بطور نشانی آنا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(سورۃ بقرہ 16:2)

"اور کہا: انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰ اور اولادِ ہارون علیہم السلام۔ اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے' بے شک اسمیں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان دار ہو۔"

جب اللہ تعالیٰ کے نبی نے اپنی قوم کو بتایا کہ حکومت کے لئے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم وشجاعت ہے اور دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔.......... بائیبل میں ہے کہ

"یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے' اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ رب العزت نے خود اسے تمہاری قیادت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ تمہیں اس کی عطاء وبخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔"

بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجئے! کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس وقت ان کے نبی نے فرمایا: اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں تمہاری تسکین وطمانیت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے اور جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے اور تمہیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اگر تم میں ایمان ہے تو اس سے بڑھ کر تمہیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جب فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہوئے جس پر تابوت رکھا تھا' بنی اسرائیل کے

---

❶ ترمذی' مشکوۃ باب تغیر الناس ج 2 ص 459 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

پاس لے آئے تو اب انہیں طالوت کے بادشاہ بننے کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ نیز انہیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وہ یقیناً فتحیاب ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کے تبرکات والا صندوق جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ (پگڑی) تھا' انہیں واپس مل گیا۔

فائدہ: اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔

قوم کی آزمائش:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

(سورۃ بقرہ 17:2)

"پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا' بولا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پیئے وہ میرا نہیں اور جو اس کا پانی نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو ہاتھ سے لے لے' تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے اور پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں (کے ساتھ جنگ) کی' بولے: وہ جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔"

جب طالوت کی حاکیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی آ گئی تو بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا وہ ان کی زیر قیادت میدان جنگ میں نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ طالوت نے اعلان کیا: جو لوگ اپنے مکانوں وغیرہ کی تعمیر میں مشغول ہوں' ابھی تک تعمیر سے فارغ نہ ہوئے ہوں' وہ میرے ساتھ نہ نکلیں اور تاجر جو تجارت میں مشغول ہوں' وہ بھی میرے ساتھ نہ نکلیں اور جنہوں نے نئی نئی شادیاں کی ہوں اور ابھی جماع نہ کر چکے ہوں' وہ بھی میرے ساتھ نہ چلیں۔ میرے ساتھ چلنے والے صرف نوجوان'

● تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 1' ص 172

پھر تیلے اور تمام دنیاوی حاجات سے فارغ ہونے چاہئیں۔ مقصد یہ تھا کہ میدان جنگ میں جا کر کسی کو بھی گھر کی یاد نہ آئے کہ میں نے فلاں کام کرنا تھا' جو مکمل نہیں ہوا تھا۔

حضرت طالوت جب بہت بڑا لشکر لے کر شہری حدود سے باہر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے نبی اشمویل علیہ السلام نے یا حضرت طالوت نے لشکر کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرے دین پر نہیں اور جس نے اس کا پانی نہ پیا' وہی میرا مطیع ہوگا اور میرے دین پر قائم ہوگا۔ ہاں! صرف چلّو بھر پانی اس سے لینے کی اجازت ہو گی۔ یہ آزمائش انکے لئے بہت سخت تھی کیونکہ ان پر پیاس کی شدت کا غلبہ تھا۔ پانی کو دیکھ کر صبر کرنا ان کے لئے بہت دشوار تھا۔ تمام لشکر والوں نے اس سے پانی پی لیا۔ صرف تین سو تیرہ تھے جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے۔ انہوں نے صرف ایک چلّو پانی پی لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس چلّو بھر پانی میں اتنی برکت رکھ دی تھی کہ انہیں وہی کافی ہوا اور وہی چلّو ان کے خادموں اور ان کی سواریوں کو بھی کافی ہو گیا۔

"وَهٰذِهٖ كَانَ مُعْجِزَةً لِنَبِيِّ ذَالِكَ الزَّمَانِ كَمَا اَنَّهٗ تَعَالٰى كَانَ يُرَوِّى الْخَلْقَ الْعَظِيْمَ مِنَ الْمَاءِ الْقَلِيْلِ فِىْ زَمَانِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"[1]

"یہ اس وقت کے نبی کا معجزہ تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھوڑے پانی سے بہت بڑی مخلوق کو سیراب کرتا رہا یہ کئی مرتبہ ہوا۔"

جو لوگ آزمائش میں ناکام ہو گئے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے احکام کے نافرمان ہو گئے' وہ بزدل ہو گئے اور کہنے لگے: ہم تو آج جالوت اور اس کے لشکر سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کو نہ تسلیم کرنے کی وجہ سے انسان کافروں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ آج تمام اسلامی ممالک کفار سے ڈر کر زندگی گزار رہے ہیں۔ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت عطاء کی کہ انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کر لیا اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ موت تو ایک دن آنی ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جان دے کر جاودانی زندگی کیوں نہ حاصل کی جائے؟ جب کہ ایک دن رب سے ملاقات بھی کرنی ہے تو کامیابی کی ملاقات ہو اس سے ثواب ملے اور اس کی رضاء حاصل ہو۔ وہ ملاقات کیا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب حاصل ہو؟ انہیں یقین کا وہ اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا کہ کہنے لگے: کہ کتنی تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ بے شک زیادہ لوگ ہم سے پھر چکے ہیں' ہم تھوڑے رہ گئے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں امداد حاصل ہو گی تو ہم ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 6' ص 194

قوم کو آزمانے کی وجہ:

قوم بنی اسرائیل کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے نبی کی مخالفت ہی کرتے تھے۔ اس لئے انہیں آزمایا گیا کہ صدیق اور زندیق، مطیع اور عاصی میں فرق ہو جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں ان کو ساتھ لیا جائے، مخالفین کو ساتھ نہ لیا جائے۔ اس لئے کہ دشمن کے مقابلے میں جانے سے پہلے ہی پیچھے ہٹ جانا، دوسرے مسلمانوں کے لئے زیادہ پریشانی کا سبب نہیں تھا لیکن دشمن کے مقابلہ میں جا کر اگر وہ بھاگ آتے تو بہت بڑی پریشانی کا سبب ہوتا اور بھاگنے والوں کو بھی زیادہ ذلت ہوتی۔ ❶

داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ...... ﴿﴾ (سورۃ بقرہ 2:17)

''اور قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو اور اللہ تعالیٰ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا۔''

حضرت داؤد علیہ السلام بکریاں چراتے تھے۔ آپ گلاخن (پتھر پھینکنے کا آلہ) کے ذریعے بھیڑیوں اور شیروں کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کے سات بھائی طالوت کے ساتھ میدان جنگ میں تھے۔ جب ان کو خبر پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی کہ کس حال میں ہیں تو آپکو آپ کے باپ ''ایشا'' نے بھیجا کہ جاؤ اور بھائیوں کی خبر لاؤ۔ آپ علیہ السلام آئے تو دیکھا کہ بھائی جنگ کرنے کے لئے ایک صف میں کھڑے ہیں۔ اور جالوت بنی اسرائیل کو کہہ رہا ہے کہ اگر تم حق پر ہو تو میرے مقابلہ کے لئے کوئی نکلے۔ داؤد علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا: تم اس غیر ختنہ شدہ (کافر) کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن اس کی بہادری کے پیشِ نظر کوئی اس کے مقابل جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام جب دوسری صف میں گئے تو دیکھا طالوت لوگوں کو جالوت کے قتل کرنے پر ابھار رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کہا: جو اسے قتل کرے، اس سے تم کیا سلوک کرو گے؟ طالوت نے کہا: اسے اپنی بیٹی نکاح میں دوں گا اور آدھی بادشاہی دوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں نے آواز دے کر کہا تھا کہ ہمیں اٹھا لو، جالوت کا قتل ہم میں ہے۔ آپ نے وہ پتھر اٹھا لئے تھے۔ ایک پتھر جالوت کے سینے پر مارا وہ قتل ہو گیا آپ نے کئی اور لوگوں کو بھی قتل کیا۔ اس طرح جالوت اور اس کے لشکر کو شکست ہوگئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی اور نبوت عطا کر دیا۔ ❷

---

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 6، ص 195
❷ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 6، ص 201

حضرت عزیر علیہ السلام

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

(سورۃ بقرہ 3:3)

"یا (کیا آپ نے نہیں دیکھا) مثل اس کے جو گزرا اوپر بستی کے حالانکہ وہ گری ہوئی تھی اوپر چھتوں کے؟ آپ نے کہا: کہ کیسے زندہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی (مردہ رکھا) سو برس' پھر اٹھایا اسے' کہا: کتنا ٹھہرا؟ تو کہا: ٹھہرا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا۔ کہا: بلکہ ٹھہرے ہو تم سو برس۔ پس دیکھو تم اپنے کھانے اور پینے کی طرف اب تک بو نہ لایا اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہیں رہیں) اور تا کہ کریں ہم آپ کو نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھو گدھے (کی ہڈیوں) کی طرف کیسے اٹھاتے ہیں ہم ان کو؟ پھر پہناتے ہیں ہم ان کو گوشت۔ پس جب ان پر معاملہ ظاہر ہوا تو کہا: میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

بنی اسرائیل بیت المقدس میں آباد تھے۔ جب وہ اپنے گناہوں' نافرمانی' فسق و فجور میں حد سے تجاوز کر گئے اور اپنے نبی کی اطاعت نہ کی تو بخت نصر نے بیت المقدس پر سخت حملہ کیا اور قبضہ کر لیا۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے ساتھ چھ لاکھ علمبردار (جھنڈے اٹھانے والے) تھے اور ہر جھنڈے کے نیچے بے شمار فوج تھی۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر ڈالا۔ تورات شریف کے تمام نسخے جلا دیئے۔ بنی اسرائیل کے تقریباً ایک تہائی لوگوں کو قتل کر دیا اور ایک تہائی لوگوں کو شام کے علاقہ میں بہت ذلت سے رکھا۔ اور ایک تہائی کو قیدی بنا لیا یعنی بنی اسرائیل کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ان قیدیوں میں حضرت عزیر اور دانیال علیہما السلام بھی تھے' جو اس وقت بچپن کی عمر میں تھے۔

بہت عرصہ کے بعد جب کچھ لوگ قید سے آزاد ہوئے تو ان آزاد ہونے والوں میں عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ عزیر علیہ السلام

بیت المقدس سے گزرے جو اس وقت برباد ہو چکا تھا' آپ ادھر ادھر پھرے لیکن آپ کو کوئی نظر نہ آیا۔ البتہ باغوں میں مختلف قسم کے درخت پھلوں سے بھرے ہوئے تھے' پھلوں کا کھانے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے کچھ انجیر اور انگور توڑ کر کھائے اور ان کا رس نکال کر پیا اور کچھ انجیر اور انگور توشہ دان میں رکھ لئے اور کچھ رس بھی اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آپ نے ویران آبادی کو دیکھا تو بڑے تعجب سے افسردہ حال میں کہنے لگے: رب اسے پھر زندہ کرے گا؟ اسکی کیسی عظیم قدرت ہوگی؟ سوال رب کی قدرت میں شک کے طور پر نہیں تھا بلکہ اپنے تعجب کا اظہار تھا کہ رب اس بستی والوں کو پھر کیسے زندہ کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرتِ کاملہ پر مطلع کرنا چاہا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے جس گدھے پر سوار تھے اسے باندھا اور اپنے کھانے پینے کے پھل وغیرہ اور انگور کا رس جو نچوڑ کر آپ نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا' انہیں قریب ہی رکھ کر آپ سو گئے۔ سوئے ہوئے حال میں ہی آپ پر موت کو مسلط کر دیا گیا' آپ کا گدھا بھی مر گیا۔ یہ واقعہ تقریباً دوپہر سے پہلے کا ہے۔

جس طرح نمرود کے ناک میں مچھر گھس گیا تھا' ایسے ہی بخت نصر یعنی شداد کی ناک میں بھی مچھر گھس گیا تھا جس سے وہ مر گیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کو آزادی مل گئی۔ تقریباً ستر سال کے بعد فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا تو اس نے بیت المقدس کو پہلے سے بھی بہتر طور پر آباد کر دیا۔ بنی اسرائیل جو بخت نصر کے مظالم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر گئے تھے' پھر بیت المقدس میں آباد ہو گئے' تیس سال تک یہ لوگ کافی حد تک بہتر حالت میں آ گئے اور ان کی نسل میں بھی اضافہ ہو گیا۔ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو زندہ فرما دیا۔

اتنے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا اور آپ کو درندے' پرندے' چرندے وغیرہ بھی اتنا عرصہ نہ دیکھ سکے۔ آپ پر وفات صبح کے وقت دوپہر سے پہلے آئی تھی اور آپ زندہ شام کے وقت ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رب نے آپ سے پوچھا: کتنی دیر یہاں ٹھہرے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا: ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم یعنی آپ کا خیال تھا کہ میں آج صبح ہی یہاں لیٹا ہوں اس لئے پہلے آپ نے ایک دن کہا' پھر خیال کیا کہ ابھی تو ایک دن بھی مکمل نہیں ہوا بلکہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا یہاں سو سال ہو چکے ہیں۔

سبحان اللہ! مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ ایک سو سال عزیر علیہ السلام پر موت طاری رہی جسم مکمل طور پر محفوظ رہا۔ کھانے پینے کی اشیاء جوں کی توں رہیں' اور آپ کے سامنے رب نے گدھے کو زندہ کر کے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دیا۔ گدھے کی ہڈیوں کو حکم ہوا جو آپس میں آ کر مل گئیں۔ آپ کے سامنے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر گدھے کو آواز دی۔ اب تم زندہ ہو جاؤ! وہ زندہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ اب آپ زندہ ہو کر شہر میں آئے تو دیکھا شہر تو پہلے سے زیادہ اچھے طریقہ سے آباد ہے۔ بنی اسرائیل کے نئے نئے لوگ بھی ہیں جو آپ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ آپ پر جب موت مسلط ہوئی تھی اسوقت آپ کی

عمر چالیس برس تک تھی اور اب بھی وہی چالیس برس تھی۔ شہر سے باہر جب آپ گئے تھے' آپ کے بیٹے کی عمر اٹھارہ برس تھی'
اب اس کی عمر ایک سو اٹھارہ برس تھی بلکہ آپ کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ جب اپنے مکان میں تشریف لائے تو
وہاں آپ کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی جو آپ کی لونڈی تھی۔ اب اس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کی وجہ سے
ٹانگیں کمزور ہو چکی تھیں' چلنے سے عاجز ہو چکی تھی' بینائی ختم ہو چکی تھی۔

ایک سو سال گزر جانے کی وجہ سے مکانات کے نقشے بدل چکے تھے۔ نئی نئی تعمیرات کی وجہ سے آپ کو اپنے مکان کا صحیح
تعین نہیں تھا یعنی یہ یقین نہیں تھا کہ یہ ہمارا ہی مکان ہے' اندازے سے گئے تھے۔ جب آپ نے بڑھیا سے پوچھا: کہ عزیر کا یہی
مکان ہے؟ تو وہ رونے لگی اور کہنے لگی اتنے عرصہ بعد عزیر کا نام لینے والا کون ہے؟ وہ تو ایک سو سال سے گم ہو چکا ہے۔ آپ نے
فرمایا: میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک سو سال مردہ رکھ کر زندہ فرما دیا ہے۔ اس بڑھیا نے کہا: کہ اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو
اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ مجھے نظر عطا کرے کہ میں تمہیں دیکھ کر پہچان سکوں اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ عزیر کی دعا قبول فرماتا
تھا۔ آپ کی دعا کے قبول ہونے کی وجہ سے بھی یقین آ جائے گا کہ تم ہی عزیر ہو۔

آپ نے دعاء فرمائی تو اسے نظر مل گئی اور اس کی ٹانگیں بھی ٹھیک ہو گئیں۔ وہ چلنے کے قابل ہو گئی۔ اب اس نے آپ کو
پہچان لیا آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے اور دوسرے اہل خانہ کے پاس لائی کہ عزیر آ گئے ہیں۔ سب لوگ سن کر تعجب کر رہے تھے
کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عزیر سو سال بعد آ گئے ہوں؟ اس بڑھیا نے بتایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ رہے ہو کہ مجھے انکی دعا سے اللہ تعالیٰ نے
نظر عطاء کی' چلنے پھرنے کے قابل بنا دیا۔ آپ کے بیٹے نے کہا: کہ میرے باپ کے دونوں کندھوں کے درمیان سیاہ بال چاند کی
شکل میں تھے۔ جب آپ کے کندھوں کو دیکھا گیا تو اسی طرح بال موجود ہے۔

بخت نصر نے تورات کے تمام نسخے جلا دیئے تھے۔ تورات کسی کو یاد نہ تھی بلکہ پہلی کتب صرف انبیائے کرام کو ہی یاد
ہوا کرتی تھیں۔ لوگوں نے کہا: کہ اگر تم عزیر ہو تو تورات سناؤ؟ آپ نے انہیں تمام تورات لفظ بلفظ لکھوا دی' کسی ایک حرف کا
بھی فرق نہ آنے دیا۔ اس وقت ایک شخص بولا: کہ میں نے دادا سے سنا تھا کہ بخت نصر کے مظالم کی وجہ سے میرے دادا نے
تورات کا ایک نسخہ دفن کر دیا تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس نسخے کے دفن کی جگہ کی نشاندہی بھی فرمائی۔ جب وہ نسخہ نکالا گیا تو
اس کا متابلہ اس نسخہ سے کیا گیا جو آپ نے تحریر کرایا تو کسی ایک لفظ کا بھی فرق نہیں پایا گیا۔ لوگوں نے آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر
آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ} ''یہودیوں نے کہا:
عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔'' (1)

---

(1) روح المعانی' ج 2 حصہ دوم ص 24 .... تفسیر ابی السعود' ج 1 ص 255 .... تفسیر خازن' ج 1' ص 279 ...... تفسیر جمل

(1) روح البیان' علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ ج 1' ص 508 .... تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ

حضرت دانیال علیہ السلام

آپ علیہ السلام کی ولادت بخت نصر کی بادشاہی کے زمانہ میں ہوئی۔ بخت نصر جب بادشاہ بنا تو اسے کاہنوں نے خبر دی کہ تیری بادشاہی میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری بادشاہی کے زوال کا سبب بنے گا تو اس نے پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ جو بچہ پیدا ہوتا اسے ہی قتل کرا دیا جاتا۔ جب حضرت دانیال علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کے ماں باپ نے انہیں جنگل میں چھوڑ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ بچہ قتل ہونے سے بچ جائے: {فَقَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ اَسَدًا يَحْفَظُهٗ وَلَبُوَةً تُرْضِعُهٗ وَهُمَا يَلْحَسَانِهٖ} ''تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر اور ان کو دودھ پلانے کے لئے ایک شیرنی کو مقرر کر دیا۔ وہ دونوں ان کو اسی طرح چاٹتے تھے جیسے جانور اپنے بچوں کو چاٹتے ہیں۔'' [1]

قدرتی طور پر ان کی تصویر ایک نگینے پر ثبت ہو چکی تھی۔ اسی حال میں آپ کو شیر اور شیرنی چاٹ رہے تھے' وہ نگینہ ایک انگوٹھی میں لگا دیا گیا۔

اتفاقی طور پر وہ انگوٹھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تصویر تو دانیال علیہ السلام کی ہے جن کو شیر اور شیرنی چاٹ رہے ہیں تو اس منظر کو جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہوگئی کہ انبیاء کرام پر کتنی بڑی آزمائشیں آئیں' جن میں وہ کامیاب بھی ہوئے اور مصائب میں ہی انبیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات لوگوں تک پہنچائے۔ وہ انگوٹھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دے دی۔

مسئلہ: تصویر چھوٹی ہو یا بڑی وہ ذی روح چیز کی تصویر مصور (تصویر بنانے والا) تو گنہگار ہے لیکن اتنی چھوٹی تصویر ہو جو زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو مذکر اور مؤنث میں تمیز نہ ہو سکے تو ایسی تصویر رکھنا حرام نہیں کیونکہ چھوٹی تصویروں

---

[1] تفسیر روح البیان' علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ' ج

کی عبادت نہیں کی جاتی۔

"اِنَّ دَانِیَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ طُرِحَ فِی الْجُبِّ وَاُلْقِیَتْ عَلَیْہِ السِّبَاعُ فَجَعَلَتِ السِّبَاعُ تَلْحَسُہٗ وَتُبَصْبِصُ اِلَیْہِ فَاَتَاہُ رَسُوْلٌ فَقَالَ: یَا دَانِیَالُ فَقَالَ: مَنْ اَنْتَ؟ قَالَ: اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکَ اِلَیْکَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْکَ بِطَعَامٍ فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَنْسٰی مَنْ ذَکَرَہٗ"

"بے شک دانیال علیہ السلام کو ایک مرتبہ گڑھے میں پھینک دیا گیا اوران پر درندوں کو مسلط کر دیا۔ درندے ان کو چاٹنے لگے اور دم ہلانے لگے تو آپ کے اللہ کا بھیجا ہوا آیا تو اس نے کہا: اے دانیال: تو آپ نے جلدی سے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں تمہارے رب کا تمہاری طرف بھیجا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے تمہارے لئے کھانا دے کر بھیجا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جو اس سے نہیں دور ہوتا جو اسے یاد کرے۔"

دانیال علیہ السلام کے وسیلہ سے بارش کا برسنا:

البدایہ والنہایہ میں بروایت یونس بن بکیر حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم نے قلعہ تُستر فتح کیا تو ہرمزان کے گھر کے مال ومتاع میں ایک تخت پایا جس پر ایک آدمی کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے قریب ایک مصحف تھا۔ ہم نے وہ مصحف اٹھا کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے اس کو عربی میں لکھ دیا۔ عرب میں میں پہلا آدمی ہوں جس نے اس کو پڑھا۔ میں نے قرآن کی طرح پڑھا' ابو خالد بن دینار کہتے ہیں: میں نے ابوالعالیہ سے کہا: اس میں کیا تھا؟ انہوں نے کہا: تمہارے احوال وامور اور تمہارے کلام کے لہجے اور آئندہ ہونے والے واقعات۔ میں نے کہا: تم نے اس آدمی کا کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم نے دن کے وقت متفرق طور پر تیرہ قبریں کھودیں' جب رات ہوئی تو ہم نے انہیں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں سے مخفی رہیں اور کوئی قبر سے نکال نہ پائے۔ میں نے انہیں کہا: ان سے لوگوں کی کیا امیدیں وابستہ تھیں۔ انہوں نے کہا: جب بارش رک جاتی تھی تو لوگ ان کے تخت کو باہر لے آتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی۔ میں نے کہا: تم اس رجل مبارک کے متعلق کیا گمان رکھتے تھے کہ وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ انہیں دانیال کہا جاتا تھا۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی دعا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ دَانِیَالَ دَعَا رَبَّہٗ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَّدْفِنَہٗ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دانیال علیہ السلام نے اپنے

---

(1) ماخوذ از کفایہ شرح ہدایہ بحوالہ جواہر السنایہ حاشیۃ الہدایہ' ج 1' ص 178 مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

(2) البدایہ والنہایہ ج 2 ص 41' بحوالہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ ص 99 مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال

أُمَّةُ مُحَمَّدٍ فَلَمَّا افْتَتَحَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ تُسْتَرَ وَجَدَهُ فِي تَابُوتٍ تَضْرِبُ عُرُوقُهُ وَوَرِيدُهُ" (1)

رب سے یہ دعا کی تھی کہ انہیں محمد ﷺ کی امت دفن کرے جب ابوموسیٰ اشعری علیہ السلام نے قلعہ تستر فتح کیا تو انہیں ان کے تابوت میں اسی حال میں پایا کہ ان کے تمام جسم اور گردن کے سب رگیں برابر چل رہی تھیں۔"

فائدہ:

دونوں روایتوں سے اتنی بات بلاتردد واضح ہے کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک سینکڑوں سال گزر جانے کے باوجود صحیح سالم تھا۔ اس کے بعد یہ بات بھی ان دونوں روایتوں سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انبیائے کرام کا توسل حق ہے اور ان حضرات کے توسل سے بارش طلب کی جاتی ہے اور لوگ سیراب بھی ہوتے تھے۔ نیز یہ کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک صدہا برس کے بعد نہ صرف صحیح سالم تھا' بلکہ اس کی نبضیں اور وریدیں بھی چل رہی تھیں۔

(1) البدایہ والنہایہ ج 2 ص 41 ' بحوالہ حیات النبی ﷺ علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ ص 100 مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ایک مدین اور دوسرے اصحابِ ایکہ۔ آپ چونکہ مدین قبیلہ سے تھے اسے لئے جب مدین کا ذکر ہوا تو فرمایا: {وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا} "اور مدین کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔" اور اصحابِ ایکہ کے ذکر میں "اَخُوْهُمْ" نہیں کہا بلکہ صرف کہا: {اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ} "اور جب ان کو شعیب (علیہ السلام) نے کہا" اس طرح دونوں قوموں پر عذاب بھی مختلف قسم کے تھے۔ جن کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں آئے گا البتہ دونوں قوموں کے لوگ قریب قریب فاصلہ پر رہنے کی وجہ سے اور ایک دوسرے کے ساتھ روابط کی وجہ سے ایک جیسے عمل کیا کرتے تھے۔ اس لئے دونوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے تبلیغ ایک جیسی فرمائی۔

شعیب علیہ السلام کی مدین کو تبلیغ:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

(سورہ اعراف 18:8)

"اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی (ٹیڑھاپن) چاہو

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو فسادیوں کا کیا انجام ہوا؟''

''مدین'' اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے۔ اس کی اولاد پر بھی مدین ہی بولا جاتا رہا یعنی ایک قبیلہ کا نام مدین ہوا تو پھر اسی قبیلے کے لوگوں نے ایک شہر آباد کیا' اس کا نام بھی مدین رکھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس قبیلے کے فرد تھے۔ آپ علیہ السلام کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے: {شعیب بن نُوَیب بن مدین ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام}

ان آیات کریمہ میں ذکر ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین چیزوں کا حکم دیا اور ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ تمام انبیائے کرام کی شریعتوں میں یہ قانون معتبر رہا شعیب علیہ السلام نے اسی قانون کے مطابق اپنی قوم کو کہا:

{یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ} ''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

دوسری بات یہ تھی کہ آپ نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور فرمایا: {قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ} ''بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی۔'' یہاں ''بینة'' سے مراد معجزہ ہے اس لئے کہ ہر مدعی نبوت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنا معجزہ دکھائے۔ اگر اس کے پاس کوئی معجزہ نہ ہو تو وہ نبی نہیں ہوگا بلکہ متنبی (جھوٹا نبوت کا دعویدار) ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا کہ آپ علیہ السلام کو معجزہ حاصل تھا جو آپ کی صداقت پر دلالت کرتا تھا۔ البتہ یہ معجزہ کیا تھا؟ اس کا ذکر قرآن پاک اور حدیث پاک میں واضح طور پر نہیں' البتہ صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا تھا۔ جس سے آپ نے جادوگروں کا مقابلہ کیا تھا اور ان کے بڑے بڑے سانپوں کو نگل لیا تھا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اسی طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ ان کی بکریوں کے بچے سیاہ سفید رنگ کے ہوں گے تو ایسے ہی ہوا۔

تیسری بات جو آپ نے اپنی قوم سے کی وہ یہ تھی کہ انہیں برائیوں سے روکا۔ تمام انبیائے کرام کی یہ عادت شریفہ رہی کہ وہ اپنی قوموں کو برائیوں سے روکتے رہے۔ خصوصاً سب سے بڑی برائی سے روکنے میں زیادہ توجہ دیتے رہے اور اسی سے ابتدا کرتے آپ نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے یہ کہا: {فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ} ''ناپ اور تول کو پورا کرو' چونکہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ تاجر تھے' وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اس طرح لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرتے تھے۔ اس برائی پر فتنہ فساد مرتب ہوتا تھا اسلئے سب سے پہلے اسی چیز کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔

ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد عمومی طور پر یہ ارشاد فرمایا: {وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ} ''اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو'' یہ ارشاد تمام قسم کی برائیوں سے روکنے کو شامل ہے یعنی کسی کا مال نہ چھینو (غصب نہ کرو) چوری نہ کرو' رشوت نہ لو' ڈاکہ نہ ڈالو' کسی طرح بھی کسی حیلہ سے بھی لوگوں کا مال نہ بٹورو۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا: {وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا} "اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ" زمین میں فساد پھیلانا دین و دنیا کو برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیج کر جب زمین میں اصلاح پیدا کر دی ایک خاص نظام پر منتظم کر دیا تو اب تم برائیوں کے ارتکاب سے اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں کثیر مال اور نعمتیں عطا کر کے زمین میں انتظام پیدا کر دیا تو تم اس میں حرام کی آمیزش کر کے فساد کیوں پھیلاتے ہو؟ ان تمام امور کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم بجالاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کو تسلیم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مہربانی کرو اگرچہ تم تمام مخلوق کو نفع تو نہیں پہنچا سکتے لیکن کم از کم فساد کو چھوڑ کر کم تولنے کم ناپنے کو چھوڑ کر اور ہر قسم کے شر سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذاء (تکلیف) سے تو بچا سکتے ہو اگر تم ایمان لاتے ہو تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہی بہتر ہے۔

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا:

"وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا" "اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اللہ تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو۔"

"صراط" کا ایک معنی یہاں راستہ لیا گیا ہے۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لوگ راستے پر بیٹھ جاتے اور شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والا جو شخص بھی وہاں سے گزرتا اسے ڈراتے دھمکاتے۔

دوسرا معنی دین کے طریقے یعنی اب مطلب ہوگا کہ تم شیطان کے طریقے پر نہ چلو کیونکہ اس نے کہا تھا: {لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ} "میں ضرور بر ضرور ان کے راستے پر بیٹھوں گا" یعنی جس طرح شیطان کا کام ہے کہ وہ انسان کو دینی راہ پر چلنے سے روکتا ہے تم بھی وہ طریقہ اختیار نہ کرو۔

شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ آپ پر ایمان لانے والوں کو تین طریقے سے روکتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں تین طریقوں سے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ وہ کبھی ڈرا دھمکا کر لوگوں کو سیدھی راہ سے برگشتہ کرتے اور کبھی ویسے ہی ان کو باتوں میں لگا کر نیکی کے کام سے روکنے کی کوشش کرتے اور کبھی دین میں اپنی حماقت کی وجہ سے اعتراض کرتے اور اس میں نقص نکالنے کی کوشش کرتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے انہیں اپنی نعمت یاد دلائی اور کہا: {وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ} "اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھایا" یعنی جب اللہ تعالیٰ کے تم پر کثیر انعامات ہیں تو تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس کی عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے دور رہو۔

''کثرت'' کے تین مقصد ہو سکتے ہیں:

① "کَثَّرَ عَدَدَکُم بِعَدَدِ الْقِلَّۃِ" تم تعداد میں تھوڑے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑھا دیا یعنی اب تم تعداد میں بہت زیادہ ہو یہ اس کا تم پر احسان عظیم ہے۔

② "وَ کَثَّرَکُمْ بِالْغِنٰی بَعْدَ الْفَقْرِ" تم غریب تھے تمہارے پاس مال و دولت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال و دولت کو بڑھا دیا' حق تو یہ تھا کہ تم اس کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کرتے اور حلال طریقے سے مال حاصل کرتے لیکن تم نے تو حرام طریقے سے مال بٹورنا شروع کر رکھا ہے۔

③ "وَ کَثَّرَکُمْ بِالْقُدْرَۃِ بَعْدَ الضُّعْفِ" تم کمزور تھے اس نے تمہیں طاقت ور بنا دیا۔ جن کی طاقت کم ہو وہ خواہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہوں وہ قلیل ہی نظر آتے ہیں۔ ان کو کسی بھی قسم کا رعب اور دبدبہ حاصل نہیں ہوتا' لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ طاقت دے دے وہ کثیر تعداد والوں پر بھاری ہونے کی وجہ کثیر ہوتے ہیں۔

پھر آپ نے اپنی قوم کو عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: {وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾} دیکھو! فسادیوں کا کیا انجام ہوا؟ یعنی تم سے پہلے جو سرکش اور ظالم اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوئے انہیں سوائے ذلت و رسوائی اور عذاب الٰہی کے کچھ حاصل نہیں ہوا اگر تم بھی اس حال پر رہے تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

حلال مال میں ہی بھلائی ہے:

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لوگوں کو چیزیں گھٹا کر دینے اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا تو ساتھ ہی رزق حلال پر اکتفاء کرنے کی ترغیب بھی دی' ارشاد فرمایا:

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ (سورۃ ہود 12:8) ''اللہ کا دیا جو بچ رہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں یقین ہو اور میں کوئی تم پر نگہبان نہیں''

آپ کے ارشاد کا یہ مقصد تھا کہ اگر تم نے ناپ تول میں کمی نہ کی' لوگوں کو ان کے حقوق پورے کر کے دیئے اور کسی کے مال میں کمی نہ کی' تو جو مال تمہارے پاس بچ رہے گا اس میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے گا اور رزق کا دروازہ کھول دے گا اور رب کی اطاعت میں جو عظیم ثواب حاصل ہوتا ہے' وہ دنیا کے مال سے قدر و منزلت کے لحاظ پر عظیم درجہ رکھے گا۔

یہ بات سمجھ اسے ہی آسکتی ہے جسے ایمان اور یقین حاصل ہو' کہ موت بھی آنی ہے اور اس جہان کے بغیر ایک اور جہان بھی ہے' جہاں حساب و کتاب ہونا ہے۔ اور ثواب و عذاب بھی حاصل ہونا ہے۔ یقین کامل ہو تو پھر ہی انسان برائیوں سے اجتناب کر سکتا ہے۔

اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرا کام صرف تمہیں بھلائی کی نصیحت کرنا ہے۔ میں تمہیں برائیوں کے ارتکاب سے منع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اگر تم نے برے اعمال نہ چھوڑے اور ان کی نحوست سے تمہاری نعمتوں کا زوال ہو گیا اور مال و دولت برباد ہو گیا تو میں تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔

قوم کا بطورِ طنز جواب:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭاِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ

(سورۃ ہود 8:12)

"بولے: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں؟ یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی! تم بڑے عقلمند نیک چلن ہو۔"

شعیب علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا: کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے' وہ کئی معبودوں کی عبادت کرتے تھے' ہم بھی یہی کریں گے۔ اور آپ علیہ السلام نے قوم کو کم تولنے اور کم ناپنے سے منع کیا اور کہا کہ لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو۔ تو وہ کہنے لگے: کہ ہم تو مال جمع کرنا چاہتے ہیں' مال جمع کرنے کے مختلف ہتھکنڈے ہیں' ہم جس طرح جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ طنزاً انہوں نے کہا: تم (معاذ اللہ) بڑے نمازی' ایمان دار اور دیندار بنے بیٹھے ہو! یہ تمہاری نمازیں تمہیں کہتی ہیں کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے پھیر دو اور ہمیں مال نہ جمع کرنے دو۔ ہاں جی! تم بڑے عقلمند اور نیک چلن سمجھتے ہو اپنے آپ کو' (معاذ اللہ) ہم تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں' ہم تمہاری باتوں میں کیسے آئیں؟

آپ نے کہا: میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں:

"قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَـنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

(سورۃ ہود 8:12)

کہا: اے میری قوم بھلا بتاؤ: اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں' میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے میں نے اسی کی طرف بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم ہدایت دین اور نبوت عطا کی ہے اور مجھے رزق حلال بہت زیادہ عطا کیا

ہے (یاد رہے حضرت شعیب علیہ السلام بہت مالدار تھے) جب اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادات روحانیہ یعنی نبوت و معجزات اور سعادات جسمانیہ یعنی مال ورزق حلال عطا کیا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اتنے عظیم انعامات کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے اوامر و نواہی میں خیانت کروں؟

خیال رہے کہ {اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ} کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ کے حوصلہ اور عقلمندی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: کہ تم تو حوصلہ مند اور عقلمند ہو پھر بھی ہمیں اپنے آباء اجداد کے دین سے کیوں روکتے ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب تم میری عقلمندی کے معترف ہو تو سمجھ لو کہ میں تمہیں بہتر راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور خود بھی اس پر قائم ہوں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں تو برے اعمال سے منع کروں اور خود ان پر عمل کروں۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ حاصل ہے اور مجھے اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

نبی کی مخالفت عذاب کا سبب:

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

(سورۃ ہود 12:8)

''اور میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔''

''لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ اَيْ لَا يَكْسِبَنَّكُمْ شِقَاقِيْ اِصَابَةَ الْعَذَابِ''

''یعنی آپ نے اپنی قوم کو فرمایا: اے میری قوم! میری مخالفت اور عداوت کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حاصل نہ کرو۔''

اگر تم اسی طرح میری عداوت پر قائم رہے تو تم بھی ایسے تباہ برباد ہو جاؤ گے جیسے نوح، ہود اور لوط علیہم السلام کی قومیں تباہ و برباد ہو گئیں، انکا کوئی نام ونشان نہیں رہا۔ اور لوط علیہ السلام کی تباہ شدہ بستیاں تمہارے علاقہ سے کوئی دور نہیں اور ان کا زمانہ بھی تمہارے زمانے سے کوئی دور نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے تمام جرائم کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس سے مغفرت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے، رحیم ہے وہ کبھی اپنی طرف جھکنے والوں کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔

قوم کے جوابات:

شعیب علیہ السلام نے قوم کی راہ حق کی تبلیغ فرمائی انہیں عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کی ترغیب دی لیکن قوم نے آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

"قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝﴿۹۱﴾
(سورۃ ہود 8:12)

"انہوں نے کہا: کہ اے شعیب! ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی باتیں اور بیشک ہم تمہیں اپنے میں بہت کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور ہماری نگاہ میں تمہاری کچھ عزت نہیں"

حضرت شعیب علیہ السلام ان کے ساتھ ان کی زبان میں کلام فرما رہے تھے لیکن وہ پھر بھی کہنے لگے: کہ ہمیں تمہاری باتیں سمجھ نہیں آتیں کیونکہ وہ آپ کی باتوں سے بہت زیادہ نفرت کرنے کی وجہ سے توجہ ہی نہیں دیتے تھے' گویا کہ ان کے کانوں پر پردے چھائے ہوئے تھے۔ اور جو سن لیتے وہ بھی آپ کی باتوں کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتے تھے۔ گویا کہ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہوتا اور آپ نے انہیں توحید' نبوت اور قیامت پر ایمان لانے اور ظلم لوٹ کھسوٹ کے چھوڑنے پر جن دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی' انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک ان دلائل کی کوئی حیثیت نہیں' ہمیں گویا یہ دلائل سنائی ہی نہیں دیتے۔

قوم نے آپ علیہ السلام کو کہا: کہ تم ہمارے ہی قبیلہ سے ہو۔ تمہارا خاندان ہمارے نزدیک عزت اور احترام والا ہے۔ اگرچہ تمہاری عزت ہمارے نزدیک کچھ نہیں اور نہ ہی کوئی تم اتنے بہادر ہو۔ ہم صرف تمہیں تمہارے خاندان کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں ورنہ ہم تم پر پتھراؤ کر کے تمہیں ہلاک کر ڈالتے۔

قوم کی حماقت پر تعجب:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝﴿۹۲﴾
(سورۃ ہود 8:12)

"آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! کیا تم پر میرے کنبہ کا دباؤ اللہ سے زیادہ اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بے شک جو تم کرتے ہو وہ میرے نزدیک رب کے احاطہ (قدرت) میں ہے۔"

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی حماقت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: کہ تم میرے خاندان کی عزت کرتے ہو۔ ان کی وجہ سے مجھے ہلاک نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہو اس کی تابعداری نہیں کرتے' حالانکہ حق یہ تھا کہ تم

نے اگر میری حفاظت کرنی ہی تھی تو مجھے اللہ تعالیٰ کا نبی سمجھ کر میری حفاظت کرتے' اس سے تمہیں رب کی خوشنودی حاصل ہوتی۔ مجھے دھمکیاں دینے والو! یہ بھی خیال کرو کہ میرا رب تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ تم کبھی اس کے احاطۂ قدرت سے بچ نہیں سکتے۔

متکبر سرداروں نے کہا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا...... (سورۃ اعراف 1:9)

''آپ کی قوم کے متکبر سردار بولے: اے شعیب قسم ہے کہ تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے' یا تم ہمارے دین میں آ جاؤ۔''

آپ کی قوم کے رئیس و سردار لوگ جو بہت بڑے متکبر تھے۔ آپ علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ تم ہمارے دین میں آ جاؤ اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں وہ بھی ہمارے دین میں آ جائیں۔ اگر تم نے ہمارے دین کو قبول نہ کیا تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

نبی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے:

قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِھِیْنَ ۞ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا...... (سورۃ اعراف 1:9)

کہا: کیا اگرچہ ہم بے زار ہیں ضرور ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ کیا ہم اس دین میں آ جائیں جس سے ہم بیزار ہیں' جو ہمیں ناپسند ہے' یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے ہم پر جس نے ہمیں تمہارے باطل دین سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہارے کہنے پر ہم اس دین میں آ جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹ باندھنا) لازم آئے گا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اور اس پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتے ہیں؟ یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے یہ خیال بھی محال ہے۔

فیصلہ کن بات:

وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

''اور اے قوم! تم اپنی جگہ اپنے کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

ہوں' جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے گا اور کون جھوٹا ہے؟ اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔''

(سورۃ ہود 8:12)

یعنی آپ نے اپنی قوم کو کہا کہ تم اپنی طاقت کے مطابق جو چاہو کر لو مجھے اگر تکلیف پہنچا سکتے ہو تو پہنچا لو، لیکن یہ بھی خیال کر لو میں بھی کوئی بے سہارا نہیں' میرا بھی کوئی ہے۔ مجھے بھی اس نے بڑی قدرتوں سے نوازا ہے۔ بس اب تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ قوم نے کہا پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کچھ دیر تو نہیں' تمہیں عنقریب ہی پتہ چل جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے؟ اور جھوٹا کون ہے؟ وہ قومیں جنہوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ کے احکام تسلیم نہیں کئے ان کے لئے رب نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے اب تمہارے لئے بھی فیصلہ کی گھڑی آنا ہی چاہتی ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں' سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب کا آنا اور مدین کی تباہی:

"وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

''اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب علیہ السلام اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور ظالموں کو کڑکدار آواز نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے' گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ اور دور ہوں مدین جیسے دور ہوئے ثمود۔''

(سورۃ ہود 8:12)

رب تعالیٰ نے فرمایا: جب ہمارے عذاب کا امر آ گیا تو ہم نے اپنے ایک فرشتے کو بھیجا جس کی آواز سے سب مر گئے۔

"وَهِيَ صَيْحَةُ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْنِيْ اَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا صَاحَ بِهِمْ تِلْكَ الصَّيْحَةَ زَهَقَ رُوْحُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِحَيْثُ يَقَعُ فِيْ مَكَانِهٖ مَيِّتًا"

''وہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی جب آپ نے زوردار کڑکدار آواز سے انہیں کہا ''مُوْتُوْا'' مر جاؤ تو ہر ایک کی روح نکل گئی اور اپنے اپنے گھروں میں سب اوندھے گرے ہوئے پائے گئے۔ اس طرح ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا جیسے کہ وہاں یہ لوگ کبھی بستے ہی نہیں تھے۔''

قوم مدین کو ایسا ہی عذاب دیا گیا جیسے قوم ثمود کو عذاب دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دو امتوں کو ایک جیسا عذاب نہیں دیا سوائے شعیب علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے۔ ان دونوں قوموں کو زوردار آواز سے ہلاک کیا گیا۔ صالح علیہ السلام کی قوم کے پاس وہ آواز نیچے سے آئی اور شعیب علیہ السلام کی قوم کے پاس وہ آواز اوپر سے آئی۔ ●

● تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 18' ص 51

شعیب علیہ السلام اور اصحاب ایکہ:

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

(سورۃ الشعرا 19:13)

جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی رسولوں کو جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے: کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔ انہوں نے (چلا کر) کہا: تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند۔ اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا ان کو چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بیشک یہ بڑے دن کا عذاب تھا بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں، جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اسلئے دونوں کی ہدایت کے لئے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مقرر فرمایا گیا۔

نیز یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں۔ تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں، وہ ان میں بطور قدر مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اسلئے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔

"اَلْاَیْکُ اَلشَّجَرُ الْکَثِیْرُ الْمُلْتَفُّ الْوَاحِدَۃُ اَیْکَۃٌ فَھِیَ الْغَیْضَۃُ" ''وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اسے عربی میں ''ایکہ'' کہتے ہیں۔''

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقے میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے' اس لئے انہیں ''اصحاب الایکہ'' کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی کا نام نہ تھا لیکن جنہوں نے ''لَیْکَہ'' پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لَیْکَہ ایک بستی کا نام تھا۔ علامہ جوہری کی یہ رائے ہے کہ ''ایکہ'' اور ''لیکہ'' دونوں ایک ہی بستی کے نام ہیں' جس طرح مکہ اور بکہ۔

مدین کی طرح اصحاب ایکہ کی بھی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ بازیوں پر تھا' وہ اتنے بھلے مانس کب تھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سن کر ان سے باز آ جاتے' شعیب علیہ السلام تو ان کو یہ کہہ رہے تھے۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ اَلْجِبِلَّۃُ قَالَ مُجَاھِدٌ ھِیَ الْخَلِیْقَۃُ" ''یعنی اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے (بقول علامہ مجاہد) جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی خالق ہے۔''

حق تو یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتے لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ کرنا مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے بھی انکار کر دیا بلکہ الٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جبھی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو جن پر ہم اگر عمل کریں تو یہ تجارت کی گہما گہمی یا دولت وثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا جو اس کی اقتصادی تباہی کا سبب بنے۔ اے شعیب! یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا' پہلے اپنا علاج کراؤ' پھر آ کر ہمیں نصیحت کرنا اور تم ہم سے کوئی بڑے بھی تو نہیں ہو' ہمارے جیسے ہی ایک بشر ہو۔ ہمیں تو تمہاری باتوں پر کوئی یقین نہیں آ رہا بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے قوم کی طرح طرح کی بیہودگیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ کا فریضہ جاری رکھا۔ ان کو دھوکہ بازیوں سے باز آنے کے متعلق اصرار کرتے رہے۔ وہ راہ راست پر آنے کے بجائے سیخ پا ہو کر اور شرم وحیا کی چادر کو اتار کر کہنے لگے کہ: ''لو ہم تمہاری بات نہیں مانتے اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔'' ان کا خیال یہ تھا کہ عذاب تو آئے گا نہیں' اس طرح شعیب علیہ السلام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! نبی کا صبر اور کمال کتنا عظیم ہے۔ وہ لوگ آپ کو جھوٹا کہہ رہے ہیں' جادو کے اثرات سے آفت زدہ کہہ رہے ہیں بلکہ خود مطالبہ کر رہے ہیں تم نے جو کرنا ہے کر لو۔ آسمان گرانا ہے گرا لو۔ ہم تو تمہاری باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں آپ

1. تفسیر قرطبی' امام قرطبی رحمہ اللہ' ج 7' ص 135

پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں۔ { رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ } تمہارے کرتوتوں کو میرا رب بہتر جانتا ہے" یعنی آپ نے ان حالات کے باوجود معاملہ رب کے سپرد کر دیا۔ ان کی ہلاکت کی دعا نہ کی اور یہ نہیں عرض کیا: اے اللہ! اب تو ان پر عذاب بھیج ہی دے بلکہ کمال صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

جب انہوں نے بار بار شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر دیا۔ سات دن تک اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو روک لیا اور ریت کو مسلط کر دیا' ان کے دم گھٹنے لگے۔ نہ انہیں کوئی سایہ نفع پہنچا سکتا اور نہ ہی پانی۔ وہ پریشان ہو کر جنگل کی طرف نکلے اور ان پر ایک بادل نے آکر سایہ کر دیا۔ جس سے انہوں نے خوب ٹھنڈک محسوس ہوئی اور بادِ نسیم کے خوشگوار مزے لوٹنے لگے۔ اس طرح سب اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ تو یکا یک ان پر آگ کی بارش برسنے لگی جس سے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ ایسے تباہ و برباد ہوئے کہ ان کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔ رب تعالیٰ نے انکی بستی کو صفحۂ ہستی سے ایسے مٹایا کہ گویا یہاں کوئی بستی تھی ہی نہیں۔

شعیب علیہ السلام کی بینائی ضائع ہونے کی وجہ:

"قَالَ الضَّحَّاکُ بَکٰی شُعَیْبٌ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ حَتّٰی ذَھَبَ عَیْنَاہُ وَصَارَ اَعْمٰی"

"ضحاک فرماتے ہیں: کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اتنا روتے تھے کہ آپ کی دونوں آنکھوں کی نظر ضائع ہو گئی' آپ علیہ السلام نابینا ہو گئے۔

روح البیان کے بیان ذیشان کے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ پیدائشی طور پر نابینا نہیں تھے بلکہ بعد میں خوفِ الٰہی سے روتے ہوئے آپ کی نظر ضائع ہو گئی۔

کیا نبی نابینا ہو سکتا ہے؟

اس مسئلہ میں فرق یہ ذہن میں رہے: نابینا نبی نہیں ہو سکتا' نبی نابینا ہو سکتا ہے۔

"فَالْقَوْلُ بِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ اَعْمٰی لَا یُعَوَّلُ عَلَیْہِ بَلْ قَدْ نَصَّ الْعُلَمَآءُ ذُوُو الْبَصِیْرَۃِ عَلٰٓی اَنَّ الرَّسُوْلَ لَابُدَّ اَنْ یَّکُوْنَ سَلِیْمًا مِنْ مُنَفِّرٍ وَمَثَلُوْہُ بِالْعَمٰی وَالْبَرَصِ وَالْجُذَامِ، وَلَا یَرِدُ بَلَآءُ اَیُّوْبَ وَعَمٰی یَعْقُوْبَ بِنَآءً

"بعض حضرات نے کہا: کہ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے' اس قول کی کوئی سند نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے' بلکہ بصیرت رکھنے والے علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ بے شک رسول کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ نفرت دلانے والی چیزوں سے سلامتی

● روح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ ج 3 ص 200 بحوالہ نجوم الفرقان غیر مطبوعہ

عَلٰی اَنَّهٗ حَقِیْقِیٌّ لِطُرُوْءِهٖ بَعْدَ الْاِنْبَاءِ وَالْكَلَامُ فِیْمَا قَارَنَهٗ، وَالْفَرْقُ اَنَّ هٰذَا مُنَفِّرٌ بِخِلَافِهٖ فِیْمَنْ اِسْتَقَرَّتْ نُبُوَّتُهٗ وَقَدْ یُقَالُ اِنْ صَحَّ ذٰلِكَ فَهُوَ مِنْ هٰذَا الْقَبِیْلِ" [1]

میں ہو'ان علماء نے مثال یہ دی ہے کہ نبی نابینا نہ ہو'برص کی مرض میں مبتلاء نہ ہو'اور کوڑھ کی مرض اسے لاحق نہ ہو۔اس پر بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر کا چلا جانا تو قرآن مجید سے ثابت ہے'اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کا ایسی بیماری میں مبتلاء ہونا جس سے بظاہر نفرت سمجھ آتی ہے اس کا بھی واضح ثبوت ہے تو یہ کیسے کہنا درست ہے کہ نفرت دلانے والی مرضوں اور نابینا ہونے سے نبی کا سلامت ہونا ضروری ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کے اعلانِ نبوت سے پہلے ان چیزوں کا نبی میں پایا جانا منع ہے کیونکہ لوگ نفرت کر کے اس کی نبوت کو تسلیم نہیں کریں گے لیکن اعلانِ نبوت کے بعد آزمائش کے لئے یا کسی اور وجہ سے مصائب میں مبتلاء ہونا یا نابینا ہونا جائز ہے۔اس لئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت شعیب پہلے نابینا تھے'پھر اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا'تو یہ قول درست نہیں کیونکہ یہ نفرت دلانے والا عیب ہے۔اگر نبوت کے اعلان کے بعد رب تعالیٰ کے خوف سے نظر چلی جائے تو یہ اعزاز ہے'عیب نہیں۔یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کے فراق کی وجہ سے رونا آپ کی نظر ضائع ہونے کا سبب بنا یہ بھی عیب نہیں ۔حضرت ایوب علیہ السلام کا آزمائش میں مبتلاء ہونا اور صابر کا لقب پانا آپ کا اعزاز تھا۔

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ'ج 5 حصہ اول ص 176 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
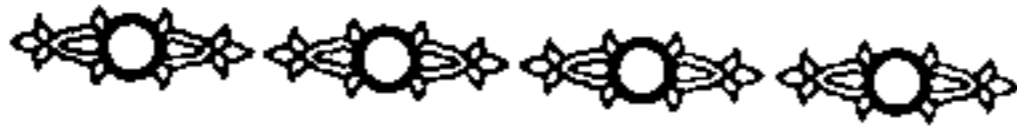
حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیونکہ ''اسرائیل'' آپ علیہ السلام کا ''لقب'' ہے یا آپ کا دوسرا نام ہے۔ لفظ ''اسرائیل'' میں ایک قول یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ ''اسرا'' اور ''ایل'' سے مرکب ہے۔ ''اسرا'' کے چار معنی بیان کئے گئے ہیں۔ عبد (بندہ عبادت کرنے والا) صفوۃ (برگزیدہ) انسان اور مہاجر (ہجرت کرنے والا)۔ اور ''ایل'' کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ اس لحاظ پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار اور اس کے برگزیدہ اور اس کے پیدا کردہ عظیم المرتبت انسان اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے یعنی ہجرت کرنے والے بھی تھے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے' اسراء کا معنی ہے رات کو لے جانا اور ایل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ اب اس لحاظ پر آپ کا نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رات کے وقت اپنی طرف رجوع کرایا کہ آپ اس کی طرف ہجرت کرنے والے ہوئے۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران ہیں' جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام میں اختلاف ہے یارخا' ایارخت' نوخانذ' لوخا' مریم۔ یہ تمام نام ذکر کرنے کے بعد حاشیہ جلالین میں ذکر کیا گیا ہے ''وَالْاَصَحُّ هُوَ الْاَوَّلُ كَمَا فِیْ رُوْحِ الْبَیَانِ'' صحیح قول پہلا ہے یعنی ''یارخا'' جیسے روح البیان میں ہے۔ مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں ''عائذ'' لکھا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) [2]

حضرت ہارون علیہ السلام: آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سگے بھائی ہیں' بہت بڑے حوصلہ مند اور بردبار تھے۔ بنی اسرائیل آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

---

[1] تفسیر قرطبی' امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ' ج 1' ص 331...... روح المعانی' ج 1' ص 241 [2] حاشیہ تفسیر جلالین' ص 326

"وَهُوَ اَكْبَرُ مِنْ مُوْسٰى علیہ السلام بِثَلٰثِ سِنِيْنَ" ❶ "وہ موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔"

"سامری" کا نام بھی "موسیٰ" تھا:

"سامری" جس نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا تھا......جس کا ذکر آگے آئے گا (ان شاء اللہ)......اس کا نام بھی "موسیٰ" تھا۔ سامری کے نام و نسب اور جائے سکونت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ راجح قول یہی ہے کہ اس کا نام موسیٰ اور اس کے باپ کا نام ظفر تھا اور بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ "سامرہ" تھا۔ اس قبیلہ کی مناسبت سے اس کی جائے سکونت کا نام بھی "سامرہ" ہوا۔ اس لئے اس کو سامرہ کہتے ہیں۔ یہ شخص خود اور اس کا سارا قبیلہ بلکہ اطراف و جوانب کے تمام لوگ گائے کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ سامری اس زمانے میں پیدا ہوا جب کہ فرعون بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو ذبح کرا دیتا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اسے پہاڑ کے غار میں چھپا دیا۔ بنی اسرائیل کے اس قسم کے بچوں کی تربیت کے لئے حضرات جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا۔ اس موسیٰ بن ظفر یعنی سامری کی تربیت کے لئے بھی جبریلِ امین علیہ السلام متعین تھے۔ وہ اس کی غار میں تشریف لاتے اور اس کا اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے دیتے جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا رہتا۔ ❷

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام خود اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دے دیتے تھے جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا تھا۔ صاحب روح المعانی نے اس ضمن میں دو شعر بھی نقل کئے ہیں:

اِذَا الْمَرْءُ لَمْ يُخْلَقْ سَعِيْدًا تَحَيَّرَتْ عُقُوْلُ مُرَبِّيْهِ وَخَابَ الْمُؤَمِّلُ
فَمُوْسَى الَّذِيْ رَبَّاهُ جِبْرِيْلُ كَافِرٌ وَمُوْسَى الَّذِيْ رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلُ

جب آدمی اصلِ خلقت میں سعادت سے محروم ہو تو اس کی تربیت کرنیوالوں کے دماغ حیرت زدہ اور اس سے بہتری کی امید رکھنے والے خائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ موسیٰ جس کی پرورش جبرائیل امین علیہ السلام نے کی' کافر ہوا اور وہ موسیٰ (علیہ السلام) جس کی پرورش فرعون نے کی اللہ تعالیٰ کا رسول (فرستادہ' بھیجا ہوا) ہے۔ ❸

"سامری" حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بظاہر ایمان لایا' مگر پکا منافق تھا۔ ❹

فرعون: مصر کے بادشاہوں کا لقب "فرعون" ہوا کرتا تھا' جس طرح روم کے بادشاہوں کا قیصر، فارس کے بادشاہوں کا "کسریٰ" یمن کے بادشاہوں کا "تبع" ترک کے بادشاہوں کا "خاقان" اور حبشہ کے بادشاہوں کا

---

❶ تفسیر صاوی بر جلالین ص 141 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج ' ص 277
❸ تفسیر قرطبی' امام ابوبکر جصاص' ج 7' ص 284
❹ التبیان' للکاظمی رحمہ اللہ ص 201

لقب "نجاشی" تھا۔

"وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْفَرَاعِنَةِ أَحَدٌ أَشَدُّ غِلْظَةً وَلَا أَقْسٰى قَلْبًا مِنْهُ" "مصر کے جتنے بادشاہ بھی گزرے ہیں کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون سے زیادہ بد خلق، سخت دل اور ظالم نہیں تھا۔"

یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام "ریان بن ولید" تھا، جس نے ایمان قبول کر لیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پایا جانے والا فرعون "ولید ابن مصعب یا مصعب بن ریان" تھا۔ بعض نے اس کا نام "قابوس" بھی تحریر کیا ہے، قبیلہ قبطیہ سے تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پائے جانے والے فرعونوں کے درمیان چار سو سال سے زائد عرصہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے:

بنی اسرائیل کی حالت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے یہ تھی کہ یہ لوگ فرعونیوں کے خادم تھے۔ فرعونیوں نے ان کو مختلف قسم کے کاموں پر مقرر کیا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو تعمیر کے کاموں پر لگایا ہوا تھا اور کچھ لوگوں سے ہل چلانے کا کام لیا جاتا، اور کچھ لوگوں سے کھیتی باڑی کے مختلف کام لئے جاتے، فصل کی کاشت اور کٹائی وغیرہ کے کاموں پر مقرر تھے۔ گندے کاموں پر بھی انہیں ہی لگایا جاتا، بیت الخلاء کی صفائی انہی لوگوں کے ذمہ تھی۔ کیچڑ، صفائی وغیرہ کے کاموں پر ان کو ہی مقرر کیا جاتا۔ پتھر تراشنا اور پتھروں کو اٹھا اٹھا کر لانا انہی کے ذمہ تھا۔ جو لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تھے، ان پر جزیہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے جزیہ نہ ادا کرتا اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے جاتے اور ایک مہینہ تک اسی طرح بندھے رہتے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں سے اس طرح کام لئے جاتے جیسے لونڈیوں سے کام لئے جاتے ہیں یعنی گھریلو تمام کام ان کے سپرد ہوتے، سوت کاتنا اور سلائی بنائی وغیرہ کے کام ان عورتوں سے ہی لئے جائے تھے۔

بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنا:

فرعون نے ایک خواب دیکھا ہے کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کر لیا اور تمام قبطیوں کو جلا دیا لیکن بنی اسرائیل کو اس نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اس خواب سے فرعون بہت پریشان ہوا اس نے خواب کی تعبیر بیان کرنے والے ماہرین سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس خواب سے تو یہی سمجھ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تمہاری بادشاہی کے زوال کا سبب بنے گا۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو اسے ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح اس کے حکم سے ہزاروں کی تعداد میں ان کے بچے ذبح کر دیئے گئے وہ جو ذبح کئے گئے ان کی تعداد بارہ ہزار یا ستر ہزار تھی۔ اتنی بات واضح ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں تھی۔ (۱)

(۱) جمل بحوالہ تفسیر جلالین، ص 9 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہی حالات یاد کرانے کی لئے یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بنی اسرائیل کو یاد کرنے کے لئے کہا کہ تمہارے آباء واجداد پر ہمارے بڑے انعام تھے وہ بھی شکر کرنے کی بجائے رب تعالیٰ کے احکام کا انکار ہی کرتے رہے اور خائب وخاسر ہوئے' تمہیں چاہیے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

(سورۃ البقرۃ 6:1)

''جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعون کی آل سے' وہ تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے' ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری لڑکیوں کو، اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔''

ایک اور معنی ''وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ'' کا یہ بھی ہے کہ وہ تمہاری عورتوں کی شرمگاہیں دیکھتے تھے کہ یہ حاملہ ہیں یا نہیں۔ زندہ چھوڑنے والا معنی زیادہ مشہور ہے کہ انہیں لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہ تھا اس لئے ان کو زندہ چھوڑ دیتے۔

وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ ''اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔''

اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ تم جن مصیبتوں میں گرفتار تھے وہ تمہاری بہت بڑی آزمائش تھی کہ صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام کئے کہ تمہیں فرعونیوں سے نجات دی یہ تمہاری آزمائش تھی کہ کیا تم نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہیں؟ ❶

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَاۗدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾

(سورۃ القصص 4:20)

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے، اور نہ ڈر اور نہ غم کر' بیشک اسے ہم تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔''

آپ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال کر یقین کرا دیا گیا تھا کہ پیدائش کے بعد تم بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ جب تمہیں فرعون کے جاسوسوں سے خطرہ لاحق ہو یا بچے کے رونے وغیرہ سے پڑوسیوں سے تمہیں خطرہ ہو تو بچے کو دریا میں ڈال دو' ہم اس بچے کی حفاظت کریں گے اور تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔

---

❶ روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج ۱' ص 254 .... تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 2' ص 66

آپ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دریا میں پھینکنے سے پہلے کتنی مدت دودھ پلایا اس کی حد کا ذکر قرآن پاک میں تو نہیں البتہ ایک قول ابن جریج کا یہ ہے:

"اِنَّهٗ بَعْدَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ صَاحَ فَاُلْقِیَ فِی الْیَمِّ وَالْمُرَادُ بِالْیَمِّ هٰهُنَا النِّیْلُ"۔ "بے شک آپ چار ماہ بعد روئے تو پڑوسیوں وغیرہ کے خطرہ کے پیش نظر آپ کو دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔"

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر جب ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کے پاس ایک دایہ آئی۔ ان میں سے جو فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کی کرنیں ظاہر ہو رہی تھیں جن کو دیکھتے ہی دایہ کا ہر جوڑ کانپنے لگا۔ اس کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی گئی' اس نے کہا: اے عورت (اے اس بچے کی ماں)! میں تو اسے قتل کرنے کے لئے آئی تھی لیکن مجھے اس سے شدید محبت ہو چکی ہے' اس لئے تو اپنے بچے کو محفوظ کر لے' وہ دایہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ اتنے میں فرعون کے جاسوس آپ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جاسوسوں کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا: اے ماں! فرعونی آ رہے ہیں۔ آپ کی ماں کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے' ہوش وحواس جاتے رہے' بچے کو ڈر کے مارے کپڑے میں لپیٹ کر جلتے تنور میں ڈال دیا۔ جب فرعونی آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو جلتے تنور کی طرف تو وہ نہ گئے اور گھر تمام چھان مارا کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیکھا تو ان کے رنگ میں بھی کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ جو عام طور پر عورتوں کا بچے کی پیدائش پر رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور آپ کا دودھ بھی نظر نہ آنے پر پوچھا کہ وہ دایہ تمہارے گھر کیوں آئی تھی؟ آپ نے کہا وہ میری دوست تھی جو مجھے ملنے آئی تھی۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا وہ آپ کی دوست تھی۔

جب فرعونی آپ کے گھر سے نکل گئے تو آپ کو ہوش آیا اور اپنی بیٹی سے پوچھا بچہ کہاں گیا یعنی آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بچے کو کہاں ڈالا تھا۔ بیٹی نے جواب دیا مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ اتنے میں تنور سے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آئی تو آپ نے دیکھا کہ بچے پر آگ ٹھنڈی سلامت ہو چکی ہے۔ انہوں نے بچے کو تنور سے نکال لیا۔ والدہ کو جب یہ فکر دامنِ گیر ہوئی کہ فرعون بچے کی تلاش میں پوری جدوجہد کر رہا ہے تو آپ نے بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پختہ بات ڈال دی تھی کہ اس طرح بچہ محفوظ رہے گا اور ایک دن انہیں واپس مل جائے گا۔

آپ کی والدہ ایک نجار کے پاس گئیں تاکہ اس سے ایک صندوق حاصل کریں اس نے پوچھا تم نے لکڑی کے صندوق کو کیا کرنا ہے تو آپ نے سچ سچ بتا دیا کہ اپنے بیٹے کو اس میں ڈال کر دریا میں ڈالنا ہے' ہو سکتا ہے فرعونیوں سے بچ جائے۔ صندوق اس نے آپ کو فروخت کر دیا لیکن بڑھئی کے دل میں بدنیتی پیدا ہو گئی۔ وہ فرعونی لوگوں کے پاس گیا جو بچوں کو ذبح کرنے پر مقرر تھے کہ انہیں بتا سکے۔ جب وہ ان کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو بند کر دیا۔ وہ ہاتھ سے اشارے کر

رہا تھا' ان لوگوں نے اسے (پاگل سمجھ کر) مارا اور بھگا دیا جب وہ واپس اپنے گھر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو اس پر پھر لوٹا دیا۔ پھر وہ دوسری مرتبہ ان لوگوں کی طرف گیا تا کہ انہیں بتا سکے پھر اس کی زبان بند ہوگئی' پھر ہاتھوں سے اشارے کرنے کی وجہ سے انہوں نے اسے مارا اور اسے گھر لوٹا دیا' پھر اس کی زبان ٹھیک ہوگئی' پھر تیسری مرتبہ انہیں بتانے کے لئے گیا تو اس کی زبان بھی بند ہوگئی اور اندھا ہو گیا۔ پھر اس کی پٹائی ہوئی اور اسے واپس بھگا دیا گیا۔ اب وہ سچے دل سے توبہ کرنے لگا: اے اللہ تعالیٰ! اگر تو مجھے میری نظر اور زبان دے دے تو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرما لیا اور اسے زبان اور نظر دے دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا۔ فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی' وہ اپنی بیٹی سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا۔ وہ بھی ہر روز اپنے باپ کے پاس تین حاجات پیش کرتی تھی۔ وہ بہت زیادہ برص کی بیماری میں مبتلا تھی۔ فرعون نے اس کے بارے طبیبوں اور جادوگروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: اے بادشاہ! یہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوسکتی جب تک دریا میں سے ایک انسان کے مشابہ کوئی چیز نہ پائی جائے اور اس کی لعاب لیکر اس کے برص والے مقامات پر ملی جائے' پھر یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب فلاں دن اور فلاں مہینہ ہو اور سورج خوب روشن ہو۔ جب وہی دن آ گیا تو فرعون نے دریا کے کنارے پر محفل سجائی اس کے ساتھ اس کی زوجہ آسیہ بنت مزاحم بھی تھی' فرعون کی بیٹی بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر جا کر بیٹھ گئی۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے محلات کی طرف آئی ہوئی تھی۔ اس میں فرعون کی بیٹی اور اس کی لونڈیاں نہانے لگیں' انہوں نے دیکھا ایک تابوت دریا کی موجوں میں ہچکولے کھا رہا ہے' جو ایک درخت کے ساتھ آ کر رکا ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ جلدی سے وہ تابوت میرے پاس لایا جائے' کشتی والے لوگوں نے جلدی سے وہ تابوت فرعون کے پاس پیش کر دیا۔

انہوں نے کوشش کی کہ اس کو کھولیں' وہ کامیاب نہ ہوئے' پھر توڑنا چاہا لیکن توڑنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔ فرعون کی زوجہ آسیہ کو اس تابوت کے اندر ایک نور چمکتا ہوا نظر آیا جو دوسروں کو دکھائی نہ دیا۔ جب آسیہ نے تابوت کو کھولنا چاہا تو کھول لیا' جس میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا' جس کی آنکھوں کے درمیان ایک نور چمک رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس بچے کی محبت ڈال دی فرعون کی بیٹی نے اس بچے کا لعاب لیکر جب اپنے برص والے مقامات پر لگایا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہوگئی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگایا فرعون کو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ وہی بچہ نہ ہو جس سے ہم بچنا چاہتے ہیں۔ تمہارے ڈر کی وجہ سے اسے دریا میں پھینک دیا گیا ہوگا۔ فرعون نے یہ سن کر بچے کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن فرعون کی زوجہ آسیہ نے بچے کی بخشش طلب کی اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس طرح یہ پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کی لعاب کی خیر و برکت کا مظاہرہ بھی کرا لیا گیا آپ کو قتل ہونے سے بچا کر رب تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھا دی کہ جس بچے کو ختم کرنے کی غرض سے تم نے ہزاروں بچے ذبح کرا

دیئے اسے میں نے تمہارے پاس پہنچادیا ہے لیکن تم اسے نہ ذبح کر سکے اور نہ ہی کر سکو گے۔

فرعون کی زوجہ بہت نیک عورت تھی۔ انبیائے کرام کی نسل سے تھی' غریبوں اور مسکینوں پر رحم کرتی تھی۔ اس نے فرعون کو کہا کہ یہ بچہ پتہ نہیں کس سرزمین سے آیا ہے تمہارے لئے خطرہ تو اسی ملک کا بچہ ہوگا' یہ کتنا پیارا اور خوبصورت ہے۔ یہ تو بچہ بنانے کے قابل ہے' اسے قتل نہیں کرنا ہمارا کوئی بچہ نہیں ہے' اس لئے ہم اسے اپنا بچہ بنالیں گے۔ آسیہ کی یہ بات فرعون اور اس کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے تسلیم کر لی۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل ہونے سے بچالیا' رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًاؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـٕیْنَ۝۸ وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۝۹

(سورۃ القصص 4:20)

''تو اسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو' بیشک فرعون اور ان کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی زوجہ نے کہا: یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کرو' شائد یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے۔''

یعنی فرعون اور اسکے وزیر ہامان اور ان کے دوسرے سرکردہ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہی وہ بچہ ہے جس نے بڑے ہو کر ہماری بادشاہی کو تباہ کرنا ہے تو وہ اس بچے کو نہ اٹھاتے اور اگر اٹھا بھی لیا تھا تو قتل ضرور کرتے لیکن قدرت باری کا مقابلہ ممکن نہیں۔

وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ۝۳۹

(سورۃ طٰہٰ 11:16)

''اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی اور اس لئے کہ تو میری نگاہوں کے سامنے تیار ہو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوب بنایا اور مخلوق کا محبوب کر دیا اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے' لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی ملاحت' خوبصورتی اور نورانیت رکھی گئی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا وہی آپ سے محبت کرنے لگتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب بنالیا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ آسمان والے آپ سے محبت نہ کرتے۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور بہن کی بے قراری:

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًاؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۱۰ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ

''اور صبح موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم ڈھارس نہ بندھاتے اس

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ اول' ص 189 ...... کبیر' امام رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 53 .... خزائن العرفان

قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۱﴾

کے دل کو کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور اس کی ماں نے اس کی بہن کو کہا اس کے پیچھے چلی جاؤ تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی۔''

(سورۃ القصص 4:20)

''فارغا'' کا ایک معنی یہ ہے۔ ''فَرَاغُ الْفُؤَادِ هُوَ الْخَوْفُ وَالْاِشْفَاقُ'' ۔کہ دل کو خوف اور ڈر لاحق ہونا یعنی آپ کی والدہ کو جب یہ خبر ملی کہ بچہ فرعون کے ہاتھ آ گیا تو آپ کو بہت زیادہ خوف لاحق ہوا کہ وہ کہیں قتل ہی نہ کر دیں۔

دوسرا معنی ہے خالی ہونا یعنی آپ کا دل اور تمام غموں سے فارغ ہو گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کا غم دامن گیر ہوا۔اس معنی کے لحاظ سے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کے ہاتھ تابوت آ گیا ہے تو آپ کا دل عقل سے خالی ہو گیا، ہوش اڑ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پھر القاء کیا کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنا بیٹا بنا لیا۔تو آپ کے دل کو تسلی ہوئی اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ڈھارس نہ بندھاتا تو ہو سکتا ہے کہ آپ دریا میں پھینکتے وقت واویلا شروع کر دیتیں۔ہائے میرے بچے! ہائے میرے بچے! کی پکار سے لوگ خبردار ہو جاتے۔یا آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کی زوجہ آسیہ بچے پر مہربان ہو گئی اس وقت آپ خوشی سے ظاہر کر دیتیں کہ میرے بچے کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر کرنے سے روکے رکھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام ''مریم'' تھا۔زیادہ مشہور یہی نام ہے اگرچہ ''کلثوم'' اور ''کلثمہ'' بھی بیان کیا گیا ہے۔آپ کی والدہ نے مریم کو کہا کہ جاؤ دیکھو تابوت کدھر گیا۔کیا واقعی فرعون کے ہاتھ آ گیا ہے؟ انہوں نے بچے سے کیا سلوک کیا؟ مریم دور دور سے دیکھتی رہی تاکہ انہیں پتہ نہ چل سکے۔

تنبیہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''مریم'' تھا اور ''مریم'' کے باپ کا نام ''عمران'' تھا۔موسیٰ علیہ السلام کی سگی بہن کا نام بھی ''مریم'' ہے اور آپ کے باپ کا نام بھی ''عمران'' ہے۔بعض حضرات نے وہم کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔یہ غلط ہے ان دونوں انبیائے کرام کے درمیان زمانے کے اعتبار سے بہت بڑا فاصلہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش آپ کی ماں کے ذمہ:

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اور ہم نے پہلے ہی سب دایاں اس پر حرام کر دی تھیں، تو بولی: کیا میں تمہیں بتا دوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں؟ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے۔

(سورۃ القصص 4:20) اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں اپنی ماں کے دودھ کے بغیر تمام دودھ پلانے والی عورتوں سے نفرت پیدا کر دی تھی۔فرعون نے بچے کی پرورش کے لئے دایہ بلانے کا حکم دیا۔جو دایہ بھی آتی آپ اس کا دودھ نہ پیتے لیکن بھوک کی وجہ سے بے قرار ہو رہے تھے۔فرعون بھی اپنی زوجہ آسیہ کی وجہ سے بچے کی حالت سے فکر مند تھا۔بچے کو گود میں لے کر تسلیاں دے رہا تھا۔اور کہہ رہا تھا کہ کاش کوئی ایسی دایہ مل جائے جس کا دودھ یہ بچہ پینا شروع کر دے۔اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کی بہن نے کہا میں تمہیں ایک گھر والوں کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کی تربیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہونے دیں گے' جو اس کی پرورش کی ضمانت دیں گے' کسی قسم کی خیانت کے مرتکب نہیں ہوں گے۔خلوص سے سب کام کریں گے' کوئی نقص لازم نہیں آنے دیں گے۔

﴿وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ﴾ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ کہا کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں' تو ہامان نے کہا کہ یہ اس بچے کے خاندان کو جانتی ہے اسے پکڑ لو تو خود بچے کے گھرانے کا پتہ چل جائے گا۔تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ اس گھرانے کے لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔اس بچے کے خیر خواہ میں نے نہیں کہا۔چونکہ وہ خاندان نبوت کی لڑکی تھی اس کی ذہانت اسی قابل تھی کہ اس نے نہایت حسین جواب دے کر اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو بچالیا۔اس کے اس جواب کو سن کر فرعون نے کہا: اچھا! تم اس عورت کو لے آؤ' جس کے متعلق تم کہہ رہی ہو۔تو وہ اپنی ماں کے پاس آئیں اور انہیں لے گئیں۔موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھوں میں تھے' بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے قرار تھے' وہ آپ کو تسلیاں دے رہا تھا' جبھی آپ کی والدہ پہنچیں تو ماں کی خوشبو سونگھ کر فوراً ماں کی طرف لپکے اور دودھ پینا شروع کر دیا۔فرعون نے بڑے تعجب سے پوچھا تم کون عورت ہو؟ کہ اس بچے نے تمہارا دودھ پسند کیا حالانکہ کتنی دایہ ہم نے طلب کیں کسی کا دودھ اس نے نہیں پیا تو آپ کی والدہ نے جواب دیا:

"اِنِّیْ اِمْرَاَۃٌ طَیِّبَۃُ الرِّیْحِ طَیِّبَۃُ اللَّبَنِ لَا اُوْتٰی بِصَبِیٍّ اِلَّا قَبِلَنِیْ"

"بے شک میں ایسی عورت ہوں کہ مجھ سے خوشبو آتی ہے یعنی میں اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتی ہوں میرا لباس صاف ستھرا ہوتا ہے۔میں اچھی قسم کی خوشبو استعمال کرتی ہوں اور قدرتی خوشبو بھی میرے جسم سے آتی ہے میرا دودھ بھی پاکیزہ' اچھا' خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے آج تک میں نے جس بچے کو بھی دودھ پلایا اس نے ضرور میرا دودھ پیا ہے۔"

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کے سپرد کردیا اور ان کا خرچ بھی مقرر کردیا۔ رب تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک وعدہ ڈالا تھا کہ تم اس بچے کو دریا میں پھینک دو میں تمہارے پاس اسے واپس لوٹا دوں گا۔ اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا تاکہ آپ کی والدہ کو یقین ہو جائے کہ جب یہ وعدہ پورا ہو گیا ہے تو یہ بچہ رسول بھی ضرور بنے گا۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے بے خبر ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کی قدرت کے مقابل تمام تدبیریں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو گھونسا مارنا:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

(سورۃ القصص 5:20)

"وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے' پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے' پس مدد کے لئے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا۔ اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تعلق رکھتا تھا' تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کردیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا' بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عرض کی: اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مدد گار نہ ہوں گا۔

موسیٰ علیہ السلام کے پوشیدہ طور پر شہر میں داخل ہونے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں' تاہم زیادہ صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو روز اول سے ہی اپنی والدہ کے پاس رہنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تھا۔ ساری صورت حال سے آپ اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ نیز آپ کو اپنے جلیل القدر آباؤ اجداد کے منصب نبوت پر آگاہی ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فرعون خدا بنا بیٹھا ہے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہے تو آپ کا موحد ذہن اس شرک صریح کو زیادہ عرصہ گوارا نہ کر سکا اور آپ کے پر جلال مزاج نے فرعون کو اس ناشائستہ حرکت پر ٹوکا۔ اور آپ نے فرعون اور فرعونیوں کی گمراہی کا رد شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل آپ کی بات سنتے اور آپ کی اتباع کرتے آہستہ آہستہ اس کا چرچا ہو گیا۔ فرعون کو بھی براہ راست خدائی دعوی

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 11' ص 51-50 .... تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 24' ص 205 دار الفکر

سے ٹوک چکے تھے اس لئے قطع تعلق تک نوبت جا پہنچی آپ کو مجرم اور باغی سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے روپوش ہو گئے اور اگر کسی ضروری کام کے لئے آپ کو شہر میں آنا پڑتا تو ایسے وقت شہر میں آتے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو یہ واقعہ بھی اس وقت پیش آیا جب آپ ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ لوگ آرام کر رہے تھے۔ چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر محققین نے اسی قول کو ترجیح دی:

"قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ وَكَانَ فِي هٰذَا الْوَقْتِ قَدْ اَظْهَرَ خِلَافَ فِرْعَوْنَ وَعَابَ عَلَيْهِمْ عِبَادَةَ فِرْعَوْنَ وَالْاَصْنَامِ فَدَخَلَ مَدِيْنَةَ فِرْعَوْنَ يَوْمًا عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا"

اور اس سے پہلے قرطبی لکھتے ہیں: "فَكَانَ لَا يَدْخُلُ مَدِيْنَةَ فِرْعَوْنَ اِلَّا خَائِفًا مُّسْتَخْفِيًا" (1)

آپ کے شہر میں خوف سے چھپ کر داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے فرعون کے ساتھ اختلاف کو ظاہر فرما دیا اور فرعونیوں کی بتوں اور فرعون کی عبادت کی مذمت کی تو ان کی طرف سے شدید ردعمل ہوا جس کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے پوشیدہ رہنے کی راہ اختیار کی ان دنوں میں ہی آپ شہر میں پوشیدہ طور پر اس وقت داخل ہوئے جب کہ وہ لوگ غفلت میں تھے۔

جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں دست و گریبان ہیں ایک اسرائیلی اور دوسرا قبطی اسرائیلی نے آپ کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ آگے بڑھے کہ قبطی کو دست درازی سے منع کریں جب اس نے بات نہ مانی تو آپ نے اسے ایک مکا رسید کیا اسے قتل کرنے کا ارادہ نہ تھا لیکن وہ مکا جان لیوا ثابت ہوا اور اس کا قصہ تمام ہو گیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے لڑنے کی وجہ بیان کی ہے کہ وہ قبطی اسرائیلی کو لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھانے کا حکم دے رہا تھا اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا چنانچہ اس قبطی نے حاکم قوم کا فرد ہوتے ہوئے اسے زدوکوب شروع کی۔ اتنے میں آپ علیہ السلام تشریف لائے اور اسرائیلی نے آپ علیہ السلام سے فریاد کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی فریاد رسی کے لئے محض اس لئے نہیں گئے کہ فریاد کرنے والا اسرائیلی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہر دین میں فرض ہے۔

"وَاِنَّمَا اَغَاثَهٗ لِاَنَّ نَصْرَ الْمَظْلُوْمِ دِيْنٌ فِي الْمِلَلِ عَلَى الْاُمَمِ وَفَرْضٌ فِيْ جَمِيْعِ الشَّرَائِعِ" (2)

شیطان کی طرف قتل کو منسوب کرنے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قتل کرنا مباح کر رکھا ہے لیکن ایک وقت تک ان کے قتل کو مؤخر کیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد قتل کرنا

(1) تفسیر قرطبی امام ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمہ اللہ ج 7 ص 260 مطبوعہ دار احیاء التراث

(2) تفسیر قرطبی امام ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ ج 7 ص 260 ...... تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 3 ص 482

مستحب ہوتا لیکن وقت سے پہلے قتل کرنے سے مستحب کو ترک کرنا لازم آ گیا اس وجہ سے آپ نے اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا کہ میرا اقدام ترک مستحب پر شیطان کے عمل سے ہے۔

دوسری یہ ہے کہ آپ کا اشارہ مقتول کے عمل کی طرف تھا اپنے عمل کی طرف تھا ہی نہیں آپ کا مطلب یہ تھا:

"عَمَلُ هٰذَا الْمَقْتُوْلِ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ الْمُرَادُ مِنْهُ بَيَانُ كَوْنِهٖ مُخَالِفًا لِلّٰهِ تَعَالٰى مُسْتَحِقًّا لِلْقَتْلِ"

''یہ شخص جو قتل ہو گیا ہے اس کے کام ہی شیطانی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مخالف تھا اس لئے یہ قتل کا مستحق تھا۔''

تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ نے عمل کا معنی لشکر اور گروہ لیا۔

"يَعْنِيْ اَنَّهٗ مِنْ جُنْدِ الشَّيْطَانِ وَحِزْبِهٖ يُقَالُ فُلَانٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ اَيْ مِنْ اَحْزَابِهٖ"

''آپ کے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ یہ قتل ہونے والا شخص شیطانی لشکر اور شیطانی گروہ سے ہے عام طور پر عربی محاورہ میں '' فلان من عمل الشیطان '' کہا جاتا ہے جس کا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شخص شیطانی گروہ سے ہے۔''

﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ﴾ کہنے کا ایک مطلب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے اللہ! جو مستحب کام مجھ سے چھوٹ گیا کہ میں نے اسے جلدی قتل کر دیا اگرچہ تاخیر کی جاتی اس کی وجہ سے میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اور تو اس ترک مستحب کو بھی معاف فرما۔

"رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ حَيْثُ قَتَلْتُ هٰذَا الْمَلْعُوْنَ فَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَوْ عَرَفَ ذَالِكَ لَقَتَلَنِيْ بِهٖ فَاغْفِرْلِيْ اَيْ فَاسْتُرْهُ عَلَيَّ وَلَا تُوْصِلْ خَبَرَهٗ اِلٰى فِرْعَوْنَ فَغَفَرَ لَهٗ اَيْ سَتَرَهٗ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلٰى فِرْعَوْنَ"❶

''اے میرے رب! میں نے اس ملعون کو قتل کر کے اپنی جان کے لئے وبال بنا لیا ہے کیونکہ اگر فرعون کو یہ پتہ چل گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اسلئے اے اللہ! میری پردہ پوشی فرما کہ یہ خبر فرعون تک نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون تک اس خبر کو پہنچنے سے محفوظ رکھا۔''

قتل کا راز ظاہر ہونا:

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ

''تو صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے؟ جبھی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی فریاد کر رہا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بے شک تو کھلا گمراہ ہے تو جب موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اس پر گرفت کرے جوان

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 24 ص 208 دار الفکر بیروت

جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾

(سورۃ القصص 5:20)

دونوں کا دشمن ہے' وہ بولا: اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے ایسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح نہیں کرنا چاہتے ہو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون کی قوم کے لوگوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ کسی بنی اسرائیلی نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے اس پر فرعون نے کہا کہ قاتل اور گواہوں کو تلاش کرو' فرعونی گشت کرتے پھرتے تھے اور انہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا تھا۔ دوسرے روز جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر اتفاق پیش آیا کہ وہی بنی اسرائیل جس نے ایک روز پہلے ان سے مدد چاہی تھی آج بھی پھر ایک فرعونی سے لڑ رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے فریاد کرنے لگا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا بیشک تو کھلا گمراہ ہے یعنی ہر روز لوگوں سے لڑتا ہی رہتا ہے۔ اپنے آپ کو بھی مصیبت اور پریشانی میں ڈالتا ہے اور اپنے مددگاروں کو بھی اور تو احتیاط کیوں نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے خوب رعب اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ارشاد فرمایا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم بھی آ گیا کہ فرعونی بڑے ظالم ہیں' لہٰذا اس کی امداد کرنی ہی چاہیے۔ جب آپ آگے بڑھے کہ اپنے اور اس بنی اسرائیلی کے دشمن کی گرفت کریں تو اس بنی اسرائیلی نے غلط فہمی میں خوف کرتے ہوئے سمجھا کہ آج شائد میرا کام تمام کرنا چاہتے ہیں' کہا: کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے کل ایک شخص کو تم نے قتل کر دیا تھا؟ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ راز کھل گیا کہ کل فرعونی کو قتل موسیٰ (علیہ السلام) نے کیا ہے۔ جب فرعون کو یہ خبر ملی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم نافذ کر دیا لوگ آپ کو ڈھونڈنے لگے۔ [1]

ایک مخبر نے موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا:

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّٰصِحِينَ ﴿۲۰﴾

(سورۃ القصص 5:20)

"اور شہر کے پرلے کنارے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہا: اے موسیٰ! (علیہ السلام) بے شک دربار والے (فرعونی درباری) آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جائیے میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔"

موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے والا...... کہ وہ لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں اور فرعون نے تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ بھی کر دیا ہے...... شخص آل فرعون سے تھا' جو مومن تھا لیکن ایمان کو چھپاتا تھا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اکون ھذا الرجل الجائی مؤمن من ال فرعون ھو المشھور" [2]

---

[1] تفسیر خزائن العرفان' سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت مذکورہ' ص 465 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 11 حصہ اول' ص 508 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

موسیٰ علیہ السلام کا "مدین" کی طرف ہجرت کرنا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾

(سورۃ القصص 5:20)

"تو اس شہر سے نکلے ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی: اے میرے رب! مجھے ستم گاروں (ظالموں) سے بچالے اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے کہا: قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ بتائے۔"

"مدین" سے مراد وہ شہر ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اس شہر کو مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ مصر اور مدین میں آٹھ دنوں کی مسافت تھی اس شہر پر فرعون کی حکمرانی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی شہر کی جانب جانے کی ہدایت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو یہ شہر اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی اس کا راستہ جانتے تھے۔ کوئی سواری پاس نہیں تھی راستے کا کوئی خرچ اپنے پاس نہیں تھا۔ صرف درختوں کے پتوں پر گزر کر کے آپ نے راستہ کی مسافت کو طے کیا۔ راستہ دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی معاونت کے لئے جبرائیل امین علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ فرعونی لوگ آپ کو تلاش کرتے رہے لیکن آپ کو تلاش نہ کر سکے کیونکہ مدین کو جانے والے تین راستے تھے آپ نے درمیانی راہ کو اختیار کیا اور وہ دوسرے راستوں پر آپ کو تلاش کرتے رہے۔ جب رب تعالیٰ آپ کی حفاظت کر رہا تھا تو وہ آپ کو تلاش کر بھی کیسے سکتے تھے؟[1]

موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾

(سورۃ القصص 6:20)

"اور آپ جب مدین کے پانی پر آئے، وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے؟ وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتیں جب تک سب چرواہے پلا کر پھیر نہ لے جائیں۔ اور ہمارے باپ بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان دونوں کو پانی پلا دیا۔ پھر سایہ کی طرف پھرا، عرض کی: اے میرے رب! میں اس کھانے کا جو تو میرے لئے اتارے محتاج ہوں۔"

---

[1] روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 11، حصہ اول، ص 59، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

جب آپ مدین کے ایک کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ کثیر مقدار میں کنویں پر جمع ہیں جو اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔کوئی اونٹوں کو پانی پلا رہا ہے' کوئی گائے بھینس کو اور کوئی بھیڑ بکریوں کو لیکن دیکھا کہ دو عورتیں ایک طرف اپنے جانوروں کو روک کر کھڑی ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتیں کہ مزاحمت کر کے آگے بڑھیں' ان کے نزدیک لوگوں سے پانی حاصل کرنے میں مزاحمت کرنا' جہاں بری بات تھی وہاں عورتوں کا مردوں سے آزادانہ میل جول اور دھکا بازی حرام تھی۔ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بھی دور کھڑی تھیں کہ کنویں سے پانی نکالنا زور آور مردوں کا کام تھا۔اس پر استعمال ہونے والے ڈول کو دس آدمی مل کر نکالتے تھے۔اور کنویں کے منہ پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا اسے ڈھکنے کے لئے اور ہٹانے کے لئے بھی دس آدمی مل کر ہٹاتے' نیز وہ یہ بھی نہ چاہتی تھیں کہ ان کے جانور دوسرے لوگوں کے جانوروں سے مل جل جائیں کہ انہیں علیحدہ کرنے میں دشواری ہو۔ان وجوہ کے پیش نظر وہ اپنے جانوروں کو علیحدہ ایک طرف روک کر کھڑی تھیں۔لوگوں کے فارغ ہو کر چلے جانے کا انتظار کر رہی تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا کہ تم ایک طرف اپنے جانوروں کو روک کر کیوں کھڑی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں ہم خود پانی نکال نہیں سکتیں اس لئے ایک طرف کھڑی رہتی ہیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تو جو پانی حوض میں بچ جائے وہ ہم اپنے جانوروں کو پلا لیں۔موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو ان پر رحم کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے کہا کہ اگر تم اتنے ہمدرد ہو تو خود ہی پلا دو۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے مل کر بھاری پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا آپ نے اکیلے ہی اس پتھر کو ہٹا دیا اور دس آدمیوں کے نکالنے والے ڈول کو اکیلے ہی نکال لیا۔

"فَدَعَا بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَرَّبَ غَنَمَهُمَا فَشَرِبَتْ حَتَّى رَوِيَتْ"۔ ''اور برکت کی دعا کی اور ان کی بکریوں کو پانی کے قریب کیا' وہ ایک ہی ڈول سے پانی پی کر سیراب ہو گئی۔''

پھر آپ ایک طرف سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی: اے اللہ! مجھے کھانا عطا فرما دے کیونکہ آپ سات دنوں سے صرف درختوں کے پتے ہی کھا رہے تھے۔ [1]

سبحان اللہ! نبی کی شان عظمت کا اندازہ کیجئے! کہ سات دنوں سے بھوکے لیکن دس آدمیوں سے بڑھ کر زور ابھی موجود ہے' سفر کی تھکان بھی اور کنواں سخت تپتی دھوپ میں' لیکن کوئی چیز بھی رکاوٹ نہ بن سکی' ہمدردی کی ایک عظیم مثال قائم کر دی۔

شعیب علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو طلب کرنا:

وہ دونوں لڑکیاں شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ جب عام معمول سے ہٹ کر آج وہ جلدی اپنے گھر لوٹ کر آ گئیں تو ان کے باپ نے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے آ گئی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ آج کنویں پر ایک نیک اور بہادر شخص تھا جس نے

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 24' ص 202 ...... روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 11 حصہ اول' ص 64

ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا اس لئے ہم جلدی واپس آگئی ہیں کہ ہمیں تمام لوگوں کے فارغ ہونے اور باقی بچ جانے والے پانی کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔

شعیب علیہ السلام نے کہا کہ جاؤ اور اس شخص کو بلا کر لاؤ۔ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علم عطا فرما دیا ہوگا کہ آنے والا شخص موسیٰ علیہ السلام ہے وہ بھی میرا نبی ہے جس کو کچھ عرصہ بعد میں نے اعلان نبوت کا حکم دینا ہے اسے تم اپنے پاس رکھو۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

(سورۃ القصص 6:20)

''تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی۔ بولی میرا باپ تمہیں بلاتا ہے کہ تمہیں بدلہ دے اس کا جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ جب (موسیٰ علیہ السلام) اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کر سنائیں اس نے کہا ڈریئے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے۔''

''اِنْ قَالَتْ ذَالِكَ فَلَعَلَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِمْ طَلَبًا لِلْاُجْرَةِ بَلْ لِلتَّبَرُّكِ بِرُؤْيَةِ ذَالِكَ الشَّيْخِ''۔

''لیکن موسیٰ علیہ السلام اجرت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں گئے تھے بلکہ صرف شعیب علیہ السلام کی زیارت کرنے کی غرض سے گئے تھے۔''

اگر چہ اس عورت نے تو یہ کہا تھا کہ آپ کو میرے باپ بلا رہے ہیں تا کہ تمہیں اجرت عطا کریں جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ اجرت لینے کے لئے میں جاؤں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچے تو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اعوذ باللہ! اللہ کی پناہ! شعیب علیہ السلام نے پوچھا: تم نے یہ کیوں کہا؟ تو آپ نے جواب دیا:

''اِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ لَا نَبِيْعُ دِيْنَنَا بِدُنْيَانَا وَلَا نَاْخُذُ عَلَى الْمَعْرُوْفِ ثَمَنًا''

''بے شک ہمارے گھرانے کے لوگ اپنے دین کو دنیا کے بدلے نہیں بیچتے' اور کسی بھلائی کی کوئی قیمت نہیں لیا کرتے۔''

شعیب علیہ السلام نے کہا:

''وَلٰكِنْ عَادَتِيْ وَعَادَةُ آبَائِيْ اِطْعَامُ الضَّيْفِ فَجَلَسَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَكَلَ''

''لیکن وہ میری اور میرے آباؤ اجداد کی عادت ہے کہ ہم مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد پر موسیٰ علیہ السلام بیٹھے اور کھانا کھایا۔''

لیکن پھر بھی بار بار خیال یہی آ رہا تھا کہ کہیں میری نیکی کے عمل کی یہ اجرت نہ ہو' جس سے میرے عمل کے خلوص میں

فرق آئے۔ بعدازاں شعیب علیہ السلام نے پوچھا کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے بتایا میں موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا۔ بچوں کا قتل کیا جانا آپ کو دریا میں ڈال دینا اور دایہ کا طلب کرنا۔ آپ کا اپنی والدہ کے پاس پرورش پانا قبطی کا ان کے ہاتھوں قتل ہونا اور فرعونیوں کا آپ کا تلاش کرنا۔ تمام واقعہ سننے کے بعد شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ''خوف نہ کرو ظالموں سے تمہیں نجات مل سکتی ہے۔''

یعنی ہمارے علاقہ پر فرعون اور اس کے لشکر کا ان شاء اللہ تسلط نہیں چلے گا یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ فرعون اپنے لاکھوں لشکریوں کے ہوتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کرنے کے باوجود صرف آٹھ دن کی مسافت پر تلاش نہ کر سکا۔

شعیب علیہ السلام کو بیٹی کا مشورہ:

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (سورۃ القصص 6:20) ''ان دونوں میں ایک نے کہا اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو بے شک بہتر نوکر وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔''

چونکہ شعیب کی بیٹی موسیٰ علیہ السلام کی بہادری کو دیکھ چکی تھی کہ دس آدمیوں کے نکالنے والے ڈول کو آپ نے اکیلے ہی نکال لیا اور بھاری پتھر کو اکیلے ہی کنویں کے منہ سے ہٹا دیا اور آپ کے تقویٰ کو بھی دیکھ چکی تھیں کیونکہ ان سے سوال کرنے میں آپ کی نگاہیں نیچے تھیں اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بھی یہی کہا کہ تم پیچھے پیچھے چلو۔ میں آگے چلتا ہوں تم مجھے پیچھے سے راہ بتلاتی آنا۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اگر میں پیچھے چلا تو میری نگاہ اس پر پڑے گی۔

خیال رہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہو رہا تھا۔ یہ کہنا کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی جوان بیٹی کو اکیلے ہی ایک اجنبی کو بلانے کے لئے بھیج دیا تھا' درست نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لَعَلَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ قَدْ عَلِمَ بِالْوَحْيِ طَهَارَتَهَا فَكَانَ يَعْتَمِدُ عَلَيْهَا" ''شعیب علیہ السلام کو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ اپنی بیٹی کو بھیج کر اس شخص کو بلائیں آپ کی بیٹی پاک دامن' تمام عیوب سے پاک اور با اعتماد ہے۔''

اور جس کو بلانے کے لئے جا رہی ہے وہ بھی تو میرا پیارا صاحب کمال نبی ہے۔ شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے موسیٰ علیہ السلام کے دو کمال ذکر کئے۔ قوت اور امانت یعنی آپ قوی (بہادر) اور امین (صاحب تقویٰ) ہیں۔ حالانکہ دو اور وصف جب تک نہ پائے جائیں اس وقت تک انسان کامل انسان نہیں ہوتا۔ وہ ہیں فطانت اور زیرک ہونا۔ لیکن یہ دونوں وصف امانت میں موجود

ہیں کیونکہ کامل امانت انسان میں فطانت اور عقل مندی کے بغیر نہیں پائی جا سکتی۔ [1]

سبحان اللہ! شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا انتخاب کیا خوب تھا؟ کہ بہادر ہونا جو کافروں کے ساتھ جنگ بھی کر سکے اور صاحب تقویٰ عقلمند اور سمجھ دار ہونا ہی انسان بناتا ہے۔ اور پھر یہ انتخاب بھی مشورہ کی حد تک تھا۔ عرض باپ سے ہی کیا کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ ہمارے باپ نے اپنی شریعت کے مطابق کسی شخص کو اپنے پاس رکھ کر اس سے بطور مہر خدمت لے کر ہمارا نکاح اس سے کرنا ہے۔

آج کی لڑکیاں اس سے سبق حاصل کریں جو والدین کی مرضی کے بغیر سبز باغ دکھانے والے لڑکوں کو پسند کر کے والدین کو عمر بھر کا روگ لگا کر از خود ہی ان کے پاس چلی جاتی ہیں لیکن ایسی لڑکیاں سو فیصد ناکام رہتی ہیں۔ چند دنوں کے بعد انہیں ذلت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

شعیب علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو شادی کی پیشکش:

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾

(سورۃ القصص 6:20)

"کہا میں چاہتا ہوں اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو پھر اگر پورے دس کر لو تو تمہاری طرف سے ہے۔ اور میں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ میرے درمیان اقرار ہو چکا ہے میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں۔ ہمارے اس قول پر اللہ کا ذمہ ہے۔"

شعیب علیہ السلام کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بیٹی کا نکاح اس نیک شخص سے کر دیا جائے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے مشورہ لیا کہ اگر تمہارا نکاح ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے کر دیا جائے تو کیا تم مہر کے بدلے آٹھ سال تک ہماری خدمت کر سکو گے؟ یعنی آٹھ سال تو تم پر واجب ہوں گے مزید دو سال خدمت کرنا مستحب ہوگا وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے قبول کر لیا اور عرض کیا کہ ان دو مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر لوں مجھے یہاں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس طرح دونوں کے درمیان معاہدہ طے ہو جانے کے بعد نکاح ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے مہر ادا کرنے کے لئے آپ کے گھر بحیثیت داماد خدمت کرنی شروع کر دی۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام

[1] تفسیر کبیر، علامہ رازی رحمہ اللہ، ج 24، ص 214 دار الفکر بیروت

کو بکریوں کو ہانکنے اور انہیں درختوں کے پتے جھاڑ کر کھلانے کے لئے ایک عصا دیا جو ساگوان کے درخت کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جو آدم علیہ السلام ساتھ لائے تھے اور پھر انبیائے کرام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ گیا یہی عصا بعد میں آپ کا معجزہ بن گیا۔ (1)

مدت کی تکمیل کے بعد مصر واپسی:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾

(سورۃ القصص 6:20)

''پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی میعاد پوری کر لی اور بی بی کو لے چلے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی اپنے گھر والی سے کہا: تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک طرف آگ نظر پڑی ہے شائد میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لئے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں تا کہ تم تاپو۔ پھر جب آگ کے پاس آئے ندا کی گئی میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں درخت سے کہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ رب ہوں سارے جہاں کا۔''

حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ سال اور دس سال خدمت کرنے کے متعلق کہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ اس کے متعلق امام بخاری اور دوسرے کئی حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو آپ نے جواب دیا: ''قَضٰی اَکْثَرَ وَاَطْیَبَهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا قَالَ فَعَلَ'' کہ موسیٰ علیہ السلام نے اکثر مدت یعنی دس سال مکمل خدمت کی تھی (کیونکہ آٹھ سال تو واجب تھے اور اوپر دو سال مستحب تھے جو پاکیزہ اور زیادہ ثواب کا ذریعہ تھے اس لئے آپ نے زیادہ ثواب والی مدت کو بھی یقیناً پورا کیا۔) اور اللہ تعالیٰ کا رسول جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔ (2)

دس سال جب آپ نے خدمت کے مکمل کر لئے تو آپ نے شعیب علیہ السلام سے مصر جانے کی اجازت طلب کی تا کہ اپنی والدہ اور اپنے بھائی سے ملاقات کریں اور یہ خیال کیا کہ قبطی کے قتل کو بھی کافی عرصہ گزر چکا ہے اب معاملہ کچھ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ نے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا ایک سواری اور کچھ بکریاں بھی ساتھ تھیں۔ مختصر سامانِ سفر ضروریات کے لئے ساتھ لیا اور شام کے بادشاہوں کے خطرہ کے پیشِ نظر آپ نے عام راستہ کو چھوڑ کر ایک اور صحرائی راستہ اختیار کیا' راستہ بھی بھول گئے۔ آپ کی بکریاں وغیرہ بھی متفرق ہو گئیں۔ پانی وغیرہ بھی پاس نہیں تھا۔ طور

(1) تفسیر مدارک' امام نسفی رحمہ اللہ بحوالہ تفسیر جلالین' ص 329 (2) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 11' ص 71

کی غربی جانب وادئ طوی میں جب آپ پہنچے تو جمعہ کی رات کو جو بہت زیادہ سرد تھی آپ کے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ آپ نے طور کی بائیں جانب راستہ میں آگ دیکھی' تو اپنی زوجہ کو کہا:

''تم یہاں ہی ٹھہرو کہ میں وہاں سے آگ کی چنگاری لے آؤں یا وہاں سے آگ سلگا کر لاؤں تا کہ تم آگ تاپ سکو اور سردی کم محسوس ہو۔''

خیال رہے کہ قرآن پاک میں جذوۃ (چنگاری)' قبس (شعلہ) اور شہاب (چمک' شعلہ) کے لفظ استعمال ہیں یعنی میں چنگاری لے آؤں یا شعلہ لے آؤں یعنی کوئی ایسی چیز وہاں سے سلگا کر لے آؤں یا وہاں کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے یہ راہ معلوم کر لوں۔

آپ علیہ السلام جب آئے تو دیکھا کہ آگ۔ آہستہ آہستہ شعلے مار رہی ہے۔ جب قریب آئے تو آگ نے شدت اختیار کر لی۔ بہت بڑی شعلے مارنے والی آگ نظر آئی عجیب منظر یہ تھا کہ آگ ایک درخت سے نکل رہی تھی آگ جتنی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح درخت کے پتے بھی زیادہ سبز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ اسی سوچ میں کچھ دیر تک گم رہے آگ کی شدت کہاں اور درخت کے پتوں کا سبز ہونا کہاں؟ کافی دیر سوچنے کے بعد اگرچہ ذہن نے کوئی فیصلہ نہ کیا تاہم خیال کیا کہ آگ سلگا کر لے جاؤں جب آپ ارادہ کرتے ہیں' کہ آگ سلگاؤں تو آگ دور ہو جاتی ہے پھر سوچ میں گم ہو جاتے ہیں۔ [1]

تنبیہ: آگ کی چار قسمیں ہیں:

① ایک وہ جو کھاتی ہے پیتی نہیں' یہ ہے ''دنیا کی آگ۔''

② دوسری وہ جو کھاتی ہے اور پیتی بھی ہے' وہ ہے ''معدہ کی آگ۔''

③ تیسری وہ جو کھاتی بھی نہیں اور پیتی بھی نہیں' یہ وہ آگ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی۔

④ چوتھی وہ آگ ہے جو پیتی ہے' کھاتی نہیں۔ یہ وہ آگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے کیا:

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ (سورہ یٰسین 4:23)

''جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی جبھی تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔''

یعنی عرب کے علاقوں میں دو درخت ہوتے ہیں جو وہاں جنگلوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ایک کا نام ''مرخ'' اور دوسرے کا نام ''عفار'' ہے ان کی خاصیت یہ ہے کہ جب ان کی سبز شاخیں کاٹ کر ایک دوسرے پر رگڑی جائیں تو ان سے آگ نکلتی ہے باوجود یکہ وہ اتنے تر ہوتے ہیں کہ ان سے پانی ٹپکتا ہے۔ اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کی کتنی عظیم

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9' حصہ اول' ص 165

نشانیاں ہیں کہ آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ایک اور لحاظ پر بھی آگ کی چار قسمیں ہیں:

① ایک وہ آگ جس میں روشنی تو تھی لیکن جلانے کی تاثیر نہیں تھی' یہ وہ آگ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی تھی۔

② دوسری وہ جس میں جلانے کی طاقت تو ہوگی لیکن اس میں روشنی نہیں ہوگی۔ یہ ''جہنم کی آگ'' ہے۔

③ تیسری وہ آگ ہی جس میں روشنی بھی پائی جاتی ہے اور جلانے کی طاقت بھی اسے حاصل ہے' یہ ''دنیا کی آگ'' ہے۔

④ چوتھی قسم یہ ہے کہ اس میں روشنی بھی نہیں اور جلانے کی تاثیر بھی نہیں جو آگ درخت میں رکھی گئی ہے۔ جب ان کی شاخوں کو نہ رگڑیں اس وقت تک ان میں آگ تو ہوتی ہے لیکن ظاہر نہیں ہوتی۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام آگ کے عجیب منظر سے سوچ میں گم تھے کہ آپ کو آواز دی گئی:

یٰمُوْسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ۚ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾ ''اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بے شک تو پاک جنگل ''طویٰ'' میں ہے۔'' (سورۃ طٰہٰ 10:16)

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے فضل وکرم سے یہ علم دے دیا کہ آپ نے آواز کو سن کر سمجھ لیا۔ یقین کر لیا کہ یہ میرے رب کی آواز ہی ہے۔ یہ آپ کا معجزہ ہے رب تعالیٰ کی آواز کسی مکان سے نہیں آرہی تھی' وہ مکان سے پاک ہے اس کی آواز کی کیفیت کو بھی نہیں بیان کیا جا سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب درخت سے آسمانوں کی طرف اٹھنے والے نور کو دیکھا اور اس میں فرشتوں کی تسبیحات کو سنا اور آپ کو جب یہ آواز دی گئی تو آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا: لبیک میں تیری خدمت میں حاضر ہوں میں تیری آواز تو سن رہا ہوں' تجھے دیکھ نہیں رہا تو کہاں ہے؟ رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی:

''اَنَا مَعَکَ وَاَمَامَکَ وَخَلْفَکَ وَمُحِیْطٌ بِکَ وَاَقْرَبُ اِلَیْکَ مِنْکَ'' ''میں تمہارے پاس ہوں' تمہارے سامنے ہوں' تمہارے پیچھے ہوں' تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہوں اور تم سے بھی تمہارے زیادہ قریب ہوں۔''

آپ نے تمام وسوسات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی آواز کو اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے اور اپنے پیچھے سے اور اپنے دائیں طرف سے اور اپنی بائیں طرف سے ایسے ہی سن رہا ہوں جیسے سامنے سے سن رہا ہوں۔

''فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ لَیْسَ بِکَلَامِ الْمَخْلُوْقِیْنَ'' ''مجھے یقین ہوگیا یہ کلام مخلوق میں سے کسی کا بھی نہیں ہوسکتا۔''

فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ آپ اپنے جوتے اتار دو۔ ایک تو اس کا مشہور ومعروف مطلب یہ ہے کہ آپ پاکیزہ جگہ آگئے ہیں جہاں میری تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے اور میں تم سے ہم کلام ہوں اسلئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے جوتے اتار دو۔ ایک اور وجہ جوتے

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ.........خزائن العرفان' مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ' پ 23' ع 4

اتارنے کی یہ بھی تھی:

"اِنَّمَا اُمِرَ بِخَلْعِهِمَا لِيَنَالَ قَدَمَيْهِ بَرَكَةُ الْوَادِيْ وَهٰذَا قَوْلُ الْحَسَنِ وَسَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَمُجَاهِدٌ" ❶

"حضرت حسن، سعید جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ آپ کو جوتے اتارنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ آپ کے قدموں کو اس سرزمین کی برکت حاصل ہو جائے۔"

اور وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ خواب میں جوتا دیکھنے سے مراد زوجہ اور اولاد لیا جاتا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ آپ اپنے دل میں زوجہ اور بچے کا خیال نہ رکھو ان کی طرف مشغول نہ ہو بلکہ خالص توجہ میری ذات کبریائی کی طرف ہو۔ اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کو چھوڑ دو گویا کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کلی طور پر تم اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اپنے دل کو مستغرق کر دو۔ ❷

رب تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام کو ارشادات:

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

(سورۃ طٰہٰ 16:10)

"اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے، بے شک میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ، بے شک قیامت آنے والی ہے، قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔"

رب تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ میں نے اپنی رسالت و نبوت کے لیے تمہیں تمام لوگوں اور تمہاری قوم سے چن لیا ہے، اس لئے اب میں تمہیں وحی کرنے لگا ہوں تم کامل توجہ سے سننا۔ رب تعالیٰ کے اس حکم کو سنتے ہی آپ ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور ایک پتھر سے سہارا لگا لیا۔ اپنے دائیں ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اپنی ٹھوڑی کو اپنے سینے سے لگایا اور کامل طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

فائدہ: حضرت وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

---

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 22، ص 17 ❷ ایضاً

"اَدَبُ الْاِسْتِمَاعِ سُكُوْنُ الْجَوَارِحِ وَغَضُّ الْبَصَرِ وَالْاِصْغَاءُ بِالسَّمْعِ وَحُضُوْرُ الْعَقْلِ وَالْعَزْمُ عَلَى الْعَمَلِ وَذٰلِكَ هُوَ الْاِسْتِمَاعُ لِمَا يُحِبُّ اللّٰهُ تَعَالٰى" ❶

"سننے کے آداب یہ ہیں کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو حرکت دینے سے باز رکھے نظر نیچے رکھے یعنی ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ کلام کرنے والے کی طرف ہی صرف متوجہ ہو اور مکمل طور پر کان لگا کر سنے اور عقل کو حاضر رکھے اور پھر کام کرنے کا مصمم ارادہ رکھے بس یہی وہ سننا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔"

فائدہ: اسی انداز و آداب پر سبق سننے والے طلباء اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کامیاب ہو جاتے ہیں' ورنہ ایک ہی کلاس میں بیٹھے ہوئے ذہین اور زیرک طلباء محروم ہو جاتے ہیں۔ کم ذہن والے برتری لے جاتے ہیں۔ شرارتی قسم کے طلباء استاذ کے ادب سے محروم' چوہدراہٹ کے طلبگار حضرات کی قسمت میں محرومیت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی وحدانیت کا ذکر فرمایا کیونکہ اس کی ذات وصفات پر ایمان لانا اصل الاصول (سب اصلوں کی اصل) ہے' پھر اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' پھر نماز کا حکم دیا کہ یہ میری یاد کا ذریعہ ہے' پھر قیامت کا ذکر فرمایا کیونکہ جسے یہ یقین ہوگا کہ قیامت آنی ہے اور نیکیوں اور برائیوں کا حساب بھی ہونا ہے۔ وہی شخص ایمان لائے گا اور عبادت بھی کرے گا اور حرمات سے اجتناب بھی کرے گا' پھر قیامت کو مخفی رکھنے کا ذکر فرمایا اس لئے کہ اگر وقت بتا دیا جاتا تو لوگ کہتے ابھی قیامت دور ہے' دوسرے مقام پر قیامت کے قریب ہونے کا ذکر کہ اخروی لازوال زندگی کے مقابل یقیناً قیامت قریب ہی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا ہونا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ٭ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

(سورۃ طٰہٰ 10:16)

"اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰ علیہ السلام! عرض کی: یہ میرا عصا ہے' میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں۔ فرمایا: اسے ڈال دے اے موسیٰ علیہ السلام! تو موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ جبھی دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا' اور فرمایا: اسے اٹھا لے اور ڈر نہیں اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملا' خوب سفید نکلے بغیر کسی مرض کے۔ ایک اور نشانی کہ ہم تمہیں بری بڑی نشانیاں دکھائیں۔"

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 22' ص 19

"وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ" "تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تلك اشارہ ہے عصا کی طرف اور بیمینك سے مراد آپ کا ہاتھ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا دونوں کی طرف تو ہر ایک کو غالب معجزہ اور روشن دلیل بنا دیا۔ جمادیت (بے جان) سے مقام کرامت تک پہنچا دیا۔

جب رب تعالیٰ کی ایک نظر سے جماد حیوان بن گیا اور کثیف جسم نورانی اور لطیف بن گیا' تو کون سی تعجب والی بات ہے کہ گنہگار مسلمانوں کے مردہ دلوں کو عبادت کی وجہ سے سعادت اور نورِ معرفت حاصل ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اپنی نظر رحمت سے نوازتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی برکت کی وجہ سے جب عصا اژدہا بن گیا اور آپ علیہ السلام کا عظیم معجزہ بن گیا تو کون سا مقام تعجب ہے؟ کہ مومن کا دل معصیت سے نکل کر نور معرفت کی طرف منتقل ہو جائے؟ جبکہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوتا ہے۔ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ"

رب تعالیٰ نے آپ سے پوچھا تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ جب جواب دیں گے کہ یہ عصا ہے تو پھر اژدہا بننے پر آپ کو کوئی خوف نہیں ہوگا کہ یہ تو وہی عصا ہے جو ابھی میں نے پھینکا تھا۔ [1]

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا گیا کہ رب تعالیٰ نے آپ سے کیا فرمایا اور آپ نے کیا عرض کیا؟ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا اسے یوں ذکر کیا "فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى" "وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ اس کی تفصیل نہیں بیان فرمائی:

"وَالَّذِيْ ذَكَرَهٗ مَعَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ سِرًّا لَهٗ يَسْتَاْهِلُ لَهٗ اَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ" "جو باتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئیں وہ آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز کی باتیں تھیں مخلوق سے کوئی اس کا اہل ہی نہیں تھا کہ اسے بتایا جاتا۔"

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو قیامت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور سلام سے عزت و تکریم بخشے گا رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" "ان پر سلام ہوگا مہربان کا فرمایا ہوا۔ [2]

موسیٰ علیہ السلام نے سوال کے جواب میں فرمایا: "هِيَ عَصَايَ" "یہ میرا عصا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام بھی کر رہے ہیں لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہونے کا مقام حاصل نہ ہوا کیونکہ آپ کو اپنے عصا کا علم ہے کہ یہ میرا عصا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی توجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہیں۔ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 25-24 [2] ایضاً

وَمَا طَغٰی "آنکھ نہ کسی کی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔ آپ انوار تجلیات باری تعالیٰ میں ایسے محو تھے کہ کسی اور طرف آنکھ پھرتی ہی نہ تھی' بلکہ جب رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کہا گیا ہے "اِمْدَحْنَا" ہماری مدح کیجئے! تو آپ نے عرض کیا: لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ میں تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد آپ رب تعالیٰ کی ثناء اور اپنے آپ کو بھی بھول گئے اور عرض کیا: "اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ" اے اللہ! تیری وہی تعریف ہے جو تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو جب زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن گیا' قرآن پاک میں اس کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں: "حیۃ' جآن' ثعبان" چھوٹا سانپ ہو یا بڑا' مذکر ہو یا مونث' سب کو حیۃ کہا جاتا ہے لیکن "ثعبان" بہت بڑے جسم والے سانپ کو کہا جاتا ہے اور "جآن" باریک سانپ کو کہتے ہیں۔ تینوں الفاظ کا ایک ہی سانپ پر استعمال اس طرح ہے کہ جب آپ علیہ السلام عصا کو پھینکتے تو ابتدائی طور پر وہ باریک سانپ بن جاتا پھر آہستہ آہستہ پھیلتا جاتا اور بڑا اژدہا بن جاتا۔ یا صورت یہ تھی کہ وہ جسم کے لحاظ پر تو بہت بڑا سانپ یعنی اژدہا بن جاتا لیکن دوڑ اور پھرتی میں باریک سانپ کی طرح ہوتا۔[1]

موسیٰ علیہ السلام کا جواب صرف اتنا کافی تھا کہ یہ میرا عصا ہے لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے سلسلہ کلام بڑھاتے ہوئے از روئے محبت کے بات کو لمبا کیا اور کہا: میں اس پر سہارا لگاتا ہوں' اس سے پتے جھاڑ کر اپنی بکریوں کو کھلاتا ہوں اور بھی اس سے میں منافع حاصل کرتا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایک معجزہ یہ عطا ہوا کہ آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈالتے ہیں تو وہ اژدہا بن جاتا ہے اور جب اسے پکڑتے ہیں تو وہ پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ کر عصا بن جاتا ہے۔ دوسرا معجزہ آپ کو یہ عطا ہوا کہ آپ کو اپنے دائیں ہاتھ کو بغل کے نیچے بازو سے لگاتے اور پھر باہر نکالتے تو وہ سفید چمکدار ہو جاتا جو نظروں پر چھا جاتا حالانکہ آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔

فرعون کو تبلیغ کا حکم:

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۲۴﴾ (سورۃ طٰہٰ 20:16) "فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش بن گیا ہے۔"

رب تعالیٰ نے جب آپ کو رسالت و نبوت کے منصب پر فائز کر دیا تو حکم دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جاؤ اسے میری وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دو' وہ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے میرے حقوق کا انکار کر چکا ہے۔ میری ربوبیت کا منکر ہے۔ اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں اس سے غافل ہوں، قسم ہے مجھے اپنی عزت کی اگر میں نے بندوں کو مہلت نہ دے رکھی ہوتی تو وہ میری گرفت میں کب کا آ چکا ہوتا۔ اور میرے غضب کی وجہ سے زمین و آسمان پہاڑ دریا وغیرہ سب چیزیں اس پر غضب

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22'

میں ہوتیں۔اب اس پر میری گرفت کا وقت آ چکا ہے۔تم اسے بتاؤ کہ اللہ ایک ہے اس کے بغیر کوئی معبود نہیں تو اپنے رب ہونے سے توبہ کر لے اگر وہ راہ راست پر آ گیا تو بہتر' ورنہ اسے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔❶

موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾

(سورۃ طٰہٰ 11:16)

''عرض کی اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔اور میرے لئے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں۔اور میرے لئے میرے گھر والوں سے ایک وزیر کر دے۔وہ کون؟ میرا بھائی ہارون اس سے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر' کہ ہم کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کریں۔بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔رب تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تیری مانگ تجھے عطا ہوئی۔''

وجہ اس کی یہ ہوئی تھی کہ فرعون نے آپ کو ایک مرتبہ اٹھایا ہوا تھا آپ نے اس کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچ لیا چونکہ وہ اپنی داڑھی میں لعل و جواہر سجا کر رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کی داڑھی کو کھینچنے کی وجہ سے غصہ میں اس نے آپ کو تھپڑ مار دیا اور کہا کہ یہ ہی میرا دشمن ہے ایک تلوار والے شخص کو بلا کر آپ کو قتل کرنا چاہا تو اس کی زوجہ آسیہ جو موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتی تھی کہنے لگی: یہ بچہ ہے' اس نے تو تمہارے جواہر دیکھ کر کھینچ لیا ہے۔اسے ابھی یاقوت اور آگ کے انگاروں میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی حاصل نہیں۔فرعون نے کہا ٹھیک ہے' دیکھتے ہیں کہ یہ سمجھ دار ہے یا نہیں۔دہکتی آگ کے انگارے اور یاقوت آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اپنا ہاتھ یاقوت کی طرف بڑھانا چاہا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے ہاتھ کو آگ کے انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔جب آپ کو آگ گرم لگی تو آپ نے وہ چنگاری منہ میں ڈال لی جس سے آپ کی زبان کچھ جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی۔اب اسی کے زوال کی دعا کی تاکہ لوگ میری بات کو آسانی سے سمجھ سکیں۔اسی وجہ سے آپ نے اپنے بھائی کی معاونت کی درخواست کی کہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔

لیکن خیال رہے کہ دعا کرتے وقت یہ ہی حالت تھی کہ ہارون علیہ السلام کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی وہ کلام صاف کرتے تھے اور ان کا انداز بیان فصیح ہوا کرتا' ان کی بات آسانی سے سمجھ لیتے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی زبان کو سمجھنے میں لوگوں کو مشکل در پیش آتی جب آپ نے دعا کی اور رب تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر یہ مژدہ سنا دیا۔''قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى'' ''اے موسیٰ

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ اول' ص 181

علیہ السلام تمہاری مانگ تمہیں دے دی گئی۔تو آپ کی زبان مکمل صحیح ہوگئی۔آپ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام سے زیادہ فصاحت حاصل ہو گئی لیکن آپ نے دعا میں حضرت ہارون علیہ السلام کی جو معاونت طلب کی تھی وہ بھی قبول ہوگئی یعنی رب تعالیٰ نے آپ کی زبان کو درست فرما کر مزید احسان فرماتے ہوئے آپ کو ہارون علیہ السلام کی معاونت بھی عطا فرما دی۔

"وَالْحَاصِلُ اَنَّ مَا اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی بَقَاءِ عُقْدَةٍ مَّا فِیْ لِسَانِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَعَدَمِ زَوَالِهَا بِالْکُلِّیَّةِ غَیْرُ تَامٍّ"

(روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9' ص 183)

''حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دلائل پیش کرنا کہ'' آپ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو مکمل نہیں کھولا گیا تھا گرہ باقی رہی جس کی وجہ سے کچھ لکنت باقی رہی'' درست نہیں۔''

فائدہ: ''وزیر'' مشتق ہے وِزْرٌ سے' جس کا معنی ہے بوجھ اٹھانا۔وزیر کا معنی ہوا بوجھ اٹھانے والا لیکن افسوس کہ ہمارے زمانے کے وزراء قوم کا بوجھ اٹھانے کی بجائے قوم پر بوجھ بن کر بیٹھے ہیں۔قومی خزانہ کو لوٹ کر کھا چکے ہیں۔کھربوں روپے پاکستان پر قرض' ان وزراء کی شاہ خرچیوں اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے لازم آ رہا ہے۔شرعی اصولوں کو چھوڑ کر مغربی جمہوریت کی رٹ لگانا بیہودگی ہے۔

دونوں بھائیوں کو حکم دیا:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی ﴿۴۴﴾

(سورۃ طٰہٰ 11:16)

''اور میں نے مخصوص کر لیا ہے اپنی ذات کے لئے۔اب جایئے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لیکر' اور نہ سستی کرنا میری یاد میں آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں' وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شائد کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔''

دونوں بھائیوں کو فرعون سے نرم کلام کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری سخت گفتگو سے طیش میں آ کر تمہارے لئے مصیبت نہ بن جائے۔اور تمہاری وجہ سے جو دوسروں کو تعلیم حاصل ہونی ہے اس کا مقصد بھی نہ فوت ہو جائے۔ہر مبلغ کے لئے اس میں رہنمائی ہے۔مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہوگا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔

"قُلْتُ الْقَوْلُ اللَّیِّنُ هُوَ الْقَوْلُ الَّذِیْ لَا خُشُوْنَةَ فِیْهِ فَاِذَا کَانَ مُوْسٰی اُمِرَ بِاَنْ یَّقُوْلَ لِفِرْعَوْنَ قَوْلًا لَّیِّنًا فَمَنْ دُوْنَهٗ اَحْرٰی"

''میں کہتا ہوں کہ لین یہ ہے کہ اس میں نرمی ہو کوئی سختی نہ ہو جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ فرعون سے نرم کلام کریں تو دوسروں کو زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی نرم کلام کریں۔''

لَعَلَّہٗ میں لعل کے معنی میں جو امید ورجاء ہے اس کا تعلق ذات باری سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام سے ہے یعنی تم اس امید پر پوری کوشش کرنا کہ شاید وہ ہدایت قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ ❶

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

(سورۃ شعراء 6:19)

''فرعون نے کہا: کیا ہم نے تمہیں اپنے بچپن میں نہیں پالا؟ اور تم نے ہمارے ہاں اپنی عمر کے کئی برس نہیں گزارے؟ اور تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا اور تم ناشکرے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے وہ کام کیا جب مجھے راہ کی خبر نہ تھی تو میں تمہارے ہاں سے نکل گیا جبکہ تم سے ڈرا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے کیا۔ اور یہ کوئی نعمت ہے جس کا تو مجھے احسان جتاتا ہے حالانکہ تو نے غلام بنا کر رکھے ہیں بنی اسرائیل۔''

موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں قبطی کو مکا مارا تھا جس سے وہ مر گیا اور آپ مدین چلے گئے یا اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ زیادہ مناسب یہی قول نظر آتا ہے کیونکہ آپ دس سال شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اس طرح چالیس سال مکمل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام کا اعلان نبوت چالیس سال کی عمر میں ہی ہوتا رہا۔ فرعون نے کہا: ہم نے تمہیں بچپن میں پالا اور اتنی عمر تک ہمارے پاس رہے تو ہماری نعمتیں کھاتے رہے لیکن تم نے ان نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور ہمارے ایک آدمی کو بھی مار ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: قتل کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا صرف اس شخص کو ادب سکھانا مقصود تھا لیکن وہ بے ارادہ قتل ہو گیا۔ اس کی ناگہانی موت پر مجھے مجرم بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا اور نہ ہی مجھے شہر کو چھوڑ کر جانے کی ضرورت تھی لیکن جب تم نے غلط فیصلہ کر دیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کا حکم دے دیا تو میں اپنی جان کے خوف سے شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

''فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ وَالْمُرَادُ بِذٰلِكَ الذَّاهِلِيْنَ عَنْ مَعْرِفَةِ مَا يَؤُوْلُ اِلَيْهِ مِنَ الْقَتْلِ لِاَنَّهٗ فَعَلَ الْوَكْزَةَ عَلٰى وَجْهِ التَّاْدِيْبِ'' ❷

''ضالین کا معنی ہے غافل ہونا یعنی میں نے یہ کام غفلت میں کیا۔ یہ بات میرے علم میں بھی نہ تھی کہ وہ ایک مکے سے ہی مر جائے گا۔ میں نے مکا اسے ادب سکھانے کے لئے مارا تھا قتل کرنے کیلئے نہیں مارا تھا۔''

---

❶ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 3، ص 113

❷ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 22، ص 125

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اب میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہوں: کیونکہ اس نے مجھے حکم عطا فرمایا جسے حکم حاصل ہوا سے علم بھی حاصل ہوتا ہے' جسے علم حاصل ہو اس کی عقل اور رائے کامل ہوتی ہیں۔ علم سے مراد دین ہے جس میں توحید باری تعالیٰ کا علم سب سے اصل ہے...... اور آپ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' یقیناً میرا منصب وہی ہوگا جو سب انبیائے کرام کو حاصل رہا' پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ تو مجھے یہ احسان جتلا رہا ہے کہ تو نے میری تربیت کی' حالانکہ تو نے سارے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ مالک پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی پرورش کرے۔ مالک کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے غلاموں کی تربیت کا انہیں احسان جتلائے۔

پھر یہ کہ تو نے مجھے کون سی نعمتیں اپنی طرف سے دی ہیں؟ مجھ پر مال تو وہی خرچ کیا جو میری قوم سے بحیثیت غلام وصول کیا جاتا ہے۔ پھر تجھے یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ تو نے میرے خاندان کے لاکھوں آدمیوں سے ہر مشکل کام لیا اور ان پر جزیہ مقرر کیا؟ اس خاندان کے ایک بچے کی تربیت کا احسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا۔ مجھے پالنے والے بھی تو میرے اپنے لوگ ہی تھے۔ یا میری ماں نے مجھے پالا ہے۔ یا میرے خاندان کے لوگوں نے۔ تم تو مجھے قتل کرنا چاہتے تھے' میری وجہ سے تو تم نے میری قوم کے ہزاروں بچے ذبح کرا دیئے۔ یہ میری تربیت اور مجھے ذبح ہونے سے بچانا تو صرف میرے رب تعالیٰ کا مجھ پر فضل ہے' ورنہ تیرے احسانوں سے تو تیرے ظلم زیادہ ہیں۔ تیرے مظالم نے تیرے احسان تباہ و برباد کر کے رکھ دیئے ہیں۔ اب تو کس وجہ سے احسان جتلا رہا ہے؟ [1]

موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حکم سے کہا:

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

(سورہ طہ 11:16)

''پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے' ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے' اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے' بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلامِ الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت' پھر مقصد تخلیق کی طرف ہر چیز کی رہنمائی کی۔''

بنی اسرائیل پر مصر میں بڑے بڑے مظالم ہو رہے تھے' انہیں بیگار میں پکڑا جاتا۔ بے زبان چوپائیوں کی طرح ان سے

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 126

دن بھر مشقت کے کام لئے جاتے اور ان سے ہر طرح کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریادسنی اور ان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے اپنے دو بندوں کو روانہ فرمایا مصری لوگ سورج دیوتا کو "الہ اکبر" (بڑا خدا) یقین کرتے تھے اور مصر کے فراعنہ (تمام فرعون) اپنے آپ کو اس سورج دیوتا کا "اوتار" کہتے تھے۔ اسی طرح مصریوں کے مذہبی عقیدے کا سہارا لے کر انہوں نے اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رکھی تھی۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے آپ کو رب (سورج دیوتا) کا مظہر سمجھتا اور ......"اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" ہونے کی ڈینگیں مارتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ" اے فرعون! ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں۔ تو وہ چونکا اور بڑبڑایا' ہیں! میرا بھی کوئی رب ہے؟ سب مصریوں کا میں رب ہوں' میرا کوئی رب نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ (علیہ السلام) غلط کہہ رہا ہے۔"

اس نے پوچھا: ذرا اس رب کی حقیقت بتاؤ جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ایک فقرہ کہا اور کوزے میں دریا بند کر کے رکھ دیا فرمایا: "میرے پروردگار وہ ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اپنا وظیفہ حیات اور مقصدِ تخلیق بحسن و خوبی ادا کر سکے' پھر اسے اتنی سوجھ بوجھ بھی عطا کر دی کہ وہ صحیح طور پر ان قوتوں سے کام لے سکے' پرندوں کو پر بخشے اور پھر انہیں اڑانے کا سلیقہ بھی خود ہی سکھا دیا۔ مچھلی کو ایسا جسم دیا کہ وہ گہرے دریاؤں اور طوفانی سمندروں میں تیر سکے اور ساتھ اس نے تیرنے کا ڈھنگ بھی بتایا۔ گوشت خور درندوں کے پنجے اور دانت بنائے کہ وہ اپنا شکار پکڑ سکیں۔ اونٹ کی قامت کو بلند کیا تو اس کی گردن بھی لمبی بنا دی تاکہ اونچے درختوں کے پتے بھی کھا سکے اور نیچے زمین سے گردن جھکا کر پانی پی سکے۔ صحراؤں میں جہاں پانی کی سطح بہت نیچی ہوتی ہے وہاں جو درخت اگائے ان کی جڑیں اتنی لمبی بنا دیں کہ وہ زمین کی تہہ سے اپنی خوراک حاصل کر سکیں۔ ہر خطہ زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات کو وہاں کے مخصوص موسمی تقاضوں کے مطابق لباس بھی دیا اور رزق بھی۔ پھر اس گلشنِ ہستی کے گل سر سبز اور بزم حیات کے صدر نشین حضرت انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالئے' آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کی عظمت کا یقین ہو جائے گا۔

علامہ زمخشری "اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ صُوْرَتَهٗ وَشَكْلَهُ الَّذِيْ يُطَابِقُ الْمَنْفَعَةَ الْمَنُوْطَةَ بِهٖ" "یعنی ہر چیز کو ایسی شکل و صورت بخشی جو ان فوائد اور منافع کے لئے موزوں و مناسب ہے جن کے لئے اس کی تخلیق ہوئی۔"

اور "ثُمَّ هَدٰى" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَيْ عَرَفَ كَيْفَ يَرْتَفِقُ بِمَا اَعْطٰى وَكَيْفَ يَتَوَصَّلُ اِلَيْهِ" (تفسیر کشاف بحوالہ ضیاء القرآن' ج 3' ص 115) "یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوتوں سے کس طرح کام لے اور ان منفعتوں تک کیسے رسائی حاصل کرے۔"

"قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" فرعون نے کہا اور سارے جہان کا رب کیا ہے؟ یعنی جس رب العالمین کا تم اپنے آپ کو رسول کہتے ہو وہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت بیان کرنا انسانی طاقت سے ماوراء ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے ایسا حکمت بھرا جواب دیا جسے وہ بھی سمجھنے کی کوشش کرتا تو سمجھ جاتا۔

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (سورۃ شعراء 6:19) ''موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا رب تعالیٰ ہے اگر تمہیں یقین ہو۔''

یعنی اگر تم اشیاء کو دلیل سے جاننے کی صلاحیت رکھتے ہو تو ان چیزوں کی پیدائش ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی کافی دلیل ہے۔

خیال رہے کہ ''ایقان'' اس علم کو کہتے ہیں جو استدلال سے حاصل ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی شان میں ''موقن'' نہیں کہا جاتا۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (سورۃ شعراء 6:19) ''فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا کیا تم غور سے سنتے نہیں؟''

اس کے گرد اس وقت اس کی قوم کے بڑے بڑے سردار تھے وہ لوگ پانچ سو کی تعداد میں زرق برق لباس سے آراستہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے فرعون نے کہا: کیا تم غور سے موسیٰ (علیہ السلام) کی بات نہیں سنتے ہو؟ یہ کہتا ہے زمین و آسمان کو بھی پیدا کرنے والا ہے حالانکہ زمین و آسمان قدیم ہیں۔ انہیں تو کسی نے نہیں پیدا کیا ان کے لئے رب تعالیٰ کی کیا حاجت ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر دلیل بدل دی۔ ایسی چیزوں کا ذکر کیا جن کے حادث ہونے یعنی پہلے نہ ہونے پھر فنا ہونے کا وہ بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (سورۃ شعراء 6:19) ''آپ نے کہا: وہ تمہارا رب تعالیٰ ہے اور تمہارے اگلے آباؤ (اجداد) کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور عقل نہیں رکھتے۔''

فرعون اپنے سوا کسی کو معبود نہ سمجھتا تھا؟ طنز کے طور پر کہا: یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے یعنی یہ خود جو رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ عقل سے دور ہیں کیونکہ فرعون اس شخص کو عقل سے دور سمجھتا تھا جو اسے معبود نہیں مانتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی گفتگو انسان اس وقت کرتا ہے جب دلائل سے عاجز آ جائے لیکن نبی کی عظمت کو دیکھئے! آپ علیہ السلام اپنے دلائل پھر بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کو مجنون دیوانہ کہہ رہا ہے لیکن آپ رب تعالیٰ کی ربوبیت کو اپنے دلائل سے بیان فرما رہے ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورۃ شعراء 6:19) ''آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تو مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا رب تعالیٰ ہے اگر تمہیں عقل ہو۔''

مشرق سے سورج کو ہر روز طلوع کرنا' مغرب میں غروب کرنا اور سال میں ہر موسم' ہر بہار کا اپنے وقت پہ آنا' بارشیں برسانا' ہواؤں کا چلانا۔ یہ سب کچھ اس کے نظام قدرت میں ہے۔ کاش کہ تمہیں بھی کچھ سمجھ آ جائے۔ فرعون نے آپ کو (معاذ اللہ) صراحتاً مجنون کہہ کر اپنی حماقت کا ثبوت دیا لیکن آپ نے حکمت آمیز جملہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں عقل ہو یعنی رب تعالیٰ کی قدرت اس کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہ کرنا تمہاری حماقت پر دلالت کر رہا ہے۔[1]

فرعون کی دھمکی:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (سورۃ شعراء 6:19)

''فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا ٹھہرایا تو میں ضرور قید کروں گا۔''

فرعون کی قید قتل سے بھی بدتر تھی اس کا جیل خانہ تنگ و تاریک عمیق (گہرا) گڑھا تھا۔ اس میں اکیلا ڈال دیتا تھا نہ وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کچھ نظر آتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں معجزات لے کر آیا ہوں:

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ شعراء 6:19)

''کہا: میں اگر چہ تمہارے پاس کوئی روشن چیز لاؤں؟''

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں جو میری نبوت پر دلالت کر رہے ہیں' کیا تو میری حقانیت کے ظاہر ہونے پر بھی مجھے قید میں بھیجے گا؟

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ (سورۃ شعراء 6:19)

''فرعون نے کہا: تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا جبھی وہ صریح (ظاہر) اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو جبھی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا۔''

موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ بہت بڑا اژدہا بن گیا' رنگ اس کا زرد تھا اس کے جسم پر بال تھے' منہ کھولا ہوا تھا۔ اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور ایک میل تک بلند ہو گیا۔ اس نے اپنا نیچے والا جبڑا زمین پر رکھا اور اوپر والا فرعون کے محل کی دیواروں پر' فرعون کی طرف متوجہ ہوا تا کہ اسے پکڑے۔ فرعون نے تخت سے نیچے چھلانگ لگائی اور اس کی ہوا خارج ہونے لگی۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کی چار سو مرتبہ اس دن ہوا نکلی اور مرتے دم تک اسی وجہ سے پیٹ کی بیماری میں مبتلا

---

[1] تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ' پ 19' سورۃ شعراء

رہا اسی حال میں غرق ہو گیا۔ جب اژدہا نے لوگوں کی طرف رخ کیا تو لوگ ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگنا شروع ہوئے۔ اس بھگدڑ کی وجہ سے پچیس ہزار آدمی ایک دوسرے پر گر کر مر گئے۔ فرعون نے چلانا شروع کیا اور کہنے لگا: اے موسیٰ علیہ السلام اس کو پکڑو میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب پکڑا تو وہ پھر اپنے حال پر لوٹ آیا یعنی عصا بن گیا۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا ایک معجزہ دکھا دیا تو فرعون نے کہا کیا اور بھی تم نشانی لائے ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں آپ نے اپنے ہاتھ کو بغل میں لے کر باہر نکالا تو وہ سورج کی شعاعوں کی طرح چمکنے لگا۔

وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾

(سورۃ شعراء 6:19)

اور اپنا ہاتھ نکالا تو جبھی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا۔ فرعون نے اپنے گرد (بیٹھے ہوئے) سرداروں سے کہا کہ بے شک یہ دانا جادوگر ہیں۔"

فرعون نے جب اپنے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں کو کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں تو انہوں نے بھی فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوتے بطور مشاورت کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾

(سورۃ شعراء 7:19)

"فرعون کی قوم کے سردار بولے: یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے۔ (فرعون نے اپنے قوم کے سرداروں کو کہا) چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اپنے جادو کے زور سے تب تمہارا کیا مشورہ ہے؟ وہ بولے انہیں اور ان کے بھائی کو ٹھہرائے رہو اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیجو کہ وہ تیرے پاس بڑے دانا جادوگروں کو لے آئیں۔"

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کے لئے کہا:

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

"فرعون نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہوئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو؟ اے موسیٰ (علیہ السلام): تو ضرور ہم بھی تیرے آگے ویسا ہی جادو لائیں گے تو ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 5 حصہ دوم، ص 20

بدلیں گے نہ تم۔ (جہاں مقابلہ ہوگا وہ) ہموار جگہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں۔"

(سورۃ طٰہٰ 12:16)

فرعون نے کہا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو؟ ہم بھی اپنے جادوگر بلاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے لہٰذا تم ہمارے ساتھ ایک دن اور ایک جگہ مقرر کر لو تا کہ اس دن جو ہموار میدان ہو اس میں نشیب و فراز نہ ہوتا کہ سب لوگ یہ مقابلہ دیکھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے تم اپنے میلے کا دن مقرر کر لو اس لئے کہ تمہارے تمام لوگ اس دن فارغ ہو کر ایک جگہ عیش و عشرت کے لئے جمع ہوتے ہیں اس طرح تمام لوگ اس مقابلہ کو آسانی سے دیکھ سکیں گے اور تمام لوگوں کو دن چڑھے جمع ہونا چاہیے۔

جادوگروں کا آنا:

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۙ﴿۳۸﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۲﴾

(سورۃ شعراء 7:19)

"تو جمع کیے گئے جادوگر ایک مقرر دن کے وعدہ پر اور لوگوں سے کہا گیا تم جمع ہو گے شائد ہم ان جادوگروں کی پیروی کریں اگر یہ غالب آ جائیں پھر جب جادوگر آئے فرعون سے بولے کیا ہمیں کچھ مزدوری ملے گی اگر ہم غالب آئے اس نے کہا ہاں اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے۔"

جادوگر میلے کے دن آ گئے، لوگوں کو بھی کہہ دیا گیا کہ سب لوگ ضرور جمع ہونا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ ہمارے جادوگر ہی غالب آئیں گے ہم ان کے دین پر قائم رہیں گے۔ اگرچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دین پر آنا ہی نہیں چاہتے تھے لیکن لوگوں کو مائل کرنے کے لئے انداز ایسا رکھا کہ جس کلام میں شک ہو کہ شائد ہم ان جادوگروں کی ہی تابعداری کریں گے اگر یہ غالب آ گئے۔ جادوگر جب فرعون کے دربار میں آئے تو انہوں نے شاہی دربار سے فائدہ اٹھانے کہ کوشش کی اور کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں بہت معاوضہ ملے گا جو بادشاہ کی شان کے لائق ہو؟ فرعون نے کہا: ہاں! میں تمہیں اپنا مقرب بنا لوں گا۔ بادشاہ جن کو اپنا قریبی بنا لیتے ہیں ان پر قومی خزانوں کا منہ کھول دیا جاتا ہے وہ انعام کا سن کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام کی جادوگروں کو تبلیغ:

قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم ان سے موسیٰ نے کہا: تمہیں خرابی ہو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ

[1] روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 10، حصہ دوم، ص 88

بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

(سورۃ طٰہٰ 12:16)

باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا' اور وہ اپنے معاملہ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے اور چھپ کر مشورہ کرنے لگے' بولے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین لے جائیں' تو اپنے داؤ کو پکا کرلو (تمام میلے میں مل کر جمع کرلو) پھر سب صف باندھے آجاؤ' آج وہی کامیاب ہوگا جو اس مقابلہ میں کامیاب رہا۔''

یہاں سے یہ بیان کیا جارہا ہے فرعون نے جب جادوگروں کو جمع کرلیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے ہونے پر کیا کہا؟ تو اس کا جواب دیا جارہا ہے۔ ''قَالَ لَهُمْ بِطَرِيْقِ النَّصِيْحَةِ'' آپ نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں' تم یہ کہتے ہو کہ میں جادو کر رہا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے' اس سے تو تمہاری بربادی ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب سے تباہ کر دے گا۔ جس عذاب کو ٹالنے کی تمہیں کوئی قدرت حاصل نہیں ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس نصیحت پر......

''فَتَنَازَعُوْٓا اَيِ السَّحَرَةُ حِيْنَ سَمِعُوْا كَلَامَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ ذٰلِكَ غَاظَهُمْ فَتَنَازَعُوْا''

یعنی آپ کے کلام کو سن کر جادوگر غیظ وغضب میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے اور بحث کرنے لگے کہ کیسے اسے جواب دیا جائے؟ اور یہ مشورہ ان کا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے چھپ کر تھا کہ وہ اس پر واقف نہ ہو جائیں۔ آخر کار ان کو اسی پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں' یہ تو ہمیں اس زمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان سے سرتوڑ مقابلہ کرنا چاہیے اپنے اپنے داؤ اس کے سامنے لاکر اسے عاجز کرنا چاہیے' کامیابی پر ہمیں غلبہ حاصل ہوگا۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ:

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾

(سورۃ اعراف 4:9)

''انہوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام یا تو آپ (اپنا عصا) ڈالیں یا ہم (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈالنے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کہا: تم ڈالو' جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا' اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے۔''

---

[1] تفسیر ابی السعود علامہ محمد بن محمد العمادی رحمہ اللہ' ج 6 ص 25 مطبوعہ بیروت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے انہیں تبلیغ کی کہ تم غلط راہ پر ہو اپنی بربادی نہ تلاش کرو لیکن جادوگر جب باز نہ آئے مقابلہ پر ہی ان کا اتفاق ہوا اور انہوں نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کو کہ اب ذرا سامنے آجاؤ یا پہلے تم اپنا عصا ڈالو یا ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو آپ نے انہیں کہا کہ ٹھیک ہے پہلے تم ہی ڈالو۔

یاد رہے کہ جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا: "پہلے تم ڈالو" یہ جادو کی اجازت نہیں تھی بلکہ ان کی ضد پر انہیں پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالنے کی اجازت دی۔ ذکر کردہ بحث سے وہ اعتراض مندفع ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو جادو کرنے کی اجازت دی' حالانکہ جادو کرنا کفر ہے۔ کفر کی اجازت دینا بھی کفر ہے تو آپ نے کیسے اجازت دی؟ اس کا جواب واضح ہو چکا کہ آپ علیہ السلام نے انہیں جادو سے روکا اور یہ بتایا کہ یہ باعث عذاب ہے لیکن جب وہ جادو کرنے پر بضد تھے تو آپ نے کہا: ٹھیک ہے' اگر اپنے کفر کی وجہ سے میرے معجزے سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو کر لو تا کہ حق اور باطل میں فرق واضح ہو جائے۔ جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر اثر کر دیا کہ وہ صحیح دیکھنے سمجھنے کے قابل نہ رہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلا جا سکتا یہ صرف ایک بناوٹ ہوتی ہے۔

"لَوْ كَانَ السِّحْرُ حَقًّا لَكَانُوْا قَدْ سَحَرُوْا قُلُوْبَهُمْ لَا اَعْيُنَهُمْ" "اگر جادو حق ہوتا یعنی اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو یہ ذکر کیا جاتا کہ ان کے دلوں پر جادو کر دیا' یہ نہ کہا جاتا کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔"

بعض روایت میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے رسیوں اور لاٹھیوں پر پارہ چڑھا دیا تھا' پھر دھوپ میں رکھنے کی وجہ سے ان میں حرکت پیدا ہوگئی' لوگوں نے سمجھا کہ یہ اپنے اختیار سے حرکت کر رہی ہیں' ان کی حرکت دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔ وہ ایک دوسرے کو ڈرانے لگے کہ بچ جاؤ! یہ تو سانپ بن گئے ہیں کیونکہ کثیر مقدار میں خود جادوگر تھے' اور ہر ایک کے ہاتھ میں کتنی لاٹھیاں اور رسیاں تھیں۔ اس طرح اس میدان میں ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے گئے۔ [1]

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ (سورۃ طہ 12:16) "تو اپنے نفس میں موسیٰ علیہ السلام نے خوف پایا' ہم نے فرمایا: ڈر نہیں بے شک تو ہی غالب ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو بلا خوف و خطر تبلیغ فرمائی کہ بے شک تم اپنے جادوگروں کو بلا لو تو ڈرنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے جبکہ......

"قَدْ عَلِمَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُمْ لَا يَصِلُوْنَ اِلَيْهِ وَاَنَّ اللّٰهَ نَاصِرُهٗ" "موسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر علم حاصل تھا کہ یہ جادوگر اور ان کے بنائے ہوئے سانپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ میرا ناصر ہے۔"

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 84

آپ کو ڈر کس چیز کا محسوس ہوا؟ آپ کو ڈر اس چیز کا محسوس ہوا۔

"اَنَّہٗ خَافَ اَنْ تَدْخُلَ عَلَی النَّاسِ شُبْھَۃٌ فِیْمَا یَرَوْنَہٗ فَیَظُنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ سَاوَوْا مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَیَشْتَبِہُ ذٰلِکَ عَلَیْھِمْ"

کہ لوگ کہیں جادوگروں کے جادو کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ لوگ بھی موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہی ہے' لوگوں پر کہیں جادو اور معجزہ میں فرق کرنا مشکل نہ ہو جائے۔ جو اصل مقصد ہے کہ لوگوں پر معجزہ کا غلبہ واضح ہو جائے وہ فوت نہ ہو جائے پس صرف اسی بات کا خوف تھا۔"

رب تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام ڈریئے نہیں! بے شک آپ کو ہی غلبہ حاصل ہوگا یعنی جادوگر خود ہی اپنی شکست کا جب اعتراف کرلیں گے اور آپ کی حقانیت تسلیم کرلیں گی تو مقصد پورا ہو جائے گا۔ ❶

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ فَاِذَا ہِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا ہُنَالِکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَہٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

(سورہ اعراف 4:9)

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال' تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا' تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا' تو یہاں وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر پلٹے اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے' بولے ایمان لائے جہاں کے رب پر جو رب ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا۔"

وحی کرنے سے مراد حقیقی وحی بھی ہوسکتی ہے اور الہام بھی یعنی ہوسکتا ہے کہ اس وقت آپ کے دل میں القاء کر دیا گیا ہو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں' وہ ان کے جادو سے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گا جب آپ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا۔ اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے منہ کے درمیان اسی ذراع (ایک سوبیس فٹ) کا فاصلہ تھا اور اس نے ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیا' حالانکہ وہ تین سو اونٹوں پر لاد کر لائے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا ہوگیا۔ جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں معدوم ہوگئیں یعنی ایسے باقی نہ رہیں جیسے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

بعض جادوگروں نے دوسرے جادوگروں کو کہا کہ یہ جادو نہیں ہوسکتا کیونکہ جادو میں ایک چیز کی حقیقت نہیں بدلتی صرف دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر اثر ہوتا ہے۔ اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیوں اور لاٹھیوں کو نہ نگل لیتا:

"فَاسْتَدَلُّوْا بِہٖ عَلٰی اَنَّ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ نَبِیٌّ صَادِقٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی" ❷

"اس سے انہوں نے دلیل پکڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔"

فائدہ: واضح ہوا کہ علم کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے جادو کا علم میں کامل درجہ رکھتے تھے انہیں معلوم تھا کہ جادو کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی انتہاء کہاں ہے؟ جب وہ اپنے فن کا اعلیٰ درجے کا علم رکھتے تھے تو......

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 84 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 205

"وَجَدُوْا مُعْجِزَةَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِجَةً عَنْ حَدِّ السِّحْرِ عَلِمُوْا اَنَّهٗ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ لَا مِنْ جِنْسِ التَّمْوِيْهَاتِ الْبَشَرِيَّةِ"

''انہیں معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جادو کی حد سے خارج ہے انہیں یقین ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزات سے ہے' انسانی بناوٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

اگر وہ اپنے جادو کے علم میں کامل درجہ نہ رکھتے ہوتے تو معجزہ اور جادو میں فرق نہ کر پاتے' بلکہ کہتے کہ وہ شخص جادو کے علم میں ہم سے زیادہ ہے' اس لئے ہم اس سے عاجز آگئے ہیں۔ پتہ چلا کہ وہ جادو کے علم میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے اسی کامل علم کی وجہ سے وہ کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہوئے۔

"فَاِذَا كَانَ حَالُ عِلْمِ السِّحْرِ كَذٰلِكَ فَمَا ظَنُّكَ بِكَمَالِ حَالِ الْاِنْسَانِ فِيْ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ"

''جب جادو کے علم سے ان کو اتنا فائدہ حاصل ہوگیا تو اے انسان! ذرا غور کر کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہو تو اس میں کتنا ہی کمال ہوگا؟''

جب جادوگروں پر موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی حقیقت کھل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے بے اختیار سجدہ میں گر گئے' کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا کی ہے کہ ہمیں پتہ چل گیا یہ معجزہ ہے جادو نہیں' پھر انہوں نے کہا: رب العالمین پر ہمارا ایمان ہے۔

خیال رہے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے۔ جب نبی پر ایمان لائے کیونکہ نبی پر ایمان لانے سے تمام ایمانیات پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے اسی لئے انہوں نے پھر کہا کہ ہمارا ایمان موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب تعالیٰ پر ہے یعنی انہیں اسی نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

فائدہ جلیلہ:

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے کہا:

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○ ''اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالیں اور یا ہم ڈالنے والے ہیں۔''

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور اپنا ذکر بعد میں کیا:

"اِنَّ الْقَوْمَ رَاعَوْا حُسْنَ الْاَدَبِ حَيْثُ قَدَّمُوْا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الذِّكْرِ وَكَانَ اَهْلُ التَّصَوُّفِ اَنَّهُمْ لَمَّا رَاعَوْا الْاَدَبَ"

''بے شک جادوگر قوم نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کر کے آپ کے ادب و احترام کی اچھے طریقے سے پاسداری کی' صوفیائے

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 205

"لَاجَرَمَ رَزَقَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ الْاِیْمَانَ بِبَرَکَةِ رِعَایَةِ هٰذَا الْاَدَبِ" ❶ کرام نے فرمایا ہے: کہ اسی ادب واحترام کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی نعمت سے سرفراز کیا۔"

سبحان اللہ! کیا شان ہے انبیائے کرام کی کہ ان کے ادب واحترام سے کافروں کو ایمان نصیب ہوتا ہے اور ان کی گستاخی کی وجہ سے کلمہ توحید پڑھنے والے بھی مردود ہو جاتے ہیں۔

تنبیہ: اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اس زمانے میں جادوگر کثیر تعداد میں تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس سے آپ نے جادوگروں کا مقابلہ کیا اور ان کو عاجز کر دیا۔ تمام انبیائے کرام کو ان کے زمانے کے مطابق معجزات عطا کئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب (حکمت) کا زور تھا۔ آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطاء ہوئے کہ تمام اطباء (حکماء) ان سے عاجز رہے کیونکہ آپ کو مردوں کا زندہ کرنا' مادرزاد اندھے کو نظر عطا کرنا' برص والے کو درست کرنے کے معجزات عطاء ہوئے' جو کسی طبیب کی طاقت میں یہ نہ تھا کہ ایسا کر سکے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فصاحت کا زور تھا' بڑے بڑے شعراء ایک ایک طرح مصرعہ پر قصائد لکھ دیتے تھے لیکن آپ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کیا جو آپ کا عظیم معجزہ ہے تو وہ تمام عاجز آ گئے۔ کسی ایک کو جرأت نہ ہو سکی کہ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سورۃ کا مقابلہ کر سکے جبکہ قرآن پاک نے انہیں بار بار چیلنج بھی کیا۔ ❷

نتیجہ حاصل ہوا:

فرعون...... جو خدائی کا دعویدار تھا' کہتا تھا: "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی" "میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں......اس کے متعلق تمام لوگوں کو پتہ چل گیا کہ وہ ذلیل' عاجز' گھٹیا انسان ہے۔

"وَاِلَّا لَمَا احْتَاجَ اِلَی الْاِسْتِعَانَةِ بِالسَّحَرَةِ فِیْ دَفْعِ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ". "ورنہ وہ موسیٰ کے دفاع میں جادوگروں کی امداد طلب نہ کرتا۔"

اگر خدا ہوتا تو خود ہی صرف "کن" سے کام تمام کر دیتا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جادوگر کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتے، اگر وہ کسی چیز کی حقیقت کو بدل سکتے تو فرعون کو یہ نہ کہتے کہ "اگر ہم غالب آ گئے تو کیا تو ہمیں اجرت دے گا"؟ بلکہ وہ خود ہی مٹی سے سونا بنا لیتے' بلکہ وہ اپنے جادو کے ذریعے فرعون کی بادشاہی پر قبضہ کر لیتے یا کسی اور ملک کی بادشاہی حاصل کر کے بہت بڑے رئیس بن جاتے۔ انسانوں کو ان آیات سے متنبہ کیا گیا کہ تم باطل اور جھوٹے اقوال اور شعبدہ بازی کے افعال سے فریب نہ کھا جانا' بلکہ اپنے ایمان پر قائم رہنا۔ ❸

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 202
❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 201
❸ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 200

فرعون کی جادوگروں کو دھمکی:

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

(سورہ اعراف 4:9)

''فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا یہ تو بڑا مکر ہے جو تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا' پھر تم سب کو سولی دوں گا۔''

جب فرعون نے دیکھا کہ جادوگروں نے تمام مخلوق کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرلیا ہے اسے خوف ہوا کہ تمام لوگ آپ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اس نے دو قسم کے شبہات ڈال کر قوم کو ایمان لانے سے منع کرنے کی کوشش کی۔ ایک تو اس نے یہ کہا: کہ ان لوگوں کا ایمان لانا اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی حقانیت کو دیکھا ہے بلکہ انہوں نے پہلے سے موسیٰ علیہ السلام سے ساز باز کررکھی تھی کہ ہم تمہاری نبوت کا اقرار کرلیں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر تم پر ایمان لائیں گے۔

دوسری بات اس نے یہ کہی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور جادوگروں کا اتفاقی مشورہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے شہروں سے باہر نکال دیں اور خود اس ملک پر قابض ہو جائیں۔ وطن سے لوگوں کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے وہ ان لوگوں کو ایمان سے دور رکھنے میں کامیاب ہو گیا' اگرچہ اس کے دونوں شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن قوم بھی تو بے سمجھ ہی تھی۔ [1]

نومسلموں کا فرعون کو جواب:

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى ﴿۷۴﴾ وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

''انہوں نے کہا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں۔ ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو کرلے جو تجھے کرنا ہے' تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا۔ بیشک ہم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لائے کہ ہماری خطائیں بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر۔ اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ بے شک جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور مجرم ہو کر آئے تو

[1] تفسیر کبیر' امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 208

(سورۃ طٰہٰ 12:16)

ضرور اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے اور نہ جیئے' اور جو اس کے حضور ایمان کیساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں انہی کے درجے اونچے بسنے کے باغ' جن کے نیچے جاری نہریں ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ صلہ اس کا ہے جو پاک ہوا۔"

فرعون کی دھمکی کو انہوں نے دوٹوک الفاظ میں رد کر دیا اور اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ انہیں کامل یقین اور مکمل بصیرت حاصل ہو چکی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں۔ انہوں نے فرعون کو کہا کہ تمہارے فیصلہ کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے جو فانی ہے اور ہمارا مطلوب اخروی زندگی کی سعادت جو باقی رہنے والی سعادت تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

(سورہ اعراف 4:9)

"انہوں نے کہا: ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا برا لگا' یہی نہ کہ ہم اپنے رب کی طرف نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے! ہم پر صبر انڈیل دے (ہمیں صبر عطا کر) اور ہمیں مسلمان اٹھا۔"

انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم مرعوب ہونے والے' ڈرنے والے نہیں کیونکہ ہم تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنے والے یعنی اس پر ایمان لانے والے ہیں۔ اے بے عقل! خدائی کے دعوے دار؟ تو کس چیز کو برا سمجھ رہا ہے؟ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آگئیں ہم ان کو دیکھ کر ایمان لائے۔ بس یہی چیز تجھے ناپسند آئی۔ پھر انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! اگرچہ تو نے ہمیں سیدھی راہ پر قائم کر دیا اور فرعون کی دھمکیوں کے مقابل صبر عطا کر دیا ہے لیکن یہ نعمت ہمارے پاس قائم اسی وقت رہ سکتی ہے جب تیرا فضل ہمیں شامل حال رہے۔ انہوں نے عرض کیا: "رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا" اے ہمارے رب ہمیں کامل صبر عطا کر۔

"اِفْرَاغُ الْاِنَاءِ" اس وقت کہا جاتا ہے جب برتن انڈیل کر اس میں موجود چیز کو کامل طریقہ سے بہا دیا جائے' گویا انہوں نے کامل صبر طلب کیا کہ اللہ صبر ہم پر انڈیل دے۔ اور لفظ "صبرا" نکرہ ذکر کیا جس میں تنوین تعظیم پر دلالت کر رہی ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عظیم صبر کی دعاء کی۔ ان کی دعاء کو رب تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور انہیں وہ عظیم صبر عطاء فرمایا جس کی بدولت انہیں شہادت جیسا عظیم مرتبہ نصیب ہوا۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَعَلَ ذَالِكَ وَقُطِعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَهٰذَا هُوَ الْاَظْهَرُ مُبَالَغَةً مِنْهُ فِيْ تَحْذِيْرِ الْقَوْمِ عَنْ قَبُوْلِ دِيْنِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ"

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کر دکھایا جادوگر جنہوں نے ایمان قبول کر لیا تھا ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور انہیں شہید کروا دیا۔ یہی قول

زیادہ صحیح ہے کیونکہ فرعون نے اپنا رعب جمانے اور قوم کو موسیٰ علیہ السلام کا دین قبول کرنے سے روکنے اور ڈرانے میں مبالغہ ثابت کرنے کے لئے ایسا کیا۔"

قوم کے سرداروں کا فرعون کو ڈرانا:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ (سورہ اعراف 5:9)

"اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں؟ اور تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ فرعون نے کہا: ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے اور بیشک ان پر غالب ہیں۔"

موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ کرانے کے بعد فرعون نے آپ علیہ السلام کو کچھ نہ کہا نہ گرفتار کیا اور نہ ہی اور کسی قسم کی سزا دی بلکہ آپ کو آزاد چھوڑ دیا۔

"وَاعْلَمْ اَنَّ فِرْعَوْنَ كَانَ كُلَّمَا رَاٰى مُوْسٰى خَافَهٗ اَشَدَّ الْخَوْفِ فَلِهٰذَا السَّبَبِ لَمْ يَتَعَرَّضْ لَهٗ"

"یقین کیجئے! بیشک فرعون نے جب بھی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اس پر آپ کا شدید رعب طاری ہوا وہ آپ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے آپ علیہ السلام کا راستہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔"

فرعون کی قوم کے سرداروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فرعون تو موسیٰ علیہ السلام سے ڈرتے ہوئے آپ کو آزاد رکھے ہوئے ہے، انہوں نے کہا: کہ اگر تم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو اسی طرح آزادی دیئے رکھی کہ وہ اپنی تبلیغ کرتے رہے تو تمہیں اور تمہارے خداؤں کو لوگ چھوڑ دیں گے۔

ایک قول زجاج کا یہ بھی ہے: "اَيَكُوْنُ مِنْكَ اَنْ تَذَرَ مُوْسٰى وَاَنْ يَّذَرَكَ مُوْسٰى" "تم نے اگر موسیٰ (علیہ السلام) کو اس طرح آزادی دیئے رکھی، اس کا راستہ کھلا چھوڑے رکھا تو موسیٰ علیہ السلام تم سے اور تمہارے معبودوں سے دور رہے گا۔"

خیال رہے کہ فرعون اگرچہ خود بھی خدائی کا دعویدار تھا لیکن اس نے لوگوں کو بتوں کی عبادت کی اجازت دے رکھی تھی، یہی مفہوم ہے "الهتك" کا کہ تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں گے۔

"قِيْلَ اِنَّ فِرْعَوْنَ كَانَ قَدْ وَضَعَ لِقَوْمِهٖ اَصْنَامًا صِغَارًا وَاَمَرَهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى وَرَبُّ هٰذِهِ الْاَصْنَامِ قَالَ الْحَسَنُ كَانَ فِرْعَوْنُ يَعْبُدُ الْاَصْنَامَ"

"کہا گیا کہ فرعون نے اپنی قوم کے لئے چھوٹے چھوٹے بت بنا رکھے تھے وہ انہیں بتوں کی عبادت کا حکم دیتا تھا اور کہتا تھا میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں اور ان بتوں کا بھی میں رب

ہوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ فرعون خود بھی بتوں کی عبادت کرتا تھا قوم کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قید کرالیا جائے اور سخت ترین سزا دی جائے۔"

"فَعِنْدَ هٰذَا لَمْ يَذْكُرْ فِرْعَوْنُ مَا هُوَ حَقِيقَةُ الْحَالِ وَهُوَ كَوْنُهٗ خَائِفًا مِّنْ مُّوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ" "قوم کے اس مطالبہ پر فرعون نے حقیقت حال کو ان پر واضح نہ کیا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام سے شدید خوف لاحق ہو چکا ہے۔"

البتہ یہ کہنے لگا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرا دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معاون مرد نہیں رہیں گے' اور ان کی قوم کی نسل ختم ہو جائے گی۔ یہ کام کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں کیونکہ ان پر ہمیں غلبہ حاصل ہے۔ ❶

بنی اسرائیل کا ڈرنا اور موسیٰ علیہ السلام کا تسلی دینا:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ (سورہ اعراف 5:9)

"موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو اور صبر کرو۔ بیشک زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ستائے گئے ہیں۔ آپ کے آنے سے اور آپ کے تشریف لانے کے بعد۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: قریب ہے کہ تمہارا رب دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ زمین کا مالک تمہیں بنائے' پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو۔"

قوم نے جب سنا کہ فرعون نے ہمارے بچوں کو ذبح کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے تو بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ ان پر بہت زیادہ گھبراہٹ طاری ہوئی' کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! ہمیں آپ کی تشریف لانے سے پہلے ستایا گیا' جزیہ ہم سے وصول کیا گیا اور ہر مشکل کام اور ہر حقیر کام ہم سے لیا جاتا رہا' کسی قسم کی نعمت آسائش ہم تک نہیں پہنچنے دی گئی۔ ہمارے بچوں کو ذبح کرایا گیا' ہماری لڑکیوں کو زندہ چھوڑا گیا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے کیا اب بھی ہمیں پہلے کی طرح ہی ستایا جائے گا؟ یاد رہے کہ ان کا یہ سوال حقیقت حال جاننے کے لئے تھا' کوئی اعتراض نہ تھا اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ناراضگی کا اظہار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے دو چیزوں کا حکم دیا' اور دو چیزوں کی بشارت دی۔ آپ علیہ السلام نے ایک حکم یہ دیا۔

"استیعنوا باللہ" "اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرو اور دوسرا حکم آپ نے یہ دیا" واصبروا" صبر کرو۔ پہلے آپ نے انہیں

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 211-210

اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور جہاں میں مدبر (تمام امور کی تدبیر فرمانے والا) نہیں تو اس کا سینہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے کھل جاتا ہے۔ اور اس پر تمام قسم کی مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا مشاہدہ کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام قسم کی مصیبتیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دو بشارتیں دیں ان میں ایک یہ ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (سورہ اعراف 5:9)

"بیشک زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے مالک بنائے۔"

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ تسلی دیتے ہوئے یہ خوشخبری دی کہ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا اور تمہیں اس زمین کا مالک بنا دے گا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدے پر ایمان رکھتے ہوئے خوش ہو جائیں اور فرعون کی دھمکیوں کے خطرہ کو دل سے نکال دیں۔ دوسری بشارت آپ علیہ السلام نے یہ دی: وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ "اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ ہے۔"

اعلیٰ حضرت مولنا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا پیارا ترجمہ فرمایا' اس کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَقِیْلَ الْمُرَادُ اَمْرُ الْاٰخِرَةِ فَقَطْ وَقِیْلَ الْمُرَادُ اَمْرُ الدُّنْیَا فَقَطْ اَلْفَتْحُ وَالظَّفْرُ وَالنَّصْرُ عَلَی الْاَعْدَآءِ وَقِیْلَ الْمُرَادُ مَجْمُوْعُ الْاَمْرَیْنِ"

"بعض حضرات نے کہا اس سے مراد صرف آخرت کی کامیابی ہے یعنی متقین کا آخر میں انجام اچھا ہوگا' بعضوں نے کہا مراد اس سے صرف دنیا کی کامیابی وکامرانی اور دشمن پر ان کو امداد حاصل ہونا اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد دین اور دنیا کی کامیابی ہے۔"

زیادہ بہتر یہ آخری معنی ہے کیونکہ "لِلْمُتَّقِیْنَ" کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ کُلَّ مَنِ اتَّقَی اللّٰهَ تَعَالٰی وَخَافَهٗ فَاللّٰهُ یُعِیْنُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ"

"اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور خوف رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں امداد فرماتا ہے۔"[1]

یعنی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا میدان پرہیزگار لوگوں کو ہی حاصل رہے گا۔

فرعون کی قوم کا مشورہ:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

"پھر جب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 13' ص 212

مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ (سورہ مؤمن 8:24)

ہمارے ہاں سے انہوں نے کہا: قتل کر ڈالو ! ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں۔"

جب موسیٰ علیہ السلام دین حق لے کر ان کے پاس آئے اور اپنی صداقت اور اپنے دین کی حقانیت کر براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا تو وہ لوگ دلائل و براہین کے میدان میں زچ ہو گئے اور جھوٹے الزامات پر اتر آئے اور بہتان تراشی کا شیوہ اختیار کرتے ہوئے آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی بات نہ بنی تو تشدد پر اتر آئے۔ یہ فیصلہ کیا بنی اسرائیل کی نسل کشی کی جائے' بچے مار ڈالے جائیں' لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کی عددی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ کسی طرح ہمارے لئے خطرہ کا باعث بنے گی' لیکن ان کی یہ سازش ناکام ہو گئی۔ کیا پیارے الفاظ ہیں: "وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ "یعنی انہوں نے یہ منصوبہ موسیٰ علیہ السلام کو کمزور کرنے کے لئے اور آپ کی دعوت کو بے اثر بنانے کے لئے سوچا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال سیدھی راہ سے بہک گئی اس لئے مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ (1)

فرعون کا شیخی مارنا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ (سورہ مؤمن 8:24)

"اور فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کے لئے) مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں۔"

فرعون شیخی بگھارتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اعیان مملکت! اگر مجھے کچھ نہ کہو میں چشم زدن میں موسیٰ علیہ السلام کا کام تمام کر دوں۔ مجھے تو تمہاری رائے کا پاس ہے اور میں اسے کچھ نہیں کہتا گویا کہ موسیٰ علیہ السلام پر امرائے حکومت کی پاسداری کی وجہ سے اب تک ہاتھ نہیں اٹھایا گیا' حالانکہ فرعون دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے زیادتی کی تو کہیں موسیٰ علیہ السلام کا ڈنڈا اژدھا بن کر اسے نگل نہ جائے اپنی رعایا کو اپنی پالیسی کے بارے میں مطمئن کرنے کے لئے فرعون نے دو خطروں کو ذکر کیا۔

پہلی بات تو یہ بتائی کہ اگر تم نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ کی تو یہ تمہارے عقائد کی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دے گا۔ دوسری یہ بات ہے کہ اب تو تم بڑے امن وسکون اور خیر و عافیت سے زندگی بسر کر رہے ہو نہ بیرونی حملے کا خطرہ ہے اور نہ اندرون ملک کوئی شور برپا کر سکتا ہے اور اگر بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں کو پذیرائی حاصل ہو گئی تو یاد رکھو بغاوت

(1) تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 301 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ پسماندہ اور مفلوک الحال لوگ تمہاری بالادستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ملک بھر میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ عقلمندی اور دوراندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابھرتے ہوئے خطرہ کا آج ہی مکمل طور پر انسداد کر دیا جائے۔

حقیقت میں اس کی ذات اور اس کا تخت شاہی خطرے سے دوچار تھا۔ وہ صرف مصریوں کا بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ان کا خدا بھی تھا' اس نے سوچا اگر موسیٰ (علیہ السلام) اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو لوگ اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیں گے' وہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کو قبول کریں گے۔ نیز اس ظلم وستم کی پھر اس حاکم قوم کو اجازت نہ ہو گی۔

دراصل دعوتِ موسوی سے اس کی ذات کو خطرہ لاحق تھا۔ عصائے موسوی کی ہیبت سے اس کا تخت کانپ اٹھا تھا' وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اپنی قوم کو رضامند کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی ذات اور اس کا اقتدار سلامت رہے لیکن ایک چالاک اور شاطر سیاست دان کی طرح ظاہر یہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ اقدامات قوم کے مذہب کی سلامتی اور ملک میں امن وامان برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

صدہا سال پہلے فرعون نے جو چال چلی۔ "فرعونی سیاست کا پیروکار" آج بھی آواز بلند کرتا ہے اور اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ان عقل کے اندھوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خامیوں کی اصلاح کر لیں' جور وستم کا جو بازار انہوں نے گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ قانون کی فرمانروائی بحال کریں' الٹا وہ لٹھ لے کر ان نیک بندوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کو فسادی' اقتدار کا بھوکا اور معلوم نہیں کن کن الزامات سے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

(سورہ مؤمن 8:24)

"اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔"

موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو آپ گھبرائے نہیں' پریشان نہیں ہوئے' بلکہ آپ کی زبان سے وہی جملہ نکلا جو موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ رسول کے شایان شان تھا' فرمایا: مجھے اکیلا نہ سمجھو! مجھے اس رب ذوالجلال کی پناہ اور حمایت حاصل ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ تم لاکھ اس کی بندگی کا رشتہ توڑنا چاہو' تم فرعون کو اپنا خدا سمجھتے ہو' تم حقیقت کو بدل نہیں سکتے' بندے پھر بھی تم اسی رب تعالیٰ کے ہو' جس کا میں بندہ ہوں۔ میں نے ہر متکبر اور سرکش کے شر سے اس کے دامن میں پناہ لی ہوئی ہے' تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ [2]

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 302
[2] ایضاً

ایمان چھپانے والے شخص نے کہا:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

''اور کہنے لگا ایک مرد مومن' جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو' کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس کی وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے؟ حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے (اسے اپنے حال پر چھوڑ دو)۔ اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی۔ اور اگر وہ سچا ہوا (اور تم نے اس کو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں وہ عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے' بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا' بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے' (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں' (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے؟ اگر وہ ہم پر آ جائے گا۔ (یہ سن کر فرعون) کہنے لگا: میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف۔''

''قبطی'' قوم کا ایک فرد موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ فرعون اپنے حواریوں سے مل کر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس نے ان کو اس ارادہ سے باز آنے کی تلقین شروع کی' پہلے تو انہیں جھڑکا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے درپے آزار کیوں ہو؟ اس نے کون سی قانون شکنی کی ہے؟ محض اس لئے تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے؟ اور اس نے اپنے عقیدہ کی حقانیت دلائل و معجزات سے ثابت کر دی ہے' تمہارا معاشرہ تو بڑا ترقی یافتہ ہے۔ تم اس کے ذاتی عقیدہ میں دخل دیتے ہو؟ اس کو اس کے حال پر چھوڑو۔ اگر بالفرض وہ غلط کہہ رہا ہے تو خود ہی کیفر کردار کو پہنچ جائے گا' ہمیں اپنے ہاتھ اس کے لہو سے سرخ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آج کل ہم بڑی عزت و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں حکومت ہماری ہے' ہمارے اشارۂ ابرو پر لوگوں کی قسمتیں بدلتی ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے فرمان سے سرتابی کرے' دولت' سامان عیش و عشرت کی فراوانی ہے' ہم اس حالت کو بدلنا نہیں چاہتے ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ یہ حالات برقرار رہیں۔

اگر موسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو خدا ''مسرف کذاب'' (حد سے بڑھنے والا' بہت جھوٹ بولنے والا)

سے خود نپٹ لے گا اور اگر وہ سچا ہے اور ہم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھو! خدا کا غضب جوش میں آئے گا اور عیش و عشرت کی یہ بساط الٹ جائے گی' اس لیے مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو نہ چھیڑیں۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور مفروضہ خطرات سے حواس باختہ ہو کر کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں کہ خدا کے عذاب میں یوں گرفتار ہو جائیں کہ بچ کر نکلنے کی پھر کوئی صورت نہ رہے۔ اس کے جواب میں فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے میرے نزدیک وہ درست ہے اور میں تمہیں اس راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون مطلق العنان فرمانروا ہونے کے باوجود آج کل کے فرعونوں کی طرح تنگ مزاج اور کم ظرف نہیں تھا کہ ادھر کسی نے مخالف رائے دی' جھٹ وہ غدار اور گردن زدنی قرار دے دیا گیا بلکہ وہ اختلاف رائے کو بڑے تحمل سے برداشت کرتا تھا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

''اور کہنے لگا وہی ایمان والا: اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا نہ آجائے' جیسا حال ہوا تھا قوم نوح' عاد اور ثمود کا۔ اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے' اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔''

مرد مومن نے جب دیکھا کہ اس کی پند و موعظت اثر انگیز نہیں ہو رہی تو اس نے مزید کھل کر گفتگو شروع کی اور گذشتہ زمانوں میں اپنی بداعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا ذکر شروع کیا اور فرمایا ان تباہ ہونے والی قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو اور اس غلط روش کو چھوڑ دو۔

اور اس نے کہا: مجھے پکار کے دن تم پر ڈر ہے یعنی اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ذرا سا زلزلہ آ جائے یا کوئی ناگہانی مصیبت آ جائے تو اتنا شور و غل مچتا ہے کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جب لوگ یکا یک قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوں گے' قدموں کے نیچے زمین انگارے کی طرح تپ رہی ہو گی' اوپر سے سورج کی کرنیں آگ برسا رہی ہوں گی' سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے' چاروں طرف سے فرشتوں نے گھیر رکھا ہو گا۔ اس سراسیمگی کے عالم میں شور و غل کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس دن کو ''یوم التناد'' یعنی ایک دوسرے کا پکارنے کا دن کہہ دیا۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

''مزید اس نے اپنی نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس دن سے ڈرو جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہو گا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا اور

جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

اس مرد مومن نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا:

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

"اے میری قوم! بے شک آئے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں وہ جو لے کر آئے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول' یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے (یونہی گمراہی کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جوان کے پاس آئی ہو' (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش کے دل پر۔"

پہلے جن قوموں کا ذکر ہوا وہ دور دراز علاقوں میں بسنے والی تھیں۔ اب اس نبی اور اس کے منکرین کا ذکر ہو رہا ہے' جو کچھ عرصہ پہلے اسی ملک کے باشندے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے نام سے کون ایسا مصری تھا جو واقف نہ تھا؟ ان کا دور حکومت مصر کی تاریخ کا وہ درخشاں دور تھا جب کہ ہر طرف عدل و انصاف کا نور برس رہا تھا۔ قانون کی بالادستی قائم تھی' غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کی اس طرح دل داری کی جاتی تھی کہ سبحان اللہ! اس عام اور شدید قحط کی چیرہ دستیوں سے انہیں یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام کے باعث پناہ ملی تھی۔ اس نبی اور عادل فرمانروا کے ساتھ اس کی قوم نے جو برتاؤ کیا "مومن آل فرعون" اس کا ذکر فرما کر انہیں تنبیہ کر رہا ہے کہ بے داغ سیرت ان کے مبے عدل نظام حکومت ان کی عدل گستری اور ان کی رعایا پروری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود ان کو نبی ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے' بلکہ ان کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی کہ یہ نبی ہے کہ نہیں؟ قطعی اور یقینی دلائل کے باوجود وہ تذبذب کا ہی شکار رہے اور شک کی وادیوں میں بھٹکتے بھٹکتے عمر گزار دی۔ اور جب وہ نیر تاباں غروب ہو گیا تو پھر کف افسوس ملنے لگے اور کہنے لگے: ایسی ہستی اب دوبارہ پیدا نہیں ہو گی۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

پہلے ہدایت سے یوں محروم رہے اب امکان یہ تھا کہ کوئی دوسرا نبی تشریف لائے تو یہ اپنی گذشتہ غفلت اور کوتاہی کی تلافی کر لیں، یہ کہہ کر "اب اور کوئی ایسا نہیں آئے گا" انہوں نے اس مکان کو بھی کالعدم کر دیا۔

رجل مومن نے اپنی کلام کے آخر میں ایک اصول بیان فرمادیا کہ جس فرد یا قوم میں یہ تینوں عیوب پیدا ہو جائیں ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں رہتی۔کوئی معجزہ کوئی پند و نصیحت انہیں چاہِ ضلالت سے نہیں نکال سکتی۔وہ اندھیروں سے اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ نور سے انہیں گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔وہ تین عیب یہ ہیں:

① **مسرف**:حد سے بڑھنے والا جو احکام و اوامر اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے والا اسے ہزار سمجھایا جائے وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجانے کا نام ہی نہیں لیتا۔

② **مرتاب**:وہ شخص جو شک کی بیماری کا مریض ہو اس کے سامنے روشن دلائل کے انبار لگا دو شک کے جراثیم کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں۔

③ **من یجادل**:جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بے حد تاویل کرتا ہے ان میں عیب نکالتا ہے تضاد ثابت کرتا ہے۔جس فرقہ میں یہ تین عیب ہوں خدا انہیں کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

(سورہ مومن 9:24)

''اور فرعون نے کہا:اے ہامان! بنا میرے لئے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) ان راہوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمانوں کی راہوں تک،پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لئے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہِ (راست) سے اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے۔''

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ اس مرد مومن کی گفتگو حاضرین کو متاثر کر رہی ہے تو اس نے فوراً پینترا بدلا اور کہنے لگا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی صداقت پرکھنا کوئی اتنا مشکل نہیں کہ ہم اس کے بارے میں پریشان رہیں اور کسی حتمی (یقینی) فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں۔ابھی ایک بلند مینار تعمیر کرتے ہیں اور اس پر چڑھ کر موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کا سراغ لگائیں گے۔زمین پر تو کہیں ہے نہیں اگر آسمان پر مل گیا تو ہم بھی مان لیں گے اور اگر آسمان پر بھی اس کا سراغ نہ ملا تو پھر سب کو یقین ہو جائے گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی بات غلط ہے۔پھر ہامان کی طرف متوجہ ہو کر کہا:ہامان! اے وزیر باتدبیر! یہ کام تم کرو۔ہمیں ایک اونچا بہت اونچا مینار تعمیر کر دو اس پر چڑھ کر ہم آسمان پر چڑھنے کا راستہ دریافت کر لیں گے اور آسمان کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔

خیال رہے ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جگہ تک رسائی حاصل کی جائے اسے ''سبب'' کہتے ہیں یہاں اسباب سے

مراد وہ راستے ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں یا ان سے مراد آسمان کے دروازے جن کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ فرعون نے ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کر دی کہ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات میں سچائی نام کو نہیں۔

خیال رہے ظن بمعنی گمان غالب بھی لیا جا سکتا ہے اور بمعنی یقین بھی یعنی فرعون نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نہیں یا اس کا مطلب ہوگا میرا یقین ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو سچے نہیں۔ فرعون کا مکروہ فریب اس کی تباہی کا سبب بنا یعنی اس کی مکاری عیاری حیلہ سازی اور دانستہ انکار حق کے باعث اس کے برے اعمال اسے حسین وخوشنما نظر آنے لگے وہ انہیں کے پیچھے پڑا رہا اور جو حیلہ سازیاں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کی تھی وہ سب خود اس کی قیاس اور بربادی کا سبب بنیں۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾
(سورہ مؤمن 10:24)

"اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا اے میری قوم میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔"

یعنی بھلائی اور نجات کا راستہ وہ نہیں جس پر فرعون تمہیں چلانا چاہتا ہے بلکہ آؤ میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاتا ہوں جس پر چل کر تم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾
(سورہ مؤمن 10:24)

"اب میری قوم یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر۔ اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان دار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب۔"

مرد مومن کا سلسلہ وعظ شروع ہے اب اس نے مصلحت کے سارے حجاب تار تار کر دیئے ہیں اور اس کے نتائج اور خطرات سے بے نیاز ہو کر اعلان حق کر دیا اور کہا:

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

"اے میری قوم میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دوں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا حال یہ ہے میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا بخشنے والا ہے سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی

(سورہ مؤمن 10:24) کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے جہنمی ہیں پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا (سارا) کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو۔"

اس مرد مومن نے کہا: یعنی میرے ساتھ بھی تم لوگوں کا رویہ عجیب وغریب ہے۔ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ میں کودنے کی دعوت دیتے ہو۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی بندگی کی تلقین کرتا ہوں جو سب سے زبردست بھی ہے اور اس کے باوجود بڑا بخشنے والا ہے عمر بھی خطائیں کر کے بھی اگر اس کے درِ کرم پر کوئی آجائے تو معاف کر دیتا ہے۔ اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دوں اور اس کے ساتھ ایسے شریک بناؤں جو بالکل بے بس اور بے اختیار ہیں۔ اور جن کی خدائی کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تو تمہاری خیر خواہی میں سرگرم ہوں اور تم ہو کہ اپنے ساتھ مجھ غریب کو بھی ڈبو دینا چاہتے ہو۔ تم میرے عجیب دوست ہو مجھے تمہاری ایسی دوستی کی ضرورت نہیں۔ مہربانی فرما کر مجھے اس قسم کی نصیحتیں نہ کیا کرو اور اس نے کہا جن معبودانِ باطلہ کی عبادت اور بندگی کی تم مجھے نصیحت کر رہے ہو یہ تو ایسے ہیں کہ انہیں یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ دنیا میں یا آخرت میں انہیں خدا تسلیم کیا جائے اور نہ انہوں نے خود کبھی اپنی خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ نہ دنیا میں ان کو پکارنے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ قیامت کے دن کسی کی فریاد سنیں گے۔

فرعون جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کہلواتا تھا اس کے روبرو اور بھرے دربار میں اتنی حق گوئی ایک مردِ مومن کو ہی زیبا ہے لیکن جب سامعین کو اس نے متاثر ہوتے نہ دیکھا تو اس نے صاف کہا آج تو تم میری بات نہیں مان رہے اور میری تلخ نوائی تمہیں گراں گزر رہی ہے عنقریب وہ وقت آئے گا عذاب الٰہی تم پر نازل ہوگا اس وقت تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے۔

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾

(سورہ مؤمن 10:24)

"پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح وشام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں۔"

چنانچہ فرعونیوں نے اس مردِ حق کیش کو قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی خود حفاظت فرمائی اور کوئی اس کا بال بیکا نہ کر سکا الٹا فرعون لاؤ لشکر اور جاہ اور حشمت سمیت غرق کر دیا گیا۔ (غرق

کرنے کا واقعہ تفصیلی طور پر ان شاء اللہ بعد میں ذکر کیا جائے گا) فرعون اور اس کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچ گئے۔ دنیا میں ہی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔

یاد رہے کہ ان کا قصہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کی پرستاروں کو ہر صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ جب عالمِ برزخ کی میعاد ختم ہو جائے گی تو قیامت قائم ہو گی اس کے بعد انہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

"هٰذِهِ الْاٰيَةُ اَصْلٌ كَبِيْرٌ فِيْ اِسْتِدْلَالِ اَهْلِ السُّنَّةِ عَلٰى عَذَابِ الْبَرْزَخِ فِي الْقُبُوْرِ"۔

اس آیت سے علماء اہلِ سنت نے "عذابِ قبر" کا اثبات کیا ہے۔ قبر سے مراد صرف وہ گڑھا نہیں جس میں کسی کو دفن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قبر تو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کے وقت کو "عالمِ برزخ" کہتے ہیں۔ آلِ فرعون کو دیئے جانے والے دو عذابوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے: ایک وہ جس میں وہ قیامت سے پہلے مبتلا ہیں، دوسرا وہ جو قیامت کے بعد انہیں دیا جائے گا۔ [1]

فرعون اور اس کی قوم قحط سالی میں مبتلاء:

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۝ (سورۃ اعراف 6:9)

"اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔"

اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کرنے سے پہلے دنیا میں چھوٹے چھوٹے عذاب دے کر سوچنے سمجھنے کا موقع دیا کہ یہ کفر و معصیت سے باز آ جائیں۔ فرعون نے اپنے چار سو برس کی عمر میں سے تین سو بیس سال تو اس آرام کے ساتھ گزارے تھے کہ اس کی مدت میں کبھی درد یا بخار یا بھوک میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ اب قحط سالی کی سختی ان پر اس لئے ڈالی گئی کہ وہ اس سختی ہی سے خدا کو یاد کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوں لیکن وہ کفر میں اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ ان تکلیفوں سے بھی ان کی سرکشی ہی بڑھتی رہی۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ (سورۃ اعراف 6:9)

"تو جب انہیں بھلائی کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں سے بدشگونی لیتے سن لو! ان کے نصیبہ کی شامت تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان لانے والے نہیں۔"

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 4، ص 310-303

جب ان کو ارزانی فراخی، خوشحالی اور امن و عافیت حاصل ہوتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے، ہم جب مستحق تھے تو اس لئے ہی یہ امن و عافیت کی حالت ہمیں حاصل ہے۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھتے اور نہ ہی شکر بجالاتے اور جب انہیں تنگ حالی قحط سالی اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تو کہتے کہ یہ بلائیں تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے پہنچیں اگر یہ نہ ہوتے تو یہ مصیبتیں بھی نہ آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شامت تو تمہارے اپنے اعمال یعنی کفر و ضلالت کی وجہ سے ہے جو اس نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے وہی تمہیں حاصل ہونا ہے پھر اصل شامت تو وہ ہوگی جب تمہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

حق تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تنبیہات کی وجہ سے سوچتے سمجھتے، کفر و ضلالت کو چھوڑتے اور ایمان لے آتے لیکن وہ اپنی شرکشی میں اتنے غالب آچکے تھے کہ ایمان لانے سے سراسر انکار کر دیا جب وہ اپنی ہٹ دھرمی میں یہاں تک پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کر دی۔

"رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" "اے رب ہمارے! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے۔"

آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا فرعونیوں کے درہم و دینار پتھر ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ پھل اور کھانے کی چیزیں بھی برباد ہو گئیں اور طرح طرح کی ان پر آزمائش آئیں۔

مختلف قسم کے عذاب:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝ (سورۃ اعراف 6:9)

"تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی، گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی۔"

جب جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بھی فرعونی اپنے کفر اور سرکشی پر جمے رہے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے نشانیاں آنے لگیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کر دیا تھا: اے اللہ! فرعون اس دنیا میں بہت سرکش ہو چکا ہے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، اسے اور اس کی قوم کو ایسے عذاب میں گرفتار کر، جو ان کے لئے سزا اور میری قوم اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سبب بنے تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا، ابر آیا اندھیرا ہوا، کثرت سے بارش ہونے لگی۔ قبطیوں کے گھروں میں پانی گھس گیا یہاں تک کہ وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں تک آ گیا۔ ان میں سے جو بیٹھا ڈوب گیا۔ نہ ہل سکتے اور نہ کچھ کام کر سکتے تھے۔ ہفتہ کے دن سے پھر ہفتہ کے دن تک سات روز اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور

باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل کے گھر ان کے گھروں سے متصل تھے ان کے گھروں میں پانی نہ آیا۔ جب یہ لوگ عاجز ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے ہمارے لئے دعا فرمائیے کہ یہ مصیبت دور ہو تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی' طوفان کی مصیبت دور ہوئی' زمین میں سرسبزی وشادابی آئی جو پہلے نہ دیکھی تھی' کھیتیاں خوب ہوئیں' درخت خوب پھلے تو فرعونی کہنے لگے: یہ پانی تو نعمت تھا اور وہ ایمان نہ لائے ایک مہینہ اسی طرح ان کا عافیت میں گزر گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''ٹڈی'' بھیجی۔ وہ کھیتیاں اور پھل' درختوں کے پتے' مکانوں کے دروازے' چھتیں' تختے' سامان یہاں تک کہ لوہے کی کیلیں تک کھا گئی اور قبطیوں کے گھروں میں بھر گئیں اور بنی اسرائیل کے گھروں میں نہ گئیں۔ اب قبطیوں نے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی' ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ اس پر عہد و پیمان کیا۔ سات روز تک ٹڈی کی مصیبت میں گرفتار رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات پائی' کھیتیاں اور پھل جو کچھ باقی رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر کہنے لگے' یہ ہمیں کافی ہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ ایمان لانے کا وعدہ انہوں نے ایفاء نہ کیا اور اپنے برے اعمال میں مبتلا رہے۔ ایک ماہ پھر ان کا اس طرح عافیت میں گزر گیا۔

ان کے بعد ان پر ''قمل'' کا عذاب آیا۔ قمل سے مراد گھن یا جوں یا کوئی اور چھوٹا سا کیڑا ہے۔ اس کیڑے نے جو کھیتیاں اور پھل باقی بچے وہ کھالئے' کپڑوں میں گھس جاتا تھا اور جلد کو کاٹتا تھا کھانے میں بھر جاتا تھا۔ اگر کوئی دس بوری گیہوں چکی پر لے جاتا تو تین سیر واپس لاتا۔ باقی سب کیڑے کھا جاتے۔ یہ کیڑے فرعونیوں کے بال بھنویں پلکیں چاٹ گئے۔ جسم پر چیچک کی طرح آبلے پڑتے پھر نشان پڑ جاتے۔ سونا دشوار کر دیا تھا۔ اس مصیبت سے فرعونی چیخ پڑے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: ہم توبہ کرتے ہیں' آپ اس بلا کے دفع ہونے کی دعا فرمائیے۔ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مصیبت کو بھی سات روز کے بعد دور فرمایا۔ لیکن فرعونیوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور ایمان نہ لائے بلکہ پہلے سے زیادہ برے اعمال شروع کر دیئے ایک ماہ ان کا پھر آرام سے گزر گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ''مینڈک'' بھیجے۔ اور یہ حال کہ آدمی بیٹھتا تھا تو اس کی مجلس میں مینڈک بھر جاتے تھے۔ بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک کود کر منہ میں داخل ہو جاتا۔ ہانڈیوں میں مینڈک' کھانے میں مینڈک اور چولہوں میں مینڈک بھر جاتے تھے۔ آگ بجھ جاتی تھی۔ مینڈک اوپر سوار ہو جاتے تھے۔ اس مصیبت سے فرعونی رو پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی اس دفعہ ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ توبہ کریں گے ایمان لائیں گے۔ آپ دعا کریں یہ مصیبت ہم سے ٹل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لے کر پھر دعا فرمائی سات روز یہ عذاب بھی ان پر رہا' آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ بھی دور ہوا۔ ایک مہینہ ان کا پھر امن و عافیت میں گزر گیا لیکن انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور اپنے کفر پر برقرار رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب نازل کیا ان کے تمام کنوؤں کا پانی نہروں اور چشموں کا پانی دریائے نیل کا پانی غرضیکہ ہر پانی ان کے لئے تازہ خون بن گیا' انہوں نے فرعون سے اس کی شکایت کی تو کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جادو سے تمہاری نظر بندی کی ہے انہوں نے کہا نظر بندی کیسے ہمارے برتنوں میں خون کے سوا پانی کا نام ونشان ہی نہیں تو اس نے حکم دیا کہ قبطی اور بنی اسرائیل ایک ہی برتن سے پانی لیا کریں' لیکن اس کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بنی اسرائیل جب نکالتے تو پانی ہی نکلتا لیکن جب اسی برتن سے قبطی نکالتے تو خون نکلتا۔ یہاں تک کہ فرعونی عورتیں پیاس سے عاجز ہو کر بنی اسرائیل کی عورتوں کے پاس آئیں اور ان سے پانی مانگا تو وہ پانی ان کے برتن میں آتے ہی خون ہو گیا' تو فرعونی عورت کہنے لگی: کہ تو پانی اپنے منہ میں لے کر میرے منہ میں ڈال دے۔ جب تک وہ پانی اسرائیلی عورت کے منہ میں رہا پانی تھا' جب فرعونی عورت کے منہ میں آیا خون بن گیا۔ فرعون کا شدت پیاس کی وجہ سے برا حال تھا۔ درختوں کا رس چوس رہا تھا۔ وہ بھی منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔ پھر اس مصیبت سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور ایمان لانے کا وعدہ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی۔ اس طرح یہ عذاب بھی سات روز رہنے کے بعد ختم ہو گیا مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ ان کے بار بار ایمان لانے کے وعدے اور مصیبت اٹھ جانے پر وعدے کو توڑنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

(سورۃ اعراف 6:9)

''اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا کہتے: اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر تم ہم پر عذاب اٹھا دو گے تو ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے۔''

ان پر تمام عذاب ایک ایک ہفتہ رہے جب بھی کوئی عذاب آتا موسیٰ علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کرتے کہ تم دعا کرو کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھا لیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے عذاب جب اٹھا لیا جاتا پھر وعدہ توڑ دیتے ایک مہینہ ان کا آرام سے گزر جاتا پھر دوسرے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہر بار انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن توڑ دیا۔ (1)

بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کا حکم:

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا

''اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ راتوں رات میرے

(1) تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ پارہ 9 سورۃ الاعراف رکوع 6-5

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ بندوں کو لے چل اوران کے لئے دریامیں خشک راستہ نکال دے تجھے ڈر نہ ہوگا فرعون آ لے اور نہ خطرہ۔"
(سورۃ طٰہٰ 16:13)

اور موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو رات میں مصر سے نکال کر لے جاؤ یعنی اب بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا وقت آ چکا ہے۔

رات کو نکالنے کا حکم دیا تاکہ بنی اسرائیل کا اجتماع دشمن کے سامنے نہ ہو اور وہ ان کی مراد کی تکمیل میں مانع نہ بنے رات کو نکالنے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان کا پیچھا کر کے ان کو روک نہ سکے اور فرعون کے عظیم لشکر کو دیکھ کر بنی اسرائیل خوف نہ کریں۔ چاندنی رات میں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے۔ بنی اسرائیل کے پاس کافی مقدار میں سونے اور چاندی کے زیورات بھی تھے جو انہوں نے قبطیوں سے مانگ کر لئے ہوئے تھے کہ ہم انہیں اپنی عید میں استعمال کریں گے وہ پہلے بھی ان سے زیورات لیتے رہتے تھے۔

یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تم مصر سے نکلو تو میرا تابوت بھی ساتھ لے کر جانا تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق ایک بوڑھی عورت کی نشاندہی پر وہ تابوت نکال کر خود بنفسِ نفیس اٹھایا۔

ابن ابی حاتم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس ایک مرتبہ ٹھہرے۔ اس نے حضور کی مہمان نوازی کی اور بہت تعظیم اور تکریم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم کبھی ہمارے پاس بھی آنا تو وہ دیہاتی ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ کہ میں تمہیں عطا کروں۔ اس نے کہا: ایک اونٹنی جس پر کجاوہ پڑا ہوا ہو اور ایک دودھ دینے والی بکری جس کا دودھ میرے گھر والے پئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تو بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت سے بھی گیا گزرا ہوا ہے۔ (اس نے تو جنت طلب کی تھی) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت کا واقعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے تو راستہ بھول گئے اس پر حیرانگی سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے یہ کیا ہوا؟ کچھ لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کا علم تھا تو انہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ہمارے آباؤ اجداد سے پختہ عہد لیا تھا کہ مصر سے نکلتے وقت میرا تابوت ضرور ساتھ لے جانا ہمارے بھولنے کی یہی وجہ ہوسکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو یوسف علیہ السلام کی قبر کو جانتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم میں سے ایک بوڑھی عورت کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کو بلا کر کہا: کہ تم بتاؤ کہ یوسف علیہ السلام کی

قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی' جب تک میری ایک شرط نہ پوری کرو۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میری صرف یہ خواہش ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کچھ سوچ میں پڑے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل کی کہ اے موسیٰ! اس سے وعدہ کرلو۔ آپ نے کہا: ٹھیک ہے تمہاری درخواست منظور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب اس عورت کے ساتھ چلے تو اس نے آپ کی قبر کی نشاندہی کی۔ جب یوسف علیہ السلام کے تابوت کو نکالا گیا تو اندھیری رات روشن ہوگئی' اس طرح انہیں راستہ مل گیا۔ یہ حدیث غریب ہے' قریب ہے کہ صحابی تک موقوف ہو۔ [1]

صبح ہونے پر فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کی طرف روانگی:

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾
(سورۃ شعراء 8:19)

''فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے کہ یہ لوگ ایک تھوڑی جماعت ہیں اور بے شک ہم سب کا دل جلاتے ہیں اور بیشک ہم سب چوکنے ہیں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو فرعون نے ان کا تعاقب کیا دن نکلے' پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا تو موسیٰ والوں نے کہا: ہم کو انہوں نے آلیا۔ موسیٰ نے فرمایا: یوں نہیں بیشک میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ مجھے ابھی راہ دیتا ہے۔''

فرعون نے دیکھا کہ بنی اسرائیل موجود نہیں ہیں تو بہت غصہ میں ہوا۔ اس نے ہر طرف اپنے کارندے دوڑا کر اپنی فوجوں' لشکروں اور اپنے تمام حامیوں کو جمع کر لیا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہمارے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی جماعت ہے وہ ہمیشہ غیظ و غضب کو بھڑکاتے رہتے ہیں' میں چاہتا ہوں کہ ان کو مکمل طور پر تباہ برباد کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس برباد کرنے کے لئے ان کے دلوں میں یہ بات ثابت کر دی کہ سب لوگ بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے ان کا مکمل صفایا کر دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ان تمام فرعونیوں کو برباد کر کے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ فرعون کو ماننے والے تمام اس کے کہنے پر اپنی نعمتوں اپنے اعلیٰ قسم کے مکانات اور پھلدار درختوں کے باغات اور اپنے سامان تعیش یعنی اپنی عیش و عشرت کے سامان کو چھوڑ کر بظاہر بنی اسرائیل کو تباہ کرنے کے لئے چلے جو درحقیقت اپنی ہی بربادی کی طرف چل رہے تھے۔

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 12' ص 12 .... تفسیر ابن کثیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ' ج 3' ص 335

فرعون کے کہنے پر سب لوگ جمع ہو کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑے۔ دریائے قلزم کے کنارے پر ان کے سامنے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا تو کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لئے جائیں گے' ان کے دلوں میں پہلے ہی فرعون کا رعب چھایا ہوا تھا اور وہ تعداد میں بھی فرعونیوں سے بہت کم تھے اور کسی قسم کا ان کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا' اس لئے ان پر بہت زیادہ خوف طاری ہوا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ ابھی میری رہنمائی فرمائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں عصا مارنے کا حکم:

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۞ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۞ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۞ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۞ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞

(سورۃ شعراء 8:19)

''تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچا لیا موسیٰ اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو غرق کر دیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے اور بیشک تمہارا رب تعالیٰ وہی عزت والا مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا دریا پر مارو آپ نے جب اپنا عصا دریا پر مارا تو دریا پھٹ گیا' اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ درمیان میں خشک راستہ اور ادھر ادھر پانی کی بلندی اتنی عظیم تھی جیسے بڑے بڑے پہاڑ ہوں۔ بنی اسرائیل چونکہ بارہ قبائل تھے ایک ہی راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا مناسب نہیں سمجھتے تھے اس لئے ہر قبیلہ کے لئے علیحدہ راستہ بنایا گیا' یعنی دریا میں بارہ راستے بنائے گئے۔ ہر راستہ کے دائیں بائیں پانی کی بلندی عظیم پہاڑوں جیسے تھی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں کیا معلوم ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی زندہ ہیں یا پانی کی طغیانی میں غرق ہو چکے ہیں۔ تو درمیان سے روشن دانوں کی طرح پانی کو ہٹا دیا گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے دریا عبور کر گئے۔ فرعون اور اس لشکر نے بھی دریا میں راستہ دیکھ کر اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن وہ بنی اسرائیل کو نہ پا سکے۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعونیوں اور بنی اسرائیل کے درمیان جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔ بنی اسرائیل کے پچھلے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ جلدی چلو' اگلے لوگوں سے مل جاؤ۔ اور فرعونیوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ آہستہ چلو پچھلے لوگوں کو ساتھ ملنے دو۔ بنی اسرائیل جب دریا عبور کر چکے اور فرعونی ابھی درمیان میں ہی پہنچے تھے تو پانی آپس میں مل گیا اس طرح فرعون اور اس کی قوم کے تمام لوگ غرق ہو گئے...... ایک روایت کے مطابق یہ چھ لاکھ کی تعداد تھے...... بنی اسرائیل یہ تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

فرعون کا غرق ہونے پر ایمان لانا اور قبول نہ ہونا:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

(سورۃ یونس 14:11)

''اور ہم بنی اسرائیل کو دریا میں پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک جب اسے ڈوبنے نے آ لیا' بولا: میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب؟ اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔ آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے (تند موجوں سے باہر پھینک دیں گے اور باقی رکھیں گے) کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔''

سبحان اللہ! مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ کہ وہ شخص...... جو کبھی ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' (میں تمہارا بڑا خدا ہوں) کا دعویٰ کرتا تھا...... آج جب اس کی گرفت میں آتا ہے' دریا کی طغیانی میں شدید موجوں کے تھپیڑوں میں آتے ہی ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ ایمان لاتا ہے ایک مرتبہ کہا ''آمنت'' میں ایمان لایا دوسری مرتبہ کہا: ''اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ'' کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔

تیسری مرتبہ کہا: ''وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' اور میں مسلمان ہوں لیکن یہ اس کا ایمان قبول نہ ہوا کیونکہ رب تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر' فرشتوں کا سامنا کرتے ہوئے ایمان لانا نفع مند نہیں ہوسکتا۔

''فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا''

''تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔''

رب تعالیٰ نے فرمایا: اب تو ایمان لاتا ہے پہلے نافرمانیاں کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا' یعنی پہلے تمہیں ایمان لانے کا کتنا وقت دیا؟ کئی مرتبہ تجھے آزمائشوں میں مبتلا کر کے ایمان لانے کی طرف سوچنے کے مواقع فراہم کئے' لیکن اس وقت تو ایمان نہ لایا' اب غرق ہونے پر تیرے ایمان لانے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اب تو تیرے جسم کو دریا کی موجوں سے باہر پھینک کر لوگوں کے لئے نشانی بنایا جائے گا۔ سب کو پتہ چل جائے کہ آج خدائی کا دعویدار غرق ہو کر مردہ حالت میں پڑا ہے۔ خدائے حقیقی تو وہ ہے جو ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہے۔ [1]

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 17' ص 154 مطبوعہ بیروت

بنی اسرائیل کی ناشکری:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ۝

(سورۃ اعراف 6:9)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا' تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے آسن مارے تھے بولے: اے موسیٰ! ہمیں ایک خدا بنا دے جیسے ان کے لئے اتنے خدا ہیں' آپ نے فرمایا: تم ضرور جاہل لوگ ہو یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے آپ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی۔''

اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے انہیں دریا سے سلامتی سے گزار دیا۔ حق تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے لیکن رب تعالیٰ نے ان کی جہالت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ کتنے جاہل اور ناشکرے لوگ تھے کہ وہ بت پرستوں کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ''ہمیں بھی ایسا خدا بنا دو''۔ ''تِلْكَ الْاَصْنَامُ تَمَاثِیْلُ بَقَرٍ'' بنی اسرائیل نے جو بت دیکھے تھے وہ گائے کی شکل کے تھے۔ (بت پرستی کی طرف ان کے میلان کو دیکھ کر ہی سامری نے انہیں بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا تھا)

موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم تو جاہل لوگ ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عبادت تو اعلیٰ درجے کی تعظیم کا نام ہے اور اعلیٰ درجے کی تعظیم اسی ذات کی ہو سکتی ہے جس کے عظیم انعامات ہوں اور سب سے بڑے انعامات جسم کی تخلیق' زندگی عطا کرنا' خواہشات' قدرت عطا کرنا اور نفع مند اشیاء کا پیدا کرنا ان اشیاء پر قادر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ [1]

تورات لینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں فرعونیوں سے نجات دے گا تو میں تمہیں رب تعالیٰ سے ایک کتاب لا کر دوں گا جس میں حرام و حلال' امر و نہی کا ذکر ہوگا اسی وعدہ کے مطابق آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تورات لینے طور پر آئے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 13' ص 223

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ (سورۃ اعراف 6:9)

دس اور بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا: میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا۔"

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تم طور پر آؤ تمہیں چالیس دنوں کے بعد کتاب دی جائے گی آپ کو حکم دیا گیا کہ تم تیس دن ایسے نیک اعمال کرنا جو میرے قرب کا ذریعہ بنیں' پھر دس دنوں میں تمہیں کتاب عطا کر دی جائے گی اس طرح تیس دنوں کا وعدہ چالیس دنوں تک ہوا۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ذی القعدہ کے تیس روزے رکھنے کا حکم دیا جب آپ نے تیس دن کے روزے مکمل کر لئے تو منہ میں بو نا مناسب سمجھ کر مسواک کی' فرشتوں نے کہا کہ ہم تو تمہارے منہ سے کستوری کی خوشبو سونگھ رہے تھے لیکن تم نے مسواک کر کے ضائع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی:

"اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ خُلُوْفَ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدِيْ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ" [1]

"کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے۔"

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ذی الحج کے دس روزے اور رکھیں' اس طرح چالیس دن بڑھا کر چالیس کر دیئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا جو خود بھی مستقل نبی تھے یہ نیابت نبوت میں نہیں تھی بلکہ رسالت میں تھی یعنی حضرت ہارون علیہ السلام فقط نبی تھے اور موسیٰ علیہ السلام رسول بھی تھے اس لئے آپ نے انہیں اپنے منصب رسالت کا نائب اور خلیفہ بنایا وہ بھی فقط طور سے واپسی تک۔

دوسری وجہ ہے کہ آپ کا ارشاد ایک محاورہ کے مطابق ہے یعنی جس طرح دو شخصوں کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو ان میں سے ایک نے اگر کہیں جانا ہو تو دوسرے سے کہتا ہے:

"كُنْ عِوَضًا عَنِّيْ عَلٰى مَعْنٰى اَبْذِلْ غَايَةَ وُسْعِكَ وَنِهَايَةَ جُهْدِكَ بِحَيْثُ يَكُوْنُ فِعْلُكَ فِعْلَ شَخْصَيْنِ"۔ [2]

"تم میری جگہ بھی کام کرنا یعنی بہت زیادہ کوشش سے یہ کام کرنا ایسے پتہ چلے کہ تم دو آدمیوں کی جگہ کام کر رہے ہو۔"

رب تعالیٰ کے دیدار کی تمنا:

وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

"جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے پر حاضر ہوئے اور ان سے ان کے رب نے کلام فرمایا عرض کی: اے میرے رب! مجھے

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 5' حصہ دوم ص 43

[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 5' حصہ دوم ص 43

فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ ...... ﴿﴾ (سورۃ اعراف 6:9) اپنا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھوں۔فرمایا: تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا'ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا البتہ اس کلام کی حقیقت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔جب موسیٰ علیہ السلام کلام سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے طہارت کی اور پاکیزہ لباس پہنا اور روزہ رکھ کر طور میں حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک بادل نازل فرمایا جس نے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا' شیاطین اور زمین کے جانور یہاں تک کہ ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیٰحدہ کر دیئے گئے اور آپ کے لئے آسمان کھول دیا گیا تو آپ نے فرشتوں کو دیکھا اور آپ نے عرش معلیٰ کو دیکھا' لوح محفوظ کو دیکھا' اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا' آپ نے اس کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کئے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام اگرچہ ساتھ تھے لیکن وہ بھی رب تعالیٰ کی قدرت سے موسیٰ علیہ السلام اور رب تعالیٰ کے درمیان ہونے والے کلام کو نہ سن سکے۔

موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کلام کو سن کر ایسی لذت محسوس کی کہ آپ کے دل میں رب تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوگئی اور عرض کی: اے اللہ تعالیٰ! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔رب تعالیٰ نے فرمایا: ''تم مجھے نہیں دیکھ سکتے'' یہ نہیں فرمایا: {لَنْ اُرٰى} ''مجھے نہیں دیکھا جا سکتا'' یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات رب کا دیدار کیا۔نیز یہ دیکھنے کی نفی دنیا سے متعلق ہے جنت میں مومنین رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس چیز پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ نے ممکن چیز کا سوال کیا اگر رب تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو آپ سوال نہ کرتے۔رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ پر کرتا ہوں تم پہاڑ کو دیکھو! اگر تم نے پہاڑ کو دیکھ لیا تو سمجھنا کہ مجھے بھی دیکھ لو گے لیکن رب تعالیٰ کی تجلیات کی تاب پہاڑ نہ لا سکا کہ وہ قائم رہتا بلکہ وہ بھی پاش پاش ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بھی ہوش برقرار نہ رکھ سکے۔[1]

قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی:

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴿﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ ''رب تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ

[1] تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت 143 سورۃ الاعراف پارہ 9

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰـهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

(سورۃ طٰہٰ 13:16)

اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے آپ نے کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا کہ تم پر لمبی گزری یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب (عذاب) اترے۔ تو تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا' انہوں نے کہا: ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے اس قوم کے زیورات کے تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے ڈالا تو اس نے ان کے لئے بچھڑا بنایا ہے جو بے جان جسم ہے' گائے کی طرح بولتا ہے تو بولے: یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود موسیٰ تو بھول گئے تو کیا نہیں دیکھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی بُرے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔"

موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے ستر سر کردہ افراد کو ساتھ لے کر طور پر کتاب لینے کے لئے گئے۔ قوم سے چالیس دنوں کا وعدہ کر کے گئے آپ اپنی قوم کے ان افراد سے ذرا جلدی ہی آگے طور پر پہنچ گئے' رب تعالیٰ نے پوچھا: تم اپنی قوم کے افراد سے پہلے کیوں آگئے' تو آپ نے عرض کیا: اے مولائے کائنات! وہ بھی میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں' میں صرف تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جلدی آگیا۔ طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ تمہاری قوم گمراہ ہو چکی ہے' آپ کو گئے ہوئے جب بیس دن مکمل ہو گئے تو سامری نے کہا: کہ موسیٰ علیہ السلام کو گئے بیس دن اور بیس راتیں ہو چکی ہیں۔ چالیس کی تکمیل ہو گئی آپ نہیں آئے' اس کی وجہ صرف یہ کہ تمہارے پاس فرعونیوں کے زیورات ہیں' وہ تم پر حرام ہیں۔ اس لئے وہ زیورات تم لوگ مجھے دے دو کہ میں ایک خدا بنا دوں کیونکہ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ قوم ایسا خدا چاہتی ہے جو انہیں نظر آئے۔ یہ خود بھی گائے کی پرستش کرتا تھا اس لئے اس نے تمام زیورات جمع کر کے انہیں بچھڑا بنا دیا۔

بچھڑے کے بولنے کی وجہ:

چونکہ فرعون کے لشکر نے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈالنے سے سوچ و بچار شروع کر دی تھی تو جبرائیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آئے' وہ جہاں قدم رکھتی تھی وہاں سبز گھاس پیدا ہو جاتی۔ سامری نے یہ ماجرا دیکھ لیا تھا' اس لئے اس نے گھوڑی کے سم کے نیچے سے مٹی اٹھا کر محفوظ کر لی تھی۔ وہی مٹی بچھڑے کے ڈھانچے میں ڈال دی تھی' جس کی وجہ سے اس میں اثرِ حیات پیدا ہو گیا اور وہ گائے کی طرح ڈکارنے لگا سامری سے جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ (سورۃ طٰہٰ 14:16)

''سامری تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا۔ تو ایک مٹھی بھر لی فرشتے کے نشان سے' پھر اسے ڈال دیا اور میرے جی کو یہی بھلا لگا۔''

گھوڑی کے قدموں کے نشانات سے مٹی لینا:

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں کے نشان کی جگہ سے ایک مٹھی بھر مٹی لے کر بچھڑے کے ڈھانچے میں ڈالی۔ [1]

خیال رہے کہ سب سے پہلے اس قول (گھوڑی کے قدموں کے نشان سے مٹی لینا) کو ابومسلم اصفہانی نے تسلیم نہیں کیا جو بہت بڑا معتزلی ہے۔ پھر اس قول کا سہارا لیتے ہوئے مودودی صاحب نے ''تفہیم القرآن'' میں بھی تحریر کر دیا کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا۔ مودودی صاحب کی یہ سوچ غلط ہے۔ قرآن پاک نے اگرچہ واضح طور پر اس قول کو نقل بھی نہیں کیا لیکن رد بھی نہیں کیا اس لئے متقدمین حضرات کی تفاسیر کو چھوڑ کر ایک معتزلی کی بات کو تسلیم کرنا بھی کوئی عقل و دانش کا کام نہیں۔

واپسی پر موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی سرزنش کی:

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

(سورۃ اعراف 8:9)

''اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے جھنجھلائے ہوئے' کہا: تم نے کیا میری جانشینی کی' میرے بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور (آپ نے) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون علیہ السلام نے) کہا: اے میرے ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا۔ عرض کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی گمراہی کو دیکھ کر حمیت دینی اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اتنے شدید غصے میں آئے کہ

[1] تفسیر قرطبی' امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی رحمہ اللہ ج 11 ص 239

آپ سے بے اختیار توراۃ کی تختیاں گر گئیں اور اسی بے ختیاری کی صورت میں اپنے بڑے بھائی کے سر اور داڑھی کو پکڑنے لگے:
یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوا' بلکہ مدح کے ضمن میں آیا آخر بھائی کے عذر پیش کرنے پر ان کی دلجوئی کے لئے
رب تعالیٰ کے حضور دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! مجھ سے غصہ کی حالت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو یا میرے بھائی سے قوم سے عاجز آنے
کی وجہ سے کوئی کوتاہی ہو تو معاف فرمادے۔ [1]

سامری کی سزا:

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ......﴿۹۷﴾

(سورۃ طٰہٰ 14:16)

''(موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو) کہا تو چلتا بن کہ دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے چھونا نہیں اور بے شک تیرے لئے (آخرت میں) ایک وعدہ کا وقت ہے۔''

سامری کی دنیا میں یہ سزا مقرر ہوئی کہ جو شخص اس کے قریب آ کر اسے ہاتھ لگاتا وہ شخص اور یہ شدید بخار میں مبتلا ہو جاتے اس لئے یہ دور سے آتے ہوئے شخص کو دیکھ کر کہتا مجھ سے مصافحہ نہ کرنا مجھے چھونا نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگوں کے درمیان ایک وحشی جانور کی حیثیت میں ہو گیا لوگوں نے اس سے میل ملاقات اس کے ساتھ مل کر کھانا خرید و فروخت اور اس کے ساتھ کلام کرنا چھوڑ دیا یعنی ہر قسم کے معاملات جو لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں وہ اس سے منقطع کر دیئے گئے اور اخروی سزا جس نے ضرور واقع ہونا ہے جس نے معاف بھی نہیں ہونا وہی سزا ہو گی جو مشرک کی ہو گی' بلکہ اور لوگوں کو مشرک و گمراہ بنانے کی وجہ سے اس سزا میں شدت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

(سورۃ نساء 15:5)

''اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے (شرک کے بغیر ہر قسم کے گناہ) جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہے۔''

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دنوں کے بعد تورات عطا کی گئی کہ آپ چالیس دن دنیا والوں سے الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں۔ اس طرح اس کے ذکر و فکر سے آپ کے قلب و روح کو ایک خاص قسم کی قوت حاصل ہو جائے جو اس عظیم بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے:

''اِنَّ لِلْاَرْبَعِيْنَ خُصُوْصِيَّةٌ فِيْ اِخْتِصَاصِ الْكَلَامِ لِلْاَنْبِيَاءِ ''بیشک چالیس کو ایک خصوصیت حاصل ہے اسی وجہ سے

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج5' حصہ دوم ص69

كَمَا اَنَّ لَهَا اِخْتِصَاصًا فِىْ ظُهُوْرِ يَنَابِيْعِ الْحِكْمَةِ مِنْ قُلُوْبِ الْاَوْلِيَاءِ كَقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ" (1)

انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت کے اعلان کا حکم دیا جاتا رہا۔ ان سے رب تعالیٰ کا کلام بذریعہ وحی اسی عمر میں ہوا پھر اولیاء عظام کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ چلاکشی کرتے ہیں یعنی چالیس روز تک دنیا سے علیحدہ ہو کر فقط رب تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کے دلوں پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص چالیس صبح خلوص سے (دنیا سے الگ تھلگ ہو کر) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے نمودار ہو جاتے ہیں۔"

کاش! کہ لوگوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ چالیس دن تک فوت شدہ کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام کرتے رہنا پھر چالیس پر اس کے لئے اجتماعی دعا کتنی مقبولیت کا سبب ہو گی۔ خیر! جس بدقسمت کے لئے دعا کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہمیں ان لوگوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔

بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (54)

(سورۃ بقرہ 6:1)

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ (توبہ کرو) تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو' یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری قبول کی' بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔"

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا "اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ" کہ تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور تمہاری توبہ کی صورت یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو چنانچہ توبہ کرنے والوں نے اسی طرح توبہ کی کہ ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی بلا امتیاز ہر ایک نے دوسرے کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہر قاتل و مقتول نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

ان کے لئے قتل کرنا کیسے ممکن ہوا؟

بنی اسرائیل جب سب ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے' ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار تھے تو ان کے لئے

(1) روح البیان' علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ' ج 3' ص

بہت مشکل کام تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کریں' وہ توبہ کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن ان سے یہ کام جب مشکل ہوا تو ان کے لئے آسانی پیدا کی گئی:

فَاَرْسَلَ اللّٰهُ ضَبَابَةً وَّسَحَابَةً سَوْدَآءَ لَا يَتَبَاصَرُوْنَ فَاَخَذُوْا يَقْتُلُوْنَ مِنَ الْغَدَاةِ اِلَى الْعَشِيِّ حَتّٰى دَعَا مُوْسٰى وَهَارُوْنَ فَكُشِفَتِ السَّحَابَةُ وَنُزِلَتِ التَّوْبَةُ وَكَانَتِ الْقَتْلٰى سَبْعِيْنَ اَلْفًا ❶

''اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے دھند اور سیاہ بادل چھا دیئے' جن سے اندھیرا چھا گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتے تھے انہوں نے صبح سے لے کر شام تک ایک دوسرے کو قتل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! اب ان کو معاف کر دے' دعا کرنے کی وجہ یہی تھی کہ اگر ان پر یہی سلسلہ جاری رہا تو بنی اسرائیل کا نام ونشان دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور معاف فرما دیا لیکن اس وقت تک ستر ہزار کی تعداد میں یہ لوگ قتل ہو چکے تھے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو ذبح کر کے اس کا خون بہایا اور ہڈیوں کا ریتی سے برادہ کر کے جلا دیا اور خاکستر پانی میں بہا دی موسیٰ علیہ السلام کا بچھڑے کو ذبح کر کے اس کا خون بہانا اس بات کی دلیل ہے کہ سونے چاندی کی دھات سے بنا ہوا اس کا جسم گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا اور اس میں حیات پیدا ہو گئی۔ بعض نے کہا: کہ ریتی سے اس کا برادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا جسم دھات سے گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل نہیں ہوا لیکن یہ دلیل اس لئے ضعیف ہے کہ دھات کا ہی برادہ نہیں کیا جاتا بلکہ ریتی سے ہڈی کا برادہ بھی کیا جاتا۔ قدماء مفسرین کے مطابق صحیح یہی ہے کہ وہ بچھڑا دھات سے گوشت اور ہڈی میں تبدیل ہو گیا تھا قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ:

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ○

(سورۃ طٰہ 14:16)

''اپنے اس معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا قسم ہے ہم ضرور اسے جلائیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے اسے دریا میں بہائیں گے۔''

اپنے ظاہر الفاظ کے ساتھ قدماء مفسرین کے قول کی تائید کرتا ہے۔ ❷

بنی اسرائیل کی پشیمانی کے بعد بھی کج روی:

بچھڑے کی پوجا کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی سرزنش کرنے کے بعد وہ لوگ بہت پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کے بہترین ستر افراد کو ساتھ لے کر طور پر آ جائیں تاکہ وہ تمام قوم کی طرف سے بچھڑے کی پوجا کے جرم کی معافی طلب کریں۔ آپ ان کو جب ساتھ لے کر گئے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام تم اپنے رب تعالیٰ سے

❶ بیضاوی وشیخ زادہ بحوالہ انجوم الفرقان ج 3 ص 113 ❷ روح المعانی ص 257 بحوالہ التبیان' علامہ کاظمی رحمہ اللہ ص 206

سوال کرو یہاں تک کہ ہم بھی اس کے کلام کو سنیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا تو اسے قبول کر لیا گیا۔

جب آپ پہاڑ کے قریب پہنچے تو ستون کی شکل میں بادل نمودار ہوا جس نے تمام پہاڑ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل کے قریب ہوئے یہاں تک کہ اس میں داخل ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے رب تعالیٰ سے کلام کیا تو آپ کی پیشانی سے ایک نور چمکنے لگا' انسانوں میں سے کوئی ایک اسے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ قوم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا یہ کرو اور یہ نہ کرو جب کلام کا سلسلہ ختم ہوا تو بادل کو اٹھا لیا گیا۔

قوم نے کہا' لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ''ہم ہرگز تمہارا نہیں یقین کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہیں دیکھ لیں گے تو ان کو بجلی کی کڑک نے اپنی گرفت میں لے لیا اور سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ اور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے لایا تھا تا کہ ان کی توبہ قبول ہونے پر میرے گواہ بنیں اب میں ان کی طرف واپس جاؤں گا تو میرے ساتھ کوئی ایک بھی جب نہیں ہوگا تو وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گے موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے رہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو لوٹا دیا۔

خیال رہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام جب تورات لینے کے لئے طور پر گئے اس وقت ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے پھر واپس لوٹنے پر قوم کے بچھڑے کی پوجا کرنے کے بعد لے کر گئے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے ان آدمیوں کو لے کر گئے پھر انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کر کے توبہ کی توبہ کے واقعہ کے بعد لے کر گئے۔ (1)

رہا یہ امر کہ بعض آیات قرآنیہ کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد دنیوی حیات حاصل نہیں ہوتی ان آیات میں اسی عادت الٰہیہ کا قانونِ عام کا بیان ہے لیکن خرقِ عادت بھی کتاب وسنت سے ثابت ہے اور بعض امور کا قانون خاص کے تحت ہونا قرآن وحدیث سے واضح ہے اس لئے یہاں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کی دنیوی مدت عمر علمِ الٰہی میں باقی تھی اور بطور سزائے معصیت یا کسی دوسری حکمت کی وجہ سے ان پر موت طاری کی گئی ان لوگوں کو مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے اور جن لوگوں کی دنیوی مدت عمر علمِ الٰہی میں پوری ہو چکی ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جاتی ہے۔ (2)

قوم کا احکام خداوندی ماننے سے انکار:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ

''اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور طور (پہاڑ) کو

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 84 (2) التبیان' علامہ کاظمی رحمہ اللہ ص 207

اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ (سورۃ بقرہ 6:1)

تمہارے اوپر اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا (اسے) مضبوطی سے پکڑو اور جو اس میں ہے (اسے) یاد کرو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی ایک اور اشد ترین بغاوت و سرکشی کا ذکر فرمایا وہ یہ کہ اس قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے خود ہی مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب آنی چاہیے جس کے احکام کے مطابق ہم اپنی زندگی بسر کریں اور ان احکام کی روشنی میں فلاح اور بھلائی کی راہ پائیں۔ موسیٰ علیہ السلام جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات لائے تو اس میں ان کی طبعی سرکشی اور طغیان کے لحاظ سے کچھ بھاری احکام بھی تھے مگر ایسے نہیں جو ناقابل عمل ہوں بلکہ ان کی حالت کے مناسب اور حکمتِ الٰہیہ کے عین مطابق تھے بنی اسرائیل نے صرف بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نے پہاڑ کا ایک حصہ ان پر اٹھالیا اور ارشاد ہوا۔

"خُذُوْا مَا آتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ" ہم نے تمہیں جو کچھ دیا اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑلو۔ اس پر ان سے پختہ عہد لیا گیا لیکن انہوں نے اس کو بھی توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطنی فساد کو خوب اچھی طرح ظاہر کرنے اور انہیں رسوا کرنے کے لئے قرآن مجید میں الفاظ "ورفعنا" کے ساتھ ان پر پہاڑ اٹھالینے کا ذکر بار بار فرمایا۔

خیال رہے کہ بعض لوگوں نے یہاں سے مراد زلزلہ لیا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ جب لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جا سکتا ہے تو مجازی معنی لینا جائز نہیں۔

قرآن پاک میں اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تین مرتبہ "ورفعنا" اور ایک مرتبہ "نتقنا" ذکر کیا گیا اگر آیت کریمہ میں یہی مشہور و متعارف معنی مراد نہ لئے جائیں تو قرآن پاک میں واقعہ میں تینوں جگہ لفظ "ورفعنا" بے معنی ہو کر رہ جائے گا کیونکہ صرف پہاڑ کا بلند ہونا معنی مراد نہیں اس لئے کہ پہاڑ تو پیدائشی طور پر بلند ہی ہیں ہو سکتا ہے کہ پہاڑ ان کے سروں پر سائبان کی طرح بلند کیا گیا۔ یہی معنی "نتقنا" کا بھی ہے کیونکہ یہ صحیح اسی وقت ہی ہو سکتا ہے جب "نتق" کا معنی "جڑ سے اکھاڑنا" ہو۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو متقدمین علماء کرام اسلام کی تحقیقات کو پس پشت ڈال کر یہود و انصاری کی بے بنیاد کتابوں اور جدید ملحدانہ نظریات پر اعتماد کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ مادہ پرستی اور لادینی افکار سے متاثر ہو کر محض عقل ناتمام اور ناقص تجربات پر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں جن کی نظر میں علماء متقدمین اور اسلاف کی تحقیقات کوئی وقعت نہیں رکھتیں وہی لوگ کتاب و سنت کی نصوص میں غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہی کا شکار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر کے "ضلوا فاضلوا" (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) کا مصداق بن جاتے ہیں۔ (العیاذ اللہ)

واضح رہے کہ پہاڑ کو اس جگہ سے اکھاڑ کر بلند کرنا اس لئے نہ تھا کہ تورات کے احکام ان سے جبراً منوائے جائے بلکہ محض ان کی اور سرکشی طغیان کی وجہ سے تھا۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کا ''لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ'' دین میں کوئی جبر نہیں سے کوئی تعارض نہیں۔ (1)

عمالقہ سے جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کی روگردانی:

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

(سورۃ مائدہ 6:8)

''(موسیٰ علیہ السلام نے کہا:) اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔ (اس وقت) کہا: دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازے سے اور جب تم داخل ہو گے دروازے سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔ کہنے لگے: اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو ان سے ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں سوائے اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔''

بنی اسرائیل کا اصل آبائی وطن ''مالوف'' شام تھا۔ یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ مصر آ کر مقیم ہوئے اور وہاں مختلف حالات سے گزرتے رہے۔ فرعون مصر کی غلامی میں کٹھن دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں نجات دلائی۔ فرعون دریا میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا' اس دوران ملک شام پر قوم عمالقہ قابض ہو چکی تھی اور انہوں نے وہاں تسلط قائم کر لیا تھا۔ فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا اصل وطن آزاد کرائیں اور وہاں جا کر مقیم ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بارہ نقیب (سردار) روانہ کئے جو چالیس

(1) التبیان' علامہ کاظمی رحمہ اللہ ص 222-221 مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جب واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: کہ قوم کے سامنے برملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے ان کے حوصلے پست ہوں لیکن بارہ میں سے دس نے وہاں کے لوگوں کی قوت و جبروت ان کی قد و قامت ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل چلا اٹھے اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکر لے کر اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے ان سے جا کر لڑیں ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رخ کریں گے۔ انہوں نے کہا: ہم شام کی زرخیز زمینوں ٹھنڈے پانی کے ابلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزت کی زندگی سے باز آئے ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔

دوسرے دوسرداروں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ بنو ذرا ہمت کر کے دشمن کے شہر کے دروازے سے داخل ہو کر حملہ کر کے دیکھو۔ نصرت الٰہی کس طرح تمہارے دشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا جب وہ عمالقہ کی طاقت کا حال سن کر دل چھوڑ بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزا یوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک واپس نہ پہنچ سکے اور چالیس برس تک وادی تیہ میں حیران و پریشان گھومتے رہے۔

''تیہ'' مصر اور شام کے درمیان ایک وسیع اور کھلا میدان تھا۔ تیہ کے معنی ہی حیرانی و پریشانی کے ہیں۔ بنی اسرائیل اس میدان میں چالیس سال تک انتہائی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں سرگرداں رہے اسی لئے اسے ''وادی تیہ'' کہا جاتا ہے بنی اسرائیل اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرنے کے بعد رات بسر کرتے صبح اپنے آپ کو وہیں پاتے' جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ (1)

بنی اسرائیل کی سرکشی کے باوجود ان پر انعامات:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

(سورۃ بقرہ 6:1)

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کر دیا اور من اور سلویٰ تم پر اتارا کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک چیزوں سے اور انہوں نے (ہماری نافرمانی) کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا' ہاں! وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔''

بنی اسرائیل کی انتہائی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار انعامات فرمائے اس آیت کریمہ میں جن نعمتوں کا ذکر ہے ان کا تعلق میدان تیہ سے ہے جہاں وہ چالیس برس تک پریشان حالی اور سرگردانی میں رہے اس وادی میں نہ کوئی سایہ

(1) تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 1' ص 458.........التبیان' علامہ کاظمی رحمہ اللہ' 208

ہے نہ کوئی درخت نہ ہی کوئی عمارت نہ پینے کے لئے پانی نہ کھانے کے لئے کوئی چیز نہ روشنی تھی اور نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات۔ اس بے سروسامانی اور غریب الوطنی کے عالم میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لئے سب سامان مہیا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاؤ اور سایہ کے حصول کے لئے بادل بطور سائبان نازل فرمادیا کھانے کے لئے من سلویٰ بھیج دیا۔

من کیا چیز ہے؟

من کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ ''من'' سے مراد ''ترنجبین'' ہے جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔

"فَلَمَّا اَكْثَرُوْا اَكْلَهٗ سَمِنُوْا مِنْ اَكْلِهٖ فَقَالُوْا لِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَتَلْنَا هٰذَا الْمَنُّ بِحَلَاوَتِهٖ۔" ''جب وہ کثیر مقدار میں من کھا کر موٹے ہو گئے تو کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام اس من کی مٹھاس نے تو ہمیں مار کر رکھ دیا ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حضور دعا کی تو رب تعالیٰ نے ان پر سلویٰ نازل فرمایا۔

ایک حدیث پاک کا مطلب:

"اَلْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى ......" ''کماۃ اس من سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فرمایا اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس من سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ (مطلب دونوں روایات کا ایک ہی ہے)

کماۃ کیا ہے؟ یہ پودا بہار کے موسم میں زمین کے نیچے پایا جاتا ہے۔ یہ اروی کی طرح گول جڑ ہوتی ہے جس کا نہ تنا ہوتا ہے نہ رگیں اس کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے (المنجد) تاہم بعض مترجمین نے اس کا معنی کھمبی بھی کیا ہے۔

فائدہ: کماۃ کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ بعض اہل علم نے بیان فرمایا کہ اس کے پانی میں برودت (ٹھنڈک) کی تاثیر ہے اسلئے اگر اسے استعمال کیا جائے جب کہ آنکھیں حرارت کی وجہ سے خراب ہوں تو آنکھوں کو شفاء حاصل ہوتی ہے۔ البتہ مختلف اوقات میں دواؤں کے ساتھ استعمال آنکھوں کے لئے نفع مند ہے۔ [1]

سلویٰ کیا ہے؟ سلویٰ کے بارے میں متعدد اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ وہ بٹیر تھا بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے۔ الغرض من اور سلویٰ ان کی شیریں اور نمکین لطیف غذائیں تھیں جنہیں شکم سیر ہو کر وہ کھاتے تھے۔ تاریکی دور کرنے کے لئے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اعجازی شان اس طرح ظاہر

[1] تفسیر نجوم الفرقان شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ العالی ج 2 ص 124 بتقدیم و تاخیر

فرمائی کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے اور نہ ہی پھٹتے اور ان کے بچوں کے جسم ساتھ بچوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا۔"وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ" یہاں لفظ "فعصوا" محذوف ہے یعنی اتنے عظیم وجلیل احسانات وانعامات کے باوجود انہوں نے نافرمانیاں کیں اور اپنی نافرمانیوں سے انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا۔ ہاں! وہ اپنے (آپ) ہی کو نقصان پہنچاتے رہے۔❶

پتھر سے پانی نکالنا:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (سورۃ بقرہ 7:1)

"اور جب پانی طلب کیا موسیٰ نے اپنی امت کے لئے تو ہم نے فرمایا اپنا عصا اس پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ بے شک ہر گروہ نے پانی پینے کی جگہ کو پہچان لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ (تعالیٰ) کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد کرتے ہوئے۔"

میدان تیہ میں چھ لاکھ کی تعداد میں بارہ میل پر پھیلے ہوئے لشکر جب پیاس کی شدت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی بے بسی کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور حکم دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنا عصا پتھر پر مارو پانی جاری ہوجائے گا۔ آپ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ ہر قبیلے نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے مختص کرلیا۔ پتھر سے جاری ہونے والا پانی اتنی بڑی تعداد کے لوگوں کے لئے کافی تھا۔ پتھر مکعب شکل کا تھا اور ہر طرف سے تین تین چشمے جاری ہوئے۔ یہ پتھر کوئی خاص معین تھا یا کہ عام پتھر تھا۔ اگرچہ اس میں مختلف اقوال تو ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ قرآن پاک میں کسی پتھر کو مختص جب نہیں کیا گیا تو وہ پتھر عام تھا۔❷

میدان تیہ سے نجات اور ان کی سرکشی:

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (سورۃ بقرہ 6:1)

"اور جب ہم نے فرمایا اس شہر میں چلے جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بافراغت کھاؤ اور داخل ہو دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور کہو "حطۃ" (ہمارے گناہوں کو معاف کر) ہم تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو عنقریب ہم زیادہ دیں گے تو بدل دیا ظالموں نے اس بات کو

❶ تفسیر قرطبی ج 1، ص 408-406 .... التبیان، ص 209 ❷ تفسیر ابی السعود ج 1 ص 105

جو ان سے کہی گئی تھی دوسری بات سے تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔"

اس میں اختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کر لیا' بائبل کی تصریح یہ ہے:

"اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں کیں جن کے نتیجہ میں خدا نے ان پر وبا بھیجی اور چوبیس ہزار آدمی ہلاک کر دیئے۔ (گنتی باب ۵: آیت ا۔۸)

ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ نظر رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ قرآن جن واقعات کا ذکر کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت و موعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو لوگ قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ قصص قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان و مکان کا تعین نہیں پاتے تو وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ❶

جب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا واقعہ مراد لیا جائے تو بستی سے مراد "اریحا" ہوگی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے۔ اگر بیت المقدس مراد لیا جائے تو یہ واقعہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے سے متعلق ہوگا۔ رب تعالیٰ نے اس قوم کو کہا کہ جب تم شہر میں داخل ہو تو سجدہ کرتے ہوئے عجز و انکساری سے داخل ہونا اور زبان سے "حطۃ" کہنا لیکن قوم نے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے سرکشی سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کے بجائے اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہونا اختیار کیا اور "حطۃ" کہنے کی جگہ "حنطۃ" (ہمیں گندم چاہیے) کہا ان کی سرکشی اور حدود سے تجاوز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طاعون کا عذاب بھیجا جس سے وہ چوبیس ہزار کی تعداد میں مر گئے۔ ❷

من و سلویٰ سے اعراض اور ذلت کا تسلط:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ (سورۃ بقرہ 1:7)

"جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! ہم سے ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ (من و سلویٰ کی بجائے) ہمارے لئے زمین سے اگنے والی چیزیں پیدا کرے زمین کی سبزی (ترکاری)' ککڑی' گندم' بے شک (وہاں) تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گئے یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر

❶ تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 1' ص 59 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 88

کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے (بھی) کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔"

یہ بات بھی بنی اسرائیل نے "میدان تیہ" میں کہی تھی۔ ❶

بنی اسرائیل عرصہ دراز تک بلاناغہ من وسلویٰ کھاتے رہنے کی وجہ سے اکتا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اب ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہ کر سکیں گے۔ من وسلویٰ کی دو مختلف قسم کے کھانوں کو ایک کھانا اس لئے کہا گیا کہ دونوں قسم کے کھانے وہ ایک ساتھ کھاتے تھے یا اس لئے کہ ہر روز بطور غذا انہیں یہی دو چیزیں ملتی تھی۔ یہ نفیس کھانا باقی کھانوں سے بہتر تھا لیکن بنی اسرائیل کے اصرار پر ارشاد ہوا "اھبطوا" "تم مصر میں اتر جاؤ جو کچھ تم نے مانگا وہ تمہیں وہاں ملے گا۔

اس مصر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ فرعون کا مصر تھا یا کوئی اور شہر راجح ہے کہ اس سے غیر متعین شہر مراد ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وادی تیہ کے قریب کوئی شہر تھا جس میں عارضی طور پر جانے کا حکم ان کی خواہش کے مطابق دیا گیا تھا بڑھتی ہوئی نفسیانی خواہشات کی بناء پر طاعت اور بندگی کی حدود سے بار بار یہود کا تجاوز اور طغیانی ان کے حق میں دائمی ذلت ومسکنت (مسکینی) پر منتج ہوا۔ قوم یہود پر ذلت ومسکنت کا مسلط ہونا ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کا انکار واقعات کی روشنی میں کوئی اہل انصاف نہیں کر سکتا قرآن مجید میں بھی (علی روس الاشہاد) واضح شہادت سے فرما رہا ہے کہ ذلت ومسکنت اور دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کا غضب ان کے حق میں مقدور ہو چکا ہے دنیا جانتی ہے کہ یہود تاریخ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں سے بہت پرانی اور قدیم ہے ابتداء سے لیکر آج تک ان کی تاریخ کو سامنے رکھ لیجئے کوئی دور ان کا ذلت ومسکنت سے آپ کو خالی نظر نہیں آئے گا حالانکہ ان میں ایک طبقہ بہت بڑا سرمایہ دار ہے لیکن انتہائی بخیل اور حریص کتنا ہی مالدار ہو مگر بخل کی وجہ سے وہ ہمیشہ مسکینی کی ہیئت پر رہتا ہے اور حریص کمال حرص کے سبب ہر جائز وناجائز طریقہ سے مال جمع کرنے کی فکر میں رنج وتعب (مصیبت اور مشقت) میں مبتلا رہتا ہے پھر یہ کہ سب یہودی مال دار نہیں بلکہ بہت سے یہود فقر ومسکنت کا شکار ہیں۔ حیوانیت وبربریت، ظلم وجور، کھی انسانیت پر لرزہ خیز مظالم ان کی طبائع میں مرکوز ہیں۔ عہد شکنی، وعدہ خلافی ان کا طرۂ امتیاز ہے، ان کے ظلم وستم کے باعث اقوام عالم کی نظروں میں وہ لائق گردن زنی (گردن اڑا دینے کے قابل) رہے ہیں۔ اسی لئے ان کی پوری تاریخ میں ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ ان کے جرائم کی پاداش میں لوگ انہیں قتل کرنے اور سخت تکلیفیں پہنچانے کے درپے نہ رہے ہوں قرآن مجید کے اعلان کے مطابق یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

"وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ...... ﴿۱۶۷﴾ (سورت اعراف 11:9) "یعنی آپ کے رب تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیں گے۔"

---

❶ تفسیر قرطبی، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمہ اللہ ج 1 ص 422 دار احیاء التراث

اس زمانہ میں بھی جب کہ یہود کی نام نہاد حکومت فلسطین میں قائم ہے مظلوم فلسطینی ہر وقت ان کی تاک میں رہتے ہیں گویا وہ یہودیوں پر مسلط رہتے ہیں جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ یہود کو تکلیفیں پہنچانے قتل کرنے اور قیدی بنانے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور یقیناً یہ صورت حال قیامت تک جاری رہے گی البتہ ان کے لئے جان و مال کی بے حرمتی سے بچنا اللہ تعالیٰ کی رسی کے سہارے ہوسکتا ہے یا اس کے علاوہ ذلت وخواری سے محض بظاہر محفوظ رہنا لوگوں کی رسی کے ذریعے ممکن ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ...... ﴿﴾ (سورۃ آل عمران 3:4)

''یعنی وہ جہاں بھی پائے جائیں ذلت ان پر مسلط کردی گی بجز اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی کے۔''

اللہ کی رسی سے مراد قرآن اور اسلام ہے قرآنی اور اسلامی حکم ہے۔

"وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ (سورۃ توبہ ۱۰:۶)

''یعنی اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو۔''

اور ارشاد فرمایا:

"حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿﴾ (سورۃ توبہ 10:10)

''یعنی اگرچہ پناہ طلب نہ کریں تو) ان کا مال و جان محفوظ نہیں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔''

اگرچہ پناہ مانگنا اور جزیہ ادا کرنا دونوں باتیں موجب ذلت ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے دین میں مستامن اور ذمی کا جان و مال بے حرمتی سے محفوظ رہتا ہے۔ اور لوگوں کی رسی سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلم لوگ ان سے معاہدہ کر کے ان کی حفاظت کا ذمہ اٹھالیں جیسا کہ آج کل بعض غیر مسلم بڑی طاقتوں نے یہود سے معاہدہ کر کے ان کی حفاظت ذمہ اٹھایا ہوا ہے' جس کی بل بوتے پر فلسطین میں یہود کی بے بنیاد حکومت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ اگر وہ لوگ آج اپنا معاہدہ ختم کردیں تو یہ نام نہاد حکومت باقی نہ رہے۔

بعض مفسرین نے ''لوگوں کی رسی'' کا مفہوم ''جزیہ'' بیان کیا ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رسی اور لوگوں کی رسی ایک ہی قرار پائے گی حالانکہ انسب یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ ہوں۔ [1]

غالباً اسی لئے قرآن مجید میں ''وحبل من المسلمین'' کی بجائے ''وحبل من الناس'' فرمایا گیا ہے ایسی حکومت کا قیام قرآن کی پیشگوئی کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ حبل من الناس کے الفاظ میں اس مسئلہ میں قرآنی صداقت کا اعلان کررہے ہیں اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ قرآن کے مطابق محض لوگوں کے سہارے فلسطین میں بے بنیاد اسرائیلی حکومت قائم ہے جو آج بھی حقیقی ذلت و مسکنت اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہے اور یقیناً آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں یہ لوگ مبتلا ہوں

---

[1] ملخصاً تفسیر البحر المحیط ج3 ص32.......... تفسیر ابن کثیر ج2 ص93

گے۔ "وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ" اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ "بغیر الحق" سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے کوئی ایسا کام سرزد ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے اس کا قتل حق قرار پائے کیونکہ انبیائے کام علیہم السلام معصوم ہیں ان سے کوئی ایسا کام نہیں ہوسکتا یہاں بغیر الحق فرما کر انبیاء کے قاتلین کے فعل کا وصف بیان فرمایا کہ وہ ناحق تھا۔ ❶

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء کا قتل ان کی نبوت کے خلاف نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وعدہ الٰہیہ "واللہ یعصمک من الناس" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کا لوگوں سے بچائے گا...... حضور کی خصوصیات سے ہے ورنہ نفس قتل کا نبی پروارد ہونا ہرگز اس کی نبوت کی نفی نہیں کرتا' جس کی روشن دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہو جائے یا مقتول ہو جائیں تو اے مسلمانو کیا تم پچھلے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یعنی رسول کے لائے ہوئے دین کو چھوڑ دو گے۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی انتہائی شقاوت قلبی کا بیان کا بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کرنے والوں سے بڑھ کر کون شقی القلب ہوسکتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ان جیسے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے انتہائی بیدردی کے ساتھ شہید کیا یہ سب کچھ یہود کی نافرمانی اور پرانی سرکشی کا ظہور تھا۔ ❷

گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ (سورۃ بقرہ 8:1)

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے ایک گائے ذبح کرنے کا' وہ بولے: کہ آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں نادانوں سے ہو جاؤں انہوں نے کہا: ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بتادے وہ کیسی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچھڑی (بلکہ) اس کے درمیان متوسط عمر کی' پس بجا لاؤ جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ زرد گائے ہے گہرے چمکدار رنگ کی دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے وہ بولے اپنے رب اللہ تعالیٰ سے ہمارے

❶ تفسیر قرطبی' امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری' ج 1 ص 432 ❷ التبیان' علامہ کاظمی رحمہ اللہ' ص 217-216

لئے دعا کیجئے وہ ہمیں کھول کر بتائے اس کا وصف کیا ہے؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور بیشک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ضرور راہ پائیں گے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بیشک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ گائے ہے جو نہ محنت کش ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ وہ کھیتی کو پانی دیتی ہے صحیح سالم ہے (یک رنگ) جس میں کوئی (داغ) دھبہ نہیں۔ وہ بولے: آپ ٹھیک بات لائے' پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے کے قریب نہ تھے۔"

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کر دیا تا کہ اس کا وارث بن جائے۔ قتل کر کے اس کی لاش کو چوراہے میں پھینک دیا پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر آ گیا موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کی قاتل کا پتہ لگانے کی لیکن پتہ نہ چل سکا وہ لوگ کہنے لگے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے تا کہ وہ بتائے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی۔ آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کر کے اس کا گوشت مردہ کو مارو وہ زندہ ہو کر بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟ انہوں نے تعجب کیا کہ ذبح شدہ جانور کا گوشت مردہ کو کیسے زندہ کرے گا؟ یہ تو ایک مزاح نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

"یَعْنِیْ اَنَّ الْاِشْتِغَالَ بِالْاِسْتِھْزَآءِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِسَبَبِ الْجَھْلِ وَمَنْصَبُ النُّبُوَّۃِ لَا یَحْتَمِلُ لِاِقْدَامٍ عَلَی الْاِسْتِھْزَآءِ"

"یعنی مزاح اڑانا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی سے مزاح اڑائے اور خصوصاً دینی معاملات میں مزاح اڑانا شدید عذاب اور سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ وہ ایسا اقدام کر سکتا ہے جو عذاب کا سبب بنے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"لَوْ ذَبَحُوْا اَیَّۃَ اَرَادُوْا لَاَجْزَاَتْ مِنْھُمْ لٰکِنَّھُمْ شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ فَشَدَّدَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ"

"اگر وہ کوئی گائے بھی ذبح کرتے تو ان کو کفایت کرتی لیکن انہوں نے خود بار بار سوال کر کے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ یَقُوْلُوْا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَحِیْلَ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَھَا اَبَدًا"

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہتے تو ہمیشہ ان کے اور گائے کے حصول میں سوالات حائل رہتے۔"

یعنی جب انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ہدایت پائیں گے تو اسی وقت ان کو سوالات ختم کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ ●

● تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 120

وہ کیوں ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے:

اس کی چند وجوہ ہیں' جن کے پیشِ نظر وہ ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اب ان کو اس کام کے نہ کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا لہٰذا انہیں ذبح کرنا پڑا۔

① "لخوف الفضیحۃ" ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف لاحق تھا کہ اگر ہم نے ذبح کر دیا اور اس کا گوشت مقتول شخص کو مار دیا تو وہ زندہ ہو جائے گا اور پتہ چل جائے گا کہ قاتل کون ہے؟ قاتل تو وہ خود ہی تھے اس لئے وہ رسوائی کے ڈر سے ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔

② "لعزۃ وجودھا بھذہ الاوصاف جمیعا" اور وجہ یہ تھی کہ وہ اس لئے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ سمجھدار تھے کہ ان تمام اوصاف والی گائے کا ملنا مشکل ہے۔

③ "لغلاء ثمنھا" اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس لئے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ کہہ رہے تھے کہ اس کی بہت قیمت ہے کیونکہ اس وقت عام گائے کی قیمت تین دینار تھی لیکن یہ گائے ان کو گائے کا چمڑا ابھر کر اس کے برابر سونا وغیرہ ادا کرنے کی قیمت مل رہی تھی۔ [1]

بہت بھاری قیمت سے گائے حاصل کی:

اس وقت عام طور پر گائے کی قیمت تین دینار ہوتی تھی لیکن انہوں نے سوال کر کے اپنے لئے اتنی مشکل پیدا کر دی تمام اوصاف کسی گائے میں بیک وقت پائے جانے دشوار نظر آئے۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے انہیں ایک بیوہ اور اس یتیم بچے کے پاس ایسی گائے نظر آئی جس میں بیان کردہ جمیع اوصاف موجود تھے۔ بوڑھی نہیں تھی اور بچھڑی نہیں تھی بلکہ درمیانی عمر کی تھی زرد رنگ تھا' دیکھنے والوں کو خوش کرتی تھی' زمین میں اس نے ہل نہیں چلایا تھا اور نہ ہی کھیتی کو سیراب کیا تھا اور اس میں کوئی عیب اور داغ دھبہ نہیں تھا کیونکہ اس یتیم کے بوڑھے' نیک' پرہیزگار باپ نے اپنی ایک بچھڑی کو جنگل میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دے دیا تھا کہ میرا بچہ کچھ بڑا اور سمجھدار ہو کر اسے لے جائے گا۔ وہ بچہ بھی والدین کا فرمانبردار تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وہ اپنی گائے جنگل سے لے آیا تھا۔ اسی گائے میں تمام اوصاف موجود تھے۔ موٹی تازی تھی' خوبصورت تھی' بنی اسرائیل کو اس کے چمڑے میں جتنی مقدار میں سونا وغیرہ آ سکتا تھا اتنی مقدار میں سونا بطور قیمت ادا کرنا پڑا۔

سبحان اللہ! مالک الملک نے اپنے بندے کی گائے کی جنگل میں حفاظت فرمائی اور اس نیک بندے کی بیوہ اور اس کے

---

[1] تفسیر خازن' بحوالہ نجوم الفرقان ج 3' ص 270-269 مطبوعہ ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی

یتیم بچے کو کثیر مقدار میں مال و دولت عطا فرمایا۔ بنی اسرائیل اگرچہ گائے کی بھاری قیمت ادا کرنے پر بخوشی رضامند نہیں تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ہمارا مقتول زندہ ہو گیا تو ہمارا اپنا ہی عیب ظاہر ہو گا لیکن انہیں پھر بھی گائے ذبح کرنی پڑی کیونکہ اب ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا تھا اگرچہ وہ ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ (1)

گائے کے ذبح کرنے میں حکمت:

(1) ایک وجہ تو یہی تھی کہ نیک آدمی کے یتیم بچے اور اس شخص کی بیوہ کو کثیر مال عطا کرنا تھا اس لئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ سوال کرتے رہیں کہ اس طرح وہ گائے کہیں اور نہ مل سکی۔

(2) دوسری وجہ یہ تھی کہ گائے کی قربانی کا طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اور وہ لوگ گائے کی قربانی کو عظیم سمجھتے تھے اس لئے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ ان کے ذہن اسے قبول کر لیں کہ گائے کی قربانی میں یہ اثر ہو گا مقتول کو زندہ کرنے کا یہ عجیب انداز بیان کر لیا تا کہ موسیٰ علیہ السلام پر وہ جادوگری کا الزام عائد نہ کر سکیں۔

(3) تیسری وجہ یہ تھی کہ مقتول کو اس عجیب انداز سے زندہ کر کے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اس طرح مردوں کو زندہ فرما لیتا ہے۔

(4) چوتھی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ کی برتری ان پر واضح ہو جائے اور آپ کا معجزہ ظاہر ہو جائے۔

(5) پانچویں وجہ یہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد نے دیکھ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر لی تھی ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دے کر تنبیہ کر دی کہ گائے خدا نہیں ہو سکتی' جو خود ذبح ہو جائے وہ خدا کیسے؟ (2)

قوم موسیٰ علیہ السلام میں قارون:

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ

''بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی چابیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اترا نہیں ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال تجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان

---

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 122

(2) تفسیر قرطبی' بحوالہ نجوم الفرقان ج 3' ص 271

اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

(سورۃ القصص 11:20)

کر جیسا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد نہ چاہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا' بولا: یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرمادیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جماعتیں اس سے زیادہ (اُللہ خود ہی جانتا ہے) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا (کہ تمہارا مال کہاں ہے' تمہاری زیادتیاں کیا ہیں؟) تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں' بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا قارون کو ملا بے شک اس کا بڑا نصیب ہے اور بولے جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ تعالیٰ کا ثواب بہتر ہے۔ اس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا اور کل جس نے اس مرتبہ کی آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کیلئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب! کافروں کا بھلا نہیں۔

قارون (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کا قریبی رشتہ دار تھا۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کا چچازاد بھائی تھا بعض حضرات نے اسے آپ کا خالہ زاد کہا ہے اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی نبوت پر حسد کرتے ہوئے منافقت اختیار کر لی تھی جیسے آپ کی قوم میں سامری منافق تھا۔ قارون خوبصورت ہونے کی وجہ سے منور کہلاتا تھا اور تورات کا بھی بہت بڑا قاری تھا لیکن نبی کا گستاخ ہونے کی وجہ سے ذلیل ہوا' وہ بہت بڑا مالدار تھا۔ دس آدمیوں کی جماعت اس کے مال کو شمار نہیں کر سکتی تھی یا یہ لوگ اس کے خزانوں کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔

"اِنَّ اخْتِیَارَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْحَسَنِ اِنْ تُحْمَلُ الْمَفَاتِحُ عَلٰی نَفْسِ الْمَالِ"

''حضرت ابن عباس اور حسن (رضی اللہ عنہم) کا مختار مسلک یہ ہے کہ مفاتح سے مراد مال لیا جائے یعنی اس کے مال کو دس آدمی نہیں اٹھا سکتے تھے۔''

"والعصبۃ الجماعۃ الکثیرۃ ومثلھا فالعشرۃ عصبۃ" ''عصبہ اور عصابہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں دس کی تعداد پر عصبہ بولا جاتا ہے۔''

کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا'' ونحن عصبۃ '' اور ہم ایک جماعت ہیں یہ کہنے والے دس کی تعداد میں تھے۔

"اِنَّ تِلْکَ الْمَفَاتِیْحَ بَلَغَتْ سِتِّیْنَ حَمْلًا لَیْسَ مَذْکُوْرًا فِی الْقُرْاٰنِ فَلَا تُقْبَلُ ھٰذِہِ الرِّوَایَۃُ" ''جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ سواریوں کا بوجھ تھا اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔''

قارون اپنی مالداری کی وجہ سے اپنی قوم کے غرباء کو گھٹیا سمجھتا تھا' ان کے ایمان کا کچھ پاس نہ کرتا۔ اپنے کثرت مال کی وجہ سے اس کے دل میں ان کی کوئی عظمت نہ تھی مصر میں رہنے کے دوران بھی فرعون کا ایجنٹ تھا اس لئے وہاں بھی بنی اسرائیل پر مظالم ڈھاتا رہتا تھا اور اپنے تکبرانہ انداز سے بھی ان پر غصہ کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ (1)

اس کی قوم نے اسے کہا: تم اپنے کثیر مال کی وجہ سے اتراؤ نہیں' اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق تمہیں مزید نعمتیں عطا کرے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے۔

"لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ"۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴:۷) ''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں دوں گا۔''

اس لئے تمہیں چاہیے کہ تم دنیا میں آخرت کے لئے عمل کر کے عذاب سے نجات حاصل کرو اس لئے کہ دنیا میں انسان کا حقیقی حصہ یہ ہے کہ آخرت کے لئے عمل کرے صدقہ دے کر صلہ رحمی کر کے اور اعمال خیر کر کے ساتھ آخرت کا ثواب اور کامیابی حاصل کرے اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پانی' صحت' قوت وجوانی اور دولت کو نہ بھول بلکہ ان سے اے انسان! آخرت کو طلب کر۔ حدیث شریف میں ہے:

''پانچ سے پہلے پانچ کو غنیمت سمجھو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے' تندرستی کو بیماری سے پہلے' ثروت کو ناداری سے پہلے' فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔''

قارون نے کسی کی نصیحت کو قبول نہ کیا بلکہ کہنے لگا یہ مال تو مجھے کسی نے نہیں دیا میں نے تو اپنے علم سے اسے حاصل کیا۔ علم سے مراد تورات کا علم یا کیمیاگری جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا تھا اور اس کے ذریعے قلعی کو چاندی اور تانبے کو سونا بنالیتا تھا یا علم تجارت یا علم زراعت یا اور پیشوں کا علم۔ (2)

(1) تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 25' ص 14-13 (2) تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ

جب وہ زرق برق لباس زیب تن کیے ہوئے شاندار سواری پر سوار ہو کر شاہانہ انداز پر نکلتا تو اسے دیکھ کر دنیادار لوگوں کا جی للچاتا' دل میں حسرت پیدا ہوتی۔ وہ کہتے: کتنا خوش نصیب ہے یہ قارون۔ کاش! ہمیں بھی اس جیسا مال و دولت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میسر ہوتی لیکن جو لوگ صاحب علم تھے' دنیا کے مال کی حقیقت سے باخبر تھے کہ یہ ناپائیدار چیز ہے' ان کے دل میں کسی قسم کو کوئی خیال پیدا نہ ہوتا کہ ہمیں بھی ایسا مال ملے بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی سمجھایا کہ تمہاری بربادی ہو' تم دنیا کا مال طلب کر رہے ہو تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لئے اپنے ایمان پر ثابت رہو اور اچھے اعمال کرتے رہو۔

قارون کا زمین میں دھنس جانا:

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال سے زکوٰۃ وصول کروں۔ قارون نے انکار کر دیا اس نے دوسروں کو بھی برگشتہ کرنے کی کوشش کی لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا: موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس نماز ادا کرنے کا حکم لائے اور بھی کئی احکام لائے کہ تم ان پر عمل کرو تو تم نے ان پر عمل کیا۔ اب وہ ہم سے ہمارا مال بھی چھیننا چاہتے ہیں' یہ ہم کیسے برداشت کریں؟ سب نے کہا: ہاں یہ تو ہم کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا کیا جائے؟ اس نے کہا: فاحشہ عورتوں میں سے ایک عورت کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلاتے ہیں اور اسے انعام کا لالچ دے کر موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگاتے ہیں تاکہ سب لوگ اسے چھوڑ جائیں اس نے اپنے منصوبہ کے مطابق ایک فاحشہ عورت کو بلایا۔ اسے ایک ہزار دینار یا سونے سے بھرا ہوا ایک طشت دینے کا وعدہ کیا کہ تم سب لوگوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ موسیٰ علیہ السلام نے میرے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔

موسیٰ علیہ السلام نے عید کے دن خطبہ دیا اور احکامِ الٰہیہ بیان کیے اس دوران قارون نے بھی اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی مذموم لیکن ناکام کوشش کی کہ قارون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم بنی اسرائیل کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاؤ کہ مجھے رب تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے' آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا۔ ممکن ہے قارون کے کہنے پر عید کے دن ہی سب کو جمع کر کے آپ نے خطبہ دیا ہو' اس طرح دونوں روایتوں کا مقصد ایک ہی ہوگا آپ نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پیغام تمہیں پہنچاؤں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہراؤ' صلہ رحمی کرو' اس طرح آپ نے اور بھی کئی احکام بیان فرمائے اور آپ نے یہ فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زانی کو سنگسار کر دوں۔ قارون اور اس کے چیلے چپڑے کہنے لگے' یہی کام اگر تم کرو؟ آپ نے فرمایا: مجھے بھی سنگسار کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا تم نے تو زنا کیا ہے (معاذ اللہ)۔ آپ علیہ السلام نے کہا: میں نے؟ انہوں نے کہا: ہاں! تم نے۔ ابھی وہ عورت مجمع عام میں آ کر بتائے گی۔ اس عورت کو بلایا گیا' سب نے کہا: کہ تم بتاؤ جو معاملہ تمہارے ساتھ درپیش آیا۔ موسیٰ علیہ السلام

نے کہا: اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے سچ سچ بتاؤ کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ اس عورت نے کہا جب تم نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے تو اب میں سچ سچ بیان کروں گی کوئی جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوگی۔

اس نے کہا: ان لوگوں نے مجھے بلایا اور کثیر مال دینے کی پیش کش کی ہے کہ میں تم پر تہمت لگاؤں کہ تم نے میرے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک تم پاک دامن ہو ہر طرح سے پاک صاف ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو۔ موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے اور رب تعالیٰ کے حضور عرض کرنے لگے: اے مولائے کائنات! جب میں تیرا رسول ہوں تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! زمین کو تمہارے حکم کے تابع کر دیا ہے اسے جو حکم دیں گے وہ تسلیم کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا: مجھے رب تعالیٰ نے قارون کی طرف بھی ایسے ہی بھیجا جیسے فرعون کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس پر شاہد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ...... ﴿٢٤﴾ (سورۃ مؤمن 3:24)

''اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا فرعون اور ھامان اور قارون کی طرف۔''

اس لئے جو شخص اس کا ساتھ دینا چاہے وہ اس کا ساتھ دے اور جو میرا ساتھ دینا چاہتا ہے وہ اسے چھوڑ دے۔ آپ کے اس ارشاد پر اس کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے۔ باقیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا' پھر آپ علیہ السلام نے کہا: ''اے زمین! ان کو (قارون اور اس کے ساتھیوں کو) پکڑ لے'' زمین نے ان کو ایڑیوں تک اپنے اندر دھنسا لیا وہ کہہ رہے تھے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اے موسیٰ علیہ السلام! لیکن آپ بدستور فرما رہے تھے۔ اے زمین! ان کو پکڑ لے۔ تو زمین نے ان کو گھٹنوں تک دھنسا لیا۔ پھر اس نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! اے موسیٰ علیہ السلام! لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ زمین کو کہا: ان کو اپنی گرفت میں لے لے تو زمین نے ان کو کمر تک دھنسا لیا پھر اسی طرح گردنوں تک وہ دھنس گئے اس حالت میں وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے' آپ پر رحم کے واسطے ڈال رہے تھے لیکن آپ نے شدتِ غضب کی وجہ سے ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ کیا بلکہ زمین کو آخری حکم بھی دے دیا کہ اے زمین! ان کا مؤاخذہ کر لے۔ آخر زمین نے ان کو مکمل طور پر اپنے اندر سمیٹ لیا۔

رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور کہا: اے موسیٰ تم نے کتنی سخت دِلی کا مظاہرہ کیا ہے' وہ تمہیں بار بار پکار رہے تھے لیکن تم نے ان پر کچھ رحم نہ کیا ان کی آہ وزاری پر کچھ توجہ نہ دی۔ ''اَمَا وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَوْبِیَ اسْتَغَاثَ لَاَغَثْتُہٗ'' اور دوسری روایت میں ہے کہ ''لَوْ اِیَّایَ دَعَوَا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً لَوَجَدُوْنِیْ قَرِیْبًا مُّجِیْبًا'' خبردار! اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر مجھ سے کوئی فریاد طلب کرتا تو میں اس کی فریاد کو ضرور پہنچتا یعنی اس کی حاجت کو پورا کرتا کہ اگر وہ مجھے ایک مرتبہ ہی کوئی پکارتا تو مجھے اپنی پکار قبول کرنے والا پاتا۔

رب تعالیٰ کے اس ارشاد کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا خوب دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''رَبِّ غَضَبًالَكَ فَعَلْتُ'' اے میرے رب! میں نے تیرے لئے ہی تو غصہ کرتے ہوئے یہ کیا ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ! جب وہ تیرے دین کی دھجیاں بکھیر رہے تھے تیرے احکام کو پامال کر رہے تھے خود گمراہ ہو رہے تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے تھے تو میں نے تیرے حضور عرض کیا: کہ اے مولائے کریم! جب میں تیرا رسول ہوں انہیں تیرے احکام پہنچا رہا ہوں لیکن یہ اپنے طریقہ سے باز نہیں آ رہے تو توان کو اپنی گرفت میں لے لے۔

اے رب کریم! تجھ سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ میں نے ان پر اس لئے غصہ نہیں کیا کہ انہوں نے مجھ پر تہمت لگائی ہے اس میں وہ خود ہی ذلیل ہو چکے تھے میرا غصہ تو تیری ذات کی وجہ سے تھا میں ان کی آہ پکار کو کیسے سنتا؟ ❶

موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی ایذاء سے بری کرنا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ (سورۃ احزاب 6:22)

''اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ستایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بری فرما دیا اس بات سے جو انہوں نے کی اور موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو والا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مال پر جب ایک شخص نے اعتراض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ''۔

''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ ستایا گیا لیکن آپ نے صبر کیا۔''

موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک واقعہ تو ابھی گزرا ہے کہ آپ پر تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمایا۔

دوسرا واقعہ جو مسند احمد' بخاری' ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام بہت حیا فرماتے تھے۔ آپ اپنے جسم کو اس طرح ڈھانپ کر رکھتے تھے کہ آپ کے جسم کی جلد کو کوئی شخص نہ دیکھے۔ یہ اہتمام آپ حیاء کی وجہ سے کرتے تھے۔ بنی اسرائیل میں سے آپ کو بعض نے ذہنی اذیت (تکلیف) پہنچائی' وہ کہنے لگے: آپ اپنے جسم کو کسی عیب کی وجہ سے ڈھانپتے ہیں' یا تو آپ کو برص کی مرض ہے یا اُدرۃ (خصیتین میں ہوا بھری ہونا) کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جب ہی آپ ہمارے ساتھ مل کر ننگے ہو کر نہیں نہاتے۔ وہ سب لوگ مل کر ننگے نہاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ نبی کو ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری فرمائے۔

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 11' حصہ اول ص 123

❷ بخاری و جلالین' ص 357 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ

موسیٰ علیہ السلام ایک دن سب لوگوں سے علیحدہ ہو کر نہانے لگے۔ آپ نے اپنے کپڑے پتھر پر رکھے غسل کیا جب غسل سے فارغ ہوئے ہوئے تو کپڑے لینے کے لئے پتھر کی طرف متوجہ ہوئے تو پتھر آگے آگے بھاگ کھڑا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے پیچھے۔ (ثوبی حجر' ثوبی حجر) ''اے پتھر! میرے کپڑے' اے پتھر! میرے کپڑے'' کہہ رہے ہیں۔ لیکن پتھر وہاں جا کر رکا جہاں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے لوگ محفل سجائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ننگے دیکھا تو انہیں علم ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بہت حسین ہیں' آپ میں کوئی عیب نہیں۔ وَبَرَّاہُ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ (انہوں نے آپ پر جو عیب لگائے تھے رب تعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا) اب پتھر چونکہ رک چکا تھا آپ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پہنے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارا۔

قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ وَاللّٰہِ اِنَّ بِہٖ نَدَبًا اَیْ اَثَرًا سِتَّۃً اَوْ سَبْعَۃً مِنْ ضَرْبِ مُوْسٰی'' ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی' بے شک موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے۔''

تیسرا واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے کا الزام عائد کر دیا تھا۔ ابن منیع' ابن جریر' ابن منذر' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ رضی اللہ عنہم اور حاکم نے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پہاڑ پر گئے تو وہاں ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا حالانکہ وہ ہمیں تم سے زیادہ محبوب تھے اور وہ نرم مزاج تھے۔ ان کے اس بیہودہ کلام سے بھی آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا جنہوں نے ہارون علیہ السلام کی لاش اٹھایا اور وہاں سے گزارا جہاں بنی اسرائیل کی محافل قائم تھیں اور فرشتے ہارون علیہ السلام کی وفات کا ذکر کر رہے تھے۔

''فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ فَانْطَلَقُوْا بِہٖ فَدَفَنُوْہُ''

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمایا اور فرشتے ہی ہارون علیہ السلام کی لاش کو لے گئے اور انہوں نے ہی دفن کیا۔''

موسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے ہی جادوگر اور مجنوں کہہ کر ستایا اور یہ کہہ کر پریشان کیا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ (سورہ مائدہ: ۶) ''تم اور تمہارا خدا جا کر لڑائی کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''

اور یہ کہہ کر آپ کو تکلیف پہنچائی:

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ.......... ❶ (سورہ بقرہ 6:1) ''ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہ کریں گے۔''

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً.......... ❷ (سورہ بقرہ 6:1) ''ہم ہرگز تم پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو ظاہر طور پر دیکھ لیں۔''

---

❶ تفسیر صاوی علی الجلالین' علامہ صاوی رحمہ اللہ' ج 5 ص 1659 ❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 12' حصہ اول ص

ان تمام تکالیف وہ اقوال سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی آپ کے دل کو تسلی دی۔

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿﴾ ''موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں وجیہ تھے۔''

''وجیہ'' کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں: مرتبہ والے قدر و منزلت میں بلند مقام رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے مقبول مستجاب الدعوات (آپ کی ہر دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا سوائے اس کے کہ آپ نے دنیا میں رب تعالیٰ کو دیکھنے کی جو دعا کی اسے قبول نہیں کیا گیا) اور ''وجیہ'' کا معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست کلام کیا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ان تمام معانی کو شامل ہے کہ ''آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو (عزت) والے تھے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کہ بے شک نوفا بکالی گمان کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب بنی اسرائیل یہ وہ موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، جو خضر علیہ السلام والے موسیٰ ہیں۔ انہوں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، جھوٹ کہتا ہے۔ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے۔ آپ سے پوچھا گیا، لوگوں میں سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں، تو رب تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا کیونکہ آپ علیہ السلام نے سوال کے جواب کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا، حالانکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین (دریاؤں کے ملنے کی جگہ) میں رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! میں انہیں کیسے پاؤں گا تو آپ کو بتایا گیا کہ تم اپنے تھیلے میں ایک مچھلی بند کر کے اپنے ساتھ لے لو جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے وہی ان کا مقام ہوگا۔ (1)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿﴾

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنوں چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے۔ اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتے ہوئے۔ پھر جب وہاں سے گزر گئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے خادم سے کہا: ہمارا صبح کا کھانا لاؤ، بے شک ہمیں اپنے سفر

(1) صحیح مسلم، باب فضائل خضر علیہ السلام ج 2 ص 269 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ

(سورۃ کہف 21:15) میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا۔ بولا: بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بیشک میں مچھلی کو بھول گیا تھا اور مجھے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ میں اس کا ذکر کروں اس (مچھلی) نے تو سمندر میں اپنی راہ لی ہے جو باعث تعجب ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے جس جوان کو اپنے ساتھ لیا وہ "یوشع بن نون" تھے' جو آپ کی خدمت وصحبت میں رہتے تھے اور آپ سے علم اخذ کرتے تھے اور آپ کے ولی عہد ہیں۔

"مجمع البحرین" سے مراد دو دریاؤں کی جگہ یعنی بحر فارس اور بحر روم جہاں ملیں گے' وہاں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ اس کی نشانی یہ بتائی گئی کہ جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے اسی مقام میں ان کو تلاش کرنا موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچنے کا مصمم عزم (پکا ارادہ) کر لیا اور فرمایا کہ میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا یہاں تک کہ وہاں پہنچ جاؤں' بیشک وہ جگہ کتنی ہی دور ہو میرا سفر وہاں پہنچنے تک جاری رہے گا۔ پھر ان حضرات نے روٹی اور بھونی ہوئی نمکین مچھلی اپنے ساتھ ایک تھیلے میں لی تا کہ راستہ میں کام آئے' پھر یہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ایک پتھر کی چٹان تھی' وہاں ان حضرات نے آرام کیا اور سو گئے۔ بھونی ہوئی مچھلی تھیلے میں زندہ ہوگئی' تڑپ کر دریا میں گر گئی۔ اس پر سے پانی کا بہاؤ رک گیا اور ایک محراب سی بن گئی' حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بیدار ہو چکے تھے۔ مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں گرنے کو دیکھ رہے تھے لیکن یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے تھے۔

دونوں حضرات وہاں سے چلے دوسرے دن کھانے کے وقت تک اپنا سفر جاری رکھا۔ جب دوسرے دن کھانے کا وقت ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: سفر کی تھکان بھی ہے اور بھوک کی شدت بھی' اس لئے تھیلے سے روٹی اور مچھلی نکالو تا کہ کھانا کھا لیں اس وقت یوشع بن نون کو یاد آیا۔ انہوں نے کہا: مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی' بھونی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں جانا حیران کن اور تعجب ناک معاملہ تھا۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے بھولنے کو شیطان کی طرف منسوب کیا:

اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کے دل میں وطن اور گھر کے افراد کا خیال ہو' آپ نے نفس کے خیالات کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا ہو' جو مثل شیطان ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے مشاہدہ میں مستغرق ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ کی وجہ سے اور کچھ خیال نہ رہا ہو اس کا حقیقی فاعل تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آپ نے عاجزی کے طور پر یہ کہا ہو کہ مجھے کچھ نہ کچھ دیگر امور کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے تھی یہ میرا توجہ نہ کرنا مجازاً شیطان کی طرف منسوب ہے۔ [1]

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 8' حصہ اول ص 314 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

[2] تفسیر خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ' سورۃ الکہف پارہ 15

فائدہ: {وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ} میں "فتیٰ" سے مراد "یوشع بن نون" ہیں۔ فتیٰ "نوجوان" کو کہتے ہیں' خادم کو ادب واحترام کے لئے خادم کے بجائے فتیٰ (نوجوان) کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔ اس سے ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ فرق مراتب کے باوجود ہمیں ایسا لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے جس سے کسی اپنے سے کم درجہ کی تذلیل ہو اور دل آزاری ہو۔ کاش کہ یہ سبق پولیس کے افراد کو حاصل ہو جائے جن میں اکثریت شرفاء سے بیہودہ کلام سے درپیش آتی ہے اور یہ سبق اللہ تعالیٰ کرے سکولوں اور دینی مدارس کے ہزاروں مدرسین میں کسی ایک بیہودہ کو بھی حاصل ہو جائے' جو گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔ طلباء کرام کو اپنی اولاد وا قارب سے کم سمجھنے والے بیہودہ بکواس کرنے والے مخرب اخلاق تو ہو سکتے ہیں' معلم اخلاق نہیں ہو سکتے۔ علم سے دور کرنے کا ذریعہ تو ہو سکتے ہیں' علم عطا کرنے کا سبب نہیں بن سکتے۔ طلباء کو بدکلامی تو سکھا سکتے ہیں' شیریں سخنی سکھانا ان سے بھلا کیسے ممکن ہے؟

مچھلی زندہ ہونے کی جگہ لوٹنا:

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝

(سورہ کہف 15:21)

"(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: کہ یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا' جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت اور اسے علم لدنی عطا کیا اس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے او راس بات پر اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیونکر صبر کریں جسے آپ کا علم محیط نہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: عنقریب اللہ تعالیٰ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام وہاں لوٹ کر آئے' جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی۔ پانی کا بہاؤ رکنے کی وجہ سے مختلف نشانات موجود تھے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہی مقام ہمارا مقصود ہے۔ دونوں نے تلاش کرنا شروع کیا' یہاں تک کہ وہ ایک چٹان کے پاس آئے' تو دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے لیٹ رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے کہا: اس زمین میں سلام کہاں سے آ گیا؟ (یہاں تو کوئی سلام کرنے والا کبھی نظر نہیں آیا) آپ نے کہا: موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ آپ نے کہا: جی ہاں! حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا وہ مجھے عطا نہیں فرمایا اور جو علم مجھے عطا فرمایا تمہیں نہیں عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: کیا میں آپ کی تابعداری کر سکتا ہوں کہ

تم مجھے وہ علم عطا کر دو۔ خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انہیں ظاہری شریعت کا علم عطا کیا گیا ہے یہ باطنی امور پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے کہا تم کیسے صبر کر سکو گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں انشاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا۔●

حضرت خضر علیہ السلام نے شرط عائد کر دی:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (سورہ کہف 21:15)

"کہا: اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔"

موسیٰ علیہ السلام چونکہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا اور آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا' اس لئے آپ کو خضر علیہ السلام نے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔

خضر علیہ السلام کا کشتی توڑنا:

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا (سورہ کہف 21:15)

"اب دونوں چلے' یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے۔ اس بندہ نے اسے چیر ڈالا (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: تم نے اس لئے چیرا کہ اسکے سواروں کو ڈبا دو۔ بے شک تم نے بری بات کی۔ کہا: میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ دونوں چلے۔ یوشع علیہ السلام کا ذکر نہیں' یا تو اس لئے کہ وہ تابع تھے ان کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی' یا یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بنی اسرائیل کی طرف لوٹا دیا ہو۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں دریا کے کنارے چل رہے تھے۔ ان کے قریب سے ایک کشتی والے لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا تھا' اس لئے انہوں نے آپس میں کلام کیا کہ انہیں کشتی میں سوار کرنا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے بغیر اجرت لینے کے ان حضرات کو سوار کر لیا۔ یہ دونوں جب سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی جو کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھی۔ اس نے دریا میں اپنی چونچ ماری تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

"مَا نَقَصَ عِلْمِیْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا مِثْلَ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُوْرُ مِنَ الْبَحْرِ"

"میرا علم اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کی چونچ میں آنے والے پانی کو دریا کے پانی سے نسبت ہے۔"

● صحیح مسلم و شرح مسلم شریف' ج 2' ص 270' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

یہ بات صرف سمجھانے کی حد تک ہے کہ ان دونوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل اس سے بھی قلیل ہے۔ خیال رہے یہاں ظاہری معنی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ظاہری معنی یہ ہے کہ میرے اور تمہارے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی سوائے اتنی مقدار کے جتنی چڑیا کی چونچ نے دریا میں کمی کی ہے۔ یہ معنی کسی حد تک بھی درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کمی کا واقع ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ ماقبل بیان کردہ معنی کو ہی علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں الفاظ سے پیش کیا ہے:

"قَالَ الْعُلَمَاءُ لَفْظُ النَّقْصِ هٰهُنَا لَيْسَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَاِنَّمَا مَعْنَاهُ اَنَّ عِلْمِيْ وَعِلْمَكَ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَنِسْبَةِ مَا نَقَرَهٗ هٰذَا الْعُصْفُوْرُ اِلٰى مَاءِ الْبَحْرِ هٰذَا عَلَى التَّقْرِيْبِ اِلَى الْاِفْهَامِ وَاِلَّا فَنِسْبَةُ عِلْمِهِمَا اَقَلُّ وَاَحْقَرُ"۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھیڑ دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے کہا: کہ اس قوم نے ہمیں بغیر اجرت کے کشتی پر سوار کیا تم نے اسے توڑ دیا کیا تم لوگوں کو غرق کرنا چاہتے ہو۔ خیال رہے یہ کشتی کا توڑنا کنارے کے قریب جا کر تھا اور خضر علیہ السلام نے وقتی طور پر اس میں کیل بھی لگا دیا تھا۔

"لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا" تم نے بہت بری بات کی یعنی تمہارا کام اچھا نہیں۔ "امرا" کا معنی "دَاهِيًا مُنْكَرًا" بہت خوفناک معاملہ عام طور پر امر الامر لفظ بولا جاتا ہے جبکہ کوئی عظیم کام واقع ہو یا کثیر امور کا وقوع ہو۔ خضر علیہ السلام نے کہا: میں نے جو کہا تھا کہ تم ظاہر دیکھ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مجھ سے بھول واقع ہو گئی ہے اس لئے اس میں میری کوئی گرفت نہ کریں۔ [2]

خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا:

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا۝

(سورہ کہف 22:15)

"پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم نے ایک ستھری جان بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دی؟ بیشک تم نے بری بات کی کہا: میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے کہا: اس کے بعد تم سے پوچھوں تو پھر میرے ساتھ رہنا بیشک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا ہے۔"

جب کشتی سے دونوں حضرات نکلے تو کنارے پر چل رہے تھے۔ جب ان کی گزر ایک بستی سے ہوا وہاں لڑکے کھیل رہے تھے۔ ایک لڑکا ان میں جس کا نام "جیسور" یا "جنتور" تھا جو تمام لڑکوں سے زیادہ حسین اور صاف ستھرا تھا۔ آپ نے اسے

[1] شرح صحیح مسلم ج 2 ص 278

[2] روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 8 حصہ اول ص 337

سر سے پکڑا اور اس کا سر جدا کر دیا۔ ایک روایت میں ہے: آپ نے اسے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے بڑے غصہ میں زوردار آواز سے کہا: یہ تم نے کتنا برا کام کر دیا' ایک نابالغ بچے کو قتل کر دیا' جو صاف ستھرا گناہوں سے پاک تھا' اس پر کوئی قصاص لازم نہیں تھا۔ یہ ایسا کام تم نے کیا ہے جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میں نے جو کہا تھا کہ تم صبر نہیں کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس کے بعد اگر میں نے کوئی سوال کیا تو تم میرا ساتھ چھوڑ دینا کیونکہ اس وقت تمہیں میری طرف سے عذر حاصل ہو جائے گا۔ [1]

خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا:

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿﴾

(سورۃ کہف 1:16)

''پھر دونوں چلے' یہاں تک کہ جب گاؤں والوں کے پاس آئے۔ ان دہقانیوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی' پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرنا چاہتی ہے۔ اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے خضر (علیہ السلام) نے کہا: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ اب میں ان باتوں کی وجوہ بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔''

یہ بستی ''انطاکیہ'' یا ''ایلہ'' تھی۔ موسیٰ علیہ السلام بھوک کی وجہ سے اس حالت میں تھے کہ کسی سے طعام طلب کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ جان بچانے کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے۔ ایسے حال میں ان لوگوں پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ وہ طعام کھلائیں' اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے دیوار درست کرنے پر اعتراض کیا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں شدید بھوک کے حال میں کھانا بھی نہیں کھلایا تو ان سے اجرت لینی ضروری تھی۔ جب ان دونوں نے دیوار کو دیکھا جو ایک طرف جھکی ہوئی تھی گرنے کے قریب پہنچ چکی تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ سے اسے سیدھا کر دیا یا صرف ہاتھ پھیرا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی۔ یہ درحقیقت ان کا معجزہ تھا موسیٰ علیہ السلام کے اس اعتراض پر خضر علیہ السلام نے کہا: اب آپ کے وعدہ کے مطابق میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ چکا ہے' البتہ یہ تین کام جو میں نے کئے ہیں جس پر تم نے اعتراض کیا ان میں سے ہر ایک کی وجہ اور حکمت میں بیان کر دیتا ہوں تاکہ تمہیں پتہ چل جائے اور تم جس غرض سے آئے تھے یعنی علم حاصل کرنے کے لئے وہ بھی حاصل ہو جائے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حکایات کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئی جس میں ہے ''فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا'' اس بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بستی والے جن کے آباء

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 8' حصہ اول ص 338

واجداد نے انکار کیا تھا' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سونا لیکر حاضر ہوئے کیونکہ انہیں اس سے بڑی شرم آ رہی تھی کہ ان کے آباء واجداد اتنے گھٹیا لوگ تھے کہ صرف دو یا تین بھوک سے ستائے ہوئے مسافروں کو کھانا نہیں کھلا سکے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سونے کے بدلے صرف باء کے بدلے تاء خریدنا چاہتے ہیں یعنی...... "فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا" کی جگہ "فَاَتَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا"...... آپ کر دیں جس کا معنی ہو جائے "وہ ان کے پاس مہمان نوازی کے لئے کھانا لے کر آئے" اس سے ہماری بستی والوں سے ملامت اور ندامت اٹھ جائے گی لیکن رسول اللہ ﷺ نے صاف انکار کر دیا فرمایا: کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تغیر و تبدل کیا جائے۔ اگر ایک نقطہ کے بدلنے سے اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی لازم آ رہی ہو تو یہ رب تعالیٰ کے کلام میں کذب ثابت کرے گا' اس سے احکامِ الٰہیہ پر اعتبار ہی نہیں رہے گا۔ رب تعالیٰ کی ربوبیت اور عبد کی عبودیت کا بطلان لازم آئے گا۔

ان کا مطالبہ ہی حقیقت میں حماقت پر مبنی تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ جس قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے اٹھایا ہو اس میں تبدیلی کوئی انسان کر سکے اور خاص کر کے اللہ تعالیٰ کے رسول سے امید کرنا اور ہی زیادہ عقل سے دوری کی علامت ہے۔

کاش! کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے:

"رَحِمَةُ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَعَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْلَا اَنَّهٗ عَجَّلَ لَرَاٰى الْعَجَبَ وَلٰكِنَّهٗ اَخَذَتْهُ مِنْ صَاحِبِهٖ ذَمَامَةٌ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا"

"اللہ تعالیٰ ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے' اگر آپ جلدی نہ کرتے تو اور عجیب واقعات دیکھتے لیکن آپ نے جو اپنے ساتھی سے وعدہ کر لیا تھا اس نے آپ کو آلیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر میں اس کے بعد سوال کروں تو تم میرے ساتھ نہ رہنا بیشک تمہیں میرے طرف سے عذر مل گیا۔"

اسی وعدہ کے مطابق تیسرے سوال کے بعد دونوں کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قَالَ اَصْحَابُنَا فِیْهِ اِبْتِدَاءُ الْاِنْسَانِ بِنَفْسِهٖ فِی الدُّعَاءِ وَشِبْهِهٖ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا حُظُوْظُ الدُّنْيَا فَالْاَدَبُ فِيْهَا الْاِيْثَارُ وَتَقْدِيْمُ غَيْرِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ"

"اس حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کر دیا ہے کہ دعاء میں یعنی اس قسم کے اخروی امور میں انسان اپنا ذکر پہلے کرے لیکن دنیاوی معاملات میں ایثار کرنا یعنی اپنے آپ پر دوسرے کو ترجیح دینا اور دوسرے کو اپنے آپ پر مقدم رکھنا بہتر ہے۔"

---

1. مسلم شریف' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ' ج 2 ص 279 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
2. نووی شرح مسلم' امام نووی ج 2' ص 279 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

حضرت خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی وضاحت کرتے ہیں:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۝ (سورۃ کہف 1:16)

''وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں چاہا کہ اسے عیب دار کردوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا۔''

آپ نے فرمایا یہ کشتی دس مسکینوں کی ہے جن میں کچھ اپاہج بھی ہیں' وہ اس کی مزدوری سے اپنی گزراوقات کررہے ہیں۔ جب یہ واپس لوٹیں گے تو ان کو ایک کافر بادشاہ ''جلندی'' کا سامنا کرنا پڑے گا وہ صحیح کشتیوں کو پکڑ رہا ہے لیکن عیب دار کو نہیں پکڑتا۔ اس لئے میں نے اسے عیب دار بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ یہ کشتی وہ نہ چھین سکے اور ان کی محنت ومزدوری جاری رہے آپ نے کہا: ''فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا'' میں نے ارادہ کیا اسے عیب دار بناؤں۔ یہ نہیں کہا ''فَاَعِبْتُهَا'' میں نے اسے عیب دار کردیا' اس لئے کہ ظاہراً اگرچہ عیب واقع ہوگیا تھا لیکن درحقیقت اسے نفع مند بنایا گیا تھا۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۝ (سورۃ کہف 1:16)

''اور وہ لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے۔''

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ الْغُلَامَ الَّذِیْ قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَاَرْهَقَ اَبَوَيْهِ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۔"

''بیشک وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس پر کافر ہونے کی مہر لگادی گئی تھی کہ اگر یہ زندہ رہا تو اپنے والدین کو سرکشی اور کفر کی طرف مجبور کردے گا۔''

"مَعْنَاهُ اَنَّ اللّٰهَ عَلِمَ اَنَّهُ لَوْ بَلَغَ لَكَانَ كَافِرًا لَا اَنَّهُ كَفَرَ فِی الْحَالِ وَلَا يَجْرِیْ عَلَيْهِ فِی الْحَالِ اَحْكَامُ الْكُفَّارِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ"

''یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ بڑا ہوکر کافر ہو جائے گا اگرچہ اسے بچپن میں کافر نہیں کہا جا سکتا تھا۔''

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ

''رہی وہ دیوار' وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے پیچھے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں آپ

- مسلم شریف' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ' ج 2' ص 345
- مسلم شریف' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ' ج 2' ص 345

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا
(سورۃ کہف 16:1)

کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ اپنے حکم سے نہ کیا، یہ وجوہ ہیں ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

"وَ کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا عَلٰی اَنَّ صَلَاحَ الْاٰبَاءِ يُفِيْدُ الْعِنَايَةَ بِاَحْوَالِ الْاَبْنَاءِ"

"آیت کریمہ میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ ان کا باپ نیک آدمی تھا اس سے پتہ چلا کہ آباء کی نیکی سے ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوتی ہے۔"

"قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُنْكَدِرٍ اِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ بِصَلَاحِ الْعَبْدِ وَلَدَهٗ وَوَلَدَ وَلَدِهٖ وَعِتْرَتَهٗ وَعَشِيْرَتَهٗ وَاَهْلَ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ فِيْهِمْ" (1)

"محمد بن منکدر فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کی نیکیوں کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اسکے قبیلہ اور اس کے اردگرد رہنے والے پڑوسیوں کی حفاظت کرتا ہے وہ لوگ جب تک اس نیک بندے کے پڑوس میں رہیں گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے۔"

فائدہ: تین واقعات کے متعلق حضرت خضر علیہ السلام نے جو تو جیہات پیش کی ہیں ان میں پہلی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا" "میں نے ارادہ کیا کشتی کو عیب دار بناؤں۔ دوسری توجیہ میں فرمایا: "فَاَرَدْنَا" "ہم نے یہ ارادہ کیا۔ اور تیسری میں فرمایا: "فَاَرَادَ رَبُّكَ" "آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا۔

اسلوب بیان کے اس تفاوت کی وجہ کیا ہے؟ اس کے متعلق مختصر گزارش یہ ہے کہ اگرچہ خیر وشر نفع وضرر ہر چیز کا خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اہل ادب وعرفاں کا طریقہ یہ ہے کہ خیر ونفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور جب شر اور ضرر کے ذکر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے: "وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ" "جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی مجھے شفا دیتا ہے۔ بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اللہ کی طرف حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے۔

اسی طرح یہاں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو "فَاَرَدْتُّ" کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ کشتی توڑنا بظاہر مذموم نظر آتا تھا اور جب دیوار درست کرنے کی بات آئی تو اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی "فَاَرَادَ رَبُّكَ" کیونکہ وہ فقط خیر ہی ہے اور قتل غلام کے دو پہلو تھے: خیر اس لئے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جا رہی تھی اور شر اس لئے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جا رہا تھا۔ اس لئے "فَاَرَدْنَا" جمع کا صیغہ استعمال کیا تا کہ خیر کے پہلو کی نسبت ذات خداوندی کی طرف ہو جائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کر دیا علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرمایا فرماتے ہیں:

"لَمَّا اَرَادَ ذِكْرَ الْعَيْبِ لِلسَّفِيْنَةِ لِنَفْسِهٖ اَدَبًا مَعَ الرَّبُوْبِيَّةِ فَقَالَ اَرَدْتُّ وَلَمَّا كَانَ قَتْلُ الْغُلَامِ مُشْتَرَكَ الْحُكْمِ بَيْنَ

(1) تفسیر مظہری؛ بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن؛ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ؛ ج 3، ص 45

الْمَحْمُوْدِ وَالْمَذْمُوْمِ اسْتَتْبَعَ نَفْسَهٗ مَعَ الْخَلْقِ فَقَالَ فِي الْاَخْبَارِ بِنُوْنِ الْاِسْتِتْبَاعِ لِيَكُوْنَ الْمَحْمُوْدُ مِنَ الْفِعْلِ وَهُوَ رَاحَةُ اَبَوَيْهِ الْمُؤْمِنَيْنِ مِنْ كُفْرِهٖ عَائِدًا عَلَى الْحَقِّ سُبْحٰنَهٗ وَالْمَذْمُوْمُ ظَاهِرًا وَهُوَ قَتْلُ الْغُلَامِ بِغَيْرِ حَقٍّ عَائِدًا اِلَيْهِ وَفِيْ اِقَامَةِ الْجِدَارِ كَانَ خَيْرًا مَحْضًا فَنَسَبَهٗ لِلْحَقِّ فَقَالَ فَاَرَادَ رَبُّكَ ثُمَّ بَيَّنَ اَنَّ الْجَمِيْعَ مِنْ حَيْثُ الْعِلْمِ التَّوْحِيْدِيْ مِنَ الْحَقِّ بِقَوْلِهٖ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ"۔ (1)

ضیاء القرآن سے نقل کرنے کے بعد کبیر کو دیکھا تو اس میں بھی یہی وجہ مذکور ہے' البتہ الفاظ مختصر ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟

اس مسئلہ میں اہل علم کے ہر طرف سے دلائل موجود ہیں۔ کچھ حضرات نے ولی کہا اور کچھ نے نبی کہا۔ محققین حضرات اس طرف ہیں کہ آپ نبی تھے۔ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مفکرِ اسلام' مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ''جمہور علماء کا مذہب ہے کہ یہ بندہ خضر علیہ السلام ہے' ان کا نام ''بلیا بن ملکان'' ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی' اس لئے خضر علیہ السلام آپ کا لقب تھا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے لیکن علامہ پانی پتی اور دیگر علماء محققین کی یہ رائے ہے کہ وہ نبی تھے کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور اس میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے۔ الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ آپ کو نبی ماننا پڑے گا اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔'' (2)

آپ کو نبی ماننے والوں کے دلائل:

(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا" ''ہم نے اسے اپنی طرف سے رحمت عطا کی۔ رحمت سے مراد اس مقام میں نبوت ہی ہے دوسرے مقام پر رحمت بمعنی نبوت استعمال ہے۔ جب کافروں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ کیوں نہ اتارا گیا قرآن دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر یعنی مکہ اور طائف کے کسی امیر ترین آدمی پر قرآن اترنا چاہئے تھا تو ان کے جواب میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ'' کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں۔ یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے۔

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''خزائن العرفان'' میں فرماتے ہیں: یعنی کیا نبوت کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں کہ جس کو چاہیں دے دیں کس قدر جاہلانہ بات کہتے ہیں۔

---

(1) البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ج4 ص60' ضیاء القرآن' ج3 ص46 (2) ایضاً

﴿۲﴾ ارشاد ربانی ہے: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ اور اسے علم لدنی عطا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے استاذ کے واسطہ کے بغیر اور رہنمائی کرنے والے کی رہنمائی کے بغیر علم عطا کیا۔

"وَكُلُّ مَنْ عَلَّمَهُ اللّٰهُ لَا بِوَاسِطَةِ الْبَشَرِ وَجَبَ اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيًّا يَعْلَمُ الْاُمُوْرَ بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى" "ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ بغیر کسی انسان کے واسطہ سے ایسا علم عطا فرمائے جو قطعی درجے کا ہو وہ صرف وحی کے ذریعے ہی عطا ہوگا۔"

خواہ وحی جلی ہو یا خفی ہو ایسا شخص نبی ہی ہو سکتا کیونکہ ولی کا علم جو اسے الہام کے ذریعے حاصل ہو وہ قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے۔

﴿۳﴾ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ نبی تعلیم حاصل کرنے میں غیر نبی کی تابعداری نہیں کرتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نبی تھے۔

﴿۴﴾ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو کہا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دو۔ انہوں نے اپنی رفعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: "وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ اور تم کیسے صبر کرو گے اس بات پر جسے آپ کا علم محیط نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے تواضع سے جواب دیا: "وَلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ اس سے پتہ چلا کہ علمِ لدنی کے لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام پر خضر علیہ السلام کو فوقیت حاصل تھی۔ "وَمَنْ لَّا يَكُوْنُ نَبِيًّا لَا يَكُوْنُ فَوْقَ النَّبِيِّ" "جو نبی نہ ہو اسے نبی پر کسی قسم کی بھی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

خیال رہے کہ خضر علیہ السلام کو صرف جزوی فضیلت یعنی علمِ لدنی کے لحاظ سے حاصل تھی، ورنہ مدارج کے لحاظ پر موسیٰ علیہ السلام کو برتری حاصل ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی زیرِ آیت ...... "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ" ...... کے تحریر فرماتے ہیں:

"وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْمَفْضُوْلَ قَدْ يَكُوْنُ لَهٗ فَضْلٌ جُزْئِيٌّ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ مِنْهُ عَلٰى اَنَّ الْفَاضِلَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّطْلُبَ هٰذِهِ الْحِصَّةَ مِنَ الْفَضْلِ مِنَ الْمَفْضُوْلِ" ❶ "یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبھی کم درجہ والے شخص کو زیادہ درجہ والے پر جزوی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ زیادہ مرتبہ والے کو چاہیے کہ کم مرتبہ والے سے وہ فضل و کمال حاصل کرے، جو اسے حاصل ہے۔"

علمِ لدنی کیا ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالصُّوْفِيَّةُ سَمُّوا الْعُلُوْمَ الْحَاصِلَةَ بِطَرِيْقِ الْمُكَاشِفَاتِ الْعُلُوْمَ اللَّدُنِّيَّةَ" ❷ "صوفیاء کرام نے ان علوم کا نام لدنی رکھا جو کشف کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔"

❶ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، ج 6، ص 50
❷ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 21، ص 149

یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے عطا سے حاصل ہوتے ہیں ان میں انسان کے کسب کو دخل نہیں۔

۵ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے افعال کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''وما فعلته عن امری'' میں نے اپنے حکم سے کچھ نہ کیا۔ یعنی میں یہ تمام کام اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے نہیں کئے۔ ''وَاِنَّمَا فَعَلْتُهٗ بِاَمْرِ اللّٰهِ وَوَحْيِهٖ'' بلکہ میں نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے کئے ہیں۔

''لِاَنَّ الْاِقْدَامَ عَلٰی تَنْقِیْصِ اَمْوَالِ النَّاسِ وَاِرَاقَةِ دِمَائِهِمْ لَا يَجُوْزُ اِلَّا بِالْوَحْيِ وَالنَّصِّ الْقَاطِعِ'' ''اس لئے کہ لوگوں کے مال کا نقصان کرنا اور کسی کو قتل کرنا بغیر وحی اور قطعی نص کے کبھی جائز نہیں ہوسکتا۔''

''وَهُوَ يَدُلُّ عَلَی النُّبُوَّةِ'' اس سے واضح ہوا کہ جب آپ کی طرف وحی آتی تھی تو آپ نبی تھے۔

۶ موسیٰ علیہ السلام کی جب ابتدائی ملاقات آپ سے ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''السلام علیك'' آپ نے جواب دیا: ''وعلیك السلام یانبی بنی اسرائیل'' ''اے بنی اسرائیل کے نبی تم پر بھی سلام ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''من عرفك'' ''تمہیں کس نے بتایا کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں۔ آپ نے کہا: ''الذی بعثك الی'' ''اسی ذات نے بتایا جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔

'' وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ اِنَّمَا عَرَفَ ذٰلِكَ بِالْوَحْيِ وَالْوَحْيُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا مَعَ النُّبُوَّةِ'' ''اس سے پتہ چلا کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے پہچانا۔ وحی صرف نبی کے پاس ہی آتی ہے اس طرح آپ کا نبی ہونا واضح ہوا۔''

خیال رہے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جوابات بھی نقل کئے ہیں لیکن راقم چونکہ آپ کی نبوت کا قائل ہے اس لئے ان دلائل پر اکتفا کر رہا ہے جو حضرات آپ کی ولایت کے قائل ہیں نبوت کے نہیں۔ وہ کبیر اور روح المعانی کا تفصیلی مطالعہ کریں۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

اس کے متعلق پیر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''رہی بات یہ کہ خضر علیہ السلام اب زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں اور ان دونوں گروہوں نے اپنے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان دلائل کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوئی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچا جس سے دل مطمئن ہو اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا

● تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 21، ص 162

مہبط بنائے انہوں نے اس سلسلہ میں ایسی بات رقم کی ہے کہ جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں ایک اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا' صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔ فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے بغیر ناممکن ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہ الٰہی میں حقیقت حال کے انکشاف کے لئے متوجہ ہوئے:

"فَرَاَى الْخِضْرَ حَاضِرًا عِنْدَهٗ فَسَاَلَهٗ عَنْ حَالِهٖ فَقَالَ اَنَا وَالْيَاسُ لَسْنَا مِنَ الْاَحْيَاءِ لٰكِنَّ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْطٰى لِاَرْوَاحِنَا قُوَّةً تُتَجَسَّدُ بِهَا وَنَفْعَلُ بِهَا اَفْعَالَ الْاَحْيَاءِ مِنْ اِرْشَادِ الضَّالِّ وَاِغَاثَةِ الْمَلْهُوْفِ اِذَا شَاءَ اللّٰهُ وَتَعْلِيْمِ الْعِلْمِ اللَّدُنِّيْ وَاِعْطَاءِ النِّسْبَةِ لِمَنْ شَاءَ اللّٰهُ وَجَعَلَنَا مُعِيْنًا لِلْقُطْبِ الْمَدَارِ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى الَّذِيْ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَدَارًا لِلْعَالَمِ وَجَعَلَ بَقَاءَ الْعَالَمِ بِبَرَكَةِ وُجُوْدِهٖ وَاِفَاضَتِهٖ وَقَالَ الْخِضْرُ اِنَّ الْقُطْبَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فِيْ دِيَارِ يَمَنٍ مُتَّبِعٌ لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفِقْهِ قَالَ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ الْقُطْبِ صَلٰوةً عَلٰى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ فَبِهٰذَا الْكَشْفِ الصَّحِيْحِ اِجْتَمَعَ الْاَقْوَالُ وَذَهَبَ الْاِشْكَالُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ" [1]

"تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی' تو انہوں نے فرمایا: کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہوتے ہیں اور زندوں کے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی راہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں' علمِ لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں' ہمیں اولیاء اللہ تعالیٰ میں سے جو قطب مدار ہوتا ہے اس کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مدار عالم بنایا ہے اور اس کی برکت و فیض سے دنیا کی بقاء ہے آج کل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں اس کشف صحیح سے مختلف اقوال کا تضاد اور اشکال دور ہو گیا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جو کبیر و متعال ہے' واللہ اعلم بالصواب۔

فوائد: موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ کثیر علوم و اعمال کے مالک تھے اور آپ کا منصب بھی بلند تھا۔ آپ کے حق میں کامل شرافت کے اسباب مجتمع تھے لیکن پھر بھی آپ خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے گئے اور ان کے سامنے تواضع اختیار کیا۔ "وَذَالِكَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ التَّوَاضُعَ خَيْرٌ مِّنَ التَّكَبُّرِ" یہاں سے پتہ چلا تواضع تکبر سے بہتر ہے یعنی انسان تواضع سے ہی اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔

---

[1] تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ 6 ص 62......... تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 38

متعلم دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ متعلم جو کچھ بھی نہیں جانتا اس کو بحثیں کرنے قیل وقال کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا تقریر کو لوٹا نہیں سکتا اعتراض کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

دوسرا متعلم وہ ہے اسے پہلے ہی کثیر علوم حاصل ہوتے ہیں' استدلال اور اعتراض کرنے کا اسے تجربہ حاصل ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ کسی کامل انسان کو مل کر علم میں درجہ کمال حاصل کرے' ایسے شخص کا علم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ وہ جب کسی چیز کو دیکھے گا' کوئی کلام سنے گا' تو بسا اوقات ظاہر طور پر اسے وہ کام یا بات درست نظر نہیں آئے گی' تو وہ اعتراض کرے گا قیل وقال کرے گا اس میں جھگڑا کرے گا کیونکہ وہ حقیقتِ حال سے بے خبر ہوگا حالانکہ حقیقت میں وہی کام درست ہوگا۔ ایسے متعلم کے مجادلہ سے استاذ جو علم میں کمال درجہ رکھتا ہے متنفر ہو جاتا ہے' دو تین مرتبہ برداشت کرنے کے بعد اسے کہتا ہے آپ چلے جائیں میں تمہیں نہیں پڑھا سکتا تم ہی زیادہ علم رکھتے ہو۔

متعلم وہی بہتر ہے جو استاذ پر اعتراض برائے اعتراض نہ کرے' اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے' کتنے ہی مَنصبِ تدریس پر فائز ہم نے انہیں ہی دیکھا جو باادب تھے' نیاز مند تھے' متواضع تھے۔ بے ادب' گستاخ اور بے وفاؤں نے اگرچہ دنیا کا مال و دولت حاصل کیا بھی ہو تو استاذ کی ناراضگی کا طوق ان کے گلے میں پڑ کر ان کی ذلت کا سبب بنا۔

کئی ایسے تھے جنہیں ہم سمجھتے تھے کہ یہ استاذ بن کر دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہونگے لیکن ایسا نہ ہو سکا کیونکہ ان کی بدطینتی نے انہیں مقام فتنہ و فساد پر پہنچا دیا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے ادب و احترام کا لحاظ کرے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں ذکر کرتے ہیں:

"قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ يَجِبُ عَلَى الْمُرِيْدِ تَرْكُ الْاِعْتِرَاضِ عَلَى الشَّيْخِ" ''اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مرید کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ پر اعتراض کرنا چھوڑ دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنا چاہا تو ادب و احترام اور نیازمندی کا بہت ہی پاس کیا۔''

آپ نے اپنے آپ کو ان کا تابع بناتے ہوئے یوں عرض کیا' هَلْ اَتَّبِعُكَ" کیا میں آپ کا تابع ہو جاؤں تابعداری پر قائم رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں گویا آپ نے یوں کہا:'' هَلْ تَاْذَنُ لِیْ اَنْ اَجْعَلَ نَفْسِیْ تَبَعًا لَّكَ '' کیا آپ مجھے اجازت دیتے کہ میں خود کو آپ کا تابع رکھوں۔ اس میں آپ نے بہت بڑی عاجزی کا اظہار کیا آپ نے عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مجھے آپ علم سکھائیں کہہ کر گویا اقرار کیا کہ جو علمِ لدنی آپ کو حاصل ہے' وہ مجھے حاصل نہیں۔ یہ بھی ادب کا ایک طریقہ ہے۔

① اور آپ نے کہا:'' مِمَّا عُلِّمْتَ '' آپ کو جو علم دیا گیا اس سے کچھ بتا دیں۔ اس میں مقصد یہ تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مجھے تمام علوم عطا کر دیں کہ میں آپ کے برابر ہو جاؤں بلکہ میں تو آپ سے کچھ علوم حاصل کرنا چاہتا ہوں جس طرح

فقیر غنی سے کچھ مال طلب کرتا ہے اس طرح کا سوال موسیٰ علیہ السلام نے کر کے عاجزی کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ خیال رہے کہ اس میں "مِن" تبعیضیہ ہے۔

۲ آپ نے کہا: "مِمَّا عُلِّمْتَ" کہہ کر اعتراف کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ نے علمِ لدنی کیا ہے میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔

۳ کہا: "رُشد" (نیک بات) یعنی آپ کو جو نیک بات عطا ہوئی وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ اس میں خضر علیہ السلام کے نیکی کے راہ پر ہونے کا اعتراف ہے اور اپنا رشد و ہدایت طلب کرنے کا اظہار ہے۔

۴ کہا: "عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ" اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے وہ مجھے آپ سکھا دیں۔ یہ کہہ کر گویا یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ وہ معاملہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے معاملہ کیا ہے یعنی آپ کا مجھ پر ایسا احسان ہو گا جیسا رب تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے اسی لئے استاذ کے احسان کا اعتراف کرنے والے کسی بزرگ نے کہا ہے: "اَنَا عَبْدٌ مَنْ تَعَلَّمْتُ مِنْهُ حَرْفًا" میں نے جس سے ایک حرف بھی حاصل کیا ہے میں اس کا "عبد" ہوں۔

۵ متابعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام غیر کی طرح کرنا صرف اس لحاظ پر کہ یہ کام فلاں نے کیا ہے میں نے بھی اس کی تابعداری کی وجہ سے کرنا ہے خود انسان کے پاس اس کام کرنے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم "لا الٰہ الا اللہ" کہتے ہیں اور یہود بھی یہی کلمہ کہتے ہیں لیکن ہم ان کے تبع نہیں کیونکہ ہمارے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں لیکن ہمارا پانچ نمازیں ادا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے کیونکہ آپ کے افعال و اقوال کے بغیر ہمارے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا "هَلْ اَتَّبِعُكَ" کہہ کر خضر علیہ السلام سے تابعداری کرنے کی اجازت طلب کی یعنی میں آپ کے افعال کو دیکھ کر اقوال کو سن کر ہی آپ کی تابعداری کروں گا مجھے کسی اور دلیل کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس مسئلہ سے واضح ہوا کہ "اِنَّ الْمُتَعَلِّمَ يَجِبُ عَلَيْهِ فِيْ اَوَّلِ الْاَمْرِ التَّسْلِيْمُ وَتَرْكُ الْمُنَازَعَةِ وَالْاِعْتِرَاضِ" "بے شک متعلم کے لئے ضروری ہے کہ ابتدائی طور پر ہی استاذ کی بات تسلیم کرے اور جھگڑا کرنا اور اعتراض کرنا ترک کر دے۔" سمجھنے کے لئے پوچھنا درست ہے استاذ نے عدم توجہ سے درست نہ بیان کیا ہو تو مستحسن طور پر علیحدگی میں وہ مسئلہ دوبارہ پوچھ لیا جائے۔

۶ موسیٰ علیہ السلام نے "اَتَّبِعُكَ" کہہ کر یہ کہا کہ میں تمام امور میں آپ کی تابعداری کروں گا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں کچھ باتوں میں تابعداری کروں گا۔

۷ جب روایات سے یہ واضح ہے کہ خضر علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں، صاحب تورات ہیں، رب تعالیٰ نے آپ سے بلا واسطہ کلام کر کے آپ کو خصوصیت سے نوازا ہے، آپ کو عظیم الشان معجزات عطا

کیے گئے ہیں' پھر موسیٰ علیہ السلام کا بلند و بالا منصب رکھنے کے باوجود اور بلند درجات حاصل ہوتے ہوئے اتنی بڑی تواضع کرنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ علم حاصل کرنے میں کتنی عظیم کوشش فرما رہے ہیں اور یہ آپ کی شان کے لائق بھی تھا کیونکہ جتنا علم زیادہ ہوگا اسی قدر چہرے پر علم کی نورانیت اور سعادت زیادہ حاصل ہوگی اور وہ شخص اور زیادہ علم حاصل کرنے میں شدید کوشش کرے گا۔ ''وَكَانَ تَعْظِيْمُهٗ لِاَرْبَابِ الْعِلْمِ اَكْمَلَ وَاَشَدَّ'' وہ شخص علم والوں کی کامل طور پر زیادہ تعظیم کرے گا۔''

⑧ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ'' کیا میں آپ کی تابعداری کروں اس شرط پر کہ آپ مجھے علم سکھا دیں۔ آپ نے تابعداری' خدمت گزاری کا ذکر پہلے کیا اور علم حاصل کرنے کا بعد میں۔ ''وَهٰذَا مِنْهُ اِبْتِدَاً بِالْخِدْمَةِ ثُمَّ فِي الْمَرْتَبَةِ الثَّانِيَةِ طَلَبَ مِنْهُ التَّعْلِيْمَ'' اس سے واضح ہوا کہ متعلم پہلے استاذ کی خدمت کو شعار بنائے پھر حصول کو مدنظر رکھے۔ ●

وہ طالب علم بد بخت ہے جو استاذ کی خدمت کو عار سمجھتا ہو یا استاذ کے بتائے ہوئے کام نہ کرے اور ٹال مٹول سے کام لے۔ تاہم استاذ کے لیے بھی ضروری ہے کہ حسنِ اخلاق سے طلباء کو اپنے قریب کرے' آدم خور کے قریب ہونے والے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح استاذ جو صرف اپنے کاموں کو ترجیح دے' اپنے خدمت کرنے والے کی تعلیم کا نقصان کرے' وہ اس طالب علم کا درحقیقت دشمن تو ہو سکتا ہے' محسن نہیں۔ خدمت گزار پر احسان یہی ہے کہ اس کی تعلیم میں جو کام نقصان کا سبب بن رہے ہوں' ان پر سختی سے متنبہ کرے۔ اچھا سبق یاد کرنے پر شفقت کرے' شفقت سے ہی اپنی اولاد کی طرح اس سے محبت رکھے۔

ایسا استاذ طلباء کا محسن ہو سکتا جو لطائف قصے کہانیاں سنا کر تضیع اوقات کا سبب بنے اور کتاب نہ پڑھائے اور ایسا بھی طلباء کا محسن نہیں جو اپنا سبق مکمل کر کے کسی کو کام پر لگائے اور دوسرے استاذ کی حق تلفی کرے' یا سبق مکمل کرنے کے بعد قصے کہانیاں شروع کر دے اور دوسروں کا حق ضائع کر کے ظلم کا مرتکب ہو۔

فارغ ہونے کے بعد یقیناً طلباء کو احساس ہوتا ہے کہ کون سا استاذ ہمارے اوقات ضائع کرتا رہا اور کس استاذ نے ہمیں پڑھانے کی طرف توجہ دی تھی؟ کاش! یہ بات طلباء کو دورانِ تعلیم پتہ چل جائے۔

⑨ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے تابعداری کرنے کے عوض مال دولت یا کچھ مرتبہ نہیں طلب کیا بلکہ صرف تحصیلِ علم کا مطالبہ کیا۔

وہ طلباء درحقیقت احمق ہوا کرتے ہیں' جو استاذ کے قرب کی وجہ سے دوسرے طلباء کی شکایتیں لگاتے ہیں۔ دوسرے طلباء کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اے دین کے معلمین! خدارا انصاف سے بتائیں کہ جاسوس

● تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 152

مقرر کرنا کون سی شریعت میں جائز ہے؟ کبھی استاذ پر جاسوس مقرر کرنا، کبھی طلباء پر، یہ انصاف سے بعید ہے۔ آج کا استاد کل اپنی طالب علمی کو دیکھے، جس استاذ کو اپنا ماضی بھول جائے، کمینی حرکات کا مرتکب وہی ہوسکتا ہے۔

اے آج کے آدم خور استاد! تو ذرا اپنے ماضی کو جھانک کر دیکھ تو کتنا لائق تھا؟ کتنا فرشتہ سیرت تھا؟ کیا تو نے کوئی غلطی نہیں کی؟ کیا تجھ سے کوئی تساہل نہیں ہوا؟ کیا تجھ سے کوئی بھول نہیں ہوئی؟ جب تو بھی آج کے طلباء کی طرح ہی تھا تو آج بیہودہ بکواس کیوں کر رہا ہے؟ آج تو ڈنڈے کیوں برسا رہا ہے؟ آج تو انسانوں کو گدھا کیوں سمجھ رہا ہے؟ کیا تیرا استاذ بھی تیری طرح بیہودہ تھا؟ جیسا تو ہے۔ ذرا غور تو کر! ذرا سوچ! انسانیت کیا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام کا انتقال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ملک الموت (عزرائیل فرشتہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب وہ آپ کے پاس آیا تو "صَكَّهٗ فَفَقَأَ عَيْنَهٗ" آپ نے تھپڑ مار کر اس کی آنکھ نکال دی۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: کہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم قبول کرو، تو آپ نے اسے تھپڑ رسید کر دیا، جس سے اس کی آنکھ ضائع ہوگئی۔ عزرائیل علیہ السلام واپس اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا۔ عرض کی: "اَرْسَلْتَنِيْ اِلٰى عَبْدٍ لَا يُرِيْدُ الْمَوْتَ" مجھے تو نے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔

اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو آنکھ پھر عطاء کر دی، یعنی نظر پھر لوٹا دی اور فرمایا: جاؤ میرے بندے کے پاس اسے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھے، ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، عمر اتنے سال بڑھا دوں گا۔ آپ نے عرض: اے میرے رب! پھر کیا ہوگا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت آجائے گی۔ آپ نے عرض کی: موت ابھی آجائے۔ ساتھ یہ سوال کیا کہ اے میرے رب! مجھے بیت المقدس کی سرزمین پر پہنچا دینا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے صحابہ! اگر میں چاہوں تو تمہیں سرخ ریت کے ٹیلوں کے پاس راستے کی ایک جانب آپ کی قبر بھی دکھا سکتا ہوں۔ [1]

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش اس لئے کی کہ وہ مقام انبیائے کرام علیہم السلام کے دفن ہونے کی وجہ سے مشرف تھا۔ آپ کی دعا سے واضح ہوا کہ فضیلت والے مقام میں صالحین کے قرب وجوار میں دفن ہونا مستحب ہے۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 267

[2] نووی بر صحیح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 267

"اِنَّ الدَّفْنَ بِقُرْبِ الصَّالِحِیْنَ فِیْ مَوَاضِعَ مُتَبَرَّکَۃٍ اَمْرٌ مَنْدُوْبٌ" [1] "نیک لوگوں کے قریب متبرک مقامات میں کسی کو دفن کرنا امر مستحب ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرور عالم ﷺ کے ساتھ روضہ مطہرہ میں دفن ہونے کی خواہش کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایثار فرماتے ہوئے اجازت دی۔ اس پر فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہو رہا ہے کہ نیک لوگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا پائی جائے اس خیال کے پیش نظر کہ ان پر جب رحمت کا نزول ہوگا' مجھے بھی اس سے فائدہ ہوگا' نیک لوگ جب ان کی زیارت کو آئیں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے تو اس دعا کا فائدہ مجھے بھی ہوگا۔ [2]

تنبیہ: مسلم شریف کی حدیث پاک سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوا کہ عزرائیل علیہ السلام کو انبیائے کرام علیہم السلام نے حکم باری کو قبول کرتے ہوئے ابتداہی میں عزرائیل علیہ السلام کو خوش آمدید کہا۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے عزرائیل علیہ السلام کو اپنے پاس بلا اجازت آنے پر تنبیہ کی اور بتایا کہ عزرائیل کو ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو ترجیح دی' عمر کی مہلت ملنے کے باوجود قبول نہیں فرمائی' تو واضح ہوا کہ ان کا منشاء عمر کا حصول نہیں ہوتا بلکہ شانِ انبیائے کرام علیہم السلام کو عوام الناس پر واضح کرنا مقصد عظیم ہوتا ہے۔

فائدہ جلیلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے دن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا: زمین پر میرے حبیب ﷺ کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے حاضر نہ ہونا۔ بغیر اجازت کے روح قبض نہ کرنا تو عزرائیل نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدِنَ الرِّسَالَۃِ وَمُخْتَلَفَ الْمَلَائِکَۃِ" "اے معدنِ رسالت! ملائکہ کے مقام آمد و رفت! اہل بیت نبوت! تم پر سلام ہو۔"

مجھے اجازت دیجئے! تا کہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں' انہوں نے جواب دیا: کہ نبی کریم ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں' اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ پھر اجازت طلب کی' یہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اجازت طلب کی اور باآوازِ بلند اجازت طلب کی۔ چنانچہ جتنے صاحبان گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور ﷺ ہوش میں آئے اور آنکھ مبارک کھول کر فرمایا: کیا بات ہے؟ صورتِ حال آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا: اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا' خواہش اور تمناؤں کو کچلنے والا' اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا' بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں بچیوں

---

[1] تفسیر خازن' علامہ علاء الدین علی بن محمد رحمہ اللہ' ص 447
[2] فتح الباری شرح بخاری' علامہ ابن حجر عسقلانی' ج 3 ص 166

کو یتیم کرنے والا ہے۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا کرنا:

حضرت سلیمان تیمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ" "میرا گزر موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تو اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔"

ایک روایت میں ہے کہ "مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيَ" "معراج کی رات میرا گزر موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ [2]

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ [3]

خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر بیت المقدس میں اپنے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا' پھر آسمانوں پر آپ کو مرحبا کہتے ہوئے بھی دیکھا۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ براق پر سوار تھے' آپ براق کی رفتار سے سفر کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بغیر کسی سواری کے اپنی شانِ نبوت سے چل رہے تھے۔ اس لئے آپ نبی کریم ﷺ سے پہلے بیت المقدس اور آسمانوں پر پہنچ گئے یعنی رفتار نبوت' براق کی رفتار سے بڑھ کر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک وقت میں قبر میں بھی تشریف فرما ہوں اور بیت المقدس میں بھی اور آسمانوں میں بھی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

---

[1] مدارج النبوت' شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج 2 ص [2] صحیح مسلم شریف' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 267

[3] صحیح مسلم شریف' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 1 ص 116 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

{کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ}

تذکرہ اسلاف کرام رحمۃ اللہ علیہم

آہ! میرے والد مرحوم کے چچازاد بھائی:

میرے پردادا قاضی غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ کے چار پوتوں سے تین کا پہلے وصال ہو چکا تھا۔ آخری (بزرگ) مولانا عبد الخالق صاحب بھترالوی جو میرے والد مکرم کے چچازاد بھائی تھے۔ آج بروز منگل 13 اگست 1996ء بمطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو وصال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے شفقت فرماتے' اپنے بیگانے میں تمیز کم ہی کرتے تھے' جب کسی سے سلام کرتے تو مصافحہ کرتے وقت سنتِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق آپ اپنے ہاتھ پہلے نہیں چھڑایا کرتے تھے۔

کچھ اسی طرح کا حسن سلوک آپ کا فوت شدہ حضرات سے بھی ہوا کرتا۔ نماز جنازہ کے بعد آپ بڑے اہتمام سے دعا کیا کرتے۔ ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۃ اخلاص سب لوگوں کو پڑھنے کے لئے کہتے اور پھر دعا فرماتے۔ جب کسی کے گھر فاتحہ خوانی کے لئے جاتے تو اسی محبت وخلوص سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے' صبر وتحمل کی تلقین فرماتے۔

ایک دفعہ اپنے گاؤں کے قریب ''جودھ'' نامی گاؤں کے ملک اشرف صاحب کے انتقال پر مجھے بھی فاتحہ خوانی میں ساتھ لے گئے' حالانکہ میں جنازہ پہلے پڑھ آیا تھا۔ آپ راولپنڈی سے دو تین دن بعد پہنچے تھے۔ محمد اشرف صاحب کا چونکہ جوانی میں انتقال ہوا تھا' پسماندگان بہت زیادہ غمزدہ تھے' تو آپ نے وہاں ارشاد فرمایا:

> ''موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے، رب کا اپنا نظام ہے اس لئے سمجھا جائے کہ جب کوئی شخص اپنی چیز کسی کو نفع اٹھانے کے لئے دے پھر واپس لے لے تو مانگنے والے کو کچھ کہنے کا حق نہیں۔''

ساتھ یہ واقعہ بھی بیان فرمایا:

> ''ابن ابی شیبہ نے حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: کہ ایک مرتبہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئے اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک کو بہت گھور کر دیکھنے لگے۔ جب آپ

چلے گئے تو اس شخص نے سلیمان علیہ السلام سے دریافت کیا: کہ یہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ ملک الموت تھے۔ اس نے عرض کیا: کہ حضور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری روح نکالنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے سرزمین ہند میں پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو حکم دیا تو اس شخص کو سرزمین ہند میں چھوڑ آئی، پھر ملک الموت تشریف لائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم میرے ایک ساتھی کو گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: کہ میں اس پر تعجب کر رہا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کی روح ہند میں قبض کروں اور یہ آپ کے پاس بیٹھا ہے کیسے ہند پہنچے گا؟'' ❶

میرے گاؤں کے ایک دوست محمد حنیف مرحوم کے والد محمد حیات درزی کے جنازہ پر چچا مرحوم تشریف لے گئے۔ جنازہ آپ ہی نے پڑھایا (یہ جنازہ بکرامنڈی راولپنڈی کے قبرستان میں پڑھایا گیا تھا) فوت ہونے والے مرحوم چونکہ نمازی، متقی، پرہیزگار تھے، تو آپ نے بیان فرمایا:

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کی زوجہ نے آپ کو قریب الموت دیکھ کر پریشانی کے عالم میں کہا: ''وَاحَزَنَاہُ'' کتنا ہی افسوس ہے کہ آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کیا خوب کہا: ''وَاطَرَبَاہُ اَلْقٰی عِنْدَ الْاَحِبَّۃِ مُحَمَّدًا وَّصَحْبَہٗ'' کتنی ہی خوشی کا مقام ہے کہ میں اس دنیا سے جا رہا ہوں، اپنے مہربان دوستوں سے ملاقات ہوگی یعنی حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی ملاقات ہوگی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی اپنی موت پر خوش ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ روحوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ میری ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہوگی یہ میرے لئے کتنی خوشی کا مقام ہوگا۔ ❷

حضرت محمد بن منکدر (مشہور تابعی) سے مروی ہے:

''دَخَلْتُ عَلٰی جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ وَھُوَ یَمُوْتُ فَقُلْتُ اِقْرَاْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ''

''کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی وفات کے وقت کے قریب حاضر ہوا تو میں نے انہیں کہا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میرا اسلام پیش کرنا۔''

---

❶ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ❷ شفاء شریف، قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ، ج ثانی، باب علامات النبوۃ
❸ ابن ماجہ، مشکوۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت، ج 1، ص 143

اس حدیث کی نقل کرتے ہوئے ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ محمد اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالدہ بن عبداللہ بن انیس سے حدیث بیان فرمائی کہ ام انیس بنت ابی قتادہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی وفات کے پندرہ دن بعد حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتی ہیں جبکہ وہ مرض الموت میں تھے تو انہوں نے کہا: کہ اے میرے چچا! اسلام میرے باپ کی خدمت میں پیش کرنا۔

راقم کی وضاحت:

چچا مرحوم کے جنازے میں ہزاروں لوگ شریک تھے اور جب آپ کے جنازے کو اٹھایا گیا تو بلند آواز سے خوبصورت انداز میں کلمہ شریف پڑھا جا رہا تھا' کلمہ کی گونج میں جنازہ گاہ تک آپ کو پہنچایا گیا۔ جنازے کے بعد بڑے بلند آواز سے دعا کی گئی۔ مرحوم کے اخلاقِ کریمہ کی وجہ سے اپنے تو اپنے تھے' غیروں کو بھی روتے ہوئے دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے' جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین' بجاہ سید المرسلین۔

یہ چند الفاظ میں نے چچا مرحوم کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر کئے ہیں اور اس لئے بھی کہ میری اولاد اور آنے والی نسل کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے خاندان کے بزرگوں کا طریقہ کار کیا تھا اور مرحوم کے بیٹوں کو بھی شاید ان الفاظ سے سوچنے سمجھنے کا موقع مل جائے کہ ہمارے والدِ مکرم کا طریقہ کار کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بزرگ' عظیم باپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ علیہم السلام

عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا نذر ماننا:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾

(سورۃ البقرہ 12:3)

''جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میں تیرے لئے نذر مانتی ہوں، جو میرے پیٹ میں ہے خالص تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول کرلے، بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔''

عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم نانی کا نام حنہ، نانا کا نام عمران ہے، حنہ کی ایک اور بہن تھی جس کا نام ایشاع تھا۔ یہ دونوں فاقوذ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت عمران اور حضرت زکریا علیہ السلام دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوئے۔ حنہ عمران کے نکاح میں تھیں اور ایشاع زکریا علیہ السلام کے نکاح میں، عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد ہیں۔

اعتراض: بخاری و مسلم میں واقعہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''فَاِذَا اَنَا بِابْنَیِ الْخَالَۃِ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ وَیَحْیٰی ابْنُ زَکَرِیَّا ❶ پھر میری ملاقات دو خالہ زاد یعنی عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے ہوئی۔'' اس حدیث سے واضح ہوا کہ یہ دونوں حضرات خود خالہ زاد تھے۔

جواب: صاحب تقریب نے جواب دیا کہ حدیث پاک میں مجاز پایا گیا ہے کثیر طور پر خالہ کی بیٹی کو عزت و تکریم کے پیش نظر خالہ کہہ دیا جاتا ہے۔ (جیسے ہمارے رواج میں ماں کی خالہ اور ماموں کو بچے خالہ اور ماموں کہہ دیتے ہیں)

"وَالْغَرْضُ اَنَّ بَیْنَھُمَا عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ھٰذِہِ الْجِھَۃَ مِنَ الْقَرَابَۃِ وَھِیَ جِھَۃُ الْخُؤْلَۃِ" ❷

''مقصد صرف ان دونوں انبیاء کرام کی قربت کو بیان کرنا ہے کہ ان دونوں میں باعتبار خالہ کے رشتہ پایا گیا۔''

خیال رہے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن محی السنہ اور علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ قائل ہی اس کے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ حضرت مریم علیہا السلام کی بہن تھیں۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمران کی زوجہ حنہ کی اولاد نہیں تھی۔ یہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھی، ایک دن درخت کے سائے میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو چوگ کھلا رہا تھا تو

❶ مشکوۃ المصابیح، باب المعراج، ج2، ص527 ❷ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج2، ص133

آپ کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے بچہ عطا فرما۔ آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا' جب آپ حاملہ ہو گئیں تو آپ نے نذر مانی کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی' جو تیرے گھر کی خدمت گزاری کرے گا۔ اگرچہ آپ نے صرف اتنا ہی کہا تھا جو میرے پیٹ میں ہے لیکن اس سے مراد مذکر تھا کیونکہ اس وقت بیت المقدس کی خدمت کے لئے مذکر بچے ہی وقف کئے جاتے تھے۔ مؤنث بچیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں' جب آپ نے اپنی نذر کا ذکر اپنے خاوند سے کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہاری بچی پیدا ہو گئی تو پھر کیا کرو گی؟ تو انہوں نے پھر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی: "فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ" اے اللہ تعالیٰ! میری نذر قبول کر یعنی مجھے بچہ ہی عطا کرتا کہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر سکوں۔●

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو نذر مانی تھی وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو الہام ہوا تھا' اگر الہام نہ ہوتا تو شاید آپ نذر بھی نہ مانتیں۔ یہ ایسے ہی تھا جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حالانکہ اس میں صراحتاً وحی نازل نہیں ہوئی تھی' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی الہام کے ذریعے ہی آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔

بچی پیدا ہونے پر حسرت:

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝

(سورۃ البقرہ 12:3)

"پھر جب اس نے جنا' بولی: اے میرے رب! میں نے یہ لڑکی جنی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ وہ جنی اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا اس لڑکی سا نہیں' اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں راندے ہوئے شیطان سے۔"

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے لڑکے کو بیت المقدس کی خدمت میں وقف کرنے کی نذر مانی تھی کیونکہ اس وقت ان کی شریعت میں لڑکوں کی ہی نذر مانی جاتی تھی لڑکیوں کی نہیں۔ مذکر ہی عبادت کے مقام کی ہمیشہ خدمت کر سکتے ہیں' مونث کو یہ مقام حاصل نہیں کیونکہ ان کو حیض (ماہواری) کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ مذکر اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے خدمت کر سکتا ہے وہ مؤنث نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں طاقت کی کمی ہوتی ہے۔ مذکر خدمت کے معاملات میں لوگوں سے میل جول رکھ سکتا ہے' اس کے لئے عیب نہیں لیکن مونث کے لئے لوگوں سے اختلاط عیب ہے۔ مذکر کے لئے مردوں سے ملنے جلنے میں کوئی تہمت عائد

● روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج2' ص133/.......... تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج8' ص26

نہیں ہوتی لیکن مونث کے لئے تہمت ہے۔

جب لڑکی پیدا ہوگئی تو خوف لاحق ہوا کہ رب میں نذر کیسے پوری کرسکوں گی عذر پیش کرتے ہوئے حسرت اور اظہار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا: ''رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی'' اے میرے رب! میں نے بچی جنی۔ اب میں کیا کروں نذر کو کیسے پورا کروں؟ تو رب قدوس نے کہا: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ'' اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا۔ جو لڑکا تمہارا مطلوب تھا وہ اس لڑکی جیسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے یعنی تم تو صرف بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہونے کے لئے لڑکا طلب کر رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ لڑکی عطا جسے عیسیٰ روح اللہ کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہونا ہے۔

عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! میں نے اس کا نام ''مریم'' رکھا۔ مریم عبرانی زبان میں عابدہ (عبادت کرنے والی) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی گئی کہ اسے دین و دنیا کی آفات سے محفوظ فرما اور ساتھ ہی یہ دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! اسے اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھ یعنی نیک و مطیع بنا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل حضرت زکریا علیہ السلام:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(سورۃ البقرہ 12:3)

''تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا' اسے اچھا پروان چڑھایا اور اسے زکریا (علیہ السلام) کی نگہبانی میں دیا۔ جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے' کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں: وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے گنتی دے۔''

اچھی طرح قبول کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور مسجد میں ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے جو علماء اور قراء موجود تھے ان کے حوالے کر دیا یہ لوگ بیت المقدس کی خدمت گزاری میں رہتے تھے ۔چونکہ مریم علیہا السلام ان کے امام کے بیٹی تھی' اس لئے ہر ایک چاہتا تھا کہ اس کی کفالت کا حق مجھے ملے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: میں حقدار ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری زوجیت میں ہے لیکن سب نے کہا: کہ نہیں قرعہ ڈالتے ہیں۔ یہ حضرات ستائیس کی تعداد میں تھے' سب نے اپنے قلم ایک کپڑے کے نیچے رکھے اور ایک نابالغ بچے کو کہا گیا کہ کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال

لو۔اس نے جوقلم نکالا' وہ حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا۔ پھر سب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ اور قرعہ ڈالتے ہیں۔

اب سب نہر اردن کی طرف چلے کہ اپنے اپنے قلم نہر میں ڈالتے ہیں' جس کا قلم الٹا تیرا یعنی پانی کے آنے کی طرف اس کا رخ ہوا' وہ کامیاب ہوگیا۔ یہ قرعہ بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے حق میں ہی نکلا کیونکہ آپ کا قلم ہی الٹا تیرا۔ پھر سب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ اور قرعہ ڈالتے ہیں۔ اب جس کا قلم سیدھے رخ کی طرف چلا' وہ کامیاب ہوگا۔ تیسری مرتبہ میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کو ہی کامیابی حاصل ہوگئی۔ آپ کا قلم ہی پانی کے بہاؤ کے رخ کی طرف چلا' قرعہ میں کامیابی پر آپ نے کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

﴿وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ ''اور اسے اچھا پروان چڑھایا جوان ہونے تک۔''

ایک دن میں آپ اتنی بڑی ہو جاتیں' جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو نیکی' پاک دامنی' سیدھی راہ پر چلنے اور اطاعت میں بھی بلند و بالا مقام عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کا کفیل بنا دیا اور مریم علیہا السلام کی دیکھ بھال ہر مصلحت کے کام کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ﴾ ''جب زکریا اس کے پاس نماز پڑھنے کی جگہ جاتے۔''

اس وقت ''محراب'' کا اطلاق مساجد پر ہوتا تھا۔ یہاں مراد وہ کمرہ ہے جس میں مریم علیہا السلام کو ٹھہرایا گیا تھا' اس کا دروازہ دیوار کے درمیان تھا۔ اس کمرہ میں جانے کے لئے سیڑھی کو استعمال کیا جاتا تھا۔

خیال رہے کہ آج کل مساجد میں جو محراب بنائے جاتے ہیں ان کے ابتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے نہیں ہوئی بلکہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے شروع ہوئے۔

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ''اس کے پاس نیا رزق پاتے۔'' حضرت زکریا علیہ السلام جب اس کے کمرے سے نکل کر آتے تو اس کے ساتھ دروازے بند کر کے تالے لگا کر آتے کوئی اور شخص وہاں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن آپ جب بھی کمرے میں آتے تو دیکھتے کہ مریم علیہا السلام کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے گرمیوں میں موجود ہوتے۔

﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾ کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ یہ سوال حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب کی وجہ سے تھا خیال رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا یہ آپ کی کرامت ہے۔

''فَكَيْفَ بِالْاٰيَةِ عَلٰى جَوَازِ الْكَرَامَةِ لِلْاَوْلِيَاءِ لِاَنَّ مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ لَا نُبُوَّةَ لَهَا'' ''اس آیت سے واضح ہوا کہ اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت حاصل نہیں ہوئی۔''

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام کے پوچھنے پر حضرت مریم علیہا السلام نے یہ جواب دیا کہ جنتی رزق ہے جو کسی انسان کے واسطہ کے بغیر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہے حضرت مریم علیہا السلام کا یہ کلام بچپن میں ہے کہ یعنی اس عمر میں جس میں عام بچے کلام نہیں کرتے یا کہ کچھ بڑی عمر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کلام بچپن میں ہے آپ نے ایک نظم میں ذکر کیا ہے کہ گیارہ شخصوں نے بچپن میں کلام کیا ہے۔

تکلم فی المهد النبی (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم

(ویحییٰ وعیسیٰ والخلیل والمریم)

ومبری (جریج) ثم (شاهد یوسف)

(وطفل الذی الاخدود) یرویه مسلم

(وطفل) علیه مر بالامة التی

یقال لها ترنی ولا تتکلم

وما شطة فی عهد فرعون (طفلها)

وفی زمن الهادی (المبارک) یختم

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ② یحییٰ علیہ السلام ③ ابراہیم علیہ السلام ④ مریم علیہا السلام

⑤ جریج سے تہمت زائل کرنے والے نے بچپن میں کلام کیا۔

⑥ یوسف علیہ السلام سے تہمت زائل کرنے والے نے بچپن میں کلام کیا۔

⑦ اصحاب اخدود میں ایک بچے نے ماں کو کہا کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔

⑧ ایک عورت پر تہمت لگا رہے تھے تو وہ خاموش تھی۔ایک عورت نے اسے دیکھ کر کہا: میرے بچے کو اللہ تعالیٰ ایسے نہ بنانا' تو بچے نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے ایسا ہی بنانا یعنی یہ عورت بے گناہ ہے۔

⑨ فرعون نے جب ایک عورت کو ایمان لانے پر عذاب دیا تو اس کے بچے نے دین پر قائم رہنے کی تلقین کی۔

⑩ مبارک نے بچپن میں کلام کیا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔''

حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: کہ اپنے بندوں میں اللہ تعالیٰ جسے پسند فرماتا ہے انہیں کسی انسان کے وسیلہ کے بغیر ہی رزق

عطا فرماتا ہے‘ جو اپنی وسعت کے پیش نظر بے حساب ہوتا ہے۔ ❶

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا کلام حضرت مریم علیہا السلام کی طرح:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کو چند دن کھانے کے لئے کچھ میسر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ بھوک کے غلبہ کی وجہ سے آپ پر معاملہ شاق ہوا (مشکل درپیش آئی) تو آپ نے تمام ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تمام سے جواب ملا کہ کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ حضرت فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور انہیں کہا: اے میری پیاری بیٹی! آپ کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ کیونکہ مجھے بہت بھوگ لگی ہے۔ انہوں نے عرض کیا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کچھ بھی نہیں۔

نبی کریم ﷺ وہاں سے لوٹے ہی تھے کہ ایک پڑوسی عورت نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو روٹیاں اور کچھ گوشت پیش کیا۔ آپ نے اسے برتن میں رکھ لیا اور خیال کیا کہ اپنے آپ پر اور دوسرے اپنے گھر کے افراد پر نبی کریم ﷺ کو ہی ترجیح دینی چاہیے‘ حالانکہ گھر کے سب افراد ہی بھوک میں مبتلا تھے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ پر میں‘ میری ماں قربان! اللہ تعالیٰ نے کھانا عطا فرمایا ہے‘ جو میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! وہ کھانے کا برتن لے آؤ۔ جب آپ نے برتن سے کپڑے وغیرہ کو ہٹایا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو حیران ہوئیں۔ پھر سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے میں برکت نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور کھانا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ جب آپ ﷺ نے کھانا دیکھا تو آپ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور پوچھا: اے میری پیاری بیٹی! یہ کھانا کہاں سے آیا‘ تو آپ نے عرض کی: اے میرے ابا جان!

"هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔''

نبی کریم ﷺ نے پھر حمد کی اور پھر کہا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَكِ شَبِيْهَةَ سَيِّدَةِ نِسَآءِ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ" ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جس نے تمہیں بنی اسرائیل کی ایک سردار عورت (مریم) کی طرح بنایا۔''

❶ روح المعانی‘ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ‘ ج 2‘ ص 140 .... تفسیر کبیر‘ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ‘ ج 8‘ ص 32

کیونکہ انہیں بھی جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا تو ان سے یہ پوچھا گیا کہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ بے شک جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے بغیر حساب کے' پھر آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے اہل بیت کو جمع کیا سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا اسی طرح موجود تھا جیسے پہلے تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ کھانا دوسرے پڑوسی گھروں میں بھی بھیجا۔ (1)

حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نعمت کے حاصل ہونے پر "الحمد للہ" پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر والدین کو ترجیح دے۔ اپنے پڑوسیوں کو بھی کھانے وغیرہ کی اشیاء بطور ہدیہ دی جائیں' اس سے محبت بڑھتی ہے۔ اس کھانے میں برکت نازل ہونا اور کھانے کا بڑھ جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کرامت ہے۔

اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ (سورۃ البقرہ 12:3)

"یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو' کہا: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما' بیشک تو ہی ہے سننے والا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کو دعا کرنے کا خیال کیوں آیا؟

اس کی چند وجوہ ہیں:

(1) آپ نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل عطا فرمائے ہیں' تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر چہ میری عمر بڑھاپے تک پہنچ چکی ہے اور میری زوجہ بھی بانجھ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مہربانی فرمادے تو کچھ بعید نہیں تو آپ نے اولاد کی دعا کی۔

(2) جب اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کی جگہ لڑکی کو قبول کر لیا تو اس پر بھی خیال آیا کہ بوڑھے کو جوان' اور بانجھ کو غیر بانجھ کا مقام عطا فرمادے تو یہ بھی اس کی رحمت کا ہی ایک حصہ ہوگا۔

(3) بیت المقدس کی خدمت کیلئے بڑوں کو قبول کیا جاتا تھا۔ جب ایک ننھی سی بچی کو قبول کر لیا گیا تو یہ بھی اس دعا بھی اس دعا کے لئے خیال کا سبب بنا کہ رب تعالیٰ جسے چاہے قبول کرلے۔

(4) جب حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلام کرنے کی طاقت عطا فرمائی جب بچے نہیں بولتے تو آپ کو خیال آیا کہ بے

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' ص 141/......... ومسند ابی یعلی

وقت اولاد عطا کرنا بھی اس کی اسی طرح مہربانی ہوسکتی ہے۔ ❶

خیال رہے کہ یہاں یہ مقصد نہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی قدرت میں پہلے یقین نہیں تھا بلکہ

"فَلَمَّا شَاهَدَ عَلِمَ أَنَّهُ إِذَا وَقَعَ كَرَامَةً لِوَلِيٍّ فَمَانَ يَجُوْزُ وُقُوْعُ مُعْجِزَةٍ لِنَبِيٍّ كَانَ أَوْلَى فَلَا جَرَمَ قَوِيَ طَمْعُهُ عِنْدَ مُشَاهِدِ تِلْكَ الْكَرَامَاتِ" "جب آپ نے ولی کی کرامات کا مشاہدہ کیا تو دل کی توجہ اس طرف واضح طور پر ہوگئی کہ نبی کا معجزہ تو اس سے بڑھ کر ہے ان کرامات کے مشاہدہ پر اولاد کی طمع بڑھ گئی توجہ زیادہ ہوگئی عرض کرنے کا خیال آ گیا۔"

﴿ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾ "پاکیزہ اولاد۔"

"ذریۃ" کا معنی نسل' یہ ایک اور جماعت' مذکر اور مؤنث پر بولا جاتا ہے۔ آپ کی دعا ایک مذکر بچے کے لئے تھی جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے آ رہا ہے "ذریۃ" کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے "طیبہ" لفظ مونث لایا گیا۔ دعا مونث کے لئے نہیں بلکہ مذکر کے لئے ہے۔

﴿إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ "بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔"

اگرچہ ظاہری طور پر تو یہی معنی ہے لیکن حقیقت میں مراد یہ ہے کہ تو ہی قبول کرنے والا اور کسی کو تو رسوا نہیں کرتا' جس طرح نمازی حضرات کہتے ہیں: "سمع اللہ لمن حمدہ" اس کا حقیقی مطلب یہ ہے: "قَبِلَ حَمْدَ مَنْ حَمِدَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" "مومنوں میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حمد قبول کرتا ہے۔" ظاہری معنی یہاں بھی "حمد" کا سننا ہے' وہ مراد نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مخفی دعا کرنا:

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَّلَمْ أَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝

(سورہ مریم 4:16)

"کھیعص' یہ ذکر ہے تیرے رب تعالیٰ کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی۔ جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا' عرض کی: اے میرے رب! میری ہڈی کمزور ہوگئی اور سر سفید ہوگیا بڑھاپے کی وجہ سے اور اے میرے رب! میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہ رہا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام' سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے تھے' بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد جو نبی تھے' وہ بیت

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' ص 144

المقدس میں وحی لکھا کرتے تھے۔آپ کی کوئی اولاد نہ تھی' اس لئے رب تعالیٰ سے دعاء کی۔آپ نے دعا رات کو یعنی قبولیت کے وقت میں کی' دعا مخفی طور پر کی تا کہ ریا کاری سے دور رہے اور اس میں کامل خلوص پایا جائے اور لوگ بھی یہ نہ کہیں کہ یہ بڑھاپے کی عمر میں اولاد کو مانگ رہا ہے اور یہ بھی خیال کیا تھا کہ اس دعا پر میرے موالی مطلع نہ ہوں دعا کرتے ہوئے پہلے اپنے عجز کا اظہار کیا کہ اے میرے اللہ تعالیٰ میرے ہڈی کمزور ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت مولنا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ ''العظم'' کا ہڈی کیا ہے اور دوسرے مترجمین نے ''ہڈیاں''۔ آپ کے ترجمہ پر لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے جس کا ذکر میں نے اپنے کتاب ''**تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان**'' میں کیا ہے' حقیقت میں یہی ترجمہ معتبر ہے۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَاِسْنَادُ ذَالِكَ اِلَى الْعَظْمِ لِمَا اَنَّهٗ عِمَادُالدِّيْنِ وَدَعَامُ الْجَسَدِ فَاِذَا اَصَابَهُ الضُّعْفُ وَالرِّخَاوَةُ تُدَاعِيْ مَا وَرَآءَهٗ وَتَسَاقَطَتْ قُوَّتُهٗ''

''وھن'' (ضعف وکمزوری) کی نسبت ''العظم'' کی طرف کی کیونکہ یہ صلب (ریڑھ) کی ہڈی ہی بدن کا ستون اور جسم کا ستون ہے۔جب اسے ضعف اور نرمی پہنچے تو تمام ہڈیوں کو ضعف پہنچتا ہے اور ان کی قوت زائل ہوجاتی ہے۔''

''وَاَفْرَدَ عَلٰى مَا قَالَهُ الْعَلَّامَةُ الزَّمَخْشَرِيُّ وَارْتَضَاهُ كَثِيْرٌ مِّنَ الْمُحَقِّقِيْنَ لِاَنَّ الْمُفْرَدَ هُوَ الدَّالُّ عَلٰى مَعْنَى الْجِنْسِيَّةِ وَالْقَصْدُ اِلٰى اَنَّ هٰذَا الْجِنْسَ الَّذِيْ هُوَ الْعَمُوْدُ وَالْقِوَامُ وَاَشَدُّ مَا تَرَكَّبَ مِنْهُ الْجَسَدُ قَدْ اَصَابَهُ الْوَهْنُ'' (1)

''لفظ ''العظم'' مفرد ذکر کیا ہے۔علامہ زمخشری اور کثیر محققین نے یہی پسند کیا ہے کہ مفرد معنیٰ جنسیت پر دلالت کررہا ہے مراد اس سے جنس ہے یعنی وہ جسے بدن میں ستون کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ بدن کا قوام ہے اور اس سے بدن کو قوت حاصل ہے' اس میں کمزوری آنے سے تمام بدن میں کمزوری حاصل ہوتی ہے۔''

مذکورہ بحث کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی فوقیت واضح ہوگئی۔

جب آپ علیہ السلام نے اپنی کمزوری پیرانہ سالی سر کے بالوں کے سفید ہونے کا ذکر کردیا' تو عرض کیا: میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصہ دراز سے اپنے لطف وکرم کا خوگر بنا دیا ہے۔جب کبھی میں نے کوئی سوال کیا تو نے رد نہ کیا' جو بھی میں نے مانگا تو نے عطا کیا' مجھے یقین ہے کہ حسب سابق اس خوگر لطف کی التجا بھی شرف قبول سے سرفراز ہوگئی۔ (2)

بچے کی تمنا کیوں؟

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 8' ص 59
(2) تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 66

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾

(سورہ مریم 4:16)

''اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے دے جو میرا کام اٹھا لے اور وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ کر۔''

''موالی'' جمع ہے ''مولیٰ'' کی اس کے کئی معنی ہیں: مددگار مالک صاحب چچازاد غلام رشتہ دار۔ یہاں مراد قرابت دار رشتہ دار ہیں۔ آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنے رشتہ داروں پر خوف ہے کہ وہ دین کے امور کو کامل طور پر سرانجام دے سکیں گے دین میں فساد پھیلائیں گے۔ اس لئے تو مجھے بچہ عطا فرما جسے منصب نبوت پر فائز کردے تاکہ وہ امور دین کی حفاظت کرسکے۔ اسے علم اور نبوت کا میرا اور اولادِ یعقوب میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کا جانشین بنا۔ یہاں وراثت سے مراد مال و دولت نہیں بلکہ علم اور نبوت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''نَحْنُ مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ''

''ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا ہم جو مال بھی چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَنْبِیَاءُ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ''

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 21 ص 184)

''علماء انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کا کوئی وارث دراہم دنانیر کا نہیں بلکہ ان کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔''

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾

(سورۃ البقرہ 12:3)

''فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ علیہ السلام کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا سردار اور ہمیشہ کیلئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خالص بندوں میں سے۔''

ملائکہ سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی یہ خوشخبری دینے والے جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ذکر جمع کا صیغہ ہے مراد مفرد ہے جیسا کہ......

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا (سورہ آل عمران 173:4)

''وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا۔''

......میں پہلے "الـنـاس" سے مراد نعیم الدین بن مسعود اشجعی اور دوسرے لوگوں سے مراد "ابوسفیان" ہے یعنی ذکر الناس کیا گیا ہے جس کا معنی "لوگوں" ہے۔لیکن مراد دونوں جگہ ایک ایک شخص ہے (یہاں واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں) آپ کو بشارت دینے کے لئے جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو آپ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھ رہے تھے۔

"فِي الْمِحْرَابِ اَیْ فِی الْمَسْجِدِ اَوْفِیْ مَوْقَفِ الْاِمَامِ مِنْهُ اَوْفِیْ غُرْفَةِ مَرْيَمَ" "محراب سے مراد مسجد یا امام مسجد کے کھڑے ہونے کی جگہ (آج کل کے محراب کی طرح اُس وقت محراب نہ ہوتے تھے) یا حضرت مریم علیہا السلام کے رہنے والا اونچا کمرہ۔"

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ "کنزالایمان" ان سب کو شامل ہے۔

آپ کو جس بیٹے کی بشارت دی گئی اس کے چند اوصاف بھی ذکر کیے گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔یہاں "کلمہ" سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے ہیں سب سے پہلے آپ ہی اسے تسلیم کرنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ سے ملاقات کی جو ان کی خالہ ہیں تو انہوں نے کہا: کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں حاملہ ہوں؟ تو مریم علیہا السلام نے کہا: "وَاَنَا اَيْضًا حُبْلٰى" اور میں بھی حاملہ ہوں۔تو حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ نے کہا: "فَاِنِّیْ وَجَدْتُ مَا فِیْ بَطْنِیْ یَسْجُدُ لِمَا فِیْ بَطْنِكِ" جو تمہارے پیٹ میں بچہ ہے میں نے اسے اپنے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرتے ہوئے پایا" یعنی میرا بچہ تمہارے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔

یہ واقعہ خواب کا ہے یا کشف کا اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

"**وسیدا**" آپ کو اللہ تعالیٰ نے سردار بنایا۔"سید" کے مختلف معانی ہیں: حلیم یعنی بردبار، مومنین کا سردار، دینی امور میں رئیس یعنی علم، حلم، عبادت و تقویٰ میں جسے سرداری حاصل ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم، فقیہ عالم، جس شخص پر غضب غالب نہ آسکے، لوگ جس کی طرف اپنی حاجات اور مصائب و آلام میں رجوع کریں اور وہ ان کی حاجات کو پورے کرے، حسنِ اخلاق کا مالک، شریف، اللہ تعالیٰ کی قضا پر رضامندی کا اظہار کرنے والا، متوکل، عظیم الہمت، وہ کسی پر حسد نہ کرے، ہر بھلائی کے کام میں اپنے ہم زمان لوگوں پر فوقیت رکھنے والا۔

"**حصورا**" اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ایک وصف عطا فرمایا۔"حصور" کا معنی ہے کہ اپنے نفس کو زیادہ سے زیادہ روکنے والا یعنی زہد اور تقویٰ کی وجہ سے آپ کو عورتوں کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی تھی۔اس شریعت

میں اللہ کی طرف زیادہ راغب رہنا اور نکاح نہ کرنا افضل تھا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں نکاح کرنا سنت ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔

خیال رہے کہ آپ کو رب تعالیٰ نے سیادت عطا فرمائی: اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آپ کو مخلوق کی بہتری، مصلحت اور تعلیمِ دین کی قدرت عطا فرمائی اور دوسری مخلوق کو ادب سکھانے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی طاقت عطا فرمائی اور آپ کو حصور بنایا یعنی آپ کو کامل زہد وتقویٰ عطا فرمایا۔ سیادت، زہد اور تقویٰ کے اجتماع کے بعد نبوت عطا فرمائی، ان دونوں چیزوں کے بعد اعلیٰ مقام نبوت کا ہی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے خود رکھا:

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ (سورۂ مریم 4:16)

"اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں، ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ بھی ہے، اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔"

ہر بچے کا نام اس کے والدین رکھتے ہیں اور وہ بھی پیدائش کے بعد، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کا نام رب تعالیٰ نے رکھا اور وہ بھی ایسا نام کہ آپ سے پہلے یہ نام کسی شخص کا بھی نہیں تھا۔

خیال رہے کہ "سَمِيًّا" کا ایک معنی نظیر، مثل بھی ہے یعنی ہم نے آپ سے پہلے کوئی شخص آپ کی مثل نہیں بنایا آپ کو عظیم تر زہد وتقویٰ حاصل ہوا۔●

آپ کا نام یحییٰ علیہ السلام کیوں رکھا؟

حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور بعض اوقات اسماء یا القاب میں ماخذِ اشتقاق کا کوئی خاص خیال نہیں کیا جاتا، لیکن مفسرین کرام نے بعض وجوہ بیان کی ہیں کہ اصل میں معنی "زندہ کرنا" ہے، اسی مناسبت سے نام میں وجوہ مذکور ہیں:

1. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ان کی والدہ کے بانجھ پن کو زندگی عطا فرمائی۔
2. حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو ایمان وطاعت عطا کر کے زندہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مطیع کو زندہ کہا ہے اور عاصی (نافرمان) کو مردہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ اور کیا مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا، یعنی کافر کو ایمان عطا کیا عاصی کو مطیع بنایا۔
3. آپ کو اللہ تعالیٰ نے نافرمانی اور نافرمانی کے ارادہ سے دور رکھ کر طاقت کی زندگی سے سرفراز کیا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ

● تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 21، ص 186

نے گناہوں اور عصیان کے ارادہ سے بھی دور رکھا۔

④ آپ کو شہادت کی زندگی عطا فرمائی کیونکہ شہداء اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔

⑤ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' تسلیم کیا تو اس ایمان کی وجہ سے آپ کے دل کو زندگی حاصل ہوئی۔

⑥ دین کو آپ کے ذریعے زندہ رکھا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دین کے قیام کے لئے ہی تو آپ کے لئے دعا کی تھی۔[1]

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت پر تعجب ہوا:

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝

(سورۃ آل عمران 3:12)

''عرض کی: اے میرے رب! میرا لڑکا کہاں سے ہوگا؟ مجھے تو پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ یوں ہی کرتا ہے جو چاہے۔ عرض کی: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی کردے۔ فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کر صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کر۔''

آپ کو جب بشارت دی گئی اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ کی عمر نوے سال تھی۔ یہی قول زیادہ معتبر ہے اگرچہ اور اقوال بھی ہیں۔ آپ نے بیٹے کے لئے دعاء بھی کی تھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ نبی کو رب تعالیٰ کی قدرت میں کبھی کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ پھر اس سوال کا کیا مطلب ہو سکتا ہے 'اے میرے رب! لڑکا کہاں سے ہوگا؟

اس سوال کا جواب علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"ذَالِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعْظَامِ لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالتَّعَجُّبُ الَّذِيْ يَحْصُلُ لِلْاِنْسَانِ عِنْدَ ظُهُوْرِ اٰيَةٍ عَظِيْمَةٍ"

''آپ کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عظیم سمجھتے ہوئے اور اس پر بطور تعجب تھا یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اسے کوئی بڑی نشانی حاصل ہو تو وہ تعجب کرتے ہوئے کہتا ہے ایسا بھی ہو جائے گا؟ انسانی سوچ سے بلند چیز کا حصول یقیناً متعجب کرتا ہے۔''

رب تعالیٰ نے جواب دیا: ﴿كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝﴾ ''یونہی اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب افعال کا وقوع پذیر ہونا اور عادت کے خلاف عجیب عجیب کام ہونے بعید نہیں، بڑھاپے کے حال میں اولاد عطا

[1] تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 21، ص 187-186

کرنا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ دوسرے مقام پر اسی سوال کا جواب ان الفاظ سے دیا:

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْـًٔا ﴿۹﴾ (سورۃ مریم 16:1)

''فرمایا: ایسا ہی ہے تیرے رب نے فرمایا وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا جب تو کچھ نہ تھا۔''

رب تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو '' کُنْ '' کہتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے بلکہ صرف ارادہ کرنا بھی کسی کام کے معرض وجود میں آنے کے لئے کافی ہے جو رب تعالیٰ تمہیں عدم سے وجود میں لایا' وہ تمہیں اولاد بھی عطا فرمادے گا۔ اس میں تعجب کرنے' حیران ہونے کی ضرورت نہیں اور یہ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں کہ تمہیں اولاد بڑھاپے کے حال میں ہی عطا کرے گا یا تمہیں جوان کر کے اولاد عطا کرے گا اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمہیں اپنے حال پر رکھتے ہوئے صاحب اولاد کر دے کیونکہ وہ تمہیں نیستی سے ہستی میں لایا اور جہاں تمہاری ذات موجود ہوئی وہاں تمہیں صفات بھی عطا ہوئیں۔ ❶

نشانی طلب کرنے کی وجہ:

آپ نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے کوئی ایسی علامات بتا کہ جن سے مجھے نطفہ کے قرار پکڑنے سے ہی پتہ چل جائے تا کہ میں تیری اس نعمت کے شکر بجالانے میں تاخیر نہ کروں اور مجھے جلدی ہی سرور بھی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم تین دن تک کلام نہ کر سکو گے' سوائے اشارہ کے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیحات نماز پڑھ سکو گے یعنی زبان صحیح ہو گی لیکن قدرتی طور پر لوگوں سے کلام کی طاقت نہ ہو گی' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿۱۰﴾ (سورۃ مریم 16:1)

''تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا چنگا ہو کر۔''

"خُصَّ ذٰلِكَ بِالتَّكَلُّمِ مَعَ النَّاسِ وَهٰذَا بِطَرِیْقِ الْمَفْهُوْمِ اَنَّهٗ كَانَ قَادِرٌ عَلَى التَّكَلُّمِ مَعَ غَیْرِ النَّاسِ"

''لوگوں کے ساتھ کلام نہ کر سکنے کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی طاقت رہے گی۔''

"اٰیَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ فِیْ هٰذِهِ الْمُدَّةِ مَعَ كَوْنِكَ سَوِیًّا لَمْ یُحْدِثْ بِكَ مَرَضٌ" ❷

''تم بالکل صحیح ہو گے زبان میں کوئی نقص بیماری نہ ہو گی' چنگے بھلے ہونے کے باوجود قدرتی طور پر لوگوں سے کلام نہیں کر سکو گے' بس یہی تمہارے لئے نشانی ہے۔ تم سمجھ لینا اب نطفہ قرار پا چکا ہے۔''

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 189 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 190

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ﴿﴾ (سورۃ مریم 1:16)

"تو اپنی قوم پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح وشام تسبیح کرتے ہو۔"

جب آپ کو لوگوں سے کلام کرنے کی طاقت نہ رہی آپ نے انہیں اشارہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صبح وشام تسبیح کرتے رہو اس کیفیت سے آپ کو پتہ چلا گیا کہ آپ کی بیوی حاملہ ہو چکی ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا:

یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ﴿﴾ (سورۃ مریم 1:16)

"اے یحییٰ! کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن میں ہی نبوت دی۔"

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعے آپ کو یہ حکم دیا۔ یہاں جس کتاب کا حکم دیا جارہا ہے اس سے مراد تورات ہے کیونکہ علیحدہ کوئی مستقل کتاب نہیں عطا کی گئی' جس میں حکم دیا گیا کہ تورات پر لوگوں کو عمل کرائیں۔

ابونعیم ابن مردویہ اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سات سال کی عمر میں عقل وفہم وافر مقدار میں عطا فرمائی اور عبادت گزار بنایا۔ ایک اور مرفوع روایت میں ذکر ہے کہ بچپن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لڑکوں نے کہا: ہمارے ساتھ کھیلنے کیلئے چلو تو آپ نے فرمایا: "اَللَّعْبُ خُلِقْنَا اِذْهَبُوْا نُصَلِّیْ" کیا ہمیں کھیلنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے چلو ہم نماز پڑھیں۔

﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ﴿﴾﴾ یہاں "الحکم" سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: حکمت' عقل' معرفت آداب' خدمت' فراستِ صادقہ۔ "وَقِیْلَ النُّبُوَّةُ وَعَلَیْهِ كَثِیْرٌ" بعض نے کہا: اس سے مراد نبوت ہے' یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

یحییٰ علیہ السلام پر رب تعالیٰ کے انعامات:

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِیًّا ﴿﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿﴾ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ﴿﴾ (سورۃ مریم 1:16)

"نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جانب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے اور خدمت گزار تھے اپنے والدین کے' اور وہ جابر اور سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بندوں پر مہربان بنایا اور انہیں اچھا بدلہ دینے والا بنایا' جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

رب تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپ ان کے لئے نرم دل ہوئے۔" اور آپ کو نفس کی پاکیزگی عطا فرمائی لیکن دینی احکام میں آپ نرمی نہیں فرماتے، جیسے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ "اور تمہیں ان (زانی وزانیہ) پر ترس نہ آئے اللہ تعالیٰ کے دین میں۔"

یہ معنی بھی ممکن ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر مہربان بنایا اور گناہوں سے دور رکھا ہو، نہ انہوں نے کوئی گناہ کیا اور نہ ہی کسی گناہ کا ارادہ کیا اور یہ معنی بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت تھی اور مزید آپ کو نفس کی پاکیزگی عطا کر کے مشرف بنایا۔

﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ "اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے۔"

"لَا عِبَادَةَ بَعْدَ تَعْظِيْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِثْلُ تَعْظِيْمِ الْوَالِدَيْنِ" "اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے بعد والدین کی تعظیم جیسی کوئی اور عبادت نہیں۔"

اسی لئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (سورہ بنی اسرائیل 3:15) "آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔"

﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ "اور وہ جابر اور سرکش نہ تھے۔"

یعنی آپ میں تواضع اور نرم دلی پائی جاتی تھی اور یہی سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (سورۃ آل عمران 9:4) "اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔"

سب سے اعلیٰ عبادت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ میں گھٹیا ہوں اور ذات باری کو پہچانے کہ وہ عظیم ذات ہے:

"وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ وَعَرَفَ رَبَّهٗ بِالْكَمَالِ كَيْفَ يَلِيْقُ بِهِ التَّرَفُّعُ وَالتَّجَبُّرُ" "جس شخص نے اپنے آپ کو حقیر سمجھا اور رب کو عظیم اور باکمال سمجھا وہ کبھی تکبر نہیں کر سکتا۔"

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پیدائش کے دن شیطان سے محفوظ رکھ کر سلامتی عطا فرمائی اور موت کے دن قبر کے عذاب سے بچا کر آپ کو سلامتی سے سرفراز کیا جائے گا۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: کہ مخلوق تین اوقات میں نہایت وحشت میں ہوتی ہے یعنی بہت ہی گھبراہٹ میں مبتلا ہوتی ہے:

① ''پیدائش کے دن'' جب شکمِ مادر سے خروج ہوتا ہے تو انسان کو بہت پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ پتہ نہیں اب میرے لئے نیا مقام کیسا ہوگا؟

② پھر جب وہ فوت ہوتا ہے تو ایسی قوم کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی ہوتی' یہ حالت بھی اس کے لئے ہیبت ناک ہوتی ہے۔

③ پھر جب اسے قیامت کو اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو عظیم محشر میں پائے گا تو اس سے بھی وہ نہایت خوفزدہ ہوگا۔

لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان تینوں مواقع میں سلامتی کا مژدہ سنا دیا گیا کہ تمہیں ان مقامات میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ فرمایا' آپ کے اوصاف ذکر فرمائے' آپ پر سلام بھیجا۔ بفضلہٖ تعالیٰ امت مصطفیٰ ﷺ بھی آپ کے میلاد کو اسی طرح بیان کرتی ہے' جو قرآن کے مطابق ہے۔ سبحان اللہ! میرے نبی کریم ﷺ کا معجزہ کیسے ثابت ہے؟ اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ....

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾ (سورۃ الضحیٰ:30) ''اور بیشک ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔''

......کس آب وتاب سے جگمگا رہا ہے کہ جو لوگ پہلے میلاد النبی ﷺ کے لفظ سے ''الرجک'' تھے' اب وہ بھی ذکرِ ولادت کانفرنسیں کرنے لگے۔ ''سیرت سیرت'' کی رٹ لگانے والے شاید ترمذی شریف میں ''باب میلاد النبی ﷺ'' کو نہیں دیکھ سکے تھے؟ پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ جنہوں نے ....﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾...... میں آپ کی رحمت کو صرف اس جہان کے لئے خاص کر دیا تھا' وہ بھی ''رحمۃ للعالمین کانفرنس'' کر کے آپ کو سب جہانوں کے لئے رحمت ماننے لگے۔ ماشاء اللہ! اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق ان لوگوں کا کام کرنا اس بات پر قوی دلیل ہے کہ مسلک اہل سنت ہی حق ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت:

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ آپ کی زندگی بتاتی ہے آپ نے حکمِ خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جا جا کر لوگوں کو پیغام حق سنایا اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔ بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہِ حق پر آ گئے۔ فسق وفجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد وتقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ قوم کے ہر طبقہ کو آپ نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔

علمائے بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہو گئے تھے کہ احکامِ الٰہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا اور بڑے درشت لہجہ میں انہیں فرمایا:

''اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا ہے کہ آنے والے غضب سے بھاگو، پس توبہ کے موافق حل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔'' (متی باب ۱۳ آیت ۸،۱۰)

آپ کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی دربار بھی آپ کے نعرۂ حق سے لرزہ براندام تھا۔ بادشاہِ وقت ''ہیرودیس'' نے اپنے بھائی فلپ کی منکوحہ بیوی ''ہیرودیاس'' کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ آپ نے اس کو برملا جا کر کہا: اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھ کو روا (جائز) نہیں۔ انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

''پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا اور ایک موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا: جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا اور اس سے قسم کھائی جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا: کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا: یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر۔ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی: میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے بادشاہ بہت غمگین ہوا اور اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے انکار نہ کرنا چاہا' پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔'' (مرقس باب ٦ آیت ١٩،٢٨)

اس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا سر کٹا کر اپنے رب تعالیٰ کے اس فرمان: {یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ} کی تعمیل کا حق ادا کیا۔●

● تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 70-69

حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا گیا:

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بادشاہ کے ظلم و ستم سے بچنے کیلئے شہر سے باہر جانے کا رخ کیا۔ بادشاہ نے اسی فاحشہ عورت کے کہنے پر آپ کو پکڑنے کے لئے بھی اپنے سپاہیوں کو بھیجا آپ نے اپنی جان بچانے کے لئے درخت کے تنے میں چھپا لیا جو اندر سے خالی تھا۔

"فَوَجَدَ فِیْ جَوْفِ شَجَرَةٍ فَفَلَقُوا الشَّجَرَةَ مَعَهٗ فَلَقَتْهُنٌ طُوْلًا بِمِنْشَارٍ" "آپ کو درخت کے اندر سے خالی تنے میں جب پایا گیا تو ان لوگوں نے درخت کو اوپر سے نیچے آرے سے کاٹ دیا۔"

یعنی اس طرح آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ خیال رہے کہ جان کی حفاظت کا وعدہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالیٰ نے فرمایا: { وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ } "اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔" اور دوسرے رسولوں سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ تم اتنے بڑے لوگوں کی مخالفت کے باوجود میرے احکامات ان تک پہنچا سکو گے' تمہارے دلائل کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور تمہارے بدلے میں ان کے کئی آدمیوں کو قتل کرا دوں گا۔ جب دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو لوگوں سے بچائے رکھنے کا وعدہ نہ فرمایا تو ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سورۃ البقرہ 61:1) "وہ (بنی اسرائیل) انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے۔"

یعنی وہ خود بھی سمجھتے کہ ہم ظلم کر رہے ہیں' ہمیں قتل کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا "بیشک ہم اپنے رسولوں کی امداد کرتے ہیں۔" یعنی دلائل و حجت اور ظاہری غلبہ میں۔ [1]

حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

(سورۃ آل عمران 13:3)

"اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا۔ اے مریم! اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس کے لئے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر۔"

آیت کریمہ میں ملائکہ کا ذکر ہے لیکن مراد صرف "جبرائیل علیہ السلام" ہیں کیونکہ سورۃ مریم میں آپ سے کلام کرنا

[1] تفسیر روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 1' حصہ اول' ص 277

جبرائیل علیہ السلام کا ہی ثابت ہے۔

"وَهٰذَا وَاِنْ كَانَ عَدُوْلًا عَنِ الظَّاهِرِ اِلَّا اَنَّهٗ يَجِبُ الْمَصِيْرُ اِلَيْهِ" ● "یہ جمع کے صیغہ سے مفرد والا معنی لینا اگرچہ ظاہر سے عدول ہے مگر اس معنی کی طرف پھیرنا ضروری ہے۔"

حضرت مریم علیہا السلام کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں: "اصطفاء" چن لینا۔ "التطہیر" پاک ستھرا کرنا اور "الاصطفاء علی نساء العالمین" جہاں کی عورتوں پر پسند کرنا۔

پہلی صفت کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی مؤنث کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے اجازت نہیں تھی' صرف آپ کو ہی اس مقصد کے لئے چن لیا گیا تھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو دودھ نہیں پلایا تھا' بلکہ پیدا ہوتے ہی بیت المقدس میں حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو جنت کے کھانے عطا کر کے خصوصیت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت کے لئے چن لیا اور اسی وجہ سے آپ پر مختلف قسم کی مہربانیاں کیں اور ہدایت سے نوازا اور آپ کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا۔ آپ کی معیشت کا معاملہ بغیر ظاہری اسباب کے اپنے قبضۂ قدرت میں لیا۔ آپ کو ہمیشہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل رہا' کسب معیشت کی ضرورت نہ رہی۔ فرشتے کا کلام آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست سننے کی توفیق عطا فرمائی جو کسی دوسری عورت کو میسر نہ ہوئی۔

دوسری صفت یعنی آپ کو "پاک' ستھرا" بنایا۔ اس کی بھی چند وجوہ ہیں: کفر و معصیت سے آپ کو پاک رکھا اور آپ کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا اور آپ کو حیض سے پاک رکھا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے آپ کو حیض نہیں آتا تھا اور آپ کو برے افعال اور بری عادات سے پاک رکھا اور آپ کو یہودیوں کی تہمت' جھوٹ اور ان کی چہ میگوئیوں سے بری فرمایا۔ ●

"وَالْاَوْلٰى الْحَمْلُ عَلَى الْعُمُوْمِ اَیْ طَهَّرَكِ مِنَ الْاَقْذَارِ الْحِسِّيَّةِ وَالْمَعْنَوِيَّةِ وَالْقَلْبِيَّةِ وَالْقَالَبِيَّةِ" ● "بہتر یہ ہے کہ معنی عام ہی مراد لیا جائے یعنی آپ کو حسی اور معنوی اور جسمانی تمام عیوب سے پاک بنایا۔"

تیسری صفت آج سارے جہان کی عورتوں پر تجھے پسند کیا' اس مسئلہ میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں:

حضرت مریم علیہا السلام جہان کی تمام عورتوں کی سردار ہیں یا کہ آپ کو حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پر فضیلت حاصل نہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ "آج" بڑھا کر اپنا مختار قول بیان کر دیا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنے زمانہ میں تمام عورتوں پر افضلیت حاصل تھی' ہر زمانہ میں ہر عورت پر فضیلت حاصل نہیں۔ یہی قول اسی آیت کے تحت محشی جلالین کا بھی ہے وہ فرماتے ہیں:

● تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 45 ● تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 45

● روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2 حصہ دوم' ص 155

''آپ کو بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کا عطا ہونا اگرچہ آپ کی خصوصیت ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس فضیلت کی وجہ سے ان کو مطلقاً فضیلت حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما پر حاصل ہو جائے' اگرچہ فضیلت مخصہ ان دونوں کو حاصل نہیں۔''

"لٰكِنْ فَضَائِلُهُمَا كَثِيْرَةٌ وَارِدَةٌ فِي الْاَحَادِيْثِ لَا يُوْجَدُ مِنْهَا شَيْءٌ فِيْ مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَفَاطِمَةُ وَعَائِشَةُ اَفْضَلُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْمُحَقِّقِيْنَ الْعُلَمَاءِ" ❶

''لیکن ان دونوں کے فضائل کثیر ہیں' جو احادیث میں مذکور ہیں' وہ فضائل حضرت مریم علیہا السلام کو حاصل نہیں اس لئے فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کو تمام جہان کی ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت آنے والی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے یہی محققین علمائے کرام کا مذہب ہے۔''

حضرت مریم علیہا السلام کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا تا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور مراتب کی بلندی حاصل ہو سجدہ کا حکم رکوع سے پہلے دیا اس لئے کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں آتی یعنی ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ ادا بھی پہلے کیا جائے' البتہ پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نماز کے تمام ارکان میں سے سجدہ افضل ہے اس کی فضیلت کے پیشِ نظر ذکر پہلے کر دیا گیا ہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دے کر یہ کہا گیا ہے کہ نماز جماعت سے ادا کرو اور اس مسئلہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جس شخص نے امام کے ساتھ رکوع میں نماز کو پالیا اسے وہ رکعت مل گئی۔

اعتراض: حضرت مریم علیہا السلام کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم کیسے دیا گیا حالانکہ وہ ایک جوان لڑکی تھیں؟

جواب: یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اپنے حجرہ میں نماز جماعت سے ادا کرتی ہوں' یہ بھی ممکن ہے کہ آپ باپردہ ہو کر مردوں کی صف سے علیحدہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیت المقدس کے تمام خدام آپ کے اقرباء ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی کفالت کا ہر شخص تقاضا کر رہا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کے وقت اور عورتیں بھی حاضر ہوتی ہوں تو آپ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہوں۔ ❷

حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام کا آنا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

''بیان کیجئے کتاب میں مریم علیہا السلام (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا' پس بنا لیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ' پھر ہم نے بھیجا

---

❶ حاشیہ جلالین' ص 51' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2 حصہ دوم' ص 157

اس کی طرف اپنے جبرائیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔" (سورۃ مریم 5:16)

حضرت مریم علیہا السلام نے تمام سے علیحدہ ہو کر بیت المقدس کی شرقی جانب کو اختیار کیا۔ "اَلتَّخَلِّیْ هُنَاكَ لِلْعِبَادَةِ" تاکہ عبادت کے لئے آپ کو خلوت حاصل ہو سکے۔ اسی وجہ سے آپ نے علیحدہ پردہ کو بھی اختیار کیا کہ کوئی آپ کی عبادت میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ مشرقی جانب کو اختیار کرنا ہو سکتا ہے صرف اتفاقاً ایسا ہوا ہو' کوئی خاص ارادہ نہ ہو۔ "وَكَوْنُهٗ شَرْقِيًّا كَانَ اِتِّفَاقِيًّا"

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں القاء کیا ہو کہ مشرقی جانب کو اختیار کرو کیوں:

"وَقَدْ عُلِمَ سُبْحَانَهٗ اَنَّهٗ حَانَ ظُهُوْرُ النُّوْرِ الْعِيْسَوِيِّ مِنْهَا فَنَاسَبَ اَنْ يَّكُوْنَ ظُهُوْرُ النُّوْرِ الْمَعْنَوِيِّ فِيْ جِهَةِ ظُهُوْرِ النُّوْرِ الْحِسِّيِّ"

"اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی' ابدی کی وجہ سے مناسب یہی سمجھا کہ یہ نورِ عیسوی کے ظہور کا وقت ہے' اس لئے مناسب یہی ہے کہ نورِ معنوی کا ظہور نورِ حسی کے ظہور کے بالکل سامنے ہو۔"

جن حضرات کا قول یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حیض سے پاک تھیں یعنی ان کو حیض نہیں آتا تھا ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مقصد یہی ہے' جو بیان کیا جا چکا ہے۔ کچھ حضرات کا قول یہ ہے کہ آپ کو حیض آتا تھا آپ مسجد کی خدمت کے لئے وقف تھیں' مسجد میں ہی رہتی تھیں لیکن حیض کے دنوں میں اپنی خالہ کے گھر (جو حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ تھیں) آجاتی تھیں۔ اور جب حیض سے پاک ہو جاتیں تو مسجد میں لوٹ آتی تھیں۔ آپ کو حیض کے بعد غسل خانہ میں جاتے ہوئے ایک شخص نظر آیا' جو بڑا وجیہ تھا' چمکدار' خوبصورت اس کا رنگ تھا اور اس کے گھنگریالے بال تھے' یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

"فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا" "ہم نے اس کی طرف روح الامین (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا۔"

چونکہ جبرائیل علیہ السلام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لاتے رہے' جو دین کے احیاء کا سبب بنتی رہی' اس لئے آپ کو روح کہہ دیا گیا چونکہ آپ بھی بذریعہ وحی احیائے دین کا ذریعہ بنے۔ جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس کامل انسانی شکل میں تھے۔

"لَمْ يَفْقِدْ مِنْ حِسَانِ نُعُوْتِ الْاٰدَمِيَّةِ شَيْئًا" "یعنی انسانی اوصاف سے کوئی بھی آپ میں کمی نظر نہیں آتی تھی بلکہ کامل انسان نظر آتے تھے۔"

خیال رہے کہ جبرائیل علیہ السلام کامل بشر نظر آنے کے باوجود بھی نور تھے' جبرائیل علیہ السلام حقیقت میں نور اور ظاہر میں بشر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور اور ظاہر میں بشر ہوں' تو اس میں کون سی مشکل درپیش ہے؟ بات صرف ایمان کی ہے۔ [1]

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ اول' ص 75

حضرت مریم علیہا السلام کا خوف:

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ ''بولی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے ڈر ہے۔''

ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر آپ پر خوف طاری ہو گیا کہ معلوم نہیں یہ انسان میرے پاس کہاں سے کس ارادہ سے آ گیا؟ فوراً کہا: خدا کی پناہ! اگر تو متقی شخص ہے' رب کا تجھے کوئی خوف ہے' تو دور ہو جا! میرے پردہ میں خلل انداز نہ بن!

جبرائیل علیہ السلام کا تسلی دینا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (سورۃ مریم 5:16) ''بولا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔''

جبرائیل علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوں اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام '' لِيَزُوْلَ عَنْهَا ذَالِكَ الْخَوْفُ'' کو خوف زائل ہو جائے یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور کا مالک بنا کر اور تمہاری مصلحت کا ناظر بنا کر بھیجا ہے' جو تم نے مجھ پر شر کا وہم کیا ہے وہ مجھ سے کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے رب کی پناہ طلب کی تو جبرائیل علیہ السلام نے مسکرا کر کہا میں تمہاری قمیص میں پھونک مار کر تمہیں پاکیزہ اور ستھرا بیٹا دینے کیلئے آیا ہوں یعنی ایسا بیٹا عطا کرنے کے لئے جو گناہوں کی آلودگی سے پاک و صاف ہوگا اس کے نیک اعمال میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا اور مقام نبوت پر فائز ہوگا۔ ❶

فائدہ: حقیقت میں فرزند عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کیونکہ اس عطا کا سبب اور ذریعہ ہے' اس لئے بطور مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر کسی نعمت کے ملنے کو اس کے ذریعہ اور واسطہ کی طرف منسوب کیا جائے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت درست ہے' اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا' جس طرح آج کل بعض متشدد خیال کرتے ہیں۔ ❷

حضرت مریم علیہا السلام کی حیرت اور بڑھ گئی:

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ (سورۃ مریم 5:16) ''بولی: میرا لڑکا کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔''

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 196 .... روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ اول' ص 77

❷ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 73

وَكَأَنَّهَا عَلَيْهَا السَّلَامُ مِنْ فَرْطِ تَعَجُّبِهَا وَغَايَةِ اسْتِبْعَادِهَا لَمْ تَلْتَفِتْ إِلَى الْوَصْفِ فِي قَوْلِ الْمَلَكِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ●

''آپ کو یہ سن کر اتنا زیادہ تعجب ہوا اور آپ نے اسے عقل سے بعید سمجھتے ہوئے یہ کہا: میرا بیٹا کیسے ہوگا؟ آپ کو حیرانگی کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں رہی کہ مجھے ایک فرشتہ کہہ رہا ہے کہ میں تمہیں ایک ستھرا بیٹا دینے کے لئے آیا ہوں۔''

آپ نے یہی سمجھا کہ بیٹا تو عام عادت کے مطابق ہی پیدا ہوسکتا ہے یا تو جائز نکاح سے یا بدکاری سے نیز آپ عبادت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس طرف توجہ ہی نہ کرسکیں کہ رب کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جواب:

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

(سورۃ مریم 5:16)

''کہا: یونہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور اس کام کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔''

بغیر باپ کے بیٹے کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہوگا اس کی قدرت کے سامنے کوئی مشکل نہیں اور اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنایا جارہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کو سمجھیں اور یہ لوگوں کی راہنمائی کے لئے رب کی عظیم رحمت ہے اور رب کے علم ازلی کے مطابق اسے لوحِ محفوظ پر لکھا جاچکا ہے اس فیصلہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ ●

سورۃ آلِ عمران میں اسی سوال کا جواب یہ دیا:

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾

(سورۃ آل عمران 13:3)

''فرمایا: بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو فوراً ہو جاتا ہے۔''

فائدہ: ایک چیز یہاں قابلِ غور ہے حضرت زکریا علیہ السلام کی حیرانی کے موقع پر فرمایا: {يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ} ''اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے'' اور حضرت مریم علیہا السلام کی حیرانی کے تعجب کو دور کرنے کے لئے فرمایا: {اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ} ''اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے'' جواب میں یہ تفاوت (فرق) کیوں؟ اس تفاوت کی وجہ سمجھنے کے لئے ''فعل'' اور ''خلق'' کا معنوی فرق ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے:

● روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9' حصہ اول' ص 78 ● روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9' حصہ اول' ص 78

"لَفْظُ الْفِعْلِ يَسْتَعْمِلُ كَثِيْرًا فِيْمَا يَجْرِيْ عَلٰى قَانُوْنِ الْاَسْبَابِ الْمَعْرُوْفَةِ وَلَفْظُ الْخَلْقِ يَسْتَعْمِلُ فِي الْاِبْدَاعِ وَالْاِيْجَادِ"

(المنار)

"یعنی ایسے واقعات جو اپنے اسباب کے پائے جانے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں انہیں عام طور پر لفظ "فعل" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو واقعات ظاہری اسباب کے بغیر رونما ہوتے ہیں ان کی تعبیر عام طور پر لفظ "خلق" سے کی جاتی ہے۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت چونکہ ماں باپ کی وجہ سے تھی اور یہی ولادت کا سبب عادی (عادت کے مطابق) ہے اسلئے وہاں فرمایا: "یَفْعَلُ اللّٰهُ" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت صرف ماں سے ہوئی اور والد جو سبب عادی ہے مفقود تھا (یعنی نہیں تھا) اسلئے لفظ "خلق" سے بیان کیا ("یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ" کہا) ❶

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکمِ مادر میں:

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا

(سورۃ مریم 5:16)

"پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔"

حضرت مریم علیہا السلام بنی اسرائیل میں نیک زاہدہ مشہور تھیں اور سب کو یہ علم تھا کہ آپ والدہ نے نذر مانی جو قبول کر لی گئی آپ کی تربیت میں انبیاءِ کرام، صلحا حریص تھے۔ وہ کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوئی، آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق آتا رہا۔ ان واقعات کی شہرت کے پیشِ نظر آپ کو بہت پریشانی لاحق ہوئی کہ میں رب کی اس قدرت سے لوگوں کو کیسے مطمئن کروں گی؟ لوگ میری بات کیسے مانیں گے؟ اسی وجہ سے آپ نے بیت المقدس کے حجرہ کو چھوڑ کر علیحدہ دور و دراز جگہ اختیار کیا تا کہ وقتی طور پر کوئی مطلع نہ ہو سکے۔ ❷

دردِ زہ کے وقت پریشانی میں اضافہ:

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

(سورۃ مریم 5:16)

"پس لے آیا انہیں دردِ زہ (پیدائش کے وقت کا درد) ایک کھجور کے تنے کے پاس (بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں: کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔"

"اجاء" منقول ہے "جاء" سے لیکن صرف لے آیا، پہنچانا معنی مقصود نہیں ہوتا، اس کے لئے لفظ "بَلَّغَنِيْهِ" یا "اَبْلَغَنَهٗ" استعمال ہوتے ہیں جب کسی کو کہیں جانے کے لئے مجبور کر دیا جائے، اس وقت لفظ اجاء استعمال ہوتا ہے یعنی آپ کو

❶ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 1، ص 230 ❷ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 21، ص 202

دردِ زہ کی تکلیف کی وجہ سے جو حسرت حاصل تھی اس نے ایک کھجور کے درخت کے پاس آنے کے لئے مجبور کر دیا تھا اور

يَحْتَمِلُ لِلتَّسَتُّرِ بِهَا مَنْ يَخْشٰى مِنْهُ الْقَالَةَ اِذَا رَاٰهَا "اس وجہ سے بھی آپ نے کھجور کے درخت کا رخ کیا تا کہ باتیں کرنے والوں سے پردہ پوشی رہے۔"

زیادہ یہی فکر دامن گیر تھا۔ تفسیر کشاف میں ذکر کیا گیا ہے کہ کھجور کا درخت صرف تنا تھا اوپر سے کاٹا ہوا خشک تھا اور پھل بھی نہیں دیتا تھا البتہ درخت اتنا مشہور تھا کہ صرف "جِذْعِ النَّخْلَةِ" کہنے سے یہی مراد ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج کر ان کے گریبان میں پھونکنے کا حکم دیا۔ حضرت مریم علیہا السلام کو بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹا عطا کرنا ہے تمہیں اور تمہارے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنانا ہے' وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ لیکن پھر بھی آپ کہہ رہی ہیں يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا کاش! میں اس پہلے مر چکی ہوتی۔ آخر اتنی بے قراری کی کیا وجہ تھی؟ وجہ واضح ہے کہ یہ احساس تیز تر ہو گیا کہ اب تک لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی اور اب بچہ بھی پیدا ہو گیا تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ شدت' بے چارگی اور درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ گئے۔ رب پر کوئی شکوہ نہیں تھا بلکہ لوگوں کی طعنہ زنی کی فکر تھی اور زیادہ تر نا سمجھ لوگوں کو سمجھانے کی فکر تھی' نیز رب سے خوف کی حالت میں اس طرح کے الفاظ صالحین سے ادا ہوتے رہے ہیں' جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے پرندے! تو کتنا ہی خوش بخت ہے کہ درخت پر بیٹھ کر اس کا پھل کھا رہا ہے۔ وَدِدْتُ اِنِّيْ ثَمَرَةٌ يَنْقُرُهَا الطَّائِرُ کاش! میں بھی کوئی پھل ہوتا کہ مجھے پرندے کھا جاتے۔ آپ کا یہ کلام خوفِ الٰہی کی وجہ سے تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھاس کا ایک تنکا ہاتھ میں لیا اور فرمایا: يٰلَيْتَنِيْ هٰذِهِ التِّبْنَةُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اَكُ شَيْئًا' کاش! میں بھی گھاس کا ایک تنکا ہی ہوتا کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا۔" آپ کا یہ ارشاد بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یومِ جمل میں فرمایا: يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا عَشْرَ سِنِيْنَ کاش! میں آج سے دس سال قبل مر چکا ہوتا۔ آپ کا یہ کہنا ظاہری فتنہ سے پریشانی کی وجہ سے تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَيْتَ بِلَالًا لَمْ تَلِدْهُ اُمُّهٗ' کاش! بلال کو اس کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ آپ نے اس کلام سے اپنے کمال عجز کا اظہار کیا ہے۔ ❶

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا پھر بھی آپ اس قسم

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 203 .... تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 74

کے الفاظ اپنی زبان پر لا رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ:

"اِسْتِحْيَاءً مِنَ النَّاسِ وَخَوْفًا مِنْ لَائِمَتِهِمْ" "لوگوں سے شرم کے مارے اور ان کی ملامت کرنے کے خوف کے پیش نظر آپ کی یہ بے قراری تھی۔"

اور دوسری وجہ یہ تھی:

"حَذَرًا مِنْ وُقُوعِ النَّاسِ فِي الْمَعْصِيَةِ بِمَا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهَا" "کہ آپ کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ بچے کی پیدائش پر لوگ میرے متعلق جھوٹا کلام کرنے اور مجھ پر بہتان لگانے کی وجہ سے گناہگار ہوں گے۔"

سبحان اللہ! کتنا عظیم تقوی ہے کہ فکر بھی لاحق ہے تو ان لوگوں کی جن سے خدشہ ہے کہ وہ تہمت لگائیں گے اور اس فعل کی وجہ سے گناہگار ہو جائیں گے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دل دشمنان رانکردند تنگ

میں نے سنا ہے کہ راہِ خدا کے مرد (نیک لوگ) دشمنوں کے دل بھی تنگ نہیں کیا کرتے۔

اس قسم کی صورت میں موت کی تمنا جائز ہے البتہ مرض، فاقہ، دشمن کے مظالم، دنیا کے مصائب آلام سے تنگ آ کر موت کی تمنا منع ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ فَإِنْ كَانَ لَابُدَّ مُتَمَنِّيًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ" "کوئی شخص موت کی تمنا تکالیف کی وجہ سے نہ کرے۔ اگر کوئی موت کی تمنا ضرور کرنا ہی چاہتا ہے تو یہ کہے: اے اللہ تعالیٰ! مجھے زندہ رکھ اگر میرے لئے میری زندگی بہتر ہے اور مجھے موت عطا کر اگر میرے لئے میرا مرنا بہتر ہے۔"

خیال رہے کہ اگر کسی شخص نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق یہ گمان کیا کہ انہوں نے دردِ زہ یا اور دنیاوی تکالیف کے پیش نظر موت کی تمنا کی تھی "فَقَدْ اَسَاءَ الظَّنَّ" تو اس نے برا گمان کیا۔ [1]

کھانے پینے کا انتظام اور مزید تسلی:

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ "تو اسے اس کے نیچے سے پکارا کہ غم نہ کھا، بیشک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہا دی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی، تو کھا اور پی اور

[1] روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 حصہ اول، ص 82

نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا
(سورۃ مریم 5:16)

آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے آج رحمٰن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔

آپ کو وادی کے نشیب سے آواز آئی: تم غم نہ کرو! ہم نے تمہاری جگہ سے نشیبی جگہ کی طرف ایک نہر بہادی جو تمہارے حکم کے ماتحت ہوگی (جبرائیل علیہ السلام نے پاؤں کی ٹھوکر ماری تو یہ نہر جاری ہوئی یا عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد ایڑی رگڑی تو اس سے جاری ہوئی) کھجور کا خشک تنا' جس کا سر کٹا ہوا ہے' موسم بھی سردیوں کا ہے' وہ ان حالات میں اگرچہ پھل نہیں دیتا لیکن تم اسے اپنی طرف ہلاؤ تو وہ تمہیں پکی ہوئی تازہ کھجوریں دے گا۔ کھاؤ اور پیو یعنی کھجوریں کھاؤ' جو پیدائش کے وقت زچہ اور بچہ دونوں کے لئے بہت مفید غذا ہے اور جاری شدہ چشمہ سے پانی پیؤ اسی سے اندازہ لگا لو کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے کھانے اور پینے کا انتظام فرمادیا ہے اسی طرح وہ خطرات جو تمہارے ذہن میں آرہے ہیں وہ بھی زائل کردے گا۔ تمہارے نفس کو اطمینان حاصل ہوگا' آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی' اس لئے حکم دیا نفس کو مطمئن رکھو اور آنکھوں کو ٹھنڈا رکھو:

"فَاِنَّ الْعَيْنَ اِذَا رَاَتْ مَا يَسُرُّ النَّفْسَ سَكَنَتْ اِلَيْهِ"

"بیشک آنکھ جب اس چیز کو دیکھتی ہے جس سے نفس کو خوشی حاصل ہوتی ہو تو اس سے آنکھ کو بھی سکون ملتا ہے۔"

ابن زید سے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: "لَا تَحْزَنِيْ" "غم نہ کھا!" آپ نے کہا: کیسے غم نہ کھاؤں' جب تم میرے ساتھ ہو گے۔ میرا خاوند کوئی ہے نہیں اور میں کسی کی لونڈی بھی نہیں' لوگوں کے سامنے کیا عذر پیش کروں گی؟ کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اَنَا اَكْفِيْكَ الْكَلَامُ "میرا کلام ہی تمہیں کفایت کر جائے گا۔" رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب تم بچے کو ساتھ لے کر جاؤ تو کوئی بھی تمہیں ملے تو تم اشارے سے اسے بتانا کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے کہ رب تعالیٰ کی رضامندی کے لئے روزہ رکھوں گی اور کسی آدمی سے کلام نہیں کروں گی:

"وَاِنَّمَا اُمِرَتْ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِذٰلِكَ عَلٰى مَا قَالَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ لِكَرَاهَةِ مُجَادَلَةِ السُّفَهَاءِ وَالْاِكْتِفَاءِ بِكَلَامِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّهُ نَصٌّ قَاطِعٌ فِيْ قَطْعِ الطَّعْنِ" ❶

"آپ کو یہ حکم دیا گیا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کئی اہل علم حضرات نے بیان کیا کہ بے وقوفوں سے آپ کو کلام کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام خود ہی کلام کر کے ان کے طعنوں کا جواب دیں' آپ کا کلام کرنا اور انہیں جواب دینا طعنوں کے ختم کرنے میں نص قطعی کا درجہ اسے حاصل ہوگا۔"

واپسی پر لوگوں کی طعنہ زنی:

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2 حصہ اول' ص 87' 86

"فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝" "تو اسے گود میں لئے اپنی قوم کے پاس آئیں انہوں نے کہا: اے مریم علیہا السلام! بیشک تو نے بہت ہی برا کام کیا ہے' اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔"

(سورۃ مریم 5:16)

آپ جب چلنے پھرنے کے قابل ہوگئیں تو اپنے فرزند دلبند کو گود میں اٹھا کر اپنے گھر لوٹیں' جب کنبہ والوں نے دیکھا کہ کنواری مریم بچہ اٹھائے آرہی ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا ہوگا (روح المعانی میں ہے: "فَتَبَاكَوْا" انہوں نے رونا شروع کر دیا) اور فرطِ خجالت (بہت زیادہ شرمندگی) سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے ہوں گے۔ یا مریم...... الخ۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں تو بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہوگئی۔ ملامت کرنے کے لئے مرد وزن (مرد اور عورتیں) دوڑے آئے' ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو وہ سوکھ گیا۔ ایک مرد نے کہا "یہ تو زنا کارہ ہے" تو وہ گونگا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کسی کو مارنے یا برا بھلا کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور بڑے نرم انداز میں اتنا ہی کہہ سکے: {قَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا} خود سوچئے! اگر کسی شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا اس کی آؤ بھگت یوں کی جاتی ہے؟

لفظ "فریا" کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:

"اَلْفَرِيُّ كَغَنِيٍّ اَلْاَمْرُ الْمُخْتَلِقُ الْمَصْنُوْعُ اَوِ الْعَظِيْمُ نَقَلَهَا الْجَوْهَرِيُّ اَوِالْعَجِيْبُ نَقَلَهُ الرَّاغِبُ"

یعنی فری جو غنی کا ہم وزن ہے جوہری نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں: "المختلق المصنوع" گھڑا ہوا بناوٹی اور العظیم بہت بڑا امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی عجیب' حیران کن کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن حبان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی...... العظیم الشنیع بتایا ہے کہ یعنی بہت قبیح فعل ہے۔ (بحر)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ فِى الْعَظِيْمِ مِنَ الْاَمْرِ شَرًّا اَوْخَيْرًا قَوْلًا اَوْفِعْلًا" "ہر بڑے کام کے لئے خواہ برا ہو یا اچھا قول ہو یا فعل یہ لفظ (فری) استعمال ہوتا ہے۔"

روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2' ص 87

کیونکہ یہ وضاحتِ مذکورہ بالا سب معانی پر حاوی ہے اور موقع کے بھی مناسب ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے ایک بھائی کا نام "ہارون" تھا' اس لیے قوم نے آپ کو "يَا اُخْتَ هَارُوْنَ" (اے ہارون کی بہن!) کہہ کر پکارا۔ صحیح حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب نجران گئے تو وہاں کے عیسائیوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن میں

حضرت مریم علیہا السلام کو "اختِ ہارون" کہا گیا ہے حالانکہ ہارون مریم علیہا السلام سے صد ہا سال پہلے گزرے ہیں وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ جب واپس آئے تو بارگاہِ رسالت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَمُّوْنَ بِاَنْبِیَآئِھِمْ وَالصَّالِحِیْنَ قَبْلَھُمْ" "کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام انبیائے کرام علیہم السلام کے اور پہلے بزرگوں کے نام پر رکھا کرتے تھے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ایک بھائی تھے' جن کا نام حسب دستور برکت کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام نام پر رکھا گیا تھا۔

جن الفاظ سے لوگ مریم علیہا السلام کو عار دلا رہے ہیں وہ یہ نہیں کہ تمہارا باپ تو بڑا صحیح العقیدہ تھا' تمہاری ماں تو اپنے نظریات میں بڑی پختہ تھی' تم نے یہ بے دین اور بداعتقاد لونڈا کیسے جنا؟ بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تیرا باپ "امرء سوء" (مرد بدکار) نہ تھا اور تیری ماں "بغیا" (بدکارہ) نہ تھی۔ کیا کسی شادی شدہ عورت کو یوں عار دلائی جاتی تھی؟ [1]

حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ بچے کی طرف کر دیا:

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴿۲۹﴾ (سورۃ مریم 5:16) "اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے: ہم کیسے بات کریں؟ اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔"

حضرت مریم علیہا السلام کو رب تعالیٰ کا حکم تھا کہ آپ نے کسی سے کلام نہیں کرنا' بلکہ اشارہ سے بتانا ہے کہ میں نے رب تعالیٰ کے لئے روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے' کسی سے بولنا نہیں۔ اسی ارشاد کے مطابق آپ نے عیسیٰ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے کلام کر کے پوچھ لو۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے کلام کرو تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے ساتھ مزاح کر رہی ہے' اس سے ہماری توہین کر رہی ہے' ہمیں گھٹیا سمجھ رہی ہے' یہ تو اس کا جرم (معاذ اللہ) زنا کے جرم سے بڑا ہے۔

"المھد" کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ماں کی گود' گہوارہ' چارپائی' وہ جگہ جہاں بچہ قرار پکڑے ہوئے ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ان تمام کو شامل ہے (وہ بچہ جو پالے میں ہے)۔ ان لوگوں نے بطورِ انکار اور تعجب کے کہا: ہم اس بچے سے کیسے کلام کریں؟ جو ابھی ماں کو گود میں گہوارہ میں ہے۔

علمی نکتہ: بظاہر آیت کریمہ میں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ "کان" زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ ہم اس

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 76

سے کیسے کلام کریں جو گہوارہ میں ہوتا تھا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں' ہر ایک بچہ پہلے ماں کی گود یا گہوارہ میں ہوتا ہے' جب وہ بڑا ہو جا
، تا ہے' اس سے کلام کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد زمانہ ماضی مبہم ہے خواہ قریب ہو یا بعید۔ یہاں سے مراد قریب لیا گیا ہے یعنی ابھی چند لمحے پہلے جسے ہم تمہاری گود میں دیکھ رہے ہیں اس سے کیسے کلام کریں؟ ہم نے آج تک ایسے بچوں سے کبھی کلام نہیں کیا اور نہ ہی ایسی عمر کے بچوں میں جواب دینے کی طاقت ہوتی ہے۔ اے مریم! بچے کی طرف تمہارا اشارہ کرنا سراسر مزاح ہی نظر آتا ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ ماضی سے حال کی حکایت بیان کی جارہی ہے۔ ''من'' موصوفہ ہے اب معنی یہ ہوگا ہم کیسے کلام کریں ان بچوں سے جو ماں کی گود یا گہوارہ میں ہونے کے وصف سے متصف ہیں؟ ہم نے آج تک ایسے بچوں سے کلام نہیں کیا۔ تو اس سے کیسے کلام کریں ماضی سے حال کی طرف عدول میں تصور لانا اور استمرار مقصود ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''کان'' زائد ہو صرف تاکید کے لئے آیا ہو، زمانے پر ان کی کوئی دلالت نہ ہو اور جیسا حال ہو، اب معنی یہ ہوگا کہ ہم اس سے کیسے کلام کریں جو ابھی پالے میں ہے، حال ہونے اس کے کہ وہ بچہ ہے۔

اور یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ''من'' شرطیہ ہو اور معنی یہ ہو: ''مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ فَكَيْفَ نُكَلِّمُهُ'' جو پالے میں ہے اس سے ہم کیسے کلام کریں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''كَيْفَ اَعِظُ مَنْ لَا يَعْمَلُ بِمَوْعِظَتِيْ'' اس صورت میں ماضی بمعنی مستقبل کے ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں وارد ہوگا۔'' ❶

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا:

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

(سورۃ مریم 5:16)

''بچہ نے فرمایا: میں ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا نبی کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی۔ جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا۔ اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا۔ اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔''

حضرت عیسیٰ دودھ پی رہے تھے' جب آپ نے بنی اسرائیل کا کلام سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں ہم بچے سے کیسے کلام کریں؟

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' ص 89' 88

تو آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا ان کی طرف متوجہ ہوئے' بائیں ہاتھ پر سہارا لگا کر اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے کلام کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلا اعلان یہ فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔" چونکہ سالکین کا مقام ہی یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کلام میں ان لوگوں کا رد بھی پایا گیا ہے جنہوں نے آپ کو رب کہنا تھا۔

سبحان اللہ! نبی کا کتنا عظیم مقام ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی یہ علم عطا فرما دیا کہ تمہیں لوگ خدا مانیں گے۔ آپ نے اپنی عبودیت کا اعتراف کر کے واضح طور پر فرما دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مجھے کوئی معبود ماننے کی حماقت نہ کرے۔

﴿اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ "اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔"

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا:

"اَنَّهٗ سَیَبْعَثُنِیْ مِنْ بَعْدُ وَلَمَّا تَکَلَّمَ بِذٰلِكَ سَکَتَ وَ عَادَ اِلٰی حَالِ الصِّغَرِ وَلَمَّا بَلَغَ ثَلَاثِیْنَ سَنَةً بَعَثَهُ اللّٰهُ نَبِیًّا"

(تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 213)

"بے شک اللہ تعالیٰ مجھے مبعوث فرمائے گا یعنی اعلانِ نبوت کا حکم دے گا آپ نے جب یہ کلام مکمل کیا تو اس کے بعد خاموش ہو گئے اور عام بچوں کے حال کی طرف لوٹ کر آ گئے' پھر جب آپ کی عمر تیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔"

ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی: "دَرَسَ الْاِنْجِیْلَ وَالْحِکْمَةَ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ" آپ کو اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں ہی انجیل پڑھا دی اور نبوت عطا فرما دی۔

اصل تطبیق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو نبوت یا کتاب عطا تو اسی وقت فرما دی' جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے' البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اور اعلانِ نبوت کا حکم بعد میں دیا گیا' تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے۔

﴿وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ﴾ "مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں۔"

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے دین پر قرار پکڑنے والا بنایا اور مجھے معلم الناس بنایا ہے کہ میں لوگوں کو دین کی تعلیم دوں' ان کو راہِ حق کی طرف بلاؤں' یعنی جب وہ اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی وجہ سے بھٹک جائیں تو میں انہیں سیدھی راہ دکھاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کاتب کے پاس لے گئیں اور کہا: کہ اس بچے کو لکھنا سکھانا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کو مارنا نہیں۔ معلم نے آپ کو کہا: لکھو! آپ نے کہا: میں کیا لکھوں؟ تو اس نے کہا: "ابجد" (اب ت وغیرہ) لکھو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے سر اٹھایا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ "ابجد" کیا ہیں؟ معلم نے اپنا کوڑا آپ کو مارنے کے لئے اٹھایا تو آپ نے فرمایا: اے مؤدب (ادب سکھانے والے) مجھے ماریں نہیں' اگر آپ کو علم نہیں تو مجھ سے پوچھیں میں آپ کو بتاتا

ہوں کہ

الف: آلاء اللہ (اللہ کی نعمتیں) سے لیا ہوا ہے اور ب: بہاء اللہ (اللہ کی خوبصورتی) سے اور

ج: جمال اللہ (اللہ کا جمال) سے اور

د: اداء الحق الی اللہ (اللہ تعالیٰ کے حقوق اس کے سپرد کرنا) سے ماخوذ ہے۔

اور برکت والا بنانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ تمام احوال میں مجھے غالب بنایا' جب تک میں دنیا میں رہوں گا' مجھ اللہ تعالیٰ دلائل میں غیروں پر غالب رکھے گا اور جب دنیا سے جانے کا میرا وقت آ جائے گا تو مجھے زندہ ہی آسمانوں پر اٹھا لیا جائے گا اور میری برکت کے اثرات کا لوگوں کو فائدہ ہوگا کہ میری دعا سے مردے زندہ ہو جائیں گے' مادرزاد اندھے بینا (نظر والے) ہو جائیں گے اور برص کے مرض والے صحت یاب ہو جائیں گے۔

{ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا۝ } "مجھے نماز اور زکوۃ کی تاکید کی جب میں زندہ رہوں۔"

یعنی رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بالغ ہونے کے بعد نماز ادا کروں اور لوگوں کو زکوۃ ادا کرنے کی نصیحت کروں۔

"لَا زَكٰوةَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّهَهُمْ عَنِ الدُّنْيَا فَمَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَكَذَا لَا يُوْرَثُوْنَ" [1]

تنبیہ: انبیائے کرام علیہم السلام پر زکوۃ لازم نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے مال سے پاک رکھا ہوتا ہے (اگر ان کے پاس کوئی مال آ بھی جائے تو وہ تمام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ ایک سال جمع کر کے رکھتے ہی نہیں کہ ان پر زکوۃ لازم آئے) اسی وجہ سے ان کے مال کو بطور وراثت تقسیم نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں مال درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مال ہوتا ہے وہ اس کے مالک ہی نہیں ہوتے۔

{ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ز } "اور مجھے ماں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔"

اس کلام سے اشارہ تھا کہ میری ماں پاک دامن ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معصوم رسول کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا اگر معاذ اللہ اس میں کوئی عیب ہوتا تو معصوم رسول کو اس کی تعظیم کا کبھی حکم نہ دیا جاتا۔ [2]

{ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۝ } "مجھے زبردست بدبخت نہیں بنایا۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے متکبر نہیں بنایا بلکہ خضوع کرنے والا اور اپنی ماں کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے والا بنایا ہے اگر میں متکبر ہوتا تو نافرمان اور بدبخت ہوتا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "قَلْبِیْ لَیِّنٌ وَاَنَا صَغِیْرٌ فِیْ نَفْسِیْ" میرا دل نرم ہے اور میں اپنے

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 9 حصہ اول' ص 89
[2] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 21' ص 215

خیال میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہوں یعنی عجز کا اظہار کرتا ہوں۔

بعض علماء نے فرمایا: "لَا تَجِدُ الْعَاقَ اِلَّا جَبَّارًا شَقِيًّا" ماں باپ کا نافرمان متکبر اور بد بخت ہی ہوتا ہے۔ان حضرات نے اپنے اس قول پر یہی آیت کریمہ بطور دلیل پیش کی: {وَلَا تَجِدُ سَيِّئُ الْمَلِكَةِ اِلَّا مُخْتَالًا فَخُوْرًا} بدخلق کو تم ضرور اترانے والا بڑائی مارنے والا پاؤ گے اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (سورۃ النساء:5) "بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والے بڑائی مارنے والے (متکبرین) کو پسند نہیں کرتا۔"

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا "اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔"

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اس قول کے مطابق ہے:

"لَامُ التَّعْرِيْفِ فِي السَّلَامِ مُنْصَرِفٌ اِلٰى مَا تَقَدَّمَ فِيْ قِصَّةِ يَحْيٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ" "یعنی الف لام عہد خارجی ہے اور مراد یہ ہے کہ جس سلامتی کا یحییٰ علیہ السلام کے لئے رب تعالیٰ نے خود تین مقاموں کے لئے ذکر فرمایا ہے وہی سلامتی مجھ پر بھی ان تین وقتوں میں ہے۔"

صاحب کشاف کا قول یہ ہے کہ یہ "الف لام" تعریف کا عوض ہے حضرت مریم علیہا السلام پر لگائی گئی تہمت کا اور ان پر کئے گئے لعن وطعن کا یعنی اب مطلب یہ ہوگا کہ تم نے تو میری والدہ پر لعن طعن کیا اور ان پر تہمت لگائی لیکن اس کے بدلے رب تعالیٰ نے مجھے اس عظیم انعام سے نوازا ہے کہ مجھے پیدائش' موت اور زندہ اٹھائے جانے کے وقت سلامتی عطا فرمادی۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَتَحْقِيْقُهٗ اَنَّ اللَّامَ لِلْاِسْتِغْرَاقِ" "تحقیق یہ ہے کہ لام استغراق کے لئے ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ ان تین وقتوں میں مجھ پر ہر قسم کی سلامتی ہے یعنی اللہ نے مجھے اور میرے طفیل میرے متبعین کو ہر قسم کی سلامتی عطا فرمادی ہے۔میرے دشمنوں کے لئے سوائے لعنت کے کچھ بھی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: { وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى } سلامتی ہو اس پر جس نے تابعداری کی۔اسی سے ضمناً یہ خود ہی سمجھ میں آ گیا کہ {اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى } یعنی جنہوں نے تکذیب کی اور راہ حق سے پھر گئے ان پر عذاب ہے۔

انبیاء کرام اس طرح تعریضاً (اشارہ سے کافروں کو عذاب کے متعلق بتانا) کلام فرماتے رہے کیونکہ کسی کو سمجھانے اور سوچنے کا موقع فراہم کرنے کی یہ بہتر صورت ہے۔سلام سے مراد امن حاصل ہونا نعمتوں میں سلامتی اور آفات کا زائل ہونا'

دنیوی اور اخروی خطرات سے محفوظ ہونا۔

خیال رہے یہاں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو بتایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے ان تین اوقات میں سلامتی عطا فرما دی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے دعا کی ہو کہ اے اللہ! جس طرح تو نے یحییٰ علیہ السلام کے متعلق خود بتایا ہے کہ میں نے انہیں سلامتی عطا فرمائی ہے ایسے مجھے بھی عطا فرما دے۔ آپ کی دعاء کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تین اوقات میں سلامتی عطا فرما دی۔

"وَلَا بُدَّ فِي الْأَنْبِيَاءِ مِنْ أَنْ يَكُونُوا مُسْتَجَابِي الدَّعْوَةِ"
(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 21 ص 216)

"انبیاء کرام کا مستجاب الدعوات (دعاؤں کا قبول) ہونا ضروری ہے۔"

عیسیٰ علیہ السلام کے القاب:

کلمۃ اللہ مسیح، وجیہ، مقرب، صالح، مہد و کہولیت میں متکلم۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٦﴾

(سورۃ آل عمران 3:13)

"اور یاد کرو! جب فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک "کلمہ" کی جس کا نام مسیح، عیسیٰ، مریم علیہا السلام کا بیٹا، وجیہ ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں قرب والا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ پالنے اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہوگا۔"

آپ کو "کلمہ" کیوں کہا گیا؟

اس کی کئی وجوہ ہیں:

① آپ کی پیدائش بغیر باپ کے واسطہ کے اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے ہوئی۔ آپ کی تخلیق میں جب باپ کا واسطہ نہیں، بیج (نطفہ) کا استعمال نہیں، بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے ہوئی، تو اس وجہ سے آپ کو کلمہ "کن" کہا گیا یعنی "کلمۃ اللہ" سے پیدا شدہ جیسے مخلوق کو خلق، مقدور کو قدرت کہہ دیا جاتا۔

② آپ نے بچپن میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں کلام فرمایا، اس لئے آپ کو "کلمہ" کہہ دیا گیا۔

③ کلمہ معانی اور حقائق کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام حقائق اور اسرار الٰہیہ کی راہنمائی فرماتے رہے لہٰذا آپ کو "کلمہ" کہہ دیا گیا۔

۴ آپ کی بشارت آپ ﷺ کے آنے سے پہلے انبیاء کرام کی کتابوں میں آ چکی تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو کہا گیا کہ یہ وہی "کلمہ" ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کا نام "کلمہ" رکھ دیا گیا۔

۵ جس طرح انسان کا نام کبھی "فضل اللہ" اور کبھی "لطف اللہ" رکھ لیا جاتا ہے' اسی طرح آپ کا ایک نام "کلمۃ اللہ" رکھا گیا۔

خیال رہے کہ "کلمہ" سے مراد اس مقام پر کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے' آپ کوئی بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے پیدا ہونے کی وجہ سے "کلمۃ اللہ" ہوئے ہیں' یہ تاویل کرنی ضروری ہے ورنہ اس کا معنی درست نہیں ہو سکتا۔ ❶

فائدہ: عادل بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے: "ظِلُّ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ" اللہ تعالیٰ کا سایہ اس کی زمین میں۔ اسی طرح کبھی کہا جاتا ہے: "اِنَّهٗ نُوْرُ اللّٰهِ" بیشک وہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ جب بادشاہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو وہ مخلوق پر عدل و انصاف کے فیصلے کرتا ہے۔ اس کے عدل کا سایہ زمین پر پھیلتا ہے تو اسے...... ظِلُّ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ ...... کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب اس کے احسانات کا نور جگمگاتا ہے' تو اسے...... نُوْرُ اللّٰهِ...... کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کثیر بیانات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو ظاہر فرمایا اور لوگوں کے شبہات کو زائل کیا' رب تعالیٰ کے کلام میں لوگوں کی تحریفات کو زائل کیا تو اس مناسبت کی وجہ سے بھی آپ کو "کلمۃ اللہ" کہا گیا۔ ❷

آپ کو "مسیح" کیوں کہا گیا؟

اس میں چند وجوہ ہیں: خیال رہے کہ "مسیح" فعیل کا وزن ہے۔ "فعیل" کبھی بمعنی فاعل کے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول کے۔ اگر بمعنی "فاعل" کے ہو تو آپ کو "مسیح" کہنے کی یہ وجوہ ہیں:

۱ جب کوئی شخص آفت زدہ ہوتا یعنی کسی بھی مرض میں مبتلا ہوتا تو آپ پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کو شفا حاصل ہو جاتی۔

۲ "مسح الارض" لفظ استعمال ہوتا جس کا معنی ہوتا ہے "زمین کو قطع کرنا" یعنی سفر کرنا اور سیر کرنا آپ بھی چونکہ ایک جگہ پر ساکن نہیں رہتے تھے بلکہ چلتے پھرتے رہتے تھے' اس لئے آپ کو "مسیح" کہا گیا۔

۳ آپ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرتے' اس لئے آپ "مسیح" ہوئے۔

اور اگر "فعیل" بمعنی مفعول کے استعمال ہو تو آپ کو "مسیح" کہنے کی یہ وجوہ ہوں گی:

۱: آپ سے گناہوں اور گناہوں کے بوجھ' گناہوں کی آلودگی کو مٹا دیا گیا تھا یعنی آپ کو رب تعالیٰ نے گناہوں سے دور رکھا ہوا تھا۔

---

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 38
❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 38

۲: آپ کے قدموں سے نشیب کو مٹایا ہوا تھا یعنی آپ کے قدم بالکل سیدھے تھے' عام آدمیوں کی طرح نہیں تھے کہ قدموں کے تلووں کا کچھ حصہ زمین پر نہیں لگتا کیونکہ اس میں نشیب ہوتا ہے۔

۳: آپ کو زیتون کا مبارک تیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگا دیا گیا تھا جو تمام انبیاء کرام کو لگایا جاتا تھا جس سے فرشتوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ اس ہستی کو ''نبی'' بنایا جائے گا۔

۴: جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے پروں سے مس کیا تھا تاکہ آپ شیطان کے مس سے محفوظ رہیں۔

۵: آپ جب والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ کو تیل لگا ہوا تھا عام بچوں کی طرح آپ کے بالوں کو تیل لگانے کی ضرورت در پیش نہیں آئی۔ [1]

تنبیہ: دجال کو بھی ''مسیح'' کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ''ممسوح العین'' (ایک آنکھ اس کی ضائع ہو چکی ہوگی) ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کو قطع کرے گا' مختلف علاقوں میں پھرے گا۔ اسی مقام پر روح المعانی میں مذکور ہے کہ امام نخعی نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا جب لقب ہوگا اس وقت مَسِیح ''میم کے فتحہ اور سین کے تخفیف سے'' پڑھا جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ کے دشمن دجال کا لقب ہوگا تو ''مِسِّیح'' میم کے کسرہ اور سین کی شد'' سے پڑھا جائے گا۔

فائدہ: ''مسیح'' آپ کا لقب ہے اور ''عیسیٰ'' نام ہے اور ''ابن مریم'' آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا لقب ایسا ہے جو آپ کی شرافت اور مراتب کی بلندی پر دلالت کر رہا ہے۔ جس طرح ''صدیق'' لقب ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اور ''فاروق'' لقب ہے عمر رضی اللہ عنہ کا۔ ان کے القاب بھی ان کی شرافت اور بلندی مراتب پر دال ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لقب کو پہلے ذکر کیا تاکہ ابتدائی طور پر ہی آپ کی شان کا ہر شخص کو پتہ چل جائے۔

خیال رہے کہ بشارت بھی حضرت مریم علیہا السلام کو دی جا رہی ہے اور پھر ابن مریم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام انبیائے کرام کو ان کے آباء کے ناموں کی طرف منسوب کیا آپ کو ماں کی طرف منسوب کر کے حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت کے وقت ہی بتا دیا گیا کہ تمہارا بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ [2]

آپ کو ''وجیہ'' کہا گیا:

''وجیہ'' کا معنی صاحب مرتبہ' صاحب شرافت اور صاحب قدر و منزلت ہے۔ ''وَجِهَ الرَّجُلُ بِوَجْهٍ وَّجَاهَةٍ فَهُوَ وَجِيهٌ'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی شخص کا مرتبہ لوگوں یا بادشاہ کے نزدیک زیادہ بلند و بالا ہو۔ اور بعض اہل لغت نے بیان

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 52
[2] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 53

کیا ہے "الوجیہ" کا معنی کریم ہے کیونکہ انسان کے تمام اعضاء سے اشرف اس کا چہرہ ہے' اس لئے "الوجہ" کا معنی بطور استعارہ کرم اور کمال لیا جاتا ہے۔

آپ علیہ السلام دنیا میں "وجیہ" تھے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا مادرزاد اندھوں کو نظر عطا فرمائی' برص والے مریضوں کو برص سے نجات دی۔

اور دنیا میں آپ کے وجیہ ہونے کی اور وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام عیوب سے بری رکھا جو یہود آپ پر لگاتے تھے یعنی آپ کا حقیقت میں عیوب سے بری ہونا ہی "وجیہ" ہونے کا سبب تھا' اگرچہ آپ پر یہود عیب لگاتے رہے لیکن آپ کی شان میں کوئی فرق نہ آسکا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وجیہ بنایا اگرچہ آپ پر بھی یہود عیب لگاتے رہے آخرت میں بھی آپ "وجیہ" ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے مومنین کو حق راہ پر چلنے والوں کا شفیع بنایا۔ آپ کا شفاعت کو دوسرے تمام اکابر انبیائے کرام علیہم السلام کی شفاعت کی طرح قبول کیا جائے گا۔ [1]

اور وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ذریعے زیادہ ثواب اور بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔

آپ مقربین سے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کی عظیم مدح کرتے ہوئے انہیں اپنے مقربین کہا تو آپ کو بھی یہی صفت عطا فرمائی کیونکہ آپ بھی بلند مراتب اور رفیع درجات ہیں اور فرشتوں کے ساتھ ہی زندہ رہیں گے۔ نیز آخرت میں جس شخص کو "وجیہ" بنایا گیا اس نے مقرب تو ہونا ہی ہے کیونکہ اسے جنت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوں گے۔ [2]

"مہد" اور "کہولیت" میں آپ کو متکلم بنایا:

مہد سے مراد "پنگھوڑا" یا "ماں کی گود"۔ تاہم یہاں مراد یہ ہے:

"فَاِنَّهٗ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْحَالَةِ الَّتِيْ يَحْتَاجُ الصَّبِيُّ فِيْهَا اِلَى الْمَهْدِ" "کہ آپ اس حالت میں کلام کرنے والے ہوں گے جب بچہ پنگھوڑے کا محتاج ہوتا ہے۔"

خواہ پنگھوڑے میں ہو یا ماں کی گود میں' آپ نے بچپن میں ایک مرتبہ کلام فرمایا جس سے اپنی والدہ کی برأت بیان کی اور اپنے اوصاف بیان کئے پھر آپ نے خاموشی اختیار کی پھر عام بچوں کی طرح بولنے کے وقت بولنا شروع کیا۔ یہ قول حضرت

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 53
[2] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 54

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور یہی معتبر بھی ہے البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے جب سے کلام شروع فرمایا اسی وقت سے آپ نے اعلانِ نبوت بھی فرما دیا اور پھر آپ مسلسل تبلیغ فرماتے رہے۔

''کہولیت'' یعنی بڑی عمر میں بھی آپ کلام فرمائیں گے۔ بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ بڑی عمر میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے' اس میں آپ کی فضیلت کیسے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں:

① اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کا رد پایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے قائل ہیں کہ جو شخص پہلے چھوٹا ہو پھر بڑا ہو اس میں تغیر آتا رہے' وہ الٰہ نہیں بن سکتا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا بچپن میں کلام کرنا والدہ کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے بھی معجزہ ہے اور بڑی عمر میں وحی اور نبوت کے ذریعے کلام کرنا بھی معجزہ ہے۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حالتوں کا ذکر ایک ساتھ ہے کہ آپ بچپن میں اس طرح فرمائیں گے جس طرح بڑی عمر میں یعنی بچپن کا کلام بڑی عمر کے کلام سے مختلف نہیں ہوگا۔

خیال رہے کہ ''کہولت'' سے مراد بڑھاپا نہیں بلکہ ''اِنَّ الْکَھْلَ فِیْ اَصْلِ اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ الْکَامِلِ التَّامِ'' اصل میں ''کہولیت'' کی عمر وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا جسم کامل ہو۔ یہ تیس سال سے لے کر چالیس سال تک کی عمر ہے۔

ایک قول کے مطابق حضرت کو تینتیس سال کی عمر میں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور پھر آپ دنیا میں تشریف لا کر لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اس عمر میں آپ کا آسمانوں سے اتر کر کلام کرنا آپ کا اعجاز ہے۔ ●

آپ کا صالحین سے ہونا:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظیم صفات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ''وَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ'' آپ صالحین سے ہوں گے۔ کیونکہ

''لَا رُتْبَةَ اَعْظَمُ مِنْ کَوْنِ الْمَرْءِ صَالِحًا لِاَنَّهٗ لَا یَکُوْنُ کَذٰلِكَ اِلَّا وَیَکُوْنُ فِیْ جَمِیْعِ الْاَفْعَالِ وَالتُّرُوْكِ مَوَاظِبًا عَلَی النَّهْجِ الْاَصْلَحِ وَالطَّرِیْقِ الْاَکْمَلِ''

''اس سے بڑھ کر کوئی اور مرتبہ نہیں کہ انسان صالح ہو' اس لئے کہ صالح وہی وہ سکتا ہے جس کے تمام افعال خواہ ان کا تعلق عمل سے ہو یا چھوڑنے سے ہمیشہ بہتر طریقہ پر ہوں اور کامل طریقہ پر ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صالح ہونے کا تعلق تمام مقامات سے ہے' خواہ ان کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے۔ اسی طرح

● تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ' ج 8' ص 55

ایسے افعال جو دل سے متعلق ہوں یا ظاہری اعضاء سے تمام میں صالحیت ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب "روح":

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ....۝ (سورۃ نساء 3:6)

"مسیح عیسیٰ علیہ السلام مریم کا بیٹا' اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح۔"

آپ علیہ السلام کو روح کہنے کی چند وجوہ ہیں:

① عام لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب کسی طہارت اور نظافت کے اعلیٰ درجہ کی تعریف کرنی ہو تو اسے روح کہہ دیتے ہیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق باپ کے نطفہ سے نہیں ہوئی بلکہ نفخ جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی تو بڑبیتاً آپ کی صفت "روح" سے بیان کی گئی۔

② آپ مخلوق کے دین کے زندہ رہنے کا سبب بنے جس کا دین زندہ رہے اسے "روح" کہہ لیا جاتا ہے جیسے قرآن پاک کو روح کہا گیا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا 'اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز (قرآن) اپنے حکم سے۔"

③ "روح" بمعنی رحمت کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے {وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ} یہاں "روح" سے مراد رحمت ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ" میں رحمت اور ہدایت بن کر آیا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ان کو دین و دنیا میں نیکی کے راستے کی ہدایت کرتے تو اسی وجہ سے آپ کو "روح" کہا گیا۔

④ "روح" کلام عرب میں نفخ (پھونک) کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ "روح" اور "ریح" معنی میں قریب قریب ہیں لہٰذا آپ کو "روح" اس لئے کہا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن سے نفخ جبریل سے پیدا ہوئے۔

⑤ روح پر تنوین تعظیم کی ہے اب یہ معنی ہے کہ: {رُوْحٌ مِّنَ الْاَرْوَاحِ الشَّرِيْفَةِ الْقُدْسِيَّةِ الْعَالِيَةِ} شریف' قدسی' بلند مراتب رکھنے والی روحوں میں سے آپ کی روح بھی ہے۔ یعنی آپ کی روح عظیم روح ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اسی لئے آپ کو "روح" کہہ دیا گیا۔ ●

● تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 115

''روحِ قدس'' سے آپ کی امداد کی گئی:

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ (سورۃ البقرہ 1:11) ''اور پاک روح سے اس کی مدد کی۔''

اس ''پاک روح'' سے مراد کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں لیکن ان تمام وجوہ سے آپ کو امداد دی گئی۔ رئیس المحققین والمدققین استاذی المکرّم حضرت مولانا ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

''کہ کسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرینِ کرام کے مختلف اقوال ہوں یا کسی حدیث پاک کی شرح میں محدثینِ کرام کے مختلف اقوال ہوں اور ان میں کوئی تعارض نہ ہو تو سب کو جمع کر لیا جائے۔''

اس قانون وضابطہ کے مطابق آپ کو مختلف طریقوں سے امداد دی گئی:

(۱) ''روحِ قدس'' سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ کی امداد فرماتے رہے۔ جبرائیل علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت اور بلندی مرتبہ حاصل ہے۔ اس کی وجہ سے ''روحِ قدس'' کہا گیا اور جس طرح بدن کو روح کے ذریعہ زندگی حاصل ہوتی ہے' ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دین کو زندگی حاصل ہوتی رہی کیونکہ آپ تمام انبیاء کرام کے پاس وحی لاتے رہے' جس کے ذریعے انبیائے کرام علیہم السلام احیاء دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اگر چہ تمام فرشتوں کو روحانیت حاصل ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کو تمام سے زیادہ اور کامل روحانیت حاصل ہے اسی وجہ سے آپ کو ''روحِ قدس'' کا لقب عطا کیا گیا۔

(۲) ''روحِ قدس'' سے مراد انجیل بھی ہو سکتی ہے جیسے قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ اسی طرح انجیل کو بھی ''روح'' کہہ دیا گیا کیونکہ آسمانی کتب کے ذریعے ہی انبیائے کرام علیہم السلام تک احکامِ خداوندی پہنچے اور انبیاءِ کرام نے وہی احکام اپنی امتوں کو پہنچا کر ان کے دنیاوی امور کو بھی درست فرمایا اور ان کے دین کو بھی زندہ کیا۔

(۳) ''روحِ قدس'' سے مراد اسمِ اعظم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسمِ اعظم آپ کو عطا کر کے آپ کی امداد فرمائی۔ اسی اسمِ اعظم کے ذریعے آپ مردوں کو زندہ فرماتے۔

(۴) ''روح'' سے مراد وہ روح ہے جو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو عطاء فرمائی۔ ''قدس'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ یعنی آپ میں مالک الملک نے اپنی طرف سے روح بواسطۂ جبرائیل علیہ السلام پھونک کر آپ کو اپنا مقرب بنایا اور ''روح اللہ'' کا لقب عطاء فرمایا۔ [1]

اگر چہ تمام معانی بیک وقت لینے درست ہیں تاہم زیادہ حضرات نے روحِ قدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہی لئے ہیں

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 3' ص 177

کہ آپ کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ حاصل رہی کیونکہ آپ جہاں جاتے جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہی چلتے اور جمیع احوال میں آپ کا ساتھ دیتے رہے اور آسمانوں میں بھی آپ کے ساتھ گئے۔ (1)

آپ کو کتاب و حکمت عطا کی گئیں:

کتاب سے مراد کتابت یعنی آپ کو لکھنے کا علم عطا کیا گیا:

"اَعْطَی اللّٰہُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ تِسْعَۃَ اَجْزَاءٍ مِنَ الْخَطِّ وَاَعْطٰی سَائِرَ النَّاسِ جُزْءًا وَّاحِدًا" (2) "آپ کو اللہ تعالیٰ نے خط کے نو حصے عطا فرمائے اور باقی تمام لوگوں کو ایک حصہ عطا کیا گیا۔"

"حکمت" سے مراد فقہ، حلال و حرام کا علم، تمام امور دین کا علم، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتوں کا علم اور تمام علوم عقلیہ آپ کو عطا کئے گئے۔ (3)

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ

(سورۃ آل عمران 3:13)

"میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً زندہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔"

پرندے بنانا: آپ کو یہ معجزہ عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیدائش پر دلیل قائم فرما دی یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے گویا کہ اپنی قوم کو بتایا: اے میری قوم! تم پیدائش میں شک کرتے ہو، یہ درحقیقت رب تعالیٰ کی قدرت میں شک ہے۔ رب تعالیٰ نے مجھے بھی یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ میں بغیر ماں باپ کے مٹی سے پرندے کی مورتی بنا کر اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ حقیقی طور پر پرندہ بن جاتا ہے۔

---

(1) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 3، ص 177
(2) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 2، حصہ دوم، ص 166
(3) روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 2، حصہ دوم، ص 166

عیسیٰ علیہ السلام نے چمگادڑ بنائی:

بنی اسرائیل نے آپ سے بھی اسی طرح سرکشی کے طور پر چمگادڑ بنانے کا مطالبہ کیا جس طرح وہ اپنی عادت کے مطابق پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات کا سوال کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب آپ نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھادیا تو وہ کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے۔ انہوں نے آپ سے چمگادڑ بنانے کا مطالبہ ہی کیوں کیا تھا؟ اس لئے کہ یہ ایسا پرندہ ہے جس میں پرندوں' حیوانوں اور انسانوں والے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اسے بنانے میں انہیں بظاہر مشکل نظر آئی کہ اسے بنانا تو بہت بڑی قدرت کا تقاضا ہے۔

چمگادڑ کے اعضاء و اوصاف یہ تھے:

چمگادڑ کے دانت اور داڑھیں ہوتی ہیں' اسے حیض آتا ہے اور یہ بچے جنتی ہے' انڈے نہیں دیتی۔ پروں کے یعنی گوشت کے بازوؤں سے اڑتی ہے۔ اس کے کان ہوتے ہیں اس کے پستان ہوتے ہیں۔ اس کے تھنوں سے دودھ آتا ہے' یہ انسانوں کی طرح ہنستی ہے۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں نہیں دیکھ سکتی۔ اسے صرف دو وقتوں میں نظر آتا ہے ایک سورج کے غروب ہونے کے بعد جب تک روشنی رہے اور دوسرا صبح کے بعد زیادہ روشنی ہونے سے پہلے۔

مشہور یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چمگادڑ کے بغیر کوئی اور پرندہ نہیں بنایا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ آپ نے جس چمگادڑ کو بنایا وہ لوگوں کے سامنے اڑی اور جب نظروں سے غائب ہوگئی تو گر کر مرگئی تاکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بندے کے بنانے میں فرق رہے۔ البتہ بعض دوسرے اہل علم نے کہا: کہ آپ نے کئی قسم کے پرندے بنائے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب [1]

آپ کے پرندے بنانے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ایک مرتبہ لڑکوں کے ساتھ مکتب میں تھے آپ نے گوندھی ہوئی مٹی لی اور آپ نے لڑکوں کو کہا کیا میں تمہیں اس سے پرندہ بنادوں؟ انہوں نے کہا: کیا تم بنا سکتے ہو؟ آپ نے کہا: ہاں! میں اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ایسا کرسکتا ہوں' پھر آپ نے ایک پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک ماری تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن گیا اور آپ کے ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا بچوں نے یہ واقعہ اپنے استاذ کے سامنے بیان کیا اور یہ دوسرے لوگوں میں بھی مشہور ہوگیا تاہم پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ [2]

مادرزاد اندھے اور برص والے کو شفا دینا:

"اَلْاَكْمَهُ هُوَ الَّذِیْ وُلِدَ اَعْمٰی" "جو پیدائشی طور پر اندھا ہو اسے "اکمہ" کہتے ہیں۔"

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2 حصہ دوم' ص 167

[2] ایضاً

اسی طرح جس کی آنکھوں کا نشان نہ ہو اسے بھی "اکمہ" کہتے ہیں۔ آپ علیہ السلام ایسے اندھوں کے لئے دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نظر عطا فرما دیتا۔ اسی طرح آپ برص کے مرض والے کے لئے دعا فرماتے اسے بھی اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا۔

صرف دو مرضوں کا ذکر کیوں؟

ان دو مرضوں سے شفا دینے کا خصوصی طور پر معجزہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا کیونکہ اس وقت کے بڑے بڑے طبیب جو کثیر تعداد میں تھے ان دو مرضوں کا علاج کرنے سے عاجز آچکے تھے۔ ان کو پیچیدہ امراض قرار دے دیا گیا تھا۔ آپ علیہ السلام کے زمانے میں علمِ طب کا زور تھا' بڑے بڑے طبیب موجود تھے تو آپ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ جس سے تمام طبیب عاجز آچکے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا زور تھا تو آپ کو معجزات عطا کئے گئے۔ خصوصاً عصا سے اژدھا بنانا' جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر عاجز آگئے تھے۔

حضرت وہب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سے پچاس ہزار آدمیوں نے علاج کرایا جو آپ کے پاس آنے کی طاقت رکھتے تھے وہ خود حاضر ہوئے اور جو آپ کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے جاتے ان سے ایمان لانے کی شرط رکھتے پھر آپ ان کا علاج اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے فرماتے۔ آپ اندھوں' مجنونوں' چلنے پھرنے سے عاجز اور ہر قسم کے مریضوں کے لئے یہ دعا فرماتے:

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اِلٰہُ مَنْ فِی السَّمَآءِ وَاِلٰہُ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ فِیْھِمَا غَیْرُکَ وَاَنْتَ جَبَّارُ مَنْ فِی السَّمَآءِ وَجَبَّارُ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا جَبَّارَ فِیْھِمَا غَیْرُکَ وَاَنْتَ مَلِکُ مَنْ فِی السَّمَآءِ وَمَلِکُ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا مُلْکَ فِیْھِمَا غَیْرُکَ قُدْرَتُکَ فِی الْاَرْضِ کَقُدْرَتِکَ فِی السَّمَآءِ وَسُلْطَانُکَ فِی الْاَرْضِ کَسُلْطَانِکَ فِی السَّمَآءِ اَسْاَلُکَ بِاسْمِکَ الْکَرِیْمِ وَوَجْھِکَ الْمُنِیْرِ وَمُلْکِکَ الْقَدِیْمِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ●

فائدہ: حضرت وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ دعا کسی مصیبت زدہ پریشان حال اور جنون کے مرض والے پر پڑھی جائے اور لکھ کر اسے پلائی جائے تو انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔ ●

مردوں کو زندہ کرنا:

آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ فرماتے تھے' اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے اور یا حی یا قیوم پڑھتے' مردہ زندہ ہو جاتا۔ محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی کہ آپ نے چار شخصوں کو زندہ کیا:

● روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' حصہ دوم' ص 169 ● ایضاً

① عازر ② بڑھیا کا بیٹا ③ عاشر کی بیٹی ④ سام بن نوح۔

عازر: آپ کا دوست ''عازر'' جب فوت ہو گیا تو اس کی بہن نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی ''عازر'' فوت ہو گیا۔ عازر کے گھر اور آپ (جہاں تشریف فرما تھے اس) کے درمیان تین دنوں کی مسافت تھی۔ آپ اور آپ کے کچھ ساتھی جب وہاں تشریف لائے تو اس کی بہن کو کہا: مجھے اس کی قبر پر لے جاؤ۔ آپ نے قبر پر آ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ وہ اسی طرح کچھ زمانہ زندہ رہا یہاں تک کہ زندہ ہونے کے بعد اس کی اولاد بھی ہوئی۔

بڑھیا کا بیٹا: اسی طرح بڑھیا کا بیٹا فوت ہو گیا۔ اسے چارپائی پر اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے قریب سے جنازہ کا گزر ہوا تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ زندہ ہو کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور نیچے اتر آیا۔ اس نے کفن اتار کر کپڑے پہن لئے اور چارپائی کو خود کندھوں پر اٹھا لیا اور اپنے گھر واپس آ گیا۔ وہ بھی کچھ زمانہ زندہ رہا اور اس کی اولاد بھی بعد میں ہوئی۔

عاشر کی بیٹی: ایک شخص جو لوگوں سے عشر وصول کرتا تھا یعنی بادشاہ کی طرف سے اسے عشر وصول کرنے پر مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کی بیٹی فوت ہو گئی۔ دوسرے دن عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی وہ زندہ ہو گئی۔ وہ بھی اس کے بعد کچھ وقت تک زندہ رہی اس کی بھی اس کے بعد اولاد ہوئی۔

سام بن نوح: نوح علیہ السلام کے بیٹے ''سام'' کو فوت ہوئے کئی صدیاں بیت چکی تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اس کی قبر پر آئے اس کے لئے دعا کی' اسے بھی اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔ جب وہ قبر سے نکلا تو قیامت کے خوف سے اس کا سر نصف سفید ہو چکا تھا حالانکہ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے۔ اس نے قبر سے نکلتے ہوئے پوچھا: کیا قیامت آ گئی؟ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! قیامت تو ابھی نہیں آئی البتہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے تمہیں زندہ کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اب تم پھر مر جاؤ! اس نے کہا: ٹھیک ہے لیکن یہ شرط ہے کہ مجھے سکرات موت سے محفوظ رکھا جائے۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے سکرات موت کے بغیر ہی دوبارہ موت عطا فرما دی۔

سام بن نوح کو زندہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟

''سام بن نوح'' کو زندہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب قوم نے کہا: تم نے جو مردے ابھی زندہ کئے ہیں ان کی موت کے بعد جلدی ہی تم نے ان کو زندہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ حقیقت میں مرے ہی نہ ہوں' بلکہ ان کو سکتہ کا مرض لاحق ہو تو ان کے کہنے پر

① روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' حصہ دوم' ص 169

آپ علیہ السلام نے ''سام بن نوح'' کو زندہ کیا۔ آپ اور اس کے درمیان چار ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ جب وہ زندہ ہوا تو اس نے کہا: اے لوگو! تم ان پر ایمان لے آؤ' یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو ایمان قبول کر لیا تھا لیکن کچھ بدبختوں نے یہ عظیم معجزہ دیکھنے کے بعد بھی یہ کہا: کہ یہ جادو ہے' وہ ایمان لانے سے محروم رہے۔ ❶

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نے اپنے بیٹے کے زندہ کرنے کی درخواست کی تھی تا کہ وہ زندہ ہو کر میرا خلیفہ بن سکے' تو آپ کی دعا سے وہ بھی زندہ ہو گیا تھا اور آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس سے دعا کر کے کئی جانوروں کو بھی زندہ کیا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو علوم غیبیہ عطا کئے گئے:

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ
(سورۃ آل عمران 3:13)

''اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔''

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کا عنوان ذکر کیا:

"وَأَمَّا النَّوْعُ الْخَامِسُ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ إِخْبَارُهُ عَنِ الْغُيُوْبِ" ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی پانچویں قسم غیبی خبریں دینا۔''

آپ نے بچپن میں ہی غیبی خبریں دینی شروع کر دی تھیں۔ جب آپ کے ساتھ بچے کھیلتے تو آپ انہیں ان کے والدین کے افعال کی خبریں دیتے اور یہ بتاتے تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا چیز چھپا کر رکھی ہوئی ہے؟ بچے گھر آ کر وہ چیز مانگتے' نہ ملنے پر روتے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بچوں کو یہ بتاتے ہیں' تو انہوں نے بچوں کو کہا: تم اس جادوگر کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے اپنے گھروں میں روک لیا۔ باہر نکل کر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کھیلنے پر پابندی عائد کر دی۔ آپ خود ہی بچوں کو بلانے ان کے گھروں میں آ گئے۔ ان کے والدین نے کہا: کہ وہ گھر نہیں ہیں۔ آپ نے کہا: وہ تو گھر ہی ہیں اگر وہ گھر نہیں تو کون گھروں میں ہیں؟ انہوں نے کہا: خنزیر ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا خنزیر ہی ہوں گے۔ آپ کے کہنے پر وہ خنزیر ہی ہو گئے۔

اسی طرح مائدہ کے اترنے پر آپ نے قوم کو کہا: کہ ذخیرہ بنا کر نہیں رکھنا۔ اتنا ہی لینا ہے جو اس وقت تم کھا سکو' لیکن قوم نے ذخیرہ بنانا اور دوسرے وقت کے لئے جمع کرنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے جو تم کھاتے اور جو جمع کرتے ہو۔ آپ نے ہر ایک کو واضح طور پر بتایا تم نے کتنا کھایا ہے اور کتنا جمع کیا ہے۔ ❷

---

❶ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' حصہ دوم' ص 169 ❷ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 61

تنبیہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات آلات کے تابع نہیں ہوتے' عادات کے خلاف کام کرتے ہیں۔لیکن ان میں فقط تائید ربانی حاصل ہوتی ہے۔آج کل سائنسی ترقی نے بہت سے طریقے ایجاد کئے ہیں۔اگرچہ وہ عام عادات کے خلاف ہیں لیکن وہ آلات کے محتاج ہیں۔اس لئے انہیں معجزات' کرامات نہیں کہا جا سکتا۔مثلاً دور سے کلام سننا اور کرنا' اگرچہ عام عادت کے خلاف ہے لیکن فون کا واسطہ ہے۔اسی طرح دور سے کسی کی تصویر ٹیلی ویژن کے ذریعے دیکھنا بھی ایسے ہی ہے لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات میں کوئی آلہ استعمال نہیں ہوا۔

نجومی بعض اوقات غیبی خبریں دیتے ہیں لیکن "لَا یُمْکِنُھُمْ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ سُؤَالٍ یَتَقَدَّمُ" وہ اس وقت تک کوئی خبر نہیں دے سکتے جب تک وہ پہلے اس واقعہ کے متعلق سوال نہ کرلیں:

"ثُمَّ یَتَعَمَّمُوْنَ عِنْدَ ذٰلِكَ بِاٰلَةٍ وَّیَتَوَصَّلُوْنَ بِھَا اِلٰی مَعْرِفَةِ اَحْوَالِ الْكَوَاكِبِ" "پھر وہ اپنے (حساب وغیرہ کے) آلات کی امداد طلب کرتے ہیں ان آلات کے ذریعے ستاروں کے احوال کو حاصل کرتے ہیں۔"

اور تب جاکر آنیوالے واقعہ کی خبر دے سکتے ہیں لیکن پھر بھی صحیح خبر ان سے بہت کم ہی واقع ہوتی ہے اور غلط زیادہ ہوتی ہے۔"ثُمَّ یَعْتَرِفُوْنَ بِاَنَّھُمْ یَغْلِطُوْنَ كَثِیْرًا" "پھر وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ طور پر غلطیاں ہی واقع ہوتی ہیں' ہماری خبریں یقینی طور پر صحیح نہیں ہوتی ہے۔

"فَاَمَّا الْاِخْبَارُ عَنِ الْغَیْبِ مِنْ غَیْرِ اِسْتِعَانَةٍ بِاٰلَةٍ وَّلَا تَقَدُّمِ مَسْأَلَةٍ لَا یَكُوْنُ اِلَّا بِالْوَحْیِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی"[1] "لیکن غیبی خبروں میں آلات سے کوئی امداد طلب نہیں لی جاتی اور نہ ہی پہلے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔"

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے بعد بھی کوئی یہ کہتا پھرے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہو جائے اسے علم غیب نہیں کہا جاتا تو وہ نادان اپنی عقل کا علاج کرے یا پھر اپنی مردہ عقل کا ماتم کرتا پھرے۔انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کو رب تعالیٰ نے بلند کردیا وہ کسی کے کم کرنے سے کم نہیں ہو سکتی۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَمِنْ ھُنَا یُعْلَمُ اَنَّ عِلْمَ الْجَفْرِ وَعِلْمَ الْفَلَكِ وَنَحْوِھِمَا لَمَّا كَانَتْ مَقْرُوْنَةً بِاُصُوْلٍ وَّضَوَابِطَ لَا یُقَالُ عَنْھَا اَنَّھَا عِلْمُ غَیْبٍ اَبَدًا اِذْ عِلْمُ الْغَیْبِ شَرْطُہٗ اَنْ یَّكُوْنَ مُجَرَّدًا عَنِ الْمَوَادِّ وَالْوَسَائِطِ الْكَوْنِیَّةِ"[2] "یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علم جفر اور علم فلکیات یا اس قسم کے اور علوم چونکہ اصول وضوابط پر مشتمل ہیں۔لہٰذا انہیں کبھی علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔علم غیب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مادہ اور تکوینی واسطوں سے خالی ہو۔"

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 61

[2] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' ص 170

اس سے بھی واضح ہوا کہ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو غیبی کہنے سے انکار کرنا جہالت ہے۔

حواریین کا ایمان لانا:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ۝ (سورۃ المائدۃ 5:7)

''اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں ''اَوْحَيْتُ'' کا معنی القاء یعنی دل میں ڈالنا اور الہام کرنا ہے کیونکہ وحی انبیاءِ کرام کی طرف ہی فقط آتی ہے غیرنبی کی طرف وحی کا معنی القاء الہام ہی ہوتا ہے جیسے {وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى} ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں القاء کیا۔ اور {وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ} اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو انعامات عطا فرمائے ان میں سے یہ بھی ہے کہ حواریین نے آپ کے ارشادات کو تسلیم کیا اور ایمان لائے:

"لِاَنَّ صَيْرُوْرَةَ الْاِنْسَانِ مَقْبُوْلُ الْقَوْلِ عِنْدَ النَّاسِ مَحْبُوْبًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِنْ اَعْظَمِ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَى الْاِنْسَانِ"

''اسلئے کہ انسان کا قول جب دوسرے لوگوں کے نزدیک مقبول ہو جائے اور وہ ان کے دلوں میں محبوب ہو جائے تو یہ اس انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہے۔''

خیال رہے کہ ایمان دل کی صفت ہے یعنی صدقِ قلبی اور اسلام ظاہری اطاعت کا نام ہے گویا کہ رب تعالیٰ نے انہیں دو چیزوں کا حکم دیا: ''اٰمِنُوْا بِقُلُوْبِهِمْ وَانْقَادُوْا بِظَوَاهِرِهِمْ'' دلوں سے ایمان لاؤ اور ظاہری طور پر بھی اطاعت کرو۔ ❶

"قَالُوْۤا اٰمَنَّا طِبْقَ مَا اُمِرْنَا بِهٖ وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ مُخْلِصُوْنَ فِیْ اِيْمَانِنَا وَمُنْقَادُوْنَ لِمَا اُمِرْنَا بِهٖ" ❷

''حواریوں نے کہا: جس طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم اسی کے مطابق ایمان لائے اور تو خود ہی گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں یعنی اپنے ایمان میں مخلص ہیں اور ظاہری طور پر بھی تیرے مطیع ہیں جیسے تو نے ہمارے دلوں میں حکم القاء کیا ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔''

حواریین کون تھے؟

''حواریون'' جمع ہے ''حواری'' کی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ حَوَارِیُّ فُلَانٍ'' ''فلاں شخص فلاں کے مددگاروں

---

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج12، ص127 ❷ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج4، ص58

اور دوستوں میں سے خاص ہے۔

خیال رہے کہ بظاہر وہم ہوتا ہے "حواری" جمع ہے "کراسی" کی طرح لیکن ایسا نہیں "بَلْ هُوَ مُفْرَدٌ مُنْصَرِفٌ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْمُحَقِّقُوْنَ" بلکہ وہ مفرد منصرف ہے جیسا کہ محققین نے وضاحت کی ہے۔

"حواری" سفید ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ گھروں میں باپردہ رہنے والی سورج کی گرمی سے بچنے والی عورتوں کو بھی "حواریات" کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے "دھوبی" کو بھی حواری کہا جاتا کہ وہ کپڑوں کو سفید کرتا ہے۔ عیسی علیہ السلام کے حواریوں کو حوارین کہنے کی وجہ میں مختلف اقوال ہیں:

① وہ سفید کپڑے پہنتے تھے اسلئے انہیں حوارین کہا گیا ہے۔

② وہ دھوبی تھے لوگوں کے کپڑے سفید کرتے تھے اسلئے حوارین کہا گیا۔

③ ان کے دل صاف اور اخلاق پاکیزہ تھے اس لئے ان کا یہ نام ہوا۔

وہ لوگ کیا کام کرتے تھے؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں:

① ایک یہ کہ وہ مچھلی کا شکار کرتے تھے ان میں یعقوب، شمعون اور یوحنا نامی آدمی تھے۔ عیسی علیہ السلام ان کے قریب سے گزرے تو انہیں کہا: تم مچھلی کا شکار کرتے ہو۔

"فَإِنِ اتَّبَعْتُمُوْنِيْ صِرْتُمْ بِحَيْثُ تَصِيْدُوْنَ النَّاسَ بِالْحَيَاةِ الْأَبَدِيَّةِ" "اگر تم میری تابعداری کرو تو تم ہمیشہ لوگوں کا شکار کرو گے یعنی مجھ پر ایمان لاؤ تو تمہیں حیات جاودانی حاصل ہوگی۔"

لوگ خود بخود تمہاری تابعداری کریں گے، تمہارے احکام پر چلیں گے، گویا وہ تمہارے شکار ہوں گے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم، اللہ تعالی کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے شمعون کو پانی میں جال ڈالنے کے لئے کہا، جب اس نے جال ڈالا تو اتنی مچھلیاں نکلیں کہ دو کشتیاں بھر گئیں۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ رات بھر اپنی کوشش کر چکا تھا۔ کئی مرتبہ جال ڈالنے پر کوئی مچھلی نہیں نکلی تھی۔

آپ علیہ السلام کے اس معجزہ کو دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے۔ اس وقت وہاں وہ جتنے لوگ تھے بارہ یا انتیس سب ہی ایمان لے آئے۔ یہ جب بھوکے ہوتے تو کہتے: اے روح اللہ! ہم بھوکے ہیں، تو عیسی علیہ السلام اپنا ہاتھ زمین پر مارتے۔ ہر ایک کو دو روٹیاں نکال دیتے۔ جب وہ پیاسے ہوتے تو پیاس کی شکایت کرتے تو آپ زمین پر اپنا ہاتھ مار کر ہر ایک کو پانی نکال دیتے، تو وہ پانی پی لیتے۔ وہ کہنے لگے: ہم سے افضل کون ہوگا؟ جب ہم طعام طلب کرتے ہیں تو آپ طعام کھلا دیتے ہیں اور جب ہم پانی طلب کرتے ہیں تو آپ ہمیں پانی پلا دیتے ہیں تحقیق ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ عیسی علیہ السلام نے فرمایا:

"اَفْضَلُ مِنْكُمْ مَنْ يَعْمَلُ بِيَدِهٖ وَيَاكُلُ مِنْ كَسْبِهٖ" ''تم میں سے افضل وہ ہے جو اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور اس سے حاصل کردہ مال کھائے۔'' آپ کے اس ارشاد کے بعد انہوں نے محنت و مزدوری شروع کر دی۔ وہ لوگوں کے کپڑے دھوتے تھے اور اس کی حاصل شدہ مزدوری کو ہی اپنا خرچ بناتے۔

(۴) حواریین کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک مرتبہ لوگوں کی دعوت کی۔ طعام تیار ہو گیا' تقسیم کے وقت ایک پیالے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہوئے۔ آپ نے تقسیم کرنا شروع کیا' ایک ہی پیالہ سب لوگوں سے ختم نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے جب آپ کے معجزہ کو دیکھا تو اس نے اپنی بادشاہت چھوڑ دی' آپ کی تابعداری اختیار کر لی۔ بادشاہ کے کچھ قریبی لوگ بھی اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہو گئے ان ہی لوگوں کو ''حواریین'' کہا جاتا ہے۔

(۵) ایک اور قول یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو ایک کپڑے رنگنے والے شخص کے پاس چھوڑا تا کہ یہ بھی کپڑے رنگنا سیکھ جائیں۔ وہ آپ کو جب بھی اپنے فن کی کوئی بات بتانا چاہتا تو وہ آپ پہلے ہی جانتے ہوتے۔ ایک دن وہ شخص کسی کام کے لئے جانے لگا تو آپ کو کہا: کہ یہ کپڑے ہیں' ہر ایک پر میں نے نشان لگا دیا ہے' اسی کے مطابق تم کپڑے رنگ دینا۔ وہ چلا گیا' تو آپ نے تمام رنگ ایک برتن میں ڈال کر پکا دیئے اور اسی ایک برتن میں تمام کپڑے بھی ڈال دیئے اور کپڑوں سے مخاطب ہو کر کہا: "كُوْنُوْا بِاِذْنِ اللّٰهِ كَمَا اُرِيْدُ" تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے ہی ہو جاؤ جیسے میں چاہتا ہوں۔

جب وہ شخص واپس آیا تو اس نے پوچھا: کیا تم نے کپڑے رنگ دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے سب رنگ اور سب کپڑے ایک برتن میں ڈال دیئے ہیں' رنگے جا چکے ہیں آپ نکال لیں۔ اس نے جب یہ سنا تو کہنے لگا تم نے کپڑے برباد کر دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھ کر دیکھو! تو شائد صحیح رنگے ہوں۔ اس نے جب کپڑے نکالنا شروع کئے تو وہ اسی طرح رنگے ہوئے تھے جیسے اس نے نشان لگائے تھے۔ کوئی سرخ' کوئی زرد اور کوئی سبز رنگ تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر وہاں سب حاضرین متعجب ہوئے اور سب نے ایمان قبول کر لیا ان لوگوں کو ہی ''حواریین'' کہا جاتا ہے۔

ان تمام اقوال کے متعلق حضرت قفال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں' بلکہ ان میں سے بعض بادشاہ اور اس کے قریبی تھے اور کچھ شکاری تھے' کچھ کپڑے رنگنے والے اور کچھ دھوبی تھے۔ ان تمام کو ''حواریین'' کہا گیا کیونکہ وہ تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار تھے اور ان کے ساتھ محبت کرنے والے اور ان کی اطاعت میں مخلص تھے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں مجازی معنی لینا زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے جتنے لوگ بھی معاون اور خلوص سے آپ کے ساتھ محبت کرنے والے تھے وہ تمام ''حواریین'' تھے۔ (۱)

---

(۱) روح المعانی' علامہ آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' ص 176

حواریین کا آسمانی طعام طلب کرنا:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ۝

(سورۃ المائدہ 5:7)

''جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے؟ کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اگر ایمان رکھتے ہو۔ بولے: ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔''

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے {هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ} کا ترجمہ کیا...... ''کیا آپ کا رب ایسا کرے گا؟'' کیونکہ یہ سوال کرنے والے حواریین تھے' جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ ''هُمْ اَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِعِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ'' ''حواریین وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔'' قرآن پاک میں ان کے ایمان کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے کیا گیا ہے:

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝

(سورۃ آل عمران 13:3)

''حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ایمان لانے پر آپ گواہ رہیں۔''

حواریین چونکہ مسلمان تھے' انہوں نے رب تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں کیا۔ اسی وجہ سے جلالین میں اس کا معنی بیان کیا گیا ہے: ''هَلْ یَسْتَطِیْعُ اَیْ یَفْعَلُ رَبُّكَ'' کیا تمہارا رب کرے گا۔ تفسیر صاوی میں اسی کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی:

''اَیْ یَفْعَلُ اَیْ فَاَطْلَقَ اللَّازِمَ وَهُوَ الْاِسْتِطَاعَةُ وَاَرَادَ الْمَلْزُوْمَ وَهُوَ الْفِعْلُ وَبِهِمْ بِذٰلِكَ مَا یُقَالُ اِنَّ الْحَوَارِیِّیْنَ مُؤْمِنُوْنَ فَكَیْفَ یَشُكُّوْنَ فِیْ قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی''

(تفسیر صاوی)

یعنی ''ہل یستطیع'' کی تفسیر ''یفعل'' سے مفسر نے اس لئے کی ہے کہ ذکر استطاعت کا ہے' جو لازم ہے اور مراد ملزوم ہے اور وہ فعل ہے کیونکہ جہاں کام کرنا ہو گا' وہاں استطاعت لازم ہو گی یہ مجاز اسلئے مراد ہے کہ ایک سوال کو مندفع کرنا مقصود ہے وہ سوال یہ ہے کہ حواریین تو ایمان والے تھے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی قدرت میں کیسے شک کیا ہے؟ تو اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ یہاں یہ سوال ہی نہیں کہ کیا تمہارا رب ایسا کر سکے گا' بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا تمہارا رب ایسا کرے گا۔''

فائدہ: ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ابو طالب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ وہ مریض تھے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بھائی کے بیٹے! تم اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے عافیت دے دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دعا فرمائی: "اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَمِّیْ" "اے اللہ تعالیٰ! میرے چچا کو شفا عطا فرما۔" "فَقَامَ کَاَنَّمَا نَشَطَ مِنْ عِقَالٍ" "ان کو اسی وقت آرام آیا۔ وہ جلدی سے اس طرح اٹھے، جس طرح کسی اونٹ کی رسی کھول کر آزاد کریں تو وہ خوشی سے پھرتی سے اٹھتا ہے۔

ابوطالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم جس کی عبادت کرتے ہو" یطیعک "وہ تمہاری بات مانتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یَا عَمِّ وَاَنْتَ لَوْ اَطَعْتَہٗ لَکَانَ یُطِیْعُکَ" "اے میرے چچا! اگر تم اس کی اطاعت کرو تو وہ تمہاری حاجات کو بھی پورا کرے گا۔"

ابوطالب نے "یطیعک" لفظ استعمال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے جواب میں حسین انداز میں مشاکلت کے طور پر وہی لفظ "یطیعک" استعمال کیا ہے۔ جس کا ظاہری معنی ہے وہ تمہاری اطاعت کرے گا حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ اس کا معنی ہے: "یُجِیْبُکَ لِمَقْصُوْدِکَ" "وہ تمہارے مقاصد کو پورا فرمائے گا۔ ❶

"مائدہ" ہر چیز جسے بچھایا جائے اور پھیلایا جائے لیکن یہاں مراد "دسترخوان" ہے۔ اسی طرح "مائدہ" اسے بھی کہتے ہیں جو چیز بلند ہو اور کھانا کھانے کے لیے اسے تیار کیا جائے۔ (جیسے آجکل ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھایا جاتا ہے)

"وَالْاَکْلُ عَلَیْہِ بِدْعَۃٌ لٰکِنَّہٗ جَائِزٌ اِنْ خَلَا عَنْ قَصْدِ التَّکَبُّرِ" "اس پر کھانا اگرچہ بدعت ہے لیکن تکبر کی نیت نہ ہو تو جائز ہے۔"

اس میں ان لوگوں کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے جو ہر بدعت کو گمراہی بھی کہتے ہیں اور پھر ہزارہا بدعات کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں۔

"وَتُطْلَقُ الْمَائِدَۃُ عَلٰی نَفْسِ الطَّعَامِ اَیْضًا" "مائدہ کا اطلاق طعام پر بھی کیا جاتا ہے۔"

عام محققین نے ایسا ہی بیان کیا ہے یعنی انہوں نے آسمان سے طعام اترنے کا مطالبہ کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم اس قسم کے سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو زیادہ نشانیاں اور معجزات کا مطالبہ نہ کرو۔

حضرت فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ نے کہا: کہ تقویٰ رکھو! اللہ تعالیٰ خود ہی تمہاری امیدوں کو پورا کرتا رہے گا۔

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ "اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ ہو۔" (سورۂ طلاق 29:1)

اور آپ نے فرمایا: اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت پر ایمان ہے اور میری نبوت کے صحیح ہونے پر یقین ہے اور تمہیں اپنے ایمان میں کمال اور خلوص حاصل ہے اور اگر تم اپنے دعوی ایمان اور خلوص میں سچے ہو تو اس قسم کے سوال کرنے کا تمہارا کیا مقصد ہے؟ ❷

---

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4، ص 59 ❷ حوالہ مذکورہ

قوم نے جواب دیا کہ ہم آسمانوں سے کھانا اترنے کا سوال کر کے ایک معجزہ کی طلب نہیں کر رہے' بلکہ ہمارا یہ سوال درحقیقت کئی چیزوں کی طلب پر مشتمل ہے:

① ہم چاہتے ہیں کہ آسمان سے ہمارے لئے کھانا اترے کیونکہ ہم بھوک میں مبتلا ہیں' ہمارے پاس اور کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔

② ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو جائے لیکن جب ہم اس کا مشاہدہ کریں گے کہ یہ کھانا آسمانوں سے نازل ہوا ہے تو ہمارا یقین اور بڑھ جائے گا اور اطمینان ہوگا۔

③ ہم آپ کے کئی معجزات کو دیکھ کر آپ کی صداقت کا یقین کر چکے ہیں۔ جب یہ معجزہ بھی دیکھ لیں گے تو آپ کی صداقت و نبوت پر ہمارا ایمان اور زیادہ ہوگا۔ آپ کی معرفت اور زیادہ حاصل ہوگی' آپ کے متعلق اور اطمینان ہوگا۔

④ اس سے پہلے آپ نے اگرچہ کئی معجزات دکھائے ہیں لیکن وہ تمام زمین سے تعلق رکھنے والے تھے۔ اب ہم وہ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں جس کا تعلق آسمانوں سے ہے۔ یہ عظیم اور عجیب معجزہ ہوگا' جب ہم اس کا مشاہدہ کر لیں گے تو ہم اس پر گواہ بن جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ نہیں حاضر انہیں بھی بتائیں گے۔

⑤ ہم یہ کھانا بطور تبرک کھائیں گے کہ یہ نبی کے معجزہ سے حاصل ہے۔

⑥ اور ہم یہ کھانا بطور محبت کھائیں گے کہ ہمیں یہ اپنے نبی کے ذریعے حاصل ہے۔[1]

عیسیٰ علیہ السلام کی مائدہ کے لئے دعا:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾

(سورۂ مائدہ 5:7)

"عیسیٰ بن مریم نے عرض کی: اے اللہ تعالیٰ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو' ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔"

جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان لوگوں کا معجزہ کی طلب پر اصرار ہے اور غرض بھی ان کی صحیح ہے تو آپ نے دعا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ آپ نے بکری کے بالوں کا بنا ہوا سیاہ موٹا لباس پہنا' وضو کیا' غسل کیا' نوافل ادا کئے' قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہوئے' نہایت خشوع و خضوع سے آنکھوں کو بند کر کے سر کو جھکایا' آنسو بہاتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور التجاء کی: اے اللہ تعالیٰ! ہم پر آسمانوں سے دستر خوان نازل فرما جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید بنے۔[2]

---

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4' ص 60 [2] ایضاً

"تَتَّخِذُ الْيَوْمَ الَّذِي تُنْزَلُ فِيهِ الْمَائِدَةُ عِيدًا نُعَظِّمُهُ نَحْنُ وَمَنْ يَأْتِي بَعْدَنَا" "یعنی جس دن آسمانوں سے خوان اترے گا ہم اسے اپنے لئے عید کا دن سمجھیں گے ہم بھی اس دن کی عظمت کریں گے اور ہمارے بعد آنیوالے بھی اس کی عظمت کریں گے۔"

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا' عبادتیں کرنا' شکر الٰہی بجالانا' طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف کے موضوع پر نعتیں پڑھ کر' تقاریر کر کے' تلاوت قرآن پاک کر کے شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح و سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ میں نے اپنی کتاب "شمع ہدایت" میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ یہاں اس کا ایک ورق بطور خلاصہ ذکر کر رہا ہوں:

"سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّ لِلّٰهِ فِيهِ عَوَائِدُ الْإِحْسَانِ وَلِعَوْدِهِ بِالسُّرُورِ غَالِبًا أَوْ تَفَاؤُلًا وَ يُسْتَعْمَلُ فِي كُلِّ يَوْمٍ فِيهِ مَسَرَّةٌ وَلِذَا قِيلَ:
عِيدٌ وَعِيدٌ وَعِيدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعَةً
وَجْهُ الْحَبِيبِ وَيَوْمُ الْعِيدِ وَالْجُمُعَةِ" ❶

"عید کو "عید" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں اور ان کے آنے سے سرور بھی غالباً لوٹ آتا ہے یا نیک شگونی کی وجہ سے "عید" کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کرے خوشی لوٹ آئے' ہر مسرت کے موقع پر لفظ عید استعمال کیا جاسکتا ہے اسی وجہ سے شاعر نے کہا: آج تو تین عیدیں جمع ہو گئیں۔ حبیب کے چہرے کا دیدار' عید کا روز اور جمعہ کا دن۔"

معلوم ہوا کہ ہر مسرت کے دن کو "عید" کہنا' فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ جب ہر مسرت کے دن کو "عید" کہا جاتا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت کے دن سے بڑھ کر مسرت کا دن اور کونسا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے...... {اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ...... الخ} ...... آیت کریمہ تلاوت کی تو آپ کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا: اگر یہ آیت کریمہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بناتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمِ عِيدَيْنِ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ" ❷ "بیشک یہ آیت کریمہ اس دن نازل ہوئی جس دن دو عیدیں تھیں: ایک جمعہ کا دن اور ایک نویں ذوالحجہ کا دن۔"

وہ دونوں ہمارے لئے عید کے دن ہیں یعنی ہم ہر ذوالحج کی نو تاریخ کو "عید" مانتے ہیں اور یہ آیت کریمہ بھی جمعۃ الوداع کے موقع پر اسی دن نازل ہوئی اور جمعہ کا دن بھی ہمارے لئے عید کا دن ہوتا ہے۔ اس طرح یہ آیت کریمہ جب نازل

❶ در مختار' باب العیدین' ج 1 ص 610 ❷ مشکوۃ' باب الجمعہ' ج 1' ص 121

ہوئی' اس دن دو عیدیں تھیں۔ واضح ہوا کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے نازل ہونے کی وجہ سے جب عید بن گئے تو یقیناً جس دن سراپا رحمت' جانِ رحمت' حبیب کبریا ﷺ تشریف لائے وہ دن سب عیدوں کے دنوں سے بڑا ہے' البتہ محبت وایمان کے بغیر اسے سمجھنا دشوار ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ بجوابِ عیسیٰ علیہ السلام:

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (سورۂ مائدہ 5:7)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اسے تم پر اتارتا ہوں' پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔''

آپ کی دعا سے سرخ رنگ کا مائدہ دو بادلوں کے درمیان اترا' جسے سب لوگ دیکھ رہے تھے' یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آ گیا۔ اس خوان کے آنے کو رب تعالیٰ نے چونکہ اس سے مشروط کر دیا تھا کہ نازل تو میں کر رہا ہوں لیکن اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا' نافرمانی کرے گا' اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہان میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔ اس شرط کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام خوان کو اترتے ہوئے دیکھ کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الشَّاكِرِیْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا مُثْلَةً وَّعُقُوْبَةً"

''اے اللہ تعالیٰ! مجھے شکر گزاروں میں رکھ۔ اے اللہ تعالیٰ! اس خوان کو ہمارے لئے رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے تباہی اور عذاب نہ بنا۔''

پھر آپ نے وضو فرمایا نوافل ادا کئے' روتے ہوئے' دعا کرتے ہوئے' اس سے رومال کو ہٹایا جس سے وہ ڈھانپا ہوا تھا اور کہا:

"بِسْمِ اللّٰهِ خَیْرِ الرّٰزِقِیْنَ"

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہتر رزق دینے والا ہے۔''

اس خوان میں آپ نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی ہے۔ اس مچھلی میں کانٹے اور چھلکے نہیں۔ اس کے سر پر نمک' دم پر سرکہ اور اس کے اردگرد مختلف قسم کی سبزیاں ہیں۔ اس پر ہر قسم کی سبزیاں تھیں' سوائے ایک ساگ کراث (گندنا کا ساگ) کے اور اس خوان میں پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک پر زیتون' دوسری پر شہد' تیسری پر گھی' چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر بھنا ہوا گوشت۔

شمعون نے پوچھا: اے روح اللہ علیہ السلام! کیا یہ دنیا کا کھانا ہے یا کہ آخرت کا؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں سے نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے اب ہی معرض وجود میں لایا ہے۔ تمہارے سوال کے مطابق رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اب تم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا تو وہ تمہاری اور امداد فرمائے گا اور اپنا فضل اور زیادہ فرمائے گا۔ وہ لوگ کہنے لگے: اے روح اللہ علیہ السلام! اس معجزہ میں آپ کوئی معجزہ بھی دکھا دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"یَا سَمَکَۃُ اَحْیِیْ بِاِذْنِ اللّٰہِ" ''اے مچھلی! اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا۔''

وہ مچھلی تڑپی اور زندہ ہو گئی۔ آپ نے پھر فرمایا: تو اپنے پہلے حال کی طرف لوٹ جا! وہ پھر اسی طرح بھنی ہوئی مچھلی بن گئی۔ ان لوگوں نے اس سے سیر ہو کر کھایا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اس میں خیانت نہ کریں' اسے دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں' لیکن انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ بنالیا' تو وہ اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آ گئے۔ دنیا میں انہیں شدید عذاب یہ دیا گیا کہ انہیں خنزیر بنا دیا گیا۔ تین سو تیس آدمی اس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ رات انہوں نے ٹھیک ٹھاک اپنے اہل و عیال میں گزاری' لیکن صبح خنزیر بنا دیئے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر روتے تھے۔ آپ جب ان کے نام لے کر انہیں بلاتے تو وہ سر ہلاتے لیکن انہیں کلام کرنے کی طاقت نہ ہوتی' اسی حال میں وہ تین دن زندہ رہے پھر مر گئے۔ یہ تو ان کو دنیاوی عذاب دیا گیا' اخروی عذاب بھی انہیں شدید ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ کَفَرَ مِنْ اَصْحَابِ الْمَائِدَۃِ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَآلِ فِرْعَوْنَ" [1] ''بیشک قیامت کے دن سخت عذاب مائدہ میں خیانت کرنے والوں اور منافقین اور فرعون اور اس کی قوم کو ہوگا۔''

یہودیوں کی سازش:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر بتائی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔''

(سورۂ آل عمران 3:13)

عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کی سازش کافروں نے کیوں کی؟ اس کی چند وجوہ ہیں:

﴿1﴾: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا' آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی تو وہ سرکش اور نافرمان ہو گئے تو آپ نے ان سے مخفی رہنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں حال تھا کہ آپ کفار کے خوف سے ابتداء میں مخفی طور پر نمازیں ادا فرماتے رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ کہیں تشریف لے گئے' تاکہ ان لوگوں سے کچھ دیر کے لئے کنارہ کش ہو جائیں تو آپ نے ایک بستی میں ایک شخص کے پاس قیام کیا' اس نے بہت اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ اس شہر کا بادشاہ بڑا ظالم تھا' ایک دن وہ شخص جو آپ کا مہمان نواز تھا' غمگین تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم اتنے پریشان غمگین کیوں ہو؟ اس نے کہا: اس شہر کا بادشاہ بڑا ظالم ہے اور اس کی عادت ہے کہ وہ ہم میں سے ہر شخص پر باری باری دعوت کو لازم کر دیتا ہے کہ اس کی اور اس کے لشکر کی دعوت کرے۔ انہیں کھانا کھلائے اور

[1] روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج4' ص62

شراب پلائے۔ آج میری باری ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں کہ میں اس کی دعوت کا انتظام کرسکوں۔

جب حضرت مریم علیہا السلام نے سنا تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کہا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی! اس کے لئے دعا کرو تا کہ اس کی مشکل حل ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری امی! اگر میں نے اس کے لئے دعا کر دی تو اس میں فتنہ برپا ہو جائے گا' لیکن حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: اس شخص نے ہماری بہت عزت کی' احسان واکرام کیا' اس پر بھی احسان ہونا چاہئے۔

والدہ کے ارشاد واصرار پر آپ نے کہا: کہ جب بادشاہ اور اس کا لشکر کے آنے کا وقت قریب ہو جائے تو ہنڈیا اور مٹکے پانی سے بھر لینا اور مجھے مطلع کرنا۔ جب اس شخص نے آپ کے ارشاد پر عمل کر لیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ جتنی ہنڈیا پانی سے بھری تھیں' سب میں پکا ہو گوشت ہو گیا اور سب پانی سے بھرے ہوئے مٹکے شراب سے بھر گئے۔

جب وہ بادشاہ اور اس کے لشکری آئے تو انہوں نے کھانا کھایا اور شراب پی تو بادشاہ نے اس شراب کو عام شرابوں سے مختلف لذت والا پا کر سوال کیا کہ شراب تم کہاں سے لائے؟ پہلے تو اس شخص نے کافی ٹال مٹول سے کام لیا لیکن بادشاہ کے زیادہ مجبور کرنے پر اس نے بتا دیا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا چند دن پہلے مرگیا تھا' اس نے خیال کیا کہ جس شخص کی دعا سے اللہ تعالیٰ پانی کو شراب بنا دیتا ہے۔ اس کی دعا سے اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو بھی زندہ کر دے گا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو زندہ کر دے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ اگر وہ زندہ ہو گیا فتنہ برپا ہو جائے گا۔ اس بادشاہ نے کہا: جب مجھے میرا بیٹا نظر آ جائے گا تو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہو گی اور جب تم میرے بیٹے کو زندہ کر دو گے تو میں تمہیں ہر قسم کی آزادی دے دوں گا' تم جو چاہو وہی کرو' تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کا لڑکا زندہ ہو گیا۔

جب اس کی بادشاہی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ اس کا لڑکا زندہ ہو گیا تو وہ فوراً اپنے اپنے ہتھیار لے کر آ گئے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی جب زیادہ شہرت ہونے لگی تو یہود نے حسد کرنا شروع کر دیا' آپ کے نسب میں طعنہ زنی شروع کر دی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔

﴿۴﴾: عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی بشارت تورات میں رب تعالیٰ نے دے دی تھی۔ اس لئے یہود کو معلوم تھا کہ انہوں نے تورات کے کئی احکام منسوخ کر دینے ہیں۔ اسلئے پہلے انہوں نے آپ کے نسب پر طعنہ زنی شروع کی' پھر آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے یعنی آپ نے جب دین حق کی دعوت دینی شروع کی تو یہود کا غضب بڑھ گیا اور آپ کو ایذا پہنچانی اور وحشت پھیلانی شروع کی اور آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ [1]

---

[1] تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 64-65

تنبیہ: {وَمَكَرَ اللّٰهُ} کا کئی لوگوں نے ترجمہ کیا "اللہ تعالیٰ نے مکر کیا" جو اردو زبان میں "فریب" اور "دھوکہ دینے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ ترجمہ کر کے لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی معاذ اللہ "مکار" ہے، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے اہل سنت نے ترجمہ کیا ہے "اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر کی" یہی معنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تقریباً ہر زبان میں بلا استثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں، جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہل زبان ان الفاظ کو بلا تامل ان کے مختلف معنوں میں استعمال کرتے رہتے ہیں، لیکن جب وہی لفظ کسی دوسری زبان میں استعمال ہونے لگتا ہے تو اپنے اصلی مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں تو اس کا وہی معنی ہمارے ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے، چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال لفظ "مکر" ہے اس کا معنی "حیلہ سازی" بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف "تدبیر کرنے" اور "کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں ہم اس لفظ مکر کو صرف "دھوکہ دہی" اور "فریب کاری" کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جب اس فعل کی نسبت ذاتِ باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے، حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذاتِ مقدس ہو، جو ہر عیب، ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظِ مکر کا معنی صرف "خفیہ تدبیر" یا خفیہ طریقہ جس سے دشمنانِ حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے کریں گے اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔

"قَالَ الْمُفَضَّلُ وَمَكَرُوْا وَدَبَّرَ اللّٰهُ وَالْمَكْرُ لُطْفُ التَّدْبِيْرِ" (بحر محیط)

"مفضل فرماتے ہیں: "وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ" کا معنی ہے اور یہودیوں نے بھی (مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مسیح علیہ السلام کو بچانے کی) خفیہ تدبیر کی۔"

کیونکہ مکر کا معنی یہاں صرف لطیف تدبیر ہی لیا جا سکتا ہے اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لئے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدۂ مشاکلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے، وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے، اسے اس لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو مثلاً {وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا} "یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔" اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوا کرتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً {فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ} "یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو" حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام

کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔ ❶

لیکن یہ نکات وضوابط صرف اہلِ علم ہی جانتے ہیں' عوام الناس ان سے بے خبر ہوتے ہیں۔ان کے سامنے وہی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس سے وہ کوئی فائدہ حاصل کر سکیں۔ایسے تراجم کا کیا فائدہ جو شکوک وشبہات تو پیدا کریں لیکن کوئی نفع نہ دے سکیں۔

ایمان والوں سے عیسیٰ علیہ السلام کا امداد طلب کرنا:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾

(سورۂ بقرۃ 13:3)

"پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا: کون ہوتے ہیں میرے مددگار اللہ تعالیٰ کی طرف؟ حواریوں نے کہا: ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں' ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔"

جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حکیمانہ کلام اور اپنے معجزات اس قوم کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے بجائے اطاعت کے ان کے قتل کرنے کی تدبیر کی۔لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس ارادہ اور پختہ کفر کو علامات سے محسوس فرمایا۔اپنے متبعین سے خطاب کیا: فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) میرا مددگار کون ہے؟ ان کے خاص دوستوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں۔اے عیسیٰ علیہ السلام! ہم آپ کی ضرور مدد کریں گے۔اس مدد پر کوئی دنیوی اجرت مانگتے ہیں' نہ کوئی اور چیز۔خواہش یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اور مسلمان ہونے کی گواہی دیں' پھر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے: اے مولیٰ! ہم تیری تمام اتاری ہوئی کتابوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کردہ معجزات پر ایمان لائے اور سچے دل سے ظاہر و باطن میں تیرے اس رسول کے پیروکار بنے۔ ❷

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ:

تفسیر خازن اور روح المعانی میں بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کو جب

---

❶ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 1' ص 234 ❷ تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 3' ص 466

عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی تو وہ آپ سے مقابلہ تو نہ کر سکے البتہ آپ کی شان میں گستاخی شروع کر دی اور آپ کی والدہ مکرمہ پر عیب لگانے شروع کر دیئے اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کر دیں۔

ایک دن آپ شہر میں گشت فرما رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے مولائے کائنات! میں کہاں تک صبر کروں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تو ان کو خنزیر بنا دے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ سب خنزیر بن گئے۔

اس واقعہ سے لوگوں پر ایک خوف طاری ہو گیا کسی نے اس وقت کے یہودی بادشاہ کو خبر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ آپ کی دعا سے اتنے لوگ خنزیر بن گئے ہیں۔ تم بھی ان کے مخالف ہو اس لئے تم اپنی فکر رکھو کہیں یہ تمہارے خلاف بھی دعا نہ کر دیں اور تمہارا بھی ایسا حال نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کیا ہو سکتا ہے ایسے مقبول الدعا کے مقابلہ میں تو کوئی تدبیر بھی کام نہیں آ سکتی البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی حیلہ سے شہید کر دیا جائے تو ان کی دعا کا خوف ختم ہو جائے گا کہ کہیں وہ مخالف دعا نہ کریں۔

اس نے ایک شخص "ططیانوس" کو اس کام کے لئے منتخب کر دیا۔ ایک منافق شخص تھا بظاہر عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملتا تھا لیکن در پردہ وہ یہود سے بھی ملا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ درپیش آنے والا ہی تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پہلے فرما دیا تھا کہ آج صبح سے پہلے ہی مجھے ایک شخص چند دراہم کے عوض فروخت کر دے گا۔

خیال رہے کہ منافقین تقریباً ہر دور میں رہے یعنی جہاں مخلصین ہوتے ہیں وہاں منافقین بھی ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زمانہ میں بھی منافقین تھے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں آیا تھا اسوقت تک جاننے کے باوجود آپ ان سے چشم پوشی فرماتے رہے۔ جب حکم آ گیا تو ایک ایک کا نام لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم تھا لیکن آپ بھی رب تعالیٰ کی مشیت پر شاکر تھے۔ اسے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی کسی اور کو کہا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ططیانوس کو اس یہودی بادشاہ نے جس کا نام بھی "یہودا" تھا تیس درہم دینے کا وعدہ کیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خود شہید کر دے یا کسی سے کرا دے۔ تیس درہم کے لالچ میں آ کر "ططیانوس" نے "یہودا" کے چند آدمیوں کو ساتھ لیا اور آپ کی قیام گاہ پر آ گیا۔ ان لوگوں کو باہر کھڑا کیا اور خود اندر گیا۔ اس کے سامنے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑکی کے ذریعے آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا گیا۔ وہ یہ ماجرا دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور کافی دیر تک اس تعجب میں گم سم رہا۔ اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ شائد "ططیانوس" اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔ وہ اندر جانا ہی چاہتے تھے لیکن ان کا ساتھی باہر آ گیا اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔

اب اس کے باہر نکلتے ہی اس کے ساتھی یہودیوں نے یہی سمجھا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ یہ ان کا ہم شکل بھی تھا۔ اسلئے انہوں نے اسے پکڑلیا' یہ چلا چلا کر انہیں بتا رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ حضرت مسیح کو قتل کرنے گیا تھا لیکن اس کی بات کو کسی ایک نے بھی نہ سنا' بلکہ وہ کہنے لگے: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ اب ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہوئے یہ کہہ کر اسے سولی پر چڑھا دیا۔

خیال رہے کہ عیسائی بھی آج تک اسی وہم میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا' البتہ پھر زندہ کر کے انہیں آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے سارے عیسائی "صلیب" کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ططیانوس کو قتل کیا گیا نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ﴿۱۵۷﴾

(سورۂ نساء 2:6)

"اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ فرزند مریم کو جو کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے' حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے' بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لئے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک شبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔"

یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسول مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ مفسرین کرام علیہم الرضوان نے لکھا ہے کہ جب وہ آپ کو رسول مانتے تھے تو پھر قتل کا منصوبہ کیوں تیار کیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

①: یہ الفاظ انہوں نے بطور تمسخر بڑھائے تھے وہ آپ کو رسول مانتے ہی نہیں تھے۔

②: یہ الفاظ یہود نے نہیں بڑھائے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بیان کرنے کے لئے بڑھائے ہیں۔

اگر یہود کی گزشتہ تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ کچھ بعید معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو رسول اللہ مانتے ہوئے انہوں نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھانی ہو۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبی مانتے تھے لیکن جب ان بزرگواروں نے انہیں ان کی بد اخلاقیوں پر ٹوکا تو انہیں اپنے ہاتھوں سے شہید کر دیا۔ بہر حال ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے' قرآن پاک میں اس کو مکمل اور واضح کر دیا گیا ہے اور پھر ان کا اس پر اترانا اور فخر کرنا اس سے بڑھ کر ان کے کفر کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن یہود بھی دعوی کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور سولی پر دے دیا اور آپ کو ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو سولی دے دی" گویا بیٹا سولی پر لٹکتے ہوئے

ایلی ایلی (تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) فریاد کرتا رہا اور باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی"۔ اسی محاورے کے مطابق جب دشمن اور دوست اس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی عظمت وجلالت شان سے پردہ اٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے باعث انہوں نے قتل کرنے کی سر توڑ کوشش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنا دیا اور اپنے رسول کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے جیسے مختلف انجیلوں میں مذکور ہے۔ (تحریف شدہ انجیلیں غیر معتبر ہیں)

مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن پاک میں اس جگہ توضیحی نوٹ لکھا ہے۔ اس میں اس بات کی بڑی زحمت اٹھائی ہے کہ آیات قرآن کو انجیلوں میں بیان کردہ حکایات پر منطبق کریں' چنانچہ وہ ان تفصیلات کو جو انجیلوں میں موجود ہیں بڑی فراخدلی سے قبول کرتے ہیں کہ:

> حضرت مسیح کو سولی دی گئی چنانچہ نیم جان ہو کر دوسرے دو مجرموں کی طرح نیچے گر پڑے آپ کے پہلو میں ضربیں لگا لگا کر چھلنی کر دیا گیا اور خون کے فوارے بہہ نکلے وغیرہ۔" پھر آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:
>
> "قرآن ان چیزوں کا انکار نہیں کرتا کیونکہ قرآن نے بھی سولی پر مرنے کی نفی کی ہے"

لیکن اگر وہ ذرا سا تامل کرتے (سوچتے) تو قرآن کا ایک لفظ ہی ان کو اس زحمت لا طائل (بے فائدہ) سے بچا لیتا وہاں دونوں چیزوں کی نفی ہے مرنے کی بھی اور سولی پر چڑھائے جانے کی بھی' کیونکہ صَلَبَ کا معنی ہے: {اَلصَّلْبُ هُوَ تَعْلِيْقُ الْإِنْسَانِ لِلْقَتْلِ} کسی انسان کو لٹکا دینا کہ وہ مر جائے۔ مر جانا صلب کے معنی موضوع لہ میں داخل نہیں بلکہ اس فعل کا مقصد ہے اور مقصد وغایت مفہوم کو مستلزم ہوتا ہے لیکن معنی میں داخل نہیں ہوا کرتا۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہود اپنے مقصد میں بظاہر کامیاب ہو گئے انہوں نے اپنے ساتھی طلطیانوس کو مسیح سمجھ کر پکڑا بھی اور اس کے منہ پر تھوکا بھی اور اسے کانٹوں کا تاج بھی پہنایا اور پھر سولی پر بھی چڑھایا گویا اپنی طرف سے انہوں نے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسیح بچ گئے' ان کو رب تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہود بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے کہ وہ اپنے ہی ساتھی کو مسیح سمجھ کر تذلیل وتحقیر بھی کرتے رہے اور اذیت رسانی کے سارے ارمان پورے کرتے رہے لیکن یہ ساری ذلت ان کے اپنے ہی ساتھی کو حاصل ہوئی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی ناپاک سازش کو ناکام کر دیا اور اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسول کی توہین کرنے کا انہیں موقع قطعاً نہیں دیا اور یہی قرآن کا واضح اعلان ہے۔

یہود ونصاریٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی چڑھانے میں شک ہی رہا۔ وہ فقط اپنے ظن ہی کی پیروی ہی کرتے رہے۔ یہود کہتے تھے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے اور اگر ہمارا ساتھی قتل ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ اور اس بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال کی حد نہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تین مشہور فرقوں کی آراء نقل کی ہیں:

① نسطوریہ ② ملکانیہ ③ یعقوبیہ

①: نسطوریہ فرقہ کا قول یہ ہے کہ حضرت مسیح کا "ناسوت" سولی چڑھایا گیا لیکن ان کا "لاہوت" سولی نہیں چڑھا گیا۔

②: ملکانیہ کا خیال ہے کہ "لاہوت" کو بھی سولی چڑھایا گیا لیکن بالذات نہیں بلکہ بواسطہ "ناسوت"

③: یعقوبیہ کا نظریہ ہے کہ "ناسوت" اور "لاہوت" دونوں کو سولی چڑھایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی یہ آراء کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ سب کچھ ظن وگمان کی نقش آرائیاں ہیں۔ حضرت مسیح کے نام سے واقف ہیں جتنی قومیں جہاں کہیں بستی تھیں سب اسی غلط فہمی کا شکار تھیں کہ آپ کو سولی پر چڑھایا گیا۔ اس عالمی غلط فہمی کا ازالہ اور حضرت مسیح کی عظمت کا اعلان اگر قرآن حکیم نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ اسلئے بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے:

ایک مرتبہ فرمایا: {وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ} "نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھا سکے۔" اور پھر فرمایا: {وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا} "اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔" یعنی یہ بات یقینی ہے شک ووہم اور گمان سے پاک ہے جس بات کو رب تعالیٰ یقینی کہے اس میں پھر شک کرنا کفر نہیں اور کیا ہے؟ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھائے اور آپ کی موت کا قول کرنے والے خود ہی اپنی زبان سے برملا طور پر اپنے کفر کا اعلان کر رہے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں پھیلے ہوئے تمام نظریات کا بطلان کر کے اب قرآن خود بتاتا ہے کہ وہ کہاں گئے فرمایا: {بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ} بلکہ اٹھالیا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف۔

اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں اٹھالیا؟ کہیں وہ خود بیٹھا تو ہے نہیں کہ وہاں بلالیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معراج میں اس کی تصریح موجود ہے کیونکہ "رفع" کا معنی بلند کرنا ہے۔ اگر کسی چیز کو نیچی جگہ سے اٹھا کر بلند جگہ رکھ دیا جائے یا کسی کا مرتبہ اور شان بلند کر دی جائے تو وہاں "رفع" کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں یعنی بلندیٔ مقام اور بلندیٔ شان تو "رفع" کا استعمال کیوں دل میں کھٹکے۔ بات اتنی سی تھی بالکل مختصر اور دوٹوک کہ یہودیوں کا دعویٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح کو سولی دیا گیا دونوں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ آپ کو آسمان پر اٹھایا لیکن انسان کی کج بختی یا ندرت آفرینی کا کیا علاج؟ جب تک سیدھی اور صاف بات میں اپنی میخ نہ لگالے حضرت کو قرار نہیں آتا۔

جناب مرزا صاحب تشریف لائے اور اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لئے وفاتِ مسیح کو بطورِ اساس قرار دیا' حالانکہ ختمِ نبوت کے مسئلہ کو حیاتِ مسیح کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر بفرضِ محال حیاتِ مسیح ثابت نہ ہو سکے تو بھی خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی کا کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کا صریح انکار اور کفر ہے۔

مزید برآں مرزا صاحب کا مسیح ہونے کا دعویٰ استدلال بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ آپ مسیح کیوں ہیں؟ اس لئے کہ احادیث میں موجود ہے کہ حضرت مسیح آئیں گے اور حضور ﷺ کا کوئی فرمان غلط نہیں ہو سکتا اور اگر پوچھا جائے کہ جناب! جن احادیث میں مسیح علیہ السلام کی آمد کا ذکر ہے ان میں تو مسیح کا نام اور ان کی والدہ کا نام اور محلِ نزول اور جو کارہائے نمایاں آپ انجام دیں گے ان سب کا تفصیلی ذکر ہے اور حسنِ اتفاق کہ آپ میں ان تفصیلات میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں پائی جاتی تو پھر آپ وہ مسیح کیوں کر ہوئے؟ جس کی آمد کا وعدہ فرمایا گیا۔

جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو پھر انہیں احادیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور جب اس کامیابی نظر نہیں آتی تو پھر تاویلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے دانشوروں نے بچھڑے کو خدا مان لیا تھا تو آج اگر کوئی مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود مان لے تو کیا تعجب ہے؟

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (سورۂ نساء 2:6)

''اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہلِ کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر اُن کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ۔''

یعنی عیسیٰ علیہ السلام وفات سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور اس زمانہ میں جتنے اہلِ کتاب ہوں گے آپ پر ایمان لا کر دینِ اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ابن حیان کی عبارت:

"وَالظَّاهِرُ اَنَّ الضَّمِيْرَيْنِ فِيْ بِهٖ وَمَوْتِهٖ عَائِدَانِ اِلٰى عِيْسٰى وَهُوَ سِيَاقُ الْكَلَامِ" (بحر محیط)

''ظاہر یہی ہے کہ لفظ "بہ" اور لفظ "موتہ" میں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ سیاقِ کلام سے یہی سمجھ آتا ہے۔''

اور امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

"وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصِّحَّةِ وَالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ تَاْوِيْلُ ذٰلِكَ اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِعِيْسٰى قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى"

''تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ بہ اور موتہ کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ (علیہ السلام) ہے یعنی تمام کتابی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے۔''

اور علامہ قرطبی یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَقَالَہٗ قَتَادَۃُ وَابْنُ زَیْدٍ وَغَیْرُھُمَا وَاخْتَارَ الطَّبَرِیُّ وَنَحْوُہٗ عَنِ الضَّحَّاکِ وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ"

"کہ حضرت قتادہ ابن زید و غیرہما کا یہی قول ہے۔ ضحاک، سعید بن جبیر اور امام طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔"

خیال رہے کہ بعض حضرات نے "موتہ" میں ضمیر کا مرجع اہل الکتاب کو بنایا تھا اور بعض نے ذات عیسیٰ علیہ السلام کو۔ یہی قول راجح ہے کہ "بہ" اور "منہ" کی ضمیر ذات عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں اور اسی قول کی وجہ ترجیح یہ حدیث بیان کرتے ہیں، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ لَیَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَلَیَقْتُلَنَّ الدَّجَّالَ وَلَیَقْتُلَنَّ الْخِنْزِیْرَ وَلَیَکْسِرَنَّ الصَّلِیْبَ وَتَکُوْنُ السَّجْدَۃُ وَاحِدَۃً لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ثُمَّ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یُعِیْدُھَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ"

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے تم میں ضرور اتریں گے وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا جو پروردگار عالم ہے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دلیل کی ضرورت ہو تو یہ آیت پڑھو {وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ} ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: موتہ کی ضمیر "عیسیٰ" کی طرف لوٹتی ہے آپ نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔"

یہ حدیث ان کثیر التعداد احادیث میں سے ایک ہے جن میں آنے والے مسیح کی والدہ کا نام ذکر کیا گیا ہے اور ان کی صفات اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ انصاف سے کہیے! کیا جناب مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جاتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر وہ مسیح موعود (یعنی وہ مسیح جس کے آمد کا وعدہ کیا گیا ہے) کیوں کر بن سکتے ہیں؟ [1]

حیات عیسیٰ علیہ السلام:

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی دے دی اور ان کی جان نکل گئی اور پھر ان کو دفن کر دیا گیا اگرچہ آج تک وہ اس شبہ میں گرفتار ہیں کہ ہمارا ططیانوس کہاں گیا؟ عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا اور آپ کی جان بھی نکل گئی مگر پھر رب نے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی اور آسمان پر اٹھا لیا۔ اسی لئے وہ صلیب کو پوجتے ہیں اور اسی سولی کو سارے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں، کفارہ کا مسئلہ سولی پر ہی مبنی ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ آپ کو سولی دی گئی اور نہ آپ کی وفات واقع ہوئی، بلکہ آپ کو اسی طرح بمع جسم شریف

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، ج 1، ص 415-419..........روح المعانی، ج 4، ص 10..........تفسیر خازن، ج 1، ص 669

زندہ اٹھایا گیا چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھالیا جانا قطعی یقینی اجماعی مسئلہ ہے اس پر ساری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے۔ البتہ وہب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو صرف تین ساعتوں کے لئے موت دی لیکن آپ کو سولی نہیں چڑھایا گیا' پھر تین لحات کے بعد آپ کو زندہ کر کے آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ بہر حال وہب بھی عیسیٰ علیہ السلام کے اب زندہ ہونے اور آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔

خیال رہے کہ وہب کا قول جمہور مسلمانوں کے مخالف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے بہر حال اس مسئلہ میں آج تک مسلمانوں میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہوا۔ مرزائیوں نے چودھویں صدی میں اس قطعی اور یقینی مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ صرف مرزا صاحب کے نبی بنانے کے شوق میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ:

> ''عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے تختہ پر لٹکایا اور انہیں بہت ذلیل بھی کیا مگر رب تعالیٰ نے ان کی جان صلیب پر نہ نکلنے دی بلکہ یہود انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے آپ غشی کی حالت سے بیدار ہو کر نصیبین پہنچے۔ وہاں سے افغانستان گئے' وہاں سے کوہ نعمان پہنچے اور وہاں سے پنجاب کی طرف آئے اور یہاں سے کشمیر میں گئے' آخر میں ایک سو پچیس سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ وہاں ہی آپ کا مزار ہے۔''

یہ من گھڑت کہانی مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات میں تحریر کی ہے یعنی تبلیغ رسالت صفحہ 60' تحفہ گولڑویہ صفحہ 20 اور ایام الصلح صفحہ 120 پر مرزا صاحب یہ داستان بے سروپا نقل کر کے اپنے نبی بننے کی راہ ہموار کرتے رہے' لیکن مسلمان بھی ان کی چالبازیوں کو بخوبی سمجھ گئے۔ مرزا صاحب نے اس واقعہ کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی حدیث اور یہاں تک کہ کوئی تاریخی حوالہ بھی نہیں پیش کر سکے اور بے چارے پیش بھی کیا کرتے من گھڑت داستانوں کو کیسے دلائل سے ثابت کرتے؟ ہاں! البتہ ان کے چیلے' چمچے' کڑچھے اب مرزا صاحب کی کہانیوں پر مبنی کتابوں کا حوالہ دے کر اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہیں لیکن بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں کو ورغلانے' دھوکہ دینے اور مرزا کی نبوت کا قائل کرنے میں ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ (ان شاء اللہ) [1]

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (سورۂ آل عمران 3:13)

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔''

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج3' ص478-477

"مَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِھِمْ ھُوَ اَنَّہٗ رَفَعَ عِیْسٰی علیہ السلام اِلَی السَّمَآءِ"
(تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 8' ص 69)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَمَکَرَ اللّٰہُ بِاَنْ اَلْقٰی شِبْھَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلٰی غَیْرِہٖ فَصُلِبَ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ"
(روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 2' ص 177)

"اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ایک اور شخص کو آپ کے مشابہ کر دیا جسے سولی دے دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔"

"وَمُکَرَ اللّٰہُ اَیْ جَازَاھُمْ عَلٰی مَکْرِھِمْ بِاَنْ رَفَعَ عِیْسٰی اِلَی السَّمَآءِ وَاَلْقٰی شِبْھَہٗ عَلٰی مَنْ اَرَادَ اِغْتِیَالَہٗ حَتّٰی قُتِلَ"
(تفسیر مدارک' امام نسفی رحمہ اللہ)

"اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ان کے مکر کی انہیں جزا دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا اور اسی شخص کو آپ کے مشابہ کر دیا جو آپ کو دھوکہ سے قتل کرانا چاہتا تھا' یہاں تک کہ وہ شخص خود ہی قتل ہو گیا۔"

"وَمَکَرَ اللّٰہُ بِاَنْ رَفَعَ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَاَلْقٰی شَبَھَہٗ عَلٰی مَنْ قَصَدَ اِغْتِیَالَہٗ حَتّٰی قُتِلَ وَمَکَرَ اللّٰہُ بِھِمْ بِاَنْ اَلْقٰی شِبْھَہٗ عِیْسٰی عَلٰی مَنْ قَصَدَ قَتْلَہٗ فَقَتَلُوْہُ وَرُفِعَ عِیْسٰی"
(تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ' ص 52)

"اللہ تعالیٰ نے ان سے خفیہ تدبیر فرمائی کہ جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا تو انہوں نے اسے ہی قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا۔ تمام مفسرین کرام کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔"

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ﴿۵۵﴾
(سورۂ آل عمران 14:3)

"یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا' پھر تم سب میری طرف پلٹ آؤ گے میں تم میں فیصلہ کر دوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا کر کافروں سے نجات دی۔ کافروں کی سازش سے آپ کو بچالیا۔ کافروں سے پاک کرنے کا یہی مطلب ہے آپ کی تابعداری کرنیوالے یعنی مسلمان آپ پر صحیح عقیدہ رکھنے والے تا قیامت منکرین پر غالب رہیں گے اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ عیسائی حکومت وغیرہ کے لحاظ سے یہودیوں پر غالب رہیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری عمر تک پہنچانے اور آسمانوں پر اٹھانے اور کافروں کی سازشوں سے

پاک کرنے کا ذکر واضح طور پر فرمایا۔ "مُتَوَفِّيكَ" کا ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ اور حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے "میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا" یعنی معنی سب سے بہتر ہے۔ پیر صاحب اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

علم معانی کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی پر ترجیح دی جائے گی' ہاں! اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے، لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔

اب آپ لفظ "تَوَفِّي" کے معنی پر غور فرمائیے! تاج العروس میں لفظ "وَفِّي" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَتَوَفَّاهُ لَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا" "یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔"

امام ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ الاحکام میں لکھتے ہیں:

"تَوَفَّيْتُ مَالِيْ مِنْ فُلَانٍ اَيْ قَبَضْتُهٗ" "یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا۔"

یہ تو ہے لفظ "تَوَفِّي" کا حقیقی معنی۔ ہاں! یہ لفظ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے:

"وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَهُ الْوَفَاةُ اَيِ الْمَوْتُ وَالْمَنِيَّةُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ اِذَا مَاتَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ رُوْحَهٗ" "اس کا مجازی معنی ہے کہ اسے موت نے پا لیا جو کوئی شخص فوت ہو جائے تو "توفی فلان" کہا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کی روح کو قبض کر لیا جائے تو کہا جاتا "توفاہ اللہ عزوجل"

اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لئے جانے پر دلالت کرتے ہیں آپ پوچھیں گے کہ وہ کون سے ایسے قرائن ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ: ایک تو اس آیت کا سیاق وسباق امر کا قوی قرینہ ہے یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہی اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس

آیت کا مدعیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

"قَالَ الْحَسَنُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْيَهُوْدِ اِنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

"رسول اللہ ﷺ نے یہود کو فرمایا: کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔"

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو مدِنظر رکھے ہوئے ہیں:

"مُتَوَفِّيْكَ اَيْ مُسْتَوْفِيْ اَجَلِكَ وَمُؤَخِّرُكَ اِلٰى اَجَلِكَ الْمُسَمّٰى عَاصِمًا اِيَّاكَ عَنْ قَتْلِهِمْ"

"اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمہیں قتل سے بچائے گا۔"

"مُتَوَفِّيْكَ اَيْ مُسْتَوْفِيْ اَجَلِكَ مَعْنَاهُ اِنِّيْ عَاصِمُكَ مِنْ اَنْ يَّقْتُلَكَ الْكُفَّارُ" (کشاف)

"اللہ تعالیٰ تمہیں پوری عمر تک پہنچائے گا یعنی تمہیں کفار کے قتل سے بچائے گا۔"

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصِّحَّةِ عِنْدَنَا قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنٰى ذٰلِكَ اِنِّيْ قَابِضُكَ مِنَ الْاَرْضِ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ لِتَوَاتُرِ الْاَخْبَارِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"

"یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسیٰ! میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور ﷺ کی احادیث متواتر سے یہی چیز ثابت ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔"

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: {اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ} اور اس کی مثل رب تعالیٰ کے دوسرے ارشاد گرامی: {فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ} "پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا" میں تفسیر دو طرح کی جا سکتی ہے: ایک یہ کہ آیت کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہ کی جائے اور دوسری تفسیر میں تقدیم و تاخیر کا اعتبار کرنا فرض ہوگا۔ پہلی تاویل میں پھر چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:

"اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ اَيْ مُتِمُّ عُمُرَكَ فَحِيْنَئِذٍ اَتَوَفَّاكَ فَلَا اَتْرُكُهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكَ بَلْ اَنَا رَافِعُكَ اِلٰى سَمَائِيْ وَمُقَرِّبُكَ بِمَلَائِكَتِيْ وَاَصُوْنُكَ عَنْ اَنْ يَّتَمَكَّنُوْا مِنْ ذٰلِكَ وَهٰذَا تَاْوِيْلٌ حَسَنٌ"

"یعنی {اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ} کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا۔ اب "اَتَوَفَّاكَ" کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہیں ایسے ہی نہیں چھوڑوں گا کہ یہود تمہیں قتل کر دیں بلکہ میں

❶ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 3، ص 236-235

(کشاف) آسمانوں کی طرف تمہیں اٹھالوں گا اور فرشتوں کا مقرب بنا دوں گا اور تمہیں اس سے محفوظ رکھوں گا کہ یہود تم پر قادر ہو سکیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو اچھا کہا ہے۔"

دوسری وجہ: کہ "مُتَوَفِّيْكَ" کا معنیٰ "مُمِيْتُكَ" کا کیا جائے۔ یہی معنی حضرت ابن عباد اور محمد بن اسحاق سے مروی ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ یہود آپ کو قتل نہیں کر سکیں گے' بلکہ آپ کو اپنے وقت پر طبعی طور پر وفات ہو گی۔ اگر چہ ابن وہب نے تین ساعتیں وفات حاصل ہونے کے بعد آسمان پر اٹھائے جانے کا قول کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے سات ساعتیں وفات حاصل ہونے کے بعد آسمانوں پہ اٹھائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

تیسری وجہ: ربیع انس کا قول ہے: آپ کو آسمانوں پر اٹھاتے وقت وفات عطا کی گئی۔

چوتھی وجہ: اگر چہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی لیکن اگر ترتیب والا معنی اعتبار کر ہی لیا جائے تو پھر بھی اتنا مطلب نکل سکے گا اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: میں تمہیں پہلے فوت کرنے والا ہوں اور پھر آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں' لیکن یہ کیسے کرے گا اور کب کرے گا؟ اس کا ذکر نہیں۔ یہ دلیل پر موقوف ہے اور دلیل سے ثابت ہے کہ آپ زندہ ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے' پھر فوت ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات پہلے جو ہو گی وہ یہی ہے۔ اور آسمانوں پر اٹھایا جانا بعد میں ہو گا جیسے پہلے تھا۔

پانچویں وجہ: ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ "مُتَوَفِّيْكَ" کا معنی یہ ہے کہ میں تمہاری خواہشات اور نفسانی منافع کے حصول کو مارنے والا ہوں اور میں تمہیں آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں اور ان خواہشات سے دور کرنے والا ہوں' تا کہ تمہیں غیظ وغضب اور برے اخلاق کے زوال سے ملائکہ کا مقام حاصل ہو جائے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی محبت کو نہیں مارتا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔

چھٹی وجہ: بیشک "اَلتَّوَفِّی" کا معنی کسی چیز کو مکمل طور پر لینا اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ذات ہے جسے یہ معلوم تھا کہ۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو آسمانوں پر اٹھایا ہے جسم کو نہیں تو رب نے "متوفیک" ذکر کر کے اس وہم کا ازالہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل طور یعنی روح اور جسم دونوں کو آسمانوں پر اٹھایا اس تاویل کے صحیح ہونے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: {وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ} "وہ آپ کا کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے۔" دلالت کر رہا ہے۔

آہ! رحمت وشفقت سے محرومی:

آج کئی دنوں کے تعطل کے بعد پھر قلم کو ہاتھ میں لیا' کیونکہ والدہ مکرمہ جو پیرانہ سالی میں بھی قرآن پاک کے سترہ

اٹھارہ پارے ہر روز تلاوت کیا کرتی تھیں اور آخری دو سال دس پارے تلاوت کرنے کا معمول رہا۔ اچانک ایک دن ڈیڑھ پارہ تلاوت کرنے کے بعد کمر میں کچھ تکلیف ہوئی۔ اگرچہ بظاہر تکلیف مندفع بھی ہو گئی لیکن خوراک میں کمی ہونی شروع ہو گئی' ضعف بڑھتا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ دو ماہ یہی کیفیت رہی۔ قرآن پاک کی تلاوت بھی معمول کے مطابق جاری نہ رکھ سکیں اور آخرکار اتوار کی شب بعد از نماز عشاء ۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ، 28 ستمبر 1996ء اس دار فانی سے آپ نے رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحومہ و مغفورہ نے اپنے بیٹے' بیٹیوں اور پوتے' پوتیوں اور نواسے' نواسیوں کو دعاء و رحمت اور شفقت و محبت بھری نگاہوں سے محروم کر دیا۔

راقم ان تمام حضرات کا شکر گذار ہے جنہوں نے کثیر تعداد میں جنازہ میں شرکت کی۔ خصوصاً علمائے کرام اور بالخصوص حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کا جنہوں نے نماز جنازہ اور سوئم کے ختم قرآن پاک میں شرکت فرما کر میری حوصلہ افزائی کی اور والدہ مکرمہ کو دعاء مغفرت کا ہدیہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ والدہ محترمہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور مدارج بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں' امید ہے کہ شرف قبولیت عطا فرمائیں گے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔

❖❖❖

<u>ساتویں وجہ:</u> "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں فوت ہونے والے کی طرح کرنے والا ہوں۔ جس طرح اس کی خبر منقطع ہو جاتی ہے اور ظاہر زمین پر اس کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں' ایسے ہی تم سے بھی ظاہر طور پر لوگ کوئی نفع حاصل نہیں کر سکیں گے' تمہاری زیارت سے مشرف نہیں ہو سکیں گے۔

<u>آٹھویں وجہ:</u> "اَلتَّوَفِّی" کا معنی قبض کرنا بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ "وَفَّانِیْ فُلَانٌ دَرَاهِمِیْ" یعنی فلاں شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور کبھی کہا جاتا ہے "تَوَفَّيْتُهَا مِنْهُ" تو اس کا معنی ہوتا ہے میں نے اس سے دراہم قبضہ میں لے لئے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میں تمہیں زمین سے نکال کر اپنے قبضہ قدرت میں لے کر آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں۔

<u>اعتراض:</u> اس صورت میں تو دونوں لفظوں کا ایک معنی ہوگا کیونکہ "مُتَوَفِّیْكَ" کا معنی ہوگا "قبض کرنا" یعنی اٹھانا اور "رَافِعُكَ" کا معنی بھی اٹھانا ہوگا یہ تکرار ہے۔ اس کا کیا فائدہ؟

<u>جواب:</u> "مُتَوَفِّیْكَ" ایک عمومی معنی پر دلالت کر رہا ہے یعنی یہ جنس ہے اس کے تحت مختلف نوعیں ہیں' کیونکہ قبض کرنا کبھی موت کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی آسمانوں پر اٹھا کر ہوتا ہے۔ اب واضح ہوا کہ "مُتَوَفِّیْكَ" سے پتہ چلا کہ آپ کو قبض کرنا ہے کہ

وہ کیسے؟ پھر رَافِعُكَ سے یہ واضح ہوگیا کہ آسمانوں پر اٹھا کر۔

نویں وجہ: "مُتَـــــوَفِّيْكَ" کا معنی فوت کرنے والا نہیں بلکہ مکمل کرنا مراد لیا گیا ہے اور مضاف یہاں محذوف ہے۔ اصل عبارت "مُتَوَفِّيْ عَمَلِكَ" ہے یعنی میں تمہارے اعمال کو اپنے حضور مکمل طور پر قبول کرنے والا ہوں۔ یہاں تک تو پہلی تاویل کے مطابق کلام ہے جو اپنے ظاہر پر ہے کوئی تقدیم وتاخیر کا اعتبار نہیں۔

دوسری تاویل:

یعنی جب واؤ کو اپنی اصلی حالت میں رکھا جائے کہ واؤ میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تو اب معنی میں تقدیم وتاخیر ہو گی۔ اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا:

"اِنِّیْ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمُتَوَفِّیْكَ بَعْدَ اِنْزَالِیْ اِیَّاكَ فِی الدُّنْیَا"

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 83)

"بیشک میں تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں اور پھر تمہیں دنیا میں جب اتاروں گا اس کے بعد فوت کرنے والا ہوں۔"

تقدیم وتاخیر قرآن پاک میں کثیر جگہ واقع ہے۔ "اتقان" میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں چند ملاحظہ ہوں:

①: حضرت مریم علیہا السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا: {وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ} "اور سجدہ کرو اور رکوع کرو" حالانکہ اس وقت بھی نماز میں رکوع پہلے اور سجدہ بعد میں تھا لیکن یہاں تقدیم وتاخیر کے طور پر ذکر ہوا۔

②: {خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ} "اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو پیدا کیا"۔ حالانکہ حیات موت سے پہلے ہے۔

③: {خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ} "(وہ ذات جس نے) تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔" یہاں بھی مخاطبین کا ذکر پہلے اور ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا ذکر بعد میں کیا گیا۔

④: {وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ} "اور تحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی گئی۔" یہاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلے اور آپ سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء علیہم السلام کا ذکر بعد میں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ ؕ

(سورۂ نساء 2:6)

اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی

اور یقینی طور پر انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھایا ہے۔"

اس آیت کریمہ کے ماقبل یہود کے وعدہ توڑنے اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اس کی وجہ ان کا کفر کرنا اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانا اور یہ کہنا کہ ہم نے مسیح بن مریم علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ ان کا یہ کہنا ہی کفر تھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَهُوَ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ عَلٰى مَا صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ حَدِيْثِ الْمِعْرَاجِ وَهُوَ هُنَالِكَ مُقِيْمٌ حَتّٰى يَنْزِلَ اِلَى الْاَرْضِ يَقْتُلَ الدَّجَّالَ وَيَمْلَؤُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا"

"وہ دوسرے آسمان میں زندہ ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث معراج سے ثابت ہے۔ آپ وہیں مقیم ہیں یہاں تک کہ زمین میں اتریں گے دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو اس عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ پہلے ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔"

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کلمہ "بَلْ" آیت مذکورہ میں جس کا ترجمہ "بلکہ" ہوتا ہے ابطال ماقبل کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زعم یہود کو جو عیسیٰ بن مریم کی مقتولیت او مصلوبیت کے قائل تھے باطل کرتا ہے اور ماقبل اور مابعد بل اضرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں میں معاً محقق نہیں ہوتے۔ {وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۞ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ} میں حسب مقتضی کلمہ بل مقتولیت (قتل ہو جانا) اور مرفوعیت (اٹھایا جانا) یعنی مسیح کے مارے جانے اور اٹھائے جانے میں منافات اور عدم اجتماع فی التحقیق چاہیے اور ظاہر ہے کہ مابین مارے جانے اور اٹھائے جانے روح کے آسمان کی طرف کچھ منافات نہیں دونوں امر معاً پائے جاتے ہیں۔ مقربین سے جو قتل کیا جاتا ہے ان کی ارواح بھی عالم علوی کو اٹھائی جاتی ہیں۔ اب بالضرورۃ رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ مسیح کے قتل جسمی اور رفع جسمی دونوں میں تضاد اور تنافی ہے اگر جسم مسیح یہود کے ہاتھ میں مقتول ہو تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہو (نہ اٹھایا گیا) اور اگر مسیح بجسدہ العصری (اپنے ظاہر جسم کے ساتھ) بحفظ وامان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھ میں مقتول نہیں ہو سکتے۔ [1]

[1] شمس الہدایہ پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ ص 8 مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

توضیح مقام:

اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ رفعہ اللہ تعالیٰ یا تو کنایہ ہوگا اعزاز اور رفع منزلت سے۔ جیسا کہ مرزا صاحب بشہادتِ محاورہ اور حوالہ کتب لغت لیتے ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قتل اور قرب الٰہی میں تضاد نہیں' بلکہ قتل اور شہادت موجب مستقل ہے رفع منزلت عند اللہ تعالیٰ کے لئے' سوائے نبوت کے۔ اور یا مراد اس سے رفع روحی بطریق موتِ طبعی کے ہوگا بقرینہ وعدہ توفی یعنی...... {یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ}...... فقط لفظ ''متوفیک'' اگرچہ مطلق موت پر دال ہے عام اس سے کہ اپنے آپ ہو یا قتل کی وجہ سے لیکن حصر جو مستفاد ہے ضمیر متکلم کے مسند الیہ اور صیغہ مشتق کے مسند بنانے سے مفید ہے موت طبعی کا۔ اس تقریر میں اگرچہ تضاد محقق ہے مگر بلحاظ اس کے کہ ماضویت توفی اور رفع کے...... ''بَلْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَرَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ''...... میں بہ نسبت ماقبل کلمہ بل کے طرف ہونی چاہئے کہ موت طبعی مسیح کی قبل از واقعہ قتل وصلیب زعمی محقق ہو حالانکہ کوئی مؤرخ اسلامی اور غیر اسلامی اس کی شہادت نہیں دیتا' بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام اہل اسلام آج تک اسی کے قائل ہیں کہ آپ کے جسم کو سولی چڑھانے سے پہلے ہی اٹھایا گیا ہے۔ ❶

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا ۟ (سورۂ نساء 2:6)

''اور کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَالْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا یَبْقٰى اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ الْمَوْجُوْدِیْنَ عِنْدَ نُزُوْلِ عِیْسٰى اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ وَتَكُوْنُ الْاَدْیَانُ كُلُّهَا دِیْنًا وَّاحِدًا" ❷

''مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں سے اترنے کے وقت جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو آپ کی وفات سے پہلے آپ پر ایمان نہ لائے یعنی سب ایمان لے آئیں گے تمام دین ختم ہو جائیں گے اور صرف ایک دین ہو جائے گا۔''

اس آیت میں بھی آپ کے آسمانوں سے اترنے اور آپ پر اہل کتاب کے ایمان لانے کا ذکر ہے:

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۟ (سورۂ زخرف 12:25)

''اور بیشک عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میری تابعدار کرنا یہ سیدھی راہ ہے۔''

"یَعْنِیْ نُزُوْلَهٗ سَبَبٌ لِّلْعِلْمِ بِقُرْبِ السَّاعَةِ وَیَجْتَمِعُ عِیْسٰى

''عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کے قریب ہونے کی علامت ہو

---

❶ شمس الہدایہ مع حاشیہ پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ' ص 11

❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4 حصہ اول' ص 13

عَلَیْهِ السَّلَامُ وَالْمَهْدِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَیَقُوْمُ عِیْسٰی بِالشَّرِیْعَةِ وَالْاِمَامَةِ وَالْمَهْدِیُّ بِالسَّیْفِ وَالْخِلَافَةِ"
(حاشیہ جلالین شریف' ص409)

گا۔عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ کا اجتماع ایک زمانہ میں ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام شریعت وامامت کے امور سرانجام دیں گے اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے سپرد خلافت وجہاد کے معاملات ہوں گے۔"

"اَنَّهٗ بِنُزُوْلِهٖ شَرْطٌ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَتَسْمِیَتُهٗ عِلْمًا لِحُصُوْلِهٖ بِهٖ"
(تفسیر ابی السعود'ابوسعود عمادی رحمہ اللہ'ج8'ص52)

"بیشک عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔آپ کے اترنے کو"علم" کہا گیا ہے کیونکہ آپ کے اترنے سے قیامت کا علم حاصل ہوجائے گا کہ قیامت آرہی ہے۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان الفاظ سے ہی روح المعانی میں تفسیر کی ہے'جن الفاظ سے ابوالسعود نے کی ہے۔اس آیت میں بھی واضح ہوا کہ آپ ابھی تک زندہ ہیں اور قیامت کے قریب اتریں گے۔

وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا......... "اور لوگوں سے کلام کرے گا پنگھوڑے میں اور پکی عمر میں۔"

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے بچپن کی وہ عمر جس میں عام بچے کلام نہ کرتے ہوں گے'اس وقت کلام کرنا ایک معجزہ ہے لیکن پکی عمر میں تو ہر انسان کلام کرتا ہے'اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیسے؟اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَکَهْلًا اَنْ یَّکُوْنَ کَهْلًا بَعْدَ اَنْ یَّنْزِلَ مِنَ السَّمَآءِ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ وَیَقْتُلُ الدَّجَّالَ قَالَ الْحُسَیْنُ بْنُ الْفَضْلِ وَفِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ نَصٌّ فِیْ اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سَیَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ"
(تفسیر کبیر'امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ'ج8'ص55)

"پکی عمر میں کلام کرنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ آخر زمانہ میں آسمانوں سے اتریں گے اس وقت آپ کی عمر پکی ہوگی اور آپ لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ آیت واضح طور پر نص ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے۔"

احادیث مبارکہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا کئی احادیث سے ثابت ہے:

① "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرٌ

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تم میں حاکم اور عادل بن کر اتریں گے'صلیب کو توڑ ڈالیں گے'جزیہ کا حکم ختم کردیں گے'آپ مال لوگوں کو عطا

مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْهُرَیْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الْاٰیَةَ" ❶

کریں گے' کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔اس وقت کا ایک سجدہ دنیا اور دنیا کے مال و دولت سے افضل ہوگا' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیات پڑھ لو: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا یہاں تک کہ آپ پر ایمان لے آئے گا۔''

آپ حاکم اور عادل بن کر آئیں گے یعنی نصرانیت کو باطل کر دیں گے اور ملت حنیفیہ یعنی دینِ اسلام کو قبول کرنے کا حکم دیں گے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل گمان کو ختم کرنے کے لئے صلیب کو توڑ دیں گے۔خنزیر کو قتل کر کے یہ ثابت کریں گے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی حیثیت سے آیا ہوں چونکہ آپ کی شریعت میں خنزیر حرام ہے' اسلئے اے عیسائیو! تمہارا اسے پالنا اور خرید و فروخت کرنا حرام ہے۔اہلِ کتاب سے صرف اسلام کو قبول کریں گے' کوئی جزیہ ان سے نہیں لیں گے۔آپ کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی' یہاں تک کہ جس طرح وادیوں میں پانی چلتا ہے ایسے ہی مال کی فراوانی ہوگی۔اس وقت صرف عبادت میں لوگ اتنی لذت محسوس کریں گے کہ ایک سجدہ اور ایک نماز انہیں دنیا بھر سے بہتر محسوس ہوں گی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آیت کو بطور دلیل پیش کیا کہ اس وقت تمام لوگ دینِ اسلام کو قبول کر لیں گے۔

❷ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰهِ لَیَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَلَیَکْسِرَنَّ الصَّلِیْبَ وَلَیَقْتُلَنَّ الْخِنْزِیْرَ وَلَیَضَعَنَّ الْجِزْیَةَ وَلَیَتْرُکَنَّ الْقِلَاصَ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَیَدْعُوَنَّ اِلَی الْمَالِ فَلَا یَقْبَلُهٗ اَحَدٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" ❷

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ابن مریم حاکم و عادل بن کر ضرور بالضرور اتریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' اور ضرور بالضرور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور یقینی طور پر جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے' اونٹوں کو چھوڑ دیں گے' ان پر کوئی عمل نہیں کریں گے۔عداوت' بغض اور حسد کو ختم کر دیں گے' مال کی طرف لوگوں کو بلائیں گے کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔یہ مسلم شریف کی روایت ہے بخاری و مسلم دونوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارے امام بھی تم میں ہوں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔''

اس حدیث شریف میں تمام تاکید کے صیغے استعمال ہوئے ہیں' کہ آپ کا اترنا یقینی ہے' شک و شبہ سے پاک ہے۔

---

❶ بخاری' مسلم' مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام' ج 2' ص 479 ❷ ایضاً

قلاص: بکسر القاف "قلوص" کی جمع ہے "جوان اونٹنی" کو کہا جاتا ہے۔آپ اونٹوں کو کام میں لانا چھوڑ دیں گے کیونکہ اونٹ کی ضرورت ختم ہو جائے گی اس وقت اونٹ کے بغیر اور سواریاں بوجھ اٹھانے اور سامان کی نقل و حرکت کے لئے کثیر تعداد میں ہوں گی۔یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی ایک کو اونٹوں کے حصول کیلئے مقرر نہیں کریں گے کہ زکوۃ کے اونٹ حاصل کئے جائیں کیونکہ اس وقت زکوۃ لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

"نہایہ" میں ذکر کیا گیا ہے: "تُتْرَكُ زَكَاتُهَا فَلَا يَكُوْنُ لَهَا سَاعٍ" آپ زکوۃ لینی چھوڑ دیں گے اور زکوۃ وصول کرنے کے لئے کوئی عامل مقرر نہیں کریں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس وقت نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مخالف کوئی حکم دیں گے۔زکوۃ لینے والا کوئی نہیں ملے گا اس لئے کوئی عامل مقرر نہیں کیا جائے گا۔یہ خبر بھی تو نبی کریم ﷺ نے ہی دی ہے۔

"فَلَا يَسْعٰى عَلَيْهَا" اس کا ایک معنی ہے:

"وَلَا يَأْمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْعٰى عَلَيْهَا وَيَأْخُذَهَا لِاَنَّهُ لَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا لِاِسْتِغْنَاءِ النَّاسِ عَنْهَا" کہ آپ کسی کو اونٹ بطور زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل نہیں بنائیں گے کیونکہ اس وقت تمام لوگ غنی ہوں گے کوئی زکوۃ وصول کرنے والا نہیں ملے گا۔"

دوسرا معنی اس کا یہ ہے: "وَالْمُرَادُ بِالسَّعْيِ الْعَمَلُ" سعی سے مراد عمل ہے یعنی اونٹوں کے ذریعے تجارت اور زمین میں سفر مال کے طلب کرنے اور دوسری ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے کیونکہ اس وقت ان کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔

شحنة: کا معنی ہے وہ عداوت جو دلوں کو کینہ اور غیظ و غضب سے بھر دے۔

تباغض: بغض رکھنا یہ عداوت کا سبب ہے۔

تحاسد: حسد کرنا یعنی کسی کی نعمت کا زوال طلب کرنا اور اسی نعمت کو اپنے لئے طلب کرنا یہ حسد بغض کا سبب ہے۔

ان تمام برائیوں کا سبب دنیا کے مال سے محبت رکھنا ہے۔عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے دلوں سے دنیا کی محبت زائل کر دیں گے جس کی وجہ سے یہ برائیاں خود بخود زائل ہو جائیں گی۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام دنیا چونکہ ایک ہی دین پر قائم ہوگی یعنی سب کا دین اسلام ہوگا بغض اور حسد وغیرہ جیسی برائیاں مختلف دینوں اور مذاہب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا معنی ہی زیادہ معتبر ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں: آج کے زمانہ میں بہت سے شہروں میں لوگ اسلام پر اتفاق رکھتے ہیں اور ان میں علماء کرام مشائخ کرام بھی موجود ہوتے ہیں باوجود اس کے ان میں بغض حسد و

عداوت جیسے عیوب پائے جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑے قتل وغارت پائے جاتے ہیں۔ان کے اسباب صرف مخلوق میں بلند مرتبہ حاصل کرنا اور حرام مال کی طرف میلان ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کا جب نزول ہوگا اس وقت مسلمانوں کے امام مہدی ہوں گے جو قریش سے ہوں گے' آپ علیہ السلام اتر کر پہلی نماز امام مہدی کی اقتداء میں ادا کریں گے تاکہ نبی کریم ﷺ کے دین کی عظمت واضح ہو جائے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی شریعت مطہرہ کے احکام ہی لوگوں پر نافذ کریں گے۔ان کی شریعت تو کب کی منسوخ ہو چکی ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب تم میں اتریں گے اور تمہارے امام تم میں سے موجود ہوں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا یعنی تمہیں اپنی عظمت وتکریم پر تعجب ہونا چاہیے کہ عیسیٰ علیہ السلام آتے وقت پہلی نماز تمہارے امام کی اقتداء میں ادا کریں گے۔

④ "عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ"

(مسلم مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام' ج2' ص480)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ ایک گروہ میری امت میں سے حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک ان کو غلبہ حاصل رہے گا۔آپ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم اتریں گے' لوگوں کے امیر انہیں کہیں گے: آؤ! ہمیں نماز پڑھاؤ۔آپ فرمائیں گے: نہیں! بیشک تم میں سے بعض امیر ہیں بعض پر۔آپ کا یہ ارشاد تکریم کے پیش نظر ہوگا' جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کیا ہے۔''

عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے پر امام مہدی رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھانے کے متعلق کہیں گے کیونکہ:

" فَاِنَّ الْاَوْلٰى بِالْاِمَامَةِ هُوَ الْاَفْضَلُ وَاَنْتَ النَّبِیُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الرَّسُوْلُ الْاَكْمَلُ"

''امامت کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو افضل ہو' چونکہ آپ نبی اور رسول ہیں اور کامل درجہ رکھنے والے ہیں۔''

یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نبوت ختم نہیں ہوگا۔صرف آپ کی شریعت کے احکام جاری نہیں ہو گے بلکہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کے احکام کی تبلیغ فرمائیں گے۔آپ علیہ السلام کے نازل ہونے پر پہلی نماز امام مہدی رضی اللہ عنہ پڑھائیں گے تاکہ اس امت کی فضیلت واضح ہو جائے' اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام ہی نمازیں پڑھائیں گے۔اس حدیث پاک سے بھی عیسیٰ بن مریم کا نزول واضح طور پر ثابت ہوا۔

⑤ "عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ

''حضرت عبداللہ عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم زمین پر اتریں گے' پھر شادی کریں گے اور آپ

خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن في قبري فاقوم انا وعیسی بن مریم في قبر واحد بین ابي بکر وعمر رواه ابن الجوزي في كتاب الوفاء"
(مشکوۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام' ج 2' ص 480)

کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال ٹھہریں گے' پھر آپ فوت ہوں گے' پھر میرے ساتھ میرے مقبرے میں دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے' یہاں تک کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوں۔"

حدیث شریف میں جو لفظ "قبر" استعمال ہوا ہے اس کا معنی "مقبرہ" ہے یعنی میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔

"في قبر واحد" کا مطلب یہ ہے کہ ایک ساتھ ہم اپنی اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے ایک قبر سے اٹھ رہے ہوں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما دونوں نبیوں کے دائیں بائیں ہو جائیں گے تاکہ یہ دونوں حضرات ایک ساتھ ہوں دائیں جانب ابوبکر اور دوسری جانب عمر ہوں گے۔

بعض راویوں سے مروی ہے: "وقد بقي في البيت موضع قبر" یعنی قبر مبارک کے پاس جگہ خالی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے۔

محقق ابن جوزی فرماتے ہیں: عمر کے پاس مدفون ہوں گے کیونکہ ہمیں بہت سے لوگوں نے خبر دی ہے جو حجرہ شریف کے اندر گئے ہیں کہ عمر کے پہلو میں جگہ خالی ہے۔

"واخرج البخاري في تاريخه والطبراني عن عبد الله بن سلام قال يدفن عيسى بن مريم مع رسول الله ﷺ وصاحبيه فيكون قبره رابعا"

"بخاری نے اپنی تاریخ میں اخراج کیا ہے اور طبرانی نے عبد اللہ بن سلام سے کہ وہ فرماتے ہیں: عیسیٰ بن مریم' محمد ﷺ اور شیخین کے پاس دفن کیے جائیں گے اور ان کی قبر چوتھی ہوگی۔"

"واخرج الترمذي وحسنه عن محمد بن يوسف بن عبد الله بن سلام عن ابيه عن جده قال مكتوب في التوراة صفة محمد وعيسى بن مريم يدفن معه"

"ترمذی نے حدیث کا اخراج کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے فرمایا: محمد ﷺ کی صفت توراۃ میں موجود ہے اور یہ بھی توراۃ میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔"

"عن عائشة قالت قلت يا رسول الله ﷺ اني ارى اعيش بعدك فتاذن لي ان ادفن الى جنبك فقال واني لي بذلك الموضع ما فيه الا موضع قبري وقبر ابي بكر وعمر وعيسى بن مريم"

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی: کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ ﷺ کے بعد زندہ رہوں گی۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے پاس مدفون ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ میرے پاس تو ابوبکر' عمر رضی اللہ عنہما اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قبر کے سوا اور جگہ نہیں۔"

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آثار در بارۂ مرفوع ہونے جسمِ مسیح کے اور احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کی سوا ان کے جو بیان کر چکا ہوں اور بھی بکثرت موجود ہیں' جس کا جی چاہے تفسیر ابن کثیر' تفسیر در منثور' تفسیر ابن جریر کو ملاحظہ فرمائے۔ اگر اس سے بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کنز العمال و مسند احمد وغیرہ کتب احادیث کو مطالعہ فرمائے مگر مومن فہیم کے واسطے آثار اور احادیث سے جو بیان کر چکا ہوں کافی ہیں۔ یہ احادیث متواترہ ہیں' نزول مسیح کا جو مستلزم ہے رفع کو سب میں اتفاق ہے۔ زیادہ بیان ہونا افعال اور صفات کا بعض حدیثوں میں اور بعضوں میں کم' وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر اوصاف بذریعہ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئے ان کو بیان فرمایا۔ سامع نے ان کو یاد رکھا' پھر جب اور معلوم ہوئے ان کو پھر بیان فرمایا علی ھذا القیاس ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝﴾ یہی وجہ ہے کہ بعض راویوں میں سے بعض صفات اور احوال مروی ہیں دوسرے سے کچھ اور کبھی ایک راوی کی روایت میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے۔ جو احادیث عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق مروی ہیں وہ ان جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہیں: ابو ہریرہ' عبداللہ بن مسعود' عثمان بن ابی العاص' ابو امامہ' نواس ابن سمعان' عبداللہ بن العاص' مجمع بن جاریہ' ابی شریحہ حذیفہ بن اسید' جابر بن سمرہ بن جندب' عمرو بن عوف' عمران بن حصین' کیسان' حذیفہ بن یمان' عائشہ' عبداللہ بن عباس' انس رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے بھی مروی ہیں۔ [1]

افسوس جہالت ایسا مرض ہے کہ ہزاروں اردو خوانوں' سادہ لوحوں کے لئے روز بروز ہلاک کرنے والا ثابت ہو رہا ہے۔ نہ تو صحابہ کرام کی طرح مہارت لسانی انہیں حاصل ہے اور نہ ہی صحابہ کرام کی طرف ان کے دل کو روشن و منور کیا گیا ہے کہ وہ حق بات کو سمجھ کر راہِ راست پر چلیں اور نہ ہی علمی استعداد کہ فصاحت و بلاغت اور کلام کے سیاق و سباق سے مقصد کو سمجھیں اور نہ ہی یہ صلاحیت حاصل ہے کہ مقتضی حال کے مطابق مراد کو سمجھ سکیں۔ [2]

ان جہلاء کے بھٹکنے کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے گمراہ اور بھٹکے ہوتے شخص کو اپنا راہنما بنا لئے ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمائے۔

مقام توجہ: بیان کردہ احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آسمانوں سے اترنے والی شخصیت کا نام عیسیٰ ہوگا وہ مریم

---

[1] شمس الہدایہ' پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ' ص 38

[2] شمس الہدایہ' پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ' ص 54

علیہ السلام کے بیٹے ہوں گے ان کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی کوئی زکوۃ لینے والا نہیں ہوگا دین ایک ہو جائے گا یہودیت و نصرانیت ختم ہو جائیں گی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں: کہ ان احادیث میں عیسیٰ بن مریم سے میں مراد ہوں مگر خیال رہے کہ مرزا جی کا نام عیسیٰ ہے اور نہ ان کی ماں کا نام مریم علیہا السلام ہے بلکہ ان کا نام "غلام احمد" اور ان کی ماں کا نام "چراغ بی بی" ہے اور مرزا جی مدینہ پاک میں نہیں مرے۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے لیکن مرزا جیسے ناپاک جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کیسے قبول کر سکتے تھے؟ اس لئے اسے "قادیان" میں ہی مرنا پڑا۔

نیز مرزا صاحب کے زمانہ میں مال و دولت کی کثرت بھی نہیں ہوئی خود وہ انگریز سے چندہ لیتے رہے بلکہ وہ انگریز کا لگایا ہوا ہی پودا تھا۔ آج تک مرزائیوں کی یہ حالت ہے۔

"ربوہ" میں دیکھئے! دو قبرستان ہیں: ایک میں پودے لگے ہوئے ہیں اور دوسرا پودوں اور پھولوں سے خالی ہے۔ اس میں گھاس پھوس اور جھاڑیاں نظر آتی ہیں جو زیادہ پیسے دے اسے باغیچہ والے قبرستان میں جگہ دی جاتی ہے اور جو تھوڑے پیسے دے اسے دوسرے میں جگہ دی جاتی ہے گویا قبریں بیچ کر وہ اب بھی اپنا گزارہ چلا رہے ہوں اور مرزا صاحب کے زمانہ میں یہودیت و نصرانیت کو ختم کر کے ایک دینِ اسلام میں سب لوگ آ گئے ہیں ایسا بھی نہیں ہوا تو مرزا صاحب مسیح موعود کیسے؟

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت ائمہ کرام سے:

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ائمہ انام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب تشریف لائیں گے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بہت سی احادیث درج فرمائی ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام آ کر دعوتِ اسلام فرمائیں گے۔ ان کے زمانہ پاک میں اسلام کے سوا تمام دین مٹ جائیں گے اور شیر اونٹ کے ساتھ اور چیتا گائے کے ساتھ اور بھیڑیا بکری کے ساتھ چریں گے اور بچے سانپ سے کھیلیں گے اور وہ انہیں نقصان نہ دے گا۔

مسند احمد کی ایک اور روایت شمس الہدایہ کے حوالے سے ہی نقل کی جا چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے آپ سے دفن ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہاں چار قبروں سے زیادہ کوئی گنجائش نہیں۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ "فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں:

''دجال کا نکلنا یا جوج و ماجوج کا خروج' آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور یہ ساری علامات قیامت حق ہیں۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اس حال میں کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی تکبیریں سن رہے ہوں گے کہ بادل چھائے گا اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔''

علامہ زرقانی مالکی اپنی کتاب ''قسطلانی'' میں فرماتے ہیں:

''عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر فیصلہ فرمائیں گے۔ وہ اگرچہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے لیکن ساتھ نبی بھی ہوں گے کیونکہ شریعت کے نسخ سے نبوت زائل نہیں ہوتی۔''

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر تفصیلی طور بحثیں کی ہیں اور وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' ابوداؤد اور تمام محدثین کرام رحمہم اللہ کا یہی عقیدہ تھا۔ نیز امام غزالی' امام رازی' امام جوزی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں آسان لفظوں میں یوں بیان کیا جائے کہ ''سوائے مرزا قادیانی اور اور اس کے متبعین کے اہل علم میں سے کوئی بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر نظر نہیں آتا۔'' [1]

معجزات وحیات عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات وجوابات:

عیسیٰ علیہ السلام کے جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان تمام کا مرزائیوں نے انکار کیا ہے اور اس آیت میں یہودیانہ تحریفات کیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے گھر کے نبی اور خود ساختہ مثیلِ مسیح یعنی مرزا غلام احمد قادیانی میں کوئی کمال نہ تھا لہٰذا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان تمام کمالات کا انکار کر دیا۔

پہلا اعتراض: پیدا کرنا خدا کی صفت ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے: {قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ} (سورۃ الرعد: آیت ۱۶) ''فرما دیجئے! اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔'' نیز فرماتا ہے: {خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ} (سورۃ الفرقان: آیت ۲) ''اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔'' نیز فرماتا ہے: {رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ} ''ہمارا رب جس نے ہر چیز کو صورت خلق عطا کی۔''

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ خالق صرف رب تعالیٰ ہی ہے' غیر خدا میں یہ صفت ماننا شرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: {اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ} (۱۳ سورۃ الرعد آیت ۱۶) ''کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ وہ ایسے پیدا

[1] تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 3 ص 480

کرتے ہیں جیسے اللہ پیدا کرتا ہے۔'' نیز بتوں کے بارے میں فرماتا ہے: {لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ} (سورۃ النحل: آیت ۲۰) ''وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود گھڑے گئے ہیں۔''

لہٰذا اگر عیسیٰ علیہ السلام مٹی میں پھونک کر پرندے بناتے ہوں تو انہیں خدا ماننا پڑے گا۔ مشرکین بتوں کو خالق مان کر ہی مشرک ہوئے اور مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو خالق مان کر مرتد۔ (نعوذ باللہ من جہالتہ وکفرہ)

اس آیت کے معانی صرف یہ ہیں کہ:

''میں تمہارے دلوں کو نورِ ایمانی سے منور کر دیتا ہوں جس سے وہ پرندہ بن کر راہِ الٰہی طے کرتا ہے نہ کہ کوئی مٹی کا کھلونا۔ حدیث شریف میں شہداء کے متعلق ہے کہ شہیدوں کی روح سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہ کر جنت کی سیر کرتی ہے اس کا بھی یہ ہی مطلب ہے۔'' ❶

دوسری جگہ کہتے ہیں:

''مر کر دنیا میں لوٹنا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہید شہادت کے بعد دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگر ان کی یہ تمنا پوری نہیں کی جاتی کیونکہ قانونِ قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے کیونکہ مردے اگر اپنی عمر پوری کر کے مرے تھے تو انہیں دوبارہ عمر کیسے ملی اور اگر انکی عمر باقی تھی تو پہلے موت کیوں آ گئی''۔ ❷

جواب: ''خلق'' کا ایک معنی ہے پیدا کرنا یعنی عدم سے وجود میں لانا حیات بخشنا۔ اور دوسرا معنی ہے بنانا گھڑنا اندازہ لگانا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص جو ''خلق'' ہے وہ بمعنی ''پیدا کرنے'' کے ہے۔ شکل وصورت بنانا یہ صفت بندوں کو بھی حاصل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پرندے کی صورت بنائی اور اس کو حیات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر اسی لیے یہ آپ کا معجزہ ہوا۔ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے جو عام عادت کے خلاف ہو اور مدعی نبوت سے سرزد ہو۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ (سورۂ مائدہ 5:7) ''اور جب تو مٹی سے پرندے کی سی صورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۂ آل عمران 13:3) ''(عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:) میں اس شکل وصورت میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔''

---

❶ بیان القرآن مولوی محمد علی لاہوری مرزائی ❷ ایضاً

ان آیات سے بخوبی واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورتی بناتے تھے اور اس میں پھونک مارتے اور یہ کہتے کہ اللہ کے حکم سے اڑ وہ پرندہ بن کر اڑ جاتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ اسے حیات عطا فرماتا تھا۔

جو توجیہ محمد علی صاحب نے بیان کی ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ ہی آپ کا معجزہ ہے کیونکہ دِلوں کو نورِ ایمانی سے تمام انبیاء کرام منور کرتے رہے بلکہ یہ وصف اولیائے عظام اور علمائے کرام کو بھی حاصل ہے۔

یہ کہنا کہ "موت کے بعد زندہ ہونا قانونِ قدرت کے خلاف ہے" تو اس کا جواب بھی واضح ہے کہ معجزہ تو ہے ہی وہ کہ عادت کے خلاف ہو یعنی ہلاک شدہ ہستیوں کو زندہ کرنا قانون نہیں البتہ خصوصیات اس کے علاوہ ہیں۔ قرآنِ حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ یوں بیان فرمایا:

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (سورۂ بقرہ 3:3) "اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا۔"

پھر فرمایا:

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (سورۂ بقرہ 3:3) "اے عزیر! اپنے مرے ہوئے گدھے کی خشک ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح جمع کر کے گوشت پہناتے ہیں۔"

حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کا پورا واقعہ یوں بیان فرمایا:

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ (سورۂ بقرہ 16:2) "تو اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ! پھر انہیں زندہ فرمایا۔"

یعنی رب تعالیٰ نے ان کو پہلے موت دی پھر ان سب کو زندہ فرمایا۔ نیز قرآن کریم نے بنی اسرائیل سے فرمایا: کہ تم نے ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑا:

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۞ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (سورۂ بقرہ 6:1) "یعنی تمہیں دیکھتے ہوئے کڑک نے پکڑ لیا پھر ہم نے تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا۔"

غرضیکہ مردے زندہ کرنے کے لئے بے شمار واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب دجال لوگوں کو مار کے زندہ کرے گا۔ اگر ان سب آیات اور احادیث میں مجازی معنی مراد لئے جائیں تو پھر قرآن واحادیث ایک تماشہ بن کر رہ جائیں اور کسی آیت پر اعتماد نہ رہے۔ ❶

دوسرا اعتراض: اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے وہ نبوت کرنے آئے تھے نہ کہ طبابت لہٰذا یہاں سے دل کے اندھے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

---

❶ تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 3 ص 550

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ "بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

ایسے ہی برص یعنی کوڑھی سے وہ بدی مراد ہے جو بظاہر بھلی معلوم ہو اور حضرت مسیح یہ فرمار ہے ہیں کہ میں دل کے اندھوں اور بدکاری کے کوڑھیوں کو ایمان و تقویٰ کا راستہ بتا کر اچھا کر سکتا ہوں۔●

جواب: اگر بغیر کسی دلیل کے اپنی رائے سے تفسیر کرنی ہو تو جو چاہو کر لو لیکن اگر دلائل کی بات کرنی ہے تو یہ بتاؤ کہ یہ معانی کس مفسر نے کئے ہیں؟ بے شک نبوت میں احکام کی تبلیغ ہے مگر نبوت منوانے کے لئے معجزات کی ضرورت اور معجزہ میں عاجز کرنا شرط ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایسا معجزہ دکھایا جائے جس سے کام کے ماہر عاجز رہ جائیں تا کہ یہ خداداد اختیار نبوت کی دلیل ہو' چونکہ آپ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا تو طبیبوں کو عاجز کرنے کے لئے یہ معجزات عطا فرمائے گئے' جس کی صدہا روایتیں ملتی ہیں لیکن مرزا صاحب کے چیلے اپنے موقف پر ایک روایت بھی پیش نہیں کر سکتے۔●

تیسرا اعتراض:

عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا نہیں ہوئے بلکہ مریم یوسف نجار کے نکاح میں آئیں' آپ ان کے بیٹے ہیں۔

جواب:

قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے کی بے شمار گواہیاں دی ہیں:

(۱): انہیں آدم علیہ السلام سے مشابہت دی ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ "عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔"

(سورۂ آل عمران 3:14)

(۲): انہیں عیسیٰ بن مریم کہا' حالانکہ قرآن کریم نے سوائے مریم کے عورت کا نام نہ لیا۔ اگر وہ کسی مرد کے فرزند ہوتے تو اس کی طرف نسبت کی جاتی۔

(۳): یہود نے حضرت مریم علیہا السلام کو تہمتِ زنا لگائی تھی تو عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں کلام کرنے کی طاقت عطا کر کے ان سے ماں کی پاکدامنی بیان کرائی۔ اگر مریم شادی شدہ تھیں تو اس تہمت کے دفع کرنے کے لئے اتنا بڑا واقعہ کیوں ہوتا؟ صرف یوسف نجار کہہ دیتا کہ یہ میرا بچہ ہے۔

(۴): عیسیٰ علیہ السلام کا لقب روح اللہ ہوا اور کلمۃ اللہ ہوا کیونکہ وہ کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے۔

● بیان القرآن' مولوی محمد علی لاہوری' مرزائی ● تفسیر نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 3' ص 552

﴿5﴾: قرآن کریم نے ان کی ماں کا یہ قول بار بار نقل فرمایا: {وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ} "مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔" اگر ان کا نکاح ہو چکا تھا تو اس کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

﴿6﴾: حضرت مریم جنگل میں جا کر وضع حمل ہوئیں اگر یوسف نجار کی بیوی ہوتیں تو اس قدر مشقت اٹھانے کیا ضرورت تھی؟ ●

خیال رہے کہ مرزائیوں نے یہ عقیدہ یہودیوں سے حاصل کیا ہے:

"وَالْيَهُودُ تَقْذِفُ أُمَّهُ بِيُوسُفَ النَّجَّارِ" ● "یہود عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یوسف نجار سے تہمت لگاتے تھے۔"

چوتھا اعتراض:

"وَتَكُونُ الْمِلَلُ كُلُّهَا مِلَّةَ الْإِسْلَامِ" فقرہ کو یہ آیت معارض ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾

(سورہ ہود 12:10)

"اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے، مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور لوگ اسی لئے بنائے ہیں اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور آدمیوں کو ملا کر۔"

چنانچہ فاضل امروہوی (مرزا کا چیلہ) صاحب "اعلام الناس" لکھتے ہیں کیونکہ بحسب مقتضی اس آیت کے کسی زمانہ میں اتفاق ایک ملت پر ممکن نہیں۔

جواب: اس فقرہ حدیث کو بوجہ عدم قبول تاویل کے حسب مطلب اپنے کے آپ کاٹنا چاہتے ہیں آیت میں استثناء {إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ} موجود ہے اور استثناء زمانیات کا مستلزم ہے استثناء زمان کو۔ لہٰذا مسیح کے وقت سب کا مرحوم ہونا اور سب کا متفق ہونا ملت واحدہ پر ممکن ہوگا۔ ضروری امر بمقتضی آیت کے صرف اتنا ہی ہے کہ اختلاف فی الجملہ اور جہنم کا بھر دینا متحقق ہو۔ وہاں اگر بعد {وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ} کے {إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ} نہ ہوتا تب بوجہ اختلاف دائمی کے زمان مسیح کا اتفاقی ہونا ناممکن تھا۔

پانچواں اعتراض: جس حدیث سے سمجھ آ رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تمام لوگ ایک دین پر قائم ہو جائیں گے وہ اس آیت کے مخالف ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک دین پر قائم کر دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف پر رہیں گے۔ جب یہ حدیث آیت کے مخالف ہے تو اس پر عمل نہیں ہو سکے گا۔

● تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 3، ص 536 ● روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 2 حصہ دوم، ص 163

جواب:

یہ یہودی طرز عمل ہے کہ کچھ کتاب پر ایمان لانا اور کچھ پر ایمان نہ لانا حالانکہ ساتھ ہی یہ بھی آرہا ہے کہ مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا یعنی وہ ایک دین پر قائم ہوں گے مسیح کے زمانہ میں بھی اللہ تعالی کی طرف سے تمام لوگوں پر رحم کیا جائے گا' لہذا وہ سب ایک دین پر قائم ہو جائیں گے۔

چھٹا اعتراض:

حدیث پاک میں مسیح موعود کی جو علامات بیان کی گئی ہیں' وہ مرزا صاحب میں پائی گئی ہیں صحیح بخاری میں ہے:

"اَرَانِی اللَّیْلَۃَ عِنْدَ الْکَعْبَۃِ فِی الْمَنَامِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنَ مَا تَرٰی مِنْ اٰدَمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتَہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ سَبِطُ الشَّعْرِ"

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں کعبہ کے پاس ایک شخص دیکھا جس کا رنگ گندمی ہے اور بہت خوبصورت ہے اس کے بال سیدھے ہیں اور کندھوں تک پہنچ رہے ہیں۔"

مرزا صاحب کا حلیہ بھی یہی ہے ان کا رنگ گندمی ہے' بال سیدھے ہیں یعنی گھونگریالے نہیں' کندھوں کے قریب کانوں کی لو کے نیچے لٹکے ہیں۔

جواب: اسی صحیح بخاری میں اس کے قریب ہی مسیح حقیقی یعنی صاحب انجیل کا حلیہ یہ لکھا ہے: سرخ رنگ اور گھونگریالے بال چوڑا سینہ۔" فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ عَرِیْضُ الصَّدْرِ" ناظرین یہ مغالطہ بھی قابل غور ہے سرخ اور گندمی رنگت دونوں کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ایسا ہی گھونگریالے اور غیر گھونگریالے دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے' کیونکہ مسیح ابن مریم کی رنگت میں سرخی مائل سفیدی تھی۔ ایسا ہی بالوں میں جعودۃ غیر تامہ یعنی تھوڑے گھونگریالے بال تھے' نہ بہت زیادہ پیچیدہ اور نہ سیدھے۔ اسلئے آپ کے رنگ کو سرخ کہنا بھی صحیح ہے اور گندمی رنگ کہنا بھی صحیح ہے۔ اسی طرح آپ کے بالوں کو گھونگریالے کہنا صحیح ہے اور غیر گھونگریالے بھی۔

تنبیہ: بخاری شریف میں جو...... عَنْ مُّجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عِیْسٰی وَ مُوْسٰی وَاِبْرَاھِیْمَ فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ......آیا ہے یعنی حضرت ابن عمر کی روایت ہے جس میں عیسٰی علیہ السلام کا رنگ سرخ اور بال گھونگریالے اور سینہ چوڑا ذکر ہے یہ بخاری کی خطا ہے حقیقت میں یہ روایت حضرت ابن عباس سے ہی ہے یعنی عن مجاہد عن ابن عباس دیکھو اخراجات محمد بن کثیر اور اسحاق بن منصور سلولی اور ابن ابی زائدۃ اور یحیٰی بن آدم رحمہ اللہ وغیرہ کے۔

عینی شرح بخاری اور مشکوۃ شریف میں ہے:

"وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسٰى رَجُلًا آدَمَ طِوَالًا جَعْدًا كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ وَرَأَيْتُ عِيْسٰى رَجُلًا مَرْبُوْعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سِبْطَ الرَّأْسِ"

اس حدیث میں ابن عباس ہی عیسٰی علیہ السلام کا رنگ سرخی سفیدی سے ملا ہو بیان کرتے ہیں اور آپ کے بال بہت زیادہ پیچدار نہیں تھے (بلکہ معمولی گھونگریالے تھے)۔ یہ بھی ابن عباس بیان کرتے ہیں اور اب یہ گمان کرنا کہ سرخ رنگ والے عیسٰی علیہ السلام اور تھے اور گندمی رنگ والے عیسٰی علیہ السلام اور ہیں صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد دونوں روایتوں میں واقعہ معراج کے متعلق ہے جس کے پہلے بروایت مسلم......

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءُ" "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر انبیاء کرام پیش کے گئے ہیں۔"

اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دونوں روایتوں میں اسی عیسٰی علیہ السلام کا ذکر ہے جو انبیاء کرام کی جماعت میں اسی طرح شامل ہیں جس طرح موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام داخل ہیں، کسی حدیث پاک میں بھی مثیلِ مسیح یعنی مرزا صاحب کا کوئی ذکر نہیں اگر عیسٰی علیہ السلام اور ہوتے اور مثیلِ عیسیٰ اور ہوتا تو حضور ﷺ فرماتے: میں نے عیسٰی علیہ السلام اور مثیلِ عیسیٰ کو دیکھا حالانکہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ پس واضح ہوا کہ حدیث پاک مرزا صاحب کا اپنے آپ کو مسیح موعود اور مثیلِ عیسیٰ ثابت کرنا باطل ہے۔ [1]

ساتواں اعتراض:

مرزا صاحب کا ذکر حدیث پاک میں ہے، صحیح مسلم میں ہے:

"لَوْ كَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رَجُلٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ" "اگر علم ثریا کے ساتھ بھی معلق ہو تو فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص پا لے گا۔"

مرزا صاحب کے ایک مرید "امروہی" نے اس حدیث سے مراد بھی اپنے مرزا صاحب کو ہی لیا ہے۔

جوابِ اول: متفق علیہ شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح مذکور ہے: "قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْعِلْمُ...... الخ" یہ حدیث آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر بیان فرمائی جس سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مصداق ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی سیاق و سباق سے یہ حدیث مختص ہے، عام ہے ہی نہیں۔

جوابِ دوم: اگر حدیث کو عام رکھا جائے اور مراد فارس کا کوئی شخص بھی لیا جائے تو پھر بھی اس سے مراد مرزا صاحب نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے خود "ایام الصلح" میں اپنا سمرقندی ہونا ثابت کیا ہے حالانکہ سمرقند خراسان سے ہے نہ کہ فارس سے۔ جن لوگوں کو کچھ بھی جغرافیہ وغیرہ میں مہارت ہے ان پر یہ بات واضح ہے۔

---

[1] شمس الہدایہ از سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، ص 68

جوابِ سوم: اگر حدیث پاک سے مراد زیادہ عموم لیا جائے یعنی اہلِ فارس کا ایک بامحاورہ معنی یہ لیا جائے کہ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں تو پھر بھی مرزا صاحب کا مدعٰی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث میں "لـو کـان الـعـلـم" لفظ "العلم" معرف باللام ہے۔ الف لام عہدِ خارجی ہے جس سے مراد وہ علم ہے جو کتاب وسنت کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔ مرزا صاحب کا علم تو شیطانی علم تھا' قرآنی علم نہیں تھا ورنہ وہ کفر اختیار کر کے جھوٹی نبوت کا دعویٰ نہ کرتے۔

جھوٹوں کی کہاوتیں:

امروہی صاحب نے اپنے مرزا کو مسیح موعود مانا ہے' اس لئے یہ دعویٰ بھی کیا مرزا صاحب دینِ نصرانیت کو مٹا دیں گے

سید الاولیاء پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آج تاریخ ۱۵ شعبان ۱۳۱۷ھ تک بالکلیہ دینِ نصرانیت کا مٹ جانا تحقق نہیں ہوا' حالانکہ مرزا صاحب جو مسیح موعود ہونے کے دعویدار ہیں' وہ کتنے عرصہ سے آ چکے ہیں' بلکہ مرزا صاحب اپنی موت تک بھی یہ کرشمہ نہ دکھا سکے۔"

عیسٰی علیہ السلام کی صفات میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ "یَدْعُوْنَ اِلَی الْمَالِ فَلَایَقْبَلُہُ اَحَدٌ" "لوگوں کو مال کی طرف بلائیں گے لیکن کوئی ایک بھی قبول نہیں کرے گا۔ اس کا مطلب "امروہی" نے بیان کیا ہے:

"اس سے مراد بھی مرزا صاحب ہیں کیونکہ انہوں نے بذریعہ اشتہارات روپیہ دینے کا وعدہ مخالفینِ اسلام (ان کے بناوٹی اسلام) کو فرمایا اور کسی نے قبول نہیں کیا۔"

اس کا جواب حضرت پیر صاحب یوں دیتے ہیں:

"کہ حدیث میں "فَلَایَقْبَلُہُ اَحَدٌ" مذکور ہے' اس کا مطلب یہ کہ عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں سب لوگ اہلِ اسلام ہوں گے اور سب کو عبادت کی بہت زیادہ رغبت ہوگی اور سب تارکِ دنیا اور زاہد ہوں گے۔ اس پر حدیث پاک شاہد ہے "حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا" اسلئے کہ اس وقت مسلمان زاہد' اور عابد ہوں گے جو دنیا کو قبول نہیں کریں گے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت مخالفینِ اسلام بھی ہوں گے (جیسا کہ مرزائیوں نے معاذ اللہ مسلمانوں کو مخالفین اسلام کہا) اور ان کو حقیقتِ اسلام ظاہر کرنے کے مقابلہ میں اشتہارات کے ذریعے روپیہ دینے کا وعدہ دیا جائے گا اور وہ قبول نہیں کریں گے۔ خیال رہے کہ اسلام بذاتِ خود امرِ حق ہے' واقع کے مطابق ہے' قیامت تک کوئی مخالف بھی یہ نہیں

● شمس الہدایہ' پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 70

کر سکتا کہ اسلام کے حق ہونے کو زائل کر سکے یا اسلام کے ناحق ہونے کو ثابت کر سکے۔ اسلام اپنے حق ہونے میں کسی انسان کا محتاج نہیں بلکہ رب تعالیٰ نے خود اسکے غلبہ کا ذمہ اٹھار کھا ہے۔ حدیث پاک "ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (اسلام کو قیامت تک غلبہ حاصل رہے گا) اس پر شاہد ہے۔"

آٹھواں اعتراض:

آیت {وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ} دال ہے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر کیونکہ حسب مفاد اس آیت کے اسی یا نوے سال کو پہنچتا ہے اس کو "نکس" اور "ژاژ گوئی" بنسبت پہلی حیاتی کے پیدا ہوتی ہے تو کیسا حال ہوگا اس شخص کا جو دو ہزار سال تک زندہ رہے۔

جواب: اسی یا نوے سال کی قید جو آپ نے لگائی ہے یہ قرآن پاک کے کون سے الفاظ مبارکہ سے سمجھ آئی؟ خدارا! یہودیوں کی طرح کلام الٰہی کی تحریف سے باز آئیں۔ کیا آپ کو قرآن پاک میں یہ آیت نظر نہیں آئی:

وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (سورۂ کہف) "وہ (اصحاب کہف) اپنی غار میں تین سو نو سال رہے۔"

{وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ} کا مفہوم اگر تمہارے خیال میں اسی یا نوے سال کی عمر تک محدود ہے تو پھر اس آیت { وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا} سے اصحاب کہف کا تین سو نو سال غار میں کیسے ثابت ہو سکتا ہے اور نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو (1400) سال اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس (930) سال اور حضرت شیث علیہ السلام کی نو سو بارہ (912) سال اور حضرت ادریس علیہ السلام کی تین سو چھپن سال (356) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس سال (120) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر دو سو تئیس سال (223) کیسے ہو سکتی تھی۔●

اصل میں یہ سب غلط تاویلیں مرزا صاحب سے اس وجہ سے سرزد ہوئیں:

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (سورۂ زمر 1:24) "جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

ان کے گمراہ کن شیطانی علم نے انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا۔

نواں اعتراض:

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (سورۂ حج 8:17) "تم میں سے بعض کو فوت کیا جاتا ہے اور بعض کو بڑی عمر تک پہنچایا جاتا ہے۔"

● شمس الہدایہ از سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ ص 74

اس آیت میں دو ہی صورتیں ذکر ہیں یا گھٹیا عمر سے پہلے فوت کر دینا اور یا اس عمر تک پہنچا دینا جس میں انسان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے اس آیت سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ رذیل عمر تو نبی کی شان کے لائق نہیں اور کسی جگہ قرآن میں بھی ذکر نہیں۔

"وَمِنْكُمْ مَنْ صَعِدَ اِلَى السَّمَآءِ بِجَسَدِهِ الْعُنْصَرِيِّ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ" "اور تم میں بعض اپنے عنصری جسم کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جائیں گے اور پھر آخر زمانہ میں لوٹ آئیں گے۔"

آیت میں صرف دو چیزوں کا ذکر ہے اگر اور کوئی تیسری صورت مانی جائے تو آیت میں جو دو چیزوں کے اندر ایک مسئلہ کو بند کیا ہے اس کا مقصد فوت ہو جائے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کو اگر مانا جائے تو آیت کا حصر باطل ہوتا ہے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت میں کوئی حصر ہے ہی نہیں۔ اگر بالفرض حصر کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی واضح قانون ہے کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ نیز تمہارا قول کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھایا گیا اس کا ذکر بھی تو قرآن پاک میں نہیں۔ جب تمہارے نزدیک اس سے حصر باطل نہیں تو آپ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے والے قول سے حصر کیسے باطل ہے؟

نیز اہلِ کشف کے نزدیک "ارذل العمر" کی کوئی حد معیّن نہیں۔ اس پر کوئی آیت و حدیث دلالت کر رہی ہے اور نہ ہی عقلی طور پر ثابت ہے کہ اس سے متجاوز ہونا موت کا سبب ہو۔ علماء طبعیین نے جو حد مقرر کی ہے اس کو شیخ اکبر اپنے کشفی طریقہ سے فتوحات میں رد فرماتے ہیں ان کے قول کا مضمون یہ ہے کہ اگر جو کچھ علمِ طبعی میں ہمارے اوپر مکشوف ہوا ہے وہ علماء طبعیین کو معلوم ہوتا تو ہرگز انسان کی عمر طبعی کو وہ کسی حد سے معین نہ کرتے۔ نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس سے مراد "رذیل عمر" ہے تو پھر بھی اس سے اہلِ علم مستثنیٰ ہیں ان کا حکم ہی اور ہے۔

"قَالَ عِكْرَمَةُ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ اِنْ لَمْ يَصِرْ بِهٰذِهِ الْحَالَةِ اَىْ فَهُوَ مَخْصُوْصٌ بِغَيْرِ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَالْعُلَمَاءُ وَمَاهُمْ فَلَا يُرَدُّوْنَ اِلَى الْاَرْذَلِ بَلْ يَزْدَادُ عَقْلُهُمْ كُلَّمَا طَالَ عُمُرُهُمْ كَمَا هُوَ مُشَاهَدٌ"

(صاوی جلالین ص 279)

"حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے قرآن پاک کا علم حاصل کیا اسے یہ حالت نہیں حاصل ہوتی کہ اس کی عقل میں کمی آ جائے یعنی یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے قرآن پاک کا علم حاصل نہ کیا۔ جنہوں نے قرآن پڑھا اور علم حاصل کیا انہیں اس حالت کی طرف نہیں پہنچایا جاتا بلکہ ان کی عقل عمر کی زیادتی کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے اس پر مشاہدات دلالت کر رہے ہیں۔"

جب اہلِ علم کا یہ مقام ہے تو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی کا کیا مقام ہوگا؟ یقیناً زیادہ عمر کا دیا جانا رذالت کی طرف نہیں

پہنچائے گا۔ نیز آپ کو "وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى" میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ پر وفات بھی یقینی آنی ہے اور آپ کو دنیا کی جس عمر میں اٹھایا گیا ہے اور پھر دنیا میں آپ نے جتنی مدت رہنا ہے آپ کی وہی عمر شمار ہوگی۔ آسمانوں کی زندگی پر وہاں کے قوانین ہی نافذ ہیں' نہ وہاں موت' نہ بوڑھا ہونا۔ جب لوگ جنت میں جائیں گے تو ان کو وہ زندگی حاصل ہوگی' جو ختم ہونے والی نہیں ہوگی اور ان پر کوئی بڑھاپا طاری نہیں کیا جائے گا۔ [1]

دسواں اعتراض:

{اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں' کیونکہ یہاں نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کا ذکر ہے۔

جواب: {اِنَّكَ مَيِّتٌ......اور......وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} یہ دونوں قضیہ مطلقہ عامہ ہیں' دائمہ مطلقہ نہیں۔ اگر دائمہ ہوتے تو حکم ہمیشہ ہر زمانے میں ثابت ہوتا۔ مطلقہ عامہ میں تو حکم تین زمانوں میں کسی زمانے میں بھی پایا جانا کافی ہوتا ہے۔ اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا "تحقیق اے حبیب ﷺ اتم فوت ہونے والے ہو اپنے وقت معین میں اور وہ انبیاء سابقہ بھی اپنے اوقات معینہ میں مرنے والے ہیں۔" اس سے واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چونکہ اپنے وقت مقرر میں فوت ہونا ہے لہٰذا وہ {اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} میں داخل ہیں نزولِ آیت کے وقت اگر آپ کا فوت شدہ ہونا ضروری ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبی کریم ﷺ بھی اس وقت اموات میں داخل ہوتے حالانکہ ایسا سوچنا سراسر غلطی پر مبنی ہے۔ [2]

خیال رہے کہ اس سوال و جواب کی حیثیت اسی وقت ہوگی جب "اِنَّهُمْ" کی ضمیر کا مرجع عام لوگ ہوں' جن میں انبیائے کرام بھی داخل ہوں اور اگر ضمیر کا مرجع "کفار" ہوں' جو حضور ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ فوت ہو جائیں گے اور ان کے بیٹے بھی نہیں' لہٰذا دین بھی خود بخود ختم ہو جائے گا تو ان کے جواب میں کہا گیا ہے کہ آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ لوگ زندہ رہ جائیں گے؟ یہ کسی کی موت پر خوشی کیوں مناتے ہیں' اپنی فکر کریں۔ اس صورت میں سوال ہی وارد نہیں ہوگا اور نہ جواب کی کوئی ضرورت ہے۔

گیارہواں اعتراض:

"میت" مشتق ہے جس کا مبدأ اشتقاق "موت" ہے۔ قانون یہ ہے کہ مشتق کسی قضیہ میں محمول بنایا جائے تو وہ مبدا کے ساتھ قیام کو چاہتا ہے۔ اس ضابطہ کے پیش نظر عیسیٰ علیہ السلام پر موت کا واقع ہونا بھی ثابت ہوا۔

[1] شمس الہدایت' پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 75
[2] شمس الہدایت' پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 77

جواب: قیام مبدا کا وقت تحقق مضمون قضیہ ضروری ہوتا ہے نہ وقت صدق قضیہ۔●

یعنی جس وقت اس حکم نے واقع ہونا ہے اس وقت مشتق کا قیام مبدا سے ضروری ہوتا ہے اور یہ بات درست ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے وقت میں موت آنی ہے۔ آپ نے "میت" بننا ہے اس وقت میت کا قیام موت سے ہی ہوگا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جب قضیہ مطلقہ عامہ بولا جائے اسی وقت محمول کا قیام موضوع سے ہو اور مشتق کا قیام مبدأ اشتقاق سے ہو۔

بارہواں اعتراض:

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ (سورۃ نحل 8:14)

"اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔"

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کے سوا سارے معبود مر چکے ہیں زندہ نہیں۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لوگوں نے معبود مانا اور وہ بھی اللہ کے سوا معبودوں میں داخل ہیں اس لئے وہ مر چکے ہیں زندہ نہیں۔ واضح ہوا کہ یہ آیت وفات مسیح پر دلالت کر رہی ہے۔

جواب: یہ آیت سورۃ نحل کی ہے جس کا نزول مکہ (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَکْرِیْمًا) میں ہوا ہے۔ اس لحاظ سے "من دون اللہ" سے مشرکین مکہ کے معبود ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "اموات" کی تفسیر میں "اصنام اموات" تحریر فرماتے ہیں

یعنی بت تو خود بے جان ہیں۔●

خیال رہے کہ راقم نے اپنی کتاب "شمع ہدایت" میں اس آیت کی تفسیر میں مودودی صاحب سے جو غلطیاں ہوئیں ہیں یا دیدہ دانستہ غلط تفسیر کی اس کا تفصیلی رد کیا ہے۔

تیرہواں اعتراض:

قانون یہ ہے کہ "عموم لفظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔" اس قانون کے پیش نظر تو یہ چاہئے کہ "من دون اللہ" سے مطلق معبودان باطلہ مراد ہوں بتوں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔ اس لحاظ سے تو مسیح مریم بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہوں گے یعنی مر چکے ہیں۔

جواب: اگر اس آیت میں حکم کو بتوں کے ساتھ خاص نہ کیا جائے تو ملائکہ بھی اس میں داخل ہوں گے کیونکہ ان کو بھی لوگوں نے معبود مانا تو اس طرح وہ بھی اللہ کے سوا معبود ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتے سب مر چکے ہوں۔ اس طرح جبرائیل

● شمس الہدایہ، پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ ص 77 ● ایضاً

بھی مر چکے ہوں گے۔اس سے تو زیادہ مصیبت مرزا صاحب پر ہی پڑے گی ان کا دعویٰ شروع سے ہی باطل ہو جائے گا کیونکہ وحی تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جبرائیل ہی لاتے رہے۔ جب ان کو ہی مردہ قرار دے دیا گیا تو مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت خود بخود باطل ہو گیا۔

اگر بالفرض اللہ کے سوا تمام معبود مراد لینے ہوں تو جب قضیہ مطلقہ عامہ مانا جائے تو پھر صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ اپنے اپنے وقت پر ان کو موت آنی ہے۔اس طرح عیسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ آیت صادق آئے گی کیونکہ ان کو بھی موت اپنے وقت پر آنی ہے اور فرشتے بھی اس میں داخل ہو سکیں گے کیونکہ نفخ صور پر ان کو بھی موت آنی ہے لیکن اس سے مرزا صاحب کا مقصد ثابت نہیں ہو سکے گا عیسیٰ علیہ السلام تو مر چکے ہیں اور میں مسیح موعود ہوں۔

چودھواں اعتراض:

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ...... ● (سورۃ آل عمران 5:4) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے رسول وفات پا چکے ہیں۔"

یہ تمام رسولوں کے متعلق ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔اس سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

جواب: معترضین نے "خلت" کا معنی "توفت" (فوت ہو گئے) کیا ہے جو غلط ہے کیونکہ یہ معنی کرنے سے دو آیتوں میں صریح طور پر تناقض لازم آئے گا اس لئے کہ ایک آیت میں فرمایا: {سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ} (پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۳) اور دوسری آیت میں فرمایا: {وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا} (پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۳) اگر "خلت" کا معنی موت کیا جائے تو پہلی آیت کا معنی یہ ہوگا سنت خداوندی مر چکی اور معدوم ہو گئی حالانکہ دوسری کا مفاد یہ ہے کہ سنت الٰہیہ متغیر نہیں ہوتی یعنی ہمیشہ اپنے حال پر باقی رہتی ہے۔

اسلئے یہ بھی صحیح ہے کہ {قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ} (پ ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴) اور {سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ} (پ ۲۴ سورۃ المومنین ۸۵) کا ترجمہ یہ ہے اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا۔

توجہ سے سنئے کہ "خلت" مشتق ہے "خلی" سے جس کا معنی ہے تنہا ہونا جیسا کہ: {وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ} (پ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۱۴) میں یہی معنی ہے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں۔

اور دوسرا معنی "گزرنا" ہے اور یہ معنی زمانہ کی صفت بالذات ہوتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے "السنة الماضية"

● شمس الہدایت، پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، ص 77

گزشتہ سال اور قرون خالیہ (گزرے ہوئے زمانے) اور یہ معنی زمانے کی صفت بالعرض ہوتا ہے یعنی جو اشیاء زمانہ میں موجود ہوتی ہیں' ان کو بھی ظرفیت و مظروفیت کے تعلق کی وجہ سے گزرا ہوا کہہ دیا جاتا ہے۔

اب آیت کا معنی یہ ہوگا: ''ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں'' اس معنی کے لحاظ سے جو فوت ہو چکے ہیں' ان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ گزر چکے اور جو رسالت سے فارغ ہو چکے ہیں اور زمین سے آسمانوں پر اٹھا لئے گئے ہیں یعنی ابن مریم ان کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے وہ گزر گئے ہیں جیسا کہ عام محاورہ میں کہا جاتا ہے ''فلاں حاکم شہر میں تحصیلدار ہو گزرا ہے'' یہ محاورہ دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے اگر وہ مر گیا تو پھر بھی اور اگر وہ ملازمت سے فارغ ہو چکا تو پھر بھی۔ ❶

پندرہواں اعتراض:

اس کے بعد ذکر ہے:

اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ......

(سورۃ آل عمران 5:4)

''کیا وہ (نبی کریم ﷺ) اگر انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔''

یہ قرینہ ہے کہ ''قد خلت'' میں بھی معنی موت ہی لیا جائے یعنی حضور ﷺ سے پہلے اور تمام رسول فوت ہو گئے۔

جواب: ''افان مات'' چونکہ بمقابلہ ''او قتل'' کے واقع ہوا ہے لہذا مات سے مراد موت حتف انفہ ہوگی یعنی اپنے آپ مرنا بغیر کسی کے قتل کرنے کے یہ بات سمجھ کر انصاف سے خود ہی بتایا جائے کہ اگر افان مات کو قرینہ ارادۂ معنی موت پر ''قد خلت'' سے ٹھہرائیں تو ضرور قد خلت سے مراد بھی موت حتف انفہ یعنی موت طبعی ہوگی اس طرح (معاذ اللہ) ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ کا کاذب ہونا لازم آئے گا کیونکہ تمام انبیائے کرام طبعی موت نہیں فوت ہوئے بلکہ کوئی اپنی طبعی موت فوت ہوئے اور بعض کو شہید کیا گیا۔ اور اگر ''خلت'' کا معنی مطلق موت لے بھی لیا جائے تو دوسری آیت ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ اس کے عموم کے لئے مخصص ہوں گی یعنی دوسرے انبیائے کرام تو دنیا سے رخصت ہو گئے' فوت ہو گئے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اسی طرح قرآن پاک کو کئی آیات مبارکہ کو دوسری آیات سے خاص کیا گیا ہے' جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝﴾ (سورۃ المرسلات 21:29)......... اور ایسا......

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (سورۃ الطارق 11:30)

آیت بھی مخصوص البعض ہے کیونکہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ اور دوسری آیت جن سے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہے ان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ حکم دوسرے انبیائے کرام کے لئے ہے' حضرت مسیح کے لئے نہیں۔ ❷

❶ شمس الہدایت' پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 78 ❷ شمس الہدایت' پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 79

سولہواں اعتراض:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی:

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ .... ''زمین میں ہی تم کو زندہ رہنا ہے اور اس میں ہی تمہاری موت آنی ہے۔''
(سورۃ الاعراف 9:8)

بہت بڑی دلیل ہے کہ انسان کے رہنے کی جگہ صرف زمین ہی ہے اور کوئی جگہ رہنے کی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر کیسے زندگی بسر کر رہے ہیں؟

جواب: اصل تو یہی ہے کہ انسان کے رہنے کی جگہ زمین ہی ہے لیکن عارضی طور پر کسی کو آسمانوں پر رب تعالیٰ خود رکھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جیسا کہ ملائکہ کا اصل رہنے کا مقام آسمان ہیں لیکن ان کی آمد ورفت زمین پر بھی رہتی ہے۔ جب فرشتوں کا زمین پر آنا جانا منع نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا کیونکر منع ہو سکتا ہے؟

اس سے واضح ہوا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی بنسبت استقرار اصلی کے ہے اور دوسری آیت (وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ) سے بظاہر جو سمجھ آ رہا ہے کہ اس میں لام تخصیص کا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا زمین میں رہنا خاص ہے اس سے مراد یہ بھی ہے کہ تمہارا رہنے کا مقام زمین کو بنایا گیا ہے لیکن یہ بھی لازم نہیں کیونکہ ایک چیز کو کسی کے لئے بنایا گیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اس سے جدا نہ ہو جیسا کہ:

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۙ (سورۃ النبا 30) ''رب تعالیٰ نے رات کو لباس بنایا اور دن کو معاش۔''

یعنی رات سونے کے لئے بنائی ہے اور دن روزی کمانے کے لئے' حالانکہ بعض اوقات انسان رات کو کام کرتا ہے اور دن کو سوتا ہے تو مقصد یہ نکلا کہ عمومی طور پر رات سونے کے لئے اور دن روزی کمانے کے لئے ہے لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ ایسے ہی زمین رہنے کے لئے عمومی طور پر مختص ہے لیکن کسی کو رب تعالیٰ خود آسمانوں میں ٹھہرا لے تو اس میں کسی کو کلام کرنے کی کیا مجال ہو سکتی ہے؟ [1]

---

[1] شمس الہدایت' پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 79
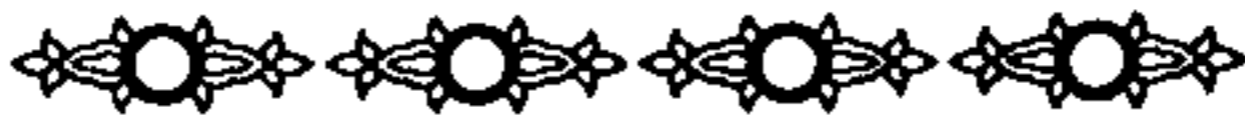
......عقیدۂ ختم نبوت......

مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیروی الازہری قدس سرہ نے (ماکان محمد) الخ کی تفسیر میں عقیدۂ ختم نبوت پر خوب بحث فرمائی۔ صحیح بات یہ ہے کہ "ضیاء القرآن" کے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان افروز تفسیر ہے، محبت عرفان کا خزینہ ہے، اللہ پیر صاحب کی اس سعی جمیل پر آپ کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (سورۃ الاحزاب 2:22)

"نہیں ہیں محمد ﷺ (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ کے رسول ہونے کا اعلان فرمایا۔ بے شک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی امت کے ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں، رسول کی نگاہ کرم سے امتی کا جسم اور روح ظاہر اور باطن، دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روز حشر کسی کام نہیں آئیں گی، بلکہ سارے دنیاوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ؕ (سورۃ العبس 5:30)

"محشر کے دن انسان اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور زوجہ اور بیٹوں سے بھاگے گا۔"

لیکن رسول کے لطف و عنایت سے دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا امتی شادکام ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور ﷺ اتنی تندہی سے امت کے سامنے دین اسلام کے سارے گوشے آشکارا کرنے کی شدید زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور حضور ﷺ ہی اس سلسلہ ذہبیہ (ختم نبوت کا سلسلہ) کی آخری کڑی ہیں تو آپ کی محبت اور الفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ادھوری نہ رہنے دی جائے۔ ساری بری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دور جاہلیت کی قبیح رسموں کو نہ مٹایا گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو ان کو مٹا سکے۔ اتنی محبوبیت اتنی جامعیت اور اتنا تقدس کہاں پایا جائے گا تا کہ اس کے اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ختم نبوت کا عقیدہ:

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے' جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔ اگرچہ بدقسمتی سے امت اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے' باہمی تعصب نے بارہا ملت کے امن وسکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ فساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس پر متفق رہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا دعویٰ کیا اس کو مرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے اس جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔

مسیلمہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس کے خلاف لشکر کشی کی اور تب چین کا سانس لیا' جب اس جھوٹے نبی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بیشک اس جہاد میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے' جن میں سینکڑوں حفاظ قرآن اور جلیل المرتبت صحابہ تھے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اتنی قربانی دے کر بھی اس فتنہ کو کچلنا ضروری سمجھا۔ آپ نور صدیقیت سے دیکھ رہے ہیں کہ اگر ذرا تساہل برتا تو یہ امت سینکڑوں گروہوں میں نہیں سینکڑوں امتوں میں بٹ جائے گی۔ ہر امت کا اپنا نبی ہوگا اور وہ اس کی شریعت اور سنت کو اپنائے گی۔ اس طرح اس رحمۃ للعالمین کے زیر سایہ اسلام کے پلیٹ فارم پر انسانیت کے اتحاد کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی اور ﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾ "بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" کا سہانا منظر کبھی بھی نظر نہیں آئے گا۔

ناظرین کو یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ مسیلمہ حضور ﷺ کی نبوت کا منکر نہیں تھا' بلکہ اپنے دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ وہ حضور ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں اس نے جو عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"مِنْ مُسَیْلِمَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ" "یہ خط مسیلمہ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے' محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا جا رہا ہے۔"

علامہ طبری نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اس کے ہاں جو اذان مروج تھی' اس میں "اشہد ان محمد رسول اللہ" بھی کہا جاتا تھا۔ بایں ہمہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو مرتد اور واجب القتل یقین کر کے اس پر لشکر کشی کی اور اس کو واصل جہنم کر کے آرام کا سانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سرپھرے طالع آزما یا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی تو

اس کو قتل کر دیا گیا۔ انگریز کی غلامی کے دور میں ملتِ اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح ایک ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا' اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجہ کا وفادار تھا۔ ملکۂ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے' جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا' سلطنتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا اور ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے؟

انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لئے بے جا نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لئے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بے شک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اسُ کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ان کے متفق علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا' وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے' اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دِل جمعی سے انجام دے سکتا تھا۔ اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے' وہاں ان کا جو حشر ہوا' وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماءؒ نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو "مرتد" اور "خارج از اسلام" قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گوناگوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اور قطعی اجماع ہو رہا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کے لئے اللہ کی توحید' قیامت' حضور ﷺ کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں' اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لئے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث وتمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح وبسط سے لکھا جائے تاکہ حضور ﷺ کا امتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقائے کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے رہے۔ وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال ودولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے' بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں' ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لئے ملول نہیں ہونا چاہئے' نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس کی رسول

کو۔ ہمارا دعویٰ بلکہ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ:

نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویدار اور اسے سچا ماننے والا مرتد ہے:

''حضور سرور عالم سیدنا محمد ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو بد بخت اس کے دعویٰ کو سچا تسلیم کرتا ہے' وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور سزا کا مستحق ہے' جو اسلام نے مرتد کے لئے مقرر فرمائی ہے۔''

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں اور جن میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے ہم قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں اور ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب 2:22)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب مکرم کا اسم گرامی لے کر فرمایا ہے کہ محمد ﷺ (فداہ ابی وامی) اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں یعنی انبیائے کرام کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ جب مولائے کریم جو (بکل شیءِ علیم) ہے نے یہ فرمایا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں' تو حضور ﷺ کے بعد جس نے کسی کو نبی مانا' اس نے اللہ کے اس ارشاد کی تکذیب کی اور جو شخص اللہ کے کسی ارشاد کو جھٹلاتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

''خاتم النبیین'' کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے' اہل لغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے۔ اس وقت میرے پاس لغت کی دوسری کتب کے علاوہ ''الصحاح للجوہری اور ''لسان العرب لابن منظور'' موجود ہیں' جن کا شمار لغت عرب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے۔ آیئے! ان کے مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں۔

ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مولف علامہ حماد بن اسماعیل الجوہری کا سنِ ولادت 332ھ اور سال وفات 393ھ یا 398ھ ہے اور لسان العرب کے مولف علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری کا سن ولادت 630ھ اور سال وفات 711ھ ہے۔ یہ عرض کرنیکا مقصد یہ ہے کہ فتنۂ انکار ختم نبوت سے صدہا سال پہلے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے کہ ان کا قول حجت نہ رہے' بلکہ ان کی نگارشات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔ پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

" خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِخَيْرٍ " ''خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔''

" وَخَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ بَلَغْتُ اٰخِرَهٗ " ''یعنی میں نے قرآن آخر تک پڑھ لیا۔''

"اِخْتَتَمْتُ الشَّیْءَ نَقِیْضُ اِفْتَتَحْتُہٗ"

"افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔"

"وَالْخَاتِمُ وَالْخَاتَمُ بِکَسْرِ التَّاءِ وَفَتْحِھَا وَالْخِتَامُ وَالْخَاتَامُ کُلُّہٗ بِمَعْنًی وَخَاتِمَۃُ الشَّیْءِ آخِرُہٗ"

"وَمُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔"

"یعنی خاتَم بالفتح خاتِم بالکسر ختام اور خاتام سب کا ایک ہی معنی ہے اور کسی چیز کے آخر کو "خاتمۃ الشیء" کہتے ہیں۔"

"حضور ﷺ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔"

علامہ ابن منظور "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:

"خِتَامُ الْوَادِیْ اَقْصَاہُ وَخِتَامُ الْقَوْمِ وَخَاتِمُھُمْ وَخَاتَمُھُمْ اٰخِرُھُمْ وَمُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ"

"وادی کے آخری کونہ کو "ختام الوادی" کہتے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو ختام خاتَم بالفتح اور خاتِم بالکسر کہا جاتا ہے اسی مناسبت سے حضور ﷺ کو "خاتم الانبیاء" فرمایا گیا ہے۔"

لسان العرب میں "التھذیب" کے حوالہ سے لکھا ہے:

وَالْخَاتِمُ وَالْخَاتَمُ مِنْ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ ﷺ وَفِی التَّنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اَیْ اٰخِرُھُمْ وَمِنْ اَسْمَائِہِ الْعَاقِبُ اَیْضًا وَمَعْنَاہُ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ"

"یعنی خاتم اور خاتم نبی کریم ﷺ کے اسماء گرامی میں سے ہیں قرآن مجید میں ہے {وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ} یعنی سب نبیوں کے پیچھے آنے والا اور حضور کے اسماء میں سے "العاقب" بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے۔"

اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "خاتم" کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا معنی "آخری" ہے۔ اس معنی کی تائید کے لئے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ "خِتَامُہٗ مِسْکٌ اَیْ آخِرُہٗ مِسْکٌ" یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی (مہر لگانا) مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تا کہ ہم پر تحریف قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ "صحاح" اور "لسان العرب" دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آیت کا یہی معنی ابلغ اور شان رسالت کے شایان ہے کہ حضور ﷺ انبیائے کرام پر مہر لگاتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہو گا اور جس پر مہر نہ

لگائی وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مرقوم (لکھا ہوا) ہے لیکن انہوں نے تصریح (وضاحت) کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں "**خاتم النبیین**" کا معنی "**آخر النبیین**" ہے۔ یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر (اصرار کرنے والے) ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا' انہوں نے مہر ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ کارڈ پر مہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا۔ یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کر دی' اسے مناسب کاروائی کے لئے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا' حالانکہ مہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔ کاش! انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔

آیئے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ لسان العرب میں ہے:

خَتَمَهُ يَخْتِمُهُ خَتْمًا وَخِتَامًا طَبَعَهُ فَهُوَ مَخْتُومٌ وَمُخَتَّمٌ شُدِّدَ لِلْمُبَالَغَةِ "یعنی ختم کا معنی مہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختم کہتے ہیں۔"

اسکے بعد لکھتے ہیں:

وَمَعْنٰى خَتْمٍ وَطَبْعٍ فِى اللُّغَةِ وَاحِدٌ وَهُوَ التَّغْطِيَةُ عَلَى الشَّيْءِ وَالْاِسْتِيْثَاقُ عَنْ اَنْ لَا يَدْخُلَهُ شَيْءٌ كَمَا قَالَ جَلَّ وَعَلَا (اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا)

(اس عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سنئے) "یعنی ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے داخلہ کا امکان نہ ہو۔"

پہلے زمانہ میں خلفاء' امراء' سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی تھیلی میں رکھ کر سر بمہر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا ہے اب اس کو سر بمہر کر دیا ہے تاکہ اس مہر کی موجودگی میں اس میں کوئی ردوبدل نہ کر دے۔ اگر کوئی ردوبدل کرے گا تو وہ پہلے مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا۔ اس صورت میں "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا' حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی تاکہ کوئی کذاب دجال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص زبردستی اس زمرہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا پکڑا جائے گا اور اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس سلسلے میں بھی قول فیصل

اور حرف آخر حضور کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔

آیئے! اب احادیث نبویہ ﷺ کا بغور مطالعہ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء ﷺ نے "خاتم النبیین" کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے؟

"خاتم النبیین" کے معنی کی وضاحت کے لئے بے شمار صحیح احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں' فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں' جن کے دلوں میں ہدایت کی سچی طلب ہوگی۔ مولیٰ کریم اپنے حبیب رؤف رحیم ﷺ کے طفیل وہدایت کی راہیں ان کے لئے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دست گیری کرے گی۔

(1): "قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلْ لَا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ"

(بخاری' کتاب المناقب' باب خاتم النبیین' ج 2')

"حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ لوگ اس عمارت کے ارد گرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں "خاتم النبیین" ہوں۔"

اگر آپ اس حدیث میں غور کریں تو بلاغتِ نبوی ﷺ کے اعجاز کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ جب ایک عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں! اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلے اینٹوں میں سے ایک اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے قصرِ نبوت مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ سابقہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لئے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقل سلیم اس کو گوارا کرے گی؟ قصرِ نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور اتنی معنی خیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختم نبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المناقب اور ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

②: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ"

(مسلم' ترمذی' ابن ماجہ)

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی: مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی مختصر الفاظ اور معانی بھرنا پیدا کنار رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی' میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا' میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی' مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا' میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔''

③: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ"

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد کوئی رسول آئے نہ کوئی نبی۔''

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں۔ کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعویٰ کو تسلیم کرنا سراسر کفر و الحاد ہے۔

④: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا اِلَّا حَذَّرَ اُمَّتَهُ الدَّجَّالَ وَاَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ وَهُوَ خَارِجٌ فِیْکُمْ لَا مَحَالَةَ" (ابن ماجہ)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا۔ بے شک میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو وہ لامحالہ تم میں ہی آئے گا۔''

اس حدیث سے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا ثابت ہو رہا ہے' اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

⑤: امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے:

"قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ"

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن خطاب نبی ہوتے۔''

⑥: امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشاد نبوی نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر روانہ ہوتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا آپ کچھ پریشان ہوئے تو:

" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ"

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے اور اسی کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) "عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ"

"حضرت ثوبان سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس کذاب ہوں گے' جن میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں "خاتم النبیین" ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

علامہ ابن کثیر متوفی (۷۷۴) متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فَقَدْ اَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهٖ وَرَسُوْلُهٗ ﷺ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ لِيَعْلَمُوْنَ اَنَّ كُلَّ مَنِ ادَّعٰى هٰذَا الْمَقَامَ بَعْدَهٗ فَهُوَ كَذَّابٌ اَفَّاكٌ دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ"

"یعنی اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم ﷺ نے سنت متواتر میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعوی کرے گا وہ کذاب ہے' جھوٹا ہے' دجال ہے' گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔"

علامہ سید محمود آلوسی متوفی (۱۲۷۰) "روح المعانی" لکھتے ہیں:

"وَكَوْنُهٗ ﷺ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَصَرَّحَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْاُمَّةُ فَيَكْفُرُ مُدَّعِيْ خِلَافَهٗ وَيُقْتَلُ اِنْ اَصَرَّ"

"یعنی حضور ﷺ کا "خاتم النبیین" ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن وسنت نے کی ہے جس پر امت کا اجماع ہے پس جو شخص نبوت کا دعوی کرے گا وہ کافر ہو جائے اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعوی پر مصر رہا اس کو قتل کیا جائے گا۔"

علامہ ابن حبان اندلسی متوفی (۷۴۵) اپنی تفسیر "بحر محیط" میں رقم طراز ہیں:

"وَمَنْ ذَهَبَ اِلٰى اَنَّ النُّبُوَّةَ مُكْتَسِبَةٌ لَا تَنْقَطِعُ اَوْ اِلٰى اَنَّ الْوَلِيَّ اَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ فَهُوَ زِنْدِيْقٌ يَجِبُ قَتْلُهٗ وَقَدِ ادَّعٰى نَاسٌ النُّبُوَّةَ فَقَتَلَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَكَانَ فِيْ عَصْرِنَا شَخْصٌ مِنَ الْفُقَرَاءِ اَدَّعَى النُّبُوَّةَ بِمَدِيْنَةِ مَالَقَةَ فَقَتَلَهُ السُّلْطَانُ بْنُ الْاَحْمَرِ مَلِكُ الْاَنْدَلُسِيِّ بِغَرْنَاطَةَ وَصَلَبَ حَتّٰى تَنَاثَرَ لَحْمُهٗ"

یعنی جس شخص کا یہ نظریہ ہو کر نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل ہے آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعوی کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعوی کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا۔ وہ اسی حالت

میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔"

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔ آخر میں ہم ختم نبوت پر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں کیونکہ قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔

ختم نبوت کے عقلی دلائل:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی معمولی سی تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے' جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کے تشریح و توضیح کر رہی ہے' جبکہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتی ہے' جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا...... "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے؟ آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم طلوع ہو چکا' عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمایئے! نبی کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا کہ نبی آیا جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے۔ کوئی کتنا ہی نیک' پاکباز' پارسا اور عالم باعمل ہو۔ اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور کفار و مشرکین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجئے۔

مسلمانوں کی تعداد اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے (اب تقریباً پچیس فیصد کا اضافہ ہو چکا ہے) یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے' ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کی آمد کے قائل ہیں۔ عملی طور غافل و کاہل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضرورت دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگان خدا ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند،

عبادات کے سختی سے پابند رہے۔ ان کے اخلاص وللّٰہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اس پاک امت میں آ کر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے اور چلو بعض میں ہم عملی کوتاہیاں تسلیم کرتے ہیں لیکن کم از کم نعمت ایمان سے تو وہ بہرور تھے۔ اب حقیقت حال یہ ہے کہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود چند لاکھ کی نفری نے مرزا جی کو نبی مانا اور باقی پچاس کروڑ نے ان کو دجال اور کذاب قرار دیا حالانکہ نبی کو ماننا اسلام ہے اور انکار کفر ہے۔

مرزا صاحب نے اپنا سبز قدم جب دنیائے اسلام میں رکھا تو یہ ساری بہار آئی کہ سارے کے سارے مرتد قرار پائے اور اسلام سے محروم ہو کر کفر میں مبتلا ہو گئے۔ صرف گنتی کے چند آدمی مسلمان باقی رہے۔ ان میں بھی غالب اکثریت بلیک مارکیٹ کرنے والوں' رشوت لینے والوں' اقربا نوازی اور مرزائیت پروری کی قربان گاہ لاکھوں حقداروں کے حقوق بھینٹ چڑھانے والوں کی ہے۔ ان میں اکثر بے نماز' داڑھی منڈے اور آوارہ مزاج لوگ ہیں۔ ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرنے والوں کا ایک لشکر موجود ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کو نظر آئے گا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لئے عملی طور پر مرزا صاحب کی آمد برکت کا باعث بنی یا نحوست کا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو پسند نہیں کرتی کہ مرزا صاحب کو سچا نبی بنا کر بھیجا جائے تا کہ اسلام کے سارے ہرے بھرے پیڑ اپنے خنک سایوں' میٹھے پھلوں اور مہکتے ہوئے پھولوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں اور چند خاردار جھاڑیوں کے جھرمٹ پر گلشنِ اسلام کا بورڈ آویزاں کر دیا جائے۔ متقیوں' پرہیز گاروں' عالموں اور عاشقوں کی امت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور چند زاغ صفت طالع آزما افراد کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے۔ مرزا صاحب کے امتی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا رہے ہیں' ہماری کوششوں سے یورپ میں اتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں' اتنے لوگوں کو ہم نے کلمہ پڑھایا۔

(اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ایمان شرط اول ہے۔ اس کے بعد اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔ کلمہ پڑھ کر جب کسی کو مرزا کی نبوت کا قائل کرنا ہے' تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے مرتد بنانا ہے اور یہ کام تو حضور ﷺ کے زمانہ کی یہودیوں نے بھی کیا۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ‘‘اور کتابیوں کا ایک گروہ بولا: وہ جو ایمان والوں پر اترا صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ' شاید وہ پھر جائیں۔’’

اس سے واضح ہوا کہ یہودی بھی اپنے دوسرے یہودیوں کو ایمان لانے اور مرتد ہونے کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہی کام

مرزا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بھی کیا کہ غیر مسلموں کو اپنے جال میں پھنسا کر بظاہر کلمہ پڑھایا اور در حقیقت انہیں مرتد کیا مرزا کو نبی ماننے والا مسلمان کب ہو سکتا ہے۔)

تم تو مرزا صاحب کو اس لئے نبی کہتے ہو کہ انہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا۔ ہم اولیائے کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں لاکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ خواجہ خواجگان سلطان الہند معین الحق والدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں مشرکوں کے زنار توڑے اور ان کی پیشانیوں کو بارگاہ الٰہی میں شرف سجود بخشا۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کفرستان میں راوی کے کنارے پر توحید کا جو پرچم گاڑا تھا' وہ آج بھی لہرا رہا ہے اور لاکھوں خفیہ بختوں کو خواب غفلت سے جگا رہا ہے۔ مشائخ چشت اور دیگر اولیاء کرام نے اسلام کی جو تبلیغ کی اور فرشتہ صفت مرید بنائے۔ ان کے مقابلہ میں ساری امت مرزائیہ کی تبلیغی کوششوں کی نسبت سمندر اور قطرہ کی بھی نہیں ان کارہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نبوت کا دعویٰ کیا نہ مہدیت کا نہ مسیحیت کا نہ ظلی کا نہ بروزی کا بلکہ اپنے آپ کو غلامان مصطفیٰ ہی کہا' اسی کو اپنے لئے باعث صد افتخار اور موجب سعادت سمجھا۔

مرزا قادیانی کو اپنی نبوت تک پہنچنے کے لئے بڑا دور کا چکر کاٹنا آخر کار آپ کی کمند فکر یہاں آ کر رکی کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ بن مریم آئیں گے۔ میں کیوں نہ اپنے آپ کو مسیح موعود کہنا شروع کر دوں تاکہ مجھے لوگ مسیح مان لیں لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت مسیح تو زندہ ہیں' ان کی زندگانی میں میں مسیح کیسے بن سکتا ہوں؟ خیال آیا کہ پہلے مسیح کو مردہ ثابت کرو' جب وہ مردہ قرار پا گئے تو پھر میرے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور وفات مسیح ثابت کرنے پر لگا دیا۔

بیشک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے' جن احادیث میں نزول مسیح کے متعلق تشریح کی گئی ہے۔ وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آیئے! آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجئے! آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مبہم پیش گوئی نہیں کی۔ کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی' جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے' بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کا نام بتایا' اس کی والدہ کا نام بتایا' اس کے لقب سے خبردار کیا' اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی' جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا' جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا' اس کی تفصیل بیان فرما دی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرما دیا اور اس کا حلیہ بھی بیان فرما دیا۔

اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر دی گئی ہے تو ان تفصیلات کو بھی من وعن صحیح اور سچ تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کر دے تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا' جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدھی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظرانداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے۔ امام بخاری نے ''کتاب المظالم باب کسر الصلیب'' میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ'' ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسی بن مریم کا نزول نہ ہو۔''

مشکوۃ المصابیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

① ''فَبَيْنَمَا هُمْ يَعُدُّوْنَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّهُمْ فَإِذَا رَاٰهُ عَدُوُّ اللّٰهِ يَذُوْبُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ فَلَمَّا تَرَكَهُ انْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ وَلٰكِنْ يَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهِ فَيُرِيْهِمْ دَمَهُ فِيْ حَرْبَتِهِ''
(مشکوۃ المصابیح' ج ' ص)

''حضور نے خروج دجال کے بعد ذکر فرمایا: اس اثناء میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے' صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ حضرت عیسی بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت کرائیں گے اور دشمن خدا دجال ان کو دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اگر آپ اس کو اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیں گے تو وہ از خود پگھل کر مر جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزے میں اس کا خون لگا ہوا لوگوں کو دکھائیں گے۔''

(یہ اترنے کے بعد دوسری نماز پڑھانے کا ذکر ہے کیونکہ اترتے ہی پہلی نماز آپ نہ پڑھائیں گے بلکہ وہ امام مہدی پڑھائیں گے جیسے کہ دوسری روایت میں وضاحت موجود ہے۔)

② ''عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ أَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ فَيَقُوْلُ لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ''
(مسلم' بیان نزول عیسی بن مریم / مسند احمد' مرویات جابر بن عبداللہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا: کہ حضور تشریف لایئے اور امامت فرمایئے' تو آپ فرمائیں گے: نہیں اتم میں سے بعض دوسروں کے امیر ہیں' یہ ان کی طرف سے اس امت کی تکریم کے طور پر ہے۔''

(اس حدیث کی وضاحت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔)

④ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ (یَعْنِیْ عِیْسٰی) نَبِیٌّ وَاِنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلًا مَرْبُوْعًا اِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ کَاَنَّ رَاْسَهٗ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ کُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَیُهْلِكُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یُتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ"

(ابوداؤد' کتاب الملاحم' باب خروج الدجال / مسند احمد' مرویات ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں یعنی جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا قد درمیانہ' ان کی رنگت سرخ وسفید' اور زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے' ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے گویا ان سے اب پانی ٹپکنے والا ہے' حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے' وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے' صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے' خنازیر کو مار ڈالیں گے' جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام ملتوں کو ختم کر دے گا اور وہ مسیح دجال کو قتل کر دیں گے اور وہ زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے اور پھر وہ وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔''

"عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ (فِیْ قِصَّةِ الدَّجَّالِ) فَبَیْنَمَا هُوَ کَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ مَسِیْحَ بْنَ مَرْیَمَ فَیَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیَّ دِمَشْقَ بَیْنَ مَهْرُوْدَتَیْنِ وَاضِعًا کَفَّیْهِ عَلٰی اَجْنِحَةِ مَلَکَیْنِ اِذَا طَاْطَاَ رَاْسَهٗ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ کَاللُّؤْلُؤِ فَلَا یَحِلُّ لِکَافِرٍ یَجِدُ رِیْحَ نَفْسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهٗ یَنْتَهِیْ اِلٰی حَیْثُ یَنْتَهِیْ طَرْفُهٗ فَیَطْلُبُهٗ حَتّٰی یُدْرِکَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَیَقْتُلُهٗ"

(مسلم ذکر الدجال' ابوداؤد کتاب الملاحم' ترمذی ابواب الفتن)

''حضرت نواس بن سمعان نے دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصہ سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہو گا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ ان کی حد نظر تک جائے گی اور وہ زندہ نہ بچے گا پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور (مقام لد) کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔''

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:

"عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ عِصَابَتَانِ

''حضور نبی کریم ﷺ کے غلام ثوبان سے مروی ہے کہ حضور ﷺ

مِنْ اُمَّتِیْ اَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" (نسائی' کتاب الجہاد/مسند احمد مرویات ثوبان رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میری امت کے دو لشکر ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالی نے دوزخ آگ سے بچالیا۔ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا' دوسرا وہ جو عیسی بن مریم کے ساتھ ہوگا۔"

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرمالیا۔ان میں مسیح موعود کا حلیہ' نام' والدہ کا نام' مقام اور وقتِ نزول' آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعوی کرتا ہے اس کا نام بھی عیسی نہیں' حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں۔اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں' حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔صلیب کو توڑنا' خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے جھولی چک بنے رہے' اور اس کی خیرات پر پلتے رہے' اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف کے قصیدے لکھتے رہے۔ساری دنیا کو دار اسلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات خدائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں ان کی نادانی قابل افسوس ہے۔

اللہ تعالی جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذات پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں۔معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں' ہر قوم کے لئے ہر زمانہ میں فلاح دارین کا راستہ دکھانے کے لئے اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں۔یوں نہیں کہ سلسلہ نبوت بند کرنے کا فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو جو آنے والے حالات سے بے خبر ہے' مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے' بلکہ یہ فیصلہ اس ذات والا صفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالم انسانیت کی فلاح و بقا کا انحصار ہے' اس لئے اس کے فیصلے اٹل ہیں' وہ منسوخ نہیں ہو سکتے۔ان میں کسی قسم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ ❶

اس مسئلہ پر مزید تحقیق حاصل کرنی ہو تو سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "شمس الہدایہ" اور "سیف چشتیائی" کا مطالعہ کرے' ان شاء اللہ تعالی سکون قلب حاصل ہوگا اور برکت بھی حاصل ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق باطل نظریات:

ایک فرقہ نے آپ کو رب تعالی کا جز مانا انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ رب تعالی نے فرمایا: ﴿وَرُوْحٌ مِّنْهُ﴾ "عیسی علیہ السلام اس کی روح ہیں۔" اس سے پتہ چلا کہ آپ اس کی جز اور حصہ ہیں کیونکہ "مِنْهُ" کا معنی ہی یہ ہے کہ اس کا بعض حصہ ہیں۔یہ نظریہ باطل ہے آپ کو "روح" کہنے کی وجہ یہ ہے:

❶ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 65-78

"سُمِّیَ عَلَیْہِ السَّلَامُ رُوْحًا لِاَنَّہٗ حَدَثَ عَنْ نَفْخَۃِ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ دِرْعِ مَرْیَمَ عَلَیْھَا السَّلَامُ بِاَمْرِہٖ سُبْحَانَہٗ"[1] "آپ کو "روح" اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام کی پھونک سے آپ پیدا ہوئے، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونکا تھا۔"

چونکہ عربی میں روح بمعنی نفخ (پھونکنا) کے بھی آتا ہے جیسے ذوالرمہ نے آگ کو پھونکیں مار کر بھڑکانے کے متعلق کہا:

{وَاَحْیِھَا بِرُوْحِكَ} اپنی پھونک سے آگ بھڑکاؤ۔

واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے نفخ جرائیل کا وقوع ہوا اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر دیا۔ بعض نصرانیوں کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے "من" تبعیضیہ مانا ہے، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔

"وَھِیَ لِاِبْتِدَاءِ الْغَایَۃِ مَجَازًا لَا تَبْعِیْضِیَّۃٌ کَمَا زَعَمَتِ النَّصَارٰی" "اس مقام پر "مِن" ابتداءِ غایت کے لئے مجازی طور پر استعمال ہوا ہے "مِن" تبعیضیہ نہیں، جیسے نصاریٰ نے گمان کیا ہے۔"

ہارون الرشید کے زمانہ میں "طبیب نصرانی" جو اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا، اس سے علی بن حسین واقدی مروزی کا مناظرہ ہوا۔ عیسائی نے کہا: تمہاری کتاب (قرآن پاک) میں ایسے الفاظ موجود ہیں، جو ہمارے مذہب کی تائید کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں۔ اس نے بطور دلیل یہ الفاظ تلاوت کئے {وَرُوْحٌ مِّنْہُ} کہ یہاں لفظ "منہ" استعمال ہے جو بعضیت پر دلالت کرتا ہے۔

واقدی نے جواب دیا کہ یہاں "مِن" ابتداء غایت کیلئے استعمال ہے اور رب کی طرف نسبت تشریفی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی...... ﴿وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ﴾...... میں تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ کی جزء بننا لازم آئے گا، حالانکہ اس کے تم بھی قائل نہیں۔ آپ کے اس جواب پر نصرانی لاجواب ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا، اس نے علامہ واقدی کو بہت زیادہ انعام سے نوازا۔[2]

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "روح" کہنے کی اور بھی وجوہ ہیں:

① "روح" بمعنی "رحمت ہے" ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ} "رب تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے تقویت پہنچائی۔"

② "روح" بمعنی "وحی" بھی آتا ہے یعنی حضرت مریم علیہا السلام کو الہام کے ذریعے بشارت دی۔

③ جب کوئی چیز بہت زیادہ پاک صاف ستھری ہو تو اسے "روح" کہہ دیا جاتا ہے، چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر نطفہ

---

[1] روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 4، ص 25 [2] ایضاً

کے نفخ روح سے ہوئی اس لئے آپ کو "روح" سے تعبیر کر دیا گیا۔

۴: روح کا معنی راز اور نشانی بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: {رُوْحُ هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ كَذَا} "اس مسئلہ کا راز اس طرح ہے" عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں اسلئے آپ کو "روح اللہ" کہا گیا ہے۔

{وَرُوْحٌ مِّنْهُ} میں "روح" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے جس طرح تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا گیا: "رجل اللہ" اللہ تعالیٰ کا مرد۔ آپ کے عصا کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "قضیب اللہ" اللہ تعالیٰ کی ٹہنی۔ "اور شلیم" کو کہا گیا "بیت اللہ" اللہ تعالیٰ کا گھر۔ ان تمام الفاظ میں اضافت تشریفی پائی گئی ہے۔ [1]

تثلیث کے قائلین:

نصاریٰ تثلیث کے قائل ہیں۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ} یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جوہر ہے یعنی قائم بذاتہٖ ہے کسی چیز کا محتاج نہیں کسی جہت سے خاص نہیں اس کا کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور وہ حوادث کو بذاتہ قبول نہیں کرتا۔ اس پر حدوث وعدم متصور نہیں وہ جوہریت کے لحاظ پر ایک ہے اور اقنومیت کے لحاظ پر تین ہیں وہ تین اقنوم مانتے ہیں: اقنوم اب اقنوم ابن اقنوم روح القدس۔

پہلے اقنوم "اب" سے مراد ذات یا وجود لیتے ہیں دوسرے اقنوم "ابن" سے مراد علم یعنی کلمہ ہے اور تیسرے اقنوم "روح القدس" سے مراد حیات لیتے ہیں۔

اقنوم کیا ہے؟ "اَلْاُقْنُوْمُ الشَّخْصُ اَلْاَصْلُ اَقَانِیْمُ" (المور) "اقنوم" کا معنی "شخص" اور "اصل" ہے۔

ملکانیہ کا فرقہ کا قول:

ملکانیہ یہ کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم جو ہر قدیم کا غیر ہیں اور ہر ایک ان میں سے الٰہ ہے۔ وہ اقنوم جس کا نام کلمہ یا علم ہے وہ مسیح کے جسم سے متحد ہے اور اس اقنوم نے مسیح کے ناسوت کا لباس پہن لیا ہے اور اس سے ایسے مل جل گیا ہے جیسے پانی شراب سے مل جل جاتا ہے اور کثرت وحدت سے بدل گئی یعنی مسیح جو انسان ہوئے تھے اور بحیثیت انسان ہونے کے کثرت پائی جاتی لیکن جب اقنوم علم سے اختلاط ہوا تو وحدت اتر گئی مسیح کا ناسوت کلی ہے جزئی نہیں۔ وہ قدیم ازلی ہے۔ مریم نے الٰہ ازلی کو جنا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مریم انسان کلی ہے یا جزئی ہے۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ لاہوت کا اتحاد مسیح سے ہے مریم

[1] روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 ص 25

سے نہیں۔ قتل اور سولی کا تعلق مسیح کے ناسوت اور لاہوت دونوں سے ہے۔ اس فرقہ نے ''اب'' کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر اور ''ابن'' کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا ہے۔

نسطور حکیم کا قول:

نسطور حکیم مامون کے زمانہ میں ہوا۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن اقانیم ثلاثہ (تینوں اقنوم) اس کا عین بھی نہیں اور غیر بھی نہیں۔ اقنوم علم یا کلمہ کا مسیح کے جسم سے اتحاد نہیں اور نہ ہی ایسا امتزاج ہے جیسا کہ پانی کا شراب سے امتزاج ہوتا ہے بلکہ اس کو اشراقی حالت حاصل ہے۔ جس طرح روشندان سے سورج کی شعاعیں کسی شیشے پر پڑیں تو ان کا عکس اس میں آ جاتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی تجلیات نے مسیح کو صفات الوہیت سے متصف کر دیا۔

بعض نسطوریہ کا قول:

کچھ نسطوریہ فرقہ والے اس طرف ہیں کہ تینوں اقنوموں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی ان تین صفات سے متصف ہے حی (زندہ) ہے' ناطق ہے (صفت ادراک وکلام جو اس کی شان کے لائق ہے) اور موجود ہے۔ اسی فرقہ میں بعض نے اور صفات قدرت' ارادہ وغیرہ بھی ثابت کی ہیں لیکن انہوں نے ان صفات کو مستقل اقنوم نہیں تسلیم کیا۔

نسطوریہ میں سے ایک اور فرقہ:

ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ''ابن'' ہمیشہ ''اب'' (باپ) سے متولد ہوتا ہے۔ جب بیٹا یعنی مسیح کا تولد (پیدائش) ہو تو وہ جسمانی لحاظ سے انسان ہوا اور صفت الوہیت اور صفت وحدانیت بھی اسے حاصل ہے یعنی اسے دو حیثیتیں حاصل ہیں: ایک ناسوتی اور دوسری لاہوتی۔

ناسوتی لحاظ پر وہ حادث ہے اور لاہوتی لحاظ پر وہ خدائے کامل ہے۔ ایک ذات کو مختلف دو حیثیتوں سے حادث اور قدیم ماننے سے قدیم اور حادث کے حدوث میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان لوگوں کے قول کے مطابق سولی کا تعلق ناسوتی حالت سے ہے' لاہوتی سے نہیں۔ خیال رہے کہ صفت الوہیت کو لاہوتی اور صفت انسانیت کو ناسوتی حالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یعقوبیہ فرقہ:

یعقوبیہ فرقہ سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقنوم جسے ''کلمہ'' یا ''ابن'' کہا گیا ہے اس نے گوشت اور خون کی شکل اختیار کر لی اور خدا مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کے نزدیک ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بیشک اللہ مسیح مریم ہی ہے۔

یعقوبیہ میں بعض نے کہا:

جو ہر الٰہ قدیم ہے اور انسان حادث ہے ان میں ایسا امتزاج پایا گیا ہے جیسے نفسِ ناطقہ کا بدن سے وہ دونوں مل کر ایک چیز بن گئے وہ مسیح بھی ہے اور وہی خدا بھی اس مذہب والے کہتے ہیں خدا انسان بن سکتا ہے لیکن انسان خدا نہیں بن سکتا جیسے کوئلہ آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ بن جاتا ہے لیکن آگ (شعلے) کوئلہ نہیں بنتی ان کے نزدیک لاہوت کا انسان سے اتحاد جزئی ہے کلی نہیں بے شک مریم نے خدا کو جنا اور قتل اور سولی لاہوت اور ناسوت دونوں پر واقع ہوئے ہیں اگر ایک پر ان کا وقوع ہوتا تو اتحاد باطل ہو جاتا حالانکہ دونوں مل کر ایک جو ہر بن چکے ہیں۔

بعض اور نے کہا:

''یعقوبیہ سے ہی بعض اس کے قائل ہیں کہ جس طرح فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اسی طرح خدا مسیح کی شکل میں نمودار ہوا۔''

ان میں سے کچھ اور نے کہا: ''مسیح اپنے جو ہر سے متحد ہے ایک لحاظ پر قدیم ہے اور ایک لحاظ سے حادث ہے۔''

کچھ دوسرے حضرات نے کہا:

''اس یعقوبیہ فرقہ سے کچھ حضرات نے کہا: اقنوم کلمہ نے مریم سے کچھ حاصل نہیں کیا بلکہ وہ مریم کے شکم سے ایسے ہی گزر کر آ گیا جیسی پرنالہ سے پانی گزر آتا ہے۔''

بعض نے یوں کہا:

''اسی فرقہ سے کچھ حضرات یہ کہتے ہیں: کہ اقنوم کلمہ مسیح کے جسم میں داخل ہو گیا وہ نشانیاں جو پہلے اقنوم کلمہ سے ظاہر ہوتی تھیں اب وہ مسیح کے جسم سے ظاہر ہونے لگیں لیکن کبھی کبھی وہ اقنوم جسم سے جدا بھی ہو جاتا ہے اسلئے اس پر آفات و آلام کا نزول بھی ہوتا ہے۔'' (1)

اللہ تعالیٰ نے باطل فرقوں کا رد فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (سورۃ توبہ 11:10)

''اور یہودی بولے: عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے' اور نصرانی بولے: مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں' اگلے کافروں کی طرح بات بناتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے! کہاں اوندھے جاتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والوں کا رد کیا اور فرمایا کہ عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا

(1) روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4' ص 26

بیٹا کہنے والے اپنے مونہوں سے من گھڑت باتیں بنا بنا کر بکتے ہیں۔

من گھڑت کہاوتیں بنانا پہلے کافروں کا وطیرہ چلا آ رہا ہے۔ یہ بھی ان کی طرح ہی ہیں' خدا ان کو برباد کرے' یہ کدھر بھٹکے جا رہے ہیں' ان کو سیدھی راہ نظر کیوں نہیں آتی؟

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

(سورۃ المائدہ 14:6)

''بے شک کافر ہے وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو' جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر رب نے فرما دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اور یہ اتنے بے سمجھ لوگ ہیں کہ انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بنی اسرائیل کو یہ تبلیغ فرما رہے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' وہی ذات ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی میرا بھی رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے۔ اگر تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک مانا تو یاد رکھو! کہ تم پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دے گا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تم اس شرک کی وجہ سے ظالم ہو جاؤ گے اور یہ تمہارا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تمہیں رب تعالیٰ کی مدد سے دور کر دے گا کیونکہ تمام مشرکوں کے لئے رب تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(سورۃ المائدہ 14:6)

''بیشک وہ کافر ہیں' جو کہتے ہیں: کہ اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔''

اس آیت کریمہ میں تین خدا ماننے والوں کو رب تعالیٰ نے کافر قرار دیا اور یہ فرمایا کہ خدا تو ایک ہے' یہ تین کیسے مان رہے ہیں؟ اگر یہ تین خداؤں کی رٹ لگاتے ہی رہے اور باز نہ آئے تو ان کو ان کے صریح کفر کی وجہ سے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ

''اے کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر نہ کہو مگر سچ' مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا' اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (171)

(سورۃ النساء 3:6)

روح ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو باز ہو (تین ماننے سے) اپنے بھلے کو (چاہو) اللہ تعالیٰ تو ایک ہی خدا ہے وہ اولاد سے پاک ذات ہے' سب آسمانوں اور زمین کی چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور اللہ کافی کار ساز ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اہلِ کتاب کے عقیدہ کو غلو (حد سے متجاوز) کہا گیا ہے اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق کے بغیر کوئی چیز منسوب نہ کرو۔ بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم فقط اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کی طرف اس نے القاء کیا ہے اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرو' اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھو' ان کو خدا نہ مان بیٹھو۔

تین خداؤں کے قائل نہ بنو' تین خدا ماننے کے عقیدے سے باز آ جاؤ! اپنی بھلائی کو چاہو' وہ بھلائی اسی میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو' خدا نہ کہو اور خدا کا بیٹا بھی تسلیم نہ کرو اور خدا کا شریک بھی نہ ٹھہراؤ۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے اور کوئی معبود نہیں۔ اس کی اولاد نہ مانو' وہ تو اولاد سے پاک ہے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت ہیں' کوئی مملوک مالک کی اولاد نہیں ہوتی اور یہ ایمان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر کارساز ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (172)

(سورۃ النساء 4:6)

"ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ تعالیٰ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی جمع کرے گا ان سب کو اپنے ہاں۔"

یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کو باعثِ افتخار اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جب وہ خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے تو ان لوگوں کی عقلوں پر کیوں پردے چھا گئے ہیں' جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک مان رہے ہیں اور وہ لوگ بھی کتنے عقل کے اندھے ہیں جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عار محسوس کرنے والے تکبر کرنے والے میدانِ محشر کو یاد رکھیں کہ سب کو رب تعالیٰ نے اپنے ہاں جمع کرنا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾ (سورۃ النساء 4:6)

''تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو ان کا اجر پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا۔ اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا انہیں دردناک عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ان کے ارشادات کو تسلیم کرنا اور رب تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اچھے اعمال ہی اچھے اجر کے حصول کا ذریعہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے زیادہ سے زیادہ رحمتوں سے ان کو ہی نوازتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرنا اور عار محسوس کرنا' تکبر کرنا شدید اور دردناک عذاب کے حاصل ہونے کے ذرائع ہیں۔ ایسے لوگوں کی شفاعت انبیائے کرام شہدائے کرام اولیاء و صلحاء بھی نہیں کریں گے تو دوسرا کون ان کی حمایت کرے گا اور کیسے ان کی امداد کا حق حاصل ہوگا؟

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ۚ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۚ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

(سورۃ المائدہ 14:6)

''تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح بن مریم نہیں مگر ایک رسول' اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے' دونوں کھانا کھاتے ہیں۔ دیکھو! تو ہم کیسے صاف نشانیاں ان کے لئے بیان کرتے ہیں پھر وہ دیکھو کیسی اوندھے جاتے ہیں۔''

یعنی وہ لوگ جو دین میں غلو سے کام لے رہے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول نہیں تسلیم کرتے انہیں چاہیے کہ دنیا کی زندگی میں ہی توبہ کریں اور اس سے بخشش طلب کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا' اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے' ورنہ اخروی دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام تو فقط اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہو گزرے ہیں' پھر بھی یہ لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کیوں تسلیم نہیں کر رہے؟ حالانکہ آپ کی ماں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تصدیق کرنے والی ہے' پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دیکھ بھی رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کھانا کھاتے ہیں' کھانا کھانے کے محتاج' حادث کبھی خدا بن سکتے ہیں۔ نہیں! نہیں! وہ کبھی خدا نہیں بن سکتے۔

سرسید احمد خان کا باطل نظریہ:

مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کی جن آیات میں ولادت مسیح کا مفصل تذکرہ ہوا ان کا آپ نے مطالعہ فرمالیا۔ آیئے! اب ان لوگوں کے موقف کا علمی محاسبہ کریں جو ان تصریحات کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر ماں باپ کے نہیں ہوئی' بلکہ وہ مریم اور یوسف نجار کے لڑکے ہیں۔ اس طائفہ کے سرخیل ''سرسید احمد خان'' ہیں۔ جس شرح وبسط سے انہوں نے اس پر بحث کی ہے اور اپنی طرف دلائل کے جو انبار لگائے ہیں وہ (بدبختی اور نحوست' اسلام سے بغاوت) انہی کا حصہ ہیں۔ باقی سب ان کے پیروکار اور ریزہ چین ہیں' اس لئے بہتر ہے کہ انہی کی نگارشات کو موضوع بحث بنایا جائے اور انہی کی تحقیقات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''مسیح کو بن باپ پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہونی چاہئے کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی معقول حکمت نہیں' اس لئے ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ آپ کی پیدائش کے لئے بلاوجہ قانون فطرت کو توڑا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ اظہار قدرت کے لئے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو بین اور ظاہر ہوتا کہ کسی کو مجال انکار نہ رہے اور بغیر باپ کے پیدا ہونا امر مخفی ہے''

ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس کی حکمت تلاش کرنے کے لئے زیادہ مغز ماری کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم نے خود ہی اسے بیان کر دیا: ''لِنَجعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ '' کہ ہم اس کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اب یہ بتانا ہے کہ یہ واقعہ کس اعتبار سے لوگوں کے لئے آیت ہے؟ جس زمانہ میں حضرت مسیح کی ولادت ہوئی اس وقت شام و فلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا اور اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔

تخلیقِ عالم کے متعلق یونانی فلسفیوں کا نظریہ تھا کہ خالق سے تخلیق عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے یعنی جس طرح علت سے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول صادر ہوتا ہے' اس طرح خالق سے عالم کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بتا دیا کہ وہ ذات پاک جو خالق کائنات اور مبدع ارض و سموات ہے اس کا اپنا ارادہ ہے اور اس کی اپنی مشیت ہے۔ وہ ذات باری اسباب کی پابند نہیں اور نہ ان کے سامنے مجبور و مقہور ہے' بلکہ وہ قادر و توانا ہے جو چاہتا ہے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

نیز وہ لوگ عالم ارواح کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ تسلیم نہیں کرتے تھے' بلکہ ان کے نزدیک انسان صرف اسی گوشت پوست کے ڈھانچہ کا نام تھا۔ یہاں انسانی نطفہ کے بغیر نفخ روح سے آپ کو پیدا کر کے منکرین عالم

ارواح پر اس بات کو آشکار کر دیا کہ روح بھی ایک حقیقت ہے اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

''کیونکہ آپ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی اس لئے لوگوں نے سمجھا کہ آپ بن باپ کے پیدا ہوئے اور یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا علیہما السلام کو بھی خوشخبری دی گی تھی اور ان کے فرزندوں کو کوئی بن باپ نہیں کہتا۔ اسلئے حضرت مسیح کی ولادت بن باپ ثابت نہ ہوئی۔''

سبحان اللہ! کیا استدلال ہے صرف بشارت سے کون ان کا بن باپ ہونا تسلیم کرتا ہے بلکہ قرآن کی دوسری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے)۔ پھر جناب اور ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''مریم کے...... لَمْ يَمْسَسْنِي ...... کہنے سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مریم نے اظہار تعجب اس لئے کیا تھا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ بچہ اب ہی پیدا ہونے والا ہے حالانکہ بچے کی پیدائش کی بشارت تھی اور اس کی پیدائش تو ان کی شادی کے بعد ہوئی تھی۔''

آپ خود انصاف فرمائیں! اگر مقصود یہی تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو مریم کو تسلی دینے کے لئے صرف اتنا بتا دینا کافی تھا کہ مریم گھبراؤ نہیں۔ بچہ تب پیدا ہوگا جب تم شادی کر لوگی۔ اس سیدھے جواب کو چھوڑ کر یہ جواب دینا قطعاً مناسب نہیں بلکہ قواعد فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''آپ کا '' آيَةً لِلنَّاسِ '' ہونا اس اعتبار سے تھا کہ آپ بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے کیونکہ نشانی ایسی ہونی چاہئے جو واضح اور جس کا انکار نہ کیا جا سکے یہ تو ایک امر مخفی ہے اس پر بیسیوں شبہات وارد کئے جا سکتے ہیں۔''

ان کا یہ خیال بھی درست نہیں بلکہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قدرت خداوندی کی روشن دلیل ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی اس کے علاوہ ایک ہی صورت ہے کہ وہ بدکار ہو۔ حضرت مسیح کے کلام سے جب آپ کی عفت و پاک دامنی ثابت ہوگئی اور ہر صحیح الفطرت شخص کو یقین ہو گیا کہ ایسا نورانی اور سراپا یمن و برکت بچہ زانیہ کے شکم سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ باقی رہے بدفطرت لوگ تو ان کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی دلیل نہیں۔

زمین و آسمان دریا و صحرا چاند و ستارے کسی چیز میں بھی ان کور باطنوں کو قدرت الٰہی کے جلوے نظر نہیں آتے تو کیا آپ ان آیات بینات کو بھی امر مخفی کہہ کر ان پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے۔

اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے {كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا} سے بھی استدلال کیا ہے اور اس آیت کی عجیب وغریب تشریح کر کے عقلِ سلیم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں نہیں کیا تھا' بلکہ جب آپ کی عمر بارہ' تیرہ سال کی ہوگئی اور آپ یہودی علماء کی مجلسوں میں شریک ہو کر ان سے بحث ومباحثہ کرنے لگے اور ان کو ان کی کجرویوں پر متنبہ کرنے لگے تو علماء یہود احتجاج کرنے کے لئے ان کی ماں کے پاس آئے اور ان کی بدعقیدگی کی شکایت کی۔ مریم اپنے لاڈلے بچے کی طرف سے خود صفائی دینے کی بجائے اس کو گود میں اٹھا لائی اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا: کہ خود اسی سے بات کرلو' انہوں نے جواب دیا۔ {كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا} ہم اس شخص سے کیسے بات کر سکتے ہیں جو عالم شیر خوارگی پنگھوڑے میں جھول رہا تھا۔"

آپ نے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا! کیا کہنے اس فہمِ قرآن کے۔ اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر انہیں کسی ایسے غلام سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے جسے بچپن میں گہوارے میں لٹایا گیا ہو۔ ان مدعیانِ علم ودانش کو قرآن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہوئے غضبِ الٰہی کا اندیشہ نہ سہی' کیا انہیں جگ ہنسائی کی بھی فکر نہیں؟ نیز وہ نوخیز جس نے محفلِ عام میں ان بڑے بڑے علماء کا ناطقہ بند کر دیا اور انہیں برسرِ عام جواب دیا۔ اس کے متعلق یہ تو کہتے ہیں کہ یہ بڑا تیز زبان اور شوخ مزاج ہوگا۔ اس سے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ یہ کل کا بچہ ہے اور عرصہ تک جھولے میں جھولتا رہا ہے اس سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ ❶

اگر یہ مان لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ سرسید احمد خان کی کوئی بات بھی تسلیم نہ کی جائے وہ بھی تو کل تک پنگھوڑے میں جھولتے رہے ہیں کیونکہ وہ یہ تو ثابت نہیں کر سکتے کہ اپنے زعم میں بڑے عالم بن کر اس دنیا میں تشریف لائے انہیں شکمِ مادر میں رہنے اور پھر ماں کا محتاج ہونے اور جھولے میں جھولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔

سبحان اللہ! لوگوں کی نظر میں بڑا محقق قرآن سے کتنا دور اور عقل سے کتنا خالی ہے کہ جس نے یہ بھی نہ سمجھا کہ کیسی دلیل دے رہا ہوں نیز یہ بھی خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے یوسف نجار کی طرف یہود نے منسوب کیا:

"وَالْيَهُودُ تَقْذِفُ أُمَّهُ بِيُوسُفَ نَجَّارٍ" ❷ "یہود نے آپ کی والدہ کو یوسف نجار سے متہم کیا۔"

یہود اور سرسید احمد خان میں فرق صرف اتنا ہے کہ یہود نے حضرت مریم کو معاذ اللہ زانیہ قرار دیا اور سرسید نے مسلمانوں کے غیظ وغضب سے بچنے کے لئے "یوسف نجار" کی منکوحہ قرار دیا۔ اصل نظریہ دونوں کا ایک ہے۔

❶ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج3' ص 81-80 ❷ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج2' ص 163

سر سید احمد خان کے اسلام کے خلاف اور نظریات کسی نے معلوم کرنے ہوں تو تفسیر حقانی کے مقدمہ کا مطالعہ کرے۔ (راقم)

نیز وہ یہ کہتے ہیں:

''نہ مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور نہ حضرت مسیح نے اس تہمت کی تردید کی۔ اگر مریم پر یہ تہمت لگائی جاتی اور مسیح کو اس کی تردید مقصود ہوتی تو یہ نہ کہتے {اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ} بلکہ یہ کہتے کہ میری ماں بدکارہ نہیں' تم محض افتراء باندھ رہے ہو۔''

اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں بلکہ (سورۃ مریم کی) آیت نمبر 27 اور 28 کا ترجمہ دیکھیں:

''اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے' انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بد چلن تھی''۔

یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد اپنے دل سے پوچھیں کیا یہ بہتانِ زنا نہیں اور حضرت مسیح کا یہ فرمانا: {اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ}......الخ اس سے بڑھ کر بھی اس الزام کی تردید کی کوئی موثر اور اغلب صورت ہو سکتی ہے۔ الٰہی! اپنے محبوبِ مکرم' صاحب قرآن ﷺ کے طفیل ہمیں اپنی کتاب مبین کی صحیح سمجھ عطا فرما۔ آمین ثم آمین [1]

عیسائیوں کا من گھڑت عقیدہ:

عقیدۂ تثلیث کی حقیقت کیا ہے؟ عیسائیوں نے اسے کب اور کیوں اختیار کیا؟ کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے' نہ ہم قرآن حکیم کی ان آیات (جن میں تثلیث' ابنیت' الوہیتِ عیسٰی کا رد کیا گیا ہے) کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علی وجہ البصیرت مسیح عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔ آیئے! انتہائی صبر و سکون کے ساتھ اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس امور کی تحقیق کریں۔

اس وقت میرے پیش نظر بائبل کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ 1962) ہے جو دنیا بھر کے فضلاء اور محققین کی کاوشوں کا مجموعہ ہے اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے' مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وہ ہدیہ ناظرین ہیں:

مسیحیت (Christianity) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس (G.W.knox) اور سڈنی ہر برٹ میلون

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 82

(S.H.Mellone) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وہ رقم طراز ہیں:

''مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وہ اس پر مطمئن تھے کہ انہیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت پہچانا جائے۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۵ ص ۶۳۲)

اس خیال کی تائید میں انہوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیات ۳'۴ کا حوالہ دیا ہے:

''کیا وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہودہ اور شمعون کا بھائی ہے؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں؟ پس انہوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا: نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔''

یوحنا کی یہ آیت بھی زیر نظر رہے:

''پھر ان دونوں کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا'' (۴:۳'۴۴)

لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے:

''مگر مجھے آج' کل اور پرسوں اپنی راہ چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو'' (۱۳:۳۳)

اناجیل کی ان آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنی نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا۔ اب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث (تین خدا) اور ابنیت (خدا کا بیٹا ہونا) کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھس آیا۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''باپ' بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحات کو یہودی ذرائع نے مہیا کیا۔ یسوع نے شاذ و نادر ہی آخری اصطلاح استعمال کی ہے۔ سینٹ پال کے متعلق یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے استعمال کیا تثلیث کا مواد یہودی ہے جسے یونانی فلسفہ کے اثر و رسوخ نے اس قلب میں ڈھالا ہے۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۵ ص ۶۳۳)

دینِ مسیح کی تاریخ مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب و غریب اور انوکھی ہے' وہ یہ ہے کہ اس دین کے بنیادی عقائد وہ نہیں جو اس دین کے بانی حضرت مسیح نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں' بلکہ اس کے بنیادی عقائد وہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں اور یہ کونسلیں اس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر ایمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے انحراف کریں تو وہ انہیں مرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں۔ ان کی کونسلوں کی داستان بڑی عجیب اور دلچسپ ہے۔

مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (خدا کا بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا؟ اس کے متعلق بھی انسائیکلوپیڈیا کے حوالے سے حقیقت حال پیش کرتا ہوں:

قسطنطین کے تخت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کئے جاتے تھے اور حکومتِ روم کی نگاہوں میں بھی یہ معتوب تھے لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھلتا رہا اور تقویت پکڑتا رہا۔ قسطنطین جب رومن ایمپائر کا فرمانبروا بنا تو اس نے ۳۱۳ھ میں میلان کے فرمان شاہی کے ذریعے مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اپنے سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایات خسروانہ کی بارش شروع کر دی' تا کہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرے اور ۳۳۷ھ میں جب وہ بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اسے بتسمہ دیا گیا۔

یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور قسطنطین کے سرپرستی میں ان میں کیا قطع و برید کی گئی۔ اس کے متعلق تاریخ کلیسا (Church History) کے عنوان پر چار مسیحی فضلاء نے جو لکھا ہے' اس کا اقتباس پیش خدمت ہے:

تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسوع کو کلامِ الٰہی (logos) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اسی اثناء میں ایریس (Arius) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے لوگوں کی طرف توجہ کو اس مسئلہ کی طرف مبذول کیا نیقیا (Nicaea) کونسل جو ۳۲۳ھ میں منعقد ہوئی اس میں سرکاری طور پر یسوع کی الوہیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ جسے باضابطہ طور پر مرتب کرنے کے بعد (Necene Creed) کا نام دیا گیا۔ تنازعہ کچھ عرصہ تک جاری رہا لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اس عقیدے کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوہیت کے ساتھ روح القدس کی الوہیت بھی تسلیم کر لی گئی۔

نیقیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جز ولاینفک (نہ جدا ہونے والا حصہ) بنا دیا بیٹے کی الوھیت کی مظہر یسوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع (جھگڑے کی وجہ) بنی رہی۔ وہ یہ کہ یسوع میں الوہیت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیڈن (Chalcedon) کی کونسل جو ۴۱۵ھ میں منعقد ہوئی۔ اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جوں کی توں قائم ہیں۔ قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۶۸۰ھ میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے' مسیح دونوں مشیتوں کا مالک ہے۔

مغربی کلیسا نے نیقیا اور کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو ہستیوں (خدائی اور انسانی) کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ مان لیا۔ ❶

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ تثلیث و ابنیت کے عقائد خدا اور اس کی نبی کے بتائے ہوئے عقائد نہیں ہیں' بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انہیں گھڑا اور عیسائیوں کے لئے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بار ہا علماءِ اہلِ کتاب کے متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کا اتنا واضح ثبوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا لیکن یہ بحث تشنہ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نیقیا کی کونسل میں مسیح کی الوہیت کا جو افتراء باندھا گیا' اس کے محرکات کیا تھے؟ اور کیا اس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بشپ (پادری) اس عقیدہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لئے اس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے کہ قسطنطین کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکون نصیب ہوا' تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور ان کی سیاسی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ اس طرح قسطنطین نے جس خیال سے اس کی حمایت شروع کی تھی' وہ خواب پریشان ہونے لگا۔ چنانچہ اس داخلی انتشار کو دور کرنے کے لئے اس نے نیقیا میں تمام عیسائی علماء کونسل طلب کی جس کے اجلاس 20 مئی سے 25 جولائی 323ھ تک جاری رہے۔ سب سے اہم مسئلہ جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ یسوع کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطین تھا۔ اس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گرہ سے ادا کئے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور اس کے فیصلوں کو اپنے شاہی اختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے انکار کیا اس کو سزائیں دیں۔ ❷

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی۔ اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنئے:

"یہ درست ہے کہ کثرت آراء سے نیقیا کی کونسل میں سکندریہ کے عقیدے کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و ایمان سے رو پذیر نہیں ہوا تھا' بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانب دار تھی' انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسری وجہ شاہی اختیارات اور ان کا دباؤ تھا کہ ثبوت

---

❶ انسائیکلوپیڈیا ج 5 ص 678-677 بحوالہ ضیاء القرآن ❷ انسائیکلوپیڈیا ج 6 ص 588 بحوالہ ضیاء القرآن

کے لئے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ آرّس (Arius) کے خلاف یہ فیصلہ پورے غور وفکر کے بعد کامل ایمان ویقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے آرّس سے بھی نرم برتاؤ نہ کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ حقیقت میں ہے کہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اسی کونسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور کے اعیانِ حکومت) ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرت آراء قطعاً اس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کونسل میں منظور ہوا اس میں کونسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کارفرما تھا۔''

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نیقیا کونسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے:

''اس مصنوعی اور بناوٹی اتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا' وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا' بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کی راہ ہموار کر دی' جن کے باعث مملکت کی بنیادیں لرز گئیں۔ نیقیا کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر وتدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا کی تشریح وتوضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑا' جن کا راستہ بڑا دشوار اور پرخار تھا۔'' (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۶ ص ۴۱۰)

ان تاریخی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ان آیات (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) {لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... الخ} کو غور سے پڑھو! آفتاب حقانیت کی تابانیاں آپ کی چشم خرد کو روشن کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ (مائدۃ) کی آیت ۴۸ میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے' اس کی صداقت آشکار ہو جائے گی۔

خدارا! بتایئے کیا اس دین کو دینِ الٰہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صدہا سال بعد خود وضع کئے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا اس کے بعد مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ [1]

رب تعالیٰ کے استفسار پر عیسیٰ علیہ السلام کو جواب:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا

''اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ عرض کرے گا: پاکی ہے تجھے مجھے جائز نہیں کے

[1] تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 1' ص 498-496

فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۚ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

(سورۃ المائدہ 6:7)

وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہوگا تو خوب جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے' بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔ میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔"

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمائے گا اور آپ یہ جواب دیں گے اس سوال و جواب کا مقصد کفار کو خاموش کرانا' ان کو زجر و توبیخ کرنا ہوگا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے خدا مانتے رہے' جب یہ خود اپنے عبد (بندہ) ہونے کا اقرار کرتے رہے اور تمہیں یہ حکم دیتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں صرف اسی کی عبادت کرو۔

اگرچہ ایک احتمال یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ یہ سوال آپ سے دنیا میں تھا' جب آپ نے تینوں سوالوں کے جواب درست دے دیئے یعنی آپ نے اپنی الوہیت کی نفی' والدہ کی الوہیت کی نفی' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا اقرار کیا تو ان تینوں سوالوں کے درست جواب دینے پر آپ نے تین رکعات نماز بطور شکر ادا کی۔ چونکہ یہ سوال و جواب مغرب کے وقت تھے اسلئے اس کے بعد مغرب کی تین رکعات شروع ہیں تاہم یہ قول کوئی خاص معتبر نہیں کیونکہ ان آیات کے بعد آنے والی آیات سے یہی سمجھ آرہا ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہوں گے۔

اعتراض:

عیسائیوں کی عام تاریخ سے یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے حضرت مریم کو بھی خدا تسلیم کیا ہو تو اس سوال کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو اللہ تعالیٰ کے سوا۔

جواب:

اگرچہ عیسائیوں کے مشہور مذاہب وہی ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے لیکن ان کے بہت سے مذاہب تھے۔ ان میں

یقیناً ایک فرقہ وہ بھی ہوگا جو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو خدا مانتا ہوگا۔

"اَنَّهٗ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْهِمْ مَنْ قَالَ بِذٰلِكَ" "یہ قوی احتمال ہے کہ ان میں فرقہ ایسا بھی تھا جو اس کا قائل تھا۔"

نیز ابوجعفر نے بعض نصاریٰ سے قول ذکر کیا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے کہ پہلے عیسائیوں میں ایک گروہ تھا:

"يُقَالُ لَهُمُ الْمَرْيَمِيَّةُ يَعْتَقِدُوْنَ فِيْ مَرْيَمَ اَنَّهَا اِلٰهٌ" "جن کو مریمیہ کہا جاتا تھا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مریم بھی خدا ہیں۔"

یہ فرقہ ایسا ہی تھا جس طرح یہود کہتے تھے:

"اِنَّ عُزَيْرَ بْنِ اللّٰهِ عَزَّ اسْمُهٗ وَاِلٰهٌ" "بیشک عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور خدا بھی ہے۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے کئی اور جواب بھی دیئے ہیں لیکن اسی جواب کے متعلق یہ کہا ہے" وَهُوَ اَوْلَى الْاَوْجُهِ عِنْدِيْ "جواب کی تمام وجوہ سے میرے نزدیک یہی وجہ بہتر ہے اور حق بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ذکر فرمایا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ان میں ایسا کوئی مذہب نہ ہو۔

" وَزَعَمَ بَعْضُهُمْ اَنَّ الْمُرَادَ اتِّخَاذُهُمَا بِطَرِيْقِ الْاِسْتِقْلَالِ وَوَجْهُهٗ اَنَّ النَّصَارٰى يَعْتَقِدُوْنَ اَنَّ الْمُعْجِزَاتِ الَّتِيْ ظَهَرَتْ عَلٰى يَدَيْ عِيْسٰى وَاُمِّهٖ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَخْلُقْهَا اللّٰهُ تَعَالٰى بَلْ هُمَا خَلَقَاهَا "

(روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج4 ص65)

"بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو دو مستقل خدا سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو معجزات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کے ہاتھوں سرزد ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے نہ پیدا کئے اور نہ ہی اس نے عطا کئے ہیں' بلکہ ان دونوں نے وہ خود ہی پیدا کئے ہیں۔"

حضرت مریم کا خدا ہونا زیادہ مشہور اس لئے نہ ہو سکا کہ بعض چیزوں میں تو ان کو مستقل خدا مانتے تھے اور بعض میں انہیں مستقل خدا نہیں مانتے تھے بلکہ ان کا یہی عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا لیکن آپ الوہیت میں زیادہ مشہور ہوئے کیونکہ تثلیث اور ابنیت الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے بہت سے گروہ تھے لیکن حضرت مریم کو خدا ماننے والا صرف ایک گروہ تھا جنہوں نے اپنے عقیدہ کو حضرت مریم کی طرف منسوب کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو"مریمیہ" کہلاتے ہیں۔

فَصَحَّ اَنَّهُمُ اتَّخَذُوْهُمَا فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْاَشْيَاءِ اِلٰهَيْنِ مُسْتَقِلَّيْنِ وَلَمْ يَتَّخِذُوْهُ اِلٰهًا فِيْ حَقِّ ذٰلِكَ الْبَعْضِ" "صحیح یہ ہی ہے کہ نصاریٰ نے بعض چیزوں میں تو دونوں یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مستقل خدا مانا اور بعض چیزوں میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مستقل خدا نہیں مانا۔"

فائدہ: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے" تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ "کا ترجمہ کیا ہے تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے یعنی لفظ" نفس" کی نسبت جب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تو اس کا معنی کیا ہے

''میرے جی میں'' اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے تو معنی کیا ہے ''جو تیرے علم میں ہے۔''

اسلئے کہ اس میں علماء و محققین کے کئی اقوال ہیں کہ ''نفس'' کا معنی ذات لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح لفظ ''فی'' ذکر ہو تو معنی ہوگا کہ ''تو جانتا ہے جو میرے نفس (جی، دل) میں منقش ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ جو تیرے جی میں منقش ہیں'' یہ معنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں بعض حضرات نے اس کی توجیہ میں یہی بیان کیا ہے:

''اَلْمُرَادُ اَعْلَمُ مَعْلُوْمَاتِكَ فَعَبَّرَ عَنْهُ بِلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ'' ''عیسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیری معلومات کو نہیں جانتا یعنی میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ البتہ'' لا اعلم معلوماتك '' کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ''لا اعلم ما فی نفسك'' ذکر کر دیا گیا ہے۔'' ❶

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ:

عیسیٰ علیہ السلام کا مقام کیا ہے؟ آپ علیہ السلام کو کیا تسلیم کیا جائے؟ اس کا جواب واضح طور پر عیسیٰ علیہ السلام نے خود ہی یہود کو دیا تھا، جب انہوں نے آپ کی والدہ پر معاذ اللہ بدکارہ ہونے کی تہمت لگائی تھی۔ آپ نے شیر خوارگی میں ارشاد فرمایا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

(سورۃ مریم 5:16)

''بچہ نے (شیر خوارگی میں) کہا: میں ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) بنایا اور اسی لئے مجھے مبارک کیا میں کہیں بھی ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک زندہ ہوں اور مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے زبردست بدبخت نہیں بنایا اور وہی سلامتی (جو حضرت یحییٰ پر ہوئی) مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن میں اٹھایا جاؤں۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ ہیں، خدا نہیں۔ خدا کے شریک نہیں، خدا کا بیٹا نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی ہیں، عام انسان نہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب انجیل عطا فرمائی، آپ کو برکت والا بنایا۔ یہ برکت آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئی ہے۔ آپ کو والدہ کا فرمانبردار بنایا، جو شخص پیدا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو روح القدس کی تائید حاصل ہے۔ آپ کا لقب ''روح اللہ، کلمۃ اللہ'' ہے۔

---

❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 4، ص 67

آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے۔ قرب قیامت میں آپ دنیا میں تشریف لائیں گے' شادی کریں گے' آپ کی اولاد ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کی شریعت پر عمل کرائیں گے' جزیہ ختم کردیں گے لیکن وہ بھی شریعت مصطفوی ﷺ کا حصہ ہوگا کیونکہ جزیہ لینے کا وقت وہاں تک ہی ہوگا جیسے مولفۃ القلوب کا حصہ زکوٰۃ میں ایک وقت تک تھا' پھر ختم کردیا گیا۔ آپ دجال کو قتل کر دیں گے' آپ کا نزول امام مہدی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوگا' پھر آپ کی وفات ہوگی۔ حضور ﷺ کے ساتھ روضۂ منورہ میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے' اسی عقیدہ حقہ پر قائم رکھے۔

(آمین ثم آمین)

سید الانس والجان

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

خیال رہے کہ مقصد صرف دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو قلمبند کرنا تھا کیونکہ عام طور پر طلبائے کرام اور عوام الناس ''قصص الانبیاء'' نامی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں' جس میں کئی ضعیف واقعات انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں' جو انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں باعثِ تنقیص بھی ہیں اور ان کے پڑھنے سے ایمان میں تزلزل بھی آتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کا مختصر تذکرہ صرف تبرک کے طور پر پیشِ نظر کرنا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے ذکر بغیر کتاب کسی طرح بھی مکمل نہیں ہوسکتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک کے واقعات اور آپ کے اوصاف کا علم حاصل کرنے کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مدارج النبوۃ'' کا مطالعہ کیا جائے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بہت سے واقعات کا علم حاصل ہوگا اور سکون قلب ہوگا۔

نیز مفسر قرآن' مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ بھیروی قدس سرہ کی ''ضیاء النبی'' کا مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی ضیاء سے آپ کے دلوں میں اور معرفت حاصل ہوگی' ایمان میں پختگی حاصل ہوگی۔

خیال رہے کہ کچھ لوگوں نے ''سیرۃ النبی ﷺ'' کے نام سے کتابیں لکھ کر آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ ان کی کتابوں کو پڑھ کر اپنے ایمان کو ضائع نہ کریں۔ ''سیرۃ النبی'' کے نام سے لکھی ہوئی کتابوں کو بھی دیکھیں اور ان کے مقابل ''مدارج النبوۃ'' اور ''ضیاء النبی'' کو بھی پڑھیں۔ خود بخود نمایاں فرق نظر آئے گا کہ کن حضرات نے عشقِ رسول' محبتِ رسول میں ڈوب کر علم و عرفان کے سمندر سے موتی نکال کر پیش کیے اور کن لوگوں نے زہر پر مٹھائی چڑھا کر لوگوں کے ایمان کو قتل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

ہاں! بات صرف قسمت کی ہے' کسی کی قسمت میں رب تعالیٰ نے یہ عظمت عطا فرمائی ہے کہ وہ رات نبی کریم ﷺ کے فضائل و کمالات کو تلاش کرتا رہتا ہے' اسی میں اس کی عمر بیت جاتی ہے۔ اور کچھ کم بختوں کی عمر اس میں گزر جاتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے نقص تلاش کرتے رہتے ہیں۔ فضائل پر مشتمل احادیث اور اقوال علماء و صلحاء ان کی عقلوں میں انہیں ضعیف نظر

آتے ہیں اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات جو عجز و انکساری پر مشتمل ہیں' وہ انہیں حقیقت نظر آتے ہیں۔ سیدھے سادے لوگوں کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں کہ "ہم بھی نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ حدیث ضعیف ہے' یہ واقعہ درست نہیں" اس طرح کے گمراہ کن ہتھکنڈے ان کا وطیرہ ہے۔" الامان و الحفیظ "

تخلیق اول' نور محمدی ﷺ :

"وَرَوٰی عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِسَنَدِہٖ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا جَنَّۃٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَکٌ وَّلَا سَمَاءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ"

(زرقانی ج1 ص49......انوار محمدیہ' ص13' مواہب)

"عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے یہ خبر دیجئے کہ تمام چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسے پیدا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا' پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں بھی اسے منظور تھا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی' نہ قلم اور نہ جنت اور نہ دوزخ اور نہ فرشتے اور نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ سورج اور نہ چاند اور نہ جن اور نہ انسان تھے۔"

خیال رہے کہ یہ حدیث مولوی اشرف علی تھانوی صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب "نشر الطیب" میں بھی نقل کی ہے۔

"عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ" ●

"حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین تھا' جبکہ آدم علیہ السلام ابھی تک اپنے خمیر میں تھے۔"

مولوی اشرف تھانوی صاحب دیوبندی اپنی کتاب "نشر الطیب" میں بیان کرتے ہیں کہ اسے احمد بیہقی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور مشکوۃ میں یہ حدیث شرح السنہ سے مذکور ہے۔ اس حدیث پاک کی وضاحت میں استاذِ المکرم حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک سے آنحضرت ﷺ کا تحقیقاً آدم علیہ السلام سے قبل نبی ہونا بھی ثابت' اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہونا بھی ثابت' موجود ہونا بھی ثابت' اور آپ کی حقیقت کا نور ہونا بھی ثابت کیونکہ بشروں کا

● شرح السنۃ' مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین' ص513............مواہب مع زرقانی' ص39

باپ بعد میں پیدا کیا جا رہا ہے اور آپ کی حقیقت پہلے ہی موجود و متحقق تھی اور ان صفات کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی۔"

اس مقام پر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے بیان کردہ نکتہ اور ایک توہم کا ازالہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں:

"اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شائد مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ سو اس لئے آپ کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوا۔ جواب یہ ہے اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی کیا تخصیص؟ تقدیر تمام اشیاء مخلوقہ کی ان کے وجود سے مقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں' بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت ہے فرع ہے مثبت لہ کے ثبوت کی۔ پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا اور چونکہ مرتبہ بدن متحقق نہیں تھا اس لئے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا"۔

اس سوال و جواب نے واضح کر دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت محض علم الٰہی کے لحاظ سے نہیں تھی' بلکہ خارج اور واقع میں آپ کا نورِ انور اور روحِ اقدس اور حقیقتِ محمدیہ اس کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی اور یہی ہمارا نظریہ وعقیدہ ہے کہ بشریت کے لحاظ سے اولادِ آدم بھی ہیں' مگر حقیقت کے لحاظ سے اصلِ موجودات ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی اس لحاظ سے آپ بنیاد ہیں۔

یہی تھانوی صاحب ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: سوال یہ ہے جب انبیاء موجود تھے تو ان کے خاتم کا موجود ہونا بھی متصور ہو سکتا تھا۔ جب ان کا' بلکہ ان کے والد اور معدن واصل کا وجود نہیں تھا آپ خاتم النبیین کس طرح ہو گئے؟ تھانوی صاحب کی زبانی سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں:

"اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختمِ نبوت کے ثبوت' بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے۔ اس لئے ختمِ نبوت کا حکم کیا گیا' یہ وصف تو خود تاخیر کو مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تاخیر مرتبہ ظہور میں ہے' مرتبہ نبوت میں نہیں۔ جیسے کسی کو تحصیل داری کا عہدہ مل جائے تو تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو گا کسی تحصیل میں بھیجنے کے بعد"۔

یعنی جس طرح اس تحصیلدار کے منصب کا لوگوں کو علم اس وقت ہو گا جب وہ تحصیل میں جا کر چارج سنبھالے گا۔ اس وقت معلوم کریں گے کہ یہ ہمارے تحصیلدار صاحب ہیں' حالانکہ سرکار کے نزدیک خاتم النبیین کے مرتبہ پر اس وقت فائز ہو چکے تھے جب آدم علیہ السلام ہنوز عالمِ آب و گل میں تھے' اگرچہ لوگوں کو اس وقت پتہ چلا جب آپ کا ظہور ہوا۔ الغرض ظہور اگرچہ بعد

میں ہوا لیکن وجود پہلے تھا اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقتِ نوریہ کے لحاظ سے آپ اصلِ موجودات اور بنیادِ آدم علیہ السلام ہیں' اگرچہ ظہور اور نشأۃ دنیویہ کے لحاظ سے اولادِ آدم ہیں۔ ❶

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ' قَالَ: وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"

(ترمذی' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین' ج 2' ص 513............ زرقانی' ج 1' ص 34)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ان کے جسم میں جب جان بھی نہیں آئی تھی' میں اس وقت بھی نبی تھا۔''

اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ''حسن'' کہا ہے اور ایسے ہی الفاظ سے میسرہ ضبی کی روایت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تاریخ'' میں اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''حلیہ'' میں اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصریح کی ہے۔

صحابہ کرام کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہیں۔ پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا۔ جب وہ اس طرح سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ معلوم ہوا ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے۔ انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے اعلانِ نبوت ورسالت کب فرمایا؟ بلکہ پوچھا ہے......

"مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"

''آپ کے لئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کس وقت سے ثابت ہے؟''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب باپ آدم علیہ السلام کی روح ابھی ان کے جسم میں پھونکی نہیں گئی تھی۔ صحابہ کرام کے اس نظریہ وعقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا۔ واقعی! میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا' بلکہ اس وقت یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے' جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی۔

اس روایت کو ترمذی شریف میں نقل کیا گیا ہے اور ترمذی شریف حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس کے متعلق محدثین نے فرمایا جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ یوں سمجھے کہ رب تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں موجود اور تشریف فرما ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ''موضوع'' اور ''من گھڑت'' بھی نہیں کہا اور ''ضعیف'' بھی نہیں کہا' بلکہ انہوں نے اس کو

❶ تنویر الابصار' شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی' ص 19' مطبوعہ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

''حسن'' کہا ہے۔ اصول حدیث میں یہ واضح ہے کہ حسن حدیث حجت و دلیل اور سند ہو سکتی ہے۔

اور پھر اشرف علی تھانوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ میسرہ ضبی کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ آتے ہیں گویا یہ روایت دو صحابیوں سے مروی ہوئی۔ اس طرح کل چار صحابیوں (حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت میسرہ ضبی رضی اللہ عنہم) کی شہادت اور گواہی اب تک آ چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ ''نور'' ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و ایجاد سے پہلے نبوت و رسالت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

علاوہ ازیں اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، جو اہل سنت کے چوتھے امام ہیں اور امام ابوحنیفہ، امام ابو مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے بعد ان کا درجہ ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی ''تاریخ'' اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابو نعیم نے اس کو ''حلیہ'' میں نقل کیا اور حاکم جیسے محدث نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ وہ محدث ہیں جس نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے رہ جانے والی صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور اس کتاب کا نام ''مستدرک'' رکھا ہے۔ [1]

نبی کریم ﷺ کا نور و بشر ہونا:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اسی مسئلہ پر دلیل قائم فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ کا ظاہر بشری ہے اور باطن نوری ہے'':

''كَمَا قَالَ ﷺ تَنَامُ عَيْنَيَّ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي يَعْنِي فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ بَاطِنَهُ مَلَكِيٌّ وَظَاهِرَهُ بَشَرِيٌّ'' ''جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ کا باطن ملکی (فرشتوں کی طرح نورانی) ہے اور آپ کا ظاہر بشری ہے۔''

قاضی شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَكَذَالِكَ سَائِرُ الْأَنْبِيَاءِ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ دُوْنَ قُلُوْبِهِمْ كَمَا وَرَدَ مُصَرَّحًا بِهِ فِي حَدِيْثِ الْبُخَارِيْ'' ''اسی طرح دوسرے تمام انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتے ہیں، جس طرح بخاری کی حدیث میں صراحتاً ذکر ہے۔''

یعنی تمام انبیائے کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا ظاہر بشر اور باطن نور ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کا نور، نور من نور اللہ ہے اور تمام کائنات کے لئے اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے یعنی آپ کا نور تمام انبیائے کرام کی نورانیت کا بھی اصل ہے۔

[1] تنویر الابصار شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی، ص 22، مطبوعہ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

"وَهٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ ظَاهِرَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم بَشَرِيٌّ وَبَاطِنَهٗ مَلَكِيٌّ وَكَذَا قَالُوْا اِنَّ نَوْمَهٗ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ كَمَا صَرَّحُوْا بِهٖ وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ مِنَ الْاُمَّةِ كَمَا تُوُهِّمَ وَتَوَضَّأَ بَعْدَ نَوْمِهٖ اِسْتِحْبَابًا اَوْ تَعْلِيْمًا لِغَيْرِهٖ اَوْ لِعُرُوْضِ مَا يَنْقُضُهٗ"

(نسیم الریاض' علامہ خفاجی رحمہ اللہ' ج 3' ص 545)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ' میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار ہوتا ہے' یہ دلیل ہے اس پر کہ آپ کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکی نورانی ہے۔ اسی وجہ سے محدثین کرام' فقہاء عظام نے اتفاقی طور پر ارشاد فرمایا کہ بے شک آپ کی نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر آپکے کسی امتی کی نیند کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یعنی صحابہ کرام' اولیائے کرام اور امت کے کسی فرد کو بھی یہ مقام حاصل نہیں۔ اگر کسی صحابی یا ولی کے متعلق کوئی یہ کہے کہ اس کی نیند سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا' یہ اس کا وہم ہوگا' غلط سوچ ہوگی' اس شخص کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے۔"

خیال رہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نیند سے ان کے وضو نہیں ٹوٹتے تھے۔ میں نے "نورالایضاح" کے عربی حاشیہ "**ذریعۃ النجاح**" میں بفضلہٖ تعالیٰ اسے ذکر کیا ہے' جبکہ 'ہدایہ' تک تمام فقہی کتب کے محشی حضرات اسے ذکر نہ کر سکے یا دیدہ دانستہ ذکر نہیں کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاگنے کے بعد وضو کرتے تھے۔ آپ کا یہ وضو کرنا' وجوبی طور پر نہیں ہوا کرتا تھا' بلکہ مستحب سمجھ کر آپ وضو کرتے یا تعلیمِ امت کے لئے یا آپ کو چونکہ معلوم ہوتا تھا کہ سوتے ہوئے کوئی چیز وضو کے خلاف سرزد ہوئی ہے۔ اسلئے آپ کبھی کبھی اپنے علم کے مطابق وضو ٹوٹنے کی وجہ سے وضو کرتے ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا ثبوت قرآن پاک سے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

(سورۃ المائدہ 7:6)

"بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین قول ملتے ہیں:

① : ایک "عام مفسرین" کا جنہوں نے "نور" سے مراد "نبی کریم" اور "کتاب مبین" سے مراد "قرآن پاک" لیا ہے۔

② : دوسرا قول "معتزلہ" کا ہے' جنہوں نے "نور" اور "کتاب مبین" سے مراد "قرآن پاک" لیا۔

③ : تیسرا قول محققین کا ہے جیسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے "نور" اور "کتاب مبین" دونوں سے ہی مراد "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم" لئے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"{قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ} عَظِيْمٌ وَّهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمُخْتَارُ ﷺ"

"نور سے مراد نورِ عظیم ہے جو سب نوروں کا نور ہے یعنی تمام نوروں کا اصل ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔"

"وَاِلٰى هٰذَا ذَهَبَ قَتَادَةُ وَاخْتَارَهُ الزَّجَّاجُ"

یہی قول قتادہ کا ہے اور زجاج نے بھی اسی قول کو مختار قرار دیا ہے۔

"وَقَالَ اَبُوْ عَلِيِّ الْجِبَائِيُّ عُنِيَ بِالنُّوْرِ الْقُرْاٰنُ لِكَشْفِهٖ وَاِظْهَارِهٖ طُرُقَ الْهُدٰى وَالْيَقِيْنِ وَاقْتَصَرَ عَلٰى ذٰلِكَ زَمَخْشَرِيٌّ وَعَلَيْهِ فَالْعَطْفُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَكِتَابٌ مُّبِيْنٌ لِتَنْزِيْلِ الْمُغَايَرَةِ بِالْعُنْوَانِ مَنْزِلَةَ الْمُغَايَرَةِ بِالذَّاتِ"

"ابو علی جبائی نے کہا ہے: "نور" سے مراد بھی قرآن ہے کیونکہ قرآن ہدایت و یقین کے راستوں کو ظاہر کرنے والا ہے اور منکشف کرنے والا ہے۔ اس لئے اسے "نور" کہا گیا ہے۔ زمخشری نے بھی اسی قول پر اقتصار کیا ہے۔ اس قول پر بظاہر ایک اعتراض تھا کہ عطف مغائرت کے لئے آتا ہے جب معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے مراد قرآن پاک ہے لیکن دو نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیے گئے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ عنوان کی وجہ سے جو مغائرت پائی گئی ہے وہ مغائرت ذاتی کے درجے میں ہے۔"

"وَاَمَّا عَلَى الْاَوَّلِ فَهُوَ ظَاهِرٌ" پہلا قول زیادہ ظاہر ہے جس میں "نور" سے مراد "نبی کریم ﷺ" ہیں اور "کتاب مبین" سے مراد "قرآن پاک" ہے۔

"وَقَالَ الطِّيْبِيُّ اَنَّهٗ اَوْفَقُ لِتَكْرِيْرِ قَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ قَدْ جَاءَكُمْ بِغَيْرِ عَطْفٍ فَعُلِّقَ بِهٖ اَوَّلًا وَصْفُ الرَّسُوْلِ وَالثَّانِيْ وَصْفُ الْكِتَابِ"

"علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ پہلے {قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا} ذکر کیا گیا ہے اور پھر بغیر حرف عطف کے {قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ} ذکر کیا گیا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں سے ایک ہی ذات ہے۔ اس لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَبْعُدُ عِنْدِيْ اَنْ يُّرَادَ بِالنُّوْرِ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ النَّبِيُّ ﷺ وَالْعَطْفُ عَلَيْهِ كَالْعَطْفِ عَلٰى مَا قَالَهُ الْجِبَائِيُّ وَلَا شَكَّ فِيْ صِحَّةِ اِطْلَاقِ كُلٍّ عَلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"

(روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4' ص 97)

میرے نزدیک یہ کوئی بعید بات نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ عطف مغائرت کے لئے آتا ہے معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے مراد ایک ذات کیسے؟ تو اس کا ہم بھی وہی جواب دیں گے جو جبائی نے دیا ہے کہ عنوان کی مغائرت کو مغائرت کے درجے میں رکھ کر عطف کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق نبی کریم ﷺ پر ہے۔

نبی کریم ﷺ پر دونوں کا اطلاق کیسے صحیح ہے؟ اس کا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اَیُّ مَانِعٍ مِنْ اَنْ یُّجْعَلَ النَّعْتَانِ لِلرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنَّہٗ نُوْرٌ عَظِیْمٌ لِکَمَالِ ظُھُوْرِہٖ بَیْنَ الْاَنْوَارِ وَکِتَابٌ مُّبِیْنٌ حَیْثُ اَنَّہٗ جَامِعٌ لِجَمِیْعِ الْاَسْرَارِ وَمُظْھِرٌ لِلْاَحْکَامِ وَالْاَحْوَالِ وَالْاَخْبَارِ"

(شرح شفا' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج1' ص42)

''نور اور کتاب مبین دونوں صفتیں رسول اللہ ﷺ کی بنانے میں کون سا مانع موجود ہے؟ یعنی کوئی مانع نہیں کیونکہ آپ نورِ عظیم ہیں' اسلئے کہ سب نوروں سے آپ کا نور زیادہ ظاہر ہے۔ اور آپ کتاب مبین (روشن کتاب) ہیں کیونکہ آپ تمام اسرار کے جامع ہونے کی وجہ سے کتاب ہیں اور تمام احکام' احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے کی وجہ سے مبین ہیں۔''

تنبیہ: مذکورہ بحث سے واضح ہوا کہ آیت کریمہ میں ''نور'' سے مراد ''قرآن پاک'' ابوعلی جبائی اور زمخشری نے لیا ہے اور اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ یہ معتزلہ کے رئیس ہیں۔ عام اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ نور سے مراد ''نبی کریم ﷺ'' ہیں اور ''کتاب مبین'' سے مراد ''قرآن پاک'' اور محققین حضرات نے دونوں سے ''نبی کریم ﷺ'' لیا ہے۔

اعتراض: سب سے پہلے تخلیق قلم کی ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کے نور کی کیونکہ قلم کے اول المخلوقات ہونے والی حدیث صحیح ہے ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ'' ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے نور کی تخلیق سب سے پہلے ہونے کی روایت ضعیف ہے۔ صحیح کے مقابل ضعیف کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو ہم یہ ضابطہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ضعیف کو مطلقاً چھوڑ دیا جاتا ہے' بلکہ قانون یہ ہے کہ دلیل قطعی اور ظنی کا جب تعارض آجائے تو ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی جائے۔ اگر ان میں تطبیق ثابت ہو جائے تو بہتر ورنہ ظنی کو چھوڑ دیا جائے۔ قرآن پاک میں ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ...... (سورۃ مزمل 14:29) ''قرآن پاک جہاں سے بھی آسان ہو پڑھو۔''

اس آیت سے نماز میں قرآن پاک کا مطلقاً (کسی سورت سے بھی ہو' جہاں سے بھی انسان پڑھنا چاہے' پڑھ لے) پڑھنا فرض ثابت ہو رہا ہے لیکن حدیث پاک میں ہے: ''لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ'' جس کا ظاہری معنی ہے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ قرآن پاک کی آیت قطعی الدلالت ہے اور حدیث پاک جو خبر واحد ہے ظنی الدلالت ہے لیکن حدیث پاک کو مطلقاً چھوڑ دینے کا قول باطل ہوگا بلکہ اہل علم نے اس میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ قرآن پاک سے فاتحہ کا پڑھنا فرض ثابت ہو رہا ہے اور حدیث پاک سے وجوب۔ اب حدیث پاک {لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ} کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز کامل نہیں۔ نفی کمال کی ہوگی' مطلقاً وجود کی نہیں جیسے {لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ} کا ترجمہ بھی یہی ہوگا کہ کہ جو شخص امانت کا پاس نہیں کرتا اس کا ایمان کامل نہیں۔

اس تمہید کے بعد جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قلم کی تخلیق کی اولیت اضافی ہے اور نبی کریم ﷺ کے نور کی تخلیق میں اولیت حقیقی ہے۔ یہی قول اہل علم، محققین اور کامل ایمان والوں کا ہے۔ ہاں! البتہ جن کا ایمان ضعیف ہے وہ نبی کریم ﷺ کی شان پر دلالت کرنے والی احادیث کو ضعیف کر کے رد کرتے ہی رہتے ہیں۔

{مَنْ یُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ} جن کے دلوں پر مہر لگا کر گمراہی کا طوق ان کے گلے میں رب تعالیٰ ڈال دے پھر انہیں ہدایت دینے کی کسے مجال ہوسکتی ہے؟ آیئے اہل علم کے ارشادات دیکھئے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ: وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ" [1]

"سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی مقادیر لکھوا دی تھیں، جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔"

اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ عرش پہلے موجود تھا علاوہ ازیں قلم کو پیدا کر کے یہ حکم دیا گیا تھا "اُكْتُبْ" لکھ! اس نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اُكْتُبِ الْقَدَرَ" تقدیر خداوندی کو لکھ۔

"فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ"

"تو اس نے جو کچھ ہو چکا تھا، وہ بھی لکھ دیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، وہ بھی لکھ دیا۔"

جس سے صاف ظاہر ہے کہ قلم سے پہلے مخلوقات تھی، جس کو "ما کان" سے تعبیر کیا گیا۔ جب یہاں اولیت ہی اضافی ہے تو اس حدیث کی آڑ میں نبی اکرم ﷺ کے نور اقدس کی اولیت سے انکار کرنے کا کیا معنی؟ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۶۶ پر فرماتے ہیں:

"فِي الْاَزْهَارِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ يَعْنِيْ بَعْدَ الْعَرْشِ وَالْمَاءِ وَالرِّيْحِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ" (رواہ مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ عَلٰى اَيِّ شَيْءٍ كَانَ الْمَاءُ قَالَ عَلٰى مَتْنِ الرِّيْحِ" (رواہ البیہقی وذکرہ الابہری)

"ازہار میں ہے کہ قلم کے اول المخلوقات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش پانی اور ہوا کے بعد یہ پہلی مخلوق ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مقادیر خلائق کو لکھوا دیا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا عرش پانی پر تھا تو یہ فرمایئے کہ پانی کس پر تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہوا کی پشت پر۔"

"فَالْاَوَّلِيَّةُ اِضَافِيَّةٌ" اس سے واضح ہوا کہ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ" میں اولیت حقیقی نہیں، بلکہ اضافی ہے۔ تو اس

[1] مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الایمان بالقدر ج 1، ص 19

صورت میں حدیثِ نور میں اولیت حقیقی ہونے سے یہ حدیث کیونکر مانع ہو سکتی ہے اور یہی تحقیق علماءِ اعلام اور مقتدایانِ ذکر کی ہے۔ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"فَالْاَوَّلِيَّةُ اِضَافِيَّةٌ وَالْاَوَّلُ الْحَقِيْقِيُّ فَهُوَ النُّوْرُ الْمُحَمَّدِيُّ عَلٰى مَا بَيَّنْتُهٗ فِي الْمَوْرِدِ لِلْمَوْلِدِ" ❶

''نور محمدی اول تخلیق حقیقی ہے جس طرح کہ میں نے رسالہ ''المورد للمولد'' میں اس کی تحقیق بیان کی ہے اور قلم میں اولیت اضافی ہے۔''

نیز علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"قَالَ ابْنُ حَجَرٍ اِخْتَلَفَتِ الرِّوَايَاتُ فِيْ اَوَّلِ الْمَخْلُوْقَاتِ وَحَاصِلُهَا كَمَا بَيَّنْتُهَا فِيْ شَرْحِ شَمَائِلِ التِّرْمِذِيِّ اَنَّ اَوَّلَ النُّوْرِ الَّذِيْ خُلِقَ مِنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ الْمَاءُ ثُمَّ الْعَرْشُ اَوَّلُ الْمَخْلُوْقَاتِ"

''ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اول المخلوقات کون سی شے ہے؟ اس میں روایات مختلف ہیں' مگر ان میں تطبیق کی صورت وہ ہے جو میں نے شمائل ترمذی میں ذکر کی ہے کہ سب سے اول نور وہ ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا اس کے بعد پانی اور اس کے بعد عرش۔''

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ یعنی قلم کے اول مخلوق ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرمایا:

"اَوَّلِيَّةُ الْقَلَمِ بِالنِّسْبَةِ اِلَى النُّوْرِ الْمُحَمَّدِيِّ وَالْمَاءِ وَالْعَرْشِ وَقِيْلَ الْاَوَّلِيَّةُ فِيْ كُلٍّ بِالْاِضَافَةِ اِلٰى جِنْسِهٖ اَيْ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنَ الْاَنْوَارِ نُوْرِيْ وَكَذَا فِيْ بَاقِيْهَا" ❷

''اولیت کے بیان میں روایات مختلف ہیں ان تمام میں تطبیق اور موافقت اس طرح ہے کہ قلم کا اول الخلق ہونا نور محمدی پانی اور عرش کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور یہ توجیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہر شے کی اولیت اپنی اپنی جنس کے لحاظ سے ہے یعنی انوار میں سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اور اقلام میں سے اس قلم کو جس نے تقدیریں لکھیں اور جن اشیاء پر عرش کا لفظ بولا جاتا بولا جاتا ہے ان میں سے عرش اعظم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔''

تنبیہ: نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت کے بیان والی حدیث کو صرف ضعیف ایمان والوں نے ضعیف کہا ہے' ورنہ امام قسطلانی علامہ ابن حجر ہیتمی' ملا علی قاری' علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا۔ ❸

---

❶ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج1' ص146
❷ مواہب لدنیہ مع زرقانی ج1 ص48-47
❸ تنویر الابصار' شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی' ص98' مطبوعہ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ' ضلع جہلم

عوام حضور ﷺ کو صرف بشر نہ کہیں:

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظاہری طور پر بشر ہیں اور باطنی طور پر نور ہیں لیکن عوام جو بشر کے معنی کمال سے بے خبر ہیں وہ لفظ بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ملائیں جو تعظیم پر دلالت کریں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آنحضرت ﷺ بطریق تکریم و تعظیم واجب اور ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغتِ عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس ہونا سوائے اہلِ تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے، خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔" [1]

توضیح:

آدم علی نبینا و علیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا و علیہ السلام کا شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے:

مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ .... ۞ (سورۃ ص 14:23)

"کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا، جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔"

چونکہ ملائکہ کمال آدم علیہ السلام سے بے خبر تھے ایسا ہی ابلیس۔ "فَقَالُوْا مَا قَالُوْا" (انہوں نے وہ کہا جو کہا) فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتلانے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصور رہوئے:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا .... ۞ (سورۃ البقرہ 4:1)

"فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے، جتنا تو نے عطا کیا ہے۔"

اور ابلیس کو علاوہ قصور جہل کے غرور بھی تھا۔ لہٰذا وہ {اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ} ...... شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا ...... کا مصداق بنا۔

بشر کو کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالات استجلائیہ سے از گروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابو القاسم آنحضرت ﷺ اصالۃ واز جماعت اولیائے کرام وارث۔ مصرع

---

[1] فتاویٰ مہریہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، ص 4، مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

"وَاِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ" ''اور میں نبی بدرِ کمال کے نقش قدم پر ہوں۔''

سیدنا عبدالقادر و امثالہ رضی اللہ عنہم وراثتاً مظہر اکمل واتم لاسمہ الاعظم ٹھہرے۔ بشر ہی کے لئے تنزل خیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیبت اجتماعیہ و ترکیبات اسمائیہ و اتصالات و اوضاع ''اِنِّیْ خَمَّرْتُ طِیْنَةَ آدَمَ'' سے لیکر تا ظہورِ جسد عنصری ﷺ و اتباعہ من الاکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تا کہ...... ''مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ'' جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا...... کا آئینہ و چہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق نما ہو۔ قصہ مختصر بشر ہی ہے کہ جس کو......

گر خواہی خدا بینی در چہرہ من بنگر
من آئینہ او یم او نیست جدا از من

(اگر تو خدا کو دیکھنا چاہتا ہے تو میرے چہرہ کو دیکھ میں اس کا آئینہ ہوں وہ مجھ سے جدا نہیں ہے۔)

...... ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کو بشر کہنا از قبیل ذکرِ آنحضرت ﷺ با الاسماء المعظمہ ہوا۔ بخلاف غیر عارف کے اس کے لئے بغیر انضمام کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد {یُوْحٰی اِلَیَّ} میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اور تشہد میں ''عبدہ'' کے بعد ''ورسولہ'' کا ذکر ہے اور کلام اہل عرفان میں ہے:

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِیْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَاَنَّهٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰهِ کُلِّهِمِ (قصیدہ بردہ)

ہمارا نہایت علم یہ ہے کہ بیشک حضور ﷺ بشر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ [1]

خلاصہ کلام:

حضرت کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اہلِ علم جو بشر کا معنی اور اس میں جو کمالات پائے جاتے ہیں انہیں جانتے ہیں وہ تو بشر کہہ سکتے ہیں لیکن عام لوگوں کو بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ذکر کرنے چاہئیں تا کہ انہیں بھی آپ کی عظمت کا پتہ ہو مثلاً سید الکائنات، افضل الانبیاء، حبیب خدا وغیرہ الفاظ ساتھ ملائے جائیں۔

حقیقت میں بشر میں وہ کمال ہے جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوا کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات اور اسماء کا مظہر صرف بشر کو ہی بنایا ہے۔ اس کمال سے فرشتے محروم ہیں، پھر یہ وصفِ کمال تمام انبیائے کرام اور نبی کریم ﷺ کو بغیر کسی واسطہ کے عطاء ہوا لیکن اولیائے کرام کو آپ کے واسطہ سے یہ کمال عطا کیا گیا۔ پھر اولیائے کرام میں جلیل القدر ہستیوں یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس قسم کے اولیائے کرام کو بالواسطہ یہ کمال اعلیٰ درجہ کا حاصل ہوا۔ دوسرے حضرات کو کچھ کم انبیائے

[1] فتاویٰ مہریہ از پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، ص 4، مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

کرام کو بعض بعض صفات اور بعض بعض اسماء گرامی کا مظہر بنایا گیا لیکن نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کی آٹھ صفات مخصہ کے بغیر تمام صفات کے مظہر ہیں۔

جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے کہ بشر اس شان والے عظیم شخص کو کہا جاتا ہے اور اس کمال میں حضور ﷺ کا کوئی ثانی نہیں وہ تو سمجھ سکتا ہے کہ بشر آپ کا عظیم وصف ہے لیکن عام انسان تو بشر کا معنی یہی سمجھے گا "معاذ اللہ" آپ بھی ہماری طرح تھے۔ ایسا سمجھنا دین سے دور ہونے کا نام ہے اور ایسے شخص کو صرف لفظ "بشر" کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

امتناعِ نظیر:

امتناعِ نظیر کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مثل پیدا کرنا رب تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہے۔ جو چیزیں محال بالذات، ممتنع بالذات ہیں وہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہوں تو رب تعالیٰ کی شان اور قدرت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اشیاء اس قابل نہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں۔ اس مسئلہ کو سید الاولیاء حضرت علامہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مقدمات:

﴿۱﴾: ممتنعاتِ ذاتیہ کا احاطہ قدرت سبحانہ سے خروج کمال ذاتی پر دھبہ نہیں لگاتا بلکہ یہ قصور راجع بجانب قابل ہے کہ ممتنع ذاتی قبولیت کا صالح نہیں۔

﴿۲﴾: انقلاب حقائق واقعہ معدودات سے ہوں مثل انسان فرس، بقر، غنم کے یا مراتب عددیہ سے ہوں مثل ایک دو تین چار یا مخلطہ یعنی معدود بحیثیت عروض مرتبہ عددی مثلاً زید جو اول مولود ہے بہ نسبت باقی اولادِ عمرو کے ممتنع بالذات ہیں۔

﴿۳﴾: کسی چیز کی نظیر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ علاوہ مشارکت نوعی کے اوصاف ممیزہ کاملہ میں اس چیز کی ہم پلہ ہو۔

﴿۴﴾: آنحضرت ﷺ بحسب الحقیقۃ الروحانیۃ اول مخلوق ہیں، تصریحاتِ محققین از اہل کشف وشہود اس پر شاہد ہیں:

"اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ اَوْ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ كَمَا قَالَ الشَّيْخُ الْاَكْبَرُ قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهُ الْاَطْهَرَ فَلَمْ يَكُنْ اَقْرَبُ اِلَيْهِ قُبُوْلًا فِيْ ذٰلِكَ الْهَبَاءِ اِلَّا حَقِيْقَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ الْمُسَمَّاةُ بِالْعَقْلِ فَكَانَ مَبْدَأُ الْعَالَمِ بِاَسْرِهٖ وَاَوَّلُ ظَاهِرٍ فِي الْوُجُوْدِ فَكَانَ وُجُوْدُهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ الْاِلٰهِيِّ"

"نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے یا یہ ارشاد کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے، ان دونوں کا مطلب ہے شیخ اکبر قدس سرہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہی نور جس کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور حقیقت محمدیہ کہلایا، اسی کا نام "عقل" بھی

ہے جو تمام عالم کا مبدأ ہے' تمام جہان سے پہلے اسی نور کا وجود ہے اور وہ نور نورِ الٰہی سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔"

جس طرح نبی کریم ﷺ اولیت کی صفت سے متصف ہیں اسی طرح آخریت کی صفت سے بھی متصف ہیں کہ آپ آخر الانبیاء ہیں' ارشادِ خداوندی: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اہلِ بصیرت کو ان مقدماتِ مذکورہ پر گہری نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا کہ نظیرِ آنحضرت ﷺ کا وجود ممتنع بالذات بایں معنی ہے کہ خالق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ایسا بنایا ہے کہ اور ایسے کاملہ ممیزہ مختصہ صفات کے ساتھ سنوارا ہے کہ جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ درصورت وجودِ نظیر انقلاب حقیقت لازم آتا ہے کیونکہ فرض نظیر کا وجود آپ کے بعد ہی ہوگا تو لامحالہ ایسا معدود ہوگا جس کو مرتبہ ثانیہ عددی عارض ہو اور نظیر کہلانے کا مستحق جب ہی ہو سکتا ہے کہ وصف ممیز کامل یعنی اول مخلوقیت وختم نبوت میں مشارک ہو تو معروض مرتبہ ثانیہ کا معروض مرتبہ اولیٰ کا ہو۔ (یہ ممتنع بالذات ہے ایسا ہو نہیں سکتا)

ایسا ہی بلحاظ خمیت فرض کیا کہ آپ مثلاً چھٹے مرتبہ میں تو نظیر آپ کی معروض ساتویں مرتبہ کی مثل ہو کر معروض مرتبہ سادسہ کی ہوگی "وھو خلف" (یہی حقیقت کے خلاف ہے)۔

ہاں! اس میں شک نہیں کہ ممتنعاتِ ذاتیہ میں سے دو قسم اولین اور قسم ثالث میں فرق ظاہر ہے کیونکہ قسم ثالث کا امتناع اوصافِ عارضہ کے لحاظ سے ہے' اس لئے کہ محلِ بحث امتناع یا امکانِ نظیر ہے نہ امتناع یا امکانِ مثل۔ خلاصہ کہ آئینہ احمد ﷺ میں خالق عزمجدہ نے جداگانہ کمال دکھایا یعنی ایسا بنایا کہ نظیرش امکان ندارد (جس کی نظیر ممکن نہیں)۔

"فَهٰذَا الْكَمَالُ رَاجِعٌ اِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ كَمَا اَنَّهُ الْجَمَالُ مُخْتَصٌّ بِهٖ مِنْ مَنْعِ اِلٰهٖ فَسُبْحَانَ مَنْ خَلَقَهٗ وَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ وَاَكْمَلَهٗ" "نبی کریم ﷺ کو اس شان سے پیدا کرنا درحقیقت رب تعالیٰ کا ہی کمال ہے۔ جس طرح یہ شان اور جمال نبی کریم ﷺ سے مختص ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ہے وہ ذات پاک ہے جس نے آپ کو اس جداگانہ شان سے بنایا آپ کو سب سے زیادہ حسین اور سب زیادہ جمیل اور سب سے زیادہ باکمال بنایا۔"

خلاصہ کلام:

نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ نے سب کائنات سے اول معرضِ وجود میں لایا اور آپ کو خاتم الانبیاء بنایا۔ اگر آپ کی نظیر کوئی اور بھی بن سکے تو اسے بھی یہ دونوں وصف حاصل ہوں گے' حالانکہ اول تو ایک ہی ہوتا ہے اس کے بعد آنے والے تو دوسرے درجہ میں ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح خاتم بھی ایک ہی ہوتا ہے اس کے بعد اس کی نظیر کو اگر خاتم کہا جائے گا تو پہلی

● فتاویٰ مہریہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ' ص 9

ذات کا خاتم ہونا باطل ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں ممتنع بالذات ہیں' ممتنع بالذات قدرتِ باری سے خارج ہیں' ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ یہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں رب تعالیٰ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

حقیقتِ محمدیہ ﷺ موجوداتِ عالم میں جاری وساری ہے:

مولینا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ شرح وقایہ کی شرح ''سعایہ'' میں فرماتے ہیں:

''اَلسِّرُّ فِیْ خِطَابِ التَّشَهُّدِ اَنَّ الْحَقِیْقَةَ الْمُحَمَّدِیَّةَ کَاَنَّهَا سَارِیَةٌ فِیْ کُلِّ وُجُوْدٍ وَحَاضِرَةٌ فِیْ بَاطِنِ کُلِّ عَبْدٍ وَانْکِشَافُ هٰذِهِ الْحَالَةِ عَلَی الْوَجْهِ الْاَتَمِّ فِیْ حَالَةِ الصَّلٰوةِ فَحَصَلَ مَحَلُّ الْخِطَابِ وَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْمَعْرِفَةِ اِنَّ الْعَبْدَ لَمَّا تَشَرَّفَ بِثَنَاءِ اللّٰهِ فَکَاَنَّهٗ فِیْ حَرِیْمِ الْحَرَمِ الْاِلٰهِیِّ وَنُوْرِ الْبَصِیْرَةِ وَوَجَدَ الْحَبِیْبَ حَاضِرًا فِیْ حَرَمِ الْحَبِیْبِ فَاَقْبَلَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' [1]

''تشہد میں خطاب یعنی 'اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ'' میں راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری وساری ہے اور ہر بندے کے باطن میں موجود ہے۔ نماز کی حالت میں اس حالت کا کامل انکشاف ہوتا ہے پس محل خطاب حاصل ہوجاتا ہے۔ بعض اہل معرفت نے کہا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ثناء سے مشرف ہوتا ہے تو گویا اس کو حرم حریم الٰہی میں جگہ مل گئی اور نور بصیرت اس کو حاصل ہوگیا۔ حبیب (نبی کریم ﷺ) کو دربارِ حبیب (اللہ تعالیٰ) میں موجود پایا تو فوراً آپ کی طرف متوجہ ہوکر صیغہ خطاب سے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکات ہوں۔''

''اشعۃ اللمعات'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابداں است درجمیع احوال واوقات خصوصاً در حالت عبادت واخر آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں احوال بیشتر وقوی تر است وبعضے از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات بس آنحضرت در ذاتِ مصلیان موجود وحاضر است بس مصلی را باید کہ ازیں آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تابانوار قرب واسرار معرفت متنور فائز گردد'' [2]

''نبی کریم ﷺ مومنوں کا نصب العین اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں جمیع احوال واوقات میں خصوصاً حالت عبادت میں اور اس کے آخر میں نورانیت کا وجود اور انکشاف ان احوال میں زیادہ اور بہت قوی ہوتا ہے بعض عرفاء نے کہا ہے: تشہد میں خطاب اسی وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ موجودات کے تمام ذرات ممکنات سے تمام افراد میں جاری وساری ہے پس نبی کریم ﷺ نمازیوں کی ذاتوں میں موجود

---

[1] سعایہ شرح شرح وقایہ' مولینا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ

[2] اشعۃ اللمعات' شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

ہوتے ہیں لہٰذا نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی سے غافل نہ رہے تا کہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے منور اور فیض یاب ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَيُحْتَمِلُ اَنْ يُّقَالَ عَلٰى طَرِيْقِ اَهْلِ الْعِرْفَانِ اَنَّ الْمُصَلِّيْنَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوْا بَابَ الْمَلَكُوْتِ بِالتَّحِيَّاتِ اُذِنَ لَهُمْ بِالدُّخُوْلِ فِيْ حَرِيْمِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ فَقَرَّتْ اَعْيُنُهُمْ بِالْمُنَاجَاتِ فَنُبِّهُوْا عَلٰى ذٰلِكَ بِوَاسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَبَرَكَةِ مُتَابَعَةٍ فَالْتَفَتُوْا فَاِذَا الْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ قَائِلِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" [1]

"اہلِ معرفت کے طریقہ پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ بیشک نمازی جب التحیات کے ذریعے ملکوت کا دروازہ کھلوا لیتے ہیں ان کو حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے مناجات سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے ان کو اس پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں نبی رحمت اور ان کی تابعداری کی برکت کے وسیلہ سے حاصل ہے۔ وہ فوراً توجہ کرتے ہیں تو حبیب کو حرم حبیب میں موجود پاتے ہیں یعنی بارگاہ ذوالجلال میں حبیب پاک کو جلوہ گر پاتے ہیں تو خطاب کے صیغے سے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہتے ہیں۔"

حقیقتِ محمدیہ ﷺ کیا ہے؟

جب یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ جمیع موجوداتِ عالم میں جاری و ساری ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حقیقت محمدیہ ﷺ کیا ہے؟ اس پر علامہ جلال الدین محقق دوانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان کی مشہور کتاب "اخلاقِ جلالی" کے ص ۲۵۶ ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں:

"تحقیقِ کلام دریں مقام آں است کہ باطباق اصحاب نظر و برہان واتفاق ارباب شہود وعیان نخستیں گوہر یکہ بامر کن فیکون بوسیلہ قدرت و ارادہ بے چوں از دریائے غیب مکنون بساحل شہادت آمد جوہر بسیط نورانی بود کہ بعرف حکماء آنرا عقل اول خوانند و در بعضے اخبار تعبیر ازاں بقلم اعلیٰ رفتہ واکابر ائمہ کشف وتحقیق آں حقیقت محمدیہ خوانند" [2]

"اس مقام میں کلام کی تحقیق یہ ہے کہ اصحابِ نظر و برہان اور اربابِ شہود وعیاں کا اس پر اتفاق ہے کہ بے مثل ذات (اللہ تعالیٰ) کی قدرت اور اس کے ارادہ کے وسیلہ سے سب سے پہلے جو ہر بسیط کن فیکون کے امر سے دریائے غیب مکنون سے ظہور کے ساحل پر آیا (معرض وجود میں آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا) جس کو حکماء کے عرف میں عقل اول کہا گیا ہے اور بعض

[1] فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ج 2 ص 250

[2] اخلاقِ جلالی محقق دوانی رحمہ اللہ ص 256

احادیث میں اس کو قلم اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کو اکابر ائمہ کرام اور اصحاب کشف وتحقیق نے ''حقیقت محمدیہ'' کہا ہے۔

جناب سید الاولیاء پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ ''مسئلہ حاضر وناظر'' بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میرے خیال میں ظہور وسریان حقیقت احمدیہ عالم وہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند المحققین من الصوفیہ ثابت ہے اس کو حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں۔''

اور لکھتے ہیں:

''فَهُوَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم'' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ اولاً جو بصورت تقی، نقی اور جسد شریف عنصری کے ظاہر ہوا۔ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصورت مثالیہ شریفہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر مکان وزمان میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے: ''كَمَا فِيْ حَدِيْثِ الْبُخَارِيْ فِيْ كِتَابِ الْإِيْمَان'' اس سے مراد وہ حدیث ہے جو نکیرین کے سوال سے متعلق وارد ہوئی ہر میت سے سوال کرتے ہیں۔ ''مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ'' ''تم اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے۔ چونکہ اس حدیث میں لفظ ''ھذا'' استعمال ہوا ہے، جو محسوس مبصر پر دلالت کرتا ہے جبکہ ایک وقت میں کئی حضرات کو دفن کیا جاتا ہے تو اس طرح آپ کا بصورت مثالیہ کئی جگہ پر تشریف فرما ہونا یقینی ہے۔ اسی کو ماننا ایمان ہے اور اسی کا انکار کفر ہے۔ اہل تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا کرانا مراتا (بار بار) اتفاق ہوتا رہتا ہے، البتہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ کے ہاں سے ملتا ہے اور بلحاظ واقعہ معراج شریف وخصائص ولوازم مخصہ جسد شریف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد (بعید) نہیں۔ ہذا ما عندی والعلم عند اللہ۔'' [1]

''اَنَّهٗ لَمَّا تَعَلَّقَتْ اِرَادَةُ الْحَقِّ بِاِيْجَادِ خَلْقِهٖ وَتَقْدِيْرِ رِزْقِهٖ اَبْرَزَ الْحَقِيْقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ'' (مواہب لدنیہ) ''اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو موجود کرنے اور اس کے رزق کی تقدیر کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے حقیقت محمدیہ کو ظاہر فرمایا۔''

زرقانی میں اس عبارت کی جو شرح بیان کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مواہب کے قول ''اَبْرَزَ الْحَقِيْقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات کو مع صفت اول کے سب سے پہلے ظاہر فرمایا جیسے توقیف میں ذکر کیا گیا ہے اور لطائف کاشی میں اس طرح مذکور ہے کہ محققین حضرات حقیقت محمدیہ سے مراد وہ حقیقت لیتے ہیں کہ جس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں۔ یہ حقیقت تمام حقائق میں اسی طرح جاری وساری ہے جیسے کلی اپنی جزئیات میں جاری وساری ہوتی ہے اور بیان کیا گیا

[1] فتاویٰ مہریہ، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، ص 5، مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

ہے کہ حقیقت محمدیہ حقیقۃ الحقائق کی صورت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان برزخ واسطہ کی حیثیت رکھتی ہے اس وقت اس پر نبی کریم ﷺ کا اسم ووصف غالب نہیں تھا یہی وہ واسطہ یعنی حقیقت محمدیہ ہی نور احمدی ہے جس کی طرف خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اشارہ کر رہا ہے وہ یہ کہ:

"اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ اَیْ قَدَّرَ عَلٰی اَصْلِ اللُّغْوِیْ وَبِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ سُمِّیَ الْمُصْطَفٰی ﷺ بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَبِاَبِی الْاَرْوَاحِ"
(زرقانی، ص27)

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ اسی وجہ سے مصطفیٰ ﷺ کا نام "نورالانوار" اور "ابوالارواح" رکھا گیا ہے۔"

مختصر یہ کہ حضور ﷺ کے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ تمام مخلوق کو آپ کے نور سے پیدا کیا گیا، تمام انبیائے کرام اپنی اپنی نبوتوں میں اصل ہونے کے باوجود آپ کے تابع ہیں۔ حقیقت محمدیہ ﷺ تمام کائنات میں جاری وساری ہے حقیقت محمدیہ کو عقل اول، قلم اعلیٰ، جوہر بسیط نورانی، نورالانوار، ابوالارواح یعنی روح الارواح کہا گیا ہے۔ زیادہ وضاحت کے لئے میرے رسالہ "**عقیدہ حاضر وناظر**" کا مطالعہ کریں۔

نبی کریم ﷺ پاک نسلوں سے تشریف لائے:

امام ابن جوزی نے کتاب "الوفاء" میں کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کو نقل کیا ہے:

"لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَّخْلُقَ مُحَمَّدًا ﷺ اَمَرَ جِبْرَائِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاَتَاهُ بِالْقُبْضَةِ الْبَیْضَاءِ الَّتِیْ هِیَ مَوْضِعُ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعُجِنَتْ بِمَاءِ التَّسْنِیْمِ فَغُمِسَتْ فِیْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ وَطِیْفَهَا فِی السَّمٰوٰتِ فَعَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ مُحَمَّدًا ﷺ قَبْلَ اَنْ یَّعْرِفَ اٰدَمَ ثُمَّ كَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ یُرٰی فِیْ غُرَّةِ جَبْهَةِ اٰدَمَ وَقِیْلَ لَهٗ یَا اٰدَمُ هٰذَا سَیِّدُ وُلْدِكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ فَلَمَّا حَمَلَتْ حَوَّاءُ بِشِیْثٍ اِنْتَقَلَ النُّوْرُ مِنْ اٰدَمَ اِلٰی حَوَّاءَ وَكَانَتْ تَلِدُ فِیْ كُلِّ بَطْنٍ وَلَدَیْنِ وَلَدَیْنِ اِلَّا شِیْثًا فَاِنَّهٗ وَلَدَتْهُ وَحْدَهٗ كَرَامَةً لِمُحَمَّدٍ ﷺ ثُمَّ لَمْ یَزَلْ یَنْتَقِلُ مِنْ طَاهِرٍ اِلٰی طَاهِرٍ اِلٰی اَنْ وَلَدَتْهُ اٰمِنَةُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ"
(مرقاۃ، باب فضائل سید المرسلین، ج11، ص44)

"جب اللہ تعالیٰ نے محمد (رسول اللہ ﷺ) کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل کو حکم دیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی جگہ سے سفید مٹی کی ایک مٹھی لی، پھر اسے ماء تسنیم (جنت کی نہر تسنیم کے پانی) سے گوندھا گیا، پھر اسے جنت کی نہروں میں ڈبویا گیا اور آسمانوں میں اسے پھرایا گیا پس فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو پہچاننے سے پہلے ہی محمد ﷺ کو پہچان لیا، پھر نور محمدی ﷺ کو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا جس کی وجہ سے آپ کی پیشانی جگمگاتی اور آپ کو بتایا گیا: اے آدم! یہ تمہاری اولاد سے ہوں گے اور تمام رسولوں کے سردار ہوں گے پس جب حضرت حوا کے پیٹ میں شیث آئے تو وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی سے منتقل ہو کر حوا کے پاس آ گیا

حالانکہ حضرت حوا کے بطن مبارک سے دودو بچے ہر حمل سے پیدا ہو رہے تھے لیکن (نبی کریم ﷺ کے نور کو منقسم ہونے سے بچانے کے لئے) صرف شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ اس میں حضور ﷺ کی امت کو مدنظر رکھا گیا' پھر آپ کا نور ہمیشہ سے پاک ہستی سے پاک ہستی کی طرف منتقل ہوتا رہا' یہاں تک کہ آپ کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو عبداللہ بن عبدالمطلب سے جنا۔"

خیال رہے کہ پاک نسلوں سے منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد بدکاری اور کفر سے پاک تھے۔ طہارت کو صرف بدکاری کی نجاست سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کرنا باطل ہے' بلکہ زیادہ مقصود کفر سے پاک ہونا ہے۔ یہ تفصیل حضرت ابراہیم کے حالات میں دیکھی جائے' وہاں میں نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری:

"وَالْاَکْثَرُوْنَ اَنَّہٗ وُلِدَ عَامَ الْفِیْلِ وَاَنَّہٗ بَعْدَ الْفِیْلِ بِخَمْسِیْنَ یَوْمًا وَاَنَّہٗ فِیْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِثِنْتَیْ عَشْرَۃَ خَلَتْ مِنْ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔"●

"اکثر اہل علم کا قول یہی ہے کہ حضور ﷺ اس سال دنیا میں تشریف لائے جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو شہید کرنے کی مذموم (حرکت) کی اور وہ تباہ و برباد ہوا اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں یعنی آپ اس واقعہ کے پچاس دن بعد تشریف لائے' یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور اس کی بارہ تاریخ تھی' پیر کا دن تھا' صبح صادق کا وقت تھا۔"

پیر کے دن کو نبی کریم ﷺ سے تعلق:

آپ ﷺ کی پیدائش پیر کے دن' آپ کو نبوت عطا ہوئی پیر کے دن' مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت پیر کے دن کی' مدینہ طیبہ میں پہنچے پیر کے دن' قریش کے نزاع کو مٹانے کے لئے حجر اسود کو اپنی چادر مبارک میں رکھ کر سب قبائل کے سرداروں کو اٹھانے کے متعلق ارشاد فرمایا اور خود حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ شریف کی دیوار میں نصب کر دیا' یہ بھی پیر کا دن تھا۔ مکہ شریف فتح فرمایا پیر کے دن' سورہ مائدہ کا آپ پر نزول پیر کے دن ہوا تھا۔●

نبی کریم ﷺ کا نور منتقل ہونے کے بعد بھی اثر انداز رہا:

نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پچاس دن پہلے ابرہہ کا واقعہ در پیش آیا۔ اس وقت وہ نور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے

● مواہب لدنیہ.........انوار محمدیہ' ص 27 ● ایضاً

منتقل ہو کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس اور ان سے حضرت عبداللہ کے پاس اور ان سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آچکا تھا لیکن پھر بھی اس کے اثرات حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں موجود تھے۔

"فَرَكِبَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ فِي قُرَيْشٍ حَتّٰى طَلَعَ جَبَلَ ثَبِيرٍ فَاسْتَدَارَتْ دَارَةُ غُرَّةِ رَسُوْلِ اللهِ عَلٰى جَبْهَتِهِ كَالْهِلَالِ وَاشْتَدَّ شُعَاعُهَا عَلَى الْبَيْتِ الْحَرَامِ مِثْلَ السِّرَاجِ فَلَمَّا نَظَرَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ اِلٰى ذٰلِكَ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِرْجِعُوْا فَقَدْ كُفِيتُمْ هٰذَا الْاَمْرُ فَوَاللهِ مَا اسْتَدَارَ هٰذَا النُّوْرُ مِنِّيْ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الظَّفَرُ لَنَا" ●

"حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر (ابرہہ کے لشکر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے) ثبیر پہاڑ پر چڑھے تو آپ کی پیشانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور گول چاند کی طرح ظاہر ہوا۔ اور اس کی شعاعیں چراغ کی طرح کعبہ شریف پر پڑیں۔ جب عبدالمطلب نے یہ حال دیکھا تو آپ نے کہا: اے قریش کی جماعت! واپس لوٹ چلو یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ نور میری پیشانی میں جو چمکا ہے یہ ہماری کامیابی کی دلیل ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے شام کے محلات روشن ہو گئے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنِّيْ عِنْدَ اللهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهِ وَسَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِيْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَةُ عِيْسٰى وَرُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ" ●

"میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا کہ جب آدم علیہ السلام کیچڑ میں تھے یعنی آپ کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا۔ تمہیں اپنے اول امور کی خبر دے رہا ہوں کہ میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کی رؤیا ہوں جو آپ نے اس وقت دیکھا جب مجھے جنا کہ آپ سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔"

"دعوۃ ابراہیم" سے اشارہ اس طرف تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ...... ۞

(سورۃ البقرہ 15:1)

"اے ہمارے رب تعالیٰ! ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو ان میں سے ہی ہو۔"

"بشارۃ عیسیٰ" سے مراد عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

● مواہب لدنیہ ج 1 ص 85 ● شرح السنۃ مسند احمد از ساخبر کم تا اخیر مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ص 513

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ...... (سورۃ الصف 9:28)

''آپ نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔''

رؤیا: کیا رؤیا سے مراد خواب ہے یا ظاہر طور پر دیکھنا مراد ہے۔ اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''ظَاهِرُ هٰذَا الْكَلَامِ اَنَّ رُؤْيَةَ نُوْرٍ اَضَاءَ بِهٖ قُصُوْرُ الشَّامِ كَانَتْ فِي الْمَنَامِ وَقَدْ جَاءَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّهَا كَانَتْ فِي الْيَقْظَةِ وَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْمَنَامِ فَهُوَ اَنَّهَا رَاَتْ اَنَّهٗ اَتَاهَا آتٍ فَقَالَ لَهَا شَعُرْتِ اَنَّكِ قَدْ حَمَلْتِ بِسَيِّدِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَنَبِيِّهَا فَيَنْبَغِيْ اَنْ يُحْمَلَ الرُّؤْيَا بِالْعَيْنِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''

(لمعات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

''اگرچہ ظاہر طور پر تو یہ سمجھ آتا ہے کہ آپ کا نور کو دیکھنا جس سے شام کے محلات روشن ہوئے خواب کا واقعہ ہو لیکن احادیث میں یہی واقعہ جاگتے ہوئے بھی درپیش آنے کا ذکر ہے۔ خواب کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاس آ کر مجھے کہہ رہا ہے کیا تمہیں معلوم کہ تم اس امت کے سردار اور نبی سے حاملہ ہو چکی ہو، مناسب یہی ہے کہ اس حدیث میں رؤیا سے آنکھ سے جاگتے ہوئے دیکھنا مراد لیا جائے۔''

راقم کے نزدیک اس حدیث میں خواب کا معنی لینا ہی حقیقت سے دوری کی علامت ہے اس لئے کہ ''حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ'' ظرف ہے ''رَاَتْ'' کی (جس وقت میری والدہ نے مجھے جنا اس وقت دیکھا)۔ پیدائش کے وقت خواب کا دیکھنا ناممکن ہے اس حدیث میں ظاہری طور پر دیکھنا مراد لیا جائے تو یہ معنی ظاہری ترکیب کے بالکل مطابق ہے، خواب والا معنی لینا تکلفات اور تاویلات سے خالی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی پیر اور ربیع الاول کو پیدائش میں حکمت:

اگرچہ بظاہر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت رمضان المبارک میں ہوتی کیونکہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا اور اس میں لیلۃ القدر بھی ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان چار مہینوں میں آپ کی پیدائش نہیں ہوئی جنہیں عزت والے مہینے کہا گیا ہے۔ شعبان کی پندرہویں رات کو آپ کی پیدائش نہیں ہوئی۔ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو آپ کی پیدائش نہیں ہوئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

①: اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولادت سے اس زمانے کو مشرف فرمایا جس میں آپ پیدا ہوئے یعنی ربیع الاول اور پیر کو آپ سے باکمال بنایا گیا۔ اگر دوسرے بابرکت اوقات میں آپ کی پیدائش ہوتی تو وہم ہوتا کہ آپ کو شاید کسی مہینہ یا کسی دن یا کسی وقت سے کمال ملا ہے۔

۞: اور وجہ یہ ہے کہ ربیع "موسم بہار" کو کہتے ہیں جو تمام موسموں سے اعدل (معتدل) ہے اور احسن ہے۔ آپ ﷺ کو "ربیع الاول" میں پیدا فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے معتدل ہے۔ نہ اس میں افراط ہے اور نہ تفریط یعنی بہت سختیاں بھی نہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں اور بہت نرمیاں بھی نہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں۔

۞: پیر کو آپ ﷺ کے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیر کو تمام درخت پیدا کیے۔ گویا کہ انسان کا رزق' پھل سبزیاں وغیرہ جن پر انسان کا دارومدار ہے وہ پیر کو پیدا ہوئے۔ تو آپ ﷺ کو بھی اس دن پیدا کر کے اشارہ فرما دیا کہ آپ ﷺ کی ذات بھی انسانوں کی روحوں کو زندگی بخشنے کا ذریعہ ہے' جس طرح رزق کے بغیر انسان کا زندہ رہنا محال ہے' اس طرح آپ کے بغیر ارواح کی بقا نہیں۔ [1]

نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اصل میلاد النبی ﷺ منانے کا جو طریقہ رائج ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ جو لوگ جمع ہوتے ہیں' قرآن پاک پڑھتے ہیں' نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت کے واقعات بیان کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی ولادت اور آمدِ سعادت پر دلالت کرنے والی آیات بیان کرتے ہیں' پھر دسترخوان بچھاتے ہیں اور سب لوگ مل کر کھانا کھاتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر چلے جاتے ہیں' کوئی ناجائز کام نہیں کرتے' یہ تمام کام بدعات حسنہ ہیں۔

"اَلَّتِیْ یُثَابُ عَلَیْهَا صَاحِبُهَا لِمَا فِیْهِ مِنْ تَعْظِیْمِ قَدْرِ النَّبِیِّ ﷺ وَاِظْهَارِ الْفَرَحِ وَالْاِسْتِبْشَارِ بِمَوْلِدِهِ الشَّرِیْفِ" [2]

"جن کے کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم پائی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار ہے اور آپ کی آمدِ باسعادت پر بشارت کا حصول ہے۔"

محافل میلاد میں علماء و صلحاء کی شرکت:

ملک مظفر نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی ہر سال قائم کی گئی محافل میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ اس کے دسترخوان پر پانچ ہزار بکریوں کے بھنے ہوئے سر' دس ہزار مرغیاں' ایک لاکھ مکھن کی ٹکیاں اور تین ہزار طشت مٹھائیوں کے رکھے جاتے۔

---

[1] الحاوی للفتاوی' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ' ج 1' ص 197 مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

[2] الحاوی للفتاوی' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ' ج 1' ص 198

"وَكَانَ يَحْضُرُ عِنْدَهُ فِي الْمَوْلِدِ اَعْيَانُ الْعُلَمَاءِ وَالصُّوفِيَّةِ" ''اس کے پاس میلاد النبی ﷺ کی محافل میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام حاضر ہوا کرتے تھے۔''

یہ بھی خیال رہے کہ ملک مظفر الدین بن زین الدین ایک نیک عادل شخص تھا۔ سلطان صلاح الدین بن ایوب کا بہنوئی تھا' ایک دن صلاح الدین ایوبی کی بہن اور اس کی زوجہ نے ان کو کہا: تم لباس قیمتی کیوں نہیں پہنتے؟ یہ پانچ درہم کے کھدر کے کپڑے پہن لیتے ہو یہ سن کر ملک مظفر نے جواب دیا:

لُبْسِيْ ثَوْبًا بِخَمْسَةٍ وَالتَّصَدُّقُ بِالْبَاقِيْ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ اَلْبِسَ ثَوْبًا مُثْمِنًا وَادَعَ الْفَقِيْرَ وَالْمِسْكِيْنَ" ''میرے لئے پانچ درہم کا لباس پہننا اور باقی صدقہ کر دینا بہتر ہے بنسبت اس کے کہ میں قیمتی لباس پہنوں اور فقیروں مسکینوں کا خیال رکھنا چھوڑوں۔''

حافظ ابوالخطاب بن دحیہ (جو مشہور علماء اور عظیم فضلاء سے تھے) نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کے ذکر میں ایک کتاب لکھی' جس کا نام تھا:'' التنوير في مولد البشير النذير ''اس میں ملک مظفر الدین نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ 625ھ میں بادشاہ کے پاس میلاد النبی ﷺ کی چھ مجلسوں میں اس کتاب کو پڑھا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ولادت کا تذکرہ کیا:

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ'' ربیع الاول'' میں بنسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ عبادت نہیں کی لیکن اس کی وجہ یہ تھی:

"وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِرَحْمَتِهٖ ﷺ بِاُمَّتِهٖ وَرِفْقَةً بِهِمْ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَتْرُكُ الْعَمَلَ خَشْيَةَ اَنْ يُّفْرَضَ عَلٰى اُمَّتِهٖ بِهِمْ لٰكِنْ اَشَارَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى فَضِيْلَةِ هٰذَا الشَّهْرِ الْعَظِيْمِ بِقَوْلِهٖ لِلسَّائِلِ الَّذِيْ سَاَلَهٗ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُّ فِيْهِ" ''آپ ﷺ نے اپنی امت پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے زیادہ عبادات اس مہینہ میں نہیں کیں کہ میری امت پر کہیں یہ فرض نہ کر دی جائیں۔ آپ اسی ڈر کی وجہ سے کئی عمل ہمیشہ نہیں فرماتے تھے لیکن اس مہینہ کی فضیلت کی طرف آپ نے اشارہ کر دیا کیونکہ جب آپ سے کسی نے سوال کیا: آپ پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کہ یہ میری پیدائش کا دن ہے۔''

اس دن کی فضیلت کی وجہ سے سارا مہینہ ہی فضیلت والا ہے:

"فَيَنْبَغِيْ اَنْ نَّحْتَرِمَهٗ حَقَّ الْاِحْتِرَامِ وَنُفَضِّلَهٗ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ الْاَشْهُرَ الْفَاضِلَةَ" ''لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہینہ کا ایسا احترام کریں جیسا اس کا حق ہے اور ایسے ہی اس ماہ کو افضل سمجھیں جیسے دوسرے مہینے

جن کی افضلیت کا ذکر رب تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔"

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ وَآدَمُ فَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ" "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور فرمایا: آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔"

کسی زمان یا مکان کو ذاتی طور پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، بلکہ جن عبادات اور فضیلت والے اسباب سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے وہ زمان و مکان بھی افضل ہو جاتے ہیں جس مہینہ اور دن میں سید الکائنات تشریف لائے۔ یقیناً اسے بھی فضیلت حاصل ہے۔

"اَلَا تَرٰی اَنَّ صَوْمَ ھٰذَا الْیَوْمِ فِیْہِ فَضْلٌ عَظِیْمٌ لِاَنَّہٗ ﷺ وُلِدَ فِیْہِ" "کیا تم دیکھتے نہیں کہ ان دن (پیر کے دن) روزہ رکھنا بہت عظیم ہے کیونکہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔"

اَخْرَجَ الْبَیْھَقِیُّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَقَّ عَنْ نَفْسِہٖ بَعْدَ النُّبُوَّۃِ" "بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔"

حالانکہ آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کر چکے تھے اور عقیقہ دوبارہ لوٹایا بھی نہیں جاتا تو کیا وجہ تھی کہ آپ نے اپنا عقیقہ پھر کیا؟

"اِنَّ الَّذِیْ فَعَلَہٗ النَّبِیُّ ﷺ اِظْھَارًا لِلشُّکْرِ عَلٰی اِیْجَادِ اللّٰہِ اِیَّاہُ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَتَشْرِیْعٍ لِاُمَّتِہٖ کَمَا کَانَ یُصَلِّیْ عَلٰی نَفْسِہٖ" "آپ نے اپنا عقیقہ اس لئے کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین بنایا تو آپ نے اس سے شکریہ کا اظہار فرمایا اور اس لئے بھی کہ آپ کی امت کے لئے بھی آپ کی ولادت کی خوشی منانا مشروع ہو جائے جیسا کہ آپ پر کوئی ضروری نہیں تھا کہ اپنے آپ پر آپ ﷺ درود پڑھیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ اپنی ذات پر اسی وجہ سے درود پڑھتے تھے کہ آپ کی امت کے لئے سنت بھی بن جائے۔"

<u>اعتراض:</u> نبی کریم ﷺ کے پیدائش بارہ ربیع الاول کو علم تقویم کے حساب درست نہیں بنتی کیونکہ آپ پیدائش 22 اپریل 571ء کو ہوئی اس کا حساب کیا جائے تو نو (9) ربیع الاول بنتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بارہ ربیع الاول پیدائش کا دن ثابت ہو جائے تو وہی وفات کا دن بھی ہے تو پھر اس دن خوشی کا اظہار کرنا کیسے ممکن ہوگا وہ دن تو غم کا بھی ہے؟

<u>جواب:</u> اعتراض کی پہلی صورت کا جواب تو یہ ہے کہ جناب محمد عرفان رضوی سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی نے اپنی ایک کتاب میں تقویم کی رو سے ہی بارہ ربیع الاول تاریخ کو درست ثابت کر دیا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم

ﷺ کی آمد سے قبل اسلامی مہینوں کا کیلنڈر مستقل نہیں تھا بلکہ کفار اپنی مرضی سے اس میں تبدیلی کرتے تھے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

(سورۃ التوبہ 11:10)

''بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتابِ الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

بارہ قمری مہینوں میں سال کی تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں کہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سما نے یہ محکم نظام روزِ ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب، ذیقعد، ذی الحج اور محرم حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہلِ عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل بھی انہیں مل جاتا اسے بھی کچھ نہ کہتے۔

کتاب اللہ سے مراد یا تو ''لوح محفوظ'' ہے یا ''قرآن حکیم''۔ {ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ} کا مطلب یہ ہے کہ یہی محکم شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انہیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔ {قَيِّمُ} اصل میں ''قَيْوِمٌ'' تھا، پھر ''سید'' کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی۔ احکامِ الٰہی سے سرتابی ہر وقت بری ہے لیکن ان حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے۔ اس لئے خصوصی طور پر ان مہینوں میں باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مقدس اور مبارک اوقات میں نیکی کا زیادہ ثواب ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعتِ انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

''إِنَّ وُقُوعَ الطَّاعَةِ فِي هَٰذِهِ الْأَوْقَاتِ أَكْثَرُ تَأْثِيرًا فِي طَهَارَةِ النَّفْسِ وَوُقُوعُ الْمَعَاصِي فِيهَا أَقْوَى تَأْثِيرًا فِي خُبْثِ النَّفْسِ'' (از کبیر)

اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ ''كَافَّةً'' ''كَفَّ'' کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد، تثنیہ اور جمع مذکر و مؤنث سب کے لئے یہی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ماہ ذوالحج کی تاریخیں مقرر تھیں۔ کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر اس

حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ان کا پیشہ قزاقی' رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا۔تین ماہ تک متواتر (ذیقعد' ذی الحج' محرم) ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا' ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کرلیا اور اس میں جی بھر کر قتل وغارت گری کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینے کو حرام کردیا۔حرمت والے مہینوں کی تعداد چار ہی رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔نیز ''حج'' ایک عبادت کے ہونے کے علاوہ ان کیلئے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔دور دراز سے تجارتی قافلے بھی آتے' جس سے انہیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ چونکہ قمری سال کے ذی الحج کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا' اس لئے یہ ایسے موسم میں بھی آجاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑجاتا اور انہیں دل خواہ نفع نہ ہوتا۔

اس مشکل کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا کیا جائے۔اس کے لئے انہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں ''کبیسہ'' کا ایک مہینہ بڑھادیا۔اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں نو ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں ردوبدل کرلیا کرتے تھے' اس لئے ان کے اس فعل کو'' زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ '' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

۱۰ھ میں جب رحمت عالم ﷺ حجۃ الوداع کیلئے مکہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی نو اور دس ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا۔اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" ''یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس کے لئے مقرر فرمائی تھیں۔''

اس میں مسلمانوں کے لئے بھی عبرت کا درس ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کیلئے احکام الٰہی میں ردوبدل نہ کریں۔

''نساء'' کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے مؤخر کردینا۔قَالَ الْجَوْهَرِيُّ النَّسِيْءُ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى مَفْعُوْلٍ مِنْ قَوْلِكَ نَسَاْتِ الشَّيْءَ فَهُوَ مَنْسُوْءٌ اِذَا اَخَّرْتَهٗ" [1]

میرا مقصد تو صرف اتنا ہی تھا کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے سال کے مہینوں میں تبدیلی کی جاتی تھی۔اس پر دلیل کے لئے میں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کو پیش کیا۔عوام الناس کے فائدہ کے لئے آیت کریمہ کی پوری تفسیر نقل کردی۔صحیح بات تو یہ ہے کہ مفکرِ اسلام' مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب قدس سرہ کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' علمائے کرام' طلبائے عظام' وکلاء دانشوروں اور عوام الناس کے لئے یکساں مفید ہے۔میں اپنی کتاب میں اس کے اقتباسات پیش ہی اس لئے کرتا ہوں کہ کسی کی

[1] تفسیر قرطبی: بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 2' ص 203-201

نظر میں میری کتاب آجائے اور ابھی تک جس نے ''ضیاء القرآن'' کا مطالعہ نہ کیا ہو تو وہ ضرور مطالعہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے نور معرفت عطا فرمائے گا۔

حساب دان حضرات ان چیزوں کو مدنظر رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ برس ہے۔ آپ کا وصال بارہ ربیع الاول میں ہوا' بلکہ بزرگانِ دین دو ربیع الاول کی روایت پر زیادہ عمل کرتے ہیں۔ حجۃ الوداع آپ کے وصال سے تین ماہ قبل ہوا۔ اس حجۃ الوداع سے تینتیس سال پہلے حج اپنی خاص تاریخوں پر آیا تھا۔ بہرحال جمہور علمائے کرام کا اجماع اسی پر ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہی ہے۔ بارہ پر اعتراض کرنے والے نو ربیع الاول کو ہی خوشی کا اظہار کر دیں تو ہمیں ان پر کیا اعتراض ہے لیکن انکے گھر تو اس دن بھی صف ماتم ہی بچھی رہتی ہے۔

اعتراض کی دوسری صورت یہ تھی کہ ایک تاریخ کو ہی اگر پیدائش بھی ہو اور وصال بھی ہو تو غم کیوں نہیں کیا جاتا صرف خوشی کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی ولادت ہمارے لئے عظیم نعمت ہے اور آپ کی وفات عظیم مصیبت ہے لیکن شریعت نے نعمتوں کے شکر کا اظہار کرنے کا حکم دیا اور مصیبتوں کے وقت صبر وسکون اور ان کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ شریعت نے بچے کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنے کے لئے عقیقہ کا حکم دیا لیکن وفات پر جانوروں کے ذبح کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اور ایسے کاموں کا حکم ہے جو خوشی کے موقع پر کئے جاتے ہیں بلکہ نوحہ سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ بے صبری کی علامت ہے۔''

''فَدَلَّتْ قَوَاعِدُ الشَّرِيْعَةِ عَلٰى اَنَّهُ يُحْسِنُ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ اِظْهَارُ الْفَرَحِ بِوِلَادَتِهٖ ﷺ دُوْنَ اِظْهَارِ الْحُزْنِ فِيْهِ بِوَفَاتِهٖ''

''قوانینِ شریعت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کی وجہ سے اس مہینہ میں خوشی کا اظہار کرنا اچھا ہے لیکن آپ کی وفات کا اظہار کرنا اچھا نہیں ہے۔''

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''السلطائف'' میں رافضیوں کے یوم عاشوراہ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ماتم کرنے پر مذمت کرتے ہوئے بیان کیا:

''لَمْ يَأْمُرِ اللّٰهُ وَلَا رَسُوْلُهٗ بِاتِّخَاذِ اَيَّامِ مَصَائِبِ الْاَنْبِيَاءِ وَمَوْتِهِمْ مَاتَمًا فَكَيْفَ مِمَّنْ هُوَ دُوْنَهُمْ''

(الحاوی للفتاوی' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ' ج 1' ص 193)

''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیائے کرام پر مصائب کے دنوں اور ان کے وصال کے دنوں کو ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا تو ان سے کم درجہ والوں پر ماتم کیوں کر کیا جائے۔''

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ برزخ میں دنیا کی زندگی سے اعلیٰ زندگی گزار رہے ہیں۔ جب

آپ زندہ ہیں تو غم کرنے کا مقصد ہی کیا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَخْرَجَ اَبُوْ يَعْلٰى فِيْ مُسْنَدِهٖ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ"●

"مسند ابی یعلی اور بیہقی میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، وہ نماز ادا کرتے ہیں۔"

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی کئی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فَحَصَلَ مِنْ مَجْمُوْعِ هٰذِهِ النُّقُوْلِ وَالْاَحَادِيْثِ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم حَيٌّ بِجَسَدِهٖ وَرُوْحِهٖ وَاَنَّهٗ يَتَصَرَّفُ وَيَسِيْرُ حَيْثُ شَاءَ فِيْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَفِي الْمَلَكُوْتِ وَهُوَ بِهَيْئَتِهِ الَّتِيْ كَانَ عَلَيْهَا قَبْلَ وَفَاتِهٖ لَمْ يَتَبَدَّلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَاَنَّهٗ مُغَيَّبٌ عَنِ الْاَبْصَارِ كَمَا غُيِّبَتِ الْمَلَائِكَةُ مَعَ كَوْنِهِمْ اَحْيَاءً بِاَجْسَادِهِمْ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ رَفْعَ الْحِجَابِ عَمَّنْ اَرَادَ كَرَامَةً بِرُؤْيَتِهٖ رَاٰهُ عَلٰى هَيْئَتِهِ الَّتِيْ هُوَ عَلَيْهَا لَا مَانِعَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا دَاعِيَ اِلَى التَّخْصِيْصِ بِرُؤْيَةِ الْمِثَالِ"●

"ان تمام روایات و احادیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روح و جسم کے ساتھ زندہ ہیں، زمین کے اطراف اور ملکوت میں جہاں چاہیں سیر کریں اور تصرف کریں آپ کو وصال سے پہلے جو ہیئت حاصل تھی، وہی اب بھی حاصل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ صرف آپ نظروں سے غائب ہوئے ہیں جیسے فرشتے نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو آپ کے دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے، آپ سے حجاب اٹھا دیتا ہے۔ وہ آپ کو اسی حال میں دیکھتا ہے جیسے آپ ظاہری حیات میں تھے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے جسم کو کئی مثالیں عطا کر دیتا ہے اور آدمی آپ کی مثالوں کو دیکھتا ہے بلکہ آپ کو ظاہری طور پر دیکھا جاتا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف:

آپ کا نسب مواہب لدنیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَیّ بن کلاب (بکسر کاف) بن مُرّہ (بضم میم وتشدید راء) بن کعب (فتح کاف وسکون عین) بن لُؤی (بضم لام وفتح همزہ وتشدید یاء) بن غالب بن فہر (بکسر فاء وسکون هاء) بن مالک بن نضر (فتح نون وسکون ضاد) بن کنانہ (بکسر کاف دونوں کے ساتھ) بن خزیمہ (بخاء معجمہ وزاء مصغر) بن

● الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج 2، ص 264 مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

● الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج 2، ص 265 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

مدرکہ (بضم میم وسکون دال وکسر راء) بن الیاس (بکسر ہمزہ ایک قول کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق بفتح ہمزہ بمعنی یاس جو رجاء (امید) کی ضد ہے اور ہمزہ وصل کے لئے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے) بن مضر (بضم میم وفتح ضاد) بن نزار (بکسر نون وبزاء) بن مع (بضم میم وفتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم وسکون عین اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین وسکون دال)۔

یہاں تک سلسلہ نسب میں ارباب سیر اور اصحاب علم انساب سب کا اتفاق ہے اس سے اوپر میں کچھ اختلاف ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ حضور ﷺ ولادِ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد ہیں۔ (1)

والدہ کا نسب:

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہے۔ ان کا نسب بھی پانچویں درجہ پر آپ کے والد گرامی کے نسب سے مل جاتا ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

خیال رہے کہ آپ کی والدہ کا اپنی والدہ کی جانب سے بھی نسب آپ کے والد کے نسب سے مل جاتا ہے۔

''آمنہ بنت برۃ (حضور ﷺ کی نانی) بنت عبد العزی بن عثمان عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔''

آپ کی والدہ کی نانی کا نسب بھی آپ کے والد کے نسب سے ملتا ہے۔ حضور ﷺ کی نانی برہ کی والدہ ام حبیب کا نسب یہ ہے:

''ام حبیب بنت اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔''

حضور ﷺ کی نانی کا نام برہ اور برہ کی نانی کا نام بھی برہ تھا۔ آمنہ بنت برہ بنت ام حبیب بنت برہ۔ ام حبیب کی والدہ برہ کا نسب بھی حضور ﷺ کے والد کے نسب سے ملتا ہے وہ اس طرح ہے:

برہ بنت عوف بن عبد عویج بن کعب بن لوی بن غالب وغیرہ یعنی نبی کریم ﷺ کا نسب والد اور والدہ دونوں جانب سے بہتر تھا اور عزت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔ (2)

حضور ﷺ اکلوتے تھے:

آپ کے کوئی بھائی بہن نہیں تھے بلکہ اپنے والدین کریمین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ نہ ہی آپ کے باپ حضرت عبد

(1) مدارج النبوۃ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج 2، (2) تاریخ ابن ہشام

اللہ کی کوئی اور اولاد تھی اور نہ ہی آپ کی والدہ حضرت آمنہ کی کوئی اور اولاد تھی یعنی ان دونوں کا یہ ایک ہی نکاح تھا۔ حضرت عبداللہ نے بھی کوئی اور شادی نہیں کی اور حضرت آمنہ نے بھی۔

آپ ﷺ کے والدین کی ایک جگہ قبریں:

آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ آپ کے پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ حضرت عبداللہ بسلسلۂ تجارت مدینہ طیبہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں ہی راستہ میں بیمار ہو گئے اور بنی نجار کے پاس ٹھہر گئے اور آپ کی وہاں ہی وفات ہو گئی اور مقام ابواء میں مدفون ہوئے۔ ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ❶

جب نبی کریم ﷺ کی عمر چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر بنی عدی بن النجار کے قبیلہ میں آئیں۔ غرض یہ تھی کہ آپ کی ملاقات آپ کے ماموؤں سے کرائیں تو وہاں سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں انتقال فرما گئیں۔

اسی طرح ایک مشہور قول کے مطابق آپ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ دونوں مقام ابواء میں مدفون ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ مدینہ طیبہ میں مقام نابغہ میں مدفون ہوئے (واللہ اعلم بالصواب) لیکن غالب خیال کچھ ایسے آتا ہے کہ کئی سال پہلے اخبار میں ذکر تھا کہ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی کا جسم اطہر مقام ابواء میں صحیح سلامت ہے، کسی کھدائی کے دوران یہ پتہ چلا۔

خیال رہے کہ ابن ہشام نے کہا: عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ سلمٰی بنت عمرو نجار قبیلہ سے تھیں، اس لئے اصل میں بنی نجار حضرت عبداللہ کے ننھیال تھے اور نبی کریم ﷺ کے ننھیال بھی کہہ دیئے جاتے ہیں ورنہ حضرت آمنہ نجاریہ نہیں تھیں۔ ❷

حضور ﷺ کے چچا:

آپ کے بارہ چچا تھے اور تیرہویں ان کے بھائی۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ تھے، حضرت عبدالمطلب کے تیرہ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

> ''عبداللہ (حضور ﷺ کے والد گرامی)، حارث، ابو طالب ان کا نام عبد مناف، زبیر اس کی کنیت ابوالحارث، حمزہ ان کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ، ابولہب اس کا نام عبدالعزیٰ، غیداق، مقوم، ضرار، عباس، قثم عبدالکعبہ، حجل اس کا نام مغیرہ۔''

---

❶ مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2، ص 22 ❷ تاریخ ابن ہشام، علامہ ابن ہشام، ج 1، ص 189

صرف دو چچا نے اسلام کو قبول کیا:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ''ابوعمارہ'' اور ''ابویعلی'' ہے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خَیْرُ اَعْمَامِیْ حَمْزَۃُ'' میرے چچاؤں میں سے بہتر حمزہ ہیں۔ بدر میں بھی شریک تھے اور احد میں بھی۔ احد میں ہی وحشی نے آپ کو شہید کر دیا تھا آپ کی عمر انسٹھ سال تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوالفضل'' تھی۔ آپ نبی کریم ﷺ سے صرف دو یا تین سال بڑے تھے۔ قریش کے رئیس شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے اسلام لانے کے بعد نبی کریم ﷺ ان کی بہت تعظیم فرماتے تھے آپ کا ارشاد گرامی ہے: ''اَلْعَبَّاسُ عَمِّیْ وَصِنْوُاَبِیْ مَنْ اَذَاہُ اَذَانِیْ'' عباس میرے چچا ہیں' میری باپ کی مثل ہیں جس نے انہیں تکلیف پہنچائی' اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

تینتیس ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران اٹھاسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔ بقیع میں دفن ہوئے حضور ﷺ کے سب سے چھوٹے چچا یہی تھے' سب سے بڑا حارث تھا۔ (انوار محمدیہ' ص 159)

نبی کریم ﷺ کی پھوپھیاں:

آپ کی چھ پھوپھیاں تھیں: عاتکہ' امیمہ' بیضاء انکی کنیت ام حکیم' برہ' صفیہ' اروی۔ صفیہ جو زبیر کی والدہ ہیں' ان کا اسلام لانا بالاتفاق ثابت ہے۔ یہ غزوہ خندق میں شریک تھیں' انہوں نے ایک یہودی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ بیس ہجری میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تہتر سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ عاتکہ اور اروی کے اسلام میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک انہوں نے اسلام قبول کیا۔

نبی کریم ﷺ کی دادیاں:

حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمر و مخزومیہ اور حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمی بنت عمرہ نجاریہ' حضرت ہاشم کی والدہ عاتکہ بنت مرہ سلمیہ' عبد مناف کی والدہ عاتکہ بنت فالج سلیمیہ' قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد ازدیہ' کلاب کی والدہ نعم بنت سریر کنانیہ' مرہ کی والدہ وخشیہ بنت شیبان فہمیہ' کعب کی والدہ سلمی بنت محارب فہمیہ' لوی کی والدہ وخشیہ بنت مدلج کنانیہ' غالب کی والدہ سلمی بنت سعد ہزلیہ' فہر کی والدہ جندلہ بنت حارث جرہمیہ' مالک کی والدہ ہند بنت عدوان قیسیہ' نضر کی والدہ برہ بنت مرہ مریہ۔

نبی کریم ﷺ کی نانیاں:

آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب زہریہ رضی اللہ عنہا' آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ بنت عبد العزی رضی اللہ عنہا' حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے باپ وہب کی والدہ عاتکہ بنت اوقص سلمیہ رضی اللہ عنہا' حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ ام حبیبہ یا ام حبیب بنت اسدام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ بنت عوف رضی اللہ عنہا۔ یہ تینوں قریشیہ ہیں' اس برہ یعنی ام حبیب کی والدہ کی والدہ قلابہ بنت الحارث ہزلیہ قلابہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت یربوع ثقفیہ رضی اللہ عنہا۔ (انوار محمدیہ' ص 161)

رضاعی والدہ:

آپ کو حضرت حلیمہ بنت ابی ذؤیب سعدیہ ہوازنیہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا اور جب رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت ختم ہوئی تو آپ کو واپس اپنی والدہ کے پاس لایا گیا۔ حنین کے دن جب یہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں:

"فَقَامَ اِلَیْھَا وَبَسَطَ رِدَاءَہٗ لَھَا فَجَلَسَتْ عَلَیْہِ" "تو آپ ان کے لئے کھڑے ہوگئے' اور اپنی چادر بچھادی جس پر یہ بیٹھی۔"

"ثویبہ" (ثاء پر پیش' واؤ پر زبر) {جو ابولہب کی غلامہ تھیں} نے بھی آپ کو دودھ پلایا۔ یہ وہی ثویبہ ہے جس نے ابولہب کو اشارہ سے جا کر بتایا کہ تمہارے بھائی عبد اللہ کا بیٹا پیدا ہوا ہے' تو اس نے خوشی سے اپنی انگلی سے اشارہ کیا: جا! تو آزاد ہے اور میرے بھتیجے کو دودھ پلا۔ ابولہب کو موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ اس کا حال پوچھا گیا تو اس نے کہا: سخت عذاب میں مبتلا ہوں' البتہ پیر کے دن عذاب سے راحت ہوتی ہے کہ محمد ﷺ کی پیدائش پر ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

سبحان اللہ! کافر کو عذاب سے تخفیف حاصل ہو جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت پر صرف بھتیجا سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا ہو تو یقیناً مسلمان کو بلند مقام حاصل ہوگا جس نے محمد ﷺ کو نبی مان کر سید الکائنات افضل الانبیاء سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ سے بھی ثویبہ کی طرف کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ ❶

پرورش کرنے والی:

ام ایمن نے حضور ﷺ کی پرورش کی آپ فرمایا کرتے تھے "ام ایمن امی بعد امی" میری ماں کے بعد میری ماں ام ایمن ہے شیماء بنت حلیمہ سعدیہ نے بھی اپنی ماں کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ کی پرورش کی۔

آپ کے رضاعی بہن' بھائی:

❶ انوار محمدیہ' ص 163............الحاوی للفتاوی' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ' ج 1' ص 191

حضرت حمزہ (جو آپ کے چچا ہیں) اور ابوسلمہ بن عبدالاسد حضور ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں۔ان کو بھی ثویبہ نے دودھ پلایا ہے ان دونوں کو اور حضور ﷺ کو اس نے اپنے بیٹے مسروح کے ساتھ دودھ پلایا ہے۔ابوسفیان حارث بن عبد المطلب جو آپ کے چچازاد بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی کیونکہ ان کو بھی حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا ہے۔

عبداللہ بھی آپ کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ یہ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے ہیں۔آسیہ اور خدافہ آپ کی رضاعی بہنیں ہیں کیونکہ یہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹیاں ہیں۔

خیال رہے کہ خدافہ کا مشہور اور عرفی نام ''شیماء'' تھا۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے لشکر نے بنی ہوازان پر حملہ کیا تو قیدیوں میں یہ شیماء بھی آگئیں۔انہوں نے صحابہ کرام کو بتایا کہ میں تمہارے نبی کریم ﷺ کی (رضاعی) بہن ہوں' صحابہ کرام ان کو آپ کے پاس لائے تو انہوں نے کہا: ''یَا مُحَمَّدُ اَنَا اُخْتُكَ'' اے محمد (ﷺ)! میں تمہاری بہن ہوں۔حضور ﷺ نے انہیں مرحبا کہا اور ان کیلئے چادر بچھائی اور انہیں چادر کے اوپر بٹھایا۔حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔آپ نے فرمایا: اگر تم میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو تمہیں عزت و تکریم سے رکھا جائے گا اور اگر تم اپنی قوم کی طرف واپس لوٹنا چاہتی ہو تو تمہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔انہوں نے کہا: میں اپنی قوم کے پاس لوٹنا چاہتی ہوں۔انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کیا ان کو حضور ﷺ نے ہدایا عطا فرما کر عزت و تکریم سے ان کی قوم کی طرف واپس لوٹا دیا۔ (انوار محمدیہ' ص 162)

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی۔حضور ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا۔اعلانِ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزارے اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات:

حضرت خدیجہ الکبریٰ بنت خویلد' عائشہ بنت ابی بکر' حفصہ بنت عمر فاروق' ام حبیبہ بنت ابی سفیان (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن) ام سلمہ بنت ابی امیہ' اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن یہ چھ ازواج مطہرات تمام قریشیہ ہیں۔

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو اسد بن خزیمہ کے قبیلہ سے تھیں' میمونہ بنت الحارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا' زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا جن کا لقب ام المساکین تھا۔جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہا یہ تمام عربیہ ہیں اور ایک زوجہ مطہرہ غیر عربیہ ہیں جو بنی نضیر کے سردار حیی کی بیٹی ہیں' یہ قبیلہ بنی اسرائیل سے ہیں جن کا نام صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہے۔

ان تمام ازواج مطہرات سے دو کا وصال آپ کی ظاہری حیات میں ہو گیا تھا۔ایک خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور دوسری

زینب رضی اللہ عنہا جن کا لقب ام المساکین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت نو ازواج مطہرات ظاہری حیات میں موجود تھیں۔ ازواج مطہرات کے مختصر حالات میں نے اپنی کتاب "**اسلام میں عورت کا مقام**" میں تحریر کئے ہیں' وہاں دیکھے جائیں۔ یا "مدارج النبوۃ" میں دیکھے جائیں' جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ مطہرہ:

آپ کی چار بیٹیاں ہیں: زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ میں نے اپنی کتاب "**اسلام میں عورت کا مقام**" چار بیٹیوں کا ثبوت شیعہ کی کتب سے پیش کیا ہے اور تمام کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

آپ کے تین بیٹے تھے: قاسم' ابراہیم اور عبداللہ۔ خیال رہے کہ طیب' مطیب' طاہر اور مطہر انہی کے القاب تھے۔ یہ کوئی علیحدہ بیٹے نہیں تھے۔ قاسم کی ولادت اعلانِ نبوت سے پہلے ہے۔ یہ کوئی دو سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ فوت ہو گئے اور ان کے نام سے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی بڑی بیٹی ہیں۔ ان کی ولادت جب ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف تیس سال تھی۔ ان کا نکاح ان کی خالہ کے بیٹے "ابوالعاص لقیط بن ربیع" سے ہوا' انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت کے آٹھویں سال ہوئی۔ ان کا ایک بیٹا تھا' جس کا نام علی تھا' وہ بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ یہ بچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک اونٹنی پر سوار تھا اس سے گر کر فوت ہو گیا۔ ان کی ایک بیٹی تھی' جس کا نام "امامہ" تھا۔ یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جب ولادت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت تینتیس سال تھی۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں یعنی پہلے حبشہ اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے تو ان کا وصال ہو گیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تمہاری بہتر راہنمائی نہ کروں؟ یعنی تم اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح میرے ساتھ کر لو اور میں اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا ہوں۔

اس طرح حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور ام کلثوم بنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آ گئیں۔ ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا اور وفات ۹ھ میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے اور شدت غم کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس تھی۔ آپ کا لقب "بتول" ہے۔ ان کا نکاح اللہ کی طرف سے بذریعۂ وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تین بیٹے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن رضی اللہ عنہم ہوئے۔ محسن بچپن میں فوت ہو گئے۔ آپ کی دو بیٹیاں تھیں: زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما۔ نبی کریم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی چل رہا ہے یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں سے سلسلہ اولاد قائم ہے کیونکہ باقی کسی بیٹی کی اولاد کا سلسلہ آگے نہیں چل سکا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذکر ہو چکا ہے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی یا بعض روایات کے مطابق دو بچے پیدا ہوئے لیکن بچپن میں فوت ہو گئے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ایک حمل ساقط ہو گیا تھا اور ایک بچہ پیدا ہوا لیکن وہ بھی دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ [1]

حضرت عبداللہ ابن النبی ﷺ بچپن میں مکہ میں ہی فوت ہو گئے ان کی پیدائش اعلان نبوت سے پہلے ہوئی یا بعد میں اس میں مختلف اقوال ہیں ان کے ہی طیب و طاہر لقب ہیں۔

تنبیہ: حضور ﷺ کی یہ تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہے کسی اور زوجۂ مطہرہ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ البتہ حضرت ابراہیم ابن النبی ﷺ آپ کی غلامہ (لونڈی) ماریہ قبطیہ سے ہیں۔ ان کی پیدائش ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے ساتویں دن حضور ﷺ نے دو دنبے بطور عقیقہ ذبح فرمائے۔ ابو ہند نے آپ رضی اللہ عنہ کے بال تراشے۔ حضور ﷺ نے اسی دن آپ کا نام اپنے دادا کے نام پر "ابراہیم" رکھا اور بالوں کی مقدار چاندی صدقہ کی، بال زمین میں دفن کر دیے۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں ایک لوہار کی زوجہ کے زیر پرورش تھے۔ حضور ﷺ اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے جاتے تھے ساتھ بعض صحابہ کرام بھی موجود ہوتے۔ آپ بچے سے پیار و محبت کر کے واپس آ جاتے۔ ستر یا اسی سے کچھ زائد دن زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گئے۔ بقیع میں دفن ہوئے، ان کی قبر پر پانی چھڑکا گیا اور ایک پتھر بطور نشان لگایا گیا۔ آپ کی وفات پر حضور ﷺ فرما رہے تھے:

"اِنَّا بِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْكِي الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ" "اے ابراہیم! ہم تمہاری موت پر غمزدہ ہیں، آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمناک ہے۔"

(انوار محمدیہ، ص 147)

---

[1] انوار محمدیہ، ص 145 .... مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2، ص 786

محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ...... (سورۃ البقرہ 3:1)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رازی ؒ فرماتے ہیں: کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ بعض انبیاء بعض پر افضل ہیں اور محمد ﷺ تمام پر افضل ہیں۔ آپ کی افضلیت کئی وجوہ سے ثابت ہے:

①: اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الانبیاء 17:7)

''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔''

"فَلَمَّا كَانَ رَحْمَةً لِّكُلِّ الْعَالَمِيْنَ لَزِمَ اَنْ يَّكُوْنَ اَفْضَلَ مِنْ كُلِّ الْعَالَمِيْنَ"

''جب آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو یقینی طور پر آپ تمام جہانوں سے افضل ہیں۔''

یعنی آپ افضل المخلوقات ہیں ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر: خدا کے بعد آپ کا ہی مقام بلند و بالا ہے' مختصر یہی بات ہے۔

②: رب تعالیٰ نے فرمایا: {وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ} ''اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا'' مالک الملک نے اپنے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذکر کو متصل کیا کلمہ شہادت میں اذان میں اور تشہد وغیرہ میں: "وَلَمْ يَكُنْ ذِكْرُ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ كَذَالِكَ" ''اور باقی تمام انبیائے کرام کا ذکر اس طرح نہیں لہذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں۔

③: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ...... (سورۃ النساء 5) ''جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔''

آپ ﷺ کی بیعت کو رب تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ...... (سورۃ الفتح 26:9)

''بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں' وہ تو اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے۔''

اور آپ ﷺ کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کے ساتھ ذکر فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ...... (سورۃ المنافقون 28:13)

''اور عزت تو اللہ تعالیٰ' اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے۔''

اور آپ کی رضا کو رب قدوس نے اپنی رضا کے ساتھ ذکر فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ...... (سورۃ التوبہ 14:10) "اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زائد ہے کہ انہیں راضی کریں۔"

رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کو اپنے بلانے پر حاضر ہونے کے ساتھ ذکر فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ...... (سورۃ الانفال 17:9) "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔"

یہ عظمت صرف نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔

۴: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سورت سے چیلنج کریں' کون شخص ہے جو قرآن کی سورت جیسی سورت بنا کر لائے { فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ } تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ۔ سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے جس میں تین آیتیں ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہر تین آیتوں سے چیلنج کیا لیکن وہ لوگ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو جب قرآن پاک میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں تو ہر تین تین آیتیں جب معجزہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی دو ہزار بائیس معجزات پر مشتمل ہے۔ باقی معجزات علیحدہ ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو معجزات عطا کئے ہیں تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو کثیر معجزات کی وجہ سے تمام انبیائے کرام پر افضلیت حاصل ہے۔

۵: نبی کریم ﷺ کا معجزہ یعنی قرآن پاک تمام انبیائے کرام کے معجزات سے افضل ہے۔ لہٰذا ہمارے رسول پاک کا تمام انبیائے کرام سے افضل ہونا بھی ثابت ہے چونکہ قرآن پاک کو تمام کلاموں میں اولیت حاصل ہے جیسے آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر اولیت حاصل ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ لباس اعلیٰ ہو تو لباس والے کو شان حاصل ہوتی ہے تو ایسا کیوں نہ ہو کہ معجزہ اعلیٰ ہو تو صاحب معجزہ بھی اعلیٰ ہو۔

۶: باقی تمام انبیائے کرام کے معجزات فانی تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن حضور ﷺ کا معجزہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ یقینی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز اعلیٰ ہے فنا ہونے والی چیز سے۔ لہٰذا جس کو وہ معجزہ ملا جو باقی رہنے والا ہے تو اس ذات کو بھی بلند مرتبہ ماننا ضروری ہے۔

۷: تمام انبیائے کرام کو جو کمالات انفرادی طور پر حاصل تھے' وہ تمام کے تمام نبی کریم ﷺ کو حاصل تھے۔ اسلئے آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں' اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ "یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تو تم ان کی راہ پر چلو۔"

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو پہلے انبیائے کرام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مطلب کیا

ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ پہلے انبیائے کرام کی اصل دین میں اقتداء کریں تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ تقلید ہے اور اصول دین میں تقلید نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو پہلے انبیائے کرام کی فروع دین میں اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے تو اقتداء کا اور کوئی مطلب نہیں سوائے اس کے "فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ مَحَاسِنَ الْاَخْلَاقِ" کہ اس سے مراد اچھے اخلاق اور کمالات ہوں۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا: ہم آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال و عادات پر مطلع کرتے ہیں آپ ان کے اچھے اور احسن اخلاق و عادات کو اپنے لئے پسند فرمالیں اور کی ان عادات میں اقتداء کریں:

" وَهٰذَا يَقْتَضِىْ اَنَّهٗ اِجْتَمَعَ فِيْهِ مِنَ الْخِصَالِ الْمَرْضِيَّةِ مَا كَانَ مُتَفَرِّقًا فِيْهِمْ فَوَجَبَ اَنْ يَّكُوْنَ اَفْضَلَ مِنْهُمْ "

"اس بحث سے واضح ہوا کہ تمام اچھی عادات جو تمام انبیائے کرام کو متفرق طور پر حاصل تھیں وہ آپ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوئیں لہذا آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔"

﴿۸﴾: نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۲۸﴾ (سورۃ سبا 9:22)

"اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر۔"

جتنے زیادہ امتی ہوں اتنی ہی نبی پر مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ نیکیوں کے کاموں میں جتنی مشقت زیادہ برداشت کی جائے اسی قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اور خصوصاً انسان کو مال حاصل نہ ہو دوست یا مددگار نہ ہوں پھر تمام لوگوں کو کہے: {يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ} اے کافرو! یہ سن کر لوگ دشمن بن جائیں تو یہ کتنا ہی خوف کا مقام ہے۔ بہت بڑی مشقت کا ذریعہ ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا کر کے بھیجا گیا تو آپ کے دشمن صرف فرعون اور فرعون کی قوم کے لوگ تھے۔ بنی اسرائیل آپ کا ساتھ دینے والے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کے تمام لوگ ابتدائی طور پر مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر فضیلت دی۔

اور خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ساری عمر رات دن کے طویل اوقات میں انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور خصوصاً ایسے حالات میں ان کی عادت کے مطابق حالات بالکل واضح تھے کہ یہ تو آپ سے دشمنی کریں گے آپ کو تکالیف پہنچائیں گے معاذ اللہ! آپ کو حقیر سمجھیں گے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوئی تاخیر نہیں کی بلکہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے احکام آپ نے پہنچائے اور عظیم مشقتیں آپ نے برداشت کیں۔ عظیم مشقت برداشت کرنا افضلیت کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی بعد والوں سے

فضیلت بیان کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے تکالیف برداشت کیں اس وجہ سے وہ افضل ہیں ارشاد باری ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ...... "تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا۔"
(سورۃ الحدید 16:27)

صحابہ کرام جنہوں نے زیادہ مشقتیں برداشت کیں جب وہ دوسروں سے زیادہ افضل ہیں تو یقیناً وہ نبی جنہوں نے سب انبیائے کرام سے زیادہ تکالیف اٹھائیں سب انبیائے کرام سے زیادہ فضیلت کے مالک ہیں۔

(9): نبی کریم ﷺ کا دین تمام دینوں سے افضل ہے تو آپ کا سب انبیاء سے افضل ہونا بھی ضروری ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دوسرے تمام دینوں کے لئے منسوخ کرنے والا بنایا تو یہ بات ظاہر ہے کہ جو دین دوسرے دینوں کو منسوخ کردے وہ افضل دین ہے اور آپ کے دین کی افضلیت آپ کے اس قول سے بھی ثابت ہے:

"مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ" "جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس ایجاد پر اجر حاصل ہوگا اور قیامت تک جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اعمال کے مطابق اجر بھی اسے ملے گا۔"

جب آپ کے دین میں اجر و ثواب زیادہ ہے اور خصوصاً "کَانَ وَاضِعُہٗ اَکْثَرَ ثَوَابًامِنْ وَاضِعِیْ سَائِرِ الْاَدْیَانِ" آپ کے دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے جو دوسرے دینوں میں اس طرح نہیں "فَیَلْزَمُ اَنْ یَّکُوْنَ مُحَمَّدٌ ﷺ اَفْضَلَ مِنْ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ" تو اس سے ضروری ہی ہو گیا کہ محمد ﷺ کو تمام انبیائے کرام پر فضیلت حاصل ہو۔

(10): نبی کریم ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے تو یقیناً آپ کو بھی سب انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے۔ آپ کی امت کی شان کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ...... "تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔"

آپ کی امت کو بہتری اور فضیلت کیوں حاصل ہے؟ اسلئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں اور آپ کی تابعداری کی وجہ سے ہی دوسری امتوں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ...... "اے محبوب! تم فرماؤ کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔"
(سورۃ البقرہ 12:3)

جب آپ کی امت کو آپ کی تابعداری کی وجہ سے افضلیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی حاصل ہو گئی تو آپ کی ذات کا بھی سب انبیائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔ نیز نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے نبی بن کر تشریف

لائے تو آپ کو اجر وثواب زیادہ حاصل ہوا۔ انسان کے مدارج کی بلندی اجر وثواب کی زیادتی پر ہے کیونکہ جتنے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ ہوں گے اسی قدر آپ کے مراتب بلند ہوں گے یہ شان دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔

فائدہ:

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً" (1)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے قیامت کے دن میرے نزدیک وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔"

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَوْلَی النَّاسِ اَیْ اَقْرَبُھُمْ بِیْ اَوْاَحَقُّھُمْ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً لِاَنَّ کَثْرَۃَ الصَّلٰوۃِ مُنْبِئَۃٌ عَنِ التَّعْظِیْمِ الْمُقْتَضِیْ لِلْمُتَابَعَۃِ النَّاشِئَۃِ عَنِ الْمَحَبَّۃِ الْکَامِلَۃِ الْمُرَتَّبَۃِ عَلَیْھَا مَحَبَّۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ تَعَالٰی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ" (2)

"اولیٰ کا معنی ہے "اقرب" ایک تو اس کا ظاہری معنی ہے کہ آپ پر زیادہ درود پڑھنے والے کو بنسبت دوسرے لوگوں کے جنت میں قریب مقام حاصل ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ شخص میری خصوصی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا۔ نبی کریم ﷺ پر زیادہ درود پاک وہی شخص پڑھے گا جس کے دل میں آپ کی تعظیم پائی جائے گی اور جس شخص کو آپ کی عظمت کا خیال ہوگا وہ آپ کی تابعداری بھی کرے گا۔ آپ کی تابعداری وہی شخص کامل طور پر کرتا ہے جسے محبت کاملہ حاصل ہوتی ہے' جسے نبی کریم ﷺ سے کامل محبت حاصل ہوتی ہے' وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب ﷺ! آپ فرما دیں کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔"

سبحان اللہ! نتیجہ کتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر رب تعالیٰ سے محبت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی رب تعالیٰ کو اس سے محبت ہوگی۔ صرف محبت کا دعویٰ کافی نہیں۔ اگر تو نے اپنی عاقبت سنوارنی ہے تو آ! سید الانبیاء ﷺ کا غلام بن جا۔ تو یہ بھی کہتا رہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب نہیں تھا' وہ دیوار کے پیچھے کا علم نہیں رکھتے تھے' ان کا مرتبہ ہمارے بڑے بھائی جیسا تھا' وہ کسی اختیار کے مالک نہیں تھے' وہ تو ہم جیسے بشر تھے۔ اس قسم کے لغویات بیہودہ زبان سے نکالتا رہے اور پھر یہ بھی کہے کہ: "ہمیں بھی نبی کریم ﷺ سے محبت ہے" تیری اس بات پر کون اعتبار کرے؟

(1) ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح' باب صلوٰۃ علی النبی وفضلہا' ج 1' ص 86
(2) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 340

آج لے ان کے پناہ آج مدد مانگ ان سے — کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

(11) نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ جب آپ کے ذریعے سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا یعنی آپ کی آمد سے انبیائے کرام کی تشریف آوری منسوخ ہو گئی تو یقینی بات ہے کہ وہ دوسروں کی آمد کا ناسخ بن سکتا ہے جو سب سے افضل ہو۔ یہ عقل کے خلاف ہے کہ کم مرتبہ والا اعلیٰ کی آمد کو منسوخ کر دے۔

(12) بعض انبیائے کرام کو بعض پر معجزات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ کثرتِ معجزات ان کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ کو تمام انبیائے کرام سے زیادہ معجزات حاصل ہیں' تو آپ کو فضیلت بھی سب پر زیادہ حاصل ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کا بظاہر ایک معجزہ قرآن پاک ہی تین ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے۔

"وَمِنْهَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْقُدْرَةِ" پھر بعض معجزات آپ کو وہ حاصل ہیں جو آپ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں جیسے تھوڑے طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کر دیا اور تھوڑے پانی سے کثیر لوگوں کو سیراب کر دیا۔

"وَمِنْهَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْعُلُوْمِ كَالْأَخْبَارِ عَنِ الْغُيُوْبِ" "اور بعض معجزات آپ کے علوم سے متعلق ہیں جیسے کہ غیبی خبریں۔"

کاش! کہ جاہل لوگوں کو بھی یہ سمجھ آ جاتا کہ غیبی خبریں دینا حضور ﷺ کا معجزہ ہے آپ کے معجزات کا انکار تو کافر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

"مِنْهَا اِخْتِصَاصُهٗ فِیْ ذَاتِهٖ بِالْفَضَائِلِ" آپ کے بعض معجزات وہ ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں تمام اشراف عرب سے آپ اعلیٰ حسب و نسب کے مالک ہیں شجاعت اخلاق کریمہ بردباری وعدہ کی وفاء فصاحت و بلاغت اور سخاوت ان تمام اوصاف میں نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔

(13) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "آدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" "آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر افضلیت حاصل ہے۔

حضور ﷺ نے اور ارشاد فرمایا:

"اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ" "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔"

نبی کریم ﷺ کا اور ارشاد گرامی ہے:

"لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ مِنَ النَّبِیِّیْنَ حَتّٰی اَدْخُلَهَا اَنَا وَلَا یَدْخُلُهَا اَحَدٌ مِنَ الْاُمَمِ حَتّٰی تَدْخُلَهَا اُمَّتِیْ" انبیائے کرام میں سے کوئی ایک بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک میں نہیں داخل ہوں گا اور تمام امتوں

میں سے کوئی ایک بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک میری امت داخل نہیں ہوگی۔

(14) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا يَئِسُوْا لِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ آدَمَ عَلٰى رَبِّيْ وَلَا فَخْرَ"

''جب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا' سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ جب سب لوگ آئیں گے تو میں ہی ان سے خطاب کروں گا جب لوگ ناامید ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دوں گا' لواء الحمد (خصوصی عظمت والے جھنڈے کا نام) میرے ہاتھ میں ہوگا۔ تمام اولادِ آدم پر رب تعالیٰ کے ہاں میں ہی مکرم ہوں گا' مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ بیٹھ کر تذکرہ کر رہے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کا کلام سنا۔ بعض نے تعجب کرتے ہوئے کہا: ''اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا'' بے شک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اور بعض نے کہا: ''مَاذَا بِاَعْجَبَ مِنْ كَلَامِ مُوْسٰى كَلَّمَهٗ تَكْلِيْمًا'' موسیٰ علیہ السلام کے کلام پر اور زیادہ تعجب ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کلیم بنایا۔ کچھ اور نے کہا: ''فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهٗ'' عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ بعض اور حضرات نے کہا: ''آدَمُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ'' آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔

اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے دلائل سنے۔ بیشک یہ حقیقت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں' موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں' واقعی ایسا ہی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں' یقیناً ایسا ہی ہے۔ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں' ہاں! یہی بات ہے:

"اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَنَا اَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حَلْقَةَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ لِيْ فَاَدْخُلُهَا وَمَعِيَ الْفُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ"

''خبردار! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں' مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن لواء الحمد میں ہی اٹھانے والا ہوں گا' مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت کو قبول کیا جائے گا اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا اور میرے لئے ہی دروازہ کھولا جائے گا' میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے' مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ تمام پہلے اور پچھلے لوگوں سے میں زیادہ مکرم ہوں گا' مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔''

یہ تمام احادیث جن کو ذکر کیا گیا ہے' روز روشن کی طرح نبی کریم ﷺ کی افضیلت پر دلالت کر رہی ہیں۔

(15) بیہقی نے ''فضائل صحابہ'' کی بحث میں ذکر کیا ہے: ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دور سے نظر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھٰذَا سَیِّدُ الْعَرَبِ'' یہ شخص عربیوں کا سردار ہے' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''اَلَسْتَ اَنْتَ سَیِّدُ الْعَرَبِ'' کیا آپ عربیوں کے سردار نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''وَاَنَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ وَھُوَ سَیِّدُ الْعَرَبِ'' میں تو تمام جہانوں کا سردار ہوں' وہ عربیوں کے سردار ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام جہانوں میں انبیائے کرام بھی ہیں لہٰذا آپ کو تمام انبیائے کرام پر سیادت' فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

(16) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے اس طرح بیان کیا کہ ہر امیر کو اپنی رعیت کی مقدار پر مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک بستی کا امیر ہو تو اسے مشقت اس بستی کے رہنے والے لوگوں کی مقدار میں اٹھانی پڑے گی اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ اور اگر ایک شخص تمام روئے زمین کا مشرق و مغرب تک حاکم بنا دیا جائے تو اسے بنسبت ایک بستی یا ایک علاقے کے حاکم کے زیادہ مال اور ذخائر کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس نے بہت ہی زیادہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے اور ان کے انتظامات کرنے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک رسول کو ایک قوم کی طرف بھیجا جائے تو اسے توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر اسی مقدار میں دیئے جاتے ہیں کیونکہ جتنی مقدار رسالت کی ہے' یعنی جتنے امتی ہوں گے' اسی مقدار میں کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی اور اگر کسی رسول کو ایک علاقہ میں رسول بنا کر بھیجا گیا تو اس رسول کو اپنے امتیوں کی تعداد کے مطابق کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی۔ اگر کسی ذات کو تمام اہلِ مغرب و مشرق اور تمام جنوں اور انسانوں کا رسول بنایا گیا ہو تو یقیناً اسے اس کی رسالت کی وسعت کے پیشِ نظر روحانی خزانے یعنی معرفت کے جواہر اور توحید کے خزانے بھی وسیع تر عطا ہوں گے تاکہ ان کی مقدار امت کے مطابق ہو سکے۔

تمام انبیائے کرام کو اتنی وسیع نبوت نہیں عطا کی گئی جتنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی کیونکہ ہر نبی کو کسی قوم یا کسی علاقے کا نبی بنایا گیا لیکن حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا نبی بنایا گیا:

''وَلَمَّا كَانَ كَذٰلِكَ لَا جَرَمَ اُعْطِيَ مِنْ كُنُوْزِ الْحِكْمَةِ وَالْعِلْمِ مَا لَمْ يُعْطَ اَحَدٌ قَبْلَهٗ فَلَا جَرَمَ بَلَغَ فِي الْعِلْمِ اِلَى الْحَدِّ الَّذِيْ لَمْ يَبْلُغْهُ اَحَدٌ مِّنَ الْبَشَرِ''

''جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وسیع تر ہے یقیناً یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو حکمت اور علم کے وہ خزانے عطا کیے گئے جو آپ سے پہلے کسی ایک کو بھی عطا نہیں کیے گئے۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾

''وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔''

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں: حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی۔ یہ وحی بغیر واسطہ (شب معراج یا عام اوقات میں بذریعہ القاء) کے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔ ان اسرار پر کسی اور کو اطلاع نہیں' اللہ تعالیٰ نے یہ راز تمام مخلوق سے مخفی رکھے' کسی کو نہیں بتایا کہ وہ وحی کیا تھی کیونکہ یہ محب اور محبوب کے راز تھے محب اور محبوب اپنے درمیان مخفی رازوں کو دوسروں پر مطلع نہیں کرتے۔ صرف اسی ایک مقام پر یہ شعر سچا آتا ہے:

میان طالب ومطلوب رمزیست کراماً کاتبین راہم خبر نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان وہ راز تھے جن پر کراماً کاتبین بھی مطلع نہیں تھے۔

اور فصاحت میں بھی نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ اپنے خصوصی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ" "مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں یعنی مختصر کلام جو کثیر مطالب کو حاوی ہو' وہ جوامع الکلم کہلاتے ہیں۔ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے جو کسی کو عطا نہیں ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو جو کتاب (قرآن مجید) عطا کی گئی' وہ سب کتابوں سے افضل ہے اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ ان تمام وجوہ کے پیش نظر حضور ﷺ کی افضلیت تمام انبیائے کرام پر ظاہر وعیاں ہوگئی۔

(17) محمد بن حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب النوادر" میں ذکر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' بیشک آپ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَّمُوْسٰى نَجِيًّا وَّاتَّخَذَنِيْ حَبِيْبًا ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَاُوْثِرَنَّ حَبِيْبِيْ عَلٰى خَلِيْلِيْ وَنَجِيِّيْ"

"بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجی اور مجھے حبیب بنایا' پھر رب تعالیٰ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اپنی عزت کی اور قسم ہے مجھے اپنے جلال کی: میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر ترجیح دے رہا ہوں۔"

جب رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر اپنے خلیل اور اپنے نجی پر اپنے حبیب کی برتری کو بیان فرما دیا تو اب سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہی کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔

(18) بخاری اور مسلم میں ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ذکر گئی' انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا' بہت حسین وجمیل بنایا اور مکمل بنایا لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگوں نے (اس گھر کو

دیکھنے کے لئے) اس میں چکر شروع کیا اور وہ اس کی تعمیر پر تعجب کرنے لگے (کہ بہت حسین و جمیل اور مکمل بنایا گیا ہے) اور کہنے لگے کہ تم نے یہاں ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی کہ یہ گھر مکمل ہو جاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:
"کُنْتُ اَنَا تِلْكَ اللَّبِنَةُ" وہ اینٹ میں ہی تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے قصر نبوت شاندار حسین و جمیل بنایا لیکن ایک نبی کے آنے کی جگہ کو چھوڑ دیا۔ لوگ اس کے منتظر تھے کہ وہ خاتم النبیین بھی آ جائیں تا کہ قصر نبوت کی باقی جگہ مکمل ہو جائے اس طرح قصر نبوت مکمل ہوگا تو میں نے آ کر اس قصر نبوت کی تکمیل کی۔
اب واضح ہوا کہ جس ذات کے بغیر قصر نبوت نامکمل تھا اور اس ذات نے آ کر اسے مکمل کیا وہ ذات ہی سب سے افضل ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو سید الانبیاء ہیں۔

(19) اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے اگر کسی کو نداء کی تو ذاتی نام سے جیسے فرمایا: {یَـا آدَمُ اسْـكُنْ} اے آدم! ٹھہر جاؤ۔ {وَنَـادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمَ} ہم نے اسے پکارا یعنی اے ابراہیم۔ {يَـا مُوسٰى اِنِّيْ اَنَا رَبُّكَ} اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تیرا رب ہوں۔ لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کو ذاتی نام سے کہیں نہیں پکارا یعنی "یا محمد" نہیں کہا بلکہ "یَـا اَيُّهَـا النَّبِيُّ" اے نبی اور "يَـا اَيُّهَـا الرَّسُوْلُ" اے رسول! اس قسم کے صفاتی ناموں سے پکارا جو آپ کی افضیلت پر واضح دلیل ہے۔ ❶

خیال رہے کہ راقم بغیر ضرورت شعری وغیرہ کے "یا محمد" کا اسی وجہ سے قائل نہیں کیونکہ اس میں وہ ادب نہیں جو یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ اور اس قسم کے الفاظ مبارکہ میں ہے اسلئے یا اللہ یا محمد کے بجائے یا اللہ یا رسول اللہ کے کتبے لگائے جائیں۔

(20) راقم کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی افضیلت کی بیسویں وجہ یہ ہے کہ آپ کو جس طرح کے اصحاب ملے ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان ذوالنورین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ایسے اصحاب کسی اور نبی کو نہیں ملے۔ جیسے حضور ﷺ کے تمام صحابہ کرام آپ پر جان نثار تھے ایسے کسی اور کے نہ تھے۔ اس لحاظ پر بھی آپ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خزانے تقسیم کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ" ❷ "اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔"

---

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 6 ص 208 ❷ بخاری و مسلم مشکوٰۃ کتاب العلم ج 1 ص 32

اس حدیث پاک کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "اشعۃ اللمعات" میں تحریر فرماتے ہیں:

"و نیستم من مگر قسمت کنندہ و خدا میدہد ہر کرا میخواہد و ہر چہ میخواہد از فقہ و فہم در دین و غیر آں"

(اشعۃ اللمعات' شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ' ج1)

"نہیں ہوں میں مگر تقسیم کرنے والا۔ خدا دیتا ہے جس کسی کو خدا دیتا ہے' جو چاہے دیتا ہے' خواہ وہ فقہ کا علم اور علوم دینیہ کی سمجھ ہو یا اس کے بغیر جو بھی رب تعالیٰ دیتا ہے میں ہی تقسیم کرتا ہوں۔"

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام ضغطہ قبر سے محفوظ:

"لَمْ يَخْلُصْ مِنْهُ كُلُّ سَعِيْدٍ اِلَّا الْاَنْبِيَاءُ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج1' ص208)

"قبر کے معمولی جھنجوڑے سے کوئی شخص بھی محفوظ نہیں' خواہ وہ کتنا ہی متقی پرہیزگار نہ ہو' سوائے انبیائے کرام کے۔"

یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ امتیازی شان عطا فرمائی ہے کہ وہ قبر کے ضغطہ (تنگی) سے محفوظ ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان نہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"

(بخاری و مسلم' مشکوٰۃ کتاب الایمان' ج1' ص7)

"تم میں سے کوئی (ہر ایک) اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے اسکے والدین' اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔"

حدیث پاک میں "والدہ" کا ذکر ہے لیکن "اَلْمُرَادُ بِهٖ مَا يَشْمِلُهُمَا وَهُوَ ذُوْوَلَدٍ" مراد اس سے صاحب اولاد یہ معنی ماں اور باپ دونوں کا شامل ہے۔ "وَوَلَدِهٖ اَیْ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ولد سے مراد بیٹا، بیٹی یعنی مطلق اولاد۔ معنی یہ ہے کہ والدین اور اولاد سب لوگوں سے مجھے محبوب سمجھے۔

محبت سے مراد طبعی محبت نہیں' جو بغیر اختیار کے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

"اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بغیر طاقت کے تکلیف نہیں دیتا۔"

محبت سے مراد محبت عقلی ہے جو انسان اپنی عقل کے ذریعے اختیار کرتا ہے' خواہ طبیعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح مریض کڑوی دوا کو پسند کرتا ہے حالانکہ اس کی طبیعت نہیں چاہتی لیکن عقل کڑوی دوا کے استعمال کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔

اسی سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ اگر کسی شخص کو حکم دیں کہ وہ اپنے کافر والدین یا کافر اولاد کو قتل کر دے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ آپ کے حکم کو ترجیح دے' اگرچہ بظاہر اسکی طبیعت نہ بھی چاہے۔ اسی طرح جب آپ نے فرمادیا کہ کفار کے ساتھ جہاد

کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہوتا ہے تو عقل اسے ترجیح دے گی۔ اگرچہ بظاہر طبیعت نہ بھی چاہے اور آپ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی اغراض کو دوسرے تمام کی اغراض پر ترجیح دے۔ اپنے قریبی رشتہ دار ہوں یا اپنی ذات ہو ہر ایک پر محبوب کو راجح سمجھے۔

نبی کریم ﷺ میں تمام اسباب محبوبیت پائے جاتے ہیں: حسن سیرت، حسن صورت، کمال فضل اور کمال احسان آپ کو ایسے حاصل ہیں جو کسی ایک کو بھی حاصل نہیں۔ لہٰذا ضروری ہو گیا کہ آپ کو اپنی جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سمجھے خصوصاً جبکہ آپ مالک الملک کے بھی محبوب ہیں تو انسان آپ کو محبوب کیوں نہ سمجھے۔

اعلیٰ درجہ کی محبت حاصل کرنے والوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ نے جب اسی مذکورہ حدیث کو سنا تو امر طبعی کے تقاضا کے مطابق عرض کیا:

"لَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِیْ" "یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ" "ایمان کی تکمیل نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی تمہیں زیادہ محبوب ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"فَاِنَّکَ الْاٰنَ وَاللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ فَقَالَ الْاٰنَ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُکَ" "اے محبوب! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے کیوں کہا کہ مجھے اپنی جان سے محبت زیادہ ہے؟ اس کے دو احتمال ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سے یہ سمجھا ہو کہ آپ نے جس محبت کا ذکر فرمایا ہے وہ محبت طبعی ہے اور طبعی محبت تو اپنی جان سے زیادہ ہوتی ہے۔ بعد میں یہ سمجھا ہو کہ اس محبت سے مراد تو ایمانی اور عقلی ہے جو طبعی کے برخلاف ہے۔ ایمان و عقل جو کبھی اسے طبعی تقاضا پر ترجیح دیتی ہے۔ یہ سمجھ آنے کے بعد ذکر کیا ہو کہ اب حضور مجھے اپنی جان کی بہ نسبت بھی آپ سے محبت زیادہ ہے...... دوسرا احتمال یہ ہے:

"اَنَّہٗ اَوْصَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مَقَامِ الْاَتَمِّ بِمُرَکَّوْ تَوَجُّھِہٖ عَلَیْہِ" "بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی توجہ

الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ فَطُبِعَ فِیْ قَلْبِہٖ حُبُّہٗ حَتّٰی صَارَ کَاَنَّہٗ حَیَاتُہٗ وَلُبُّہٗ" مبارک سے ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا ہو کہ آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت راسخ ہو گئی ہو یہاں تک کہ حضور ﷺ کی محبت آپ کی حیات اور عقل بن گئی یعنی زندگی اور عقل کا حصہ بن گئی۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جس شخص کا ایمان کامل ہوگا وہ نبی کریم ﷺ کی محبت کو ترجیح دے گا' اگرچہ وہ کثیر شہوات میں مستغرق ہی کیوں نہ ہو یا اکثر اوقات ان پر غفلت کے پردے ہی کیوں نہ چھائے رہیں۔

ہم اکثر و بیشتر دیکھتے ہیں کہ محبتِ رسول ﷺ کرنے والوں نے آپ کی ظاہری حیات میں بھی آپ کے دیدار کو اولاد پر ترجیح دی' اپنی جان کو کثیر خوف ہلاکت کا بھی ہو تو پھر بھی محبت رسول اللہ کا متوالا یہی کہتا ہے کہ کاش! ایک مرتبہ مجھے اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے روضۂ مطہرہ کی زیارت نصیب ہو جائے' پھر موت آتی ہے تو آتی رہے کیونکہ مقصد حیات حاصل ہو گیا۔ یہ مقام نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کو جاننے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے:

"وَلَا شَکَّ اَنَّ حَظَّ الصَّحَابَۃِ رضی اللہ عنہم مِنْ ھٰذَا الْمَعْنٰی اَتَمُّ لِاَنَّہٗ ثَمَرَۃُ الْمَعْرِفَۃِ وَھُمْ بِقَدْرِہٖ وَمَنْزِلَتِہٖ اَعْلَمُ" "اور کوئی شک نہیں کہ یہ مقام صحابہ کرام کو زیادہ حاصل ہوگا ایمان کا اعلیٰ درجہ انہیں حاصل رہا کیونکہ آپ سے محبت کا اعلیٰ معیار آپ کی قدر و منزلت کو جاننے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ شرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب سے زیادہ حاصل تھا کیونکہ وہ حضور ﷺ کے مراتب قدر و منزلت کو زیادہ جانتے تھے۔"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے نفس مطمئنہ کی جانب کو ترجیح دی یعنی دین مصطفوی ﷺ پر خواہشاتِ نفسانیہ کو ترجیح نہ دی' اسے حضور ﷺ سے زیادہ محبت ہے اور جس شخص نے نفسِ امارہ کی جانب کو راجح کیا یعنی اپنی خواہشات نفسانیہ کو ترجیح دی اس کی محبت میں کمی ہے۔ نفسِ لوامہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ خیال رہے برائیوں کا ارتکاب اور ان پر اترانا نفسِ امارہ کا کام ہے۔ غلطی سے برائی کا ارتکاب ہو جائے' پھر نادم ہو' اپنے آپ کو ملامت کرے' یہ نفس لوامہ ہے۔ اور برائیوں سے بچ کر رہنا یہ نفس مطمئنہ ہے۔●

نبی کریم ﷺ شیطان سے محفوظ:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُکِّلَ بِہٖ قَرِیْنُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِیْنُہٗ "تم میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں سوائے اس کے کہ اس کے

● مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 1' ص 74

مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ قَالُوْا وَاِیَّاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِیَّایَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَیْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ"

(مسلم' مشکوٰۃ' باب فی الوسوسۃ' ج1' ص18)

ساتھ ایک جن موکل ہوتا ہے اور ایک اسکے ساتھ فرشتہ موکل ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس کے خلاف امداد فرمائی وہ میرا مطیع ہو گیا وہ مجھے سوائے بھلائی کے اور کوئی حکم نہیں کرتا۔"

حدیث شریف میں لفظ "فَاَسْلَمَ" استعمال ہوا۔ یہ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے جس کا ظاہری معنی ہے کہ میرا قرین اسلام لے آیا ہے' اگرچہ علامہ تورپشتی نے یہی معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اسلئے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی خصوصیت وافضیلت کے پیش نظر آپ کے قرین شیطان کو اسلام کی دولت سے نواز دیا لیکن دوسرے اہل علم نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ (میرا) مطیع ہو گیا۔

بعض حضرات نے اسے واحد متکلم مضارع مجہول کا صیغہ کہا ہے اس صورت میں معنیٰ ہوگا مجھے اس سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جامع ترمذی میں یہی ذکر ہے کہ ابن عیینہ نے کہا:

" فَاَسْلَمُ بِالضَّمِّ اَیْ اَسْلَمُ اَنَا مِنْهُ وَالشَّیْطَانُ لَا یُسْلِمُ"

"فَاَسْلَمُ میں ہمزہ پر پیش ہے یعنی میں اس سے محفوظ ہوں کیونکہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔"

خیال رہے کہ بعض حضرات نے "اسم تفضیل" کا صیغہ بنایا ہے اور مبتدأ محذوف مانا ہے۔ ان کے نزدیک اصل عبارت یہ ہوئی: "فَاَنَا اَسْلَمُ مِنْکُمْ" میں بنسبت تمہارے شیطان سے زیادہ محفوظ ہوں لیکن اس معنی کے لحاظ سے حضور ﷺ کا مطلقاً شیطان سے محفوظ ہونا ثابت نہیں ہوگا' بلکہ اور لوگوں کی نسبت زیادہ محفوظ ہونا ثابت ہوگا۔ یہ معنی درست نہیں' اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کو رد کیا فرماتے ہیں:

"وَفِیْهِ نَظَرٌ لِاَنَّهٗ یَحْتَمِلُ کَوْنُ الْوَسْوَسَةِ مِنَ النَّفْسِ دُوْنَ الشَّیْطَانِ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج1' ص138)

"یہ کہنا کہ حضور ﷺ کو بعض اوقات وسوسے حاصل ہوئے وہ تو شیطان کی طرف سے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ آپ کو کبھی کوئی وسوسہ حاصل ہوا بھی ہے تو وہ صرف اپنے نفس کی وجہ سے یعنی عدم توجہ کی وجہ سے اس میں شیطان کو کوئی دخل اندازی نہیں۔" زیادہ مشہور پہلا معنی ہی ہے میں نے بھی ترجمہ میں اسے استعمال کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں' دل جاگتا ہے:

" قَالَ فَنَامَتْ عَیْنَیَّ وَسَمِعَتْ اُذُنَایَ وَعَقَلَ قَلْبِیْ"

حضور ﷺ نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان

(مشکوٰۃ' باب الاعتصام الکتاب والسنۃ) سنتے ہیں اور میرا دل سمجھتا ہے۔''

"اِنَّ نَوْمَ الْاَنْبِیَاءِ کَمَا لَا یَسْتَوْلِیْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ لَا یَسْتَوْلِیْ عَلٰی اَسْمَاعِھِمْ وَکَانَ فِیْ وَجْھِہٖ اَنَّ نَوْمَھُمْ اِنَّمَا یَسْتَوْلِیْ عَلٰی ظَوَاھِرِ اَبْدَانِھِمْ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 1' ص 235)

''اس حدیث سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام کے دلوں پر جس طرح نیند کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح ان کے کانوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کی نیند کا تعلق صرف ظاہری بدن سے ہوتا ہے۔''

دوسرے لوگوں کی نیند کا اثر ظاہر و باطن پر ہوتا ہے یعنی ان کی آنکھیں دل اور کان ایک جیسے متاثر ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے:

"وَرُوِیَ اَنَّ اٰدَمَ وَشِیْثًا وَنُوْحًا وَھُوْدًا وَصَالِحًا وَلُوْطًا وَشُعَیْبًا وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَسُلَیْمَانَ وَزَکَرِیَّا وَعِیْسٰی وَحَنْظَلَۃَ بْنِ صَفْوَانَ نَبِیَّ اَصْحَابِ الرَّسِّ وَمُحَمَّدًا صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ وُلِدُوْا مَخْتُوْنِیْنَ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 7)

''روایت میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام' شیث علیہ السلام' نوح علیہ السلام' ھود علیہ السلام' صالح علیہ السلام' لوط علیہ السلام' شعیب علیہ السلام' یوسف علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام' سلیمان علیہ السلام' زکریا علیہ السلام' عیسیٰ علیہ السلام' حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام جو اصحاب رس کے نبی تھے اور حضرت محمد ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔''

نبی کریم ﷺ کو چار ہزار افراد کی طاقت دی جائے گی:

ترمذی نے حدیث بیان کی جس کو صحیح غریب کہا کہ:

"لِاَنَّ کُلَّ رَجُلٍ مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یُعْطٰی قُوَّۃَ مِائَۃِ رَجُلٍ فَیَکُوْنُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اُعْطِیَ قُوَّۃَ اَرْبَعَۃِ اٰلَافِ رَجُلٍ"

''جنت میں ہر شخص کو ایک سو آدمیوں کی قوت دی جائے گی اور حضور ﷺ کو چار ہزار آدمیوں کی قوت عطا کی جائے گی۔''

نبی کریم ﷺ کا کھانا بہت کم مقدار میں ہوتا تھا لیکن دنیا میں بھی کئی افراد کی قوت حاصل تھی اور قیامت میں بھی کثیر افراد کی طاقت حاصل ہو گی۔ یہ درحقیقت وجہ خرق عادت (خلاف عادت) آپ کا اعجاز ہے کیونکہ عام لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ جسے کھانا کم حاصل ہوا سے طاقت بھی کم حاصل ہوتی ہے۔ (مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 43)

آپ ﷺ کے وضو سے گرے ہوئے پانی میں شفا تھی:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے میری خالہ نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئیں اور انہوں نے عرض

کیا یارسول اللہ ﷺ

"اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَاْسِیْ وَدَعَالِیْ بِالْبَرَکَۃِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِہٖ" "بے شک میری بہن کے بیٹے کو درد ہے تو حضور ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے اعضاءِ وضو سے (وضو کی وجہ سے) گرنے والا پانی پیا۔"

(بخاری و مسلم' مشکوۃ باب احکام المیاہ' ج 1' ص 50)

حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے سائب رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اس میں احتمال یہی ہے کہ ان کے سر میں درد تھا:

"فَمَسَحَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِیَدِہِ الْمُبَارَکَۃِ لِیَکُوْنَ ذَالِکَ سَبَبًا لِشِفَائِہٖ فَکَانَ الْاَمْرُ کَذَالِکَ" "اسلئے آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے سر پر پھیرا تا کہ ان کے لئے شفا کا سبب بنے تو ایسا ہی ہوا کہ آپ کے ہاتھ مبارک کی برکت سے انہیں شفا حاصل ہوگئی۔"

"فَبَلَغَ السَّائِبُ نَحْوَ الْمِائَۃِ وَلَمْ یَشِبْ لَہٗ شَعْرٌ وَّلَا سَقَطَ لَہٗ سِنٌّ" "نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک پھیرنے کی یہ برکت ہوئی کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی عمر ایک سو سال کے قریب ہوئی لیکن ان کے سر کا کوئی بال نہ سفید ہوا اور نہ ہی آپ کا کوئی دانت گرا۔"

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے ارشاد: "فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِہٖ" (واؤ کی زبر سے) کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے وضو فرمایا اور برتن میں جو پانی باقی رہ گیا تھا' وہ میں نے پیا لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ کے وضوء کرنے پر جو پانی مستعمل ہوا یعنی آپ کے اعضا سے مس ہو کر گرا وہ میں نے پیا۔" وَھٰذَا اَنْسَبُ بِمَا یَقْصُدُہُ الشَّارِبُ مِنَ التَّبَرُّکِ" یہی معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ تبرک کے طور پر پینے کا مقصد اسی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

خیال رہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے' عام کسی بزرگ کے وضوء کا مستعمل پانی بطور تبرک پینا جائز نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ السَّائِلَ مِنْ اَعْضَائِہٖ لِشَرْفِھَا لَا یَنْجُسُ وَمِنْ ثَمَّ اخْتَارَ کَثِیْرُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا طَھَارَۃَ فَضَلَاتِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ" "بے شک نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ سے مس ہو کر گرنے والا پانی ناپاک نہیں ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے ہمارے کثیر احباب نے اسکو اختیار کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فضلات (پیشاب' پاخانہ) پاک تھے۔"

خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضوء کے لئے استعمال ہونے والا پانی پاک ہوتا ہے' پاک کرتا نہیں۔ [1]

[1] مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 53 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' پاکستان

نبی کریم ﷺ کی نماز قضا ہونے میں حکمت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خیبر سے لوٹے' رات کو چلتے رہے یہاں تک کہ آپ کو اونگھ آنے لگی تو آپ نے رات کے پچھلے حصہ میں آرام کرنے کے لئے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ہمارے لئے رات کی حفاظت کرنا (یعنی صبح کی نماز کے لئے اٹھا دینا)۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی طاقت کے مطابق کچھ نوافل ادا کئے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام سو گئے' جب فجر کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پالان کے ساتھ سہارا لگایا۔ فجر کی طرف متوجہ رہے (یعنی مشرق کی جانب منہ کر لیا' فجر کا انتظار کرنے لگے) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر غلبہ آ گیا (یعنی نیند آ گئی)۔ آپ نے پالان کے ساتھ سہارا لگایا ہوا تھا (سو گئے) نہ نبی کریم ﷺ کو اور نہ ہی کسی صحابی کو اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جاگ آئی' یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔

سب سے پہلے نبی کریم ﷺ ہی بیدار ہوئے' گھبراہٹ میں مبتلا تھے۔ (کیونکہ صبح کی نماز فوت ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا: اے بلال رضی اللہ عنہ! (تم نے ہمیں جگایا کیوں نہیں) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے بھی اسی چیز نے آلیا' جس نے آپ کو گرفت میں لیا (یعنی نیند کا غلبہ ہر ایک پر ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا: چلو! اپنی سواریوں کو تیار کر لو۔ سب نے اپنی سواریاں تیار کیں اور چل پڑے۔ تھوڑی دیر چلے' پھر حضور ﷺ نے وضوء فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (اذان کا) پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی تو آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو فرمایا:

"مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" ''جو شخص نماز ادا کرنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے ادا کر لے' اسلئے کہ بے شک رب تعالیٰ نے فرمایا: نماز ادا کرو میری یاد کے لئے۔''

اس حدیث پاک میں دو چیزیں زیر غور ہیں: ایک یہ کہ ''ثُمَّ تَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ'' پھر جاگنے پر رسول اللہ ﷺ نے وضوء فرمایا۔ اور دوسری حدیث شریف میں ہے:

"اَنَّهٗ اِضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ فَاَتَاهُ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ" ''بیشک نبی کریم ﷺ لیٹے تو سو گئے' یہاں تک کہ آپ کی سانس پھولنے لگی (یعنی سونے کے وقت جو پھونک سی نکلتی ہے وہ حالت ہو گئی) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔''

فقہاء کرام شامی وغیرہ نے بھی یہی تحریر کیا: ''نَوْمُ الْاَنْبِيَاءِ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ'' انبیائے کرام کی نیند وضو کو نہیں توڑتی۔ اس مسئلہ پر اہل علم نے یہ دلیل پیش کی کہ آپ نے فرمایا: ''تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ'' میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔

جو بات زیرِ غور ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کا وضوء نیند سے نہیں ٹوٹتا تو یہاں وضوء کیوں فرمایا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جب حضور ﷺ نے آرام فرمایا ہو اس وقت آپ کا وضوء نہ ہو تو سوتے وقت جب وضوء نہیں تھا جاگتے وقت وضوء کرنا ضروری تھا لیکن زیادہ طور پر حضور ﷺ باوضوء سوتے تھے اسلئے زیادہ بہتر جواب یہ ہے: "اَنَّهٗ يُمْكِنُ اَنَّ وُضُوْءَهٗ كَانَ لِلتَّجْدِيْدِ" کہ آپ نے وضوء تجدید کے لئے فرمایا ہوگا کیونکہ وضو ہونے کے باوجود دوسری نماز کے لئے نیا وضوء کرنا مستحب ہے۔

اعتراض:

"فَاِنْ قِيْلَ كَيْفَ ذَهَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَنَامَ عَنْهُ مَعَ قَوْلِهٖ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" "اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم ﷺ کو کیسے نماز کا نہ پتہ چلا اور سو گئے حالانکہ آپ کا اپنا ارشاد ہے کہ میرا دل نہیں سوتا یعنی جب آپ کا دل جاگتا ہے تو آپ کو صبح صادق کا علم ہونا چاہئے تھا۔"

جواب:

"لَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا لِاَنَّ الْقَلْبَ اِنَّمَا يُدْرِكُ الْاُمُوْرَ الْبَاطِنَةَ كَاللَّذَّةِ وَالْاَلَمِ وَنَحْوِهِمَا وَلَا يُدْرِكُ الْحِسِّيَّاتِ مِثْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَغَيْرِهٖ وَاِنَّمَا يُدْرِكُ ذٰلِكَ بِالْعَيْنِ وَهِيَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ" "اس اعتراض کا جواب یہ دیا جائے گا کہ آپ کے ارشاد گرامی اور صبح کے وقت کا پتہ نہ چلنے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ دل کا کام ہے امور باطنیہ کا ادراک کرنا جیسے لذت' درد وغیرہ۔ ظاہری حسی چیزوں کا علم دل کا کام نہیں صبح صادق وغیرہ کا پتہ چلانا دل کا کام نہیں یہ چیزیں آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ جب آپ کا ارشاد ہی یہ ہے میری آنکھیں سوتی ہیں تو آنکھیں تو سو رہی تھیں وہ صبح کے نمودار ہونے کو نہیں دیکھ رہی تھیں اور آپ کا دل جاگ رہا تھا جو رب تعالیٰ کی تجلیات کے ادراک کی طرف متوجہ تھا۔"

دوسری وجہ زیرِ غور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نماز قضاء کیوں ہوئی؟ اس کی وجہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی:

"اَنَّهٗ نُسِيَ لِيُسَنَّ يَعْنِي الْحِكْمَةَ فِيْ نَوْمِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَغَوُّلِهٖ بِالْحَضْرَةِ الْبَاطِنِيَّةِ عَنِ الطَّاعَةِ الظَّاهِرِيَّةِ لِيُعْرَفَ حُكْمُ الْقَضَاءِ بِالدَّلِيْلِ" "آپ سے نماز میں تاخیر ہوئی یعنی آپ کے سونے اور نماز میں تاخیر صرف ظاہری طاعت میں تھی ورنہ آپ سوئے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے لہٰذا باطنی طاعت آپ کو سوئے ہوئے حال میں بھی حاصل ہوتی تھی لیکن اس ظاہری تاخیر میں حکمت یہ تھی کہ امت کے لئے یادلیل سنت بن جائے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو دلیل فعلی ہے ہی قوی دلیل قولی سے۔ لہٰذا ان کے نزدیک حضور ﷺ کا فعل ہی دلیل

ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دلیل قولی قوی ہے دلیل فعلی سے۔ اسلئے آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نماز کا رہ جانا اور آپ کا ادا فرمانا' پھر یہ ارشاد فرمانا کہ جس کی نماز میں بھول ہو جائے یعنی بروقت نہ ادا کر سکے وہ یاد آنے پر ادا کرے' یہ دلیل ہے امت کے لئے نماز کے قضاء کرنے کی۔ اتنا واضح ہوا کہ آپ کی نماز قضاء نہ ہوتی تو امت کے لئے کیسے ثابت ہوتی؟ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْفَمَا اخْتَلَفَ حَالُهُ نَوْمٌ أَوْ يَقْظَةٌ فِي حَقٍّ وَتَحْقِيقٍ وَمَعَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ فِي كُلِّ طَرِيقٍ وَفَجٍّ عَمِيقٍ إِنْ نَسِيَ فَمَالِكٌ مِنَ الْمُنْسِيِّ اشْتَغَلَ وَإِنْ نَامَ فَبِقَلْبِهِ وَنَفْسِهِ عَلَى اللّٰهِ أَقْبَلَ"

''نبی کریم ﷺ جس حال میں بھی ہوں خواہ نیند میں ہوں یا بیداری میں ہوں حق پر ہوتے ہیں آپ کا ہر حال تحقیق پر مبنی ہوتا ہے آپ ہر وسیع یا دشوار گزار راہ میں مقرب فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں آپ اگر بھول جاتے ہیں تو بھلانے والی ذات کی طرف ہی مشغول ہوتے ہیں اور اگر آپ سو بھی جائیں تو آپ اپنے دل اور نفس سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں۔''

یعنی آپ بھولتے نہیں آپ کو بھلایا جاتا ہے آپ کے بھولنے میں راہِ حق سے پھرنا لازم نہیں آتا۔ رب تعالیٰ سے توجہ کبھی نہیں ہٹتی:

"وَلِهٰذَا قَالَ الصَّحَابَةُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَامَ لَا نُوقِظُهُ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ بِنَفْسِهِ لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا هُوَ فِيْهِ فَنَوْمُهُ عَنِ الصَّلٰوةِ أَوْ نِسْيَانُهُ شَيْئٌ مِنْهَا لَمْ يَكُنْ عَنْ آفَةٍ وَإِنَّمَا كَانَ بِالتَّصَرُّفِ مِنْ حَالَةٍ مِثْلِهَا لِيَكُوْنَ لَنَا سُنَّةً" ●

''اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب سوتے تھے' ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے' یہاں تک کہ آپ خود جاگتے۔ اسلئے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ کس حال میں ہیں آپ کا نماز کے وقت سونا اور نماز کا قضا ہونا یا آپ کا بھولنا کسی آفت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا آپ کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تصرف صرف اس وجہ سے ہوتا تھا کہ وہ کام ہمارے لئے سنت بن جائے۔''

مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول ﷺ نے فرمایا:

"صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" ●

''میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرنا ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

اس حدیث پاک میں ذکر ہے کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا بنسبت دوسری مساجد کے ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے

● مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج2' ص78 ● بخاری و مسلم' مشکوٰۃ' باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ' ج1' ص50

سوائے مسجد حرام کے لیکن ایک ہزار سے بہتر کہاں تک ہے وہ حد ذکر نہیں۔ دوسری روایت میں اس حد کا ذکر کیا گیا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِیْ بَیْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِیْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِیْنَ صَلٰوةً وَصَلٰوتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الَّذِیْ یُجْمَعُ فِیْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِیْ مَسْجِدِیْ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلٰوةٍ"

(ابن ماجہ مشکوٰۃ باب المساجد ج 1 ص 72)

"کوئی انسان اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ایک نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص قبیلہ کی مسجد میں نماز ادا کرے اسے پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص جامع مسجد میں نماز ادا کرے اسے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرے اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرتا ہے اسے بھی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص مسجد حرام میں نماز ادا کرتے ہے اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔"

فائدہ:

تعداد کے لحاظ پر مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب حاصل ہوتا اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا لیکن درجہ کے لحاظ پر نبی کریم ﷺ کے قرب کی وجہ سے پچاس ہزار کو ایک لاکھ پر فضیلت حاصل ہے:

"وَاَمَّا مَزِیْدُ الْمُضَاعَفَةِ فَاَسْبَابُ التَّفْضِیْلِ لَا تَنْحَصِرُ فِیْ ذٰلِكَ فَالصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ بِمِنٰی لِلْمُتَوَجِّهِ لِعَرَفَةَ اَفْضَلُ مِنْهَا بِمَسْجِدِ مَكَّةَ وَاِنِ انْتَفَتْ عَنْهَا الْمُضَاعَفَةُ اِذْ فِی الْاِتِّبَاعِ مَا یَرْبُوْ عَلَیْهَا"

(جواہر البحار علامہ اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ ج 4 ص 10)

"تعداد کی زیادتی میں فضیلت کے اسباب منحصر نہیں عرفات میں جانے کے لئے منیٰ میں پانچ نمازیں ادا کرنا افضل ہے بنسبت مسجد حرام میں ادا کرنے کے حالانکہ ان میں تعداد پر وہ فضیلت نہیں یعنی منیٰ میں ایک نماز کے ادا کرنے سے ایک کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور وہی نماز مسجد حرام میں ادا کرنے سے ایک لاکھ کا ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن ایک کا ثواب ایک لاکھ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اصل میں نبی کریم ﷺ کی اتباع ہی فضیلت ہے۔"

"وَكَذَا قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: بِمَزِیْدِ الْمُضَاعَفَةِ بِمَسْجِدِ مَكَّةَ مَعَ قَوْلِهٖ بِتَفْضِیْلِ الْمَدِیْنَةِ"

(جواہر البحار علامہ اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ ج 4 ص 10)

"اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ شریف میں مسجد میں نماز ادا کرنے سے زیادہ نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن مدینہ طیبہ میں نماز ادا کرنے سے ثواب میں افضلیت حاصل ہوتی ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی قبر انور کا مقام عرش اعلیٰ سے بلند:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام اور اکثر اہل مدینہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ کی افضیلت کے قائل ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کی قبر انور کے مقام کی افضیلت میں کوئی اختلاف نہیں:

"وَنَقَلَ الْقَاضِیْ عِیَاضٌ وَغَیْرُہٗ الْاِجْمَاعَ عَلٰی تَفْضِیْلِ مَا ضَمَّ الْاَعْضَاءُ الشَّرِیْفَۃُ حَتّٰی عَلَی الْکَعْبَۃِ الْمُنِیْفَۃِ وَاَنَّ الْخِلَافَ فِیْمَا عَدَاہُ وَنُقِلَ عَنْ اَبِیْ عَقِیْلِ الْحَنْبَلِیْ اَنَّ تِلْکَ الْبُقْعَۃَ اَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ وَصَرَّحَ الْفَاکِہَانِیْ بِتَفْضِیْلِہَا عَلَی السَّمٰوٰتِ قَالَ بَلِ الظَّاہِرُ الْمُتَعَیَّنُ تَفْضِیْلُ جَمِیْعِ الْاَرْضِ عَلَی السَّمَاءِ لِحُلُوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِہَا وَحَکَاہُ بَعْضُہُمْ عَنِ الْاَکْثَرِیْنَ لِخَلْقِ الْاَنْبِیَاءِ مِنْہَا وَدَفْنِہِمْ فِیْہَا"

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل علم سے یہ منقول ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس سے نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے وہ کعبہ مکرمہ سے افضل ہے اختلاف اس مقام کے غیر میں ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ۔ فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس مقام کو تمام آسمانوں پر افضیلت حاصل ہے اور انہوں نے کہا کہ ظاہر بات یہ ہے کہ تمام زمین کو تمام آسمانوں پر افضیلت حاصل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ زمین میں تشریف فرما ہیں۔ اکثر اہل علم نے تو زمین کی افضیلت پر یہی دلیل قائم کی ہے کچھ اور حضرات نے یہ کہا ہے کہ تمام انبیائے کرام زمین سے پیدا ہوئے اور زمین میں مدفون ہیں' اس لحاظ پر بھی زمین کو آسمان پر فضیلت حاصل ہے۔"

"وَقَالَ النَّوَوِیُّ وَالْجُمْہُوْرُ عَلٰی تَفْضِیْلِ السَّمَاءِ عَلَی الْاَرْضِ اَیْ مَا عَدَا مَا ضَمَّ الْاَعْضَاءُ الشَّرِیْفَۃُ وَمَحَلُّ الْخِلَافِ فِیْمَا عَدَا الْکَعْبَۃِ فَہِیَ اَفْضَلُ مِنْ بُقْعَۃِ الْمَدِیْنَۃِ اِتِّفَاقًا مَا عَدَا مَوْضِعِ قَبْرِہِ الْمُقَدَّسِ"

"علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جمہور علمائے کرام اس طرف ہیں کہ آسمانوں کو زمین پر فضیلت حاصل ہے سوائے اس مقام کے جس سے حضور ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے۔ اسی طرح محلِ خلاف کعبہ مکرمہ کے ماسوا میں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی قبر انور کے بغیر باقی مدینہ پر کعبہ شریف کو فضیلت حاصل ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی خوبصورت اور بلند آواز:

ابن عساکر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ حسین چہرے والا اور حسین آواز والا بھیجا۔

"حَتّٰی بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیَّکُمْ فَبَعَثَہٗ حُسْنَ الْوَجْہِ وَحُسْنَ الصَّوْتِ"

"یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا تو حسین چہرہ اور آواز عطا کر کے بھیجا۔"

● مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 190

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ

"اِنَّ صَوْتَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَبْلُغُ مَا لَا یَبْلُغُ صَوْتَ غَیْرِہٖ" "بیشک نبی کریم ﷺ کی آواز وہاں پہنچتی تھی جہاں کسی اور کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج2' ص292)

رب تعالیٰ کے تمام خزانے نبی کریم ﷺ کے پاس:

"عَنْ رَبِیْعَۃَ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَتَیْتُہٗ بِوَضُوْئِہٖ وَحَاجَتِہٖ فَقَالَ لِیْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ اَوْغَیْرَ ذَالِکَ قُلْتُ ھُوَ ذَاکَ قَالَ فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ"

(مسلم' مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ' ج1' ص84)

"حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رات رسول اللہ ﷺ کے پاس گزارتا تھا۔ میں نے آپ کی خدمت میں وضو کے لئے پانی اور آپ کی حاجت کا سامان (مسواک' مصلیٰ وغیرہ) پیش کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کچھ مانگو! تو میں نے عرض کیا: کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا: کیا اس کے بغیر (سوا) کچھ اور؟ آپ نے عرض کیا: صرف یہی۔ آپ نے فرمایا: کثرت سجود سے اپنے نفس پر میری امداد کرنا۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سَلْ" یعنی تمہیں کسی چیز کی حاجت ہو تو مجھ سے طلب کرو۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کا مقصد یہ تھا:

"اُتْحِفُکَ بِھَا فِیْ مُقَابَلَۃِ خِدْمَتِکَ لِیْ لِاَنَّ ھٰذَا ھُوَ شَانُ الْکِرَامِ وَلَا اَکْرَمُ مِنْہُ ﷺ" "کہ میں تمہاری خدمت کے بدلہ تمہیں تحفہ دوں کیونکہ کریم لوگوں کی یہی شان ہے اور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی کریم بھی نہیں۔"

"وَیُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ الْاَمْرَ بِالسُّوَالِ اَنَّ اللّٰہَ مَکَّنَہٗ مِنْ اِعْطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ" "نبی کریم ﷺ نے مطلقاً ذکر فرمایا طلب کرو یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز طلب کرو اور فلاں طلب نہ کرو اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو چاہیں عطا فرما دیں۔"

"وَمِنْ ثَمَّ عَدَّ اَئِمَّتُنَا مِنْ خَصَائِصِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ یَخُصُّ مَنْ یَّشَاءُ بِمَا شَاءَ" "اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام نے یہ حضور ﷺ کی خصوصیت شمار فرمائی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مختص کیا ہے کہ جسے چاہیں جو چاہیں عطا فرمائیں۔"

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلے شہادت کو دو کے برابر قرار دینا آپ کے وسیع اختیار پر دلالت کر رہا ہے اور ابو

بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو بکری کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کی اجازت فرمانا اور ساتھ یہ ارشاد فرمانا کہ یہ تمہارے لئے جائز ہے' کسی اور کے لئے نہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع اختیارات عطا فرمائے۔

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَقْطَعَهٗ اَرْضَ الْجَنَّةِ يُعْطِيْ مِنْهَا مَا شَآءَ لِمَنْ شَآءَ" ''بیشک اللہ تعالیٰ نے جنت آپ کے اختیار میں دے دی جسے چاہیں جتنا حصہ دے دیں۔''

نبی کریم ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: کہ اس کے بغیر تو کچھ طلب نہیں کرو گے۔ یہ دراصل امتحان تھا کہ کیا اس اعلیٰ مطلوب پر قائم رہتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ ایسی چیز کی طلب تھی جس کے مقابل کوئی چیز نہیں تھی۔

"فَاِنَّ الثَّبَاتَ عَلٰی طَلَبِ اَعْلَی الْمَقَامَاتِ مِنْ اَتَمِّ الْكَمَالَاتِ" ''بیشک اعلیٰ مقامات کی طلب پر ثابت رہنا ہی کامل کمالات سے ہے۔''

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرا سوال صرف یہی ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت میسر ہو' ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے اس جواب کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''سبحان اللہ تعالیٰ! وہ شخص کتنا ہی بلند مرتبہ رکھتا ہے جسے نبی کریم ﷺ کی حسین خدمت کا شرف حاصل ہو اور کتنی بلند ہمت حاصل ہوئی کہ اعلیٰ سوال کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں کثرت سجود کا حکم دیا جس سے اشارہ تھا کہ جنت میں میری مرافقت اعلیٰ قسم کے مراتب سے ہے اعلیٰ مرتبہ انسان کو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف نیکیوں کا کام کرے۔''

''اَعِنِّيْ عَلٰی نَفْسِكَ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی اصلاح میں میری امداد کثرت سجود سے کرنا:

"وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ هٰذِهِ الْمَرْتَبَةَ الْعَلِيَّةَ لَا تَحْصِلُ بِمُجَرَّدِ السُّجُوْدِ بَلْ بِهٖ مَعَهٗ دُعَآءُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ اِيَّاهَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی" ''اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ یہ بلند و بالا مرتبہ صرف سجدوں سے نہیں ملے گا' نفس کے خلاف زیادہ سجدے بھی کرنا لیکن جنت میں یہ مقام اسی وقت ملے گا' جب میری دعائیں بھی تمہاری عبادت کے ساتھ شامل ہوں گی۔''

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 323)

نبی کریم ﷺ درود کا جواب دیتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ" ''کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ مجھ پر وہ سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے یہاں تک

کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔" (ابوداؤد' بیہقی فی الدعوات الکبیر' مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی ص 86)

"اَیْ اَقُوْلُ وَعَلَیْکَ السَّلَامُ" یعنی میں کہتا ہوں اور تم پر بھی سلام ہو۔ حدیث شریف میں "ردالروح" کا جو ذکر ہے اس کے متعلق ابن الملک نے بیان فرمایا:

"رَدُّ الرُّوْحِ کِنَایَۃٌ عَنْ اِعْلَامِ اللّٰہِ اِیَّاہُ بِاَنَّ فُلَانًا صَلّٰی عَلَیْکَ" ❶

"روح کا لوٹنا حقیقی معنی میں استعمال نہیں بلکہ مجازی طور پر اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ پر درود پڑھ رہا ہے' تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔"

اسی حدیث مذکور کا معنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی طرح بیان کیا۔ ان معانی میں سے ایک کے متعلق فرمایا "وَھُوَ قَوِیٌّ جِدًّا" کہ یہ معنی بہت ہی قوی ہے وہ معنی آپ نے یہ بیان کیا:

"اِنَّہٗ لَیْسَ الْمُرَادُ بِرَدِّ الرُّوْحِ عَوْدُھَا بَعْدَ الْمُفَارَقَۃِ لِلْبَدَنِ وَاِنَّمَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْبَرْزَخِ مَشْغُوْلٌ بِاَحْوَالِ الْمَلَکُوْتِ مُسْتَغْرِقٌ فِیْ مُشَاھَدَۃِ رَبِّہٖ کَمَا کَانَ فِی الدُّنْیَا فِیْ حَالَۃِ الْوَحْیِ وَفِیْ اَوْقَاتٍ اُخَرَ فَعُبِّرَ عَنْ اِفَاقَتِہٖ مِنْ تِلْکَ الْمُشَاھَدَۃِ وَذٰلِکَ الْاِسْتِغْرَاقُ بِرَدِّ الرُّوْحِ" ❷

"ردِ روح کا یہ مطلب نہیں کہ روح آپ کے بدن سے جدا ہونے کے بعد لوٹتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں احوالِ ملکوت میں مشغول ہیں اور رب تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں' جس طرح آپ دنیا میں وحی کی حالت میں ہوتے تھے' پھر وحی کے بغیر دوسرے اوقات میں دنیا والوں کی طرف توجہ فرماتے تھے' اسی طرح آپ جب رب تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں استغراق کے بعد سلام بھیجنے والے کی طرف توجہ فرماتے ہیں اس حال کو "ردِ روح" سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔"

درودِ پاک ذکرِ خدا بھی ہے:

"عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ اَجْعَلُ لَکَ صَلٰوتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمَّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ"

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر زیادہ درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں (اپنی دعاؤں اور اذکار میں سے) کتنا وقت آپ پر درود کے لئے مقرر کر دوں۔ آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہتے ہو' میں نے عرض کیا: چوتھائی وقت مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہتے ہو۔ اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو

❶ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 341
❷ الحاوی للفتاوی' امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ' ج 2' ص 151

(ترمذی' مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی' ج' ص86)

تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: نصف حصہ وقت کا مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا جو تم چاہتے ہو۔ اگر تم اس سے زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: دو تہائی وقت مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا: جو تم چاہتے ہو۔ اگر تم اس سے زیادہ کرلو تمہارے لے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: کہ کل وقت مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا (اگر تم کرلو) کہ یہ تو تمہارے تمام امور کے لئے کافی ہے اور تمہارے گناہوں کو مٹائے گا۔''

''اِذًا تَکْفِیْ هَمَّكَ'' کا مطلب یہ ہے:

"اِذَا صَرَفْتَ جَمِیْعَ زَمَانِ دُعَائِكَ فِی الصَّلٰوةِ عَلَیَّ كُفِیْتَ مَا یُهِمُّكَ" ''اگر تم نے اپنی دعاؤں کا کل وقت مجھ پر درود پاک پڑھنے میں صرف کیا تو جو بھی تمہارے لئے واقع ہونے والے امور ہوں گے ان میں کافی ہوگا۔''

''مَااَهَمَّكَ مِنْ اَمْرِ دِیْنِكَ وَدُنْیَاكَ'' یعنی جو حوادثات وغیرہ تمہیں دینی یا دنیاوی امور میں غم ڈالنے والے ہوں گے ان تمام امور میں درود پاک تمہارے لئے کافی ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے دعاؤں وردو ظیفے اور ذکر کرنے کے تمام وقت کو درود پاک پڑھنے میں صرف کرنا کیوں بہتر قرار دیا:

"لِاَنَّ الصَّلٰوةَ عَلَیْهِ مُشْتَمِلَةٌ عَلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَتَعْظِیْمِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَالْاِشْتِغَالُ بِاَدَاءِ حَقِّهٖ عَنْ اَدَاءِ مَقَاصِدِ نَفْسِهٖ وَاِیْثَارٌ بِالدُّعَاءِ عَلٰی نَفْسِهٖ مَا اَعْظَمَهٗ مِنْ خِلَالٍ جَلِیْلَةِ الْاَخْطَارِ وَاَعْمَالٍ كَرِیْمَةِ الْاٰثَارِ" (1) ''اسلئے کہ حضور ﷺ پر درود پاک پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بھی پائی گئی ہے اور درود پاک اپنے ذاتی حقوق کی ادائیگی کی بنسبت حضور ﷺ کے حقوق ادا کرنے پر مشتمل ہے اور درود پاک پڑھنے میں اپنی ذات کے لئے دعا کرنے پر ایک عظیم الشان عمل کو ترجیح گئی ہے جو عمل ہی باعث کرم ہی کرم ہے۔''

یعنی دعاء سے بھی بہتر درود پاک کیونکہ اس سے رب تعالیٰ بھی راضی اور رب تعالیٰ کا رسول بھی۔ جب رب تعالیٰ اس کی حاجات کو جانتا ہے تو اسے اپنی رضا ورحمت سے اس کے عرض کرنے کے بغیر ہی دے گا۔ یہاں سے جاہل قوم کا اعتراض بھی ختم ہوگیا کہ اہل سنت وجماعت درود ہی پڑھتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے۔ کاش! کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرمادے اور انہیں یہ سمجھ آجائے کہ درود پاک دراصل اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔

''کما صلیت علیٰ ابراہیم'' کا مطلب کیا؟

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے کہ عام طور پر یہ ثابت ہے کہ مشبہ' مشبہ بہ سے کم درجہ ہوتا ہے۔ اس درود میں تشبیہ دی گئی

(1) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج2' ص244

ہے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے اللہ صلوٰۃ بھیج محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر جیسا کہ تو نے صلوٰۃ بھیجی ابراہیم (علیہ السلام) پر اور آپ کی آل پر۔ اس سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں حضور ﷺ سے حالانکہ آپ افضل الانبیاء ہیں یہاں تشبیہ کیسے درست ہے؟

اس سوال کے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جواب دیئے ہیں ان میں سے تین جواب نقل کر رہا ہوں:

① : "اِنَّ التَّشْبِیْهَ فِی الْاَصْلِ لَا فِی الْقَدْرِ کُمَا قِیْلَ فِیْ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَکَمَا فِیْ اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَاَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ"

یہاں تشبیہ اصل میں ہے مقدار میں نہیں۔ یعنی صرف یہ مطلب ہے کہ اے اللہ! تو نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیج جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اسی طرح اور اتنی مقدار میں تو حضور ﷺ پر بھی صلوۃ بھیج جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے۔ یہاں بھی صرف فرض ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے یہ مطلب نہیں کہ جتنے روزے تم پر فرض ہوئے ہیں اتنے ہی پہلی تمام قوموں پر فرض ہوئے۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے فرمایا: بیشک ہم نے تمہاری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ اس میں بھی صرف اتنا ثابت کیا گیا کہ آپ کی طرف بھی وحی کی گئی اور نوح علیہ السلام کی طرف بھی۔ یہ نہیں ثابت کیا گیا کہ جتنی وحی نوح علیہ السلام کی طرف کی گئی اتنی وحی آپ کی طرف بھی کی گئی۔

اور فرمایا: احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا۔ یہاں بھی یہ مطلب نہیں کہ جتنا احسان اللہ تعالیٰ نے تجھ پر فرمایا اتنا احسان تو دوسروں پر کر بلکہ صرف احسان کرنے کا بنی اسرائیل نے قارون کو مشورہ دیا تھا۔

② : "اِنَّ الْکَافَ لِلتَّعْلِیْلِ کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰاکُمْ" "درود شریف میں کاف تشبیہ کے لئے استعمال ہی نہیں بلکہ علت وسبب کے لئے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں "لفظ علیٰ" سبب کے لئے آیا ہوا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کیونکہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔"

اب اس جواب کے مطابق درود کا معنی یہ ہوگا: اے اللہ! محمد ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج کیونکہ تو ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج چکا ہے۔

③ : "اِنَّ التَّشْبِیْهَ اِنَّمَا هُوَ لِلْمَجْمُوْعِ بِالْمَجْمُوْعِ فَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ مِنْ آلِ اِبْرَاهِیْمَ کَثِیْرَةٌ وَهُوَ اَیْضًا مِنْهُمْ" "یہاں تشبیہ مجموع کو مجموع سے دی گئی ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی آل سے کثیر انبیائے کرام ہیں اور حضور ﷺ بھی ان میں سے ہی ہیں۔"

(مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 2، ص 244)

اب درود پاک کا معنی ہوگا: کہ اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر اتنی کثیر مقدار میں صلوٰۃ بھیج جیسے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کی آل میں سے کثیر انبیائے کرام پر کثیر صلوٰۃ تو نے بھیجی۔

نبی کریم ﷺ کے بھولنے میں حکمت:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَاَوْمَا اِلَیْهِمْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ" ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیشک نبی کریم ﷺ نماز کی طرف نکلے۔ جب آپ نے تکبیر کہی تو پھر گئے اور لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر جائیں' آپ (مسجد سے) نکل گئے۔ آپ نے غسل فرمایا' پھر تشریف لائے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی' جب نماز پڑھ لی تو فرمایا: بیشک میں حالت جنابت میں تھا' غسل کرنا بھول گیا تھا۔''

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وَاِنَّمَا نَسِیَ لِیُسَنَّ وَلِئَلَّا یَسْتَحْیِیْ اَحَدٌ مِّنَ الْاَئِمَّةِ اِذَا وَقَعَ لَهٗ مِثْلُ هٰذَا" ❷

''آپ سے بھول واقع ہوئی تا کہ امت کے لئے سنت بن جائے اور اسلئے کہ اگر کسی امام کو ایسا واقعہ درپیش آجائے تو اسے شرم نہ آئے۔''

آپ کے بھولنے میں وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کا فعل امت کے لئے سنت بن جائے ورنہ آپ کی امت کے مشائخ بھی دوسروں کی جنابت پر بھی اطلاع رکھتے تھے۔

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ بے شک امام الحرمین ابو المعالی ابن الامام ابو محمد جوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے درس دے رہے تھے۔ وہاں سے صوفیاء کرام میں سے ایک شیخ کا گزر ہوا۔ ان کے ساتھ ان کے احباب بھی تھے' وہ کسی دعوت پر جا رہے تھے۔ امام الحرمین نے دل میں خیال کیا کہ ان لوگوں کا کوئی اور کام نہیں سوائے کھانے اور رقص کرنے کے۔ وہ شیخ جب دعوت سے واپس لوٹے تو فرمانے لگے: اے فقیہ! تم کیا کہتے ہو اس شخص کے متعلق جو صبح کی نماز حالت جنابت میں پڑھا دیتا ہے اور مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دیتا ہے اور لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ امام الحرمین کو شیخ کی بات سن کر یاد آیا کہ مجھ پر تو غسل لازم تھا لیکن میں بھول گیا۔ اس کے بعد ان کے دل میں مشائخ کے متعلق اچھا اعتقاد آ گیا یعنی مشائخ کو صاحب کشف سمجھنے لگے۔

❶ مسند احمد' مشکوٰۃ باب ما لا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ وما یباح منہ 92 ❷ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 3' ص 19

اس واقعہ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب مشائخ دوسروں کی حالت جنابت پر مطلع ہو سکتے ہیں تو حضور ﷺ کو اپنے آپ پر مطلع ہونا تو ضروری تھا لیکن رب تعالیٰ نے آپ کو بھلا کر آپ کی امت کے لئے سنت بنا دیا۔ (1)

نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر ثواب مکمل ملتا:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا بَدَنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلوٰتِهٖ جَالِسًا" (2)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے تو آپ زیادہ طور پر نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔"

"قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَمِنْ خَصَائِصِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ ثَوَابَ تَطَوُّعِهٖ جَالِسًا كَهُوَ قَائِمًا"

"حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے لیکن ثواب آپ کو کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طرح ہی حاصل ہوتا تھا۔"

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: صَلوٰةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلوٰةِ قَالَ: فَاَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَأْسِهٖ قَالَ: مَالَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ: حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ: صَلوٰةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلوٰةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ" (3)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے حدیث بیان کی گئی ہے: بیشک رسول اللہ نے فرمایا: بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے انسان کو آدھا ثواب ملتا ہے۔ آپ کہتے ہیں: کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر مبارک پر رکھا۔ تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ)! تمھیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: کہ مجھے یہ حدیث بتائی گئی کہ بیشک آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے انسان کو آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! (میں نے کہا تو یہی ہے) لیکن میں تم سے کسی ایک کی طرح نہیں۔"

"يَعْنِيْ هٰذَا مِنْ خُصُوْصِيَّاتِيْ اَنْ لَا يَنْقُصَ ثَوَابُ صَلوٰتِيْ عَلٰى اَيِّ وَجْهٍ تَكُوْنُ مِنْ حَلَوَاتِيْ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ قَالَ تَعَالٰى: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا" (4)

"یعنی یہ میری خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے کہ میں جس طرح بھی نماز ادا کروں میرے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی میں جس حال میں نماز ادا کروں وہ میرے جلوے ہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ پر (اے محبوب) اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔"

خیال رہے کہ بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے سر مبارک پر ہاتھ رکھنا ادب کے خلاف

(1) مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 3، ص 19
(2) بخاری و مسلم، مشکوۃ، باب صلوۃ اللیل، ج 1، ص 106
(3) مسلم، مشکوۃ باب القصد فی العمل، ج 1، ص 111
(4) مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 3، ص 140

انہیں نبی کریم ﷺ کی توقیر کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔اس کے دو جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے دیئے:

(۱): ایک یہ کہ شائد آپ سے یہ طریقہ بغیر اختیار کے صادر ہوا۔ جو کام بلا اختیار صادر ہو اس میں کوئی مواخذہ نہیں۔

(۲): اور دوسرا جواب یہ دیا کہ انہوں نے جب تعجب کیا کہ آپ کا ارشاد اور ہے اور عمل آپ کا اور ہے تو اس معاملہ کی تحقیق کے لئے اپنی طرف کامل متوجہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہو۔اسی لئے حضور ﷺ نے ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر ان کے اس فعل پر انکار فرمایا اور کہا: ''مَالَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو ؟ تمہیں کیا ہوا اے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ)! یعنی تم بہت صاحب علم ہو پھر کیا کر رہے ہو؟

اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو نقل کرتے ہیں اور یہی جواب زیادہ مناسب بھی ہے۔وہ یہ کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کام پر تعجب کرتے تھے تو وہ ایسے ہی کرتے تھے۔انہوں نے بھی عادت کے مطابق عمل کیا۔اسی طرح بعض دوسرے کی داڑھی کو چھوتے تھے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم نے اپنے زمانے میں مشاہدہ کیا کہ بعض لوگ شریف مکہ کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر کہتے ہیں: ''اَنَا فِدَاكَ يَا حَسَنُ'' ''اے حسن! میں تم پر قربان۔حالانکہ جب یہ لوگ مکہ کے شریف کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں' اس وقت انہوں نے اپنے ہاتھوں میں جوتے بھی پکڑے ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا خلق' قرآن:

حضرت سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے ام المومنین (مومنوں کی ماں)!

" اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ: اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ: بَلٰى! قَالَتْ: فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ كَانَ الْقُرْاٰنُ" [1]

''مجھے آپ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! قرآن تو پڑھا ہے آپ نے کہا: کہ نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن ہے۔''

قرآن کو خلق کیوں کہا:

نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خلق اسلئے کہا کہ قرآن پاک نے جتنے مکارم اخلاق کا تذکرہ کیا وہ تمام آپ میں پائے جاتے تھے۔اگر قرآن نے کہا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کرنے کا حکم

---

[1] مشکوۃ' باب الوتر' ج1' ص140

دیتا ہے۔" رب تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کائنات عالم میں نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ جیسا کوئی عادل و محسن نظر نہیں آئے گا۔

اگر رب قدوس نے ارشاد فرمایا: {وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ} "جو تمہیں مصیبت و تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو۔" مالک الملک کے اس حکم پر عمل کرنے کی درخشاں مثال بھی آپ نے ہی قائم فرمائی۔

اگر خالق کائنات نے یہ کہا: {فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ} "آپ ان کو معاف کریں اور درگزر کریں۔" تو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا عظیم منصب بھی جو آپ کو حاصل ہوا ایسا عظیم مقام کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ غرضیکہ قرآن پاک کے ہر حکم کی جلوہ گری آپ میں ہے اور قرآن پاک نے جن چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ان سے کامل اجتناب کیا اسلئے آپ کا خلق قرآن پاک ہے۔

"یَعْنِیْ کَانَ خُلُقُہٗ مَذْکُوْرًا فِی الْقُرْاٰنِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یَعْنِیْ اَنَّ الْعَظِیْمَ اِذَا عَظَّمَ اَمْرًا لَمْ یَقْدِرْ اَحَدٌ قَدْرَہٗ وَلَمْ یَعْرِفْ اَحَدٌ طَوْرَہٗ" ❶

"دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے آپ کے خلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: {اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ} "بیشک آپ عظیم خلق پر ہیں۔" جس چیز کو قرآن نے عظیم کہا ہے اس کی قدر انسان بیان کرے تو کیسے بیان کرے۔"

نبی کریم ﷺ کو زندگی حاصل ہے:

"اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ تَکُوْنُ حَیَاتُھُمْ عَلٰی وَجْہِ الْاَکْمَلِ وَیَحْصِلُ لِبَعْضٍ مَّنْ وَّرَائَھُمْ مِنَ الشُّھَدَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الْحَظُّ الْاَوْفٰی یَحْفَظُ اَبْدَانَھُمُ الظَّاھِرَۃَ بَلْ بِالتَّلَذُّذِ بِالصَّلٰوۃِ وَالْقِرَاءَۃِ وَنَحْوِھِمَا فِیْ قُبُوْرِھِمِ الظَّاھِرَۃِ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ الْاٰخِرَۃِ" ❷

"انبیائے کرام کو اپنے مزارات مطہرہ میں زندگی حاصل ہے ان کے بدن محفوظ ہیں بلکہ انہیں نماز اور قرآن پڑھنے کی لذت بھی حاصل ہے اور انبیائے کرام کے بغیر شہداء کرام، اولیائے عظام اور علمائے کرام کو بھی اپنے مزارات میں زندگی حاصل ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ"

"بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔"

"اَیْ جَمِیْعَ اَجْزَائِھِمْ فَلَا فَرْقَ فِی الْحَالَیْنِ"

"یعنی تمام اجزاء ان کے محفوظ رہتے ہیں ان کی ظاہری حیات اور قبری زندگی میں کوئی فرق نہیں۔"

❶ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3، ص 162

❷ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3، ص 138

"وَلِذَا قِيْلَ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ" ''اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی مرتے نہیں بلکہ جہاں سے دوسرے جہاں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ'' اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ لفظ ''نبی'' میں کسی نبی کی تخصیص مراد نہیں بلکہ جنسِ نبی مراد ہے:

"لِاَنَّهٗ رَاٰى مُوْسٰى قَائِمًا يُّصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ وَكَذٰلِكَ اِبْرَاهِيْمَ" ''اس لئے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔''

"وَصَحَّ خَبَرُ الْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ" ''اور صحیح حدیث میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز ادا کرتے ہیں۔''

"قَالَ الْبَيْهَقِيْ وَحُلُوْلُهُمْ فِيْ اَوْقَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ فِيْ اَمَاكِنَ مُتَعَدِّدَةٍ جَائِزٌ عَقْلًا كَمَا وَرَدَ بِهٖ خَبَرُ الصَّادِقِ" ''بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں متعدد مکانات میں جانا عقلاً جائز ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔''

"حَيٌّ اَيْ دَائِمًا يُرْزَقُ رِزْقًا مَعْنَوِيًّا وَلَا يُنَافِيْهِ اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ رِزْقٌ حِسِّيٌّ اَيْضًا وَهُوَ الظَّاهِرُ الْمُتَبَادِرُ" ''اللہ تعالیٰ کے نبی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اس رزق سے مراد معنوی رزق بھی ہو سکتا ہے اور رزق حسی بھی بلکہ ظاہر طور پر ذہن میں فوراً آنے والا یہی رزق ہے۔''

رزق معنوی دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کے شہداء کے متعلق فرمایا: ﴿بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ بلکہ وہ زندہ ہیں ان کو اپنے رب تعالیٰ کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔

"فَكَيْفَ سَيِّدُهُمْ بَلْ رَئِيْسُهُمْ لِاَنَّهٗ حَصَلَ لَهٗ اَيْضًا مَرْتَبَةُ الشَّهَادَةِ مَعَ مَزِيْدِ السَّعَادَةِ بِاَكْلِ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ وَعَوْدِ سَمِّهَا الْمَفْهُوْمَةِ"

جب نبی کی امت کے شہداء زندہ ہوں اور ان کو رزق دیا جاتا ہو تو ان کے سردار رئیس کا کیا حکم ہوگا جبکہ یقیناً اس سردار کو مرتبہ شہادت بھی حاصل ہوا ہو۔ یہ ایک مزید سعادت ہے (ورنہ نبی کا بغیر شہادت کے وصال بھی نبی کی زندگی کا سبب ہے) کیونکہ حضور ﷺ کو خیبر میں بکری کا زہر آلود گوشت ایک یہودیہ نے دیا تھا' جس کا کچھ معمولی حصہ آپ نے تناول فرمایا۔ بعد میں اس گوشت نے خود ہی بتایا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے تو آپ نے تناول فرمانا چھوڑ دیا لیکن آپ کے وصال کے وقت اسی زہر کا اثر لوٹ آیا تھا تو آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔

البتہ ظاہری شہادت سے آپ کو محفوظ رکھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی "لِلْبَشَاعَةِ الصُّوْرِيَّةِ" آپ کی صورت مبارکہ کی شان وشوکت جاہ وجلال کو برقرار رکھنا مقصود تھا اور دوسری وجہ یہ تھی:

"لِاِظْهَارِ الْقُدْرَةِ الْكَامِلَةِ بِحِفْظِ فَرْدٍ مِّنْ بَيْنِ اَعْدَائِهٖ مِنْ شَرِّ الْبَرِيَّةِ" "کہ قدرت کاملہ کا اظہار کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کو شریر مخلوق کے کثیر دشمنوں سے کیسے محفوظ فرمایا۔"

اور تیسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا کرنا مقصود تھا وہ وعدہ یہ تھا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

رزق دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ جس طرح رزق سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے اس طرح بغیر کھانے پینے کی چیزیں عطا کرنے کے انبیائے کرام اور شہدائے کرام کو رب تعالیٰ یہ طاقت عطا کرتا ہو کہ وہ زندہ ہیں یہ رزق معنوی ہے۔ جب کوئی پکارتا ہے وہ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حقیقت میں ان کو کھانے پینے کی چیزیں عطا کی جاتی ہیں یہ زیادہ ظاہر معنی ہے۔ ترمذی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے:

"اِنَّ اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعَلَّقُ مِنْ ثَمَرَةِ الْجَنَّةِ" "کہ بیشک شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں میں رکھی جاتی ہیں جو جنت کے پھلوں کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔"

اور ایک روایت میں آتا ہے:

"اَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ وَتَأْكُلُ مِنْ ثَمَرِهَا ثُمَّ تَأْوِيْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ تَحْتَ الْعَرْشِ" "شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں رکھی جاتی ہیں۔ جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں کے ساتھ معلق ہو جاتی ہیں۔"

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج3 'ص 142-141)

مسئلہ حیات الانبیاء والشہداء والاولیاء کو تفصیلا دیکھنا ہو تو حاوی للفتاوی شرح الصدور بیہقی فتح الباری اور استاذی المکرم حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کی "جلاء الصدور" کا مطالعہ کریں۔ اس رسالہ میں تو صرف بطور تبرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جارہا ہے جو نہایت اختصار پر مبنی ہے۔

تنبیہ: "اِنَّ سَائِرَ الْاَمْوَاتِ اَيْضًا يَسْمَعُوْنَ السَّلَامَ وَالْكَلَامَ وَتُعْرَضُ عَلَيْهِمْ اَعْمَالُ اَقَارِبِهِمْ فِيْ بَعْضِ الْاَيَّامِ" "بیشک تمام فوت ہونے والے لوگ سلام اور کلام کو سنتے ہیں اور بعض دنوں میں ان کی قریبی رشتہ داروں کے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔"

البتہ انبیائے کرام کی زندگی ارفع و اعلیٰ ہے' اس طرح شہداء کرام کی زندگی بھی بنسبت عام شخص کے اعلیٰ ہے۔ [1]

نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کا حکم:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ' قَالَ النَّبِیُّ ﷺ کِخْ کِخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ: اَمَا شَعَرْتَ اِنَّا لَا نَاْکُلُ الصَّدَقَةَ" [2]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ نبی کریم ﷺ نے بطور زجر "کَخْ کَخْ" کہا تا کہ یہ منہ سے نکال کر پھینک دے' پھر آپ نے فرمایا: کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔"

"کَخْ کَخْ" یہ کلمہ عربی حضرات کسی کو ڈانٹنے اور جھڑکنے پر بولتے تھے' جب کسی ناپسندیدہ چیز سے روکنا ہوتا تھا۔ جس طرح ہماری زبان میں زور دے کر کہا جاتا ہے: ہوں' ہوں۔ یہ کلمہ مقصد پر زیادہ دلالت کرتا ہے بنسبت یہ کہنے کے "لَا تَفْعَلْ" زیادہ طور پر یہ کلمہ بچوں کے لئے بولا جاتا ہے' جن کو تمیز نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کا آپ کو اس طرح زجر کرنا اس میں زیادہ مقصد یہ تھا کہ حاضرین کو پتہ چل جائے کہ آلِ رسول کے لئے صدقہ کا کیا حکم ہے۔

"هٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَجَبَ عَلَی الْاٰبَاءِ نَهْیُ الْاَوْلَادِ عَمَّا لَا یَجُوْزُ فِی الشَّرْعِ"

"اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آباء واجداد پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو غیر شرعی کاموں سے روکیں۔"

"وَلِذَا قَالَ عُلَمَاؤُنَا: یَحْرُمُ عَلَی الْاٰبَاءِ وَالْاُمَّهَاتِ اِلْبَاسُ الصَّبِیِّ الْحَرِیْرَ وَالْحُلِیَّ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ"

"اسی وجہ سے ہمارے علمائے کرام نے کہا ہے: کہ ماں باپ پر حرام ہے بچوں کو (مذکر) ریشمی لباس پہنانا اور سونے چاندی کا زیور پہنانا۔"

"قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: یَحْرُمُ عَلَیْهِ ﷺ الصَّدَقَةُ الْوَاجِبَةُ وَالْمَنْدُوْبَةُ' وَاَمَّا عَلٰی اٰلِهٖ فَالْمَفْرُوْضَةُ لَا غَیْرُ"

"علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ پر تو صدقات فرضیہ اور نفلیہ حرام تھے لیکن آپ کی آل پر صرف فرضی صدقات حرام ہیں نفلی حرام نہیں۔"

"وَقَالَ ابْنُ الْمَلِكِ: اَلصَّدَقَةُ لَا تَحِلُّ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَرْضًا کَانَتْ اَوْ نَفْلًا وَکَذَا الْمَفْرُوْضَةُ لِاٰلِهٖ اَیْ اَقْرِبَائِهٖ وَاَمَّا التَّطَوُّعُ فَمُبَاحٌ لَهُمْ"

"ابن مالک نے کہا ہے: صدقہ نبی کریم ﷺ کے لئے تو مطلقاً حرام ہے' خواہ فرض ہو یا نفل۔ البتہ آپ کی آل یعنی اقرباء کے لئے صرف فرض صدقہ حرام ہے' نفلی جائز ہے۔"

---

[1] مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 3' ص 238

[2] بخاری و مسلم' مشکوٰۃ' باب من لاتحل لہ الصدقۃ' ج 1' ص 161

"فَقَالَ فِی النِّهَایَةِ وَیَجُوْزُ النَّفْلُ بِالْاِجْمَاعِ"
(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج3' ص166-165)

"نہایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ نفلی صدقہ آلِ رسول کے لئے مطلقاً جائز ہے۔"

فرض اور نفلی صدقہ میں فرق کیوں؟

"وَاَمَّا التَّطَوُّعُ وَالْوَقْفُ فَیَجُوْزُ الصَّرْفُ اِلَیْهِمْ لِاَنَّ الْمُؤَدِّیْ فِی الْوَاجِبِ یُطَهِّرُ نَفْسَهٗ بِاِسْقَاطِ الْفَرْضِ فَیَتَدَنَّسُ بِهِ الْمُؤَدّٰی کَالْمَاءِ الْمُسْتَعْمِلِ وَفِی النَّفْلِ یَتَبَرَّعُ بِمَا عَلَیْهِ یَتَدَنَّسُ بِهِ الْمُؤَدّٰی کَمَنْ تَبَرَّدَ بِالْمَاءِ" (1)

"نفلی صدقات اور وقف سے آلِ رسول پر مال خرچ کرنا جائز ہے' فرض جائز نہیں۔ کیونکہ فرض صدقہ کرنے والا اپنے ذمہ لازم حق کو ادا کر کے اپنے آپ کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو مال بطورِ صدقہ ادا کرتا ہے' وہ مستعمل پانی کی طرح ہو جاتا ہے' جس میں پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن نفلی صدقہ کرنے والا اپنی خوشی سے وہ مال دیتا ہے جو اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ مال میل کچیل کی حیثیت نہیں رکھتا جس طرح ایک باوضو شخص پانی کو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے' اس کے جسم پر ظاہری ناپاکی بھی نہ ہو وہ پانی اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتا ہے۔ پاک کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے' اسی طرح یہ مال بھی پاک وصاف ہوتا ہے میل کچیل سے پاک ہوتا ہے' آلِ رسول کی شان کے لائق ہوتا ہے۔"

فائدہ:

"وَکَذَا یَجُوْزُ النَّفْلُ لِلْغَنِیِّ کَذَا فِی الْفَتَاوَی الْعِنَایَةِ"
(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج3' ص166)

"اسی طرح نفلی صدقہ غنی کو کھانا بھی جائز ہے۔ "فتاوی عنایہ" میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔"

صاحب ہدایہ نے بیان کیا:

"وَلَا رُجُوْعَ فِی الصَّدَقَةِ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ الثَّوَابُ وَقَدْ حَصَلَ وَکَذَا اِذَا تَصَدَّقَ عَلٰی غَنِیٍّ اِسْتِحْسَانًا لِاَنَّهٗ قَدْ یَقْصُدُ بِالصَّدَقَةِ عَلَی الْغَنِیِّ الثَّوَابَ" (2)

"صدقہ دے کر لوٹانا درست نہیں کیونکہ مقصد ثواب حاصل کرنا تھا' وہ حاصل ہو چکا تھا۔ اسی طرح جب غنی کو صدقہ کا مال عطا کرے تو مال لوٹائے نہیں کیونکہ کبھی غنی کو بھی مال ثواب کی غرض سے دیا جاتا ہے۔"

صاحب عنایہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"فَاِذَا تَصَدَّقَ عَلٰی غَنِیٍّ بَطَلَ الرُّجُوْعُ اِسْتِحْسَانًا وَفِی الْقِیَاسِ

"جب غنی کو صدقہ کرے تو استحساناً رجوع باطل ہے اگرچہ قیاس

(1) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج3' ص166

(2) ہدایہ' امام علی بن ابوبکر الفرغانی' کتاب الهبہ' ج3' ص293

لَهُ الرُّجُوْعُ لِغَرْضٍ ثَمَّهُ حُصُوْلُ الْعِوَضِ وَوَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ الصَّدَقَةَ عَلَى الْغَنِيِّ قَدْ يُرَادُ بِهَا الثَّوَابُ"

یہ چاہتا ہے کہ رجوع جائز ہو کیونکہ غنی کو صدقہ دینے میں بدلہ حاصل کرنے کی غرض ہوتی ہے لیکن وجہ استحسان یہ ہے کہ بیشک غنی کو کبھی صدقہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے دیا جاتا ہے۔"

"وَالتَّصَدُّقُ عَلَى الْغَنِيِّ لَا يُنَافِي الْقُرْبَةَ" (عنایہ)

"غنی کو صدقہ دینا قربت حاصل کرنے کے کوئی منافی نہیں۔"

"ثُمَّ التَّصَدُّقُ عَلَى الْغَنِيِّ يَكُوْنُ قُرْبَةً يَسْتَحِقُّ بِهَا الثَّوَابَ فَقَدْ يَكُوْنُ غَنِيًّا بِمِلْكِ النِّصَابِ وَلَهُ عِيَالٌ كَثِيْرٌ وَالنَّاسُ يَتَصَدَّقُوْنَ عَلَى مِثْلِ هٰذَا لِنَيْلِ الثَّوَابِ اَلَاتَرٰى اَنَّ عِنْدَ اِشْتِبَاهِ الْحَالِ يَتَأَدَّى الْوَاجِبُ مِنَ الزَّكٰوةِ بِالتَّصَدُّقِ عَلَيْهِ وَلَا رُجُوْعَ لَهُ فِيْهِ بِالْاِتِّفَاقِ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ الْعِلْمِ بِحَالِهِ لَا يَثْبُتُ لَهُ حَقُّ الرُّجُوْعِ"[1]

"غنی کو صدقہ دینا قربت کا کام ہے اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے کبھی غنی ہوتا ہے کیونکہ نصاب کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کے اہل وعیال کثیر ہوتے ہیں اور لوگ اس پر صدقہ کرتے ہیں تا کہ ثواب حاصل ہو جائے کیا تم اس مسئلہ کی طرف نہیں دیکھتے کہ ایک شخص وجوبی صدقہ یعنی زکوۃ کا مال ایک ایسے شخص کو دیتا ہے جس کا حال مشتبہ ہوتا ہے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ غنی تھا تو مال واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں بالاتفاق اسکا صدقہ واجبہ ہو گیا اسی طرح نفلی صدقہ میں بھی علم کے بعد لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصد دینے والے کا ثواب حاصل کرنا تھا وہ اسے حاصل ہو گیا۔"

فائدہ: اس بیان کردہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ عام طور پر ایصالِ ثواب کی محافل میں صدقات وخیرات میں فقراء اغنیاء شریک ہوتے ہیں وہ ثواب سے خالی نہیں۔ یہ کہنا کہ جس محفل میں غنی شریک ہوں اس میں کھانا کھلانا ثواب سے خالی ہوتا ہے یہ غلط ہے۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے بے خبری ہے۔

مِلک بدلنے سے صدقہ ہدیہ بن جاتا ہے:

نبی کریم ﷺ ایک دن گھر تشریف لائے تو آپ نے پوچھا: گھر میں کوئی کھانے کی چیز ہے؟ آپ کی خدمت میں کچھ کھجوریں پیش کی گئیں۔ آپ نے فرمایا: کہ ہنڈیا میں جو گوشت پک رہا ہے اس میں ہمارے لئے کوئی حصہ نہیں۔ تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبہ (لونڈی) تھیں انہوں نے عرض کیا: کہ یہ گوشت مجھے بطور صدقہ دیا گیا ہے۔ آپ چونکہ صدقہ کا مال نہیں کھاتے اس لئے آپ کی خدمت میں نہیں پیش کیا جارہا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: {لَكِ صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ} "تمہارے لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے" یعنی اگر کسی مستحق کو صدقہ کا مال دیا جائے وہ اپنی طرف سے غیر مستحق یعنی آل رسول یا غنی کو دے تو جائز ہے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔[2]

---

[1] کفایہ مع فتح القدیر ج7 ص516
[2] نور الانوار ملاجیون رحمہ اللہ ص41

نبی کریم ﷺ کی سخاوت کی ایک جھلک:

"عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَّاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ" ❶

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ جب رمضان شریف داخل ہوتا تو قیدیوں کو آزاد کر دیتے اور ہر سوال کرنے والے کو عطا کرتے۔''

"اَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ اَىْ زِيَادَةً عَلٰى مُعْتَادِهٖ"

''یعنی رمضان شریف میں ہر سائل کو عام عادت سے زائد عطا کرتے۔''

ورنہ آپ نے کسی موقع پر بھی ''نہ'' نہیں فرمایا۔ مسلم شریف میں ہے:

"مَا سُئِلَ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَاَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَرَجَعَ اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ: يَا قَوْمِ اَسْلِمُوْا فَاِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِىْ عَطَاءَ مَنْ لَّا يَخْشَى الْفَقْرَ"

''نبی کریم ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا مگر یہ کہ آپ نے وہ عطا کی آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ (اس نے اسلام قبول کیا اس کے تالیفِ قلب کے لئے) آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی تمام بکریاں عطاء فرما دیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گیا تو کہنے لگا: اے میری قوم! اسلام لے آؤ۔ بے شک محمد (ﷺ) تو اتنا مال دیتے ہیں کہ فقر کا کوئی خوف ہی نہیں رہتا۔''

بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ: لَا" ❷

''کوئی ایسی چیز نہیں جس کا سوال حضور ﷺ سے کیا گیا ہو تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو ''نہیں'' یعنی آپ نے کبھی انکار نہیں فرمایا۔''

خیال رہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ دینے کے لئے نہیں ہوتا تو آپ عذر پیش فرما دیتے۔ وہ در حقیقت انکار نہیں ہوتا تھا' بلکہ اظہارِ حقیقت ہوا کرتا تھا۔

تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول ﷺ نے صومِ وصال (دن رات کا لگا تار روزہ' درمیان میں افطار نہ پایا جائے) سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا:

"اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: وَاَيُّكُمْ مِثْلِىْ اِنِّىْ اَبِيْتُ

''روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم سے میری مثل کون ہو سکتا

---

❶ مشکوٰۃ' کتاب الصوم' ج 1' ص 174

❷ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 4' ص 239

یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ"❶ ہے میں تو رات ایسے حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

حدیث پاک ظاہر پر محمول نہیں' حقیقی طور پر کھلانا اور پلانا مراد نہیں کیونکہ اگر حقیقی طور پر کھانا پینا میسر ہو تو صوم وصال نہیں:

"یَعْنِیْ اَنْتُمْ لَا تَسْتَطِیْعُوْنَ الصِّیَامَ مُتَوَالِیَۃَ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَلِیْ قُوَّۃٌ رُوْحَانِیَۃٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَطْعَمُ عِنْدَہٗ وَاَسْقِیْ مِنْ شَرَابِ الْمَحَبَّۃِ"❷ "یعنی تم دن رات کا لگاتار روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہو کیونکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی قوت حاصل ہے۔ مجھے تو اس کی طرف سے محبت کا کھانا کھلایا جاتا ہے اور محبت کا مشروب پلایا جاتا ہے یعنی رب تعالیٰ کی تجلیات کے انوار کا دیدار کرنے سے مجھے تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے محفوظ:

"اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سَالِمُوْنَ مِنَ الْاِحْتِلَامِ لِاَنَّہٗ عَلَامَۃٌ تَاْتِی الشَّیْطَانَ فِیْ حَالِ الْمَنَامِ" "بیشک انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ نیند کی حالت میں یہ شیطان کے آنے کی علامت ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی فجر میں بغیر احتلام کے حالت جنابت میں ہوتے تو غسل فرماتے اور روزہ رکھتے" تو اس حدیث سے یہ مقصد واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو احتلام اس صورت میں تو نہیں ہوتا تھا کہ وہ خواب میں جماع کریں' کیونکہ یہ اس شخص کو کیفیت حاصل ہوتی ہے جس سے شیطان نیند کی حالت میں کھیلے اور انبیائے کرام علیہم السلام اس سے محفوظ ہیں۔

"وَاَمَّا الْاِحْتِلَامُ بِمَعْنٰی مِنْ غَیْرِ رُؤْیَۃٍ وَقَاعٍ فَھُوَ غَیْرُ مُسْتَحِیْلٍ عَلَیْھِمْ" "لیکن احتلام سے اگر صرف منی کا نکلنا مراد لیا جائے بغیر جماع دیکھنے کے نیند کی حالت میں تو یہ انبیائے کرام علیہم السلام سے محال نہیں۔"

کیونکہ یہ امور خلقیہ اور عادیہ سے ہے۔ اس میں انبیائے کرام علیہم السلام اور دوسرے حضرات برابر ہیں چونکہ اس میں شیطان کی دخل اندازی نہیں ہوتی۔❸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے کی وجہ:

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

❶ بخاری و مسلم' مشکوٰۃ' باب رؤیۃ الہلال' ج 1' ص 175
❷ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 4' ص 261'
❸ نور الانوار' ملاجیون رحمہ اللہ' ص 26

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ" (مسلم، مشکوٰۃ، باب الاستغفار، ج1، ص203)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک جب میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے۔ بیشک میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔"

اس حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا ہے "لَیُغَانُ" جس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"بِضَمِّ الْیَاءِ اَیْ یُطْبِقُ وَیَغْشٰی اَوْیَسْتُرُ وَیُغَطّٰی"

"یاء پر پیش ہے معنیٰ اس کا یہ ہے کہ چھا جانا ڈھانپ لینا اور پردہ چھا جانا۔"

البتہ اس پردہ سے مراد کون سا پردہ ہے؟ وہ یہ ہے: "عَلٰی قَلْبِیْ اَیْ عِنْدَ اِرَادَۃِ رَبِّیْ" یعنی جب میں رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کروں تو جو چیز رکاوٹ بنے اس کے زوال کے لئے میں استغفار کرتا ہوں۔ اس توجہ سے مراد بھی خصوصی توجہ ہے جس کا ذکر دوسری روایت میں آتا ہے:

"لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ"

"مجھے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا وقت حاصل ہوتا ہے اس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل میرے ساتھ وسعت نہیں رکھتا۔"

وہ کیا چیزیں ہیں جو اس حالت میں حائل ہوتی تھیں جن کو آپ نے پردہ سے تعبیر فرمایا؟ ایک تو یہ کہ جو بشری تقاضا کے مطابق ضروریات ہیں کھانا، پینا، نکاح وغیرہ۔

"فَیَحُوْلُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْمَلَاِ الْاَعْلٰی حَیْلُوْلَۃً مَّا فَیَسْتَغْفِرُ تَصْفِیَۃً لِّلْقَلْبِ وَاِزَاحَۃً لِّلْغَاشِیَۃِ وَھُوَ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ ذَنْبًا"

"جب آپ کے اور ملاءِ اعلیٰ کے درمیان یہ انسانی لوازمات حائل ہوتے تو آپ تصفیہ قلب (دل کو روشن کرنے کے لئے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے استغفار کرتے حالانکہ یہ کوئی گناہ نہیں ہوتا تھا صرف اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی طرف متوجہ ہونے کی بنسبت یہ حالت کچھ کم ہوتی تو آپ بلندی حاصل کرنے کے لئے استغفار کرتے۔"

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رکاوٹ بنے، کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ تمام وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتے رہیں لیکن دوسری ذمہ داریاں درمیان میں کبھی حجاب بن جاتیں۔

"وَقِیْلَ ھَمُّہٗ بِسَبَبِ اُمَّتِہٖ وَمَا اَطَّلَعَ عَلَیْہِ مِنْ اَحْوَالِھِمْ فَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ"

"بعض حضرات نے کہا کہ آپ جب امت کے حالات پر مطلع ہوتے تو آپ پر ایک غم کی کیفیت طاری ہوتی، اس کے زوال کے لئے آپ استغفار کرتے۔"

"وَقِیْلَ اِشْتِغَالُہٗ بِالنَّظَرِ فِیْ مَصَالِحِ اُمَّتِہٖ وَمُحَارِبَۃِ اَعْدَائِہٖ وَتَالِیْفِ الْمُؤَلَّفَۃِ"

بعض حضرات نے کہا کہ آپ اپنی امت کی بہتری کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور دشمنوں سے اور نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں کی تالیف قلوب (ان کے دل میں اسلام کی محبت راسخ کرنے کے لئے ان سے محبت اور ان کی دلجوئی میں) مشغولیت کی وجہ سے بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ میرے یہ لمحات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مشغولیت سے دور رہے اسلئے آپ استغفار کرتے تھے۔ ❶

حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے کئی حج اور ہجرت کے بعد ایک:

"وَقَالَ ابْنُ الْاَثِيْرِ كَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَحُجُّ كُلَّ سَنَةٍ قَبْلَ اَنْ يُّهَاجِرَ وَهُوَ اَوْفَقُهُ قَوْلُ ابْنِ الْجَوْزِيِّ حَجَّ حِجَجًا لَا يُعْلَمُ عَدَدُهَا وَاَخْرَجَ الْحَاكِمُ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حَجَّ قَبْلَ اَنْ يُّهَاجِرَ حِجَجًا وَاَمَّا مَارَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَجَّ قَبْلَ اَنْ يُّهَاجِرَ حَجَّتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ مَاجَةَ وَالْحَاكِمِ ثَلَاثًا فَمَبْنِيٌّ عَلٰى عِلْمِهِ وَلَا يُنَافِيْ اِثْبَاتَ زِيَادَةٍ وَغَيْرِهِ" ❷

"ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہر سال حج کیا ہے اور ابن جوزی کا قول بھی اسی کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے آپ نے کئی حج کئے ہیں ان کی تعداد معلوم نہیں۔ حاکم نے ثوری سے سندِ صحیح کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ہجرت سے پہلے کئی حج کئے ہیں لیکن ترمذی نے حضرت جابر سے جو روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے دو حج کئے اور ابن ماجہ اور حاکم کی ایک روایت میں تین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ راویوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اور جن حضرات نے زیادہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اسلئے ان میں کوئی منافات نہیں۔"

نبی کریم ﷺ کا اظہارِ عجز:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا:

"يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ" ❸

"اے تمام مخلوق سے بہتر ذات! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں۔"

"اِنَّهُ قَالَ هٰذَا تَوَاضُعًا وَاحْتِرَامًا لِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِخُلَّتِهِ وَاُبُوَّتِهِ وَاِلَّا فَنَبِيُّنَا ﷺ قَالَ: اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ

"نبی کریم ﷺ کا فرمانا کہ "خَيْرُ الْبَرِيَّة" تو ابراہیم ہیں یہ صرف عجز و انکساری کے پیش نظر تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اللہ ہونے

---

❶ مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 5 ص 123

❷ مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 5 ص 263

❸ مسلم مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیہ ج 2 ص 417

وَلَا فَخْرَ" (1)

اور اپنا جدا مجد ہونے کی وجہ سے احترام کے لئے تھا' ورنہ ہمارے نبی کریم ﷺ تو مخلوق سے بہتر وافضل ہیں۔ آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں' مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔"

یعنی آپ کا کلام بعض اوقات عجز وانکساری پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے اور بعض اوقات حقیقت کا بیان ہوتا ہے۔

"وَعَنْ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ" (2)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میری مدح سرائی میں مبالغہ نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی مدح میں مبالغہ کیا ہے۔ بیشک میں اس کا عبد ہوں' تم (میرے متعلق) کہو: اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اللہ تعالیٰ کا رسول۔"

نبی کریم ﷺ نے تشبیہ سے مسئلہ کو واضح فرمادیا کہ مدح میں نصاریٰ کی طرح مبالغہ نہ کرو۔ اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'اِنَّ النَّصَارٰی اَفْرَطُوْا فِیْ مَدْحِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَطْرَءُوْا بِالْبَاطِلِ وَجَعَلُوْهُ وَلَدَ اللّٰهِ فَمَنَعَهُمُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یُّطْرُوْهُ بِالْبَاطِلِ"

"بیشک نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور وہ بھی باطل طور پر مدح میں زیادتی کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔ ایسی باطل مدح سرائی سے حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو پہلے ہی منع فرمایا۔"

خیال رہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی معاذ اللہ مذمت میں مبالغہ کیا اور نصاریٰ نے مدح میں۔ رب تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔"

یعنی حق بات کرو اور حق عدل ہے اتنی مدح نہ کرو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دو اور اتنی مذمت نہ کرو کہ معاذ اللہ آپ کو "ولد الزنا" کہہ دو۔

آپ ﷺ نے اپنے متعلق جب یہ بیان کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول کہا جائے۔ ضمناً خود سمجھ آ گیا کہ

(1) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 5' ص 263 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

(2) بخاری و مسلم' مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ج 2 ص 417

عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود نہ کہا جائے۔ باقی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ کی تعریف کا حق ادا کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ　　　وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَكِمِ

نصاریٰ نے جو اپنے نبی کے متعلق (خدا کا بیٹا ہونے) کا دعویٰ کیا وہ تو چھوڑ دے اور اپنے نبی کی جتنی مدح بھی تو کرنا چاہتا ہے خود بھی کر اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دے۔

نبی کی عبودیت رسالت و نبوت سے افضل ہے!

آپ کے ارشاد "فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ" کا مطلب ہے "اَنَا عَبْدُ الْخَاصِ فِیْ مَقَامِ الْاِخْتِصَاصِ" میں مقامِ خاص میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو 'عبد' کہنا آپ کی کامل مدح ہے۔ جیسے کسی فاضل و کامل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو شعر کی صورت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَهٗ　　　فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ اِسْمَائِیَا

مجھے صرف اللہ تعالیٰ کا "عبد" کہہ کر پکارا جائے۔ بیشک یہ میرے ناموں میں سے افضل نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں اسی بلند وصف اور اعلیٰ فضیلت والے لفظ سے واقعہ معراج میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔ نزولِ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے بھی رب تعالیٰ نے آپ کے اسی وصف کو ذکر فرمایا:

"تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ ۞ .... (سورۃ الفرقان 15:18)

"برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے نازل کیا اپنے خاص بندے پر۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ۞ .... (سورۃ الفرقان 14:15)

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جس نے کتاب اتاری اپنے خاص بندے پر۔"

"وَفِیْهِ اِشَارَةٌ لَطِیْفَةٌ وَبِشَارَةٌ شَرِیْفَةٌ اَنَّ الْعِنَایَةَ الرَّبُّوْبِیَّةَ بِاِعْتِبَارِ غَایَةِ الْعُبُوْدِیَّةِ" [1]

"اور ان آیات میں آپ کے وصف عبد کو ذکر کرنے میں لطیف اشارہ اور اعلیٰ قسم کی بشارت پائی گئی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ عنایت اور عظیم مہربانی اسی وجہ سے پائی گئی ہے کہ آپ میں اعلیٰ درجہ کی عبودیت پائی جاتی ہے۔"

---

[1] مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 9، ص 181-180

"إِنَّ الْعُبُوْدِيَّةَ أَفْضَلُ مِنَ الرِّسَالَةِ لِأَنَّ الْعُبُوْدِيَّةَ يَنْصَرِفُ مِنَ الْخَلْقِ إِلَى الْحَقِّ فَهِيَ مَقَامُ الْجَمْعِ وَبِالرِّسَالَةِ يَنْصَرِفُ مِنَ الْحَقِّ إِلَى الْخَلْقِ فَهِيَ مَقَامُ الْفَرْقِ" [1]

"بیشک عبودیت رسالت سے افضل ہے اسلئے کہ عبودیت میں مخلوق سے ہٹ کر رب تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔اس سے رب تعالیٰ سے وصل حاصل ہوتا ہے لیکن رسالت میں مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے کیونکہ مخلوق تک احکامِ الٰہیہ پہنچانے ضروری ہوتے ہیں اسلئے اس حالت میں رب تعالیٰ کی جانب کامل توجہ نہیں رہتی جو بظاہر مقام فصل (جدائی، دوری) حاصل ہوتا ہے۔"

تنبیہ: یہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی عبودیت کی بات ہو رہی ہے کہ ان کی عبودیت ان کی نبوت و رسالت سے افضل ہوتی ہے کسی عام انسان کی عبودیت کو نبی کی نبوت سے افضل کہنا ہرگز جائز نہیں بلکہ اپنے قصد و ارادہ سے ایسا کہنے سے کفر لازم آئے گا۔

گناہ گاروں کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت:

"وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَنَا أَوَّلُ شَفِيْعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَإِنَّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صَدَّقَهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ" [2]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کے اتنے تصدیق کرنے والے نہیں ہوئے جتنے میرے ہیں۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی تصدیق کرنے والا صرف ایک شخص ہوا ہے۔"

"أَنَا أَوَّلُ شَفِيْعٍ أَيْ أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ لِلْعُصَاةِ مِنْ أُمَّتِيْ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ"

"اپنی امت کے گناہ گاروں کے لئے جنت میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔"

"وَقِيْلَ أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ فِي الْجَنَّةِ لِرَفْعِ دَرَجَاتِ النَّاسِ فِيْهَا"

"بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بھی کیا ہے کہ جنت میں لوگوں کے مدارج بلند کرنے کے لئے سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "قیامت کے دن تمام انبیاء کرام سے میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔"

تمام جنتیوں میں سے دو تہائی آپ کی امت کے لوگ ہوں گے اور باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے لوگ

[1] حاشیہ جلالین، ص 228، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
[2] مسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین، ج 2، ص 511

صرف ایک تہائی ہوں گے۔

"وَفِيْهِ إِشْعَارٌ بِأَنَّ أَكْثَرِيَّةَ الْإِتِّبَاعِ تُوجِبُ أَفْضَلِيَّةَ الْمَتْبُوْعِ" "اس سے یہ واضح ہوا کہ جتنے تابعداری کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے اسی مقدار میں متبوع (جس کی تابعداری کی جائے) میں فضیلت پائی جائے گی۔"

"فَأَبُوْ حَنِيْفَةَ رحمہ اللہ لَهُ حَظٌّ عَظِيْمٌ وَنَصِيْبٌ جَسِيْمٌ مِنْ ذَالِكَ فَإِنَّ غَالِبَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مِنْ أَتْبَاعِهِ فِيْ فُرُوْعِ الْأَحْكَامِ" "یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ تمام ائمہ کرام میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت بلند و بالا ہے اور آپ کو یہ مقام نصیب ہوا ہے کہ اہلِ اسلام کی کثرت آپ کے ہی تابع ہے۔"

تمام خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو دی گئیں:

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِيْ أُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدَيَّ" [2] "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے جوامع الکلم عطا کر کے مبعوث فرمایا گیا اور مجھے رعب عطا کیا گیا اور میں نے سوئے ہوئے دیکھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں جن کو میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔"

"جوامع الکلم" عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ قوت عطا کی گئی ہے کہ میں بہت مختصر کلام کرتا ہوں جس کے معانی کثیر ہوتے ہیں اور وہ بات بھی واضح ہوتی ہے ایسا بھی نہیں کہ کسی کو سمجھ نہ آئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ" "جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ یہ کلام صرف دو کلموں پر مشتمل ہے لیکن اس سے معانی کثیر سمجھ آ گئے کہ کسی سے مشورہ کیا جائے کہ میں کیا کروں؟ خواہ وہ مشورہ کاروبار کا ہو کسی جگہ تعلیم حاصل کرنے کا ہو کسی چیز کو بیچنے کا ہو یا خریدنے کا خواہ رشتہ کرنے کا وغیرہ (اس کی ہزاروں مثالیں بن سکتی ہیں) تو مشورہ دینے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق صحیح مشورہ دے جس میں اس شخص کو فائدہ ہو۔ اگر یہ سمجھتا بھی ہو کہ اس میں اس شخص کا بھلا ہے لیکن یہ مشورہ اس کے خلاف دے تو ایسا ہی ہو گا جیسا کہ امین شخص امانت میں خیانت کر دے۔

اور آپ کا ارشاد کہ مجھے رعب عطا کیا گیا۔ دوسری حدیث پاک میں ہے: {نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ} مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے رعب عطاء کیا گیا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ منصب عطا فرمایا کہ آپ کا دشمنوں کے دِلوں میں رعب ڈال دیا گیا ہے۔

---

[1] مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 46

[2] بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ج 2 ص 512

"فَاِذَا کَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ مَسِیْرَۃُ شَھْرٍ ھَابُوْا وَفَزِعُوْا" ''جبکہ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت پائی جاتی ہوتو ان پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور وہ ڈرنا شروع ہو جاتے ہیں۔''

اور آپ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں تو یہ حقیقت ہے کیونکہ نبی کا خواب حقیقت ہوتا ہے۔ نہایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف شہروں کو فتح کرنا آسان کر دیا اور ان کے خزانے آپ کو عطا کر دیئے گئے۔ [1]

زمین کے مشارق ومغارب آپ ﷺ کو دکھائے گئے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَازُوِیَ لِیَ مِنْھَا" ''بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھ لیا' میری امت وہاں تک پہنچے گی' جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا۔''

(مشکوٰۃ' باب فضائل سید المرسلین' ص 512)

''زوٰی'' کا معنی ہے جمع کرنا' قبض کرنا جو چیز بعید سے قریب نظر آئے یعنی تمام زمین کو سمیٹ کر میرے سامنے کر دیا گیا۔

"وَجَعَلَھَا مَجْمُوْعَۃً کَھَیْئَۃِ کَفٍّ فِیْ مِرْاٰۃِ نَظَرِہٖ" ''یعنی تمام زمین کو آپ کے سامنے ایسے کر دیا گیا جیسے کہ انسان اپنی ہتھیلی کو اپنی نظر کے سامنے دیکھے۔''

اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا۔ [2]

''وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ'' کی تفسیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اشعۃ اللمعات'' میں ذکر فرمایا:

''ای امت من رسید در جمیع ممالک رفتہ برفتہ یعنی اسلام در جمیع ممالک خواہد رسید'' ''یعنی میری امت تمام ممالک میں آہستہ آہستہ پہنچ جائے گی یعنی تمام ممالک میں اسلام پہنچ جائے گا۔''

سبحان اللہ! میرے حبیب پاک ﷺ کا ارشاد گرامی جگمگا رہا ہے۔ آج دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں میرے آقا ومولیٰ ﷺ کا نام لیوا کوئی نہ ہو۔

آپ ﷺ متمم اخلاق ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 50-48 [2] ایضاً

"اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ" (شرح السنۃ' مشکوۃ باب فضائل الرسلین 512)

''بیشک اللہ تعالی نے مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل اور اچھے افعال کی تکمیل کے لئے بھیجا۔''

''مکارم'' سے مراد ایسی عادات جن کی وجہ سے انسان کریم کہلائے۔''اخلاق'' سے مراد احوال یعنی تمام ایسے احوال جن کی وجہ سے انسان کریم ہوتا ہے' ان کی تکمیل رب تعالی نے میرے ہی ذریعے فرمائی اور تمام ظاہری افعال اور اقوال کی تکمیل کے لئے مجھے بھیجا گیا یعنی آپ کی شریعت تمام اچھے افعال پر مشتمل ہے اور آپ کی طریقت تمام کامل احوال کو حاوی ہے' اگر چہ حضور ﷺ کے مکارم اخلاق ان گنت ہیں' بے شمار ہیں۔ لیکن آپ کے وسیلۂ جلیلہ سے آپ کی امت کو بھی جو اچھے اخلاق عطا کئے گئے ہیں' وہ دس ہیں۔ اور یہ وہ اخلاق ہیں جو بعض اوقات بیٹے کو حاصل ہوتے ہیں باپ کو نہیں اور بعض اوقات باپ کو حاصل ہوتے ہیں' بیٹے کو نہیں۔ وہ یہ ہیں:

①: سچ بولنا ②: سچی امید رکھنا ③: سائل کو عطا کرنا

④: کسی کے عمل کا اچھا بدلہ دینا۔ ⑤: امانت کی حفاظت کرنا

⑥: صلہ رحمی یعنی قرابت داروں سے اچھا سلوک رکھنا۔ ⑦: اپنی زوجہ اور اپنے احباب سے اچھا سلوک رکھنا

⑧: مہمان نوازی کرنا ⑨ پڑوسیوں سے اچھا سلوک رکھنا۔

⑩: اور ان تمام سے بڑھ کر حیاء ہے۔ یعنی ''حیاء رکھنا''

نبی کریم ﷺ میں یہ تمام امور کامل طور پر پائے جاتے تھے اور بھی ہر قسم کے اچھے افعال واقوال کے آپ جس طرح مالک تھے' کسی دوسرے کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ ریشم سے نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار:

"عَنْ اَنَسٍ مَامَسِسْتُ دِیْبَاجَۃً وَّلَا حَرِیْرَۃً اَلْیَنَ مِنْ کَفِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ"

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی ریشمی کپڑے کو بھی ہاتھ نہیں لگایا جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے نرم ہو۔''

یعنی آپ کے ہاتھ مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم تھے۔

"عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ: صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ صَلٰوۃَ الْاُوْلٰی ثُمَّ خَرَجَ اِلٰی اَھْلِہٖ وَخَرَجْتُ مَعَہٗ فَاسْتَقْبَلَہٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ یَمْسَحُ خَدَّیْ اَحَدِھِمْ وَاحِدًا وَّاحِدًا وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّیْ فَوَجَدْتُ لِیَدِہٖ بَرْدًا اَوْ رِیْحًا کَاَنَّمَا اَخْرَجَھَا مِنْ جُوْنَۃِ

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی' پھر آپ اپنے گھر کی طرف تشریف لے چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ چھوٹے چھوٹے بچے حضور ﷺ کا استقبال کر رہے تھے۔ آپ نے ہر

عَطَّار" ❶ ایک ایک کے دونوں رخساروں کو مس فرمایا اور میرے رخساروں کو بھی مس فرمایا۔ میں نے آپ کے ہاتھ مبارک ٹھنڈے اور خوشبودار محسوس کئے' ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ ابھی عطار کی ڈبیہ سے نکالے ہوں۔"

سبحان اللہ! میرے حبیب ﷺ کتنے زیادہ شفیق و مہربان تھے۔ بچوں سے شفقت بھرا پیار کرتے کہ ایک ایک کے رخساروں کو اپنے کریم ہاتھوں سے تھپکی دے رہے تھے۔ بچے بھی آپ سے تبرک حاصل کرنے کے لیے آپ کی محبت و پیار حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑ کر آتے' آپ سے ہاتھ ملاتے۔ ❷

کاش! یہ احادیث ان مخربین اخلاق کو بھی سمجھ آئیں جو بظاہر معلمینِ اخلاق بن کر ظلم و ستم کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ خونخوار درندے بن کر قوم کے بچوں کا خون چوس رہے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کے افعال و اقوال تو غلامان مصطفیٰ ﷺ کو ہی سمجھ آسکتے ہیں۔ ظالم سرداروں چوہدریوں کو کیا سمجھ آئیں جن کے دلوں پر ظلم و ستم کی مہر لگ رہی ہے:

ہرگز نہ شود ظالماں را کردار بہ — خدایا سر ظالماں بر سردار بہ

ظالم سرداروں کا ہرگز بہتر کردار نہیں ہو سکتا۔ اے خدا! ظالموں کا سر سولی پر ہی بہتر ہے۔

آپ ﷺ کا پسینہ خوشبودار اور باعث برکت:

"عَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَاْتِيْهَا فَيَقِيْلُ عِنْدَهَا فَتَبْسُطُ نِطْعًا فَيَقِيْلُ عَلَيْهِ وَكَانَ كَثِيْرَ الْعَرَقِ فَكَانَتْ تَجْمَعُ عَرَقَهٗ فَتَجْعَلُهٗ فِي الطِّيْبِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا اُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هٰذَا؟ قَالَتْ: عَرَقُكَ نَجْعَلُهٗ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنَ الطِّيْبِ اَطْيَبُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! نَرْجُوْ بَرَكَتَهٗ لِصِبْيَانِنَا' قَالَ: اَصَبْتِ" ❸

"حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ ان کے گھر عام طور پر تشریف لاتے اور قیلولہ فرماتے۔ وہ آپ کے لئے چمڑے کا بچھونا بچھاتیں' جس پر آپ قیلولہ فرماتے۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آتا تھا' وہ آپ کے پسینے کو جمع کر کے اپنی خوشبو میں ملا رہی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام سُلیم یہ کیا؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے جس کو ہم اپنی خوشبو میں ملا رہے ہیں کیونکہ یہ سب خوشبوؤں سے اعلیٰ خوشبو ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس سے ہم اپنے بچوں کے لئے برکت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے! تمہیں اس سے برکت حاصل ہوگی۔

---

❶ مسلم' مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاتہ ج 2 ص 517 — ❷ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 79

❸ مسلم' مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاتہ ج 2 ص 517

نبی کریم ﷺ کو پسینہ زیادہ آتا تھا:

"لِاَنَّهٗ كَثِيْرُ الْحَيَاءِ" کیونکہ نبی کریم ﷺ کو حیاء زیادہ آتی تھی اور جسے حیاء زیادہ آئے اُسے پسینہ زیادہ آتا ہے۔ کسی قسم کا عطر، کستوری ہر قسم کی خوشبو والی اشیاء میں ایسی خوشبو نہیں پائی گئی جو میرے حبیب ﷺ کے پسینہ مبارک میں تھی۔ میرے آقا و مولیٰ کو ایک عام انسان سمجھنے والوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے پسینہ سے بدبو آتی ہے، کوئی قریب بیٹھنا پسند نہیں کرتا، لیکن حضور ﷺ کا پسینہ خوشبودار چیزوں کی خوشبو بڑھانے کیلئے استعمال ہوتا تھا اور آپ کے پسینہ سے برکت حاصل ہوتی تھی۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہ عرض کرنے پر کہ ہم آپ کے پسینہ کو بچوں کے لئے برکت حاصل کرنے کے لئے استعمال کریں گے۔ آپ نے منع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا: "اَصَبْتِ اَیْ فَعَلْتِ الصَّوَابَ" "تم نے درست کام کیا ہے یقیناً میرے پسینہ میں برکت ہے۔

"وَفِيْهِ اِسْتِحْبَابُ التَّبَرُّكِ وَالتَّقَرُّبِ بِاٰثَارِ الصَّالِحِيْنَ" "اس حدیث پاک سے یہ سمجھ آیا کہ نیک لوگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کا تقرب حاصل کرنا مستحب ہے۔"

"لَمَّا حَضَرَ اَنَسُ بْنِ مَالِكٍ الْوَفَاةَ اَوْصٰى اَنْ يُّجْعَلَ فِيْ حُنُوْطِهٖ مِنْ ذٰلِكَ الطِّيْبِ" "جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی: میری وفات کے بعد مجھے جو خوشبو (حنوط) لگائی جائے اس میں وہ خوشبو بھی ملانا جو میری ماں نے حضور ﷺ کا پسینہ ملا کر تیار کی تھی۔"

سبحان اللہ! صحابی رسول ﷺ کا کیسا پختہ ایمان ہے کہ آپ کا پسینہ قبر میں بھی برکت کا باعث بنے گا۔ خیال رہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ام حرام رضی اللہ عنہا دونوں بہنیں ہیں، ملحان کی بیٹیاں ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی دس سال خدمت کرنے والے خوش نصیب صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ ان کا نکاح پہلے مالک سے تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے ہیں، بعد میں ان کا نکاح طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ام سلیم اور ام حرام رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں۔ رضاع کی وجہ سے تھیں یا نسب کی وجہ سے، اس لحاظ پر آپ ان کے گھر عام طور پر تشریف لے جاتے۔ آپ ان کے محرم تھے، محرم سے خلوت جائز ہے۔ کسی اجنبی غیر محرمہ عورت سے آپ نے کبھی خلوت نہیں کی۔ اگرچہ امت کی تمام عورتوں کو آپ کی محرمہ درجہ حاصل تھا۔ یہ دونوں بنی نجار سے تھیں اور حضرت عبدالمطلب کی شادی بھی بنی نجار سے تھی کہ یہ اپنے باپ ہاشم سے جدا ہو کر مدینہ چلے گئے تھے اور وہاں بنی نجار سے شادی کر لی تھی۔ [1]

---

[1] مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 11، ص 79 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

پسینہ کی خوشبو سے پتہ چلتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں:

"عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَسْلُکْ طَرِیْقًا فَیَتْبَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اَنَّهٗ قَدْ سَلَکَهٗ مِنْ طِیْبِ عَرَقِهٖ" ❶

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ جب بھی کسی راستہ پر چلے تو آپ کے بعد جب کوئی اس راستہ پر چلا تو اسے آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پتہ چل گیا کہ حضور ﷺ کا یہاں سے گزر ہوا ہے۔"

یہاں جس خوشبو کا ذکر کیا جارہا ہے وہ "هُوَ طِیْبُ عَرَقِهِ الْخَلْقِیُّ لَا طِیْبُ عَرَقِهِ الْعُرْفِیُّ" "آپ کے پسینہ مبارک میں جو خوشبو قدرتی طور پائی جاتی تھی وہ مراد ہے۔ عام طور پر پسینہ کی بدبو زائل کرنے کے لئے لوگ جس خوشبو کا استعمال کرتے ہیں وہ مراد نہیں۔

"هٰذَا مِنْ خَصَائِصِهٖ دُوْنَ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ" ❷

"پسینہ میں قدرتی طور پر خوشبو کا پایا جانا حضور ﷺ کی خصوصیت ہے' باقی انبیاء کرام بھی یہ شرف حاصل نہ ہوا۔"

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے برکت اور شفاء حاصل کرنا:

"عَنْ اَنَسٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلَّی الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِیْنَةِ بِاٰنِیَتِهِمْ فِیْهَا الْمَاءُ فَمَا یَاْتُوْنَ بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ یَدَهٗ فِیْهَا فَرُبَمَا جَاءُوْهُ بِالْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَیَغْمِسُ یَدَهٗ فِیْهَا" ❸

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز ادا فرمالیتے تو مدینہ طیبہ کے تمام خدام یعنی بچے اور بچیاں آپ کے پاس برتن لاتے۔ جو بھی برتن لاتا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے۔ بسا اوقات وہ بہت ٹھنڈا یخ پانی لاتے آپ اپنے ہاتھ کو اس میں بھی ڈالتے۔"

وہ اپنے برتن آپ کے پاس کیوں لاتے؟

"فَیَطْلُبُوْنَ الْبَرَکَةَ وَالنَّمَاءَ وَالْعَافِیَةَ وَالشِّفَاءَ"

"وہ آپ سے برکت طلب کرتے' رزق کی زیادتی طلب کرتے' عافیت طلب کرتے اور شفا طلب کرتے۔"

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ ٹھنڈے پانی میں بھی ہاتھ ڈالتے تھے کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ مجھے بے شک تکلیف ہو لیکن لوگوں کے دل خوش رہیں انہیں تسلی حاصل ہو۔ خاص کر کے آپ خدام اور ضعیف لوگوں کا زیادہ خیال کرتے کیونکہ وہ اپنے برتن لاتے ہی اسلئے تھے کہ آپ کے ہاتھ مبارک سے برکت حاصل کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ نے غرباء

---

❶ مسلم' مشکوۃ باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ ج2 ص517 ❷ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج11' ص83

❸ مسلم' مشکوۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ج2 ص519

سے اپنے عجز کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ "كَانَ اَرْحَمَ النَّاسِ بِالصِّبْيَانِ وَالْعِيَالِ" تمام لوگوں سے زیادہ بچوں پر رحم کرنے والے تھے اور عیال پر بھی بہت زیادہ رحم فرماتے تھے۔ "كَانَ مِمَّا يَقُوْلُ لِخَادِمٍ اَلَكَ حَاجَةٌ" آپ کو اگر کوئی خادم ملتا (یعنی دوسرے لوگوں کے خدام ہوتے) تو آپ اس سے پوچھا کرتے تھے: کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ ❶

نبی کریم ﷺ کی عجز وانکساری:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا سَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ" ❷

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نہ فاحش تھے اور نہ متفحش اور نہ ہی بازاروں میں چلانے والے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ آپ معاف فرما دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔"

حضور ﷺ نہ فحش کلام فرماتے اور نہ ہی آپ کا کوئی فعل ایسا ہوتا جو فحش پر مبنی ہوتا۔ آپ متفحش نہیں تھے یعنی تکلف سے قول وفعل کو فحش طریقہ سے ادا کرنا۔ بے ہودہ قہقہہ لگانا اور راہ گیر سے مزاح اڑانا' شرفاء کو تنگ کرنا' یہ سب فحش کی علامات ہیں۔ آپ ﷺ اس قسم کی حرکات سے مکمل طور پر دور تھے۔

بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرنا' بلاضرورت زور زور سے کسی کو آواز دینا' کسی پر آواز کسنا آپ کا شیوہ نہیں تھا۔ یہ حرکات بے ہودہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔

رب تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (ان کو معاف کریں اور درگزر کریں بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) پر کامل طور عمل تھا۔ کسی کو اس کی بداخلاقیوں کا بدلہ بداخلاقی نہیں دیتے تھے' بلکہ اگر کوئی شخص آپ سے برائی سے پیش آتا تو آپ اس سے اچھائی سے پیش آتے۔ ذاتی طور پر اپنے آپ پر ہونے والی زیادتیوں کو معاف فرما دیتے تھے اور درگزر فرما دیتے۔ ❸

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

"اَنَّهٗ كَانَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَتْبَعُ الْجَنَازَةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ "کہ بیشک آپ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے اور جنازے

❶ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 89 ❷ ترمذی' مشکوٰۃ باب اخلاقہ وشمائلہ ج 2' ص 519

❸ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 94

وَیَرْکَبُ الْحِمَارَ لَقَدْ رَأَیْتُہٗ یَوْمَ خَیْبَرَ عَلٰی حِمَارٍ خُطَامُہٗ لِیْفٌ"❶

کے پیچھے چلتے تھے' مملوک کی دعوت کو قبول فرماتے تھے اور دراز گوش (گدھے) پر سوار ہوتے میں نے آپ کو خیبر کے دن دیکھا کہ آپ ایک دراز گوش پر سوار ہیں اور اس کی رسی بان کی ہے۔ (یعنی کھجور کے پتوں سے بٹی ہوئی رسی تھی)۔

یہ سب چیزیں آپ کی کامل تواضع پر دلالت کر رہی ہیں کیونکہ آپ میں معاذ اللہ تکبر کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ ابن ملک نے کہا ہے کہ دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونا سنت ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قُلْتُ: فَمَنْ اِسْتَنْکَفَ مِنْ رُکُوْبِہٖ کَبَعْضِ الْمُتَکَبِّرِیْنَ وَجَمَاعَۃٌ مِنْ جَھَلَۃِ الْھِنْدِ فَھُوَ اَخَسُّ مِنَ الْحِمَارِ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 94)

"میں کہتا ہوں: جس شخص نے دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونے میں شرم محسوس کی جیسا کہ متکبر لوگ کرتے ہیں اور ہندوستان کے جاہل لوگ کرتے ہیں' وہ گدھے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے شرم کرنا درحقیقت گدھے سے بھی زیادہ ذلت کا سبب ہے۔"

"عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ یَنْزِعْ یَدَہٗ مِنْ یَدِہٖ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ الَّذِیْ یَنْزِعُ یَدَہٗ وَلَا یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ الَّذِیْ یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ وَلَمْ یُرَ مُقَدِّمًا رُکْبَتَیْہِ بَیْنَ یَدَیْ جَلِیْسٍ لَّہٗ"

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ مبارک اس کے ہاتھ سے نہیں ہٹایا جب تک وہ اپنا ہاتھ کھینچ نہ لیتا اور آپ نے کبھی اپنا چہرہ اس سے نہیں پھیرا یہاں تک کہ وہ اپنا منہ پھیر لے اور آپ کو اپنے بیٹھنے والے سے گھٹنے آگے بڑھائے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا۔"

اس حدیث پاک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ذکر کیا گیا کہ آپ نے کبھی متکبرین کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ حسنِ اخلاق کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا۔

جس طرح جابر اور متکبر لوگ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے برابر بیٹھے بلکہ وہ اپنے گھٹنے پاس بیٹھنے والے سے آگے بڑھا کر بیٹھتے ہیں تا کہ ان کا تقدم ظاہر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں فرمایا۔ آپ نے کسی کے سامنے کبھی اپنے گھٹنے کھڑے بھی نہیں کئے: "بَلْ کَانَ یَخْفِضُھُمَا تَعْظِیْمًا لِجَلِیْسِہٖ" بلکہ آپ اپنے گھٹنے پس رکھتے کیونکہ آپ پاس بیٹھے ہوئے شخص کی تعظیم کا لحاظ کرتے۔ "وَلَا یَمُدُّ رِجْلَہٗ عِنْدَ جَلِیْسِہٖ تَعْظِیْمًا لَّہٗ" "آپ نے اپنے ہم نشین کی تعظیم کا خیال کرتے ہوئے کبھی پاؤں

❶ ترمذی' مشکوٰۃ باب اخلاقہ وشمائلہ ج 2' ص 519 ❷ ترمذی' مشکوٰۃ باب اخلاقہ وشمائلہ ج 2' ص 520

پھیلائے بھی نہیں۔

یہ سب کچھ تعلیم امت کی خاطر تھا کہ کوئی شخص مصافحہ کرتے وقت جلد بازی سے اپنا ہاتھ کھینچ نہ لے۔ کسی سے بات کرتے وقت اپنا رخ اس سے نہ پھیرے۔ کسی کو اپنے آپ سے حقیر سمجھ کر آگے بڑھ کر نہ بیٹھے اور پاؤں نہ پھیلائے۔ ❶

دینی مدارس کے طلباء بعض اوقات از خود ادب کا لحاظ کرتے ہوئے استاذ کے برابر نہیں بیٹھتے۔ اس میں استاذ کا تکبر ثابت نہیں ہوتا اور دینی مدارس میں پانچ گھنٹے تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی مثال کسی سکول اور کالج سے نہیں مل سکتی۔ ایسی صورت میں اگر استاذ کو تھکاوٹ کی وجہ سے کبھی پاؤں پھیلانے پڑ جائیں یا گھٹنے کھڑے کرنے پڑیں تو اس میں استاذ کا تکبر نہیں ہوتا اور نہ ہی طلباء کو حقیر سمجھنا مطلوب ہوتا ہے' بلکہ استاذ کا عذر ہوتا ہے۔

اگر ہزارا ساتذہ میں سے کوئی ایک کمینہ' بدترین' گھٹیا ذہن رکھنے والا' نالائق' بے ہودہ' کمینے خاندان کا فرد' دینی مدارس میں بدنما داغ' اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھے اور طلباء کو حقیر سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ان کو گھر سے کھانا نہیں ملتا تو یہاں آ گئے۔ تو یہ اسی ایک کمینے کی سوچ ہے ورنہ ہزار میں سے نوسو ننانوے اپنے آپ کو طلباء کا باپ یا بڑا بھائی سمجھ کر شفقت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے عبودیت کو پسند فرمایا ملوکیت کو نہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يَا عَائِشَةُ! لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ جَاءَنِيْ مَلَكٌ وَإِنَّ حُجْزَتَهُ لَتُسَاوِي الْكَعْبَةَ فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ: إِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا فَنَظَرْتُ إِلَى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ ضَعْ نَفْسَكَ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى جِبْرَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْمُسْتَشِيْرِ لَهُ فَأَشَارَ جِبْرِيْلُ بِيَدِهِ أَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ: نَبِيًّا عَبْدًا" قَالَتْ: فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَّكِئًا يَقُوْلُ: آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ"۔ ❷

"اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کے ازار بند (یعنی کمر) کی جگہ کعبہ شریف تک ہے اس نے کہا: بیشک آپ کا رب تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے: اگر تم چاہتے ہو تو نبی عبد بن جاؤ اور اگر تم چاہتے ہو تو نبی بادشاہ بن جاؤ۔ تو میں نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف نظر کی تو انہوں نے اشارہ میری طرف کیا کہ میں اپنے آپ کو عاجز رکھوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف توجہ کی گویا کہ آپ ان سے مشورہ طلب کرنے لگے تو جبریل امین علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے

❶ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 96
❷ شرح السنہ' مشکوۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ج 2' ص 521

اشارہ کیا کہ آپ عاجزی کو پسند کریں' تو میں نے کہا کہ میں نبی عبد بنوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: میں ایسے کھانا کھاتا ہوں' جیسے عبد کھاتے ہیں اور میں ایسے بیٹھتا ہوں جیسا کہ عبد بیٹھتے ہیں۔''

فرشتے کو اتنا لمبا قد عطا کر کے بھیجا گیا کہ کعبہ شریف کی چھت تک اس کی کمر تھی اور باقی اوپر والا حصہ اس سے بلند تھا اس فرشتے کو اتنا لمبا دینے کی کیا وجہ تھی؟ ''لَعَلَّ وَجهَ ظُهُورِهٖ بِهٰذِهِ العَظمَةِ تَعظِيمًا لِهٰذَا الاَمرِ'' شائد اسے یہ عظمت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اسے اتنا عظیم پیغام دے کر بھیجا گیا تھا کہ اس امر کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔

فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام دیتا ہے۔ صاحب نہایہ نے اس کو دلیل بناتے ہوئے کہا ہے: اگر کوئی شخص دوسرے کو کہے کہ میرا سلام فلاں کو پہنچانا تو اسے چاہیے کہ وہ سلام پہنچائے اور وہ دوسرا شخص سن کر اس کا جواب دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ آپ نبوت کے ساتھ ساتھ چاہتے ہیں تو عبودیت کو پسند کر لیں اور اگر چاہتے ہیں تو ملوکیت (بادشاہت) کو پسند کر لیں آپ نے جبریل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو انہوں نے آپ کو عبودیت پسند کرنے کا مشورہ دیا۔

''وَفِيهِ اِيمَاءٌ اِلٰى اَنَّ المُلُوكِيَّةَ وَكَمَالَ العُبُودِيَّةِ لَا يَجتَمِعَانِ'' ''اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ بادشاہت اور کامل عبودیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الانبیاء ہیں۔ اسلئے آپ کو اعلیٰ قسم کی عبودیت حاصل ہے' اگرچہ مطلقاً بادشاہت کا حاصل ہونا کوئی عبودیت کے منافی بھی نہیں۔ ''لِاَنَّ بَعضَ الاَنبِيَاءِ جَمَعَ لَهُم بَينَهُمَا'' اسلئے کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو دونوں چیزیں یعنی بادشاہت اور عبودیت حاصل تھیں۔

بعض اوقات مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا کمال بھی نظر آتا ہے جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے:

''نِعمَ المَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ وَلِكَونِهٖ وَسِيلَةً اِلٰى فَتحِ البِلَادِ وَتَوسِيعِ العِبَادِ وَاَمثَالِ ذٰلِكَ'' ''نیک شخص کا مال ہی بہتر مال ہوتا ہے اور وہ شہروں کے فتح کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس مال کے ذریعے وسعت حاصل ہوتی ہے اور بھی اس طرح نیکی کے کاموں میں وہ مال صرف ہوتا ہے۔''

اتنا واضح ہوا کہ جب سید الانبیاء نے عبودیت کو پسند کیا تو عبودیت کا انجام بھی اعلیٰ ہے اور اس کا مرتبہ سب مراتب سے بلند ہے۔ اور رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں کو اسی میں اعلیٰ قسم کا ذوق حاصل ہوتا ہے اسلئے کہ: {فَاِنَّ المُلكَ لِلّٰهِ الوَاحِدِ القَهَّارِ} اصل بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے جو واحد و قہار ہے اور رب تعالیٰ نے فرمایا: {وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ

وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ﴾ اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں یعنی وہ یہ ظاہر کریں کہ وہ میرے بندے ہیں اور میں ان کا معبود اور ان کا رب تعالیٰ ہوں جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

"کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ" ''میں ایک مخفی خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ مجھے پہچانا جائے۔''

"وَفِیْهِ دَلِیْلٌ صَرِیْحٌ عَلٰی اَنَّ الْفَقِیْرَ الصَّابِرَ اَفْضَلُ مِنَ الْغَنِیِّ الشَّاکِرِ" ''اس میں واضح دلیل ہے اس پر کہ صبر کرنے والا فقیر شکر کرنے والے غنی سے افضل ہے۔''

بعض اوقات مال و دولت کی کثرت انسان کو سرکش بنا دیتی ہے اور وہ خدا کو بھول جاتا ہے جو تکبر کا ذریعہ ہے اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکرا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ رب تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ غالب احوال میں یہی صورت ہے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝ ''اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے اتارتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا دیکھنے والا ہے۔''

(سورۃ شوریٰ 4:25)

تفسیر ابن کثیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

"خَیْرُ الْعَیْشِ مَا لَا یُلْهِیْكَ وَلَا یُطْغِیْكَ" ''بہتر زندگی وہ ہے جو تمہیں غافل بھی نہ کرے اور سرکش بھی نہ بنائے۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیائے کرام علیہم السلام، اولیائے کرام علمائے کرام اور صلحاء کرام کو مال کم ہی عطا کیا ہے تاکہ یہ مجھے یاد کرتے رہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے جن کو کثیر مال ملا۔ ان کی معصومیت کے پیش نظر ان سے معاذ اللہ سرکشی نافرمانی ممکن نہیں تھی لیکن دوسرے لوگوں سے یہ ممکن ہے، جن علماء کو کثیر مال ملا ان میں سے اکثر عیاش ہو گئے بلکہ بدمعاش ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ یعنی اس طرح کہ ایک طرف میلان ہو یا چوکڑی مار کر تکیہ پر سہارا لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ ٹیڑھا ہو کر تکیہ لگا کر کھانا صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور نیچے گدا ہو اور چوکڑی مار کر کھانے سے کھانا زیادہ کھایا زیادہ کھایا جاتا ہے اسلئے کہ یہ دونوں صورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بیٹھتے تھے جس طرح غلام بیٹھتے ہیں۔

"اِمَّا عَلَی الرُّکْبَتَیْنِ کَهَیْئَةِ الصَّلٰوةِ وَهُوَ اَفْضَلُ الْهَیْئَاتِ اَوْ ''یعنی آپ دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے جیسے نماز میں بیٹھا جاتا ہے۔

يَرْفَعُ إِحْدَى الرُّكْبَتَيْنِ فِي حَالَةِ الْأَكْلِ أَوْ غَيْرِهِ أَوْ يَرْفَعُ الرُّكْبَتَيْنِ عَلَى صِفَةِ الْإِحْتِبَاءِ وَهُوَ أَكْثَرُ أَنْوَاعِ جُلُوْسِهِ ﷺ فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ"

بیٹھنے کا یہ انداز سب سے بہتر ہے یا آپ ایک گھٹنا کھڑا کر کے بیٹھتے جیسے کھانے کے وقت بیٹھا جاتا ہے۔ یا اس کے بغیر بھی اس صورت میں بیٹھا جا سکتا ہے یا دونوں گھٹنے کھڑے کر کے مقعد کو زمین پر لگا کر آپ بیٹھتے' اس حال میں بھی آپ نماز کے بغیر اکثر اوقات بیٹھتے تھے۔ ہاں! البتہ اپنے پاس والے شخص کو حقیر سمجھ کر تکبر کے طور پر ایسا بیٹھنا آپ کو پسند نہیں تھا استراحت کے لئے ایسا بیٹھنا آپ سے اکثر اوقات میں ثابت ہے۔"

نبی کریم ﷺ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے اور غلاموں کی طرح پانی پیتے یعنی آپ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے اور ہاتھ صاف کرنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹتے۔

پانی پیتے وقت درمیان میں تین سانس نکالتے اور ہر سانس میں "بسم اللہ" شریف پڑھتے اور آخر میں ان الفاظ سے رب تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ يَجْعَلْهُ مِلْحًا أُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا"

حضور ﷺ کی عاجزی کا ذکر طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں بہت واضح ہے۔

"أَنَّهُ ﷺ كَانَ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ إِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ" [1]

"بیشک نبی کریم ﷺ زمین پر (بغیر چٹائی وغیرہ) بیٹھ جاتے تھے اور زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرما لیتے تھے اور بکری کو رسی خود باندھتے اور کسی غلام کی جو کی روٹی کے لئے دی ہوئی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے۔"

ابتداءِ وحی:

"عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلٰى أَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءٍ"

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کہتی ہیں: کہ حضور ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا' پھر آپ کو تخلیہ (گوشہ نشینی' علیحدگی) پسند آ گئی تو آپ غار حرا میں خلوت گزینی (علیحدگی) فرمانے لگے اور وہاں متعدد راتیں عبادت فرماتے بغیر اس کے کہ اپنے اہل و عیال کی طرف جائیں اور آپ اپنے ہمراہ توشہ لے جاتے جب وہ ختم ہوتا تو

[1] طبرانی بحوالہ مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 102-101

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور مزید توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آ گیا' ایسے حال میں آپ غارِ حرا میں تھے۔''

(بخاری' باب کیف کان بدء الوحی' ج 1' ص 2)

حضور ﷺ کے ساتھ وحی کی ابتداء رؤیائے صالحہ (سچے خوابوں) سے ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ کے خواب صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتے تھے یعنی آپ جو بھی خواب دیکھتے وہی بعینہٖ پیش آتے تھے۔ یہ سچے خواب دیکھنے پر آپ کو علیحدگی پسند آنے لگی۔ اسی وجہ سے آپ غارِ حرا میں کئی کئی دن جا کر قیام کرتے' اپنا خرچ ساتھ لے جاتے تھے۔ جب وہ ختم ہو جاتا پھر آپ گھر تشریف لے آتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور خرچ یعنی کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے اور پھر غارِ حرا میں جا کر عبادت شروع فرما لیتے وہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟

"اُجِیْبَ بِاَنَّ ذَالِكَ كَانَ بِالتَّفَكُّرِ وَالْاِعْتِبَارِ" ''جواب دیا گیا کہ آپ کی عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری تھی۔''

خیال رہے کہ آپ کی عبادت دن کو بھی ہوتی اور رات کو بھی لیکن یہاں صرف رات کا ذکر کیا گیا یا تو قاعدۂ تغلیب کے پیشِ نظر اور یا گوشہ نشینی کے لئے راتوں کا استعمال اہم ہے اسلئے کہ راتوں کا ذکر کیا گیا۔

فَيَتَحَنَّثُ کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ابن شہاب زہری نے تَعَبُّدُ (عبادت کرنا) سے کی ہے۔ اصل میں تین لفظ ایسے ہیں جو باب تفعل پر آئیں تو ان میں معنی سلب کا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

''تاثم' تحوب' تحنث'' پہلے دونوں لفظوں کا معنی ہے ''گناہوں سے دور رہنا'' اور تحنث کا بھی تقریباً یہی معنی ہے یعنی خلاف شان کاموں سے اجتناب کرنا اور جب خلاف شان کاموں سے اجتناب اچھے کاموں سے ہے تو یقیناً وہ تعبد ہی ہے۔

حضور ﷺ کا غارِ حرا میں قیام کتنی دیر کے لئے ہوتا؟ اس کی تعداد معین ذکر نہیں اسی لئے بعض حضرات نے کثرت معنی لیا ہے اور بعض نے قلت یعنی کثیر راتیں آپ وہاں قیام فرماتے تھے اور کچھ حضرات نے کہا کہ کچھ راتیں وہاں قیام فرماتے اور پھر واپس آ جاتے اور ایک احتمال یہ ذکر کیا گیا ہے۔

"وَهِيَ شَهْرٌ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ وَذَالِكَ الشَّهْرُ كَانَ رَمَضَانَ" ''اور یہ ہر سال میں ایک مہینہ کا قیام ہوتا اور وہ مہینہ رمضان کا ہوتا''

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَقُوْلُ وَيُمْكِنُ اَنْ تَكُوْنَ الْمُدَّةُ اَرْبَعِيْنَ قِيَاسًا عَلٰى مِيْقَاتِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ" ''میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ مدت چالیس دنوں کی ہو کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا طور پر قیام چالیس دن ہی تھا' جب آپ تورات لائے۔''

"وَلَمَّا فِيهَا مِنَ الْخَوَاصِ وَالْاَسْرَارِ الَّتِي تَظْهَرُ اٰثَارُهَا وَاَنْوَارُهَا عَلَى الصُّوْفِيَّةِ الْاَبْرَارِ مَعَ مَا فِيهَا مِنْ مُطَابَقَةِ الْاَرْبَعِيْنَاتِ فِي الْاَطْوَارِ"

"چالیس دن رات کی مدت میں کچھ خصوصیات اور ایسے راز رکھے ہوئے ہیں جن کے آثار وانوار صوفیاء کرام پر ہی ظاہر ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کبھی چالیس دن رات عبادت کے لئے وقف کرتے ہیں' نوافل ادا کرتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' مختصر کھانے سے روزہ افطار کرتے ہیں' ان کی اس عبادت کو"چلہ کشی" کا نام دیا جاتا ہے۔"

لطف کی بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والے بھی اپنے چالیس دن کی سیر وسیاحت' پکنک منانے کے دورے کو"چلہ کاٹنا" کہتے ہیں اور اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ چالیس کا ہندسہ انہیں بھی پسند ہے۔

"وَقَدْ قَالَ ﷺ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ هٰذَا"

(فیوض الباری' مرقاۃ ج11 ص107-106)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے خلوصِ دل سے چالیس صبح عبادت کی' اس کا ذکر کیا۔ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔"

آپ کے پاس فرشتے کی آمد:

"فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اِقْرَاْ! فَقَالَ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ: فَاَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِي' فَقَالَ: اِقْرَاْ! فَقُلْتُ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِي فَقَالَ: اِقْرَاْ! فَقُلْتُ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِي فَقَالَ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

"پس فرشتہ آپ کے پاس آیا' اس نے کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھتا۔ یہاں تک کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا' پھر چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے پھر کہا: میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے پھر وہی جواب دیا میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے تیسری بار پھر دبایا اور کہا: پڑھیے! اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔"

یہ تھی غار حرا میں حضور ﷺ پر سب سے پہلی وحی اور ایک پیغام لانے کی حیثیت سے جبریل علیہ السلام کی پہلی حاضری اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس فرشہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں اور قرآن کریم جبریل علیہ السلام ہی لیکر نازل ہوئے' قرآن پاک میں بھی اسے واضح طور پر بیان کیا گیا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ

"آپ کے دل پر روح امین (جبریل) نے قرآن پاک نازل کیا۔"

رویا صالحہ اور خلوت اختیار کرنے کے بعد یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ جبریل علیہ السلام سامنے آگئے اور انہوں نے سورہ اقراء کی پانچ آیتیں سنائیں۔ یہ رمضان کا مہینہ اور پیر کا دن تھا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تھی ۔

''فَقَالَ: اِقْرَأْ!'' حضرت جبریل آمین نے عرض کیا: اِقْرَأْ پڑھیے! جبریل علیہ السلام نے تین مرتبہ اقْرَأْ! کہا اور حضور ﷺ نے تینوں مرتبہ ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' (میں تو نہیں پڑھتا) فرمایا۔

تین اقرأ کہنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس وحی کا آغاز ہو رہا ہے وہ تین چیزوں پر مشتمل ہوگی: توحید احکام اور قصص۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: پڑھیے! تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں نہیں پڑھتا'' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے انکار کیوں فرمایا؟ جواباً عرض یہ ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا تین مرتبہ کہنا ''اقرأ'' اور حضور ﷺ کا ہر بار جواب دینا ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس میں کیا حکمتیں تھیں؟ اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔ البتہ بظاہر انکار کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ غار حرا میں ذکرِ الٰہی سے لطف اندوز تھے۔ قلبِ اقدس پر کیف کا عالم طاری تھا کہ اچانک حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر استدعا کی کہ پڑھیے تو ظاہر ہے کہ جب آپ کا قلب مبارک محبوب حقیقی کی یاد میں سرشار تھا اور ایک استغراق کی کیفیت طاری تھیں تو ایسی صورت میں آپ نے دوسری جانب توجہ مبذول فرمانا گوارا نہ فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بار اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے معانقہ بھی فرمایا مگر حضور ﷺ کا قلبی اقتضاء یہ ہی رہا کہ ذکرِ حبیب سے لطف اندوز ہوتا رہوں یہاں تک کہ جب جبریل امین علیہ السلام نے اسی محبوبِ حقیقی کے نام کی برکت سے پڑھنے کی استدعا کی جس کے مشاہدہ جمال میں حضور ﷺ مستغرق تھے تو آپ ادھر متوجہ ہوئے اور سورۂ اقرا کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اکثر حضرات نے تو ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' میں ''ما'' نافیہ بنایا ہے جس کا معنی ہے میں نہیں پڑھتا۔ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے عینی ج 1 ص 67 میں اس طرح بیان فرمائی کہ ما استفہامیہ ہے جیسے ﴿مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَامُوْسٰى﴾ میں ہے اور اس کی تائید روایت ابی الاسود فی مناز یہ بھی کرتی ہے جس میں ''ما انا بقاری'' کی جگہ ''کَیْفَ اَقْرَأُ'' یا ''مَاذَا اَقْرَأُ'' آیا ہے۔

اور ممکن ہے کہ پہلا ما نافیہ ہو۔ دوسرا استفہامیہ اور تیسرا موصولہ ہو یعنی پہلی مرتبہ فرمایا ہو کہ میں نہیں پڑھتا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق تھے اور دوسری مرتبہ جبریل امین کے معانقہ کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہو کہ میں کیا پڑھوں اور تیسری مرتبہ فرمایا ہو کہ اچھا میں جو پڑھنے والا ہوں وہ کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ [1]

---

[1] فیوض الباری علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ ج 1 ص 76-75 .... مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 108

تنبیہ راقم نے حدیث کا ترجمہ مولانا محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''فیوض الباری شرح بخاری ج1 ص 75'' سے لیا ''حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ'' کا معنی علامہ رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ''وہ تھک گیا۔''

اعتراض:

فرشتے کا تھک جانا صحیح نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ۩ (سورۃ حم السجدہ 38:24) ''تو یہ اگر تکبر کریں جو تمہارے رب کے پاس ہیں' رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور اکتاتے نہیں۔'' (کنز الایمان)

یعنی انسان اگر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں تو نقصان ان کا اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دن رات تسبیح بیان کرنے والے فرشتے ہیں جو اس کے پاس ہیں' وہ اکتاتے نہیں' وہ ملول نہیں ہوتے۔ مفہوم تقریباً یہی ہے کہ وہ تھکتے نہیں۔

اور ارشاد گرامی ہے:

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ۩ ''اور اسی کے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں۔''

اس آیت کریمہ میں فرشتوں کے نہ تھکنے کا واضح طور پر ذکر ہے۔ اس لئے ''وہ (فرشتہ) تھک گیا'' ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

اجمالی جواب:

جو آیات معترضین پیش کرتے ہیں' ان کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں تھکتے اور حدیث میں جو ذکر ہے وہ یہ ہے {قَالَ: فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ} ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا'' اس میں عبادت کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو یہ ذکر ہے کہ فرشتے نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر دبایا۔ اس کے دبانے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی بلکہ فرشتہ خود ہی تھک ہار گیا۔

تفصیلی جواب:

آیئے! جواب سمجھنے سے پہلے چند چیزوں کو ذہن میں رکھیں۔ ''تھکنا' ہارنا' اکتانا'' ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اردو لغات ''جامع'' کو دیکھئے: **تھکا** (ہندی) اسم صفت' صیغہ مفعول:

① : تھکا ہوا۔ ② : ماندہ ③ : کوفتہ ④ : سست ⑤ ناچار

۶: اکتایا ہوا۔

تھکاماندہ: ۱: اسم صفت، عاجز شخص ۲: ہارا تھکا، تھکا ٹوٹا۔(اردو لغات جامع ایچ۔ایم سعید کراچی)

عربی لغت ''المعجم الوسیط'' دیکھئے:

''جھد، یجھد، جھدا (بفتح الجیم) (ف) و یقال جھد فی الامر ای جدّ'' فلان نے اس کام میں کوشش کی۔

''وفی التنزیل (واقسموا باللہ جھد ایمانھم طلب حتی وصل الی الغایۃ وبلغ المشقۃ'' ''(انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی اپنی قسموں میں کوشش کی) یعنی طلب کیا یہاں تک کہ انتہا تک پہنچ گئے اور مشقت اٹھائی۔''

''جھد بفلان، امتحنہ'' یعنی جب ''جھد'' کے بعد ''باء'' آئے تو معنی ہوگا۔(فلان کا امتحان لیا) اور جب بغیر باء استعمال ہو ''جھدفلانا، بلغ مشقتہ'' پھر معنی ہوگا: فلان کو مشقت پہنچائی۔

''جھدالناس، اجدبوا فھم مجھودون'' جب لوگ قحط سالی کی مشقت میں ہوں تو اس وقت بولا جاتا ہے۔

''جھدالعیش جھدا، ضاق واشتدفھو جھد'' جب گذران تنگ ہو اور انسان شدت و مشقت میں ہو تو بولتے ہیں۔

''جھدالعیش'' اور ''الجھد'' جب جیم کے فتحہ سے آئے تو معنی ہوگا: مشقت، نہایت، غایت، وسعت، طاقت۔ (المعجم الوسیط)

عینی شرح بخاری دیکھئے:

''الجھد بضم الجیم وفتحھا ومعناہ الغایۃ والمشقۃ'' ''جھد'' جیم پر ضمہ ہو یا فتحہ، دونوں کا معنی ہے: غایت و مشقت''

''وفی المحکم الجھد بالضم والفتح الطاقۃ'' ''محکم میں بیان کیا گیا کہ جیم پر خواہ ضمہ ہو یا فتحہ، اس کا معنی ہے: طاقت۔''

''وقیل الجھد بالضم المشقۃ والجھد بالفتح الطاقۃ'' ''اور بعض حضرات نے بیان کیا کہ جب جیم پر ضمہ ہو تو معنی ہوگا: ''مشقت'' اور جب جیم پر فتحہ ہو تو معنی ہوگا ''طاقت''۔

''وفی الموھب الجھد بالضم ماجھد الانسان من مرض اومن مشاق والجھد بالفتح بلوغک غایۃ الامر الذی لا تألوا عن الجھد فیہ'' ''موہب میں مذکور ہے کہ جب جیم پر ضمہ ہو تو معنی ہوگا مرض وغیرہ کی وجہ سے مشقت پہنچنا، اور جب جیم پر فتحہ ہو تو معنی ہوگا: بہت زیادہ معاملہ کی انتہا تک کوشش کرنا اور کوشش میں کوئی کمی نہ کرنا۔''

''وقال ابن درید جھدتہ حملتہ علی ان یبلغ مجھود'' ''ابن درید کہتے ہیں: جب کوئی کہے ''جھدتہ'' تو اس کا معنی ہے: میں نے فلاں کو بہت بڑی مشقت میں ڈال دیا۔''

ابن اعرابی' ابوعمرو اور اصمعی نے بیان کیا ہے: ''جھد'' اور ''اجھد'' کا معنی ایک ہی ہے۔ البتہ ابن اعرابی اور ابوعمرو نے دونوں کا معنی لیا ہے ''کوشش کرنا'' اور اصمعی نے دونوں کا معنی کیا ہے: ''مشقت میں ڈالنا۔'' ❶

مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پاک کا ترجمہ یوں کیا:

''جب کہ آپ غارِ حرا میں تھے۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا' عرض کیا: پڑھیے! فرمایا: میں نہیں پڑھنے والا۔ پھر اس نے مجھے پکڑا' مجھے گلے لگایا حتی کہ اسے مجھ سے مشقت پہنچی' پھر مجھے چھوڑ دیا۔ ❷

مفتی محمد شریف الحق امجدی مبارکپوری (انڈیا) کا ترجمہ وتشریح دیکھئے:

''میرے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی۔ (دوسرا معنی) مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہاء تک پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔ ''الجھد'' کا لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور جیم کے ضمہ سے بھی۔ قاموس میں فتحہ کی صورت میں بمعنی طاقت لیا ہے اور ضمہ کی صورت میں بمعنی مشقت ہے اور دونوں کا معنی غایت بھی۔ اور ''عینی'' میں بتایا گیا ہے دونوں کے معنی غایت ومشقت کے ہیں اور قول یہ ہے کہ جھد (بالضم) کے معنی مشقت اور جھد بالفتح کے معنی طاقت۔'' ❸

مولانا غلام رسول سعیدی کا ترجمہ دیکھئے:

''حتی کہ اس نے دبانے میں پوری قوت صرف کردی'' ❹

جھد بمعنی تھکنا: ''یقال جھدرأیی واجھدته اتعبه بالفکر'' جب شخص یہ کہنا چاہے کہ میں نے فلاں شخص کو اپنی رائے اور فکر میں تھکا دیا تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''جھدته رأیی واجھدته'' میں نے اپنی رائے میں کوشش کر کے اسے تھکا دیا۔

حاصلِ جواب:

''اردو میں جتنے تراجم ہیں' سب ہی قریب قریب ہیں' لفظی ہیر پھیر ہے۔ ①: اسے مجھ سے مشقت پہنچی۔

---

❶ عمدۃ القاری شرح بخاری المعروف بعینی' علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ' ج 1' ص 50 مطبوعہ داراحیاء التراث للعربی
❷ مرأۃ المناجیح' شرح مشکوٰۃ المصابیح' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ج 8' ص 95' نعیمی کتب خانہ لاہور
❸ نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری' مفتی شریف الحق امجدی مبارک پوری' ج 1' ص 248 مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور
❹ شرح صحیح مسلم' کتاب الایمان' ج 1' ص 649 مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور

۞: فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔ ۞: اس نے دبانے پر پوری قوت صرف کر دی۔

سب کا مطلب یہ کہ فرشتہ مجھ سے عاجز آ گیا۔اب آپ علامہ محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت ترجمہ ایک بار پھر دیکھئے:''کہ وہ (فرشتہ) تھک گیا۔''

انبیاء کرام کو عام آدمی کے برابر نہ سمجھیں:

عام آدمی کی بات ہوتی تو یہ کہنا آسان تھا کہ فرشتہ میرے ساتھ مقابلہ میں تھکتا نہیں ۔اور اسی طرح یہ کہا جاسکتا تھا: ''فرشتہ تجھ سے نہیں تھکتا۔'' بات تو سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ کو فرشتہ نے دبایا لیکن آپ کو وہ عاجز نہ کر سکا بلکہ اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود وہ خود ہی عاجز آ گیا' وہ تھک ہار گیا۔

موسیٰ علیہ السلام سے عزرائیل عاجز آ گئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں یہ الفاظ مبارکہ نہ بھولئے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ الْمَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ لَہٗ: اَجِبْ رَبَّكَ ' قَالَ: فَلَطَمَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ عَیْنَ الْمَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَأَھَا "

(صحیح مسلم' باب فضائل موسیٰ علیہ السلام' ج 2' ص 275)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ کو کہا: اپنے رب کا حکم قبول کیجئے! (موت کے لئے تیار ہو جایئے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ پر تھپڑ مارا' جس سے اس کی آنکھ نکل گئی۔''

اگر موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے سے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکل سکتی ہے تو جبرائیل علیہ السلام کا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھک ہار جانا کون سے بعید بات ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جبریل تھک گئے:

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے
جلو جو مرغ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

راقم نے کہا:

فرشتوں کا عبادت سے نہ تھکنا اور ہے نبی سے تھکنا اور ہے
نبی کو مثلِ ما سمجھنا اور ہے' بلند شان بے مثل سمجھنا اور ہے

راقم نے اہل سنت کے چار اردو تراجم پیش کر دیئے' جس کے دل کو جو پسند آئے اسے موضوع سخن بنالے۔ راقم کو علامہ محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں چاشنی نظر آئی تو نقل کر دیا۔ یہ ترجمہ میری نظر میں عظیم ہے۔

گھر آ کر کمبل اوڑھانے کا مطالبہ:

" فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ یَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَةَ فَقَالَ: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ' فَقَالَ: لِخَدِیْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ " [1]

" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیت لے کر واپس گھر تشریف لائے۔ قلب مبارک مضطرب تھا۔ فرمایا: مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ آپ کو کمبل اوڑھایا گیا' یہاں تک کہ وہ کیفیتِ اضطراب جاتی رہی' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو (غار حرا کا) تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا: مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔"

غارِ حرا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی اور انوار و برکاتِ صمدیت متوجہ ہوئے اور آپ نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وحی کی ثقالت اور کلامِ الٰہی کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب جان چلی۔ چنانچہ وحی کو خود قرآن نے قولِ ثقیل کہا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اگر وحی کسی پہاڑ پر اتار دی جاتی تو وہ جلالِ الٰہی سے پاش پاش ہو جاتا مگر یہ تو ذاتِ نبوی تھی جس نے بتوفیقِ الٰہی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے والی چیز کی شدت کو برداشت کر لیا۔

الغرض " لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ " کے جملہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی اس تکلیف اور شدت کو بیان فرمایا ہے جو غارِ حرا میں آپ کو پہنچی اور جس کے اثرات گھر تشریف لانے اور چادر اوڑھا دینے تک رہے اور جب چادر اوڑھا دی گئی تو وہ اضطرابی کیفیت ختم ہو گئی اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو غارِ حرا کا واقعہ سنایا چنانچہ " ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ " کا جملہ اس امر کی تصریح کر رہا ہے کہ خوف دور ہو جانے کے بعد آپ نے قصہ سنایا۔ یہ نہیں کہ قصہ سناتے وقت بھی آپ اپنی جان کے خوف میں مبتلا تھے۔

نبی کو نبوت کے ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا' شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ منکرینِ

[1] بخاری' باب کیف بدء الوحی' ج 1' ص 3

سنت کا اس معصوم جملہ کو غلط رنگ دے کر یہ کہنا کہ بخاری سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ "حضور ﷺ کو اپنی نبوت ہی میں شک تھا" نہایت بے ایمانی کے ساتھ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی تحریف معنوی کرنا ہے کیونکہ پوری حدیث میں کوئی لفظ تو در کنار اشارہ تک نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نبوت کے معاملہ میں ذرا بھر بھی ریب و شک میں مبتلا تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو حکم ہوا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ {اِنَّهٗ طَغٰی} بیشک اس نے سر اٹھایا ہے یعنی سرکش ہو گیا ہے۔ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: {قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰی} دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) نے عرض کیا: اے ہمارے رب! بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

دیکھئے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو رہا ہے' ظاہر ہے کہ خوف کی علت یہ نہیں تھی کہ جناب کلیم اللہ علیہ السلام کو اپنی نبوت میں شک تھا' بلکہ یہ خوف فرضِ نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں تھا۔ مجھے فرعون جیسی عظیم طاقت کے مقابلہ کے لئے بھیجا جا رہا ہے تو میں تنہا فرائضِ نبوت سے کیونکر عہدہ برآ ہوں گا۔ یہی فکر تھی جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خوف میں مبتلا کر دیا اور انہیں عرض کرنا پڑا کہ الٰہی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون زیادتی نہ کرے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لئے باقتضاء بشریت خوف و اضطراب میں مبتلاء ہو جانا شانِ نبوت کے منافی نہیں۔ اسی طرح "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰی نَفْسِیْ" کا یہ مطلب لینا بھی باطل ہے کہ آپ پر فرشتہ کو دیکھ کر رعب پیدا ہو گیا تو آپ نے کہا کہ مجھے تو جان کا خطرہ ہو چلا تھا۔

اولاً: تو یہ اس لئے باطل ہے کہ یہ اس وقت کسی حد تک ممکن ہو سکتا تھا جبکہ جبریل علیہ السلام اپنی ملکی (فرشتوں والی) صورت میں آتے۔ حالانکہ حدیث پاک میں ملکی صورت میں آنے کا کوئی ذکر نہیں' البتہ آپ کے بشری صورت میں آنے کے واضح اشارات موجود ہیں تو اس میں اتنا رعب طاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً: اگر اس رعب کا سبب جبریل علیہ السلام ہوتے تو یہ رعب شروع میں دیکھتے ہی طاری ہونا چاہئے تھا' حالانکہ آپ بڑے سکون و اطمینان سے جواب دے رہے ہیں وہ تین مرتبہ "اقرأ" کہہ رہے ہیں اور آپ ہر مرتبہ "ما انا بقاریٔ" کہہ کر جواب دے رہے ہیں۔ اگر ڈر ہوتا تو معاذ اللہ آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ بھی ادا نہ ہو سکتا۔

لہٰذا واضح ہوا کہ رعب و اضطراب کا سبب حضرت جبریل علیہ السلام کو فقط دیکھنا نہ تھا' بلکہ کلامِ الٰہی کا نزول اور وحی کی ثقالت و شدت ہی تھی۔ [1]

---

[1] فیوض الباری شرح البخاری' علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ' ج 1' ص 80-78

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے:

"لَیْسَ هُوَ بِمَعْنَی الشَّكِّ فِیْمَا اٰتَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لٰكِنَّهٗ رُبَّمَا خَشِیَ اَنَّهٗ لَا یَقْوٰی عَلٰی مُقَاوَمَةِ هٰذَا الْاَمْرِ وَلَا یَقْدِرُ عَلٰی حَمْلِ اَعْبَاءِ الْوَحْیِ فَتَزْهَقُ نَفْسُهٗ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج11' ص109)

"یہاں خوف طاری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے آپ کو اس میں شک تھا' بلکہ اتنے عظیم امر نبوت کو اٹھانے کی قدرت کیسے رکھوں گا؟ یہی سبب تھا جسے آپ نے خوف وخطرہ سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ میری تو جان جا رہی تھی۔"

حضرت خدیجہ کا جواباً عرض کرنا:

"فَقَالَتْ خَدِیْجَةُ: كَلَّا وَاللّٰهِ لَا یُخْزِیْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِیْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ" [1]

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ہرگز نہیں بخدا! (اللہ کی قسم) اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان وشرمندہ نہیں کرے گا۔ آپ قرابت داروں کا خوب حق ادا کرتے ہیں' سچی گفتگو فرماتے ہیں' بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں' مسافروں کی میزبانی کرتے ہیں اور لوگوں کو راہِ حق میں پیش آنے والے حوادث پر مدد دیتے ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تسلی آمیز الفاظ کو بار بار غور سے پڑھیں تو واضح ہوگا کہ فرشتے کا رعب نہیں تھا ورنہ آپ پوچھتیں: وہ کیسا شخص تھا؟ وہ کیسے آیا؟ کیسے پیش آیا؟ نہیں! آپ یہ نہیں پوچھ رہی تھیں' بلکہ کہہ رہی تھیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس ذات باری نے آپ کو یہ بارگراں اٹھانے کا حکم فرمایا ہے' وہی آپ کا معاون ہوگا۔ اس نے تو آپ کو اوصاف حمیدہ پہلے ہی عطا کر رکھے ہیں۔ آپ سے اگرچہ کوئی قطع تعلقی کرے لیکن آپ پھر بھی اس سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچا کلام فرماتے ہیں لوگ بے شک آپ کی تکذیب بھی کرتے رہیں' آپ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ آپ ضعیف لوگوں' یتیموں' بیواؤں' عیال دار' نادار عورتوں اور غریب مردوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں' ان کی امداد فرماتے ہیں' آپ بھلائی کے کاموں کے لئے مال حاصل کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کے پاس مال نہیں ہوتا انہیں عطا فرماتے ہیں اور جو مسافر لوگ آپ کے پاس آتے ہیں آپ ان کی امداد فرماتے ہیں اور جو مصائب حق کی راہ میں لوگوں پر آتے ہیں' آپ ان کی امداد فرماتے ہیں۔ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا۔

سبحان اللہ! ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ نے جن الفاظ سے تسلی

[1] بخاری' مسلم' مشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی ج2' ص522

دی رب تعالیٰ نے بھی وہی الفاظ ذکر فرمائے۔ "یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ"

حدیث پاک سے یہ بھی سمجھ آیا کہ بعض اوقات کسی انسان کی اس کے سامنے تعریف کرنی جائز ہوتی ہے جبکہ معلوم ہو کہ وہ شخص اس پر متکبر نہیں ہو جائے گا اور اس تعریف کرنے میں لوگوں کو بھی اس نیکی کی طرف مائل کرنا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہوا کہ آپ کا فقر اختیاری تھا' اضطراری نہیں تھا حضور ﷺ نے خود فقر کو پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" "فقر میرا فخر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دلیل یہ پیش فرمائی:

"اِنَّكَ مِمَّنْ لَا یُصِیْبُهٗ مَكْرُوْهٌ لِمَا جَمَعَ اللّٰهُ فِیْكَ مِنْ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنِ الشَّمَائِلِ" "بیشک آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اعلیٰ اخلاق اور اچھی عادات سے نوازا ہے۔"

"وَفِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَخِصَالَ الْخَیْرِ سَبَبٌ لِلسَّلَامَةِ مِنْ مَصَارِعِ السُّوْءِ" "اس میں دلیل پائی جاتی ہے اس پر کہ اچھے اخلاق اور بھلائی کے کام برائی کی وجہ سے ہلاکتوں سے بچانے کی ذرائع واسباب ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان میں لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ چاہتا' اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے فرمایا: اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنئے! ورقہ نے (حضور ﷺ سے) کہا: اے میرے بھتیجے! ہاں بتاؤ! تم کیا دیکھتے ہو؟ حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا: یہ ہی وہ ناموس (محرم اسرار یعنی جبریل) ہے جسے خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش میں اس وقت زندہ رہ سکتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا: ہاں! جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں' اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں اس زمانہ میں زندہ رہا تو آپ کی ہر طرح مدد کروں گا۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ہی ورقہ نے وفات پائی۔ اور اس کے بعد وحی رکی رہی۔

خیال رہے کہ سورہ اقراء کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد جبریل علیہ السلام کی آمد رکی رہی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سلسلہ وحی رک جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

حضور ﷺ غارِ حرا سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ فرشتہ نظر آیا' جس کا ذکر حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت میں ہے۔ وہ وحی کے رک جانے کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں (غارِ حرا سے) آ رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا تو مجھے اس سے خوف آیا۔ میں گھر واپس ہوا اور میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: {يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ ۝ قُمۡ فَأَنذِرۡ ۝ ....}

سورۃ اقراء کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد وحی آنا بند ہوگئی تھی' جس کی مدت تین سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے تو سب سے پہلے مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے جس کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وحی آنا شروع ہوگئی جس کا سلسلہ جاری رہا تاہم حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ پر جب عارضی طور پر وحی آنا بند ہوگئی تو آپ ملول رہتے تھے تا آنکہ رحمتِ الٰہی پھر متوجہ ہوگئی اور وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ وحی کیوں رکی رہی؟ اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' البتہ بعض شارحین نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے وحی آنا اس لئے بند ہوئی تاکہ پہلی بار جو آپ پر وحی کی شدت اور ثقالت کے اثرات مرتب ہوئے تھے' وہ دور ہو جائیں اور آپ کا شوق اور بڑھ جائے۔ (1)

نبی کریم ﷺ کے سر جھکانے پر صحابہ کرام نے اپنے سر جھکا لئے:

"عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذَالِكَ وَتَرَبَّدَ وَجْهُهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَكَسَ رَأْسَهُ وَنَكَسَ أَصْحَابُهُ رُءُوْسَهُمْ فَلَمَّا اُتْلِيَ عَنْهُ رَفَعَ رَأْسَهُ" (2)

''حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ پر شدت کی کیفیت طاری ہوتی اور آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا سر جھکا لیا اور صحابہ کرام نے بھی اپنے سر جھکائے جب آپ سے یہ کیفیت جاتی رہی تو آپ نے سر اٹھایا۔''

وحی کے نزول کے وقت سر جھکانے کی وجہ تفکر کرنا اور امرِ وحی کا شدید اہتمام کرنا اور حقوقِ عبودیت کے مطالبہ پر ڈر رکھنا اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ بجا لانا' اپنی امت کے نافرمانوں کو عذاب پہنچنے سے پریشان ہونا اور ڈرنا وغیرہ امور تھے۔ اور ہوسکتا ہے کہ فی الواقع وحی کے نزول کی وجہ سے ظاہری شدت طاری ہو جاتی ہو اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہو۔ نبی کریم کے سر

---

(1) فیض الباری شرح بخاری' علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ' ج 1' ص 85

(2) بخاری و مسلم' مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحی ج 2' ص 522

جھکانے کی تو یہ وجوہ تھیں لیکن صحابہ کرام کے سر جھکانے کی وجہ فقط ''وَنَکَسَ اَصْحَابُہٗ رُءُ وْسَھُمْ اَیْ اِتِّبَاعًا لَہٗ وَتَاَدُّبًا مَعَہٗ'' یہ تھی کہ انہوں نے آپ کی تابعداری کرتے ہوئے ادب کے طور پر سر جھکا لئے تھے۔'' رَفَعَ رَأْسَہٗ اَیْ وَتَبِعَہٗ اَصْحَابُہٗ ''حضور کے سر اٹھانے پر صحابہ کرام نے بھی سر اٹھا لئے۔

سبحان اللہ! کتنی تابعداری' کیسا ادب واحترام تھا؟ کہ حضور ﷺ نے فرمایا بھی نہیں کہ میرے سر جھکانے پر تم بھی سر جھکانا اور میرے سر اٹھانے پر تم بھی اٹھانا۔ فقط دیکھ کر عمل کرنا صحابہ کرام کی ہی شان تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں قتل ہونے والا بدبخت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ فَعَلُوْا بِنَبِیِّہٖ یُشِیْرُ اِلٰی رُبَاعِیَتِہٖ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی رَجُلٍ یَقْتُلُہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' [1]

''اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر شدید غضب ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا آپ نے اپنے سامنے والے دانت مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: (جس دانت مبارک کو غزوۂ احد میں شہید کیا گیا تھا) اور اس شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خود اس کے رسول نے قتل کیا ہو۔''

''مَنْ یَقْتُلُہٗ مَنْ ھُوَ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ لَمْ یَکُنْ اِلَّا اَشْقَی النَّاسِ''

''جس شخص کو اس ہستی نے کیا ہو جو رحمۃ للعالمین ہیں تو یقیناً وہ شخص تمام لوگوں سے بدبخت ہوگا۔''

جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے قتل کیا وہ ''ابی ابن خلف'' تھا۔

آپ کی انگلیوں سے نکلا ہوا پانی زمزم اور کوثر سے افضل ہے:

''عَنْ جَابِرٍ قَالَ: عَطِشَ النَّاسُ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَۃِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَ یَدَیْہِ رَکْوَۃٌ فَتَوَضَّأَ مِنْھَا ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَہٗ قَالُوْا: لَیْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِہٖ وَنَشْرَبُ اِلَّا مَا فِیْ رَکْوَتِکَ فَوَضَعَ النَّبِیُّ ﷺ یَدَہٗ فِی الرَّکْوَۃِ فَجَعَلَ الْمَاءُ یَفُوْرُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ کَاَمْثَالِ الْعُیُوْنِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِیْلَ لِجَابِرٍ: کَمْ کُنْتُمْ؟ قَالَ لَوْ کُنَّا مِائَۃَ اَلْفٍ لَکَفَانَا کُنَّا خَمْسَ عَشَرَۃَ مِائَۃً''

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن میں پانی تھا' جس سے آپ وضو فرما رہے تھے۔ پھر لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کی اور عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں کہ ہم اس سے وضو کریں یا پئیں' سوائے اس کے جو آپ کے برتن میں پانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے برتن میں

[1] بخاری ومسلم' مشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی ج 2' ص 523

رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے فوارے چل پڑے جس طرح چشموں سے پانی نکلتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے اس سے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی تعداد کتنی تھی؟ آپ نے فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ کی تعداد میں ہوتے تو پھر بھی ہمیں کفایت کر جاتا' البتہ ہم اس وقت پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔ ❶

ایک دوسری حدیث دیکھیں جس کے تحت عنوان کے مطابق بحث کی گئی ہے:

"عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ' فَاَخَذَ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ: هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ' ثُمَّ غَسَلَهُ فِيْ طَشْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَآءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَاَمَهُ وَاَعَادَهُ فِيْ مَكَانِهٖ وَجَآءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهٖ يَعْنِيْ ظِئْرَهُ فَقَالُوْا: اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ' قَالَ اَنَسٌ: فَكُنْتُ اَرٰى اَثَرَ الْمِخْيَطِ فِيْ صَدْرِهٖ" ❷

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل آئے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے انہوں نے آپ کو پکڑ کر لٹایا پھر آپ کے دل کی جگہ (سے سینہ) کو چاک کیا اور اس سے ایک منجمد خون لوتھڑا نکالا اور کہا: کہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا' پھر ایک سونے کے طشت میں دل کو رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا' پھر سینے کو درست کیا (یعنی اسے ٹانکے لگائے) دل کو اپنی جگہ پر لوٹا دیا (ساتھ کھیلنے والے) بچے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس آئے' تو کہنے لگے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جب حلیمہ کے گھر کے افراد آئے تو دیکھا کہ حضور کا رنگ متغیر ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور کے سینہ مبارک پر سوئی سے لگے ہوئے ٹانکوں کے نشان دیکھتا تھا۔"

خیال رہے کہ سونے کے برتن استعمال کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں حرام ہے' لیکن جبریل علیہ السلام نے سونے کے طشت کو استعمال کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابھی آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی آپ کو شریعت عطا ہوئی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ استعمال کرنے والے جبریل علیہ السلام تھے اور فرشتے ہمارے افعال کے مکلف نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کو آب زمزم سے دھویا گیا: "اُسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰى اَنَّهٗ اَفْضَلُ مِيَاهِ الْعَالَمِ حَتّٰى مَاءِ الْكَوْثَرِ" اسی کو اس مسئلہ پر دلیل بنایا گیا ہے کہ آب زمزم جہان کے تمام پانیوں سے افضل ہے یہاں تک کہ حوض کوثر اور نہر کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے۔ کیونکہ آپ کے دل کو دھونے کے لئے جس پانی کا انتخاب کیا گیا وہ یقیناً پانیوں سے افضل ہونا چاہیے۔

"لٰكِنَّ الْمَاءَ الَّذِيْ نَبَعَ مِنْ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَا شَكَّ اَنَّهٗ اَفْضَلُ الْمِيَاهِ عَلَى الْاِطْلَاقِ"

"لیکن وہ پانی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا تھا وہ بلا شک تمام پانیوں سے مطلقاً افضل ہے۔"

---

❶ بخاری و مسلم' مشکوۃ باب المعجزات' ج 2' ص 532

❷ مسلم' مشکوۃ باب علامات النبوۃ' ج 2' ص 524

یعنی آبِ کوثر سے بھی اور آبِ زمزم سے بھی چونکہ آبِ کوثر سے تو آبِ زمزم اعلیٰ ہے اور آبِ زمزم سے وہ پانی افضل ہے جو میرے حبیب علیہ التحیۃ والثناء کی انگلیوں سے جاری ہوا۔ وہ کیوں افضل ہے:

"لِكَوْنِهٖ مِنْ اَثَرِ يَدِهِ الشَّرِيْفَةِ وَمَاءُ زَمْزَمَ مِنْ اَثَرِ قَدَمِ اِسْمٰعِيْلَ الْمُنِيْفَةِ وَبَوْنٌ بَيْنَهُمَا وَلِاَنَّ الْاِعْجَازَ الْكَائِنَ فِيْ يَدِهٖ ﷺ اَبْلَغُ"

''اس لئے کہ اس پانی کو تعلق ہے سید الانبیاء کے ہاتھ مبارک سے کہ آپ کی انگلیوں سے جاری ہوا اور آبِ زمزم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے تعلق ہے کہ وہ ایڑی کی حرکت سے نکلا ہے تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔''

کیونکہ جب نبی کریم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں تو آپ کے ہاتھ مبارک سے ظاہر ہونے والا معجزہ بھی افضل ہے اس کمال سے جو اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی رگڑنے سے ظاہر ہوا۔

"وَهٰذَا الْحَدِيْثُ وَاَمْثَالُهٗ مِمَّا يَجِبُ فِيْهِ التَّسْلِيْمُ وَلَا يَتَعَرَّضُ لَهٗ بِتَاْوِيْلٍ مِّنْ طَرِيْقِ الْمَجَازِ اِذْلَا ضَرُوْرَةَ فِيْ ذَالِكَ"

''یہ شق صدر والی حدیث ہو یا اس قسم کی اور احادیث ہوں ان کو تسلیم کرنا واجب ہے اور تاویل کر کے مجازی معنی نہ لیا جائے کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اس لئے کہ خبر دینے والے خود نبی کریم ﷺ ہیں جن سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہو سکتا اس لئے خبر سچی ہے اور رب تعالیٰ کی قدرت سے بھی یہ کوئی بعید نہیں۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے وہ خون کا منجمد ٹکڑا نکالا گیا؟ اس لئے کہ اس میں یہ تاثیر رکھی ہوئی ہے کہ وہ شیطان کے اثر کو قبول کر لیتا ہے اس کو نکال دیا گیا تاکہ اس کی وجہ سے دل مقدس اور منور ہو جائے اور وحی کو قبول کرنے کی کامل صلاحیت اس میں پیدا ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کو غافل کرنے کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں۔

وہ ٹکڑا آپ کے جسم میں رکھا کیوں تھا اس کے بغیر ہی آپ کو پیدا فرما لیا جاتا اس کی کیا وجہ ہے؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کے جسم میں وہ ٹکڑا ہوتا ہے اگر آپ کے جسم میں وہ حصہ شروع میں ہی نہ رکھا جاتا تو جسم میں ایک حصہ کے نہ ہونے کی وجہ سے نقص پیدا ہوتا آپ کو چونکہ ہر عیب سے پاک فرمانا تھا اس حصہ کو جسم میں رکھا گیا تاکہ جسمانی کوئی نقص نہ ہو پھر اسے نکال دیا گیا کیونکہ اب آپ کے جسم مبارک میں وہ رہنے کے قابل نہیں تھا۔

میرے استاذِ مکرم حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی نے یہی تقریر فرمائی تھی' جب آپ یہ حدیث مبارک پڑھا رہے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ پڑھنے والے اور حضرات کے علاوہ یہ چار حضرات قابل ذکر تھے:
مولینا ابو الفضل اللہ دتہ سیالوی' مولینا عبد اللطیف سیالوی' مولینا شاہ محمد قصوری' قاری محمد یوسف جہلمی سلمہم اللہ۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کا شقِ صدر (سینہ چاک کرنا) کئی مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ بچپن میں جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے اور دوسری مرتبہ جب آپ سے غارِ حرا میں جبریل امین کی ملاقات ہوئی اور تیسری مرتبہ معراج کی رات کو۔ (1)

آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے:

"عَنْ اَنَسٍ قَالَ: اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَاَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا" (2)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں معجزہ دکھائیں۔ آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جبلِ حرا چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان آ گیا ہے۔"

"وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِشْهَدُوْا" (3)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک نیچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔"

دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ان دونوں ٹکڑوں کا وقوع ایسا تھا کہ جبل حرا ان کے درمیان ایسا نظر آ رہا تھا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک نیچے۔

نبی کریم نے فرمایا: "اِشْهَدُوْا" اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت پر گواہ بن جاؤ۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے معجزہ پر گواہ بن جاؤ۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے معجزہ طلب کرنے والو آؤ! حاضر ہو جاؤ! ظاہر میں میرے معجزہ کو دیکھو اس معجزہ کا انکار اور تاویل حق سے کج روی ہے۔

"قَالَ الزَّجَّاجُ: قَوْمٌ عَدَلُوْا عَنِ الْقَصْدِ وَمَا عَلَيْهِ اَهْلُ الْعِلْمِ اَنْ تَاْوِيْلَهٗ اَنَّ الْقَمَرَ يَنْشَقُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ۔

"زجاج نے کہا کہ اہل علم کے راستہ سے ہٹ جانے والوں اور سیدھی راہ سے عدول کرنے والوں نے یہ کہا ہے کہ چاند کا پھٹنا قیامت کو واقع ہوگا۔"

حالانکہ ان کج روی کرنے والوں کا یہ قول سراسر باطل ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ اسی پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ واقع ہو چکا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" کے بعد ذکر فرمایا ہے:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (2)
(سورۃ القمر 8:25)

"اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔"

---

(1) مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11، ص 123
(2) بخاری، مسلم باب انشقاق القمر ج 2، ص 373
(3) بخاری، امام بخاری رحمہ اللہ ج 2 ص 721

"فَكَيْفَ يَكُوْنُ هٰذِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" قیامت کے دن یہ کیسے ہوگا یعنی قیامت کے دن کسی نشانی کو کوئی شخص بھی جادو نہیں کہہ سکے گا وہاں تو ان کو اپنی جان کی پڑی ہوگی یہ تو دنیا میں ہی وہ آیات و معجزات کو جادو کہتے رہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کچھ لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ چاند کے دو ٹکڑے فرمانے کا معجزہ ایک ہولناک امر تھا۔ اگر یہ واقع ہوتا تو تمام روئے زمین کے لوگ دیکھتے اور حدیث کے راوی کثیر تعداد میں ہوتے۔ اس طرح حدیث متواتر ہوتی حالانکہ یہ خبر واحد ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو اس حدیث اور معجزہ کو مانتے ہیں ان کے نزدیک تو کثیر مقدار میں اسے لوگوں نے نقل کیا ہے۔ اسلئے یہ متواتر المعنی ہے لیکن مخالفین کو ہو سکتا ہے کہ غفلت طاری ہوگئی ہو جس طرح سورج کو گرہن لگتا ہے تو کوئی توجہ کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔

"وَالْقُرْاٰنُ اَوْلٰی دَلِيْلٌ وَّاَقْوٰى شَاهِدٌ وَّاِمْكَانُهٗ لَا شَكَّ فِيْهِ عَقْلًا وَّقَدْ اَخْبَرَ عَنْهُ الصَّادِقُ فَيَجِبُ اِعْتِقَادُ وُقُوْعِهٖ" "قرآن پاک سب سے اعلیٰ دلیل ہے اور سب سے بڑی قوی شہادت ہے عقلی طور پر اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور جب حضور نبی کریم ﷺ نے خود خبر دی ہے اور آپ سے بڑھ کر کوئی سچا بھی نہیں۔ تو ضروری ہو چکا ہے کہ اس معجزہ کے وقوع کا یقین کیا جائے۔"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کثیر لوگ اس معجزہ کو کیوں نہیں دیکھ سکے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: یہ معجزہ چاند کے دو ٹکڑے ہونا رات کو واقع ہوا اور بڑے بڑے لوگ غافل ہو کر سوئے ہوئے تھے اور دروازے بند تھے اور وہ چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں انسان کم ہی آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور آسمان میں کم ہی تفکر کرتا ہے اور شرح السنہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ مطالبہ بھی ایک خاص قوم نے کیا تھا اور انہوں نے ہی دیکھا تھا دوسرے لوگ غافل ہو کر سو رہے تھے۔ [1]

نبی کریم ﷺ کو درخت اور پتھر سلام کہتے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ" [2] "بیشک میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں مجھے بعثت سے پہلے سلام کہتا تھا۔ بیشک میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔"

"وَيَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ كَمَا وَرَدَ فِیْ رِوَايَةٍ" "ایک روایت میں صراحتاً ذکر ہے کہ وہ کہتا تھا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ"

---

[1] مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 11، ص 124

[2] بخاری، مسلم، مشکوۃ باب المعجزات، ج 2

وہ پتھر کون سا تھا؟ حقیقت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ البتہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ حجر اسود ہو یا کعبہ شریف اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے درمیان ایک پتھر تھا جو زقاق الحجر کے نام سے مشہور تھا آپ کو سلام کہتا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَمَّا اسْتَقْبَلَنِیْ جِبْرِیْلُ بِالرِّسَالَةِ جَعَلْتُ لَا اَمُرُّ بِحَجَرٍ وَّلَا شَجَرٍ اِلَّا قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"

"جبریل امین جب میرے پاس رسالت کا حکم لے کر آئے تو مجھے جو بھی پتھر یا درخت ملتا وہی کہتا "السلام علیک یارسول اللہ""

"وَفِیْهِ اِیْمَاءٌ اِلٰی اَنَّهٗ مَبْعُوْثٌ اِلٰی کَافَّةِ الْخَلْقِ" [1]

"اس میں اشارہ ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے۔"

نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور ابو جہل کی ذلت:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ: هَلْ یُعَفِّرُ مُحَمَّدٌ وَجْهَهٗ بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ، فَقِیْلَ: نَعَمْ! وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی! قَالَ لَئِنْ رَاَیْتُهٗ یَفْعَلُ ذٰلِكَ لَاَطَاَنَّ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ یُصَلِّیْ زَعَمَ لِیَطَاَ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَمَا فَجَئَهُمْ مِنْهُ اِلَّا وَهُوَ یَنْکُصُ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَیَتَّقِیْ بِیَدَیْهِ، فَقِیْلَ لَهٗ: مَالَكَ؟ فَقَالَ: اِنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ لَخَنْدَقًا مِنْ نَارٍ وَهَوْلًا وَاَجْنِحَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ دَنَا مِنِّیْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِکَةُ عُضْوًا عُضْوًا"

(مسلم، مشکوۃ باب المعجزات، ج 2)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ابو جہل نے کہا: کہ محمد ﷺ تمہارے سامنے پیشانی رگڑتے ہیں (نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں) تو لوگوں نے کہا: ہاں! ابو جہل کہنے لگا: قسم ہے لات اور عزی کی! اگر میرے سامنے اس نے ایسا کیا تو میں اس کی گردن دبوچ دوں گا۔ (معاذ اللہ) اتنے میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ اس نے ارادہ کیا کہ آپ کی گردن دبوچ دے وہ اچانک آپ کے پاس آیا ہی تھا لیکن ایڑیوں کے بل پیچھے کی طرف بھاگا اور بچاؤ کے لئے ہاتھ مار رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا؟ وہ کہنے لگا: میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہو گئی اور بہت بڑا ہولناک منظر تھا اور پرندوں کے پر ہی نظر آرہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کر دیتے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔"

ابو جہل کو جو پر نظر آرہے تھے وہ درحقیقت فرشتے تھے جو حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔

معراج کی رات جبریل آپ کو انبیائے کرام کا تعارف کیوں کرا رہے تھے؟

"وَکَانَ نَبِیُّنَا عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ فِی الْاِسْتِغْرَاقِ التَّامِ

"ہمارے نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کی ملاقات کی تمنا میں کامل

---

[1] مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 11، ص 127 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

"مُشَاهَدَةِ الْمَرَامِ غَافِلًا عَنِ الْاَنَامِ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِقَوْلِهٖ {مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى} حَتّٰى احْتَاجَ فِيْ كُلِّ مِنَ الْمَقَامِ اِلٰى تَعْلِيْمِ جِبْرِيْلَ بِالسَّلَامِ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 145)

طور پر استغراق میں تھے صرف مقصد عظیم رب کا مشاہدہ کرنا تھا آپ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے غافل تھے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا {مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى} آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ یہ آپ کے استغراق تام کی طرف کامل اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے ہر مقام پر جبریل علیہ السلام آپ کو متوجہ کرتے رہے کہ یہ فلاں نبی ہیں' آپ ان کو سلام کریں۔"

انبیائے کرام علیہم السلام سے آپ کی ملاقات آسمانوں میں کیسے ہوئی۔ جب کہ ان کے جسم اپنی اپنی قبروں میں موجود ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے: "بِاَنَّ اَرْوَاحَهُمْ تَشَكَّلَتْ بِصُوَرِ اَجْسَادِهِمْ" کہ ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ نے جسموں کی شکل دے دی ہو۔ یعنی قبروں میں جسم ہونے کے باوجود آسمانوں میں ارواح بھی جسموں کی صورت موجود ہوگئیں۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے: "اَوْحَضَرَتْ اَجْسَادُهُمْ لِمُلَاقَاتِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم تِلْكَ اللَّيْلَةِ تَشْرِيْفًا لَّهٗ" "یا انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے آسمانوں میں اس رات کو حاضر کرلیا گیا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واضح ہو جائے اور آپ کی عزت افزائی ہو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں میں جس نبی سے بھی ملاقات ہوئی "فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ السَّلَامَ" آپ فرماتے ہیں: میں نے اسے سلام کہا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ "وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ حَقِيْقَةً" اور اس میں دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو حقیقی زندگی حاصل ہے۔ (1)

"اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَا يَمُوْتُوْنَ كَسَائِرِ الْاَحْيَاءِ بَلْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ الْبَقَاءِ وَقَدْ وَرَدَ بِهِ الْاَحَادِيْثُ وَالْاَنْبَاءُ وَاَنَّهُمْ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَاِنَّهُمْ اَفْضَلُ مِنَ الشُّهَدَاءِ وَهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ" (2)

"بے شک انبیاء کرام علیہم السلام باقی زندہ لوگوں کی طرح زندہ ہیں' مردہ نہیں۔ بلکہ صرف دار فناء یعنی دنیا سے دار بقاء یعنی آخرت کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی پر دلالت کرنے والی کئی احادیث اور اخبار وارد ہیں۔" بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ شہدا سے افضل ہیں' وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔"

خیال رہے کہ ہر نبی نے آپ کو سلام کا جواب دیتے ہوئے {اَلنَّبِيُّ الصَّالِحُ} "اے صالح نبی" کے لقب سے پکارا۔ "صالح" کے انتخاب میں کیا حکمت تھی؟:

"اِنَّ الصَّلَاحَ صِفَةٌ تَشْمَلُ جَمِيْعَ خِصَائِلِ الْخَيْرِ وَشَمَائِلِ الْكِرَامِ" "بے شک صلاح ایک ایسا وصف ہے جو بھلائی کی تمام خصلتوں اور اچھی عادات کو شامل ہے۔"

---

(1) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 142
(2) مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 143

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے:

"اَلصَّالِحُ مَنْ یَّقُوْمُ بِمَا یَلْزَمُ مِنْ حُقُوْقِ اللّٰہِ وَحُقُوْقِ عِبَادِہٖ" "صالح وہ ہے جو اس کے ذمہ حقوق العباد اور حقوق اللہ لازم ہوں اُن کو مکمل طور پر ادا کرے۔"

اسی وجہ سے انبیائے کرام علیہم السلام نے اس دعاء کو اختیار کیا "تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ" "مجھے حالتِ اسلام پر وفات آئے اور مجھے صالحین (اپنے خاص قریبی بندوں) سے ملادے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں یہ معنی مراد لیا جائے: اَلصَّالِحُ لِھٰذَا الْمَقَامِ الْعَالِیْ وَالصُّعُوْدُ الْمُتَعَالِیْ" کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ کے اس بلند و بالا مقام کو دیکھ کر آپ کو صالح کہا ہو کہ یہ عظیم مرتبہ اور اس مقام پر سیر کرانا یعنی شرف معراج آپ کو ہی حاصل ہو رہا ہے' اسلئے صالح ہونے کا بلند مقام بھی آپ کو حاصل ہے۔

حضور ﷺ کا معراج جاگتے ہوئے تھا:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہم نے بخاری اور ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اسے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں {وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ} "اور ہم نے نہ کیا وہ دکھانا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش" یعنی آپ کو حالتِ بیداری میں معراج کرا کے لوگوں کی آزمائش بنایا کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں۔"

"رُؤْیَا عَیْنٍ اُرِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ" "رؤیا سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے (خواب دیکھنا مراد نہیں) جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا یہ وہ سیر کی رات ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہوا کہ آپ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کرائی گئی۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: "قَالَ: شَیْءٌ اُرِیَہُ النَّبِیُّ ﷺ فِی الْیَقْظَۃِ رَاٰہُ بِعَیْنِہٖ" "نبی کریم ﷺ کو جو چیز دکھائی گئی وہ بیداری میں یعنی جاگتے میں جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ بات بھی واضح کہ واقعہ معراج کو سن کر قریش نے انکار کیا تھا اور العیاذ باللہ کچھ لوگ یہ سن کر مرتد بھی ہو گئے تھے:

"وَاِنَّمَا یُنْکِرُ اِذَا کَانَتْ فِی الْیَقْظَۃِ فَاِنَّ الرُّؤْیَا لَا یُنْکِرُ مِنْھَا" (مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 139) "انکار کی ضرورت ہی اس وقت در پیش آئی جبکہ واقعہ بیداری کا تھا اگر خواب کا معاملہ ہوتا تو کسی کو انکار کیا ضرورت تھی۔"

"اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: لَمَّا کَذَّبَنِیْ قُرَیْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ فَجَلَّی اللّٰہُ لِیْ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُھُمْ عَنْ اٰیَاتِہٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْہِ" "بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیت المقدس ظاہر کر دیا تو میں نے اس کی نشانیاں بتانی شروع

کر دیں اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔“ (بخاری ج 1 ص 548 .... مسلم ج 1 ص 96)

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ معراج جاگتے ہوئے جسمانی طور پر تھا اسی لئے قریش نے انکار کیا تھا:

”وَمِمَّا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ اَسْرٰى بِجَسَدِهٖ ﷺ قَوْلُهٗ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ وَلَفْظُ الْعَبْدِ عِبَارَةٌ عَنْ مَجْمُوْعِ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ“ (سراج منیر ج 2 ص 277)

”رب تعالیٰ نے حضور کی معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: {اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ} جو اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا تھا اور آپ کو جسمانی طور پر معراج ہوا کیونکہ عبد روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔“

اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو ”اَسْرٰى بِرُوْحِ عَبْدِهٖ“ کہا جاتا کیونکہ عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۲۹ میں بھی اس دلیل کو ذکر کیا گیا ہے اور ”کبیر“ میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

غلطی کی وجہ:

خواب کا واقعہ بیان کرنے والی ایک روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش کرتے ہیں:

”عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْمِعْرَاجِ فَقَالَ: كَانَتْ رُؤْيَا صَالِحَةً“

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ معراج کیسے تھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ رؤیا صالحہ تھا۔“

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ”رؤیا“ سے مراد ”رؤیا بالعین“ ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا۔ بنیادی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ”رؤیا“ خواب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں بھی۔ جب دوسری روایات سے واضح ہے کہ ”رؤیا“ بمعنی آنکھ سے دیکھنے کے یہاں مراد ہے تو خواب والا معنی لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے: ”مَا فُقِدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ“ ”نبی کریم ﷺ کا جسم معراج کی رات کو گم نہیں پایا گیا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ میں نے آپ کے جسم کو گم نہیں پایا تو یہ واقعہ خواب کا ہے کیونکہ خواب میں حضور ﷺ کو کئی مرتبہ معراج ہوا۔ یہ خواب والے معراج کا ذکر ہوگا کیونکہ جاگتے ہوئے معراج مکہ مکرمہ میں ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں مدینہ طیبہ میں آئیں۔

اور اگر آپ رضی اللہ عنہا نے مطلقاً واقعہ کو ذکر کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا جسم روح سے گم نہیں تھا اور روح سے جدا نہیں تھا بلکہ روح اور جسم کے ساتھ معراج ہوا۔ یہی معنی لیا جائے تو دوسری روایات کے ساتھ تطبیق ہو سکتی ہے۔

فائدہ: ارواح کا تعلق بدنوں سے ایسا ہے جیسا کہ سورج کا تعلق عالمِ دنیا سے۔ جس جسم پر بھی سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں وہ

چیز روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جسم کے ہر عضو میں سے جس پر روح کی نورانیت پڑتی ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور اس میں انوار کمال وجلال اثر انداز ہوتے ہیں۔

روح کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ ارواح ہیں جن میں صفاتِ بشریہ کی کدورت پائی جاتی ہے۔ یہ عوام کی روحیں ہیں ان پر حیوانی قوتیں غالب ہوتی ہیں جو عروج کو قبول نہیں کرتیں۔

دوسری قسم: وہ ارواح ہیں جن میں علوم کے حاصل کرنے کی وجہ سے قوتِ نظریہ میں کمال حاصل ہوتا ہے یہ علماء کی روحیں ہیں۔

تیسری قسم: وہ روحیں ہیں جن کو بدن کی قوت مدبرہ کی وجہ سے کمال حاصل ہوتا ہے۔ اسی قوتِ مدبرہ کے حصول کی وجہ سے وہ اچھے اخلاق اچھی صفات کو قبول کرتی ہیں یہ مرتاضین (ریاضت کرنے والے) کی روحیں ہیں۔ جس طرح قوت میں فوقیت آتی ہے اسی طرح ان کے بدن میں ریاضت ومجاہدہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

چوتھی قسم: وہ روحیں ہیں جنہیں قوتِ نظریہ اور قوتِ مدبرہ دونوں میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ یہ بشری روحوں کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام صدیقین کی روحیں ہیں جب ان قوتوں میں فوقیت آتی ہے تو بدنوں کو زمین سے بلند ہونے کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ باقی جلیل القدر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں کو صرف اتنی قوت حاصل ہوئی کہ وہ آسمانوں تک پہنچ سکے وہ حضور ﷺ کے استقبال کے لئے یہ مقام حاصل کر سکے۔

"وَاَكْمَلُهُمْ قُوَّةً نَبِيُّنَا ﷺ فَعُرِجَ بِهٖ اِلٰى قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" "تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ہمارے نبی کریم ﷺ کو قوتِ نظریہ اور قوتِ مدبرہ زیادہ اعلیٰ حاصل ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کا معراج {قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى} کے درجہ کا تھا"

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 139)

یعنی رب کا دیدار حاصل ہوا دونوں کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔

نبی کریم ﷺ کا دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾

(سورۃ النجم 5:27)

ہے انہیں سکھایا اللہ تعالیٰ سخت قوتوں والے طاقتور نے' پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا' پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا' پھر خوب اتر آیا' تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم' اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی' دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا' تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا' سدرۃ المنتہٰی کے پاس' جنت الماوٰی ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا' آنکھ نہ کسی کی طرف پھری نہ حد سے بڑھی' بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

{وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ﴿۱﴾} "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے۔"

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق کیا ہے آپ کہتے ہیں:

"هُوَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهَوَاهُ نُزُوْلُهٗ مِنَ السَّمَاءِ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ" "النجم" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور "ھوٰی" سے مراد آپ کا معراج کی رات آسمانوں سے اترنا ہے۔"

خیال رہے کہ "ھوٰی" کا معنی اترنا بھی اور چڑھنا بھی اس لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَجُوِّزَ عَلٰی هٰذَا اَنْ يُّرَادَ بِهَوَاهُ صُعُوْدُهٗ وَعُرُوْجُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِلٰی مُنْقَطِعِ الْاَيْنِ" "اس معنی کے لحاظ سے یہ کہنا بھی جائز ہے کہ آپ وہاں تک بلند ہوئے جہاں مکان کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔"

اب معنی یہ ہوگا ہے اس پیارے چمکتے تارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو لامکان تک بلندیوں پر فائز ہوئے۔

{مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ﴿۲﴾} "اور تمہارے صاحب نہ بہکے اور نہ بے راہ چلے۔"

قریش کو خطاب فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا صاحب کہا کیونکہ وہ آپ کی شریعت کے تمام احوال سے باخبر تھے اور یہ جانتے تھے کہ آپ ہر قسم کی برائی سے کامل طور پر اجتناب کرتے ہیں اور رشد و ہدایت کا اعلیٰ درجہ آپ کو حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا طویل حصہ ان میں گزارا تھا' اس لئے وہ آپ کے حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے:

{وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰی ﴿۴﴾}

"وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے ہاں مگر وہی جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی مسئلہ میں اجتہاد بھی فرمائیں تو وہ دوسرے مجتہدین سے مختلف ہوتا ہے:

"اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ اُوْحِیَ اِلَیْہِ اَنْ یَّجْتَھِدَ بِخِلَافِ غَیْرِہٖ مِنَ الْمُجْتَھِدِیْنَ" "بیشک نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی جاتی ہے کہ آپ اجتہاد کریں بیشک وہ وحی مخفی کیوں نہ ہو لیکن دوسرے مجتہدین کو یہ حالت حاصل نہیں ہوئی۔"

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَنَّہٗ حِیْنَئِذٍ بِالْوَحْیِ لَا وَحْیٌ" "آپ کا اجتہاد وحی سے ہوتا ہے اگرچہ اس پر وحی کے احکام جاری نہیں ہوتے یعنی اجتہاد سے حاصل کردہ مسئلہ اور وحی سے نافذ ہونے والے حکم میں فرق ہوتا ہے۔ بعض اوقات اجتہاد کو بھی وحی کا درجہ حاصل ہوگا جبکہ یہ مقام حاصل ہو کہ "مَا اَلْقَیْنَہٗ فِیْ قَلْبِكَ فَھُوَ مُرَادِیْ" "جب رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ کہا جائے کہ جو چیز میں نے آپ کے دل میں ڈالی ہے وہی میری مراد ہے۔

اس کے بعد آنے والی آیات میں اختلاف ہے جو جلوہ حضور ﷺ نے دیکھا وہ جبریل کا دیکھا یا اللہ تعالیٰ کا۔ صحیح یہی ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا:

"رَاٰی مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّہٗ" قَالَ عِکْرَمَۃُ: قُلْتُ: اَلَیْسَ اللّٰہُ یَقُوْلُ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ قَالَ: وَیْحَكَ ذَاكَ اِذَا تَجَلّٰی بِنُوْرِہِ الَّذِیْ ھُوَ نُوْرُہٗ وَقَدْ رَاٰی رَبَّہٗ مَرَّتَیْنِ" "نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا "لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ" نظریں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے اس نور سے تجلی فرمائے' جو ذات کے درجے میں ہے۔ حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذاتی کے نور کا کسی نے احاطہ نہیں کیا' اس کی حقیقت تک کوئی نہیں پہنچ سکا' نفی اس معنی کے لحاظ سے ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً کسی کو بھی طاقت نہیں مل سکی کہ اس کے نور کو دیکھا ہو۔ جب یہ فرق کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں نفی پائی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ان میں تطبیق ہوسکے گی کہ ایک روایت کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے رب کے نور کا احاطہ نہیں کیا اور دوسری کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کے نور کو دیکھا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' عبداللہ کہتے ہیں: میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ کاش! میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور آپ سے ایک سوال کرتا۔ انہوں نے کہا: کس چیز کے متعلق تم سوال کرنے کی تمنا رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: "قَدْ سَاَلْتُہٗ فَقَالَ: رَاَیْتُ نُوْرًا" کہ ہاں! میں نے سوال کیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نور کو دیکھا ہے۔

دوسری روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ ؟ قَالَ: نُوْرًا نِّیْ أَرَاهُ" میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! وہ ذات نورانی ہے میں نے اس کو دیکھا ہے۔"

نورانی میں "یا" نسبت کی بنائی جائے تو دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہوگا۔ اس لئے تو بہتر یہ ہی ہے کہ اس لفظ کو اسی طرح پڑھا جائے۔ بعض حضرات نے "نورانی" پڑھا ہے یعنی ایک لفظ "نور" ہے اور دوسرا "أنّٰی" ہے اب معنی یہ ہوگا کہ وہ ذات نور ہے میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔"

اس معنی کے لحاظ پر پھر تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ میں نے اس کے نور کا احاطہ نہیں کیا ہے تاکہ دوسری روایت کا معنی بھی درست ہو سکے کہ میں نے نور کو دیکھا ہے یعنی دیکھا تو ہے اور کامل احاطہ نہیں کیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

"إِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأٰى رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَمَرَّةً بِفُؤَادِهٖ" "بیشک محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ آپ کی آنکھوں سے۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنا مختار بیان کرتے ہیں:

"وَاَنَا اَقُوْلُ بِرُؤْيَتِهٖ ﷺ رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَبِدُنُوِّهٖ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْوَجْهِ اللَّائِقِ" ● "میں کہتا ہوں: کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے کہ آپ کو رب کا قربِ خاص حاصل ہوا ہے، جیسا بھی مناسب تھا۔"

یعنی اس قرب و رؤیت کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی، البتہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کو ماکان وما یکون کا علم دیا گیا:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ "رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔"

جب نبی کریم ﷺ تمام عالم کی جان ہیں تو انسانیت کی جان ہونا بھی واضح ہوا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ {وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ} کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اَلْعَالَمُ جَسَدٌ وَرُوْحُهُ النُّبُوَّةُ وَلَا قِيَامَ لِلْجَسَدِ بِدُوْنِ رُوْحِهٖ" "تمام جہان جسم ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی روح ہیں اور جسم

● روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 14، ص 53

کا قیام بغیر روح کے نہیں۔"

اسی لئے جہان کا قیام حضور ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

"وَجَازَ اَنْ یُّقَالَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ فِیْهِ بَیَانٌ مَّا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ مِنَ الْاَزَلِ اِلَی الْاَبَدِ مُطَابِقًا لِبَیَانِ مَنْ مَضٰی مِنَ الرُّسُلِ هِدَایَةً لِلنَّاسِ وَاٰیَةً عَلٰی نُبُوَّتِهٖ" (1)

"جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ "خَلَقَ الْاِنْسَانَ" انسان سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں "عَلَّمَهُ الْبَیَانَ" سے مراد قرآن پاک ہے جس میں "ما کان وما یکون" (جو ہو گیا اور جو ہونا ہے) کا علم ازل سے ابد تک موجود ہے، جو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذکر وبیان کے مطابق ان کے احوال پر مشتمل ہے، لوگوں کے لئے ہدایت اور آپ کی نبوت پر نشانی ہے۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ "الجامع لاحکام البیان المعروف بقرطبی" میں بیان فرماتے ہیں:

"وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَیْضًا عَنِ ابْنِ کَیْسَانَ اَلْاِنْسَانُ هٰهُنَا یُرَادُ بِهٖ مُحَمَّدٌ ﷺ وَالْبَیَانُ بَیَانُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْهُدٰی مِنَ الضَّلَالِ وَقِیْلَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ لِاَنَّهٗ عَنِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَیَوْمِ الدِّیْنِ" (2)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن کیسان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "الانسان" سے مراد محمد ﷺ ہیں اور "علمہ البیان" میں بیان سے مراد یا تو حلال وحرام کا علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیان سے مراد کان وما یکون کا علم ہے کیونکہ حضور نے اولین وآخرین اور قیامت کا ذکر فرمایا جب آپ نے جمیع گزرے اور آنے والے اور واقعات قیامت سے مطلع فرمایا تو آپ کو ما کان یکون کا علم یقیناً حاصل ہے۔"

ان مذکورہ تفاسیر کے مطابق ہی تفسیر سراج منیر، جمل، حسینی میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

علم غیب نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے:

{لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ} کی تفسیر میں جمل میں ذکر کیا گیا ہے:

"لِقَائِلٍ: اَنْ یَّقُوْلَ قَدْ اَخْبَرَ ﷺ عَنِ الْمُغَیَّبَاتِ وَقَدْ جَاءَتْ اَحَادِیْثُ فِیْ صَحِیْحٍ بِذٰلِكَ وَهُوَ اَعْظَمُ مِنْ مُعْجِزَاتِهٖ ﷺ فَکَیْفَ الْجَمْعُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ قَوْلِهٖ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَاُجِیْبَ اَنَّهٗ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ قَالَهٗ عَلٰی سَبِیْلِ التَّوَاضُعِ وَالْاَدَبِ الْمَعْنٰی لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اَنْ

"اگر کوئی اعتراض کرے کہ نبی کریم ﷺ نے تو بہت غیبی خبریں دی ہیں اور صحیح احادیث میں اس کا ذکر ہے حالانکہ علم غیب نبی کریم کا عظیم معجزہ ہے تو ان احادیث اور قرآن پاک کی اس آیت کریمہ {وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ} میں مطابقت کیسی ہوگی۔ اس کا جواب یہ دیا جائے

(1) تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ج 9 ص 145
(2) تفسیر قرطبی، امام ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری ج 9 ص 152

يُطْلِعَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَيُقْدِرَهُ لِيْ"

کہ نبی کریم ﷺ نے عجز و انکساری کے طور پر یہ کہا ہے اور از روئے ادب کہ میں خود غیب نہیں جانتا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس پر مطلع نہ فرمائے اور قدرت نہ دے۔"

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

"تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جانتا ہوں۔"

اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کے علم غیب کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا کہ میں کہتا نہیں میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود ہی غیب جانتا ہوں۔

"وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ فَهُوَ مَقُوْلٌ"

"وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ" کا عطف "عندی خزائن اللہ" کے محل پر ہے اور یہ بھی "وَلَا اَقُوْلُ" کا مقولہ ہے"۔

یعنی نفی کہنے کی ہو رہی ہے علم غیب کی نہیں ہو رہی۔

"وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ النَّصْبُ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ لِاَنَّهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُوْلِ كَاَنَّهٗ قَالَ: لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا هٰذَا الْقَوْلَ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اَيْ لَآ اَدَّعِيْ مَا يُسْتَبْعَدُ فِي الْعُقُوْلِ اَنْ يَّكُوْنَ بَشَرٌ مَنْ مَلَكَ خَزَآئِنَ اللّٰهِ عِلْمَ الْغُيُوْبِ وَدَعْوَى الْمَلٰٓئِكَةِ وَاِنَّمَا اَدَّعِيْ مَا كَانَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْبَشَرِ وَهُوَ النُّبُوَّةُ"

(تفسیر مدارک علامہ نسفی رحمہ اللہ)

"وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ" جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ اس کا عطف "عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ" کے محل پر ہے اور وہ بھی نصب میں ہے کیونکہ وہ جملہ "لا اقول" کا مقولہ ہے لہٰذا مقصد یہ ہے کہ تمام معطوف اور معطوف علیہ مقولہ ہیں کہ میں نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ "وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ" کی تفسیر میں بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا جو انسانی عقل سے بعید ہو کہ ایک بشر کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہوں اور علم غیب رکھتا ہو اور فرشتہ ہونے کا دعویدار ہو بلکہ میں وہ دعویٰ کرتا ہوں جو پہلے بھی کثیر بشر حضرات نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔"

عطائی علم غیب قرآن پاک سے ثابت ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ .... ﴿۱۷۹﴾

(سورۃ آل عمران 9:4)

"اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔"

اس آیت کریمہ میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے کہ عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ علم غیب عطا نہیں کرتا۔ البتہ رسولوں میں سے جسے چاہے اسے علم غیب عطا کرتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ "یَجْتَبِی" سے پتہ چلتا ہے مجتبیٰ بنائے اور میرے حبیب کا اسم گرامی مجتبیٰ بھی ہے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجتبیٰ بنا لیا ہے' چن لیا ہے' علم غیب عطا کر دیا ہے تو اگر بدبخت انسان نہ پسند کرے تو میرے حبیب کی شان میں کیا فرق؟ وہ منکر اپنی بدبختی کا ماتم کرے۔ رب کا ارشاد گرامی یہ ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ...... ﴿۲۷﴾ "جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔" (سورۃ الجن 12:29)

اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے۔ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا' سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ یعنی رسولوں کو غیب عطا فرماتا ہے کیونکہ رسول اس کے پسندیدہ ہیں۔ ہاں! البتہ کوئی زیادہ پسندیدہ ہوگا جس کا نام ہی مرتضیٰ ہوگا یقیناً جتنا غیب اسے عطاء ہوگا اتنا کسی دوسرے رسول کو نہیں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کو لوح محفوظ کا علم عطا کیا گیا اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو لوح محفوظ کی بعض معلومات پر مطلع کیا گیا ہے۔

"وَاَمَّا اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَقَدْ یَطَّلِعُ عَلٰی بَعْضِ مَعْلُوْمَاتِهٖ مَنْ اَرَادَ اللّٰهُ مِنْ مَلَائِکَتِهٖ وَاَنْبِیَائِهٖ وَخُلَّصِ اَوْلِیَائِهٖ مِنْ اَرْبَابِ الْکُشُوْفِ لَا سِیَّمَا اِسْرَافِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِنَّهٗ مُوَکَّلٌ عَلَیْهِ وَیَاْخُذُ الْاُمُوْرَ مِنْهُ فَیَاْمُرُ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَعِزْرَائِیْلَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ کُلًّا بِمَا هُوَ جِنْسُ عَمَلِهٖ" (مرقاۃ' ج ۱۱' ص ۵)

"لوح محفوظ کی بعض معلومات پر اللہ تعالیٰ فرشتوں انبیائے کرام علیہم السلام اور ارباب کشف' اولیائے کرام میں سے جسے چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔ خصوصاً اسرافیل لوح محفوظ پر موکل ہیں' وہ لوح محفوظ سے ہی علم حاصل کر کے جبریل' میکائیل اور عزرائیل علیہم السلام کو ان کے کاموں کے متعلق مطلع کرتے ہیں۔"

"اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلٰکِنْ اُمِرَ بِکَتْمِ اَشْیَاءَ مِنْهَا" (صاوی حاشیہ جلالین' ص 490)

"بیشک نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا اور آخرت کے غیبی امور پر مطلع فرما دیا ہاں البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم تھا جیسا کہ قیامت کو ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ آپ کو قیامت کا بھی علم تھا۔"

"فَلَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْهِ اَحَدٌ اِلَّا مَنِ ارْتَضَاهُ مِنَ الرُّسُلِ" (صاوی حاشیہ جلالین' ص 145)

"اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم کسی کو نہیں دیا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے جن رسولوں کو آپ نے پسند فرمایا انہیں قیامت کا علم عطا فرمایا۔"

اعتراض: پانچ چیزوں کے متعلق تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ" ان کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ پانچ چیزیں یہ ہیں: قیامت کا علم' بارش ہونے کا علم' ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ کل انسان نے کیا کرنا ہے؟ کہاں

مرنا ہے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے قول پر بطور دلیل یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورۃ لقمان 13:21)

''بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم' اور اتارتا ہے بارش' اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے' اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی' اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی' بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا بتانے والا ہے۔''

جواب: علم غیب کی نفی جن آیات یا احادیث میں ہے' اس سے مراد ذاتی طور پر غیب کا جاننا ہے۔ اور جن میں ثبوت ہے ان میں عطائی طور پر غیب کے جاننے کا ذکر ہے۔ یعنی مسئلہ واضح ہے کہ حضور ﷺ کو ذاتی طور پر غیب کا علم نہیں' عطائی طور پر غیب کا علم ہے۔ یہی حدیث جو معترض نے پیش کی ہے جو مشکوٰۃ شریف کی ابتدا میں ہے (یعنی دوسری حدیث ہی) اس کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں:

''مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس ایں ہارا ندانند و آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسی آں را نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسی را بداند بوحی و الہام''

(اشعۃ اللمعات' شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم عطا کرنے کے بغیر کوئی شخص بھی اپنی عقل سے حساب نہیں لگا سکتا کیونکہ یہ امور غیبیہ ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کسی کو وحی یا الہام کے ذریعے علم عطا کر دے تو وہ یقیناً جانتا ہے۔''

اعتراض: نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ کھجوروں کے درختوں کی پیوندکاری کر رہے ہیں۔ نر درخت کے شگوفے مؤنث میں لگا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: کہ ہم پیوندکاری کر رہے ہیں تاکہ پھل زیادہ ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا كَانَ خَيْرًا'' اگر تم یہ نہ کرو تو شائد تمہارے لئے بہتر ہو۔ صحابہ کرام نے چھوڑ دیا لیکن پھل کم پیدا ہوئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

"إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ"

''میں ایک بشر ہوں جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں جس کا تعلق دین سے ہو تو اس پر عمل کرو اور اگر میں اپنی رائے سے (دنیا کا کوئی کام) کہوں تو میں ایک بشر ہوں۔''

ایک اور روایت میں ہے: ''أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ'' دنیا کے معاملات کو تم زیادہ جانتے ہو۔ اور ایک دوسری روایت میں ذکر ہے۔ ''إِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تُؤَاخِذُونِي بِالظَّنِّ'' میں جو بات ظن سے کروں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کرو۔ اس سے تو واضح ہوا کہ آپ کو دنیا کے معاملات کا کچھ پتہ نہیں تھا اگر پتہ ہوتا تو آپ نہ روکتے۔

جواب:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''شرح شفاء'' میں اسی حدیث کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

''وَعِنْدِیْ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَصَابَ فِیْ ذٰلِکَ الظَّنِّ وَلَوْ ثَبَتُوْا عَلٰی کَلَامِہٖ لَفَاقُوْا فِی الْفَنِّ وَلَا رْتَفَعَ عَنْھُمْ کُلْفَۃُ الْمُعَالَجَۃِ فَاِنَّمَا وَقَعَ التَّغَیُّرُ بِحَسْبِ جَرَیَانِ الْعَادَۃِ اَلَا تَرٰی اَنَّ مَنْ تَعَوَّدَ بِاَکْلِ شَیْءٍ اَوْ شُرْبِہٖ یَتَفَقَّدُہٗ فِیْ وَقْتِہٖ وَاِذَا لَمْ یَجِدْہُ یَتَغَیَّرُہٗ عَنْ حَالَتِہٖ فَلَوْ صَبَرُوْا عَلٰی نُقْصَانِ سَنَۃٍ اَوْ سَنَتَیْنِ لَرَجَعَ النَّخِیْلُ اِلٰی حَالَۃِ الْاَوَّلِ وَرُبَمَا اَنَّہٗ کَانَ یَزِیْدُ عَلٰی قَدْرِہِ الْمُعَوَّلِ وَفِی الْقِصَّۃِ اِشَارَۃٌ اِلَی التَّوَکُّلِ وَعَدَمِ الْمُبَالَغَۃِ فِی الْاَسْبَابِ وَقَدْ غَفَلَ عَنْھَا اَرْبَابُ الْمُعَالَجَۃِ مِنَ الْاَصْحَابِ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ''

(شرح شفاء علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج2 ص338)

''میرے نزدیک بیشک نبی کریم ﷺ کی رائے بالکل درست تھی۔ اگر صحابہ کرام آپ کے ارشاد پر قائم رہتے' البتہ فن میں فوقیت حاصل کر لیتے اور ان سے اس علاج یعنی پیوند کاری کی تکلیف ہمیشہ کے لئے اٹھالی جاتی۔ یہ پہلے سال پھل کم ہونے والا تغیر عام عادت کے مطابق تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے کھانے یا پینے کی عادت بنالے تو اسے وہ چیز اس وقت میں نہ ملے تو وہ تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اگر اس پر صبر کرے تو ہمیشہ کے لئے اسے قوت برداشت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام بھی ایک دو سال پھلوں کی کمی کو برداشت کر لیتے تو کھجور کے درخت اپنا پھل دینے میں پہلے حال کی طرح لوٹ آتے' بلکہ یقیناً پہلے سے ان کا پھل زیادہ ہوتا۔''

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ پر کامل طور پر توکل کرنے اور ظاہری اسباب پر ہی کامل بھروسہ نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن کھجوروں کی پیوند کرنے والے اس سے غافل رہے۔

علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے:

علمِ غیب پر بحث کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

(سورۃ النمل 20:1)

''آپ فرمائیے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائلِ واضحہ اور براہینِ ساطعہ کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہو رہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ تخلیق کائنات' تدبیر شئون عالم خستہ دلوں اور آشفتہ حالوں کی فریادرسی' رزق رسانی وغیرہ صفات میں جس طرح

اس کا کوئی شریک نہیں'اسی طرح اس کی صفتِ علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔غیب کسے کہتے ہیں؟اس کا کیا مفہوم ہے؟اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"مَالَا يَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِّ وَلَا تَقْتَضِيهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ" (مفردات راغب)

''یعنی وہ علم جو اس کی رسائی سے بالاتر ہو اور جو قوتِ عقل سے بھی حاصل نہ کیا جا سکے'اسے غیب کہتے ہیں۔''

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ زمین وآسمان میں جو بھی موجود ہیں: فرشتے' جنات' انسان' جن میں علماء' اولیا' انبیائے کرام علیہم السلام اولوالعزم رسل بھی داخل ہیں اور دیگر لوگ بھی ''الغیب'' کو نہیں جان سکتے۔صرف اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی کہ وہ عالم الغیب ہے' جس طرح اس کی ذات کی' اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسر کا دم نہیں مار سکتا۔اسی طرح اس کی صفتِ علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔اگر کوئی شخص اس کی صفت علم میں شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا' جس طرح اس کی دوسری صفت میں کسی دوسرے کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی دوسرے کو واجب الوجود ماننے والا مشرک ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

تنبیہ: قرآن کریم کی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا خیال رکھے کہ آیات کا ایسا مفہوم اور تشریح نہ بیان کی جائے جو قرآن کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہو ورنہ قرآن حکیم کی حقانیت ثابت کرنے کی بجائے اپنے سامعین کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں دوسری آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور تکذیب کرتی ہیں (معاذ اللہ) اور وہ کتاب جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کا بطلان کر رہا ہو اسے کسی عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ اسے خداوند علیم وحکیم کا کلام مانا جائے جو ہمہ دان بھی (یعنی سب چیزوں کو دیکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)۔

قرآن پاک میں کوئی اختلاف نہیں:

قرآن کریم نے اپنے کلام الٰہی ہونے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا ارشاد ہے:

"لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"۔

''یعنی یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو تم اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے۔''

گویا قرآن میں اختلاف کا نہ پایا جانا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر غور و فکر سے کی جائے:

اگر غور و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی' حالانکہ قرآن کی بے شمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا نزول' وحی کا' قیامت' جنت و دوزخ کا علم ہے اور ان پر ہمارا ایمان ہے' حالانکہ یہ تمام عالم غیب کی چیزیں ہیں۔ نیز کثیر آیات اور ہزاروں صحیح احادیث سے حضور اکرم ﷺ کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے۔ اس لئے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہیے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

ذاتی غیب کی نفی ہے:

علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی بھی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ خود قرآن کریم نے بھی اس قول کی تصدیق فرمادی۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ......... ﴿٢٧﴾ (سورۃ الجن 12:29)

''اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔''

اللہ تعالیٰ کا علم غیب قدیم اور غیر محدود ہے:

اس آیت نے بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے۔ ذاتی اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے' بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اس کی حین حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے۔ نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے' کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے۔ نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت۔ اگر کوئی شخص کـمـا یا کیفـا یعنی مقدور اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لئے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

حضور کا علم غیب حادث' محدود اور عطائی ہے:

اس لئے حضور پر نور امام الاولین والآخرین ﷺ کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں' بلکہ حادث ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا۔ خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں' بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور ﷺ کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی' غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور فخر موجودات ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا

بھر کے سمندروں سے ہے (کیونکہ دنیا بھر کے سمندروں کا پانی بھی محدود ہے اور قطرہ بھی محدود ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور ذاتی ہے حضور ﷺ کا علم حادث اور محدود اور عطائی یعنی رب کے دینے سے حاصل ہوا)۔

نبی کریم ﷺ کے علم کی وسعت صرف رب جانتا ہے:

ہاں! اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ کا یہ حادث' عطائی اور محدود علم اتنا بھی محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کو دینے والا جانتا ہے یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم کس گنتی میں ہیں جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی ؀ ''اس نے وحی فرمائی اپنے بندوں کی طرف جو وحی فرمائی۔''

علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں (جن کا کوئی کنارہ نہیں) جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے۔ ان کی حد برآری ہم کرنے لگیں تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا؟

اس تلمیذِ رحمان نے اپنی زبان حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے اس کے حق ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی کی زبان پاک سے نکلا ہوا یہ قول ہم نے سنا ہے۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ قَالَ: فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی' قُلْتُ: اَنْتَ اَعْلَمُ' قَالَ: فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَہَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی ہے بڑی حسین اور پیاری صورت میں۔ فرمایا: ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: الٰہی! تو خود ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی' جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمان میں تھا اور جو زمین میں تھا۔''

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

''پس دانستم ہر چہ در آسمانھا و ہر چہ در زمینھا بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی وکلی و احاطہ آں''

''پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا (پھر فرماتے ہیں) اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور میں نے ان کا احاطہ کر لیا۔''

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد

شرح بخاری علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ میں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقط علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اکتفا کرتا ہوں:

"قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: اَیْ جَمِیْعُ الْکَائِنَاتِ الَّتِیْ فِی السَّمٰوَاتِ بَلْ وَمَافَوْقَهَا وَالْاَرْضِ هِیَ بِمَعْنَی الْجِنْسِ اَیْ جَمِیْعِ فِی الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا تَحْتَهَا یَعْنِیْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَرٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَلَکُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَکُشِفَ لَهٗ ذَالِكَ وَفُتِحَ عَلَیَّ اَبْوَابُ الْغُیُوْبِ"۔

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 1' ص 463)

"علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث اس طرح ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی' بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی' بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا میں نے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔"

اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا:

ممکن ہے اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو۔ اس لئے اس کے متعلق مشکوٰۃ کے مصنف کی رائے غور سے سن لیجئے۔ انہوں نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے۔ اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو بفضلہ تعالیٰ یقیناً تسلی ہو جائے گی:

"رَوَاهُ الْاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَسَنٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ الْبُخَارِیَّ مِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ' فَقَالَ: هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ"۔

(مشکوٰۃ شریف' کتاب الصلوٰۃ' ج 1)

"اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔"

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَقَامًا مَا تَرَكَ شَیْئًا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِهٖ ذَالِكَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَیَکُوْنُ مِنْهُ الشَّیْءُ قَدْ نَسِیْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْکُرُهٗ کَمَا یَذْکُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ"

"ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا۔ بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔ میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شے وقوع پذیر ہوتی ہے جسے بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آ جاتا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی فرمایا تھا) بالکل اسی طرح جیسے تیرا کوئی واقف آدمی کافی

عرصہ تجھ سے غائب رہا ہو اور جب اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

"عَنْ عُمَرَ قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَالِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ"۔ (رواہ البخاری)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہوئے (یعنی ہم صحابہ کے پاس تشریف فرما ہوئے) اور تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہلِ جنت کے اپنی منازل اور اہلِ دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔''

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"قَالَ الطِّيْبِيُّ حَتّٰى لِلْغَايَةِ اَخْبَرَنَا اَيْ اَخْبَرَ مُبْتَدَاً مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى دُخُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَوُضِعَ الْمَاضِيْ مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ مُبَالَغَةً لِلتَّحْقِيْقِ الْمُسْتَفَادَةِ مِنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ صلی اللہ علیہ وسلم"

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حدیث شریف میں حتیٰ کا لفظ بیان غایت کے لئے ہے یعنی حضور نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے جبکہ جنتی اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہوگا۔ اسلئے ''حتی دخل'' یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا۔ حدیث میں ماضی کا صیغہ ''حتی دخل'' کیوں استعمال ہوا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیونکہ صادق (سچا) اور امین (امانت دار) رسول ہیں۔ اس لئے آئندہ کے متعلق جو فرما دیا کہ ایسا ہوگا اس کا ہونا بھی اتنا ہی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقع ہو چکی ہو۔

نور ایمان کے بغیر انسان بھٹکتا ہی رہتا ہے:

اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطاء فرمائے' تب کتاب وسنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے ورنہ ساری عمر شک وشبہ کی جھاڑیوں میں دامن الجھا رہتا ہے اور قیل وقال سے فرصت نہیں ملتی۔ قرآن کریم کی آیات طیبات اور ان احادیث صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ لینے کے لئے یہ ماننے یا زبان پر لانے یا اس کا تصور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ ''شیطان کا علم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ایسا علم تو ہر گاؤ خر اور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔'' ''العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ''

مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان کیا:

اس آیت کا جو مفہوم بیان کیا علمائے کرام کی تصریحات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی

اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"وَلَعَلَّ الْحَقَّ اَنْ یُّقَالَ اِنَّ الْعِلْمَ الْغَیْبَ لَا مُنْفٰی مِنْ غَیْرِہٖ جَلَّ وَعَلَا ھُوَ کَانَ لِلشَّخْصِ لِذَاتِہٖ اَیْ بِلَاوَاسِطَۃٍ فِیْ ثُبُوْتِہٖ لَہٗ وَمَا وَقَعَ لِلْخَوَّاصِ لَیْسَ مِنْ ھٰذَا الْعِلْمِ الْمُنْفٰی فِیْ شَیْءٍ ضُرُوْرَۃً اَنَّہٗ مِنَ الْجَوَابِ عَزَّوَجَلَّ اَفَاضَہٗ عَلَیْھِمْ بِوَجْہٍ مِّنْ وُجُوْہِ الْاِفَاضَۃِ"۔

(روح المعانی' ج12' ص11)

"یعنی حق بات یہ ہے کہ جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فیض رسانی کی متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے۔"

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں:

"وَبِالْجُمْلَۃِ عِلْمُ الْغَیْبِ بِلَاوَاسِطَۃٍ کُلًّا اَوْبَعْضًا مَخْصُوْصٌ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا لَا یَعْلَمُہٗ اَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ اَصْلًا"

"یعنی ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلاواسطہ کلًا اور بعضًا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ ہی بعض کوئی جان سکتا ہے۔"

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وَغَیْرُہٗ تَعَالٰی لَا یَعْلَمُ اِلَّا بِاِعْلَامِہٖ" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے جتانے اور سکھانے۔ آخر میں اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قُلْتُ وَیُمْکِنُ اَنْ یَّکُوْنَ التَّقْدِیْرُ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ بِشَیْءٍ اِلَّا بِاللّٰہِ اَیْ بِتَعْلِیْمِہٖ"۔

(مظہری)

"یعنی جو میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر غیب کو نہیں جان سکتی۔"

فساد پھیلانے والوں کو خدا کے حضور جوابدہ ہونا پڑے گا:

اس تحقیق کے بعد اگر کوئی صاحب ہم اہل سنت پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی۔ اس آزادی کے دور میں ہم اس کے لئے دعا ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی اور اس پرآشوب دور میں امت مصطفویہ علی صاحبہا افضل الصلوات وازکی التسلیمات میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر

جوابدہ ہونا ہوگا۔ الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین"۔ ❶

نبی کریم ﷺ کا مقام ادب:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو حضور ﷺ کے چچا) عمر کے لحاظ پر آپ ﷺ سے دو سال بڑے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ "اَنْتَ اَکْبَرُ اَمِ النَّبِیُّ ﷺ" تم بڑے ہو یا نبی کریم ﷺ بڑے ہیں؟ تو اس سوال کا بڑا پیارا جواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیا: "هُوَ اَكْبَرُ وَاَنَا اَسَنُّ" بڑے تو آپ ﷺ ہیں البتہ عمر میری زیادہ ہے۔

سبحان اللہ! کتنا عظیم اور حسین وجمیل جواب دیا کہ میں کیسے تصور کر سکتا ہوں کہ میں بڑا ہوں۔ بڑائی تو ہر لحاظ سے آپ کو ہی حاصل ہے۔ البتہ عمر میری زیادہ ہے لیکن عمر کے زیادہ ہونے کے باجود میں آپ سے چھوٹا ہوں۔

"وَمِنْ لَطَائِفِ طَبْعِهِ وَحُسْنِ اَدَبِهِ" آپ کا یہ جواب آپ کی طبیعت کی لطافت پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ لطیف طبیعت کے مالک تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ادب واحترام کا آپ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

نبی کریم ﷺ کے شعر کو شُعَیر کہنا کفر ہے:

"قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لَوْ قَالَ لِشَعْرِ النَّبِيِّ شُعَيْرٌ فَقَدْ كَفَرَ"

"علمائے کرام نے کہا ہے: اگر کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے شعر (بال) کو تصغیر کے صیغے سے شعیر کہا تو کفر ہے۔"

یعنی آپ کے بال مبارک کو معاذ اللہ "بالڑا" کہنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام اور باعث لعنت قرار دیا:

رب کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

(سورۃ احزاب 5:22)

"بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

"وَاَجْمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰى قَتْلِ مُتَنَقِّصِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ"

"امت کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی شان میں تنقیص کرتا ہے تو وہ واجب القتل ہے۔"

---

❶ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 3، ص 457

کسی قسم کا بھی تحقیر پہلو نکلتا ہو تو اس کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح آپ کو گالی دینے والا بطریق اولیٰ واجب القتل ہوگا۔

"فَفِیْ قَاضِیْخَانَ لَوْ عَابَ الرَّجُلُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ شَیْءٍ کَانَ کَافِرًا" "فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر کسی شخص نے رسول ﷺ پر کسی قسم کا عیب بھی نکالا تو وہ کافر ہوگا۔"

"وَذُکِرَ فِی الْاَصْلِ اَنَّ مَنْ شَتَمَ النَّبِیَّ ﷺ کَفَرَ" "مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے العیاذ باللہ حضور ﷺ کو گالی دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔"

"وَعَنْ اَبِیْ حَفْصِ الْکَبِیْرِ مَنْ عَابَ النَّبِیَّ ﷺ بِشَعْرَۃٍ مِنْ شَعَرَاتِہِ الْکَرِیْمَۃِ فَقَدْ کَفَرَ" "ابو حفص کبیر کا قول ہے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کے بالوں مبارکہ میں سے کسی ایک بال کے ذریعے بھی حضور ﷺ پر عیب لگایا' وہ یقیناً کافر ہو گیا۔"

"وَلَوْقَالَ کَانَ جُنَّ النَّبِیُّ ﷺ ذُکِرَ فِیْ نَوَادِرِ الصَّلٰوۃِ اَنَّہٗ کَفَرَ" "اگر کسی شخص نے کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ وہ مجنوں تھے یعنی پاگل تھے (العیاذ باللہ) تو وہ کافر ہوگا۔"

"وَیَجُوْزُ اَنْ یُّقَالَ اُغْمِیَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ" "یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔"

وجہ اس کی اصل یہ ہے کہ جنون عیب ہے اور عیوب سے انبیائے کرام علیہم السلام پاک ہیں۔ اسلئے جنون کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف کرنا کفر ہے لیکن بے ہوشی بیماری ہے اور بیماری ہر شخص کے لئے رحمت ہے۔ اسلئے بیماری کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف کرنا جائز ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ حکم مسلمان کا تھا۔ اگر کافر حضور کی شان میں گستاخی کرے' عیب لگائے تو بعض اہلِ علم نے کہا: اسے قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس سے معاہدہ توڑ دیا جائے اور اسے اپنے ملک سے نکال دیا جائے تا کہ وہ کافروں کے ملک میں پہنچ جائے۔

کفار ڈرتے ہوئے آپ پر عیب لگاتے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ "اور ان میں سے کوئی وہ ہیں کہ (غیب کی خبریں دینے والے) نبی کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور

① شفا مع الشرح لعلامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 2' ص 386

مسلمانوں کی بات پر یقین رکھتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔" (سورۂ توبہ 14:10 مع ترجمہ کنزالایمان)

شان نزول:

منافقین اپنی مجلسوں میں سید عالم ﷺ کی شان میں ناشائستہ باتیں بکا کرتے تھے۔ان میں سے بعضوں نے کہا: اگر حضور کو خبر ہو گئی تو ہمارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔تو جلاس بن سوید منافق نے کہا: ہم جو چاہیں کہیں حضور کے سامنے انکار کر دیں گے اور قسم اٹھائیں گے وہ تو کان ہیں ان سے جو کہا جائے' وہ مان لیتے ہیں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ فرمایا کہ اگر وہ سننے والے بھی ہیں تو خیر اور صلاح کے سننے اور ماننے والے ہیں شر اور فساد کے نہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ (سورۂ توبہ 14:10)

"تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ تعالیٰ کا اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے۔"

منافقین اپنی مجلسوں میں سید عالم ﷺ پر طعن کیا کرتے تھے' پھر مسلمانوں کے پاس اپنی باتوں کا انکار کرتے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی برّیت ثابت کرتے' مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کرو' ان پر ایمان لاؤ۔اگر تمہارا ایمان ہوتا تو تم اس قسم کی حرکتیں نہ کرتے۔یہ خوب سمجھ لو! اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کو ہی جاری رکھا تو تمہیں جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنا پڑے گا' یہ تمہارے لئے بہت بڑی رسوائی ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کی شان میں وہ لفظ استعمال کرنا منع ہے جس سے کافر غلط معنی لے سکتے ہوں:

نبی کریم ﷺ جب کلام فرماتے تو صحابہ کرام کو اگر ضرورت پیش آتی کہ آپ ذرا ہماری رعایت فرمائیں بات آہستہ کریں تو وہ عرض کرتے "یَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَاعِنَا" یارسول اللہ ﷺ ہماری رعایت فرمائیں لیکن منافقین یہی لفظ بولتے تھے اور رعونت سے مراد لیتے جس کا معنی ہوتا ہے حماقت۔یعنی معاذ اللہ آپ کو احمق سے تعبیر کرتے۔یا "رَاعِنَا" کو کھینچ کر ایسے پڑھتے کہ لفظ "رَاعِيْنَا" بن جاتا جس کا معنی چرواہا ہوتا ہے۔

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ سنا کہ یہ کیا مطلب لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا: آئندہ اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسا لفظ استعمال کیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہود نے کہا: یہ لفظ تم بھی تو استعمال کرتے ہو تو اس واقعہ کے بعد رب نے مومنوں کو بھی اس لفظ کے استعمال سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ (سورۃ البقرہ 13:1)

''اے ایمان والو! {رَاعِنَا} نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو (تا کہ کلام کو پھر سے کرنے کی عرض نہ کرنی پڑے) اور کافروں کے لئے دردناک عذاب۔''

اگرچہ مسلمان ''راعنا'' کا لفظ ادب واحترام سے استعمال کرتے اور رعایت سے لیتے یعنی حضور آپ ہماری رعایت فرمائیں لیکن منافقین وکفار کو یہ لفظ غلط استعمال کرنے کا موقع ملتا۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی منع فرما دیا اس سے یہ واضح ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم وتوقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا معمولی خدشہ بھی ہو وہ زبان پر لانا منع ہے۔

واضح ہو کہ ایسا کوئی لفظ بھی استعمال کرنا حضور کی شان میں منع ہوگا جس سے کفار آپ کی شان کو معاذ اللہ گھٹیا سمجھیں۔ یہ کہنا کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا' آپ کو کوئی اختیار نہیں تھا' آپ فوت ہو گئے' آپ کو زندگی حاصل نہیں وغیرہ وغیرہ' آپ کی شان میں تمام گستاخانہ الفاظ ہیں۔ [1]

نبی کریم ﷺ کے منصب کے خلاف لفظ استعمال کرنا بطورِ مذمت یا مزاح کے طور پر بہت برا کلام ہوگا' نہایت فحش گفتگو ہوگی' شریعت میں اس کے قول کو بہت برا اور جھوٹا سمجھا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی توقیر:

رب نے ارشاد فرمایا: {وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ} ''اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔''

''فَاَوْجَبَ اللّٰهُ عَلٰى خَلْقِهٖ تَعْزِيْرَهٗ وَتَوْقِيْرَهٗ اِلٰى تَكْرِيْمِهٖ وَتَبْجِيْلِهٖ وَاَلْزَمَ اَىْ اِتِّبَاعَهٗ اِكْرَامَهٗ وَتَعْظِيْمَهٗ''

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر واجب کر دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم کریں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''تُعَزِّرُوْهُ'' کا معنی بیان کیا ہے ''تُجِلُّوْهُ'' جو اجلال سے مشتق ہے یعنی آپ کی بزرگی بیان کرو۔ اور مبرد نے کہا ہے کہ ''تُعَزِّرُوْهُ'' کا معنی ہے ''تُبَالِغُوْا فِىْ تَعْظِيْمِهٖ'' نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔ اس معنی

---

[1] شفاء شریف' قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ' ج 2 ص 40.........خزائن العرفان' سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت مذکورہ

کے لحاظ سے بیہودہ لوگوں کا بیہودہ قول مندفع ہو جائے گا کہ اہل سنت نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں۔ جب رب تعالیٰ آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرنے کا حکم دے رہا ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے جو یہ کہے کہ تھوڑی تعظیم کرو۔ اور اخفش نے اس لفظ کا معنی بیان کیا ہے "تَنْصُرُوْهُ" یعنی آپ کی اور آپ کے دین کی مدد کرو۔ "وَهٰذِهِ الْمَبَانِیْ مُتَقَارِبَةُ الْمَعَانِیْ" معنی کے طور پر جو تینوں لفظ ذکر کیے گئے ہیں۔ ان تمام کا مقصد تقریباً ایک ہی ہے یعنی آپ کی بزرگی بیان کرو اور آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرو اور آپ کے دین اور آپ کے امداد کرو۔ اور رب نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا "رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔"

اس آیت کے تین معانی ہیں:

(1): ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ جب تمہیں بلائیں، ایسا نہ سمجھو کہ کسی عام آدمی نے بلایا ہے۔ جی چاہے تو مان لیں، نہ جی چاہے تو نہ مانیں، بلکہ اس کے حکم کو فوراً قبول کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (سورۃ الانفال 17:9) "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ، جب وہ تمہیں بلائیں۔"

(2): دوسرا معنی ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو۔ آپ کی دعاء میں قبولیت کا اندازہ صرف اس سے لگالیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا کیونکہ وہ مشرکہ تھیں۔ ایک دن میں نے جب اسے ایمان کی دعوت دی تو اس نے مجھے نبی کریم ﷺ کے متعلق ایسا کلام سنایا جسے میں ناپسند کرتا تھا۔ میری ماں نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلام کیا۔

میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے تو حضور نے رب کے دربار میں عرض کیا: "اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ" اے اللہ! ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی دعا پر خوش ہو کر نکلا (گھر لوٹ آیا اسی امید پر کہ آپ کی دعا کبھی رد نہیں ہوگی) جب میں اپنے دروازہ پر پہنچا تو دروازے کو بند پایا۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آواز کو سن کر کہا: "مَكَانَكَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ" اے ابو ہریرہ! ٹھہر جاؤ۔ یہ کہتے ہیں: میں نے پانی گرنے کی آواز سنی۔

ماں نے غسل کیا قمیص پہنی "وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا" جلدی سے اپنا دوپٹہ نہ اوڑھ سکیں اور دروازہ کھول کر کہنے لگیں: اے ابو ہریرہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی ماں نے ایمان قبول کرلیا۔ پھر میں خوشی کے

آنسو بہاتا ہوا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا: بہت بہتر ہوا۔

﴿۳﴾: اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جب تم حضور کو پکارو تو ایسا نہ پکارو کہ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو: "اَیْ بِرَفْعِ الصَّوْتِ فَوْقَ صَوْتِهٖ" یعنی آپ کو بلند آواز سے نہ پکارو' بلکہ ادب واحترام سے آہستہ آواز سے آپ کی خدمت میں جو بات عرض کرنی ہو وہ عرض کرو۔

"اَوْ بِنِدَآئِهٖ بِاَسْمَآئِهٖ فَلَا تَقُوْلُوْا یَا مُحَمَّدُ یَا اَحْمَدُ بَلْ قُوْلُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کَمَا خَاطَبَهٗ بِهٖ سُبْحَانَهٗ"

"حضور نبی کریم ﷺ کو آپ کے ذاتی اسماء گرامی سے یعنی یا محمد اور احمد کہہ کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ اور یارسول اللہ کہہ کر پکارو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صفاتی ناموں سے پکارا ہے۔"

"وَاَمْثَالُهَا مِنْ نَحْوِ یَاحَبِیْبَ اللّٰهِ یَاخَلِیْلَ اللّٰهِ وَهٰذَا فِیْ حَیَاتِهٖ وَکَذَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ فِیْ جَمِیْعِ مُخَاطَبَاتِهٖ" ❶

"یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کی طرح یا حبیب اللہ اور یا خلیل اللہ کہہ کر آپ کو پکارے۔ یہ حکم آپ کی ظاہری حیات میں بھی تھا اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ سے خطاب میں یہی ادب واحترام مدنظر رکھا جائے۔"

صحابہ کرام کا ادب واحترام:

نبی کریم ﷺ کا ادب واحترام صحابہ کرام کیسے کرتے تھے؟ اور ان کے دلوں میں کتنی محبت تھی؟ ان احادیث سے اندازہ کریں اور اپنے دلوں میں محبت پیدا کریں۔

حضرت ابن شماسہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ایک طویل حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی فرمایا:

"وَمَا کَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا اَجَلَّ فِیْ عَیْنَیَّ مِنْهُ وَمَا کُنْتُ اُطِیْقُ اَنْ اَمْلَاَ عَیْنَیَّ مِنْهُ اِجْلَالًا لَّهٗ وَلَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهٗ مَا اَطَقْتُ لِاَنِّیْ لَمْ اَکُنْ اَمْلَاُ عَیْنَیَّ مِنْهُ"

"نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ ہی میری آنکھوں میں آپ سے بڑھ کوئی بزرگ نظر آیا اور آپ کی عظمت کے پیش نظر میں نے آپ کو آنکھ بھر کر کبھی نہیں دیکھا اور اگر مجھ سے آپ کے (جسمِ اطہر کے) اوصاف پوچھے جائیں تو میں نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے آپ کو آنکھ بھر کر کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب قریش نے انہیں حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گفت وشنید کے لئے بھیجا تو میں نے صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی ایسے تعظیم کرتے ہوئے پایا کہ ایسا میں نے کبھی کسی کی تعظیم کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا آپ وضو کرتے ہیں تو صحابہ جلدی سے آپ کے اعضاء سے گرنے والے پانی کو بطور تبرک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

❶ شفاء مع الشرح' قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ ج 2 'ص 61

ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا کہ شاید یہ ایک دوسرے سے اس سبقت حاصل کرنے میں لڑ پڑیں گے۔ آپ اپنا لعاب یا کھنکار زمین پر ڈالتے ہیں تو صحابہ اسے پہلے ہی حاصل کر لیتے ہیں' اپنے چہروں اور جسموں پر ملتے ہیں۔ آپ کے بال کو زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ پہلے ہی اٹھا لیتے ہیں آپ کوئی حکم فرماتے ہیں تو اسے جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ آپ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کو نگاہیں اٹھا کر دیکھتے نہیں۔

عروہ نے واپس آ کر قریش کو بتایا کہ اے قریش! میں نے فارس کے بادشاہوں (کسریٰ) روم کے بادشاہوں (قیصر) اور حبشہ کے بادشاہوں (نجاشی) کو بھی دیکھا ہے لیکن کسی کے احباب کو ایسی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ابو یعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"لَقَدْ كُنْتُ أُرِيْدُ أَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْأَمْرِ فَأُؤَخِّرُ سَنَتَيْنِ مِنْ هَيْبَتِهِ" ❶

''میں حضور ﷺ سے کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے کمال وجلال کی وجہ سے تعظیماً وہ سوال میں دو سال تک مؤخر کرتا رہا۔''

خیال رہے کہ یہ رعب و ہیبت قدرتی طور پر آپ کو حاصل تھی' ورنہ آپ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ شفیق بھی ہو اور بارعب بھی ہو۔ گالیوں اور ڈنڈے سے رعب جمانا کوئی مستحسن کام نہیں۔

"وَاعْلَمْ اَنَّ حُرْمَةَ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَتَوْقِيْرِهٖ وَتَعْظِيْمِهٖ بَعْدَ وَفَاتِهٖ لَازِمٌ اَيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ كَمَا كَانَ حَالَ حَيَاتِهٖ لِاَنَّهٗ حَيٌّ يُرْزَقُ فِيْ عُلُوِّ دَرَجَاتِهٖ وَرِفْعَةِ حَالَاتِهٖ" ❷

''جان لو! بیشک نبی کریم ﷺ کی حرمت آپ کی تعظیم و تکریم آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ہر مسلمان پر ایسے ہی لازم ہے جیسے کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی کیونکہ آپ کو آپ کے درجات کی بلندی او حالات کی رفعت کے پیش نظر زندگی حاصل ہے اور آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔''

صحابہ کرام اور اہلِ بیت کی تعظیم نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے:

"وَذٰلِكَ التَّعْظِيْمُ وَالْاِكْرَامُ عِنْدَ ذِكْرِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَذِكْرَ حَدِيْثِهٖ اَيْ كَلَامِهٖ وَسُنَّتِهٖ اَيْ وَذِكْرَ طَرِيْقَتِهٖ وَسَمَاعَ اِسْمِهٖ وَكَذَا نَعْتِهٖ وَسِيْرَتِهٖ اَيْ فِيْ جَمِيْعِ هَيْئَاتِهٖ مِنْ حَرَكَاتِهٖ وَسَكَنَاتِهٖ وَمُعَامَلَةَ آلِهٖ اَيْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَعِتْرَتِهٖ اَيْ ذُرِّيَّتِهٖ

''نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنے کا حق یہ ہے کہ جب آپ کی ذات کا ذکر ہو تو تعظیم سے ہو آپ کے کلام یعنی احادیث کو ادب واحترام سے ذکر کیا جائے۔ آپ کی سنتوں یعنی آپ کے طریقے جب بھی ذکر کئے جائیں تو ان میں آپ کی عظمت کا

❶ شفاء مع الشرح' ج 2' ص 66

❷ شفاء مع الشرح' ج 2' ص 70

وَقَرَابَتِہٖ وَتَعْظِیْمِ اَھْلِ بَیْتِہٖ اَیْ مِنْ اَزْوَاجِہٖ وَخَدَمِہٖ وَمَوَالِیْہٖ وَصَحَابَتِہٖ" [1]

پاس ہو۔ آپ کے اسم گرامی اور آپ کے اوصاف کو سن کر تعظیم بجالائے آپ کی سیرت یعنی آپ کی تمام حرکات و سکنات میں تعظیم کا لحاظ رکھے۔ آپ کی آل' اولاد اور قرابت داروں سے تعظیم و تکریم کے معاملات رکھے۔ آپ کی ازواج' خدام اور غلاموں کی عظمت کا خیال رکھے۔ ان کی شان میں گستاخی نہ کرے اور آپ کے صحابہ کرام کی عظمت کا پاس رکھے۔"

ان کا نام ادب و احترام سے لے' ان کی شان بیان کرے جس سے ان کی تعظیم و تکریم سمجھ آئے۔ ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں نہ بنائے۔

شومئ قسمت! آج ہمارے ملک میں فساد' دہشت گردی' قتل و غارت کا بازار کیوں گرم ہے؟ شیعہ سنی فساد کیوں برپا ہیں؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ معاذ اللہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ظالم قرار دے رہا ہے بلکہ معاذ اللہ! سوائے تین صحابہ کرام کے سب کو مرتد کہہ رہا ہے۔

اور دوسرا گروہ بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتوں کا پاسدار بن کر یزید کو مغفور اور جنتی ہونا ثابت کر رہا ہے۔ معاذ اللہ! حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو غلطی پر ہونا قرار دے رہا ہے۔

ان دو فرقوں نے ملک کو دہشت گردی کا اڈہ بنا رکھا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ امریکی ایجنٹ ہیں جو ایران اور پاکستان کو لڑانا چاہتے ہیں۔ امریکی اور اس کے ہمنوا دوسرے کفار کے وہی ناپاک ارادے ایران اور پاکستان کے متعلق ہیں جو وہ خلیج میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا چکے ہیں۔ نہ وہ کویت کے ہمدرد تھے اور نہ سعودیہ کے' بلکہ وہ تمام مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہمہ وقت رہتے ہیں۔ عراق کی عسکری طاقت کو تباہ کیا اور سعودیہ اور کویت کو مالی لحاظ پر تباہ برباد کر دیا۔

پاکستان میں بھی انہیں کانگریسی ملاؤں کی صورت میں اپنے ایجنٹ مل چکے ہیں۔ جو قیامِ پاکستان کے وقت بھی انگریز کے پٹھو بن کر گاندھی کا ساتھ دے چکے ہیں۔ گاندھی کو مسجد کے منبر پر بٹھا چکے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت تو قائداعظم کی علمی بصیرت علمائے اہل سنت و جماعت کی سعی جمیل اور عوام کی بیداری مغز کی وجہ سے یہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن آج پاکستان کو تباہ کر کے یہ اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اے اللہ! جیسے تو نے ان کے ناپاک ارادوں کو قیام پاکستان کے وقت ناکام کیا تھا آج بھی انہیں ناکام کر۔ آمین

---

[1] شفاء مع الشرح' ج 2' ص 70

خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق نازل شدہ آیت کریمہ تلاوت کی:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾ (سورۃ ابراہیم 17:13)

''اے میرے رب! بے شک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

(رب کے حضور) عرض کیا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿﴾ (سورۃ المائدہ 6:7)

''اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''

''فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَبَكٰى'' اس کے بعد حضور ﷺ نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر عرض کیا: اے اللہ! میری امت میری امت ''فَقَالَ اللّٰهُ يَا جِبْرِيْلُ اذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ فَاسْاَلْهُ مَا يُبْكِيْكَ'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! جاؤ تم محمد (ﷺ) کے پاس تمہارا رب خوب جانتا ہے پھر بھی ان سے پوچھو تمہیں کس چیز نے رلایا ہے۔ ''فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا قَالَ وَهُوَ اَعْلَمُ'' جبریل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے پوچھا (کہ آپ کیوں رو رہے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے جو (رب تعالیٰ کے حضور ﷺ) عرض کیا تھا اس کی خبر دی حالانکہ اللہ تعالیٰ خود ہی بہتر جانتا ہے۔

''فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرِيْلُ اذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ''
(صحیح مسلم شریف، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ، ج 1، ص 113)

''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کو امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو غمزدہ نہیں کریں گے۔''

اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد:

①: اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کی امت کے حق میں کامل شفقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ اپنی امت کی مصلحتوں کا کتنا خیال رکھتے تھے اور ان کے معاملات کی کتنی رعایت رکھتے تھے۔

②: ''اِسْتِحْبَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الدُّعَاءِ'' آپ نے چونکہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اس سے پتہ چلا کہ دعا میں ہاتھوں کا

اٹھانا مستحب ہے۔

﴿۴﴾: رب نے حضور کو تسلی دیتے ہوئے جو یہ فرمایا: "سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ" ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور غمزدہ نہیں کریں گے۔ اس میں حضور کی امت کو کامل بشارت دی گئی ہے اور امت کے امید دلانے والی تمام احادیث سے بڑھ کر اس حدیث میں انہیں بخشش کی امید دلائی گئی ہے۔

﴿۴﴾: "بَيَانُ عِظَمِ مَنْزِلَةِ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى وَعَظِيْمِ لُطْفِهٖ سُبْحَانَهٗ بِهٖ ﷺ" "نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو عظیم مرتبہ ہے اس کا ذکر اس حدیث میں پایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آپ پر عظیم مہربانیوں کا ذکر کیا گیا ہے"

﴿۵﴾: "وَالْحِكْمَةُ فِيْ إِرْسَالِ جِبْرِيْلَ سُؤَالُهٗ ﷺ إِظْهَارُ شَرْفِ النَّبِيِّ ﷺ وَاَنَّهٗ بِالْمَحَلِّ الْاَعْلٰى فَيُرْضٰى وَيُكْرَمُ بِمَا يُرْضِيْهِ" "جبریل کو آپ کے پاس بھیج کر سوال کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے بلند مراتب کا اظہار کیا جائے کہ آپ اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے انعامات سے راضی کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور آپ کو اللہ تعالیٰ اکرام عطا فرمائے گا۔"

﴿۶﴾: "وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مُوَافِقٌ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" "یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عظیم عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔"

اور حدیث میں فرمایا گیا "وَلَا نَسُوْءُكَ" ہم تمہیں غمزدہ نہیں کریں گے۔ اس میں تاکید پائی گئی ہے اور اس وہم کا ازالہ پایا گیا ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی بعض امت کو اللہ تعالیٰ بخشے گا بلکہ معنی یہ ہے: "نُرْضِيْكَ وَلَا نُدْخِلُ عَلَيْكَ حُزْنًا بَلْ يُنْجِي الْجَمِيْعَ" ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو غم میں مبتلا نہیں کریں گے بلکہ آپ کی تمام امت کو بخش دیں گے۔ [1]

یعنی اگر کسی کو گناہوں کا عذاب دیا جائے تو وہ دائمی نہیں ہوگا بلکہ فقط ان کو جنت میں داخل کرنے کے لئے گناہوں کی آلودگی سے صاف کرنے کے لئے وہ عتاب ہوگا یعنی ذلت کے طور پر معمولی سرزنش کے طور پر ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی جائے نماز سے تبرک حاصل کرنا:

محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بیشک عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ جو بدر میں بھی شریک ہوئے بیشک یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ بیشک میری نظر کچھ کم ہو گئی۔ میں ایک قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش برستی ہے تو میرے اور اس قوم کے درمیان ایک برساتی نالہ حائل ہو جاتا ہے۔ اب میں ان کی

[1] نووی شرح مسلم، علامہ نووی رحمہ اللہ، ج1، ص114-113 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

مسجد میں جا کر انہیں نماز نہیں پڑھا سکتا۔

"وَدِدْتُ اَنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَاْتِيْ فَتُصَلِّيْ فِيْ مُصَلّٰى اَتَّخِذُهٗ مُصَلّٰى" "اسلئے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ بیشک رسول اللہ آپ آئیں ایک جگہ نماز (میرے گھر میں) ادا کریں تا کہ میں اسی جگہ کو نماز کے لئے منتخب کرلوں۔"

تو حضور ﷺ نے فرمایا "سَاَفْعَلُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى "میں انشاء اللہ جلدی ہی ایسا کروں گا۔ عتبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دن کے بلند ہونے پر تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کی، میں نے اجازت دی۔ آپ بیٹھے بھی نہیں تھے کہ گھر میں داخل ہو کر پوچھا: تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں (اس جگہ) نماز ادا کروں؟ میں نے اپنے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا:

"فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا وَرَآءَهٗ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ" (مسلم باب الرخصۃ فی التخلف عن الجماعۃ لعذر، ج 1، ص 233) "تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر سلام پھیرا۔"

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

①: جب بھی کوئی کام کرنا مقصود ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کا لفظ ذکر کرے۔ قرآن پاک اور حدیث پاک سے اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

②: "اَلتَّبَرُّكُ بِالصَّالِحِيْنَ وَاٰثَارِهِمْ وَالصَّلٰوةُ فِى الْمَوَاضِعِ الَّتِيْ صَلُّوْا بِهَا وَطَلَبُ التَّبْرِيْكِ مِنْهُمْ" "نیک لوگوں اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے اور جہاں نیک لوگ نماز ادا کریں وہاں نماز ادا کرنا اور اس سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔"

③: کسی بزرگ شخص کا اپنے سے کم درجہ والے کی زیارت کے لئے جانا اور اس کی مہمان نوازی قبول کرنا بہتر ہے۔

④: عذر کی وجہ سے جماعت کو ساقط کرنا جائز ہے۔

⑤: امام عالم یا اس کے بڑے لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے بعض کو لے جانا جائز ہے۔" آجکل مشائخ یا مہتمم حضرات جیسا کہ اپنے ساتھ خدام کو رکھتے ہیں، یہ جائز ہے لیکن دعوت کرنے والے کو یہ بتانا چاہئے کہ میرے ساتھ اتنے آدمی ہوں گے اگر اس کی طاقت ہو تو وہ دعوت کرے، ورنہ چھوڑ دے۔

⑥: کسی کے گھر جا کر اس سے اجازت طلب کر کے اس کے گھر میں داخل ہو بیشک اس شخص نے پہلے خود ہی دعوت کیوں نہ دی ہو۔ صاحب خانہ کے گھر نہ ہونے کی صورت میں واپس لوٹ آئیں۔

⑦: سب سے پہلے مقصودی کام کیا جائے کیونکہ حضور ﷺ نماز ادا کرنے کی غرض سے گئے تھے تو وہی کام آپ نے سرانجام دیا۔

خیال رہے کہ اس حدیث پاک میں یہ بھی ذکر ہے "وَحَبَسْنَاهُ عَلٰى خَزِيْرٍ صَنَعْنَاهُ لَهٗ" "ہم نے آپ کے لئے حزیر کھانا تیار کیا اور آپ کو کھانا تناول کرنے کے لئے ٹھہرالیا۔" "حزیر" یا "حزیرہ" اس کھانے کو کہا جاتا ہے کہ گوشت کو ابال کر اس کے اوپر آٹا ڈالا جاتا تھا۔

"قَالَ: فَثَابَ رِجَالٌ مِّنْ اَهْلِ الدَّارِ حَوْلَنَا حَتّٰى اجْتَمَعَ فِى الْبَيْتِ رِجَالٌ ذُوْ عَدَدٍ" "عتبان کہتے ہیں کہ ارد گرد سے ہمارے محلہ کے کئی آدمی میرے گھر میں جمع ہو گئے۔"

⑧: اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جب کسی کے گھر کوئی نیک بزرگ شخص تشریف لے آئیں تو اہل محلہ اس کے گھر آ کر اس بزرگ کی زیارت کریں۔ اس کی عزت و تکریم بجالائیں اور اس سے فائدہ حاصل کریں۔

⑨: گھر میں نماز کیلئے کسی جگہ کو معین کرنا جائز ہے۔ البتہ ایک حدیث میں گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے معین کرنے کی ممانعت بھی پائی گئی ہے۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب ریاکاری کی نیت سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے معین کی جائے تو یہ ناجائز ہے۔[1]

نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا:

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک پیالہ دکھایا اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور سقیفہ بن ساعدہ میں بیٹھے اور آپ نے فرمایا: {اَسْقِنَا يَا سَهْلُ} "اے سہل ہمیں پانی پلاؤ۔" حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "فَاَخْرَجْتُ لَهُمْ هٰذَا الْقَدَحَ فَاَسْقَيْتُهُمْ فِيْهِ" "کہ میں نے یہ پیالہ نکالا اور اس سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو پانی پلایا۔

ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "فَاَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَالِكَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا فِيْهِ" "سہل نے ہمیں اس پیالہ سے پانی پلایا۔

"ثُمَّ اسْتَوْهَبَهٗ بَعْدَ ذَالِكَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَوَهَبَهٗ لَهٗ" "پھر وہی پیالہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بطور ہبہ طلب کیا۔ تو وہ ان کو ہبہ کر دیا گیا۔"

اس حدیث کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"هٰذَا فِيْهِ التَّبَرُّكُ بِاٰثَارِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا مَسَّهٗ اَوْ لَبِسَهٗ اَوْ كَانَ مِنْهُ فِيْهِ سَبَبٌ وَهٰذَا نَحْوُ مَا اَجْمَعُوْا عَلَيْهِ وَاَطْبَقَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ عَلَيْهِ مِنَ التَّبَرُّكِ بِالصَّلٰوةِ فِىْ مُصَلّٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِى الرَّوْضَةِ الْكَرِيْمَةِ وَدُخُوْلِ الْغَارِ الَّذِىْ دَخَلَهٗ ﷺ"

"اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اور تابعین نے نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کیا۔ نبی ﷺ نے جس چیز کو ہاتھ لگایا ہو یا جس کو پہنا ہو۔ اس سے تبرک حاصل کیا جائے غرضیکہ کسی چیز کو کسی طرح بھی حضور سے نسبت ہو وہ

[1] نووی شرح مسلم امام نووی رحمہ اللہ، ج 2، ص 177 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

وَغَيْرِ ذَالِكَ' وَمِنْ هٰذَا عَطَاؤُهٗ ﷺ اَبَا طَلْحَةَ شَعْرَهٗ لِيَقْسِمَهٗ بَيْنَ النَّاسِ وَاَعْطَاؤُهٗ ﷺ حَقْوَهٗ لِتُكَفِّنَ فِيْهِ بِنْتَهٗ وَجَعْلَهُ الْجَرِيْدَتَيْنِ عَلَى الْقَبْرَيْنِ وَجَمَعَتْ بِنْتُ مِلْحَانَ عِرْقَهٗ ﷺ وَتَمَسَّحُوْا بِوَضُوْئِهٖ ﷺ وَدَلَكُوْا وُجُوْهَهُمْ بِنُخَامَتِهٖ ﷺ وَاَشْبَاهُ هٰذَا كَثِيْرَةٌ مَّشْهُوْرَةٌ فِي الصَّحِيْحِ وَكُلُّ ذَالِكَ وَاضِحٌ لَا شَكَّ فِيْهِ"

(نووی شرح مسلم' علامہ نووی رحمہ اللہ' ج2' ص177)

باعث تبرک ہوگی۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور سلف صالحین اور بعد میں آنے والے تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک میں آپ کے نماز ادا کرنے کی جگہ نماز ادا کر کے تبرک حاصل کیا جائے اور جس غار میں حضور داخل ہوئے' اس میں داخل ہو کر تبرک حاصل کرے یعنی غارِ حرا اور غارِ ثور میں حصول تبرک کے لئے حاضری دے۔ (سعودی نجدیوں کو بھی یہ بات سمجھ آتی تو وہ ان دونوں غاروں کی پہاڑیوں کے نیچے "تبرک حاصل کرنا حرام ہے" کے بورڈ آویزاں نہ کرتے) نبی کریم ﷺ نے خود تبرک حاصل کرنے کے لئے ہی اپنے بال مبارک حضرت طلحہ کو دیئے کہ یہ لوگوں میں تقسیم کر دو اور اپنی چادر انہیں عطا کی کہ اس میں اپنی بیٹی کو کفن دو۔ تبرک کے لئے آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے درخت کی دو سبز شاخیں دو قبروں پر رکھیں۔ تبرک حاصل کرنے کے لئے ہی بنت ملحان نے آپ کے پسینہ کو جمع کر کے اپنے پاس رکھا اور تبرک کے لئے ہی آپ کے وضو کے لئے استعمال ہونے والا پانی اور آپ کے کھنکار اور لعاب کو چہروں پر ملا گیا۔ اس قسم کی کثیر مثالیں صحیح احادیث میں مذکور ہیں جن میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا مریض کی عیادت کرنا:

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے باپ (سعد رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے بتایا:

"عَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ"

"رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری عیادت کی جبکہ میں ایک ایسے درد میں مبتلا تھا کہ بظاہر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں موت کے کنارے پر ہوں۔"

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھے جو تکلیف پہنچ چکی ہے وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں کثیر مال کا مالک ہوں' سوائے میری ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: کہ کیا میں اپنے مال کا آدھا حصہ صدقہ کر دوں؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ البتہ تم اپنے تہائی حصہ کی وصیت کر سکتے ہو' تہائی حصہ کی وصیت کافی ہے اسلئے کہ اگر تم اپنے ورثاء کو محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہوں۔ (تو یہ اچھا نہیں)

"وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى

"تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو مال بھی خرچ کرو گے یقیناً

اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِيْ فِيْ اِمْرَاَتِكَ" ❶ اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ لقمہ تم اپنی زوجہ کے منہ میں ڈالو۔
(تو تمہیں اس کا بھی اجر ملے گا)۔"

فوائد: مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے۔ جس طرح عام لوگ ایک دوسرے کی عیادت کرتے ہیں' یا امام کی عیادت کرتے ہیں' ایسے ہی امام کے لے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ عوام کی عیادت کرے۔

مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مرض کے دوران کسی سے دوا پوچھے۔ یا نیک آدمی کو دعا کرنے کے متعلق کہے یا کسی کو اپنے تہائی مال میں وصیت کرے' یا کوئی اپنے حال کے مطابق مسئلہ پوچھے۔ لیکن مرض سے تنگ ہو کر کسی کے سامنے شکایت کے طور پر ذکر کرنا' پریشانی کا اظہار کرنا منع ہے کیونکہ اس سے وہ ثواب ضائع ہو جاتا ہے جو مرض کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں صلہ رحمی کرنے' قریبی رشتہ داروں پر احسان کرنے اور ورثاء پر شفقت کرنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ جتنا زیادہ قریبی رشتہ ہو گا اسی کے مطابق اس پر احسان کرنا اچھا ہو گا بنسبت دور والے رشتہ کے۔ اور مسئلہ یہ سمجھ آیا اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے' اگر نیت نیک عمل کی ہو تو ثواب حاصل ہوتا ہے۔

"اِنَّ الْاِنْفَاقَ عَلَى الْعِيَالِ يُثَابُ عَلَيْهِ اِذَا قُصِدَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ" "بیشک اولاد پر مال خرچ کرنے سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے جب انسان کا ارادہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہو۔"

یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے۔ اسلئے میں اس کا حکم مان کر اس ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔

"اِنَّ الْمُبَاحَ اِذَا قُصِدَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى صَارَ طَاعَةً وَّيُثَابُ عَلَيْهِ" "بیشک مباح میں جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا لحاظ کر لیا جائے تو وہ کام طاعت بن جاتا ہے اور اس پر ثواب دیا جائے گا۔"

اسلئے نبی کریم ﷺ نے زوجہ کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو نیکی کا کام کہا ہے اور اس میں بھی آپ نے یہ قید ذکر فرمائی۔ "تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ" کہ اس میں تم اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر رہے ہو۔

نتیجہ یہ واضح ہوا کہ جب انسان کوئی مباح کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے تو وہ طاعت ہو جاتا ہے اور اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے کھانا تناول کرنا اور آرام کرنے کے لئے سونا بھی عبادت ہے جبکہ اس کی نیت یہ ہو کہ مجھے اس کھانے اور سونے سے توانائی اور چستی حاصل ہو گی جس سے میں عبادت اچھی طرح ادا کر سکوں گا۔ اسی طرح حرام سے اپنے آپ کو بچانے اور اپنی نظر کو بچانے کی غرض سے اپنی زوجہ سے جماع کرنا بھی مستحب ہے۔

---

❶ مسلم' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ' ج 2' ص 47

نبی کریم ﷺ کے سامنے تکبر کی سزا:

ایاس بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

"اِنَّ رَجُلًا اَکَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بِشِمَالِہٖ فَقَالَ: کُلْ بِیَمِیْنِکَ قَالَ: لَا اَسْتَطِیْعُ قَالَ: لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَہٗ اِلَّا کِبْرٌ قَالَ: فَمَا رَفَعَھَا اِلٰی فِیْہِ" ●

''ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا تناول کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا: کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ! اس نے کہا: میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا: کہ تمہیں طاقت ہی نہ ہو' اس شخص کے لئے مانع صرف تکبر ہی تھا' اس لئے اسے ہاتھ منہ تک اٹھانے کی طاقت بھی نہ حاصل ہو سکی۔''

نبی کریم ﷺ نے اس کے تکبرانہ جواب پر اس کے خلاف دعا کی اور فرمایا ''لَا اسْتَطَعْتَ'' تمہیں طاقت ہی نہ ہو' اس سے فائدہ حاصل ہوا۔

"وَفِی الْحَدِیْثِ جَوَازُ الدُّعَاءِ عَلٰی مَنْ خَالَفَ الْحُکْمَ الشَّرْعِیَّ بِلَا عُذْرٍ"

''اس حدیث میں حکم شرعی کی بلا عذر مخالفت کرنے والے کے خلاف دعا کرنے کا ثبوت موجود ہے۔''

اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ تکبر انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ہر حال اچھے کام کا حکم دینا اور برے کام سے روکنا ضروری ہے' خواہ کھانے پینے کی حالت ہی کیوں نہ ہو؟ کھانے پینے کے آداب سکھانا بھی مستحب ہے۔ دائیں ہاتھ سے کوئی چیز کھانا اور بائیں سے اجتناب کرنا بھی امر مستحسن ہے' بلکہ حضرت نافع نے کسی کو کوئی چیز دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں ہاتھ سے ہی لینا بھی مستحب قرار دیا ہے۔

خیال رہے کہ اس شخص کے متعلق قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے تو منافق ہونا لکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حکم سے عدولی کرنے والا منافق تھا تاہم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ درست نہیں صرف تکبر اور حکم کے انکار سے منافقت ثابت نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ سے بچوں کو گھٹی ڈلوانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کی پیدائش پر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ نے کملی اوڑھ رکھی تھی اور آپ اونٹوں کو تیل لگا رہے تھے' آپ نے فرمایا:

"ھَلْ مَعَکَ تَمْرٌ فَقُلْتُ: نَعَمْ! فَنَاوَلْتُہٗ تَمَرَاتٍ فَاَلْقَاھُنَّ فِیْ فِیْہِ

''کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں! میں

● مسلم امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 180

فَلَا كَهُنَّ ثُمَّ فَغَرَ فَا الصَّبِيِّ فَمَجَّهُ فِي فِيهِ فَجَعَلَ الصَّبِيُّ يَتَلَمَّظُهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: حُبُّ الْاَنْصَارِ التَّمَرَ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ "❶

نے وہ کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔آپ نے پہلے وہ اپنے منہ مبارک میں ڈالیں اوران کو چبایا پھر بچے کے منہ کو کھول کراس میں وہ کھجوریں ڈالیں۔بچے نے کھجور کو چوسنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے (بطورِ تعجب) فرمایا: انصار کو کھجوروں سے کتنی محبت ہے اور آپ نے بچے کا نام "عبداللہ" رکھا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

①: مستحب یہ ہے کہ بچوں کے نام ایسے رکھے جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی آئیں یا انبیاء کرام کے یعنی عبداللہ ابراہیم وغیرہ نام رکھے جائیں۔

②: بچے کے پیدا ہونے پر کھجور سے گھٹی ڈالنا مستحب ہے اگر کھجور نہ مل سکے تو کوئی اور میٹھی چیز اسکے منہ میں ڈالی جائے۔

③: گھٹی ڈالنے والا کھجور کو چبا کر مکمل طور پر نرم کر دے تا کہ بچے کو چوسنے میں مشکل درپیش نہ آئے۔

④: وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُحَنِّكُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ يَتَبَرَّكُ بِهٖ رَجُلًا كَانَ اَوِ امْرَاَةً فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ حَاضِرًا عِنْدَ الْمَوْجُوْدِ حُمِلَ اِلَيْهِ "

"مستحب ہے کہ گھٹی ڈالنے والا نیک شخص ہو خواہ مرد یا عورت اگر نیک شخص وہاں نہ ہو تو بچے کو اس کے پاس لے جائیں تا کہ وہ گھٹی ڈالے۔"

⑤: " اَلتَّبَرُّكُ بِاٰثَارِ الصَّالِحِيْنَ وَرِيْقِهِمْ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنْهُمْ " نیک لوگوں کے آثار یعنی ان سے متعلق اشیاء سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔ان کے لعاب سے تبرک حاصل کرنا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔

⑥: مستحب یہ ہے کہ بچوں کے نام نیک لوگوں سے رکھوائے جائیں تا کہ وہ اسلامی طرز کے نام رکھیں۔صرف فلمی لوگوں کے اور کھلاڑیوں کے نام پر اکتفا نہ کیا جائے۔

⑦: نبی کریم ﷺ میں کامل طور پر عجز پایا جاتا تھا کہ آپ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے خود سرانجام دیتے تھے۔

⑧: بڑے شخص کا از خود اپنے کام میں مشغول ہونے سے "لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مُرُوَّتَهٗ" ان کی مروت میں کوئی فرق لازم نہیں آتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا گم ہونا:

نبی کریم ﷺ کو سفر میں اگر عورتوں کو ساتھ لے جانے کی ضرورت درپیش آتی تو عورتوں کے اطمینان قلب کے لئے

❶ مسلم امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 216

قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ بنی مصطلق (غزوہ مریسیع) میں جاتے ہوئے قرعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ساتھ لے گئے۔ یہ واقعہ پردے کا حکم نافذ ہو جانے کے بعد کا ہے جب پردہ کی آیات نازل ہوگئیں تو اس کے بعد عورتوں کے کجاوے پر بھی پردہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پردہ میں ہی کجاووں کو اٹھا کر اونٹوں پر رکھ دیا جاتا تھا۔

غزوہ سے واپسی پر راستے میں قافلے کا چلنے سے پہلے آپ قضاء حاجت کے لئے چلی گئیں۔ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر قافلہ کے قریب پہنچیں تو دیکھا کہ آپ کے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ آپ اس کی تلاش میں واپس چلی گئیں جب واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ کجاوہ پر پردہ ڈالا ہوا تھا اسی طرح قافلہ والوں نے اسے اونٹ پر رکھ دیا۔ انہوں نے سمجھا آپ اپنے کجاوہ میں ہی ہیں چونکہ آپ کا وزن بھی بہت کم تھا اس لئے قافلہ والوں کو علم نہ ہو سکا۔ آپ واپس لوٹ کر وہیں بیٹھ گئیں کہ مجھے تلاش کرنے کے لئے یقیناً قافلہ والے واپس آئیں گے آپ اسی حال میں سو گئیں۔

صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جن کو قافلہ کے پیچھے رہنے اور کوئی چیز گر جائے تو اسے اٹھانے پر مامور کیا ہوا تھا۔ جب وہاں سے گزرے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان کر {انا للہ وانا الیہ راجعون} پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ صفوان نے اور کوئی کلام نہ فرمایا بس اپنے اونٹ کو بٹھا کر اس کی ٹانگوں پر اپنا پاؤں رکھا تاکہ یہ نہ اٹھے اور حرکت نہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہوگئیں۔ اس طرح آپ قافلہ میں پہنچ گئیں جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔

آپ کے پہنچنے پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق نے سب سے پہلے بہتان تراشی کی اور اس کے بعد اور منافق بھی اس کے ہمنوا بن گئے۔

زیادہ مقام افسوس یہ تھا کہ منافقین کی سازش کے جال میں کئی مخلص صحابہ کرام بھی آگئے یعنی حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ کے یا خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں یہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی کلام نہ فرمایا۔ ایک ماہ کے بعد فرمایا: جو فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہی ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اس پر بہت خوش ہوئی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں پاکدامن ہوں اللہ تعالیٰ ضرور میرے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔ جب سورہ نور کی اٹھارہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے اور منافقین کی مذمت کے لئے نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ان آیات کو سنایا۔

تنبیہ: علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَلَوْ عَرَفَ ذَالِكَ لَمَّا ضَاقَ قَلْبُهٗ" اگر کوئی شخص کہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم نہیں تھا اگر آپ کو اس واقعہ کا علم ہوتا تو آپ پریشان کیوں تھے؟

"وَالْجَوَابُ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَثِيْرًا مَّا كَانَ يَضِيْقُ قَلْبُهٗ مِنْ اَقْوَالِ الْكُفَّارِ مَعَ عِلْمِهٖ بِفَسَادِ تِلْكَ الْاَقْوَالِ قَالَ تَعَالٰى: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَكَانَ هٰذَا مِنْ هٰذَا الْبَابِ" ❶

"اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ کثیر طور پر کافروں کی باتوں سے پریشان ہو جاتے تھے حالانکہ آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کی یہ باتیں غلط ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تحقیق { وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ } ہمیں معلوم ہے کہ بیشک آپ کے دل کو ان کی باتوں سے تنگی حاصل ہوتی ہے' یہ مسئلہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔"

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے بعد واضح ہو گیا کہ آپ کو پریشانی صرف کافروں' منافقوں کی باتوں سے ہو رہی تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں اور خصوصاً جب اپنے بھی سازش کا شکار ہو چکے تھے تو پریشانی کی زیادتی کا یہ سبب بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے پہلے اگر آپ خود ہی منافقوں کی باتوں کا رد فرماتے تو ان کے منہ بند کرنے مشکل تھے لیکن قرآن پاک کی آیات کے نزول کے بعد ان کو ظاہراً کچھ کہنے کی جرات نہ ہو سکی کیونکہ قرآن پاک نے تو ان کو واضح طور چیلنج کر دیا تھا "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورۃ جیسی سورۃ تم بھی بنا کر پیش کرو لیکن وہ کوشش کے باوجود عاجز آ چکے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا بدر میں کفار کے قتل ہو کر گرنے کی جگہ نشان لگانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدر کے متعلق بتایا:

"اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُ: هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَئُوا الْحُدُوْدَ الَّتِيْ حَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" ❷

آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ بدر میں کافروں کے دوسرے دن قتل ہو کر گرنے کے مقامات دکھا رہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ مقام ان شاء اللہ کل فلاں شخص کے مرنے کا ہے۔ راوی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' ان حدود سے کوئی بھی ان کافروں سے ذرا بھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا یعنی ہر ایک ان نشانوں پر ہی قتل ہو کر گرا جہاں نبی کریم ﷺ نے نشانات لگائے تھے۔"

❶ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 22' ص 173 ❷ مسلم شریف' ج 2' ص 395

نبی کریم ﷺ کا بدر کے مقتولوں سے کلام کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر میں قتل ہونے والوں کو تین دن تک اسی طرح چھوڑ دیا۔ پھر ان کے پاس آئے اور ان کے قریب کھڑے ہو کر ان کو ندا دی: اے ابو جہل! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا ایسا نہیں کہ تم نے وہ پالیا جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے سچا وعدہ فرمایا اور میں نے وہ پالیا جو میرے ساتھ میرے رب نے سچا وعدہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے کلام کو سن کر عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَسْمَعُوْا وَاَنّٰى يُجِيْبُوْا وَقَدْ جَيَّفُوْا قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يُّجِيْبُوْا ثُمَّ اَمَرَ بِهِمْ فَسُحِبُوْا فَاُلْقُوْا فِيْ قَلِيْبِ بَدْرٍ" ❶

"یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے سنیں گے اور کیسے جواب دیں گے؟ یہ تو مردار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ البتہ یہ جواب دینے پر قادر نہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔"

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ان کے سننے کا یہی مطلب لیا جائے گا جیسا کہ عام فوت ہونے والے لوگوں کے سننے کا ذکر عذاب قبر والی احادیث میں موجود ہے' البتہ وہ کیسے سن سکتے ہیں؟ اس کے متعلق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے انہیں مکمل زندگی عطا کر دی گئی ہو اور ہو سکتا ہے کہ صرف سمجھنے والے اعضاء کو زندگی دے دی گئی اور انہیں سننے اور سمجھنے کی طاقت دے دی گئی ہو۔

"وَهُوَ الظَّاهِرُ الْمُخْتَارُ الَّذِيْ تَقْتَضِيْهِ اَحَادِيْثُ السَّلَامِ عَلَى الْقُبُوْرِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ" ❷

"یہی قول ظاہر اور مختار بھی یہی ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ قبر پر جا کر سلام کیا جائے یعنی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ" کہا جائے۔ اس سے واضح ہو رہا ہے مردے سنتے ہیں' اگر نہ سنتے تو سلام دینے کا کیا مقصد ہوگا۔"

---

❶ مسلم شریف' ج 2' ص 395
❷ نووی شرح مسلم' امام نووی رحمہ اللہ' ج 2' ص 395
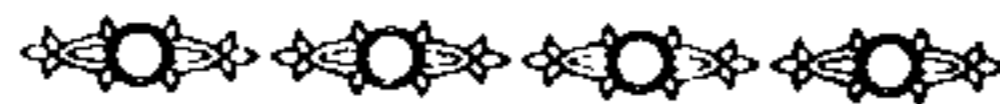
مختصر حالات از مدارج النبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے فرض:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے لوگوں کو ڈرانا اور توحید کی دعوت واجب ہوئی۔ اس کے بعد رات کا قیام' پھر یہ منسوخ فرما دیا۔ پھر معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے پر تمام رات کا قیام مکمل طور پر منسوخ کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت پر پہلے اسلام لانے والے:

آزاد مردوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' بچوں میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے بعد عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص' طلحہ بن عبداللہ ان کے بعد ابوعبید عامر بن عبداللہ بن جراح' ابومسلمہ بن عبداللہ بن عبدالاحد۔ ان کے بعد ارقم' عثمان بن مظعون' عبداللہ بن مسعود' سعید بن زید رضی اللہ عنہم اور فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا۔ عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ام الفضل زوجہ سیدنا عباس اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے ایمان قبول کیا۔

دعوت و تبلیغ: تین سال تک آپ کو مخفی طور پر فرداً فرداً لوگوں کو دعوت ایمان دینے کا حکم تھا۔ پھر آپ کو ظاہر طور پر دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا: بت اور ان کے پوجنے والے سب جہنم میں جائیں گے تو قریش آپ کے مخالف ہو گئے۔ آپ کو ایذاء پہنچانی شروع کی' آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے' راستے میں کانٹے بچھاتے' آپ پر پتھر پھینکتے۔ ایک بد بخت نے نماز کی حالت میں آپ کی گردن کو اوپر سے دبایا۔ ایک بد بخت نے آپ کا گلا گھونٹا۔ ساتھ ساتھ ان لوگوں نے

مسلمانوں کو بھی تکالیف پہنچانی شروع کیں' نبوت کا چوتھا سال ان ایذاء وتکالیف کو برداشت کرتے گزر گیا اور نبوت کے پانچویں سال حضور ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان لانا:

نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا کیونکہ جب آپ کو پتہ چلا کہ ابوجہل نے آج حضور ﷺ کو بہت ایذاء پہنچائی اور گالیاں دیں تو آپ نے ابوجہل کے پاس آ کر کمان سے اس کے سر کو پھوڑ دیا اور خود ایمان قبول کر لیا۔ ان کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس سے کچھ زائد مرد تھے اور گیارہ عورتیں تھیں۔ ان دونوں حضرات کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اسلامی شعار پر ظاہر طور پر عمل شروع ہو گیا۔

قریش کا عہد نامہ اور حضور ﷺ کا شعب ابی طالب میں مقید ہونا:

نبوت کے ساتویں سال قریش نے ابوطالب کو (جو حضور ﷺ کی معاونت کر رہے تھے) کہا: کہ تم اپنے بھتیجے کی امداد چھوڑ دو' یا انہیں ہمارے حوالے کر دو' یا انہیں کہو ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو' یا پھر ہمارے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو تو حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور دوٹوک الفاظ میں کہا: اگر تم میری اس دعوت حق پر میرا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو تو چھوڑ دو۔

قریش نے عہد باندھا کہ محمد (ﷺ) اور اس کا ساتھ دینے والوں سے مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے' ان سے بول چال خرید و فروخت ہر قسم کے تعلقات ختم کر لئے جائیں۔ تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ان کے دلوں میں کچھ نرمی رب تعالیٰ نے پیدا کر دی۔ وہ اس عہد کو ختم کرنا چاہتے تھے' وہ عہد نامہ کعبہ شریف کی ایک دیوار پر لٹکایا ہوا تھا۔ جب انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے اس سے پہلے ہی بتا دیا کہ عہد نامہ کو چاٹنے کے لئے رب تعالیٰ نے دیمک کو مقرر کر دیا ہے۔ اس نے سوائے رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ناموں کے تمام عہد نامہ کو چاٹ لیا ہے۔ جب عہد نامہ کو کھول کر دیکھا تو ایسا ہی ہو چکا تھا۔

ابوطالب کی وفات: نبوت کے دسویں سال ابوطالب فوت ہو گئے۔ اس وقت ابوطالب کی عمر ستاسی سال تھی اور حضور ﷺ کی عمر انچاس سال' آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

ابو طالب کی وفات کے تین یا پانچ دن کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ وہ حضور ﷺ کے پاس پچیس سال رہیں۔ حضور ﷺ ان کی وفات (کے سال) کو "عام الحزن" کہتے تھے یعنی غم کا سال اور گھر سے باہر بہت کم نکلتے لیکن کفار نے بہت زیادہ ظلم و جفا کی بنیاد رکھ دی۔

طائف میں تبلیغ:

حضور ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ مجھے ان لوگوں کی طرف سے کثیر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا لیکن سب سے بڑا رنج مجھے اس وقت حاصل ہوا جب کہ میں نے طائف کے سفر میں طائف کے سرداروں میں سے عبد یالیل بن کلال کو اپنا منصب جلیل بتا کر دعوت اسلام دی لیکن اس نے انکار کر دیا بلکہ یہ بھی خیال رہے کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ پر شدید پتھراؤ کر کے آپ کو زخمی کر دیا تھا۔

جنات کی بیعت:

جب آپ طائف سے واپس لوٹے تو راستہ میں مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر وادیٔ نخلہ میں پہنچے تو وہاں آپ نے ایک رات قیام فرمایا۔ جب آپ نے نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کی تو سات یا نو جنوں نے آپ کی تلاوت کو سنا {وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ} کی آیت کا اسی طرف اشارہ ہے۔ نماز سے فارغ ہونے پر وہ جن حاضر ہوئے اور ایمان قبول کیا اور انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم کے دوسرے جنوں کو دعوت ایمان دی اور کہا:

يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (سورۃ الاحقاف 4:26)

"اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی حق اور سیدھی راہ دکھاتی۔"

مدینہ منورہ سے انصار کی آمد:

نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ جو چھ آدمیوں پر مشتمل تھا، حاضر ہوا اور آپ نے انہیں بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ وہ لوگ پہلے بھی یہود کے علماء سے نبی آخر الزمان کے اوصاف سنتے تھے۔ اسلئے انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کو سنتے ہی ایمان قبول کر لیا

اسی کو "بیعت عقبہ اولیٰ" کہا جاتا ہے۔

معراج اور نماز:

ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال آپ کو معراج کا شرف حاصل ہوا۔ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں انبیائے کرام کی امامت فرمائی، پھر آسمانوں اور جنت کی سیر کی، دوزخ کو دیکھا۔ رب تعالیٰ سے کلام کی، پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ خیال رہے کہ ابتداء وحی میں ہی دن کے اول اور آخر میں نماز فرض کر دی گئی تھی لیکن پانچ نمازیں معراج کی رات کو فرض ہوئیں۔ [1]

دوسرے سال مدینہ سے اور حضرات کا آنا:

جب چھ حضرات ایمان قبول کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور ﷺ کا مدینہ طیبہ میں خوب چرچا ہوا۔ دوسرے سال حج کے موقع پر ان چھ حضرات کے ساتھ بارہ حضرات اور بھی آئے اور منیٰ میں ہی عقبہ کے پاس آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا۔ یہ "بیعت عقبہ ثانیہ" سے مشہور ہے۔

حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ کی دعوت اور آپ کا جواب:

انصار مدینہ نے واپسی پر آپ کی خدمت میں عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ چلیں اور ہمارے شہروں کو اپنے مبارک قدموں سے سرفراز فرمائیں اور ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا: مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی میری ہجرت کا کوئی مقام ابھی متعین کیا گیا۔ رب تعالیٰ کا جو حکم ہوگا، اس پر ہی عمل ہوگا۔

صحابہ کرام کی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت:

حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے دکھایا گیا ہے کہ تمہارا مقام ہجرت دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ منورہ ہے۔ آپ کو ابھی تک حکم نہیں ہوا تھا لیکن بعض صحابہ کرام کو آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی زید بن خطاب کے ساتھ اور عیاش بن ربیعہ بیس اکابر صحابہ کے ساتھ حمزہ بن عبد المطلب، عبد الرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، عثمان بن حارثہ، عمار بن یاسر، عبد اللہ بن مسعود اور بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ نے ہجرت فرمائی۔ باقی حضرات نے ہجرت پوشیدہ طور پر کی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی۔

---

[1] مدارج النبوت، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2، ص 85

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتظار کرنے کا حکم:

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ارادہ کیا کہ اسبابِ سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ ہجرت کر چلیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو! مجھے یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت عطا فرمائے گا تو تم میرے ساتھ ہونا۔

حضور ﷺ کے متعلق کفار کا مشورہ:

جب بعض صحابہ کرام مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تو کفار نے محسوس کیا کہ حضور ﷺ بھی تشریف لے جائیں گے۔ ان کے جانے سے قبل انہیں (معاذ اللہ) کسی شر و فساد میں مبتلا کیا جائے۔ اس وقت ان کا لیڈر ابوجہل تھا۔ ابلیس بھی "شیخ نجدی" کی صورت میں ان کا معاون اور مشیر بن گیا تھا۔ کسی نے مشورہ دیا: حضور ﷺ کو مکہ سے زبردستی نکال دیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کو قید کر دیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کا جادوگر ہونا مشہور کیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کا مجنون ہونا مشہور کیا جائے۔ کوئی کہنے لگا: آپ کا جھوٹا ہونے کا چرچا کیا جائے۔ سب مشورے ابلیس "شیخ نجدی" نے رد کر دیئے۔ ابوجہل نے یہ مشورہ دیا کہ پانچ قبیلوں سے پانچ شخص لئے جائیں اور یہ پانچ یکبارگی حملہ کریں اور محمد ﷺ کو قتل کر دیں۔ بنی ہاشم ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے سے عاجز آ جائیں گے۔ شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے یہ رائے پسند کی اسی پر سب متفق ہو گئے۔

سید الانبیاء ﷺ کی ہجرت، کفار کی ذلت:

جب کفار نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کی غرض سے تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت حضور ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ کفار یہ نہ کہہ سکیں۔ اگر ہمیں پتہ چلتا کہ وہ جا رہے ہیں تو ہم انہیں قتل کر دیتے، بلکہ وہ تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ سورہ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ مٹی کی ایک مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینکی وہ آپ کو نکلتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

ابو حاتم کی روایت میں جسے حاکم نے صحیح قرار دیا کہ اس وقت جس کافر کے سر پر خاک پڑی تھی، وہ سب بدر کے دن ہلاک ہو گئے تھے۔

شانِ صدیق و حیدر رضی اللہ عنہما:

جب حضور ﷺ نے ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا کہ تم لوگوں کی امانتیں لوٹا کر آ جانا۔ چونکہ حضور ﷺ کے پاس کفار بھی امانتیں رکھا کرتے تھے اور آپ کو "صادق و امین" کے لقب سے یاد کرتے

تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "اے علی! دل کو مضبوط رکھنا۔ یہ کفار تمہیں کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے"۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اپنے ساتھ لیا اور سفر ہجرت کا آغاز فرما دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کرنے اور فدیہ بنانے کیلئے پیش کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت وجرأت یہ ہے کہ حضور کے رفیقِ سفر بن کر خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا کیونکہ اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں شریک صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور کفار دشمن بھی حضور ﷺ کے ہی تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امتحان میں کامیابی:

جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جا رہے تھے تو کسی شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہچانا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ یہ عجیب امتحان تھا کہ اگر آپ صحیح بتاتے ہیں تو کفار حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائیں گے۔ اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کی شان کے لائق نہیں۔ آپ نے شاندار حکیمانہ جواب دیا کہ میرے ساتھ "ہادی" ہیں۔ سننے والا حقیقت کو نہ سمجھ سکا' اس نے سمجھا کہ آپ کہیں سفر پر جا رہے ہیں تو کسی شخص کو آپ نے ساتھ لیا ہوا ہے جو راہ کو جانتا ہے۔ اس وقت اہل عرب کا یہی دستور تھا۔

سراقہ کا زمین میں دھنس جانا:

حضور ﷺ کو "سراقہ" نامی شخص نے پہچان لیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ دوسرے کافروں کو بتائے تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر حضور ﷺ سے کہا: آپ میرے لئے دعا کریں کہ میں زمین سے نکل جاؤں تو کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس طرح وہ حضور ﷺ کی دعا سے زمین سے نکلا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ محبت:

راستہ میں حضور ﷺ کے پاؤں مبارک سفری مشکلات کی وجہ سے زخمی ہو گئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کندھے پر اٹھا لیا اور غار ثور کے دہانے پر لے آئے۔
غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود داخل ہوئے تا کہ غار میں کوئی موذی جانور حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ نے غار کے اندر تمام سوراخ اپنے اوڑھنے والی چادر کے ٹکڑے کر کے بند کر دیئے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا لیکن کپڑا باقی نہ تھا۔ اس میں آپ نے اپنی ایڑی رکھی اور حضور ﷺ کو اندر تشریف لانے کے متعلق عرض کیا۔ حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زانو (یاران) پر سر رکھ کر آرام فرما ہو گئے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سوراخ کے اندر موجود سانپ

نے ڈس لیا۔ آپ کو تکلیف ہوئی' آنسو بلا اختیار جاری ہو گئے۔ حضور ﷺ کے چہرے پر پڑے۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے' آپ ﷺ نے وجہ پوچھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ حضور ﷺ نے لعابِ دھن لگایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ٹھیک ہو گئے۔

قدرتِ باری تعالیٰ:

جب حضور ﷺ غارِ ثور میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ببول کا ایک درخت غار ثور کے دہانہ پر لگایا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جالا تنے۔ مواہب لدنیہ میں بسندِ بزار منقول ہے کہ حرم مکہ میں رہنے والے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں کیونکہ حضور کی خدمت گزاری اور آپ کی دعائے برکت سے وہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

غارِ ثور پر کفار کی آمد اور مایوسی:

کفار حضور ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ اگر وہ نیچے اپنے پاؤں کی جانب ہی دیکھ لیتے تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتے لیکن وہ غار کو دیکھ کر لوٹ آئے اور کہنے لگے: اگر محمد اس میں داخل ہوتے تو کبوتر کے انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑی کا جالا درہم برہم ہو جاتا اور یہ درخت اس جگہ ان کی مدت عمر سے پہلے کا اگا ہوا ہے۔

کلامُ الملوک ملوکُ الکلام:

جب کفار غارِ ثور پر پہنچے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کفار نے ہمارا کھوج لگا لیا ہے۔ اگر وہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں دیکھ لیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا: {لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا} غم نہ کرو! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب فرعونوں کو دیکھا تو کہنے لگے: {اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ} ہم تو پالئے گئے یعنی اب تو وہ ہمیں پکڑ لیں گے تو ان کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: {کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ} ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے ہدایت دے گا۔

سید الانبیاء علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں فرق:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ذکر پہلے کیا اور رب تعالیٰ کا بعد میں۔ اور نبی کریم ﷺ نے رب کا ذکر پہلے کیا اور اپنا بعد میں۔ موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنا ذکر کیا کہ میرے ساتھ میرا رب ہے لیکن حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ

ملایا اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ گویا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس قابل نہیں سمجھا کہ جو مجھے رب کی معیت حاصل ہے۔ وہ میری قوم کو بھی حاصل ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملا کر کہا: بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

نکتہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا: {لَا تَحْزَنْ} کچھ غم نہ کرو۔ اس سے یہ مقصد واضح ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا خطرہ نہیں' بلکہ انہیں میری فکر لاحق ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ خود ڈرتے اور انہیں اپنی جان کی فکر ہوتی تو حضور فرماتے {لَا تَخَفْ} ڈرو نہیں۔ علامہ بیضاوی پہلے پارہ {لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ} کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ فَضْلًا عَنْ اَنْ يَّحِلَّ بِهِمْ مَكْرُوْهٌ وَّلَا هُمْ مَنْ يَفُوْتُ عَنْهُمْ مَحْبُوْبٌ فَيَحْزَنُوْا عَلَيْهِ"

''ان پر کوئی خوف نہیں کہ ان پر کوئی ناپسندیدہ چیز کا وقوع ہو اور نہ ہی ان سے کوئی محبوب چیز فوت ہو گی کہ انہیں اس پر کوئی حزن (غم) لاحق ہو۔''

واضح ہوا کہ حزن کا تعلق محبوب چیز پر کوئی خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے غم کے آنے سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنی فکر کی تھی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی واضح ہوا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہیں ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سید الصحابہ ہیں۔

غارِ ثور سے مدینہ طیبہ کی طرف کوچ فرمانا:

غارِ ثور میں تین دن قیام کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دو اونٹ تھے اگرچہ ایک اونٹ آپ نے نبی کریم ﷺ کو بطور ہدیہ پیش کیا لیکن حضور ﷺ ہدیہ قبول کرنے کے بجائے خریدنے کو ترجیح دی۔ اس طرح نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر کا آغاز کر دیا۔ راستے میں چرواہے کی اجازت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری کا دودھ دوہ کر آپ ﷺ کو پیش کیا اگرچہ وہ چرواہا غلام تھا لیکن اس وقت کے رواج کے مطابق غلاموں کو اجازت ہوتی تھی کہ راہ گیر کو دودھ پلایا کریں۔

دورانِ سفر آپ کا ''مقام قدید'' میں امِ معبد کے خیمہ کے قریب سے گزر ہوا۔ امِ معبد حالانکہ مسافروں کی مہمان نوازی میں مشہور تھی لیکن اس وقت اس کے پاس کوئی چیز پیش کرنے کو نہ تھی۔ اس کے خیمہ میں ایک بکری نہایت لاغر' کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ جا سکی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں۔ اس نے کہا: میری

طرف سے تو اجازت ہے لیکن اس کے دودھ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حضور ﷺ نے بکری پر ہاتھ پھیرا۔ بسم اللہ شریف پڑھ کر دعا کی: ''اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهَا فِیْ شَاتِهَا'' (اے اللہ! ام معبد کی بکری کو برکت عطا فرما) تو بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ حضور ﷺ نے بکری کا دودھ دوہا تو سب خیمہ والوں نے اور آپ ﷺ نے' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیر ہو کر دودھ پیا اور خیمہ میں موجود تمام برتن دودھ سے بھر دیئے۔ ام معبد کے خاوند کو جب حضور ﷺ کے اس معجزہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا: کہ مجھے امید ہے میں ان کا ساتھی بنوں گا۔ اس طرح کچھ دیر کے بعد ان دونوں خاوند اور بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔

مدینہ منورہ آمد:

پیر کے دن ربیع الاول میں آپ مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ آپ کو بلند جگہ سے دیکھتے رہتے تھے کہ آپ کب پہنچیں گے۔ بنونجار کی لڑکیاں حضور ﷺ کی آمد پر خوشی سے دف بجاتی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ   یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

آپ جب وداع کی گھاٹیوں سے سامنے ہوئے تو اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ   وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

بعض روایات میں اس شعر کا بھی ذکر ہے:

اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا   جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی آمد پر میں آٹھ نو سال کا تھا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے آنے پر مدینہ طیبہ کے در و دیوار ایسے روشن ہو گئے تھے جیسے سورج کے طلوع ہونے پر روشنی ہوتی ہے۔

قیام کے لئے انصار کی خواہش اور حضور ﷺ کا ارشاد:

انصار میں سے ہر شخص کی تمنا تھی کہ حضور ﷺ میرے گھر قیام فرمائیں۔ ہر ایک یہی عرض کر رہا تھا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور (اسے حکم دیا گیا ہے) ہے وہ جہاں خود بیٹھ جائے گی' وہی مقام میرے قیام کا ہوگا۔ اونٹنی (جہاں مسجد نبوی بعد میں بنی وہاں) حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے خود ہی بیٹھ گئی۔

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام:

آپ ﷺ نے اونٹنی کے بیٹھنے پر حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ پہلے آپ ﷺ نے ان کے گھر کے نیچے حصہ (گھر دومنزلہ تھا) میں قیام کیا' لیکن ایک رات حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ حضور ﷺ نیچے اور میں اوپر ہوں۔ یہ ادب کے خلاف ہے۔ تمام رات ایک کونہ میں گزار دی۔ صبح عرض کیا: کہ آپ اوپر تشریف لے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نیچے بہتر ہوں کہ لوگوں کو ملنے میں آسانی ہے۔ لیکن حضرت ایوب رضی اللہ عنہ نے بار بار جب عرض کیا کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ آپ نیچے رہیں تو ان کی تمنا پر آپ ﷺ اوپر والے حصہ میں تشریف لے گئے۔

نبی کریم ﷺ کی علالت اور وصال

وصال کی خبر:

نبی کریم ﷺ نے جو آخری حج فرمایا اس میں فرما دیا تھا کہ شائد آئندہ سال میں تم لوگوں میں نہ رہوں۔ اسی لئے اس کو "حجۃ الوداع" کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہنا چاہے تو رہے اور اگر اپنے رب تعالیٰ سے ملنا چاہے تو رب سے ملے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے نے رب تعالیٰ کو ملنا پسند کر لیا ہے۔ یہ اشارہ بھی اپنے وصال کی طرف تھا۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اشارہ کو واضح طور پر سمجھتے ہوئے رونا شروع کر دیا تھا اور کہہ رہے تھے: میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

حجۃ الوداع میں منیٰ کے دنوں میں سورۃ {اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ} نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: کہ تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہان سے جانا چاہئے جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: غم نہ کیجئے:

وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ؃ (سورۃ الضحیٰ:30) "یقیناً آپ کے لئے آخری (وقت) پہلے سے بہتر ہے۔"

نبی کریم ﷺ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد اکثر طور پر پڑھتے تھے: {سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ اللّٰهُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ} صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول ﷺ کیا وجہ ہے یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبان اقدس پر بہت جاری رہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جان لو! مجھے عالمِ بقاء کی طرف بلایا گیا ہے اور تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنے وصال کی

خبر دے دی تھی۔ ہجرت کے گیارہویں سال کے ماہ صفر میں نبی کریم ﷺ بقیع قبرستان والوں کے لئے استغفار فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی طرح شہداءِ احد کے لئے بھی استغفار کی اور ان کی قبور کی زیارت کی۔ اس میں حکمت یہی تھی کہ آپ دنیا میں رہ کر جو ان کی زیارت کرتے تھے اسے الوداع فرما رہے تھے اور برزخی تعلق کی خبر دے رہے تھے کہ اب میرا تمہارے ساتھ بعد از وصال تعلق ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ بقیع سے واپس تشریف لائے تو میرے سر کو درد لاحق تھا۔ میں نے اپنے سر درد کی شکایت آپ سے کی۔ آپ نے بطورِ مزاح فرمایا: کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا یہ اچھا نہیں کہ تمہاری موت آ جائے تو میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کے انتظامات کروں اور تم پر نماز پڑھوں' دفن کروں اور تمہارے لئے دعاءِ استغفار کروں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بطورِ مزاح کہا: ہاں! آپ چاہتے ہیں کہ میں فوت ہو جاؤں اور آپ میری جگہ کسی اور عورت کو زوجہ بنا کر لے آئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد حقیقتِ حال کی طرف اشارہ فرمایا: کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا تمہارے سر کو جو درد لاحق ہے وہ تو ٹھیک ہو جائے گا لیکن میرے سر کا درد ٹھیک ہونے والا نہیں۔ گویا اس طرف اشارہ تھا کہ میں اس مرض میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

مرض کی ابتداء:

نبی کریم ﷺ کی مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کی باری کے دن میں ہوئی تھی۔ مرض میں بھی آپ ﷺ ہی ازواج مطہرات کی باریوں کا خیال فرماتے رہے لیکن جب بیماری شدید ہو گئی تو آپ نے فرمایا: آج میں کہاں ہوں گا؟ کل کہاں؟ اشارہ تھا کہ اب اس حال میں مجھے ایک جگہ رہنا چاہئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ازواج مطہرات سے فرمایا: کہ آپ ﷺ پر یہ شاق ہوگا کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں اس پر تمام ازواج مطہرات نے بخوشی اجازت دے دی کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت فرمائیں اور ہم وہاں آپ کی تیمارداری کریں گی۔

شدت مرض:

مرض کی شدت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری میں ہی ہوئی اور آپ دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس طرح تشریف لا رہے تھے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔

آپ کی مرض میں شدت یہاں تک آ گئی کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مضطربانہ

طور پر کروٹ بدلتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو آپ برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آجاتے'' آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں انتہائی سخت مرض میں مبتلا ہوں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء وصلحاء پر ابتلاء انتہائی سخت وشدید بھیجتا ہے۔ کوئی مصیبت وایذاء پہنچے یہاں تک کہ پاؤں میں کانٹا چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ اور فرمایا: روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جسے مرض وغیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دے جیسے خزاں کے موسم میں پتے جھڑتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے اوپر اوڑھی ہوئی چادر کے اوپر سے بھی بخار کی شدید حرارت کو پایا اور میں برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں کیونکہ آپ شدید بخار میں مبتلا تھے۔

خیال رہے کہ بلاء میں طوالت اور امتحان وآزمائش میں مبتلاء ہونا بارگاہِ الٰہی کے مقرب بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے جب عظیم انبیائے کرام ہیں اور سب انبیاء کرام سے عظیم مرتبہ رکھنے والے ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں تو آزمائش بھی سب سے زیادہ ہوئی تھی۔

انبیائے کرام کو موت وزندگی کا اختیار دیا گیا تھا:

''وَالْاَنْبِيَاءُ كَانُوْا مُخَيَّرِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ آخِرَ الْاَمْرِ بَيْنَ الْحَيٰوةِ وَالْوَفَاتِ'' (1)

''انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندہ رہنے یا دنیا سے رخصت ہونے کا اختیار دیا گیا تھا۔ چاہیں تو دنیا کو پسند کریں چاہیں تو رب تعالیٰ کے حضور ﷺ جانے کو پسند کرلیں۔''

انبیائے کرام علیہم السلام نے رب کی ملاقات اور اس کے دربار میں حاضری کو ترجیح دی۔

نبی کریم ﷺ کا رب تعالیٰ سے ملنے کی دعاء کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی کریم ﷺ بیمار پر ان کلمات سے دم فرمایا کرتے تھے:

''اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا''

ایک روایت میں ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو اپنے لئے ان کلمات سے ہی اپنے آپ پر بھی دم فرمایا اور اپنا ہاتھ مبارک تمام بدن پر پھیرا۔ اور جب نبی کریم ﷺ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس کے بعد آپ کا وصال ہوگیا تو

(1) مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 11، ص 20

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے چاہا کہ آپ پر یہی دعاء پڑھوں اور آپ کے جسم اقدس پر ہاتھ پھیروں لیکن نبی کریم ﷺ نے مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور یہ دعاء پڑھنے لگے:

"رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَالْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى" "اے رب! اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔"

یعنی اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلا لے۔ آپ کو اختیار تو دیا گیا تھا کہ آپ دنیا میں رہنا چاہتے ہیں یا کہ رب تعالیٰ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ نے رب تعالیٰ سے ملنا پسند فرمایا۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جبرائیل علیہ السلام اس مرض کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور پیغام پہنچایا کہ اے محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کو اس مرض میں وفات دے دوں اور مستغرق دریائے رحمت فرمادوں۔ (تو آپ کی کیا رائے ہے۔ تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں اور ان میں سے ہو جاؤں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (سورۃ النساء 6:5)

نبی کریم ﷺ کے مرض کا ابتدائی وقت:

نبی کریم ﷺ کی علالت کی ابتداء صفر کے آخر میں ہوئی جبکہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں۔ وہ بدھ چہارشنبہ کا دن تھا لیکن یہ مرض کی شدت ہے' معمولی مریض آپ پہلے سے تھے جیسا کہ بقیع سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میرا دردِ سر ختم ہو گا۔ مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی لیکن آپ پھر بھی ازواج مطہرات کی باریوں کا لحاظ کرتے رہے' پھر مرض کی شدت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمانا:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ علالت میں نماز کے لئے اذان دی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ربیعہ سے فرمایا: باہر جاؤ! اور ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ باہر آئے تو انہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بغیر کوئی آدمی نہ ملا۔ انہوں نے ان سے ہی کہا: آپ نماز پڑھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کرائی۔ آپ چونکہ بلند آواز والے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا یہ عمر (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھا رہے ہیں تو بتایا گیا کہ ہاں! وہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے بلکہ ابوبکر کو کہو وہ نماز پڑھائیں۔

مخفی نہیں رہنا چاہئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے خاص فرمانے اور اس میں مبالغہ واصرار فرمانے

میں اہل سنت و جماعت کیلئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابہ کرام قریش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے مگران کو خاص کیا اور آگے بڑھایا۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُكَ ''اللہ تعالیٰ کے رسول نے آپ کو آگے بڑھایا ہے تو کون ہے جو آپ کو مؤخر کرے۔''

اسد الغابہ میں بروایت حسن بصری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے رسول نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی' میں موجود تھا' غائب نہ تھا۔ تندرست تھا' بیمار نہ تھا۔ اگر آپ چاہتے تو مجھے آگے کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم اپنی دنیا کے لئے (خلافت کے لئے) اس شخص پر راضی ہو گئے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ہمارے دین کے لئے راضی ہوئے۔

قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا: جان لو اور آگاہ ہو جاؤ! کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنا لیا تھا تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا' خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں اور فرمایا: "اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ' اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" ''خبردار! میں نے تمہیں خبردار کر دیا: اے اللہ! گواہ رہ' اے اللہ! گواہ رہ۔''

خیال رہے کہ قبر کو سجدہ کیا جائے اور صاحب قبر کو معبود سمجھا جائے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر معبود تو اللہ تعالیٰ کو ہی مانا جائے لیکن پھر بھی قبر کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے' اگرچہ یہ شرک نہیں۔

رحلت کی رات چراغ میں تیل نہیں تھا:

جب دوشنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی انصاری عورت کے گھر کسی کو چراغ دے کر بھیجا کہ اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈال دیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں یعنی اس حالت میں گھر میں چراغ موجود نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سات دینار کہیں سے آئے تھے جن کو آپ خرچ نہیں کر سکے تھے۔ بیمار ہو گئے شدید بیماری کی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ان سونے کے ٹکڑوں کو کہیں بھیج دو کہ وہ خرچ ہو جائیں لیکن آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیماری کی اور شدت ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں لگ گئیں۔ آپ کو جب ہوش آیا تو پوچھا کہ وہ دینار خرچ ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ابھی نہیں۔ یہی حالت اور یہی سوال و جواب تین مرتبہ درپیش آیا۔ اس کے بعد کچھ افاقہ ہوا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے گئے تاکہ یہ مستحقین میں خرچ کر دیں۔

سبحان اللہ! مال سارا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا اور خود جب دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں تو گھر کے چراغ میں تیل نہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولنا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

انصار کے حق میں وصیت:

زمانۂ علالت میں ایک دن نبی کریم ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا۔ باہر تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ دیا فرمایا: ''اِنَّ الْاَنْصَارَ عَیْبَتِیْ'' بیشک انصار عیبتی ہیں یعنی بقچہ وصندوق کی طرح ہیں جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ''کَرِشِیْ وَعَیْبَتِیْ'' کے الفاظ ہیں۔ کرش معدہ کو کہا جاتا ہے (عِیبة بکسر عین) زیور کی ڈبیہ کو کہتے ہیں اور قیمتی کپڑے رکھنے والے صندوق کو بھی کہتے ہیں۔ مقصد بیان یہ تھا کہ یہ لوگ میرے خاص اور میرے محل اسرار ہیں اور فرمایا ''میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی۔ اور میرے ساتھ محبت اخلاص اور دوستی و مروت کا برتاؤ کیا اور تمہارے (اے مہاجرین) ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے۔ قسم ہے اس اللہ عزوجل کی! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔

خیال رہے انصار کی محبت کا بھی یہ عالم تھا کہ نبی کریم ﷺ روز بروز جب زیادہ علیل ہو رہے تھے تو وہ اپنے گھروں میں صبر و قرار سے نہ رہ سکے اور حیران و پریشان مسجد کے گرد گھومنے لگے اور کہتے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے جائیں اور ہم نہیں جانتے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہو گا؟

مسواک کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اچانک حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی نظر مسواک کی طرف دراز (لمبی) فرمائی۔ میں نے جان لیا کہ نبی کریم ﷺ مسواک کو پسند فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یہ مسواک آپ کے لئے لےلوں۔ آپ نے سر مبارک کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! لےلو۔ پھر میں نے نرم کر کے وہ مسواک آپ کو دے دی۔ آپ نے اپنی عادت کریمہ سے زائد ہی مسواک فرمائی۔ پھر آپ نے وہ مسواک مجھے واپس دی۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے آخری دن میرے اور آپ کے لعاب کو جمع فرمادیا۔

نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا:

جس دن نبی کریم ﷺ نے رحلت فرمائی اس دن کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دروازے کے پردے ہٹا کر مسجد میں لوگوں کی جانب نظر مبارک ڈالی اور ملاحظہ فرمایا کہ فجر کی نماز ہے اور حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھا رہے ہیں۔ پھر دروازے پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی نظر مبارک ان کی طرف جمی رہی گویا کہ آپ کا روئے انور قرآن پاک کا ورق ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک کو قرآن پاک کے اوراق سے تشبیہ دی یہ کتنی حسین تشبیہ ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا: جب حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے تھے تو صحابہ کرام نے خیال کیا کہ شاید حضور ﷺ باہر تشریف لا رہے ہیں۔ اس پر وہ سب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آپ نماز کے لئے تشریف لے آئیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

؎ ''نماز را بگوارم ترا سلام کنم'' ''نماز کو ہم چھوڑ رہے ہیں اور تجھے سلام کر رہے ہیں۔''

حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آجائیں مگر رسول ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہیں اور اپنی نماز پوری کریں۔ پھر دروازے کا پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا گویا کہ آپ کا یارانِ محبت کو یہ آخری الوداعی سلام تھا اور اپنے دیدار سے صحابہ کو مشرف کرنا تھا۔

خیال رہے کہ سب صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کو دیکھ رہے تھے' الٹے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ تمام صحابہ کا رخ قبلہ سے پھر گیا تھا۔ مدینہ طیبہ میں قبلہ جنوبی جانب ہے اور نبی کریم ﷺ کا حجرہ مشرقی جانب ہے' باوجود اس

کے کہ صحابہ کرام نے اپنے منہ قبلہ سے پھیر کر نبی کریم ﷺ کی طرف کر لئے تھے لیکن کسی کی نماز نہیں ٹوٹی بلکہ نماز کو وہیں سے جاری رکھا گیا تھا' حالانکہ قبلہ کی طرف سے منہ پھیر لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے' جب سینہ بھی پھر جائے۔ صحابہ کو یہ کیفیت حاصل ہو چکی تھی' ہاتھوں پر ہاتھ مارنے کا عمل کثیر بھی ہو رہا تھا لیکن کوئی عارضہ بھی نماز کو فاسد نہ کر سکا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عظمت کا پاس کرنا روح نماز ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے ہو کعبے کا کعبہ دیکھو

ملک الموت کا اجازت طلب کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے دن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا اور بغیر اجازت کے روح قبض نہ کرنا تو روحوں کو قبض کرنے والے (حضرت عزرائیل علیہ السلام) نے دروازے کے باہر اعرابی (دیہاتی) کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنَ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ" "اے اہل بیت نبوت! معدن رسالت اور فرشتوں کے آنے جانے کے مقامات تم پر سلام ہو۔"

مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا: نبی کریم ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں (یعنی آپ پر مرض کا شدید حملہ ہے) اس وقت ملاقات نہیں کر سکتے۔ دوسری مرتبہ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اسی طرح اجازت طلب کی (لیکن پھر بھی جواب اسی طرح سنا) گھر میں موجود حضرات پر خوف طاری ہو گیا نبی کریم ﷺ کچھ ہوش میں آئے اور آنکھیں کھول کر فرمایا: کیا بات ہے؟ صورت حال آپ کو بتائی گئی۔ آپ نے فرمایا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تمہیں معلوم ہے' یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا' خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا' اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا' بیویوں کو بیوہ کرنے والا' اور بچوں اور بچیوں کو یتیم کرنے والا ہے۔

مطلب یہ واضح تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ روح قبض کرنے والا عزرائیل علیہ السلام ہے۔ اسے اندر آنے دیجئے' یہ تو کسی سے پوچھتا ہی نہیں۔ یہ تو صرف خاندان نبوت کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے بامر الٰہی اجازت طلب کر رہا ہے' ورنہ اس نے تو کبھی (کسی کی) فکر نہیں کی کہ گھر میں کون ہے؟ کون نہیں۔ یہ تو بلا اجازت ہی ہر گھر جاتا ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خبر دینا:

اسی موقع پر یا کہ ایامِ مرض میں اس سے پہلے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے وصال کی خبر دی۔ زیادہ صحیح یہ ہی ہے کہ یہ خبر پہلے کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ کے پاس موجود تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کی چال نبی کریم ﷺ کی چال مبارک سے کوئی مختلف نہ تھی (یعنی آپ کے چلنے کا انداز نبی کریم ﷺ کے چلنے کے انداز سے بالکل مشابہ تھا) جب نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے میری بیٹی! مرحبا۔ پھر ان کو اپنے پاس بٹھایا۔ پھر ان سے کوئی سرگوشی کی جس کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شدید رونے لگیں۔ حضور ﷺ نے جب ان کے غم کو دیکھا تو دوبارہ پھر ان سے کوئی اور سرگوشی کی اب انہوں نے مسکرانا شروع کر دیا۔

جب نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: تمہارے ساتھ نبی کریم ﷺ نے مخفی طور پر کیا باتیں کہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ نبی کریم ﷺ کا راز ہے جسے میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد میں نے کہا: کہ میں تمہیں اپنے اس حق کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں جو میرا حق تم پر ہے (یعنی مجھے تمہاری ماں ہونے کا حق ہے) کہ تم مجھے بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ نے تمہیں کیا خبر دی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں! اب ٹھیک ہے یعنی اب میں بتا سکتی ہوں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ نے میرے ساتھ پہلی مرتبہ سرگوشی کی تو بیشک آپ نے مجھے خبر دی کہ تحقیق جبرائیل میرے ساتھ ہر سال قرآن پاک کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ انہوں نے میرے ساتھ دو مرتبہ دور کیا ہے لہٰذا میں اپنے وصال کو بہت قریب دیکھ رہا ہوں (پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صبر کرنا' بے شک میرا پہلے جانا تمہارے لئے بہتر ہے' تو میں رو پڑی۔ جب آپ نے میری پریشانی کو دیکھا تو دوسری مرتبہ پھر سرگوشی کی اور فرمایا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تم پسند نہیں کرتی کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا تم مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو۔ (یہ راوی کو شک ہے کہ دونوں لفظوں میں سے کون سا لفظ ذکر کیا گیا۔)

ایک روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ سرگوشی کر کے آپ نے مجھے خبر دی کہ میں اسی مرض میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں (تو میں یہ سن کر) رونے لگی۔ آپ نے پھر میرے ساتھ سرگوشی کی اور مجھے خبر دی کہ تمام اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ کو ملوں گی تو میں مسکرانے لگی۔

نبی کریم ﷺ کی خبر کے مطابق آپ خود بھی دنیا سے اسی مرض میں تشریف لے گئے اور آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ تمام اہل بیت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو کر حضور ﷺ سے ملاقات کرنے والی آپ ہی تھیں۔

جبرائیل علیہ السلام کی مزاج پرسی:

ایک روایت میں جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ کی مزاج پرسی کے لئے آنا اور عزرائیل علیہ السلام کا ان کے ساتھ آ کر اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے۔

بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت جعفر بن محمد سے روایت بیان کی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص قریش میں سے اپنے باپ علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہ بتاؤں۔ انہوں نے کہا: ضرور بتائیں تو یہ بتانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ جب مریض تھے تو آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا: اے محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تکریم وتشریف کے لئے بھیجا ہے۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے وہ یہ پوچھتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیسے پاتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبرائیل علیہ السلام! میں اپنے آپ کو غمزدہ اور مصیبت زدہ پاتا ہوں۔ دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام پھر حاضر ہوئے ان کا وہی سوال تھا اور نبی کریم ﷺ کا بھی وہی جواب تھا۔ تیسرے دن پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں حاضری دی' پھر وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ بھی تھا جسے ''اسماعیل'' کہا جاتا ہے' جو ایک لاکھ فرشتوں کا سردار تھا اور ہر فرشتہ کو ایک لاکھ پر سرداری حاصل تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے اس کے لئے بھی اجازت طلب کی کہ وہ بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا حضور نے اس کے متعلق پوچھا جبرائیل علیہ السلام نے اس کا تعارف کرایا۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ ملک الموت (عزرائیل) بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ آپ سے پہلے کسی آدمی سے اس نے اجازت طلب نہیں کی اور آپ کے بعد بھی کسی سے اجازت طلب نہیں کرے گا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: کہ آپ اسے اجازت دیں' آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عزرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا' پھر عرض کیا: اے محمد ﷺ! بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اگر آپ اپنی روح قبض کرنے کی مجھے اجازت فرماتے ہیں تو میں آپ کی روح کو قبض کروں گا اور اگر آپ یہ حکم فرماتے ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ دوں۔ تو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ملک الموت تم اپنا کام کرو (یعنی روح قبض کرنے کی تمہیں اجازت ہے) عزرائیل نے کہا: ہاں! مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت بھی کروں۔

راوی کہتے ہیں: حضور نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد ﷺ! بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو ملنے کا بہت مشتاق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ملک الموت کو کہا: جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ کام کرو تو عزرائیل نے آپ کی روح کو قبض کر لیا۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا اظہارِ غم:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بہت غمزدہ ہو گئیں۔ آپ کو کسی نے کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا۔ آپ اکثر طور پر روتی رہتی تھیں اور یہ کہتی رہتی تھیں۔ {یَا اَبَتَاہُ' یَا اَبَتَاہُ} اے ابا جان! اے ابا جان! اور کہتیں: اے ابا جان! آپ نے اللہ تعالیٰ کے بلاوے کو قبول کر لیا ہے۔ اے ابا جان! آپ نے جنت الفردوس میں اقامت اختیار کر لی۔ اے ابا جان! اب جبریل وحی کس کے پاس لائیں گے۔ اے اللہ! فاطمہ کی روح کو نبی کریم ﷺ کی روح سے ملا دے۔ اے اللہ! مجھے اپنے رسول کا دیدار عطا فرما۔

خیال رہے کہ رونے میں کوئی جزع فزع نہیں تھا۔ پیٹنا' واویلا کرنا نہیں تھا' کپڑے پھاڑنا' گریبان چاک کرنا نہیں تھا۔ فقط آنسو بہانا اور اظہارِ غم کے طور پر مذکور بالا الفاظ کا ذکر تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے قراری:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال' بہت زیادہ پریشان حال تھیں۔ آنسو رواں تھے۔ ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے' اس طرح صبر کا دامن تھامتے ہوئے اظہارِ غم کر رہی تھیں۔ افسوس ہے اس نبی محترم پر جنہوں نے فقر کو تونگری پر اور درویشی کو مالداری پر اختیار فرمایا۔ افسوس ہے اس ذات پر جنہوں نے امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر کبھی بستر راحت پر آرام نہیں فرمایا۔ اسی طرح روتے ہوئے کئی اور اوصاف کا بھی تذکرہ کر رہی تھیں۔

غیبی آواز سے اہل بیت کو مزید صبر کی تلقین:

آپ ﷺ کے گھر کے ایک کونہ سے آواز آ رہی تھی' اگرچہ کہنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا' آواز دینے والا یہ آواز دے رہا تھا:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

''اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہوں' ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔''

بلاشبہ ہر مصیبت کے لئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور زیادہ صبر کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غم میں مبتلا ہونا:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہو گئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی عقلیں سلب کر لی گئیں اور ان کے حواس معطل ہو گئے۔ بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی۔ ان کے ہوش و حواس اور بولنے کی قوت جاتی رہی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قریب سے گزرے اور انہیں سلام کیا لیکن وہ سلام کا جواب نہ دے سکے۔ بعض حضرات اپنی جگہ جمے بیٹھے رہے، جنبش کی طاقت تک نہ رہی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا۔ کچھ حضرات کہہ رہے تھے: حضور ﷺ پر وقتی طور پر بیہوشی طاری ہے، سکتہ کا عالم ہے، آپ پر وفات طاری نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: جو کوئی یہ کہے گا ''نبی کریم ﷺ نے وفات پائی'' میں اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شدید غم میں ثابت قدمی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی زیادہ پریشان تھے، آنسو بہا رہے تھے، غم میں نڈھال تھے لیکن آپ نے اس نازک مرحلہ میں ثابت قدمی سے کام لیا۔ ہوش و حواس کو برقرار رکھتے ہوئے خطبہ دیا جو حمد و ثناءِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: جو کوئی نبی کریم ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے وہ اب بھی موجود و زندہ ہے، اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

''اور نہیں ہیں محمد مگر اللہ تعالیٰ کے رسول۔ بیشک آپ سے پہلے رسول گزرے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔''

اور اس آیت کی تلاوت کی: {اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} ''اے حبیب آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے وصال کی وجہ سے صحابہ کرام پر کچھ ایسا اثر ہو چکا تھا کہ یہ آیات سن کر صحابہ کرام یوں محسوس کر رہے تھے جیسا کہ یہ نازل ہی اب ہوئی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا جس کا لب لباب یہ تھا: اے لوگو! میں نے جو پہلے کہا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر وفات طاری نہیں ہوئی۔ وہ کوئی کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے ثابت نہیں، بلکہ میری یہ خواہش تھی کہ آپ ہم میں زندہ رہتے یعنی ظاہری حیات میں جس طرح آپ ہم میں پہلے جلوہ گر ہوتے ہمیشہ ایسے ہی رہتے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہم شاکر و صابر ہیں۔

تنبیہ: نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا۔ آپ اس میں ہاتھ مار کر چہرہ پر مار رہے تھے آپ کو بار بار پسینہ آ رہا تھا۔ بظاہر یہ شدت کی کیفیت نظر آتی ہے' آپ کو سکرات موت میں شدت کیوں حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ کوئی تکلیف نہیں بظاہر بے قراری نظر آتی تھی لیکن اس کی کئی وجوہ آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو کو میں ذکر کر رہا ہوں:

① : بظاہر جو بے قراری نظر آتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ سے خاص ملاقات کا تھا اور وہ خشیت وہیبت وجلال تھا جو معرفت وعبودیت اور قرب حضور ذی الجلال میں اس حال اور اس وقت کے مناسب تھی اور یہ تمام خصوصیات کسی اور حالت ووقت میں نہ تھیں۔

② : اور وجہ یہ تھی کہ یہ بے قراری درحقیقت رب سے ملاقات کے لئے روح کی بے تابی تھی گویا آپ چاہتے تھے کہ جلدی ہی اس دنیا سے نکل کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ کے غسل کا ذکر:

آپ کے غسل کے لئے آپ کے اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ' اور ان کے دو بیٹے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہ' ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور نبی کریم ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید اور حضور کے غلام حضرت صالح حبشی شریک ہوئے۔ آپ کے جسم اطہر کے اردگرد چادریں تان دی گئی تھیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیراہن مبارک کے اندر داخل کیا اسامہ قمیص کے اوپر پانی ڈالتے تھے۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو تک پانی پہنچانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کر رہے تھے اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی۔ چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ ان کے ہاتھ سے مس ہو رہا ہے ان سب نے آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غیب سے پردہ کے پیچھے سے آواز آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نرمی برتو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے بغیر میرا کوئی ستر نہ دیکھے۔ اگر کوئی خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس طرح دوسرے لوگوں کے پیٹ وغیرہ سے خارج ہوتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے' حیات میں بھی اور ممات میں بھی۔

نبی کریم ﷺ کی وصیت کے مطابق آپ کو بیر غرس (مدینہ طیبہ کے شمالی جانب ایک کنوئیں کا نام ہے) پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے تھے۔ غسل کے وقت نبی کریم ﷺ کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشے میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

جب غسل مکمل ہو گیا تو مقام سجدہ اور مفاصل شریف (اعضاء کے جوڑ) کو خوشبو سے معطر کیا گیا اور تین مرتبہ عود (اگر) کی دھونی دی گئی یعنی خوشبودار لکڑی سلگائی گئی اس کے بعد اٹھا کر سر پر لٹا دیا گیا۔ آپ کے جسم اطہر پر استعمال کرتے ہوئے جو خوشبو بچ گئی تھی اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں یہ خوشبو لگانا کیونکہ حضور سے بچائی ہوئی ہے۔

کفن دینے کی وصیت:

نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ وہ یمنی چادریں تھیں چونکہ یمن کے علاقہ میں ایک بستی کا نام ''سحول'' ہے جہاں وہ کپڑا تیار ہوتا تھا جس سے آپ کے کفن مبارک میں چادریں استعمال کی گئیں۔ اس لئے آپ کے کفن کپڑے کو سحولی بھی کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آپ کے کفن کے کپڑے کو ''مِنْ کُرْسُفٍ'' (کرسف سے بنا ہوا) بھی کہا گیا ہے کرسف یعنی روئی کو کہتے ہیں۔

بیہقی نے حاکم سے نقل کر کے کہا: حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ' حضرت ابن عمر' حضرت جابر عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے حدیثیں حد تواتر تک پہنچ گئیں ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کفن میں تین کپڑے تھے۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس پر ایک قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا۔ وہ کفن میں داخل نہیں لہٰذا وہ حدیث جو سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو بوقت وصال آپ کے جسم پر اور پگڑی کا ذکر نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضور ﷺ کی نماز جنازہ:

حضور ﷺ کی نماز جنازہ جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی گئی' بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی' پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی۔ آپ کا جسدِ اقدس اسی حجرہ مبارک میں تھا' جہاں آپ کو غسل

دیا گیا۔ سب سے پہلے مرد داخل ہوئے جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتیں کے بعد بچے۔

جماعت میں صفوں کی ترتیب ہوتی ہے لیکن یہاں نہ کوئی صفوں کی ترتیب تھی اور نہ کوئی امام تھا۔ اس لئے کسی نے نہ کوئی امامت کی اور نہ جماعت سے نماز کی ادائیگی ہوئی۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہیں کی کیونکہ آپ ایام حیات اور ممات میں سب کے امام ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ پر متعدد نمازیں پڑھی گئیں اور تنہا لوگوں نے پڑھیں ورنہ عام لوگوں کی ایک ہی نماز جنازہ ہے اور وہ بھی جماعت سے یہ بھی۔ خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سب سے پہلے نماز جنازہ اہل بیت نبوت نے ادا کی یعنی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم نے سب سے پہلے نماز جنازہ ادا کرنے والے تھے۔ اس کے بعد مہاجرین صحابہ کرام اس کے بعد انصار صحابہ کرام نے نماز جنازہ ادا کی' پھر دوسرے لوگ آتے رہے اور نماز جنازہ ادا کر کے لوٹتے رہے۔

جب اہل بیت نبوت نے نماز جنازہ ادا کر لی تو لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ پر کون سی دعا پڑھیں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو جب لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا' اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ سَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلَآئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ مَا سَبَّحَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَ رَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الشَّاهِدِ الدَّاعِيْ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَ عَلَيْهِ السَّلَامُ"

اس دعا کو شیخ زین الدین مراغی نے اپنی کتاب "تحقیق النصرۃ" میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر:

نبی کریم ﷺ کا وصال دوشنبہ (پیر) کو ہوا اور سہ شنبہ (منگل) پورا گزر گیا اور آپ کا تخت شریف آپ کے گھر میں رہا آپ کو چہار شنبہ (بدھ) کی رات کو دفن کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام لوگ آپ کی نماز جنازہ ادا کر لیں یہاں تک کہ سب لوگ جب نماز ادا کر چکے تو پھر آپ کو دفنا دیا گیا۔

❀❀❀❀

شیعہ کا اعتراض باطل ہے:

اہل تشیع کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ ادا نہیں کی یہ بالکل لغو قول ہے باطل ہے کذب بیانی ہے حقائق سے دور بات ہے۔

آیئے! اہل تشیع کی کتاب اصول کافی اور اس کی شرح صافی کو دیکھئے: اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ تمام لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی مدینہ کے لوگ بھی اس میں شامل تھے اور باہر دیہاتوں کے اصول کافی کی عبارت یہ ہے:

"عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: قُلْتُ لَهٗ کَیْفَ کَانَتِ الصَّلٰوةُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَاَنَّهٗ قَالَ: لَمَّا غَسَّلَهٗ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ کَفَّنَهٗ وَ سَجَّاهُ ثُمَّ اُدْخِلَ عَلَیْهِ عَشَرَةٌ فَدَارُوْا حَوْلَهٗ ثُمَّ وَقَفَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ وَسْطِهِمْ وَ قَالَ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا فَیَقُوْلُ الْقَوْمُ کَمَا یَقُوْلُ حَتّٰی اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ وَاَهْلُ الْعَوَالِیْ" [1]

"حضرت جعفر علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ کیسے ادا کی گئی تھی تو انہیں بتایا گیا کہ جب امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا اور کفن پہنا دیا اور ڈھانپ دیا تو دس آدمی آپ کے جسد مبارک کے پاس آئے اور اردگرد پھرے پھر امیر المومنین علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور پڑھا: {اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا} قوم نے بھی یہی پڑھا جو امیر المومنین پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ تمام اہل مدینہ نے پڑھا اور اردگرد تمام دیہات والوں نے پڑھا۔"

اہل تشیع کی اپنی ہی حدیث نے واضح کر دیا کہ حضور ﷺ کی نماز جنازہ تمام صحابہ کرام نے ادا کی۔

حضور ﷺ کو دفن کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب:

نبی کریم ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ اس میں صحابہ کرام نے اپنی اپنی رائے پیش کی کسی نے کہا: آپ کو اسی حجرے میں دفن کیا جائے جہاں آپ کی روح کو قبض کیا گیا اور کسی نے کہا: آپ کو مسجد شریف میں دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کو بقیع قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اور کسی نے کہا: قدس میں بہت انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور ہیں وہاں دفن کیا جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرمایا: کوئی نبی نہیں دفن کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں اس کی روح قبض کی گئی۔

---

[1] اصول کافی مع الصافی کتاب الحجہ جزء سوم ص 171

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا۔

اس کے بعد تمام صحابہ کرام کا اتفاق اس پر ہوا کہ آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا جائے تو آپ کی چارپائی کو اٹھا کر ایک طرف کیا گیا اور وہاں ہی قبر کھودنے کا آغاز ہوا۔

قبر کو لحد بنایا گیا:

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے ایک حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو بطریق شق (درمیان میں کھودائی والی) قبر کھودتے تھے۔ دوسرے صحابی حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو لحد (بغلی یعنی ایک طرف سے کھدائی والی) قبر کھودتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کے حضور دعاء کی: اے اللہ! اپنے حبیب کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو۔ اس دعاء کے بعد آپ نے دونوں صحابیوں کی طرف آدمی بھیج دیئے کہ جو پہلے آجائے اسی سے قبر بنوالی جائے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ مل سکے جو انہیں بلانے گیا تھا اس لئے وہ بروقت نہ پہنچ سکے لیکن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بروقت آگئے۔ انہوں نے لحد قبر بنائی۔ نبی کریم ﷺ کو لحد قبر پسند تھی آپ نے فرمایا "اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا" (لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے)

خیال رہے کہ اگر زمین سخت ہو جہاں لحد بن سکے وہاں افضل ہے۔ اور جہاں زمین نرم ہو لحد نہ بن سکے وہاں شق بنائی جائے۔ نبی کریم ﷺ کو جب لحد پسند تھی رب تعالیٰ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کو قبول کرتے ہوئے آپ کے لئے لحد کا انتظام ہی فرمایا کہ لحد کھودنے والے صحابی ہی بروقت پہنچ سکے۔

نبی کریم ﷺ کی تدفین:

بدھ کی رات سحری کے وقت نبی کریم ﷺ کو قبر انور میں داخل کیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم، حضور ﷺ کی قبر انور میں داخل ہوئے۔

قبر میں امت کو یاد کرنا:

حضرت قثم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قبر انور میں سے سب سے آخر میں نکلنے والا میں ہی تھا اور سب سے آخر میں آپ کے چہرۂ انور کی زیارت کرنے والا میں ہی تھا۔ میں نے قبر مبارک میں آپ کو دیکھا کہ آپ کے لب مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ میں

نے اپنے کان حضور کے منہ مبارک کے قریب ہی کیے تو میں نے سنا کہ آپ فرمار ہے ہیں "رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ" اے میرے رب! میری امت۔ میری امت' یعنی امت کی مغفرت فرما۔

نیک لوگوں کے قریب دفن کرنا بہتر ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب اپنی وفات ودفن کی رب تعالیٰ سے درخواست کی۔ اس پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وَاَمَّا سُؤَالُهٗ الْاِدْنَاءَ مِنَ الْمُقَدَّسَةِ فَلِشَرْفِهَا وَفَضِيْلَةِ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَدْفُوْنِيْنَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ" [1]

"آپ نے بیت المقدس کی زمین کے قریب وفات و دفن کا سوال اس لئے کیا تھا کہ اس زمین کو شرف حاصل تھا خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام اور نیک ہستیوں کے وہاں دفن ہونے کی وجہ سے اس زمین کو فضیلت حاصل تھی۔"

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو کتنا ہی بلند مقام حاصل ہو گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"

دعاء ہے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے' نیک لوگوں کا قرب زندگی میں اور وفات کے بعد بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت عطا فرمائے۔

یا اللہ! اپنے حبیب پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میری اولاد کو صحیح عقیدہ پر قائم دائم رکھنا' برے عقائد سے محفوظ رکھنا۔ (آمین ثم آمین)

یا اللہ! میری اس سعی کو قبول فرما اور عوام کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بروز اتوار قرب الافطار۔ 14 / رمضان المبارک 1417ھ

26 جنوری 1997ء

عبدالرزاق ابن قاضی عبدالعزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبی

قدست اسرارہم ورفعت درجاتہم فی العلمین

---

[1] مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 11' ص 21

﴿فہرست ماخذ و مراجع﴾

نام کتاب	مصنف	مطبع
قرآن مجید	کلام باری تعالیٰ	تاج کمپنی لاہور' راولپنڈی
کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور' کراچی
التبیان مع البیان	سید احمد سعید کاظمی	کاظمی پبلی کیشنز ملتان
تفسیر البحر المحیط	ابوحیان اندلسی	دارالفکر بیروت
تفسیر بیضاوی	قاضی ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی	مکتبہ حقانیہ پشاور
تفسیر ثعالبی	عبدالرحمٰن بن محمد ثعالبی	موسسۃ الاعلمی بیروت
تفسیر خازن	علاءالدین الخازن	دارالفکر بیروت
تفسیر حقانی	عبدالحق حقانی	نعمانی کتب خانہ لاہور
تفسیر ضیاءالقرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور
تفسیر عزیزی	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	کابل' افغانستان
تفسیر کبیر	امام فخرالدین رازی	مکتبہ عبدالرحمٰن قاہرہ' دارالفکر بیروت
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد قرطبی	داراحیاءالتراث
تفسیر کشاف	جاراللہ زمخشری	دارالکتاب العربی بیروت
تفسیر نسفی	عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی	مکتبہ محمدی بمبئی
تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی	نعیمی کتب خانہ لاہور
تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل بن کثیر	داراحیاءالتراث
تفسیر خزائن العرفان	سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور
تفسیر جلالین	جلال الدین سیوطی' جلال الدین محلی	قدیمی کتب خانہ کراچی
تفسیر مظہری	قاضی ثناءاللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تفسیر صاوی	شیخ احمد صاوی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
تفسیر نجوم الفرقان	علامہ عبدالرزاق بھترالوی	جامعہ جماعتیہ مہرالعلوم' ضیاءالعلوم پبلی کیشنز

نام کتاب	مصنف	مطبع
تفسیر روح البیان	علامہ اسماعیل حقی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
شیخ زادہ علی البیضاوی	محی الدین شیخ زادہ	داراحیاء التراث
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم قشیری	قدیمی کتب خانہ کراچی
جامع ترمذی	محمد بن عیسی ترمذی	فاروقیہ کتب خانہ ملتان
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث بجستانی	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائی	ایچ۔ایم سعید کمپنی کراچی
سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید ابن ماجہ	قدیمی کتب خانہ کراچی
بیہقی (شعب الایمان)	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	دارالکتب العلمیہ بیروت
شرح السنہ	امام محی السنہ	قومی پریس لکھنؤ
نووی شرح مسلم	یحیٰی بن شرف نووی	قدیمی کتب خانہ کراچی
معجم طبرانی	ابوقاسم سلیمان بن احمد طبرانی	مکتبہ توعیہ الاسلام بیروت
فیوض الباری	سید محمود احمد رضوی	مکتبہ رضوان لاہور
عون المعبود شرح ابوداؤد	ابوطیب شمس الحق	نشر السنہ ملتان
مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس	میر محمد کتب خانہ کراچی
لمعات علی مشکوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مدینہ پبلی کیشنز کراچی
مرقاۃ المفاتیح	علامہ علی قاری	مکتبہ امدادیہ ملتان
مشکوۃ المصابیح	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی	ایچ۔ایم سعید کراچی
فتوحات مکیہ	شیخ محی الدین ابن عربی	بیروت
مدارج النبوت	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مدینہ پبلی کیشنز کراچی
مسند ابی یعلی	احمد بن علی تیمی	دارالمامون التراث
مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	عالم الکتب بیروت
نزہۃ القاری	شریف الحق امجدی	فرید بک سٹال لاہور
حاشیہ الجمل	سلیمان بن عمر عجیلی جمل	مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

نام کتاب	مصنف	مطبع
مواہب لدنیہ	احمد بن محمد قسطلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
نسیم الریاض	احمد بن شعیب خفاجی	دارالکتب العلمیہ بیروت
طبقات الکبریٰ	محمد بن سعد	عبدالتواب اکیڈمی ملتان
تاریخ ابن ہشام	عبدالملک بن ہشام	دارالکتب العلمیہ بیروت
الحاوی للفتاوی	امام جلال الدین سیوطی	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
فتاوی مہریہ	پیر مہر علی شاہ	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
ردالمحتار	علامہ ابن عابدین شامی	داراحیاء التراث
نورالانوار	احمد ملا جیون	قاسمیہ لائبریری ڈھاکہ بنگلہ دیش
ہدایہ	برہان الدین علی بن ابی بکر	مکتبہ شرکت علمیہ ملتان
جواہر السنایہ حاشیہ علی الہدایہ	علامہ عبدالرزاق بھترالوی	مکتبہ امام احمد رضا راولپنڈی
مفردات راغب	امام راغب اصفہانی	مکتبہ المیمنیہ مصر
شمس الہدایت	پیر مہر علی شاہ	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
شرح زرقانی علی المواہب	عمر بن عبدالباقی زرقانی	مکتبہ الازہریہ مصر
ملفوظات مہریہ	پیر مہر علی شاہ	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
الصافی فی اصول الکافی	ملا خلیل	مکتبہ نولکشور لکھنؤ
الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاض مالکی	دارالکتب العلمیہ بیروت
معجم البلدان	شہاب الدین یاقوتی حموی	داراحیات التراث
البدایہ والنہایہ	علامہ ابن کثیر	دارالحدیث قاہرہ
خلاصۃ التفاسیر	فتح محمد تائب	قومی پریس لکھنؤ
سعایہ شرح وقایہ	عبدالحی لکھنوی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تنویر الابصار	علامہ محمد اشرف سیالوی	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم
کفایہ مع فتح القدیر	محمد بن عبدالواحد جلال الدین خوارزمی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
شرح مسلم	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بک سٹال
ضیاء النبی	پیر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
بیان القرآن	محمد علی لاہوری	مکتبہ کریمی لاہور

شیخ الحدیث علامہ قاضی عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی کی گرانقدر تصانیف

1	تفسیر نجوم الفرقان ج اول	26	عقیدہ حاضر وناظر
2	تفسیر نجوم الفرقان ج دوم	27	فضائل رمضان
3	تفسیر نجوم الفرقان ج سوم	28	شب برأت سے روکنے کی ناپاک جسارت
4	تفسیر نجوم الفرقان ج چہارم	29	تحفہ حفاظ
5	تفسیر نجوم الفرقان ج پنجم	30	شمائل ترمذی
6	تفسیر نجوم الفرقان ج ششم	31	نجوم التحقیق
7	تفسیر نجوم الفرقان ج ہفتم	32	جواہر التحقیق {افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ} (زیر طبع)
8	تفسیر نجوم الفرقان ج ہشتم	33	انوار التحقیق {فضائل صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم} (زیر طبع)
9	تفسیر نجوم الفرقان ج نہم	34	میزان الصرف (اردو حاشیہ)
10	تفسیر نجوم الفرقان ج دہم (زیر طبع)	35	مراح الارواح (اردو حاشیہ)
11	تفسیر نجوم الفرقان ج یازدہم (زیر طبع)	36	نور الایضاح (عربی حاشیہ)
12	تذکرۃ الانبیاء	37	مختصر القدوری (عربی حاشیہ)
13	موت کا منظر مع احوال حشر ونشر	38	کنز الدقائق (عربی حاشیہ)
14	شمع ہدایت	39	ہدایہ مع جواہر السنایہ ج اول (عربی حاشیہ)
15	تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان	40	ہدایہ مع جواہر السنایہ ج دوم (عربی حاشیہ)
16	اسلام میں عورت کا مقام	41	ہدایہ مع جواہر السنایہ ج سوم (زیر طبع)
17	نماز حبیب کبریا	42	ہدایہ مع جواہر السنایہ ج چہارم (زیر طبع)
18	میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	43	تلخیص المفتاح (عربی حاشیہ)
19	اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے	44	سراجی فی المیراث (اردو حاشیہ)
20	نماز کے بعد ذکر ودعا مستحب ہے	45	خلاصہ توضیح وتلویح (اردو)
21	تکریم والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	46	خلاصہ حسامی (اردو)
22	احکام مسجد	47	خلاصہ شرح نخبۃ الفکر (اردو)
23	اذان کے ساتھ درود شریف مستحب ہے	48	خلاصہ مناظرہ رشیدیہ (اردو)
24	سبز عمامہ کی برکتوں سے کذاب جل اٹھے	49	خلاصہ سراجی (اردو)
25	اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب ہے	50	خلاصہ شرح عقائد (اردو)

آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ، صحابہ کرام کے اقوال اور محققین اہل سنت کے
آثار سے مزین، شان سیدنا امیر معاویہ اور منکرین کی تحقیق پر بلند پایہ تحقیقی کتاب
تحقیق انیق

نجوم التحقیق

شیخ الحدیث علامہ قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مہتمم جامعہ اسلامیہ ... راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا
راولپنڈی